کجھ مینوں مرن دا شوق وی سی
آسیہ مرزا

پیش گفتار

حضرت انسان اپنی جبلّت، عادت کردار اور عمل کے لحاظ سے مجموعہ اضداد ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کی حیرت انگیز تخلیق ہے۔ اس کی فطرت کے پرت کھولتے چلے جائیں، ہر زاویہ اور ہر باب ایک نئی کہانی لئے ہوئے ہے۔ یہ آدم زادہ دنیائے فانی کے اسٹیج کا وہ کردار ہے جو اپنے اندر ہمہ جہت پہلو رکھتا ہے۔ اس کا عمل اور ردعمل ہر لمحے اور ہر آن اتنی تیزی سے پہلو بدلتا ہے کہ اس کی ذات کے کسی زاویے کا تعین کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ بقول اقبالؒ۔

ثبات اِک تغیر کو ہے زمانے میں

اس معاملے میں مرد و زن کی کوئی قید نہیں کہ ہر دو صنف اس تغیر سے متصف ہے۔ ہاں اگر کوئی فرق ہے تو محض اتنا کہ عمل اور ردِعمل کی شدت کے اعتبار سے ایک فریق دوسرے سے کمتر یا برتر ہے۔ ایک عورت ماں، بہن، بیٹی، بیوی یا محبوبہ کے روپ میں جن جذبوں کا اظہار کرتی ہے وہ بحیثیت مجموعی مثبت رویئے کہلاتے ہیں۔ مثلاً شفقت، ایثار، صدق، وفا، اعتماد اور حسن ظن اور ان جیسے دوسرے اوصافِ جمیلہ جو ہر مذہب اور مسلک میں لائق تحسین ہیں۔ اس کے برعکس یہی عورت جب ساس، بہو، نند، سوکن اور رقیب کا کردار ادا کرتی ہے تو اس کی سوچ، عمل، ردعمل اور اندازِ فکر یکلخت منفی رخ اختیار کر لیتے ہیں اور پھر وہ ان مثبت اوصاف کے برعکس جن کا میں نے ابھی اوپر ذکر کیا، منفی اوصاف کا اظہار کرنا شروع کر دیتی ہے۔ مثلاً رشک و حسد، بغض، بدظنی وغیرہ۔ اسی طرح مرد کا معاملہ ہے۔ گو کہ اس کے مثبت اور منفی عمل اور ردِعمل کا کینوس بہت وسیع ہے۔ اس کے باوجود مختلف النوع سچویشنز میں جو اسے گھر کے اندر اور باہر پیش آتی ہیں، اس کا رویہ بھی ایک عورت کے رویہ سے زیادہ مختلف نہیں ہوتا۔ وہ بھی نارمل حالات میں (نارمل حالات سے میری مراد وہ حالات ہیں جو اس کے پسندیدہ ہوں جس میں اس کی انا کو اور مفادات کو ٹھیس نہ پہنچتی ہو) وہ ایک مثالی باپ، بیٹے، بھائی، شوہر، دوست اور تاجر کا کردار ادا کرتا ہے اور جب تک کوئی اس کے اغراض و مقاصد کی راہ میں روڑے نہیں اٹکاتا وہ بدستور مجموعۂ خیر بنا رہتا ہے اور جہاں کسی نے اس کے کسی معاشی یا معاشرتی مفادات میں رخنہ اندازی کی یا اس کی اتھارٹی اور اجارہ داری کو چیلنج

کر دیا، وہیں اس نے بھی اپنا چولا بدل لیا۔ اپنے مفادات اور اس دنیائے فانی میں اپنی نام نہاد پوزیشن کو خطرے میں دیکھ کر ایک وضعدار شخص دفعتہً ایک ننگے جارح کا روخ دھار لیتا ہے اور ایک پُروقار اور دردمند شخص کی بجائے ایک عیار، شاطر اور سنگدل شخص جنم لیتا ہے۔ ہر معاملے میں درگذر کرنے والا آدم زاد سراپا انتقام بن جاتا ہے۔ مہر و وفا کا استعارہ، قہر و جفا کے عفریت کا روپ اختیار کر لیتا ہے۔

غرض یہ کہ مشیت خاکی یہ انسان جو اپنی خلق کے اجزائے ترکیبی کے لحاظ سے سب سے کمزور مخلوق ہے اور جس کا اللہ کی زمین پر دندناتے اور اتراتے ہوئے اور اکڑتے ہوئے چلنا، محض ایک سانس کی نازک ڈوری پر موقوف ہے کہ یہ ڈوری ٹوٹی نہیں اور یہ طنطنہ گیا نہیں۔

بس اتنی سی حقیقت ہے فریب خواب ہستی کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ بن جائے

مگر بات تو احساس کی ہے۔ صرف آگہی سے تو بات نہیں بنے گی۔ جس دن انسان کے مجموعی ضمیر نے اس تلخ حقیقت کا ادراک کر لیا، سمجھ لیجئے یہ خرابہ جسے ہم زمین کہتے ہیں، جنت ارضی بن جائے گا۔ گو کہ اس خوش امیدی کی کوئی بنیاد فی الوقت تو نظر نہیں آتی بلکہ موجودہ حالات میں تو یہ۔

ایں خیال است، و محال است و جنوں

والی کیفیت ہے۔ لیکن اے صاحبو! خدا لگتی کہئے کہ اگر یہ خوش گمانیاں اور یہ خوش امیدیاں بھی نہ رہیں تو پھر زندہ رہنے کا جواز بھی کیا رہ جاتا ہے؟

زیر نظر کہانی بھی انہی خوش امیدیوں اور خوش گمانیوں کی کہانی ہے۔ خاندانوں کے منتشر ہونے اور غود وحدت ہونے کی داستان ہے۔ یہ میری کہانی ہے۔ یہ آپ کی کہانی ہے۔ اس کہانی کے ساز و کردار ہمارے اردگرد بکھرے ہوئے ہیں جس کے احساسات اور جذبات کو میں نے لفظوں سے اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کوشش میں، میں کس حد تک کامیاب ہوں اس کا فیصلہ تو بہرحال قارئین نے یعنی آپ نے کرنا ہے۔

آسیہ مرزا

"میں کہہ رہی ہوں اسد! کچھ تو عقل کے ناخن لو، ایک نہیں چار بیٹیاں ہیں پوری خیر سے۔ مگر پتہ نہیں تمہیں دکھائی ہی نہیں دیتیں۔ بیٹیاں بھی بٹھانے کی چیز ہیں بھلا؟ اے ہے، میں تم سے کہہ رہی ہوں، اب کیا آسمان سے انوکھے لاڈلے اتریں گے جنہیں بیٹیوں کے ہاتھ تھماؤ گے؟"

"کیا بات ہے اماں! اتنا شور کیوں مچا رہی ہیں؟" اسد خان نے فائل بند کر دی اور چشمہ اتار کر، فائل پر رکھ کر، کرسی کی پشت پر خود کو ڈھیلا چھوڑتے ہوئے کہنے لگے۔

"اب شور مچائے بغیر چارہ بھی تو نہیں ہے۔ تمہارے تو کانوں پر جوں ہی نہیں رینگتی۔ میں کہتی ہوں ہمارے زمانے میں تو تیرہ چودہ کا سن لگتے ہی بیٹی بیاہی ہو جاتی، ایک تم ہو، کوئی رشتہ پسند ہی نہیں آتا۔ بس ناں کی تان کھینچ دیتے ہو۔ اب کیا اڑن کھٹولا لے کر اترے گا تمہارا داماد؟"

صبیحہ دوپٹے کے پلو پر کروشیا سے بیل بناتے ہوئے ساس کی باتوں پر محظوظ ہو کر برابر مسکرائے جا رہی تھیں۔ پھر شوہر کی طرف دیکھا جو کسی حد تک اکتائے اور بیزار دکھائی دے رہے تھے مگر ماں کا احترام ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے رسان سے بولے۔

"اب وہ زمانے نہیں رہے اماں! جب تیرہ چودہ سال کی لڑکیوں کو بیاہ دیا جاتا تھا۔ اب لڑکیوں کی تعلیم ضروری ہے۔ ان کے اندر سمجھ بوجھ بھی آنا بے حد ضروری ہے تا کہ احسن طریقے سے گھر بار سنبھال سکیں۔"

"ہم نے تو پہاڑ ہی کھودے اور بھاڑ ہی جھونکے تھے۔ احسن طریقے سے گھرداری نہ کی تھی۔" اماں نے سخت برا سا منہ بنا کر گاؤ تکیے کے نیچے سے تسبیح نکالی پھر بیٹے کو گھورتے ہوئے بولیں۔

"اور تمہیں کہہ بھی کون رہا ہے کہ پندرہ سال میں بیٹی بیاہ دو، روشانہ خیر سے بائیسویں سال لگی ہے اور کیا یہ عمر بھی شادی کی نہیں ہے؟"

"ہاں، اماں ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں۔" صبیحہ نے بھی ہلکا سا منمناتا احتجاج کیا۔ جواباً

اسے ترش نظروں کا سامنا کرنا پڑا۔

''تم بھی اماں کا ساتھ دینے لگ جاؤ۔ سمجھتی کیوں نہیں ہو، کیا مجھے فکر نہیں ہے روشی کی شادی کا؟ اب اسے ایم اے کرنے کا شوق ہے، ابھی ایڈمیشن لیا ہے اس نے۔ کم از کم دو سال تو لگ جائیں گے۔ اور میرے پاس رشتوں کی کون سی کمی ہے۔ بہت سے جاننے والے میری بیٹیوں سے شادی کے خواہاں ہیں۔ بڑے اچھے اچھے گھرانے کے لڑکے ہیں۔ مگر میں روشانہ کے شوق کو پہلے اہمیت دوں گا۔''

''پڑھاتے پڑھاتے کھوسٹ کر دینا اسے۔'' اماں کو جلال آ گیا۔ ''ایک طرف کالج، دوسری طرف یہ کمپیوٹر۔ ارے موا لڑکا بنتی جا رہی ہے یہ۔ میرا تو کلیجہ منہ کو آتا ہے۔''

''یہ صرف محاورہ ہے یا حقیقت میں آ جاتا ہے دادو؟'' پلوشہ جو قالین پر رسالے میں منہ گھسیڑے بیٹھی تھی۔ ہنس کر بولی۔

''دیکھو، میں کہے دیتی ہوں حنا کی شادی میں، میں روشانہ کو اپنے ساتھ ملتان لے جا رہی ہوں۔ بھلے سے تم اور صبیحہ آؤ یا نہ آؤ۔ ارے چار لوگ جانیں گے تو کوئی بات وات بنے گی ناں۔ اور لڑکی بھی اپنے رشتے داروں کو جانے پہچانے، اسے تو پتہ تک نہیں کہ اس کے کون اپنے سگے ہیں، کون غیر۔ بس کتابوں سے ناتا ہو کر رہ گیا ہے۔''

''تو میں کون سا روک رہا ہوں اسے۔ اگر وہ جانا چاہے تو مجھے کیا اعتراض ہے۔ آپ اس سے پوچھ لیجئے۔ البتہ میرا تو جانا ناممکن ہے، یہ پورا ہفتہ میرا بے حد بزی ہے۔ بلکہ مجھے کل ایک دن کے لئے لاہور جانا ہے اور پرسوں پنڈی سے میری پارٹی آ رہی ہے۔'' اسد فائل اٹھا کر کھڑے ہو گئے۔

پلوشہ لپک کر دادی کے ساتھ جڑ کر آ بیٹھی۔ ''صرف روشانہ ہی کیوں گرینڈ مدر، میں کیوں نہیں؟''

''اس لئے کہ روشانہ آپی کی شادی پہلے جو ہو گی۔''

''آپ کو بھی کیا بہت شوق ہے شادی کا؟'' تیسری ہما نے ہوم ورک کرتے کرتے بے ساختہ ہی کہا تو اس نے اسے گھور کر دیکھا۔ ادھر صبیحہ نے بھی اس کے فقرے پر برا مان کر اسے ایک ہاتھ جڑ دیا جس پر وہ سیدھی ہو کر دوبارہ کتاب میں دبک گئی۔

''میں بھی چلوں گی آپ کے ساتھ۔ مجھے تو بڑا شوق ہے اس طرح کی گیدرنگ دیکھنے کا۔ سچی دادو! میں نے آج تک اس طرح کی کوئی شادی اٹینڈ نہیں کی جس میں سارے رشتے دار جمع ہوں۔ بس مما پاپا کے ساتھ ہی ان کے بزنس فیلوز کے بچوں کی شادیاں اٹینڈ کی ہیں مگر

ان میں کوئی خاص مزا نہیں آتا۔''

''ہاں تو بھلا ان پھیکی بے رنگ شادیوں میں خاک مزا آئے گا۔ ارے شادی بیاہ کی تقریبات میں جب تک اپنے نہ ہوں، کیا مزا۔ تم بھی چلنا، دیکھنا وہاں ڈھیر ساری لڑکیاں ہیں تمہاری عمر کی۔ تمہارے اس سڑیل باپ نے تو تمہیں آج تک سوائے کتابوں اور سائنس کی دنیا کے دکھایا ہی کیا ہے۔ اب کے چلنا میرے ساتھ تم دونوں، دیکھنا واپس آنے کو دل نہیں چاہے گا۔''

دادی اسے خود سے لگا کر دلار سے بولیں تو پلوشہ صاحبہ کی باچھیں کانوں تک جا پہنچیں۔

''امی! میں جاؤں گی دادی کے ساتھ۔'' وہ صبیحہ کی طرف دیکھنے لگی۔

''ہاں، تو میں کب روک رہی ہوں، میرا تو خود دل چاہ رہا ہے جانے کو۔ سعدیہ آپا بھی کیا سوچیں گی، ایک نند ہے، کہتی ہے بہن خود کو، اور خود ہی نہ آئی۔ مگر بس تمہارے پاپا کی وجہ سے جا بھی نہیں سکتی۔ مگر اماں! میرا نہیں خیال کہ روشی آپ کے ساتھ جانے پر راضی ہو گی۔'' وہ دوپٹہ لپیٹتے ہوئے دل گرفتگی سے بولیں تو پلوشہ کے چہرے پر آنے والی چمک معدوم ہو گئی۔ یعنی روشانہ کے انکار پر اس کا چانس بھی گول ہو جائے گا۔

''میں منا لوں گی نا اس کو۔'' وہ پُرعزم ہو کر بولی۔

''ارے مانے گی کیسے نہیں۔ میں لے جاؤں گی پکڑ کر زبردستی۔ اس موئی نگوڑی کو تو خبر ہی نہیں ہے کہ اس کے اردگرد کیسے محبت کرنے والے لوگ بستے ہیں۔ جاؤ وشی اسے بلاؤ، کہو دادی اماں بلا رہی ہیں۔'' انہوں نے تکیے سے ٹیک لگا لی اور چشمہ اتار کر ایک طرف رکھا۔

''وہ تو کمپیوٹر سینٹر گئی ہیں اپنے۔ بس آتی ہی ہوں گی۔'' پلوشہ یہ کہتے ہوئے بے ساختہ ہنس پڑی۔

دادی کا چہرہ یوں بن گیا تھا جیسے کڑوی کسیلی گولی منہ میں کھٹ سے چلی گئی ہو۔ وہ ایک گہری متاسفانہ سانس بھر کر تسبیح کے دانے گھمانے لگیں۔

''یہ ایک نئی وبا پھوٹ پڑی ہے اس شہر میں۔ قدم قدم پر سینٹر منہ پھاڑے کھڑے ہیں۔ جدھر دیکھو، جہاں چلے جاؤ، یہ کمبخت ناس مارے پہلے نظر آئیں گے۔ عمل کم ہو گیا ہے، علم بڑھ گیا ہے۔ تعلیم جتنی کم ہو گئی ہے، یہ انسٹی ٹیوٹ اتنے ہی زیادہ ہو گئے ہیں۔ ہمارے زمانے میں تو لالٹین کی روشنی میں پڑھ کر ڈاکٹر حکیم بن جاتے تھے، اب یہ ہزاروں روپے سینٹرز میں جھونک کر بھی ڈھاک کے وہی تین پات رہتے ہیں۔'' دادی کتنی دیر بڑبڑاتی رہیں۔

کوئی دو گھنٹے بعد روشانہ بی بی لوٹیں تو دادی نے اسے کمرے میں جانے سے پہلے لونگ

روم میں ہی روک کر اپنا ارادہ ظاہر کر دیا جسے سن کر وہ بھبک گئی۔

''کیا...... کیا...... کیا...... میں نہیں جا رہی ملتان۔'' وہ اپنا شولڈر بیگ کندھے سے اتار کر سینڈل سے پیر آزاد کر کے کرسی سے کھڑی ہو گئی۔ مگر دادی نے اس کا بازو پکڑ کر اسے واپس کھینچ دیا۔

''کیوں؟ وہاں جانے میں تمہیں کیا قباحت ہے؟ دیکھو بیٹی، اپنے لوگوں سے ملو گی، رشتے داروں کو جانو پہچانو گی، تمہیں بھی اچھا لگے گا اور انہیں بھی۔ صرف پیسہ ہی سب کچھ نہیں ہوتا۔ رشتے ناتے بہت بڑی نعمت ہوتے ہیں۔ یہی دُکھ سکھ میں سچے سنگی ساتھی ہوتے ہیں۔'' دادی کے خیال میں نرمی اور رسان سے سمجھانا زیادہ مفید تھا۔ مگر اس کا خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا۔ سوائے اس کے کہ اس نے بھی اسی نرمی اور رسان سے انکار کر دیا۔

''مگر میرا قطعی دل نہیں چاہ رہا۔ اور پھر کتنا نقصان ہو گا میری پڑھائی کا۔''

''ارے مارو گولی پڑھائی کو۔ تم نے تو سر پر سوار کر لیا ہے۔ لے جانا ساتھ اپنے کمپیوٹر اور کرتی رہنا وہاں کھٹ، پٹک۔ مگر چلنا ہے میرے ساتھ تمہیں۔''

وہ جھنجھلاہٹ کے باوجود بے ساختہ ہنس پڑی۔

''کیا وہاں سب اتنے جاہل ہیں کہ ایک آدھ کمپیوٹر بھی نہیں ہو گا جو مجھے ساتھ لے جانا پڑے گا؟'' یہ کہہ کر اس نے مسکین سی صورت بنا کر سر جھکا لیا۔ دادی اسے سخت تیوروں سے گھورنے لگیں۔

''نہیں بٹی! ایک تم ہی عالم فاضل ہو، صرف تمہیں ہی یہ مشین چلانا آتی ہے۔ باقی سب تو گولیاں اور گٹے کھیلتے ہیں۔''

''واہ گٹے، پھر تو بڑا مزا آئے گا۔ مجھے گٹے کھیلنے کا بہت شوق ہے۔'' پلوشہ نے خوشی کے اظہار کے طور پر تالی بجائی تو دادی نے مارے جھنجھلاہٹ کے چپل اسے کھینچ ماری۔ روشانہ موقع پا کر وہاں سے نکل بھاگی۔

''اُف، یہ دادی اماں بھی حد کرتی ہیں۔ اب میں ملتان جاؤں گی، وہ بھی اتنی سڑی گرمی میں اور شادی کے فنکشن اٹینڈ کروں گی۔ شادی کا فنکشن نہ ہوا بزنس میٹنگ ہو گئی کہ جانا ضروری ہے۔ میں فون پر حنا کو مبارکباد دے دوں گی اور دادی اماں کے ہاتھ گفٹ بھجوا دوں گی، بلکہ کوریئر سے بھیج دوں گی۔ یقیناً وہ خوش ہو جائے گی۔ میرے جانے نہ جانے سے کیا فرق پڑ جائے گا۔ پہلے کون سا سعدیہ پھوپھو کی طرف جاتی رہی ہوں۔'' وہ سخت کوفت میں مبتلا ہو گئی تھی۔ پھر اے سی کھول کر بیڈ پر دراز ہو گئی۔

رات کو اس نے پاپا سے صاف کہہ دیا کہ وہ ہرگز ملتان نہیں جائے گی۔ پاپا نے ہمیشہ اس کی حمایت میں اس کا ساتھ دیا تھا۔ جس پر دادی نے بے حد خفا ہو کر چپ سادھ لی مگر پلوشہ اس کی جان کو آ گئی۔

''چلی چلو نا آپی، تمہارے توسط سے میں بھی ملتان دیکھ لوں گی۔''

''ملتان بھی کوئی دیکھنے والی جگہ ہے۔ دیکھنا ہے تو کوئی ڈھنگ کا شہر دیکھ آؤ۔''

''دادی اماں سچ مچ خفا ہو گئی ہیں۔ ایک تو اتنے عرصے بعد ہماری طرف آئی ہیں مگر آپ نے انہیں دکھی کر دیا ہے۔'' اس نے دوسرا حربہ آزمایا۔

''دادی کو منانا کون سا مشکل ہے مائی ڈیئر۔ میں منا لوں گی۔ تم خوامخواہ میں اپنا اُلو سیدھا مت کرو۔ اینڈ ناؤ گیٹ آؤٹ۔ مجھے بور مت کرو۔'' وہ دراز سے اپنی سی ڈی نکالنے لگی۔

مگر رات کو وہ پھر اس کے سر پر نازل تھی، جب وہ کمپیوٹر میں مگن اپنی ویب سائٹ بنا رہی تھی۔

''آپی، وہاں ہمارے اتنے رشتے دار ہیں۔ کبھی ملیں تو پتہ بھی چلے کون کس مزاج کا ہے۔'' وہ اسٹول گھسیٹ کر اس کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔

''بھئی تو تم چلی جاؤ ناں، تمہیں کون روک رہا ہے۔ سمجھ آؤ ان کے مزاج۔'' اس کی نظریں ہنوز مانیٹر پر جمی رہیں اور ایک ہاتھ ماؤس پر۔

''میں نہیں جا سکتی ناں، پاپا مجھے تھوڑا ہی بھیجیں گے۔ آپ جاؤ گی تو میرا چانس بھی ہو جائے گا۔ پلیز روشے آپی! صرف ہفتے بھر کی تو بات ہے۔ اگر آپ کا دل وہاں نہ لگے تو آپ دو دن میں ہی واپس آ جانا۔'' وہ منت سماجت پر اتر آئی مگر وہ اپنے کام میں مصروف رہی تھی۔ اس نے جل کر اس کا سارا پروگرام ڈیلیٹ کر دیا۔

''وشی......'' وہ چیخ پڑی۔ ''کیا کر رہی ہو۔ چچ، پاگل ہو گئی ہو کیا؟ مائی گاڈ، سارے پروگرام کا ناس مار دیا۔'' اس نے سخت جھنجھلاہٹ اور بے بسی سے اسے گھورا۔

''پہلے آپ ہاں کہو کہ ملتان جاؤ گی۔'' وہ کی بورڈ سے ہاتھ ہٹانے کو تیار نہیں تھی۔ اس کی سیاہ خوشنما آنکھوں میں اس لمحے اتنی لجاجت، منت تھی کہ روشانہ ایک پل کے لئے سوچ میں پڑ گئی، پھر بے ساختہ ہلکی سی سانس بھر کر سر اثبات میں ہلا دیا۔

''او کے، اچھا اب ہٹاؤ یہ ہاتھ۔''

''تھینک یو...... تھینک یو۔'' وہ مارے خوشی کے بے تکے انداز میں کی بورڈ پر اُنگلیاں زور

زور سے چلانے لگی۔ پھر اسی خوشی میں اچھلتی کمرے سے نکل بھاگی۔ اس کی اس بچکانہ حرکت پر وہ ہنس دی۔

***

پلوشہ کا جوش و خروش قابل دید تھا۔

''یہ کتنے دنوں کے لئے جا رہی ہو، اتنے کپڑے کہاں اور کب پہنو گی؟'' اس کی پیکنگ دیکھ کر روشانہ کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

''شادی میں جا رہی ہوں تو ظاہر ہے اتنے کپڑوں کی ضرورت تو پڑے گی ناں۔ ایک جوڑا مایوں کا، ایک مہندی کا، پھر برات کے دن کا، رخصتی کا، ولیمے کا۔ اور کچھ یونہی دن میں پہننے کے لئے، پھر کہیں گھومنے پھرنے کے لئے اور ایک دو جوڑے احتیاطاً ایکسٹرا رکھ لئے ہیں۔'' وہ چیونگم کا ریپر کھولتے ہوئے اطمینان سے بولی۔

''یعنی مزید ایکسٹرا بھی رکھے ہیں۔'' اس نے اس کے وزنی سوٹ کیس پر مسکراتی نظر ڈالی۔

''آپ کی پیکنگ ہو گئی؟'' اس کے اطمینان میں کوئی فرق نہ آیا۔

''میرا خیال ہے مجھے اس کی ضرورت نہیں رہی۔ تمہارے اتنے کپڑوں میں، میں بھی گزارا کر لوں گی۔ میرے پاس صرف یہ شولڈر بیگ ہے اور میرا موبائل۔ ویسے اگر ضرورت ہوئی تو وہیں سے خرید لوں گی ایک آدھ سوٹ۔''

وہ اس کے گھورنے پر جلدی سے بولی، پھر بالوں کو ہیئر بینڈ میں جکڑ کر پیر سے بیڈ کے نیچے سے سلیپر نکال کر پہننے لگی۔ پھر یکدم خیال آیا تو بیڈ سائیڈ سے کچھ سی ڈیز نکال کر بولی۔

''انہیں احتیاط سے اپنے بیگ میں رکھ لو۔''

''کیا وہاں بھی آپ اپنا فضول شوق روا رکھیں گی؟'' پلوشہ کا اس کی عقل پر ماتم کرنے کو دل چاہا مگر اس کے گھورنے پر اس کے ہاتھ سے سی ڈیز لے کر بیگ میں یونہی گھسیڑ دیں اور دل ہی دل میں اسے سڑیل کا لقب دیتی کمرے سے باہر چلی گئی۔

دادی ملتان تک کا سفر ریل سے کر رہی تھیں۔ روشانہ کے علم میں آیا تو اسے اپنے ہوش اڑتے محسوس ہوئے۔

''پاپا! میں ریل سے ہرگز نہیں جاؤں گی۔ مائی گاڈ، اتنا طویل اور بورنگ بلکہ خوفناک سفر۔''

''مجبوری ہے بیٹا، تمہاری دادی کو ایئروپلین میں الٹیاں شروع ہو جاتی ہیں بلکہ صرف

ایئروپلین کے نام سے ہی ان کی طبیعت بگڑنے لگتی ہے۔ ہاں اگر تم پریشان ہو تو تمہاری سیٹ کنفرم کرا دیتا ہوں۔ تمہیں وہاں سے کوئی ایئرپورٹ پر پک کر لے گا۔''

''کوئی ضرورت نہیں ہے، اس کی عادتیں پہلے ہی خراب ہیں۔ ریل میں سفر کرے گی تو مر نہیں جائے گی۔ اور پھر اکیلی لڑکی کو بھیجنا کوئی دانش مندی نہیں ہے۔ اور پھر کون سا وہ کسی کو جانتی ہے یا کوئی اسے جانتا ہے۔'' صبیحہ ناگواری سے بولیں۔

اسد چپ ہو گئے۔ بات معقول ہی تھی۔ اجنبی شہر، اجنبی خطہ اور بیٹی کا معاملہ۔ اماں کے ساتھ ہی بھیجنے میں عافیت اور تحفظ تھا۔

''بس نہ جانے کے بہانے ہیں اور کچھ نہیں۔'' صبیحہ اس کے منہ بگاڑنے پر خفگی سے بولیں۔

آخر مارے باندھے وہ ریل کا سفر کرنے پر رضامند ہو گئی۔ مگر سارے راستے کوفت میں مبتلا رہی حالانکہ فرسٹ کلاس کمرہ تھا، فل اے سی۔ مگر اسے کسی پل قرار نہیں تھا۔ بہرحال اس کا آرام دہ بیڈ تو وہ تھا نہیں۔ اس کے برخلاف پلوشہ خوب چہک رہی تھی اور کھڑکی میں منہ دیئے باہر کے مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے مسلسل بولے جا رہی تھی۔

''مجھے یہ سفر ہمیشہ یاد رہے گا۔ کتنا مزے دار، ایڈونچرس سفر ہے۔''

روشانہ نے رسالے سے منہ ہٹا کر اسے خاصی استہزائیہ نظروں سے دیکھا۔

''ہاں، تو کچھ غلط تھوڑا ہی کہہ رہی ہوں؟''

''تم واپسی کا سفر بھی اسی طرح کرنا، کم از کم میں جہاز میں جاؤں گی۔ جہاز میں آتے تو اب تک پہنچ چکے ہوتے۔ پتہ نہیں رات کس طرح بسر ہو گی۔'' اس نے سوئی ہوئی دادی پر ایک رشک آمیز نظر ڈال کر پلوشہ کو دیکھا۔

''انہیں دیکھو، کس مزے سے نیند لے رہی ہیں۔ اب رات کیا جاگ کر کاٹیں گی؟''

پلوشہ دادی کے بجائے اس کے چہرے پر پھیلی بیزاری اور فکرمندی دیکھ کر محظوظ ہو کر ہنس دی اور دوبارہ کھڑکی میں منہ دے کر بیٹھ گئی۔ روشانہ دل ہی دل میں اسے برا بھلا کہہ کر دوبارہ کتاب اٹھا کر بحالت مجبوری پڑھنے لگی۔

جلدی اور کچھ کوفت کے عالم میں پیکنگ کرتے ہوئے اپنی دلچسپی کی کتابیں بھی اس نے نہ رکھی تھیں کہ وقت اچھا گزر جاتا۔ یہ رسالہ بھی ریل میں ہی خریدا تھا جو فکشن پر مبنی تھا اور کچھ حصہ شاعری پر مشتمل تھا۔ جبکہ یہ دونوں ہی شوق اس کے ذہن اور طبیعت سے میل نہ کھاتے تھے۔ اشعار کے صفحات تو اس نے سخت بے دلی سے پلٹ دیئے تھے اور ایک کہانی

مارے باندھے وقت کاٹنے کے لئے پڑھ رہی تھی۔

خدا خدا کر کے ان کا سفر تمام ہوا۔ صبح کے گیارہ بج رہے تھے۔ اسٹیشن پر خوب چہل پہل تھی۔ گاڑیوں اور انسانوں کی ملی جلی آوازوں کا شور ایک طرف۔ سرخ سرخ جیکٹوں میں ملبوس قلیوں کی بھاگ دوڑ اور ریل سے اترنے والوں کے ملاقاتیوں اور رشتے داروں کی یلغار الگ۔ پلوشہ کے لئے یہ منظر جتنا دلچسپ تھا روشانہ کے لئے اتنا ہی پریشان کن۔ وہ اپنا بیگ کندھے پر ڈال کر جھنجلائی جھنجلائی سی آگے بڑھی کہ اچانک پیچھے سے سامان لدی ٹرالی کا دھکا لگا۔

''اُف......'' اُس کی چیخ اس قدر بلند اور دلخراش تھی کہ قلی ٹرالی کو ایک طرف چھوڑ کر اس کی طرف گھبرا کر لپکا۔ ساتھ کے ساتھ اردگرد کے لوگ بھی جمع ہو گئے۔ وہ اوندھے منہ گری تھی جس کی وجہ سے پیر بری طرح مڑ گیا تھا۔

دادی کو اس اثنا میں خرم نظر آ گیا تھا مگر وہ روشانہ کے گرنے پر اس طرف متوجہ ہو کر اسی طرف دوڑی آئیں اور ڈانٹ ڈپٹ کر آدمیوں کی بھیڑ کو ہٹا کر پلوشہ کے ساتھ مل کر اسے کھڑا کیا۔

''کس قدر بے وقوف اور احمق لڑکی ہو تم۔ ادھر میرے ساتھ ساتھ چلنے کی بجائے جانے کدھر منہ اٹھائے جا رہی تھیں۔ اس بیچارے قلی کا بھی کیا قصور۔ تمہاری اپنی آنکھیں بند تھیں کیا؟''

وہ قلی کو برا بھلا کہہ رہی تھی۔ ایک تو یوں گرنے پر سبکی کا احساس اور دوسرے پیر سے اٹھنے والی ٹیسوں نے برا حال کر دیا تھا۔ وہ دادی سے ہاتھ چھڑا کر بنچ پر جا کر بیٹھ گئی اور باقاعدہ رونے لگی۔

''آپی! کیا کر رہی ہو، سب دیکھ رہے ہیں۔ اس طرح بچوں کی طرح رویا تو مت کرو۔'' پلوشہ اس کے پاس بیٹھ کر دبی زبان میں بولی۔

''بھاڑ میں جائیں لوگ، دیکھ رہی ہو میرا پیر، کس قدر شدید درد میں مبتلا ہوں، چلا بھی نہیں جا رہا۔ یہ پکڑو۔'' اس نے اپنا موبائل اسے تھمایا۔ ''پاپا سے کنیکٹ کرو اور انہیں بتاؤ کہ میرے ساتھ یہ حادثہ پیش آ گیا ہے۔'' وہ پیر کی اُنگلیوں کو چھوتے ہوئے دل گرفتگی سے بولی۔

پلوشہ اس کا منہ ٹکر ٹکر دیکھنے لگی۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے اس حماقت کی۔'' دادی نے جھٹ سے پلوشہ کے ہاتھ سے موبائل لے لیا۔ ''وہ بیچارا اکیلا وہاں پریشان ہو جائے گا، کیسا حادثہ؟ ریل اُلٹ گئی ہے، تم

ریل سے گر گئی ہو یا ہم کسی ویران اسٹیشن پر اتر کر راستہ بھٹک گئے ہیں؟ حد ہو گئی روشی!'' ابھی وہ مزید جاری رہتیں کہ خرم اس طرف آیا۔

''السلام علیکم نانو جان!'' اس نے سلام کرتے ہوئے دونوں کو بھی باری باری دیکھا مگر بینچ پر بیٹھی آنسو بہاتی روشانہ کو دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

''کیا ہوا خدانخواستہ؟''

''ارے کچھ نہیں ہوا۔ کمبخت مارا قلی ٹرالی سمیت اس پر چڑھتے چڑھتے رہ گیا۔ بس دھکا لگا اور یہ بی بی کہکشاں پر چل رہی تھیں، دھڑام سے نیچے گریں اور پاؤں تڑوا بیٹھیں۔''

دادی پر جھنجلاہٹ سوار تھی۔ ایک تو لاڈلی پوتی کے پیر کی تشویش، دوسرا اس کا رونا۔

''چلو شاباش، ہمت کرو، تم گاڑی تو لائے ہو ناں خرم؟'' وہ روشانہ کو بازو سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے خرم سے بولیں۔

اُس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے روشانہ پر تفصیلی نگاہ ڈالی۔ وہ اسے کوئی چار سال کے عرصے کے بعد دیکھ رہا تھا۔ پھر پلوشہ کی طرف دیکھا تو وہ بھی اسی کو ملاحظہ کر رہی تھی۔ ایک طرح سے اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لے رہی تھی۔ نظریں ملنے پر وہ بے ساختہ ہنس دیا۔ وہ بھی مسکرا دی۔

''پلوشہ ہو نا تم؟ اتنی بڑی ہو گئی ہو۔'' وہ شاید بے ساختہ ہنس پڑنے پر کھسیا گیا تھا۔ صورتحال بہرحال ہنسنے کی نہیں تھی۔

''شکر ہے، آپ نے پہچان تو لیا۔''

''تم لوگ یہ باتیں بعد میں کرتے رہنا، پہلے گاڑی میں بیٹھو۔ خرم! یہ سامان تم اٹھا کر آگے چلو، میں اور وشی، روشانہ کو سنبھالتے ہیں۔''

''مگر دادی جان! میں کیسے جاؤں گی۔ مجھ سے تو چلا بھی نہیں جا رہا۔ میرا خیال ہے فریکچر ہو گیا ہے پیر میں۔ اُف، لگتا ہے اب میں ساری عمر لنگڑا کر چلوں گی۔ سفر کی ابتدا ہی منحوس ہوئی ہے۔'' وہ پلوشہ کا سہارا لے کر بمشکل کھڑی ہوئی مگر کراہ کر دوبارہ بیٹھ گئی۔

''میڈم! سفر تو وسیلہ ظفر ہوتا ہے، اسے منحوس نہیں کہتے۔ ہاں، ہمارے اعمال کی نحوست ہی کبھی ہمیں اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ آئی مین کہ......'' خرم کی نظر دادی پر پڑی تو سر کھجاتا جلدی سے سامان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ لب بھینچ کر اسے گھور کر رہ گئی۔

''میں پہلے ہاسپٹل جاؤں گی، گھر نہیں۔'' وہ دادی سے الجھ پڑی۔

''آپ خاتون! کتنے دنوں کا پروگرام سیٹ کر کے آئی ہیں؟'' اس نے سامان پر نظر ڈال

کر ابرو اچکا کر پلوشہ کی طرف دیکھا۔

''ون وِیک۔'' وہ اطمینان سے بولی۔

''صرف ایک ہفتہ؟ مگر یہ سامان تو...... کہیں اس میں نادیہ اور عینی کو تو بند کر کے نہیں لائیں ٹکٹ بچانے کے لئے؟'' وہ رازدارانہ انداز میں جھک کر سرگوشی میں بولا تو وہ بے ساختہ کھلکھلا پڑی۔

اسٹیشن کے اس وحشت ناک اور دھوپ سے تپتے کھلے آسمان تلے یہ ہنسی کسی ٹھنڈے میٹھے چشمے کی طرح ہی خرم کو محسوس ہوئی۔

وہ خود بھی اپنی ہنسی جیسی ہی تھی۔

مہکتی......

البیلی......

اُس نے ایک نظر روشانہ پر ڈالی جو دادی کی ڈانٹ پر لنگڑاہٹ کے ساتھ گاڑی کی طرف جا رہی تھی۔

وہ خوبصورت تو ہمیشہ سے تھی، اب کچھ اور نکھر آئی تھی۔ اس کے بالوں کی لمبائی میں بھی شاید اضافہ ہو گیا تھا۔ تاہم وہ پلوشہ سے مزاج کے معاملے میں بالکل متضاد تھی۔ خودسر، ضدی اور مغرور، مگر کسی حد تک احمق سی محسوس ہوئی۔ یوں بھی اس کا خیال تھا کہ خودسر اور ضدی لوگ بلا کے احمق ہوتے ہیں، یا پھر احمق ہی ضدی اور خودسر ہوتے ہیں۔

''یاد رکھیے گا دادو! اگر میں فوری طور پر ہاسپٹل نہ گئی تو ہمیشہ کے لئے اپاہج ہو جاؤں گی اور میرا خون، سوری یہ محتاجی آپ کے سر ہو گی۔'' وہ راستے بھر ہاسپٹل جانے کی تان کھینچتی رہی تھی۔

''ارے فکر کیوں کر رہی ہیں، ہمارا گھر ڈاکٹروں سے بھرا پڑا ہے۔'' خرم نے اسے تسلی دی۔

''اچھا...... کیا آپ کے گھر میں ڈاکٹرز کیاری میں اُگتے ہیں؟'' اسے اس کی تسلی قطعی بہلاوا لگی۔

''صرف کیاریوں میں نہیں، گملوں میں بھی اُگتے ہیں۔ الحمد للہ ہم ڈاکٹروں کے معاملے میں خاصے خودکفیل ہیں۔'' اس نے مڑ کر اسے دیکھا تو وہ اس پر ایک غصیلی نظر ڈال کر رخ موڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

***

''سکندر ولا'' ایک پرانے طرز کا مگر وسیع و عریض دو منزلہ مکان تھا جسے کوٹھی بھی کہا جاتا تو غلط نہ ہوتا۔ اُس کا ڈیزائن گو کہ بہت پرانا تھا مگر اسے نئے رنگ و روغن سے آراستہ کیا گیا تھا، باہر بڑی بڑی بیلیں لٹک کر دونوں طرف کی دیواروں کو خوش نما بنا رہی تھیں۔ پورچ اتنا بڑا تھا کہ جس میں بیک وقت تین گاڑیاں باآسانی کھڑی کی جا سکتی تھیں۔ پورچ کے اختتام پر باغیچہ شروع ہو جاتا تھا جہاں ایک ادھیڑ عمر مخنی سا مالی اس کی تراش خراش میں مصروف نظر آتا رہتا۔ گھاس کے سبز قطعے کے تین طرف سرخ اینٹوں کی بجری کی کیاریاں تھیں جن پر تھوڑے تھوڑے مناسب فاصلے پر بڑے بڑے درخت تھے اور درمیان میں موسمی پودے تھے جن میں مختلف رنگوں کے پھول نگاہوں کو خیرہ کرتے اور باغیچے میں تازگی کا احساس دلاتے رہتے۔ ایک طرف پکی سرخ اینٹوں کا تالاب سا بنا ہوا تھا جو انسانوں کے نہانے کے کام تو نہیں آ سکتا تھا البتہ اس میں دو بطخوں کی جوڑی تیرتی رہتی تھی۔

لان کے ابتدائی حصے میں ہی بڑا سا جالی کا دروازہ تھا جو رہائشی حصے کی طرف کھلتا تھا اور یہیں سے اس حویلی کے اندر جایا جا سکتا تھا۔

اندرونی حصے یعنی رہائشی حصے میں پرانے طرز کے چھوٹے بڑے ہر سائز کے کمرے تھے جنہیں جدید سامان سے آراستہ کیا گیا تھا۔ تاہم مشرقی روایتوں کو بھی ملحوظ رکھا گیا تھا۔ قیمتی اور فیشن کے مطابق نرم و گداز صوفے تھے تو کہیں کہیں رنگ برنگی پیڑھیاں بھی استعمال میں دکھائی دیتیں۔ قالین بچھے تھے تو سوات کی لکڑی کے تخت بھی بچھے نظر آتے جن پر خوش نما رلیاں بچھی رہتیں۔ خوبصورت ولایتی شو پیس اپنی بہار دکھاتے نظر آتے تو ملتان کے بڑے بڑے نقش والے گلدان بھی پوری تمکنت کے ساتھ جلوہ افروز تھے۔ باورچی خانے میں چائنا کی کراکری بھی تھی اور پاکستان گوجرانوالہ کے نت نئے برتن بھی خوب استعمال ہو رہے تھے۔

ڈائننگ ٹیبل ضرورتاً استعمال کیا جاتا تھا مگر زیادہ تر رات کے کھانے پر دسترخوان سجایا جاتا اور اکٹھے کھانا تناول کیا جاتا۔ غرض کہ مشرقی روایت کی پاسداری اس خاندان کا وطیرہ تھا۔

انگلش میڈیم میں تعلیم پانے کے باوجود بچوں کے قلوب میں اپنے مذہب کی ع... دل کر بسی تھی اور دین اسلام کی محبت کے ساتھ اپنے کلچر، اپنے وطن کی مٹی سے محبت بھی... کرنے کا ہمیشہ اہتمام کیا جاتا رہا تھا۔

یوں ''سکندر ولا'' میں رہنے والے الگ الگ مزاج، مختلف عادات رکھنے ...ہرو میں اندر ڈور میں بندھے ہوئے تھے۔

سکندر حیات نیازی کے انتقال کے بعد ان کی بیگم، رفیعہ بیگم اس گھر کا ...ہ رہی ہوں، بے ... روشانہ نے کڑوا

کا بڑا بیٹا جلال نیازی اوپری منزل میں رہائش پذیر تھا۔ گو کہ پکانا کھانا علیحدہ تھا مگر دلوں میں فاصلے نہ تھے۔

نچلی منزل پر کمال رہتے تھے اور طلال نیازی اور ان تین بھائیوں کی اکلوتی بہن لالہ رخ تھی جس کا ایک پیارا سا بیٹا حمزہ تھا۔

دیکھنے میں وہ ایک نوخیز کالج گرل ہی نظر آتی، ایک بچے کی ماں تو کیا شادی شدہ بھی نہیں لگتی تھی۔ یوں بھی عمر میں وہ اتنی بڑی ہرگز نہ تھی۔ اس سے بڑا تو اس کا بھتیجا جاذب تھا جو خود دو بچوں کا باپ تھا۔ اور کمال کی بیٹی حسنہ بھی اس کی ہم عمر تھی۔ اس کی بھی دو بیٹیاں تھیں۔

ہنس مکھ، بزلہ سنج، بچوں میں بچہ، جوانوں میں جوان اور بڑی بوڑھیوں میں ان جیسی ہو جانے والی لالہ رخ جسے سب لالی لالی ہی کہتے تھے، چھوٹے بڑے سب اسی بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے نظر آتے۔

''لالی بات سنو!''

''لالی ذرا ادھر آنا!''

''لالی پلیز، یہ کام کر دو!''

جہاں محبت کے سوتے بہتے تھے، ہنسی مذاق چلتا تھا، سب دُکھ سکھ کے سانجھی تھے وہیں اس گھر میں ہر گھر کی طرح کئی مسائل بھی تھے، کئی الجھنیں، پریشانیاں اور دُکھ بھی بکھرے ہوئے تھے۔

***

پورچ میں گاڑی رُکنے کی آواز آئی تو رفیعہ بیگم نے تخت پر بیٹھے بیٹھے اپنی سمت کھلنے والی کھڑکی کا پردہ ذرا سا سرکا کر باہر جھانکا۔

''چلو شکر ہے آمنہ خیر سے پہنچ تو گئیں۔'' انہوں نے ایک طمانیت آمیز سانس کھینچی۔
رں۔

''اچھا ہے صبیحہ اور اسد نہیں آئے۔'' انہوں نے سعدیہ پھوپھو کو دیکھا جو آمنہ بیگم کی آمد کا
بہلاوا لگی۔ ے، اٹھی تھیں۔ رک کر ساس کی طرف دیکھنے لگیں۔

''صرف کیا ان نہیں آئے؟'' اُن کا دل اُداس ہو گیا۔ ایک ہی تو بھائی تھا ان کا۔ وہ بھی
میں خاصے خود کفیل، نیاز۔
ہی پتہ تھا، اسد نہ خود آئے گا اور نہ اس بیچاری صبیحہ کو بھیجے گا۔ ہاں بھئی، وہ
موڑ کر کھڑکی سے
ی طرف۔ شان نہ گھٹ جائے گی اس کی۔ اونچی ناک نیچی نہ ہو جائے

گی۔ بڑے شہر کے بڑے لوگ ہیں، بڑا بزنس مین ہے، ایک ایک منٹ قیمتی ہے اس کا۔ بھانجی کی شادی میں شرکت کرنے چلا آتا تو قیمتی وقت ضائع ہو جاتا، لاکھوں کا نقصان ہو جاتا۔'' وہ پاندان اپنی طرف کھینچ کر سخت برے دل کے ساتھ ایک سانس بھر کر چھالیہ کترنے لگیں۔

''ارے، میں ساس بن کر تھوڑا ہی تمہیں سنا رہی ہوں۔ تم کیوں جی چھوٹا کر رہی ہو۔ تمہیں میں کوئی الزام نہیں دے رہی۔'' پھر قدرے متاسفانہ سانس بھر کر بولیں۔ ''وہ میرا بھی سگا بھانجا ہے۔ بچپن سے اس کی عادتوں سے واقف ہوں اور پھر صبیحہ بھی خیر سے میری نند کی بیٹی ہے اور خود میں نے یہ رشتہ کرایا ہے، اس بیچاری کا بھی کیا قصور۔ سارے رشتے ایک طرف، شوہر کی تابعداری ایک طرف۔ اور کیا کرے، شادی کے بعد سارے رشتے عورت ذات کے رل جاتے ہیں۔ اور وہ بیچاری ازدواجی بندھن کو ہی قائم رکھنے کے جتن میں جتی رہتی ہے۔ خیر تم دل برا نہ کرو، نہ آیا تو نہ سہی، شکر کرو بچیوں کو تو بھیج دیا ہے۔ انہیں بھی آمنہ کے ساتھ نہ بھیجتا تو ہم زبردستی تھوڑا ہی کر سکتے تھے۔''

سعدیہ پھوپھو نے ایک ہلکی سی سانس لے کر ساس کو ممنون نگاہوں سے دیکھا۔ انہوں نے آج تک ساس والا رویہ نہیں رکھا تھا۔ وہ ان کی سگی خالہ تھیں مگر خالہ سے بھی زیادہ ماں بن کر انہیں پیار دیا تھا۔

''بچیاں تو آئی ہیں نا ساتھ؟'' انہوں نے اس حیرت انگیز خبر کی جیسے تصدیق چاہی۔ جواباً رفیعہ بیگم نے کھڑکی کا پردہ سرکایا اور پھر سر ہلا دیا۔

***

خرم گاڑی پورچ میں روک کر نیچے اُترا۔ پھر اس کی طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے بولا۔

''میرا خیال ہے تمہارے لئے اسٹریچر منگواتا ہوں۔''

اُس کا انداز قطعی سنجیدگی لئے ہوئے تھا مگر اس کے ہونٹوں کی سطح پر دبی دبی مسکراہٹ چمک رہی تھی۔ پلوشہ نے رُخ موڑ کر اپنی مسکراہٹ چھپائی اور اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اُتر آئی۔ جبکہ روشانہ مارے غصے کے احتجاجاً گاڑی کے اندر منہ پھلائے بیٹھی رہی۔

''اس لڑکے کی تو مذاق کی عادت ہے۔ اب تم منہ بسورنے نہ بیٹھ جانا۔ ٹھہرو میں اندر سے لڑکیوں کو بلاتی ہوں۔ ان کے ساتھ سنبھل کر باہر نکلنا۔'' دادی کی بات پر روشانہ نے کڑوا سا منہ بنا کر خرم کی طرف دیکھ کر نظروں کا رخ پھیر لیا۔

''میں اندر نہیں جاؤں گی دادی! بس ہاسپٹل لے چلیں مجھے۔ میں سچ کہہ رہی ہوں، بے

حد پین ہو رہا ہے مجھے۔"

"ہمت کرو نا آپی! خرم بھائی کہہ تو رہے ہیں کہ گھر میں ڈاکٹر موجود ہیں۔ اب سعدیہ پھوپھو کا اتنا بڑا خاندان آباد ہے، اس میں کوئی ڈاکٹر تو ہوگا ہی نا۔" پلوشہ نے اسے تسلی دینی چاہی۔

"مجھے کسی بھی گھریلو ڈاکٹر سے قطعی علاج نہیں کرانا۔" اس نے اس کا ہاتھ جھٹکا اور گھٹنے پر سر جھکا لیا۔

اچانک شور سنائی دیا۔ جالی کا دروازہ کھلا اور لڑکیوں کے چہرے دکھائی دیئے جو ان کے استقبال کے لئے کسی سیلابی ریلے کی طرح باہر آئی تھیں۔

آگے سعدیہ پھوپھو تھیں جو سب سے پہلے دادی یعنی آمنہ بیگم سے ملیں، پھر گاڑی کی طرف بڑھنے لگیں کہ پیچھے سے خرم نے خبردار کا اتنا زور سے نعرہ مارا کہ وہ گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹ گئیں۔

"امی حضور! فوراً اسٹریچر کا انتظام کیا جائے۔ آپ کی بھتیجی حضور کو بھینس نے ٹکر ماردی ہے اور وہ اپنا پاؤں تڑوا چکی ہیں۔ انہیں سو فیصد یقین ہے کہ ان کے پاؤں کی ہڈی بری طرح مجروح ہو چکی ہے اور جس کے ٹھیک ہونے کے چانسز بھی نہیں ہیں۔ اسٹریچر، فوری اسٹریچر۔"

"کیا بدتمیزی ہے خرم!" سعدیہ پھوپھو نے اسے ایک چپت رسید کی اور جلدی سے گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔

"ارے کیا ہوا میری بچی کو؟" انہوں نے روشانہ کو دیکھ کر پریشان ہو کر آمنہ بیگم کی طرف دیکھا۔

"ارے بس بیٹا، اسٹیشن پر پھسل گئی۔ تم ذرا اسے دھیان سے باہر نکالو اور اندر لے جاؤ۔ طلال گھر پر ہے یا نہیں؟ کب سے اس نے ہاسپٹل جانے کی رٹ لگا رکھی ہے، میں اسے زبردستی گھر لائی ہوں۔" آمنہ بیگم یہ کہہ کر تھکی تھکی سی اندر کی طرف چل دیں۔

لڑکیاں ساری ہکا بکا گاڑی کے اردگرد جمع ہو گئیں۔ عجیب سی سچویشن کا سامنا تھا۔

"ہائے اماں! پھر سیدھے ہاسپٹل ہی لے جانا تھا۔ خرم! تم میں ذرا بھی عقل نہیں ہے۔ طلال کے ہاسپٹل ہی لے جاتے۔ جانے راستے بھر بچی نے کتنی تکلیف اٹھائی۔ آؤ روشی میری جان! ہمت کرو، ابھی ڈاکٹر کو بھی دکھا دیتے ہیں۔"

سعدیہ پھوپھو کے لہجے میں ایسی مٹھاس اور حلاوت تھی کہ روشانہ رونا دھونا بھول کر کچھ

خفیف سی ہو کر ان کے سہارے نیچے اُتری۔ مگر فرش پر پاؤں رکھتے ہی ایک کراہ اس کے لبوں کے درمیان پھڑپھڑا کر رہ گئی۔ اس نے اپنا آدھے سے زیادہ وزن پلوشہ پر ڈال دیا۔ مگر سعدیہ پھوپھو نے اس کی کمر کے گرد اپنے بازو حمائل کر کے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ لڑکیاں ساری اِدھر اُدھر ہو کر راستہ دینے لگیں۔ تب وہ سہج سہج پورچ سے جالی کے دروازے تک پہنچی۔

"ہر وقت مذاق سوجھتا رہتا ہے خرم کو۔ اب یہ کوئی مذاق کا وقت تھا۔ بچی درد سے بے حال ہو رہی ہے۔" اُسے بستر پر لٹا کر سعدیہ پھوپھو نے خرم کی خبر لے ڈالی۔

"گھر میں ڈاکٹروں کی کمی نہیں ہے امی! اپنا عادل بھی میڈیکل کے دوسرے سال میں ہے۔ ہڈیاں جوڑ نہیں سکتا تو کیا ہوا، توڑ تو سکتا ہے ناں۔ میرا مطلب ہے فٹ پاتھیے جتنا ڈاکٹر تو بن ہی چکا ہے۔" اس نے یہ کہہ کر سعدیہ پھوپھو کو دکھانے کے لئے گھبرانے کی ایکٹنگ کی پھر پلوشہ کی طرف دیکھ کر مسکراہٹ اچھالی۔

"خرم، خرم...... ذرا بھی تمہیں صورتِ حال کا احساس نہیں ہے۔ جاؤ جا کر طلال کو فون کرو، وہ جلدی آئے۔"

"مجھے نہ صرف سنجیدگی بلکہ رنجیدگی کا بھی پوری طرح احساس ہے۔" اس نے روشانہ کی طرف نظر ڈال کر مسکراہٹ دبائی اور فون کی طرف بڑھ گیا۔

"اگر چاچو اس وقت کسی آپریشن میں مصروف ہوئے تو کیا ہوگا۔ اچھا اچھا، ابھی کرتا ہوں فون۔" وہ سعدیہ پھوپھو کا ہاتھ اپنے کان کی طرف بڑھتے دیکھ کر جلدی سے سر جھکا کر فون اسٹینڈ کی طرف لپکا اور نمبر پش کرنے لگا۔ دوسری طرف دو تین گھنٹیوں کے بعد ہی ریسیور اٹھا لیا گیا۔ یقیناً طلال ہی تھا۔ وہ سلام دعا کرنے لگا۔ اس کی خیر خیریت پوچھنے لگا تو رفیعہ بیگم نے اس کے ہاتھ سے ریسیور جھپٹ لیا اور اسے گھور کر دیکھا پھر فون کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"طلال! تم فوری گھر پہنچو۔ ایمرجنسی ہو گئی ہے۔" یہ کہہ کر انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔

"دادی حضور! اگر ایک جملے کا مزید اضافہ کر دیتیں کہ ایک لڑکی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے تو دیکھتے وہ کیسے سر کے بل آتے۔ اب شاید تھوڑی تاخیر ہو جائے۔" اس کی بات پر رفیعہ بیگم کے سینے سے بے اختیار ایک ٹھنڈی سانس خارج ہو گئی۔ یہی تو دُکھ ہے، لڑکی کے نام پر وہ سر کے بل تو کیا قدموں کے بل آتے ہوئے بھی سو بار سوچے گا۔

"خرم چلو نکلو یہاں سے تم۔ ناحق فضول بکواس سے سر دُکھا رہے ہو ہمارا۔" سعدیہ پھوپھو

نے اسے پکڑ کر باہر دھکیلا، پھر بیڈ کے پاس آئیں اور روشانہ کا سر پیار سے سہلانے لگیں۔

"بس تھوڑی دیر میں طلال آ جاتا ہے۔ وہ بہت اچھا سرجن ہے۔ تسلی سے تمہیں دیکھے گا، گھبراؤ مت۔" ان کے لہجے سے اسے حقیقی تسلی مل رہی تھی اور کسی حد تک درد بھی کچھ کم تھا جو آرام دہ بستر پر لیٹنے اور ٹیبلٹ کھانے کی وجہ سے بھی کم ہوا تھا۔

وہ پلوشہ کی طرف متوجہ ہوئیں جو کرسی پر تکلف سے بیٹھی تھی۔

"ارے وشی، تم باہر چلو نا، چل کر سب سے ملو۔ اس طرح کمرے میں بند ہو کر کیوں بیٹھ گئی ہو۔ کوئی تکلف وکلف نہیں چلے گا۔ یہ سب میرے اپنے ہیں، تمہارے بھی اپنے سگے ہیں، ہیں...... نا...... اماں......" وہ رفیعہ بیگم سے بولیں۔ "آپ ذرا روشانہ کے پاس ہی رہیئے گا، جب تک طلال نہیں آتا، میں پلوشہ کو لے جاؤں، اسے سب سے ملواؤں۔ لڑکیاں ساری میری وجہ سے کمرے میں نہیں آ رہی ہیں ورنہ تو سب ہی ان دونوں سے ملنے کو بے چین ہیں۔" وہ ہنس دیں اور پلوشہ کو لئے کمرے سے باہر چلی گئیں۔ پھر اس کا فرداً فرداً سب سے تعارف ہو گیا۔ وہ سب بہت جلد گھل مل جانے والے لوگ تھے، اور کچھ اس کی اپنی فطرت بھی ایسی ہی تھی۔ حنا سے تو اس کی پہلے بھی بات چیت رہتی تھی۔ وہ اکثر سعدیہ پھوپھو کے ساتھ ان کے یہاں آتی رہی تھی۔ اس کے علاوہ سعدیہ پھوپھو کے جیٹھ کی بیٹی نازش سے بھی اس کی جلد دوستی ہو گئی۔ لالہ رخ عرف لالی اسے بے حد اچھی لگیں اور حسنہ آپا وہ تو بات بات پر پھلجھڑیاں چھوڑنے والی معلوم ہوتی تھیں۔ کسی حد تک خرم کی فطرت کی معلوم ہوتی تھیں۔ البتہ عادل کم گو تھا، تاہم چشمے کے اندر سے اس کی آنکھیں ہمہ وقت مسکراتی محسوس ہوتیں۔

جلال چچا کے بڑے بیٹے جاذب بھائی خاصے پُرشفقت ٹائپ کی چیز لگتے تھے۔ مگر ان کی بیگم روبی بھابی ان کے بالکل متضاد تھیں۔ بھرے بھرے بدن والی، خوبصورت نین نقش کی روبی بھابی بات بات پر بکھرنے لگتیں۔

ثاقب بھی عادل کا ہی ہم عمر تھا اور اسی کی طرح کم گو تھا۔ وہ دونوں کزن پڑھاکو ٹائپ کی شے تھے اور دونوں ہی میڈیکل کے دوسرے سال میں تھے۔ وہ سب سے ہی مل کر خوش ہوئی تھی۔ خرم سے البتہ کچھ گھبرا سی گئی تھی۔ اس کے سامنے اسے اپنا سارا اعتماد بکھرتا محسوس ہوتا۔ شاید اس لئے کہ وہ اس کی شرارتوں کے رنگ اور مسکراتی نگاہوں کے رنگ کا کوئی جواب نہیں دے پاتی تھی۔ اس کی حاضر جوابی کے سامنے لاجواب ہو کر رہ جاتی تھی۔

مایوں کے پہلے جوڑے میں حنا وقتاً فوقتاً سب کی شرارتوں کی زد میں آتی رہتی تھی۔ ثاقب

اور عادل تو اسے مس یرقان ہی کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔

"تمہارا جی متلانے نہیں لگا؟ کل سے تم انہی واہیات کپڑوں میں گھوم رہی ہو۔ تمہیں دیکھ دیکھ کر تو مجھے کچھ کچھ ہونے لگا ہے۔" خرم کو اس کے زرد کپڑوں سے کوفت ہو رہی تھی یا پھر وہ محض اسے چھیڑنے کی غرض سے انتہائی برا سا منہ بنا رہا تھا۔

"بچے! ابھی تو دو دن یہ اور انہی کپڑوں میں رہے گی اور تمہیں جی بھر کے کچھ کچھ ہوتا رہے گا۔" لالہ رخ چائے سرو کرتے ہوئے بولی تو خرم نے مگ واپس ٹرے میں رکھتے ہوئے "آؤ" کی آواز نکالی جیسے اسے سچ مچ اُلٹی آ رہی ہو۔ حنا سچ مچ خفیف سی ہو کر منہ بسورنے لگی۔

"دیکھیں، دیکھیں لالی اسے۔ یہ خوامخواہ میرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔"

"ارے کرنے دو جو کرتا ہے۔ بھلے سے دن بھر اُلٹیاں کرتا رہے، ڈرامے باز کہیں کا۔" لالی نے اس کا مگ اسے پکڑاتے ہوئے گھورا۔ پھر پلوشہ کو ایک مگ دیا جو ان کی اس نوک جھونک سے محظوظ ہو رہی تھی۔

"لالی! کیا یہ شادی والے دن ہی اب نہا کر کپڑے بدلے گی؟" وہ ترحم بھری نظروں سے اب بھی حنا کو دیکھ رہا تھا جو صوفے پر پاؤں چڑھائے بیٹھی تھی۔ اس نے اس کی طرف سے اونہہ کر کے رخ موڑ لیا۔

"نہیں شاید اس دن بھی نہ نہائے۔ پھر کیا کر لو گے تم؟"

"تو اس میں اتنا خفا ہونے کی کیا بات ہے؟ میں تو یونہی دل کی تسلی کے لئے پوچھ رہا تھا۔" یہ کہہ کر اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

"بیچارے آفاق بھائی پر رحم آ رہا ہے۔"

"تمہیں اس پر زیادہ ترس کھانے کی ضرورت نہیں ہے، تم اپنی خیر مناؤ۔ تمہاری دلہن کو تو ہم ایک ماہ تک نہیں نہلائیں گے اور اسی حالت میں اسے تمہارے سامنے پیش کر دیں گے۔"

حسنہ آپا کی اس کھلی دھمکی پر اسے چائے کا گھونٹ بھرتے ہی اچھو لگ گیا، جبکہ لڑکیاں تالیاں بجانے لگیں۔

"ہیر ہیر بالکل، اس کے ساتھ تو یہی ہونا چاہئے۔"

"او ظالمو! اگر تم لوگوں نے اس طرح کا کوئی پلان بنایا تو نتائج اسی کو بھگتنے پڑیں گے۔"

"ہاں نہیں تو کیا کر لو گے تم؟" لالی نے اپنی آنکھیں پھیلا کر اسے گھورا۔

"کیا کروں گا؟" اُس نے بھی جواباً انہیں گھورا، پھر ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔

"ہاتھ پکڑ کر باتھ روم میں چھوڑ آؤں گا اور کیا کر سکتا ہوں۔" اُس کی بات پر بے ساختہ قہقہہ پڑا تھا۔

طلال کی گاڑی کا مخصوص ہارن بجا تو خرم جھٹ سے کھڑا ہو گیا۔

"جانے کتنے آپریشن چھوڑ کر بھاگے آئے ہوں گے۔ دادی نے کہا تھا ایمرجنسی ہو گئی ہے۔ کہیں آپریشن کا سامان بھی لے کر نہ آ گئے ہوں۔" اس نے چائے کا خالی مگ ٹیبل پر رکھا اور باہر کی طرف دوڑ گیا۔

"ہاں تو ایمرجنسی ہی ہو گئی ہے۔ اسے کسی نے کھیلنے کو تو نہیں بلایا ہے۔" لالہ رخ اپنا مگ لے کر پلوشہ کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔

"اب یہ تکلف وکلف چھوڑو! خالہ جان تو بتاتی تھیں کہ تم بڑی شرارتی قسم کی لڑکی ہو۔" وہ اس پر مسکراتی نگاہ ڈال کر بولیں۔

"ارے ایسی ویسی؟ یہ تو بچپن میں بھی بہت زیادہ تنگ کرتی تھی ممانی جان کو۔" حسنہ آپا نے کہا پھر ماضی کی اس کی کوئی شرارت یاد کر کے بتانے لگیں۔

"حسنہ آپا!" پلوشہ نے سب کی مسکراہٹوں پر شرمندہ سی ہو کر ان پر احتجاجی قسم کی نظر ڈالی، مبادا وہ مزید اس کی شرارتوں سے پردہ اٹھائیں۔

"آپا پلیز! خرم بھائی کے سامنے اس طرح کی باتیں مت کیجیے گا۔" اس نے خرم کی آواز لونگ روم کے باہر سنی تو جھٹ سے منت کرتی ہوئی بولی۔ سب بے ساختہ کھلکھلا پڑیں۔

"اس لڑکے سے ڈر گئیں تم؟" لالی نے گھورا، پھر زوردار قہقہہ لگا کر بولیں۔ "اس سے تو تمہیں بالکل بھی ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، یہ ایسا افلاطون ہے کہ جہاں تمہاری کمزوری ملی موصوف سر چڑھ جائے گا۔"

وہ اُنگلی دانتوں میں دبا کر خفیف سی شرمندگی سے مسکرا دی۔

"کوئی آپریشن تو نہیں البتہ اہم میٹنگ ضرور چھوڑ کر آئے ہیں۔" خرم نے لونگ روم کا پردہ ہٹا کر اندر جھانکا پھر لالہ رخ سے مخاطب ہوا۔ "ایک کپ گرما گرم چائے کا مل جائے گا؟"

لالہ رخ نے فلاسک کو اٹھا کر ہلایا، پھر سر نفی میں ہلاتے ہوئے بولی۔ "اس میں تو ختم ہو گئی ہے۔ ٹھہرو، میں ابھی بنائے دیتی ہوں۔ طلال کو پینی ہے کیا؟" وہ قالین سے کھڑی ہو گئی۔

"بالکل۔ اور ایسی زبردست قسم کی ہونی چاہیے جو انہیں میٹنگ میں ملنے والی تھی تاکہ افسوس نہ رہ جائے۔"

وہ اپنی ہانک کر چلا گیا۔ لالہ رخ مسکرا دی اور کچن کی طرف چل دی۔

⁂☆⁂

"کیا...... یہ...... یہ ایمرجنسی تھی آپ کے خیال میں؟" اُس کی بھوری آنکھوں سے غصہ اُمڈ پڑا تھا۔ جھنجلاہٹ الگ سوا تھی۔

"دیکھ نہیں رہے ہو کیسا سوجا ہوا ہے بچی کا پاؤں۔ ذرا ڈھنگ سے دیکھو، ہڈی وڈی نہ چٹخ گئی ہو۔" رفیعہ بیگم نے اس کے غصے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے روشانہ کے پیر کی طرف توجہ دلائی جسے وہ بہت تفصیل سے دیکھ چکا تھا۔

"کوئی ہڈی وڈی نہیں ٹوٹی ہے اور نہ سوجن ہے۔ معمولی چوٹ ہے مسل میں۔ ہلکی مالش سے ٹھیک ٹھاک ہو جائے گی۔" اس نے نظر اس کے شفاف گداز پیر سے ہٹا کر اس کے چہرے پر ڈالی۔ اہم میٹنگ چھوڑ کر آنے پر اتنی جھنجلاہٹ تھی کہ چہرے کے ہر زاویے سے چھلکی پڑ رہی تھی۔

"ہڈی ٹوٹنے کا مطلب سمجھتی ہیں آپ، کیسا درد ہوتا ہے اس کا؟"

"گھنٹہ بھر پہلے تو ایسا ہی درد تھا، اب جا کر کچھ کم ہوا ہے۔" وہ اس کے انداز اور لہجے پر برا مان کر بولی۔

"ہاں ہاں، بچی بری طرح تڑپ رہی تھی۔" رفیعہ بیگم زور دے کر بولیں۔

"گھنٹہ بھر پہلے درد تھا، اب نہیں ہے۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ معمولی چوٹ تھی جس کا وقتی اثر تھا، اب زائل ہو چکا ہے۔" وہ آستین فولڈ کرتے ہوئے اس کے بیڈ کے پاس سے ہٹ گیا۔

"دو پین کلر کھائی تھیں اسی لئے درد کم ہو گیا ہے۔" وہ جل کر بولی۔ اس نے ایڑیوں کے بل گھوم کر اس پر ترچھی نظر ڈالی۔ وہ اس کی خالہ کی پوتی اور اس کی بھابی کی بھتیجی نہ ہوتی تو وہ اسے یقیناً بری طرح جھڑک دیتا، تاہم اپنے ٹمپر کو کنٹرول کرتا ہوا سپاٹ لہجے میں بولا۔

"مزید دو اور رات کو بھی گھول کر پی لیجیے گا اور ایک صبح۔ مکمل آرام آ جائے گا۔ اور چلنے میں ذرا احتیاط کر لیجیے گا۔" یہ کہتے ہوئے وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

روشانہ کا دل چاہا بیڈ سے اٹھ کر سامنے رکھا گلدان اس کی پیٹھ پر دے مارے۔ زندگی میں پہلی بار اسے اس طرح کے رویوں کا سامنا ہوا تھا۔ ناز ونعم سے پلنے والی کو کب کسی نے اس طرح ڈیل کیا تھا۔ سبکی کا احساس کتنی دیر اس کی روح پر ٹپکتا رہا۔ وہ آنکھوں پر بازو رکھ کر اس غصے کو پینے کی کوشش کرنے لگی۔

٭☆٭

لڑکے والوں کی طرف سے آج مہندی آنی تھی۔ صبح سے ہی ایک ہڑبونگ مچی ہوئی تھی۔

''کیا مصیبت ہے، یہ میرا کمرا ہی کباڑ خانہ نظر آتا ہے سب کو۔'' طلال نے زنانہ کپڑوں کا رول سا بنا کر اپنے کمرے سے باہر پھینکا تو وہاں سے گزرتی لالہ رخ ٹھٹک گئی۔ پھر لپک کر ان کپڑوں کو اٹھا لیا۔

''کیا کر رہے ہو طلال؟ یہ روشانہ اور پلوشہ کے کپڑے ہیں۔''

''میرا ہی کمرہ رہ گیا ہے ان فضول چیزوں کے لئے؟'' اس نے اسی جھنجلاہٹ بھرے انداز میں جواب دیا۔

''ہر کمرہ کباڑ خانہ ہی بنا ہوا ہے۔ اتنے مہمان جو ٹھہرے ہیں۔ ان بیچاریوں نے آئرن پھیر کر یہاں پھیلا کر رکھے ہیں۔ اب کوئی جگہ ملتی تو یہ کہیں اور رکھتیں۔''

روشانہ کچن سے نکلتے ہوئے اپنے کپڑوں کی یہ درگت دیکھ چکی تھی۔ اسی طرف چلی آئی اور آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر لالہ رخ کے ہاتھ سے اپنے کپڑے لیتے ہوئے بولی۔ ''سوری، مجھے نہیں پتہ تھا کہ یہ سرجن صاحب کا کمرہ ہے وگرنہ میں یہ گستاخی ہرگز نہ کرتی۔''

طلال نے ابرو اچکا کر اس کی طرف دیکھا۔ اسے کپڑوں کی درگت سے زیادہ اپنی تذلیل پر غصہ آیا تھا۔ اس کے رخساروں پر سرخی بکھری ہوئی تھی۔

''آؤ تمہیں دوسری جگہ بتاتی ہوں۔ حنا کے کمرے میں ہی رکھ دیتیں۔'' لالہ رخ خفیف سی شرمندگی محسوس کر کے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ لے گئی۔

''دراصل اسے پتہ نہیں تھا کہ یہ استری شدہ کپڑے ہیں اور تم لوگوں کے ہیں ورنہ......''

وہ بیچاری خوامخواہ میں وضاحتیں دینے لگی۔ روشانہ ہلکے سے ہنس دی۔

''ورنہ شاید بہت احتیاط سے ہینگر کر کے الماری میں لٹکا دیتے۔''

لالہ رخ نے اس کی طرف دیکھا، پھر محظوظ ہو کر بے ساختہ ہنس پڑی۔ ''چلو غصہ تھوک دو۔ میں خود تمہارے کپڑے پریس کر دیتی ہوں۔'' وہ کچھ اتنی محبت سے بولی کہ وہ نادم سی ہو کر رہ گئی اور اس کے ہاتھ سے کپڑے دوبارہ لے کر جلدی سے بولی۔

''ارے نہیں، آپ کیوں کریں گی۔ اور اتنے زیادہ خراب بھی نہیں ہوئے ہیں۔ میں باتھ تو لے چکی ہوں۔ ابھی بدلنے ہی تھے۔''

وہ کمرے میں آئی اور پھر واش روم کی جانب بڑھ گئی۔ لالہ رخ اس کے ہلکے نم بالوں کو دیکھتی رہ گئی جو سیاہ ریشم کی طرح اس کی پشت سے نیچے تک بکھرے ہوئے تھے۔

''روشی بہت زیادہ پیاری ہو گئی ہے۔ ہے ناں لالی!'' حنا کی آواز نے اس کی محویت کو توڑا۔ وہ پلکیں جھپک کر اس کی طرف دیکھ کر سر اثبات میں ہلاتے ہوئے بولی۔

''بہت چھوٹی تھی، تب دیکھا تھا میں نے اسے۔ اور اسے دیکھنے کا بہت اشتیاق تھا۔''

''مجھے پتہ ہے، اسے دیکھ کر آپ کے ذہن میں اس وقت کیا خیال آ رہا تھا۔'' حنا نے کہا تو لالہ رخ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، پھر ٹھنڈی سی سانس بھر کر مسکرا دی۔ مگر اس کی مسکراہٹ میں وہ تازگی نہ اتر پائی۔ حنا کے چہرے پر بھی ایک پل کے لئے تکلیف دہ رنگ آ کر گزر گیا۔ وہ لالہ رخ کو پلٹ کر جاتے دیکھتی رہی۔

٭☆٭

خرم نے پلوشہ کو سیڑھیاں اترتے ہوئے روبی کی طرف آتے دیکھ کر بے ساختہ سینے سے ایک سانس خارج کی۔ وہ ابٹن کا تھال تھامے سعدیہ پھوپھو کو ڈھونڈ رہی تھی۔

''آپ نے سعدیہ پھوپھو کو دیکھا ہے؟'' وہ اس کی طرف آ گئی جو کیمرے میں ریل ڈالتے ہوئے اسے اپنی طرف آتے دیکھ کر قطعی انجان بن گیا تھا۔

''دیکھا ہے، بہت بار دیکھا ہے، بلکہ روز ہی دیکھتا ہوں۔''

''میرا مطلب ہے اس وقت وہ کہاں ہوں گی؟'' وہ اس کے جواب پر قدرے سٹپٹا کر بولی تو اس نے کیمرے کو آنکھ سے ہٹایا اور اس پر نگاہ ڈال کر انتہائی سنجیدگی سے اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا۔

''صبح تک تو شاید یہیں تھیں اب جانے کدھر چلی گئیں۔''

''کیا پھوپھو آپ کی جیب میں تھیں؟'' وہ اس کی غیر سنجیدگی پر برا مان کر پلٹ گئی۔

''میں تو بیٹری ڈھونڈ رہا تھا۔'' وہ جلدی سے بولا تو وہ پلٹی۔ وہ ہنسی کو روکتا ہوا سر کھجانے لگا۔

''آپ بہت برے ہیں۔'' وہ کھسیا کر اسے خفگی سے دیکھنے لگی۔

''برا تو ہوں مگر کچھ خوبیاں بھی
ہوا کرتی ہیں شاید آدمی میں''

اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری تو وہ مسکرا دی۔

''آپ کو اتنے بہت سے شعر کس طرح یاد رہ جاتے ہیں؟'' اس نے تحیر کے ساتھ پوچھا۔

''یاد کہاں ہوتے ہیں، آمد ہوتی ہے۔'' وہ اطمینان سے بولا۔

''آمد...... وہ کیا ہوتا ہے؟''

''وہ ہوتی ہے، ہوتا نہیں ہے۔ اور جس طرح تمہاری آمد باد بہاری سے، میرے دل کے بے آب و گیاہ صحرا میں ست رنگے پھول مہک اُٹھے، ویران دھوپ کھاتے دل کے آسمان پر قوسِ قزح اتر آئی، یونہی تمہیں دیکھ کر نستعلیق قسم کے اشعار کی آمد بھی ہونے لگتی ہے۔''

''اُف، خرم بھائی! آپ اتنی مشکل زبان کیوں بولتے ہیں؟ کوئی آسان زبان آپ کو نہیں آتی کیا؟'' وہ سادگی سے بولی۔ خرم نے بے ساختہ ایک ٹھنڈی طویل سانس بھری۔

''تمہیں کون سی زبان سمجھ میں آجاتی ہے آسانی سے؟ میں اسی میں بات کرلوں گا۔ الجبرا یا فزکس کی؟ میرا خیال ہے جیومیٹری زیادہ آسان رہے گی۔''

پلوشہ کو ایک پل کے لئے اپنی پیشانی جلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ برا مان کر پلٹ گئی۔ تب سامنے سے لالہ رخ آتی دکھائی دی۔

''لالی آپا! یہ اُبٹن کا تھال پھوپھو نے منگوایا تھا مگر اب وہ نہ جانے کہاں گم ہوگئی ہیں۔ مجھے تو دکھائی نہیں دے رہی ہیں۔'' وہ تیر کی طرح اس کی طرف لپک گئی تھی۔

''وہ اماں کے کمرے میں ہیں اور تم یہاں کیا کر رہے تھے مسٹر؟'' اس نے خرم پر ایک نظر ڈالی اور کچھ اس انداز سے کہا کہ خرم نے اپنا کیمرہ اور ریل دونوں ٹیبل سے اٹھاتے ہوئے اس کی طرف جواباً گھورا۔

''یہ میرا لابی میں داخلہ آج سے ممنوع ہوگیا ہے کیا؟''

وہ زور سے ہنس پڑی اور ایک معنی خیز تبسم کے ساتھ سرنفی میں ہلایا۔ ''خیر ممنوع تو نہیں ہوا ہے۔ تم شوق سے بیٹھو، ہم چلتے ہیں۔ آؤ وشی۔'' وہ پلوشہ کا ہاتھ پکڑے وہاں سے چل دی تو وہ دل ہی دل میں بڑبڑا کر رہ گیا۔

☆☆☆

لڑکیوں کی تیاریاں تھیں کہ ختم ہونے میں نہیں آرہی تھیں اور شام تھی کہ ڈھلتی جارہی تھی۔ لان کے احاطے میں بجی بتیاں جھلملانے لگی تھیں، مہمانوں کی آمد کا غلغلہ ہونے ہی والا تھا کہ رفیعہ بیگم کی ڈانٹ ڈپٹ نے لڑکیوں کو سیلاب کے ریلے کی طرح کمروں سے نکلنے پر مجبور کردیا۔ وہ سب بھاگتی دوڑتی باہر چل دیں۔

حنا اپنے کمرے میں بیٹھی ان سب کی ہڑبونگ کو دیکھ کر ہنستی رہی۔ پھر ایک ایک کر کے سب ہی نکل گئیں تو وہ ان کی بکھری چیزیں سمیٹنے لگی۔ پھر یوں ہی کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ سکندر ولا کا بغلی لان فنکشن کی مناسبت سے آراستہ کیا گیا تھا، اس کی آرائش کے ساتھ ہی مہکتی لڑکیوں کے جمگھٹے، قہقہے، ہنسی کی جھنکاریں کسی بہار کا سماں پیش کر رہی تھیں۔ ایک تو

اتنا بڑا خاندان تھا، اپنے ہی لوگ جمع ہوتے تو لگتا ایک شہر اکٹھا ہوگیا ہے۔ استقبالیے کو خوبصورت رنگین پھولوں کی چھتریوں سے سجایا گیا تھا، جہاں لڑکیاں ہاتھوں میں، آنے والے مہمانوں کے استقبال کے لئے ہار اور پھولوں کی پتیاں لئے کھڑی تھیں۔

اس کی نظریں اِدھر اُدھر بھٹک کر یکدم لالہ رخ پر ٹھہر گئیں۔ سادے سے پیلے اور سفید کنٹراسٹ کے سوٹ میں اپنے لمبے بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹے، بڑے سے دوپٹے میں خود کو ڈھانپے وہ تمام تر سادگی اور سنجیدگی سے بزرگوں کے لئے رکھی گئی کرسیوں کی ترتیب ٹھیک کروا رہی تھیں۔ ان کی نگاہیں شامیانے کی آرائش کا تنقیدی جائزہ بھی لے رہی تھیں کہ کہیں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ مگر حنا نے سوچا کمی تو رہ گئی تھی، بہت بڑی کمی۔ ان کی مسکراہٹوں کی، جھنکاروں کی، ان کے دل کی مسرتوں کی، ہنگامہ آرائی کی۔ حنا کے دل میں ہوک سی اٹھی۔ اسے بے اختیار جاذب بھائی کے بیٹے کے عقیقے کی وہ تقریب یاد آگئی جب وہ سیاہ جھلملاتی ساڑھی میں ہلکی ہلکی جیولری اور میک اپ میں مہکتی، اجلی کیف و سرور میں ڈوبی رات لگ رہی تھیں۔ وہ رات جو دلوں کو دھڑکا دیتی ہے۔ سرسراتی ہوئی روح میں اتر جاتی ہے۔ لبوں پر مچلتی ہنسی اور بالوں میں لٹکا ہوا گجرا جیسے ہم آہنگ ہوکر ان کے چہرے پر انوکھے رنگ بکھیر رہا تھا اور ایسے میں سیف الرحمٰن کی نگاہیں تو لوہا بن کر ان کے مقناطیسی وجود پر چپک ہی گئی تھیں۔ گویا ''ہم کو چہرے سے ہٹنا گوارا نہیں'' اور ستم یہ کہ خرم نے جونہی ڈیک سیٹ کیا، وہ کرسی کھینچ کر وہیں بیٹھ کر اپنی پسند کی کیسٹ ڈھونڈ ڈھانڈ کر لگا بیٹھے۔

''لالی، آج تمہارے میاں کو ہوا کیا ہے؟'' روبی بھابی نے انہیں ٹہوکا مار کر ان کی توجہ سیف الرحمٰن کی طرف مبذول کرائی تو ان کے ہمراہ کنواری لڑکیوں کی پوری ٹولی بھی سیف الرحمٰن کو دیکھنے لگی۔

جس دن سے دیکھا ہے تم کو صنم
بے چین رہتے ہیں اس دن سے ہم
تم ہی بتاؤ کہ ہم کیا کریں
چاروں طرف دیکھتے ہیں تمہیں
اس میں خطا کیا ہماری ہے

''ایسا کیا گھول کر پلا کر آئی ہو کہ ان کی ایسی حالت ہوگئی ہے؟ شاید تین دن کی جدائی نے ان کا یہ حال کر ڈالا ہے۔'' روبی بھابی کی شرارت پر لالہ رخ کے چہرے پر شرمندگی اور حیا کے رنگ بیک وقت بکھر گئے تھے۔

''مگر اسے دیکھو، اس بیچارے پر ایک نگاہ غلط بھی ڈالنے کی فرصت نہیں ہے۔ اور وہ ہے کہ مجنوں بنا بیٹھا ہے۔'' ان کی تایازاد کرن بھی اس میں شامل ہوگئی۔

''توبہ ہے تم لوگوں سے۔ ذرا لڑکیوں کا ہی خیال کر لو۔ ساری ادھر ہی متوجہ ہیں۔'' انہوں نے روبی اور کرن کو گھورا۔

''بھئی ہم تو صرف تمہیں تمہارے مجنوں کی طرف متوجہ کر رہے ہیں۔'' روبی بھابی کھلکھلا پڑیں۔

''ناحق تم یہ کوشش کر رہی ہو روبی! وہ صاحب تو زیادہ عمدہ طریقے سے اسے متوجہ کر رہے ہیں۔'' حسنہ بھی سرگوشیانہ انداز میں بولی۔ گو کہ ابھی اس کی صرف منگنی ہوئی تھی مگر اکثر و بیشتر وہ لالہ رخ سے ہلکے پھلکے مذاق کر جاتی تھی۔

وہ سب کھلکھلا پڑیں تو لالہ رخ کو وہاں سے اٹھنا ہی پڑا۔

''یہ کیا حرکت ہے سیفی۔'' موقع پا کر لالہ رخ اس کے پاس جا پہنچی۔ وہ جیسے انجان بنا رہا اور کرسی کی پشت سے سر ٹکائے آنکھیں بند کیے گانے کے بولوں کے ساتھ خود بھی گنگناتا رہا۔

''سیفی! آپ تو بالکل کالج بوائے جیسی حرکتیں کر رہے ہیں آج۔ آپ بھول رہے ہیں کہ آپ ایک شادی شدہ مرد ہی نہیں ایک عدد بچے کے باپ بھی ہیں۔'' اس نے جھک کر ڈیک آف کر دیا۔

''تو کیا شادی شدہ مرد کو اپنی بیوی کو متوجہ کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے، جبکہ بیوی ظالم بنی اسے بالکل خاطر میں نہ لا رہی ہو، ذرا سی گھاس ڈالنے کو بھی تیار نہ ہو۔ اسے انتظار کی سوکھی ڈال بنا کر خود مجسم بہار بنی اِدھر اُدھر گھومتی پھرتی اس کا دل جلا رہی ہو۔'' اس نے لپک کر اس کی کلائی پکڑ لی اور براہِ راست اس کی بڑی بڑی مدہوش کر دینے والی آنکھوں میں جھانکا تو وہ بالکل اسکول گرل کی طرح جھینپ کر رہ گئی۔ مارے خجالت کے اِدھر اُدھر دیکھا اور شکر ادا کیا کہ کوئی اس طرف موجود نہیں تھا۔

''اچھا ہاتھ تو چھوڑیں میرا۔ اور اٹھیے یہاں سے۔ یہ جگہ آپ کے بیٹھنے کے لئے قطعی مناسب نہیں ہے۔''

''تو پھر میری جگہ کہاں بیٹھنے کی ہے بھلا؟'' وہ ہنوز اسی لہجے میں بولا۔

''کم از کم یہاں نہیں۔'' وہ پلک جھپکا گئی۔

''پتہ ہے آج تم کیسی لگ رہی ہو؟'' وہ کرسی سے اٹھ کر ان کے چہرے پر بھرپور نگاہیں جما کر بولا۔ ''مہکتی، مسکراتی، سرسراتی رات۔''

''سیفی پلیز! کوئی دیکھے گا تو کیا کہے گا۔ آپ بھی حد کرتے ہیں۔ ٹھہریں میں ابھی حمزہ کو اندر سے لا کر آپ کی گود میں ڈالتی ہوں، خود بخود ہوش آ جائے گا۔'' وہ اس کی نگاہوں کی تپش سے خود میں سمٹتی ہوئی بولی۔ رعب جماتی، مگر اندر ہی اندر محجوب ہوتی، چہرے کے مساموں سے پھوٹتی سرخی بڑا ہی دلکش منظر پیش کر رہی تھی۔ اس نے اتنا کیا کہ اس کی زور آزمائی پر اس کی کلائی چھوڑ دی اور ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

''حمزہ کو میری گود میں ڈال کر تم یہ جتانا چاہتی ہو کہ مجھے اب رومانس نہیں لڑانا چاہئے۔'' اس نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا تو وہ ہنس پڑی۔

''کم از کم بے موقع نہیں۔'' وہ یہ کہتی وہاں سے بھاگ لی۔

مگر پھر سارا وقت حنا نے لالی کو مہکتی، البیلی کلی کی مانند مسکراتے، مسرور دیکھا۔ اپنی اونچی ناک والے سسرال کی آؤ بھگت کرنے کے باوجود وہ سیف الرحمٰن سے بھی بیگانہ نہیں تھی۔

ڈیک خرم نے اونچی آواز میں لگا دیا تھا۔ شاید سسرال والوں کی آمد ہوگئی تھی۔ وہ چونک پڑی۔ پھر ایک تھکن آمیز سانس بھر کر آنکھوں کو کھول کر دوبارہ شامیانے پر نگاہیں دوڑائیں، اب وہاں لالہ رخ موجود نہ تھیں۔ وہ مہمانوں کے استقبال کے لئے داخلی دروازے کی طرف چلی گئی تھیں۔ اس نے پردہ گرا لیا اور بیڈ پر آکر بیٹھ گئی۔ یکدم بہت سے آنسو آنکھوں کے کناروں سے چشمے کی مانند پھوٹ نکلے۔

کاش، جاذب بھائی اپنے بیٹے کا عقیقہ اتنے بڑے پیمانے پر نہ کرتے۔ یا پھر لالی کے سسرال والوں کو مدعو نہ کیا ہوتا، یا پھر...... یا پھر وہ خود ہی اس تقریب میں شامل نہ ہوئی ہوتی۔ اس نے ہتھیلی کی پشت پر ٹپ ٹپ گرنے والے آنسوؤں کے قطروں کو دیکھا جو عجیب سی آگ لگا رہے تھے۔

''حنا!'' لالہ رخ جانے کب اندر آ گئی تھی۔ اس کی پلکوں سے گرنے والے آنسو اس کے دل کو تڑپا گئے۔

''لالی!'' حنا اسے دیکھ کر بے اختیار ہوگئی۔ اسے اپنا دل سینے کی دیوار میں گھٹتا ہوا محسوس ہونے لگا جیسے ابھی سانس بند ہو جائے گی۔

''لالی، لالی! میرے لئے یہ سب کسی بھی خوشی کا باعث نہیں ہے۔ یہ سب کچھ مجھے بہت تکلیف دہ لگ رہا ہے۔ کیا یہ سارا کچھ رک نہیں سکتا؟'' وہ ایک کرب سے گزرتے ہوئے تواتر سے آنسو بہاتے ہوئے بولی۔ لالہ رخ کا دل جیسے دب کر رہ گیا۔

''پاگل ہوگئی ہو کیا؟ بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔ یہ تو خوشی کا موقع ہے جو خدا نے

ہمیں دیا ہے۔" وہ اس کے پاس بیٹھ کر اسے خشمگیں نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی مگر وہ ٹوٹی ڈال کی طرح اس سے لگ کر بلک پڑی۔ ایک مضمحل سانس لالہ رخ کے سینے کی تہہ سے آزاد ہو گئی۔

"حنا! کیوں مجھے ستا رہی ہو؟ کیوں دُکھ دے رہی ہو، اس طرح رو رو کر تم مجھے گناہگار کر رہی ہو۔" اس نے ایک اذیت کے عالم میں آنکھیں میچ لیں۔

"گناہگار تو میں ہوں لالی، احساسِ جرم میری روح پر آگ کی طرح ٹپک رہا ہے، آپ کی ہنسی، آپ کی مسکراہٹیں میں نے ہی تو چھین لی ہیں لالی...... ہے ناں۔"

"حنا...... حنا خدا کے لئے چپ ہو جاؤ۔ تم اور طلال مجھے جیتے جی مار ڈالو گے۔ وہ بھی...... وہ بھی اس طرح کی باتیں کرتا ہے، وہ بھی اپنے رویوں سے مجھے ستاتا رہتا ہے۔ مت کرو تم دونوں اس طرح۔ تم میرے مجرم نہیں ہو، بلکہ کوئی بھی نہیں ہے میرا مجرم۔ یہ تو تقدیر کا لکھا ہوا پورا ہو رہا ہے۔ کاتب تقدیر تک کسی کی دسترس نہیں ہے۔ تم دونوں بالکل پاگل ہو۔" وہ اس کا سر سہلاتے ہوئے ہنسی۔

"نہیں لالی! طلال چاچو ہوں یا میں، آپ کی زندگی کی خوشیاں اور سکھ ہم نے چرائے ہیں۔ بلکہ ہم آپ کے ہی نہیں حمزہ کے بھی مجرم ہیں۔" اس نے لالی کا ہاتھ اپنے سر سے ہٹا کر ہاتھوں میں تھام کر اس پر اپنے سسکتے لب رکھ دیئے۔

لالہ رخ نے کرب سے لب کاٹتے ہوئے اسے دیکھا، پھر ایک مضمحل سی سانس بھر کر اس نے نرمی سے اس کا سر اونچا کیا۔

"ہزار مجھ سے وہ پیمانِ وصل کرتا رہا
پر اس کے طور طریقے مکرنے والے تھے
تمام رات نہایا تھا شہر بارش میں
وہ رنگ اتر ہی گئے جو اترنے والے تھے"

وہ ہلکے سے ہنس دی۔ مگر اس کی ہنسی میں بلا کا رنج تھا جو حنا کے دل میں شگاف ڈال گیا۔ وہ تڑپ کر اس کا ہاتھ دبا کر بے آواز آنسو بکھیرنے لگی۔

"پگلی!" جیسے اس نے کسی احساس سے نکل کر اس کا سر ہلایا۔ "آفی بہت اچھا انسان ہے، تمہیں بہت خوش رکھے گا، تمہارا یہ غم ہے نا بے کار سا، فضول سا، وہ بھی بانٹ لے گا۔ بہت سمجھدار ہے وہ۔ اس کے سنگ زندگی گزارتے ہوئے تم ہمیشہ خوش اور پُرسکون رہو گی۔ رفاقت وہی اچھی اور پائیدار ہوتی ہے جس میں دونوں فریق ایک دوسرے کے دل میں

ہی نہیں روح میں بھی اتر کر دیکھ سکتے ہوں، اپنے جذبوں کو ہی نہیں مقابل کے جذبات کی بھی قدر کرتے ہوں۔ ایسی رفاقت کا کیا فائدہ جو محض دنیاداری کے لئے ہو، جہاں آنکھیں تو بظاہر کھلی ہوں مگر دل اور روح کی کھڑکیاں بند ہوں۔ ایسی رفاقت میں بہت گھٹن ہوتی ہے حنا۔ بہت حبس، ناقابل برداشت حد تک۔ ارے ہاں۔" وہ اچانک ہنس پڑی۔ "پتہ ہے، آفی کے ،، فون آ چکے ہیں صبح سے۔ بتا رہا تھا کہ ہمارے یہاں بہت بڑی رونق لگی ہے، اندرون پنجاب سے بھی اس کے رشتے دار آئے ہوئے ہیں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ گھر کی رونق چھوڑو، اپنے دل کی رونق کا حال سناؤ، وہاں کتنی روشنیاں جل بجھ رہی ہیں۔ تو پتہ ہے اس گھنے نے کیا کہا۔" اس نے آنکھوں میں مسکراہٹ بھر کر حنا کو دیکھا مگر وہ لب کاٹ کر سر جھکا گئی۔ جس اذیت کے پل صراط سے وہ گزر رہی تھی، لالی کیوں اسے سمجھ نہیں پا رہی تھی یا پھر نظر انداز کر رہی تھی۔

"اُس نے کہا کہ وہاں کا حال تو میں صرف حنا کو ہی بتاؤں گا، تم خوامخواہ کی کرید نہ کرو۔ ویسے حنا یہ آفی ہے بڑا گھنا۔"

"لالی پلیز۔" وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر کرب سے چلائی۔ "مجھے بہلانے کی کوشش مت کریں، میں جانتی ہوں وہ بہت اچھے ہیں۔ اچھی قسمت والیوں کو آفاق جیسے ساتھی ملتے ہیں۔ اور......"

"بس تو پھر کیوں ہڑکا مچا رکھا ہے، کیوں خوشی کے موقع پر یہ اُداسی پھیلا رہی ہو؟" اس نے اس کی بات کاٹ کر ترش نظروں سے اسے گھورا۔ مگر وہ بے قرار روح کی مانند مضطرب ہو کر بولی۔

"آپ بس کسی طرح یہ شادی رُکوا دیں۔ میں...... میں طلال چاچو کی طرح تمام عمر شادی نہیں......" مگر اس کا بقیہ جملہ اس کے منہ میں ہی رہ گیا۔ لالہ رخ کا ہاتھ صدمے اور دُکھ سے اس کے رخسار کو چھو گیا۔ وہ دم سادھے بس اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ جبکہ لالہ رخ نظروں میں تاسف بھرے اسے دیکھ رہی تھی۔

"بہت افسوس کی بات ہے کہ تم نے اتنی پست بات منہ سے نکالی۔"

"ہاں، ہاں، ماریں مجھے، ماریں۔ مجھے۔ بلکہ مجھے جان سے مار ڈالیں۔ یہ زندگی کا بوجھ تو ختم ہو جائے، بلکہ مجھے اور چاچو کو دونوں کو شوٹ کر دیں لالی! ہم دونوں اس قابل نہیں ہیں کہ زندہ رہیں۔ کتنے سیلفش تھے ہم دونوں، ایک نے بھی کمپرومائز کرنے کا نہیں سوچا۔ چاچو تو مرد تھے، وہی کمپرومائز کر لیتے۔"

"چپ ہو جاؤ حنا...... چپ ہو جاؤ۔ خدا کے لئے خاموش ہو جاؤ۔" لالہ رخ نے اسے شانوں سے پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا پھر اسے دھکیل کر خود بیڈ سے کھڑی ہوگئی۔ حنا سسکتی رہی اور ادھر دروازے کے باہر کھڑی روشانہ کو گویا سکتہ ہو گیا تھا۔

کچھ نہ سمجھنے کے باوجود وہ اتنا سمجھ رہی تھی کہ لالہ رخ جو سب کے لئے ہنستی مسکراتی لالی تھی، اس کی زندگی کی کتاب میں کہیں بہت تلخ باب رقم ہے۔ تاہم حنا کی سسکیاں اس کی سمجھ سے بالاتر تھیں۔ مگر اس کے باوجود اس کے آنسو اسے اپنے دل پر گرتے محسوس ہو رہے تھے۔ وہ اپنا ہیئر بینڈ اس کے کمرے سے لینے آئی تھی اور اپنی جیولری اسے دکھا کر رائے مانگنا چاہ رہی تھی تا کہ اپنے اس سوٹ کے ہمراہ پہن سکے۔ مگر اب اندر کے ماحول نے اسے تذبذب میں ڈال دیا تھا کہ وہ اندر جائے یا نہ جائے...... لالہ رخ کا یہ روپ اس کے لئے بڑا حیران کن تھا۔ اتنا حزیں، اتنا اداس تو اس نے اسے ابھی تک نہ دیکھا تھا۔ اس کی آواز میں ایسی تھکن تھی گویا برسوں کی مسافت طے کر کے بھی ناکام اور ہارا ہوا مسافر جس کا انگ انگ تھکن سے ٹوٹ رہا ہو...... اس کے دل پر ضرب سی پڑ رہی تھی۔

"حنا، تم چاہتی ہو میں ان خوشی کی گھڑیوں کو رج کر انجوائے نہ کروں؟ دو گھڑی ہنس بول کر اپنے اندر کی گھٹن باہر نہ نکالوں؟ ان گھڑیوں کو بھی تم میرے لئے عذاب بنانا چاہتی ہو؟" ایک پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ وہ بے چارگی سے بولی تو حنا نے مجروح انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"انجوائے...... بہت انجوائے کر رہی ہیں آپ۔ اتنے پھیکے، بے رونق سراپے کے ساتھ آپ خود کو ہشاش بشاش ظاہر کر رہی ہیں نا۔ آپ کی سونی کلائیاں اور آپ کے چہرے کا یہ سادہ پن آپ کو بہت مسرور ظاہر کر رہا ہے نا؟" وہ طنز سے ہنسی۔

لالہ رخ نے چہرہ موڑ لیا۔ "تم تو جانتی ہو مجھے میک اپ کا شوق نہیں ہے اور......" وہ ایک پل کے لئے رُکی، پھر یکدم لہجے میں توانائی بھر کر اس کی طرف رخ کر کے بولی۔

"آج تو صرف مہندی کا فنکشن ہے۔ اب اس میں کیا بارات کے کپڑے پہن لوں گی؟ کل دیکھنا، دُلہا والوں کے یہاں جاؤں گی تو کتنی لش پش ہو کر جاؤں گی، تم بھی پہچان نہ پاؤ گی۔"

"لالی!" حنا بیڈ سے اتری اور پھر بے اختیار ایک اذیت کے عالم میں اس سے لپٹ گئی۔

روشانہ کتنی ہی دیر حنا کی سسکیاں سنتی رہی۔ اس پر اعصاب شکن سناٹا طاری رہا تھا۔ مگر اچانک اسے احساس ہوا کہ وہ ایک معیوب فعل میں نادانستگی میں مبتلا ہے۔ اب اسے مزید

دانستہ یہاں نہیں رکنا چاہئے۔ اس خیال کے ساتھ ہی وہ پلٹی کہ اپنے پیچھے کھڑے طلال سے بری طرح ٹکرا گئی۔ اس کی غیر متوقع موجودگی نے اسے چکرا کر رکھ دیا تھا جبکہ وہ اس تصادم پر بھی ہنوز اسی اطمینان سے اپنی جگہ جما رہا گویا وہ خاصی دیر سے یہاں کھڑا تھا۔ اس خیال سے اس کی پیشانی جل اٹھی۔ اُس کا چہرہ یوں پھیکا پڑ گیا جیسے کوئی مجرم، جرم کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہو۔

وہ سیاہ شلوار سوٹ میں ایک ہاتھ دیوار پر جمائے اسے کچھ عجیب سی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"وہ...... وہ حنا سے مجھے کچھ کام تھا۔ مگر اندر شاید وہ کچھ پریشان ہے، میں نے سوچا میرا اندر جانا شاید مناسب نہ ہو۔" وہ سٹپٹا کر وضاحت کرنے لگی۔ پھر اس تصادم پر اپنے ہاتھ سے فرش پر گر جانے والی اپنی چمکتے نگوں والی جیولری کو دیکھا جو ماربل کے فرش پر بکھری پڑی تھی ایک نظر اس کی طرف دیکھا، پھر جلدی سے پلکوں کی باڑھ گرا کر حواس باختگی کے عالم میں فرش پر جھک کر جیولری سمیٹنے لگی۔ اس کے جھکنے پر اس کی پشت پر ترتیب سے پڑے بال اِدھر اُدھر یوں پھسل کر بکھر گئے جیسے کسی نے ریشم کے تھان کو ہولے سے چھو کر اس کی گرہ کھول دی ہو اور وہ پھسلتا چلا گیا ہو۔

"میں نے آپ سے کسی قسم کی وضاحت تو نہیں مانگی۔ آپ ناحق اتنی گھبرا گئی ہیں۔" وہ ریشم کے ان لچھوں سے نگاہیں ہٹا کر دھیرے سے بولا۔ اس کے لہجے میں ہلکی طنز آمیز مسکراہٹ کی جھلک تھی۔ روشانہ نے جھٹکے سے سیدھی ہو کر اس کی طرف دیکھا۔

"آ...... آپ کا خیال ہے کہ میں دانستہ ان کی باتیں سننے رُک گئی تھی؟"

"میں نے یہ تو نہیں کہا۔" اس نے کندھے اچکائے اور اس کے رخساروں پر اترنے والی سرخی کو بہ نظر غور دیکھا۔ اہانت کے احساس نے اس کے رخساروں کو انار کی مانند دہکا دیا تھا۔

"مجھے کسی کی باتیں چھپ کر سننے کا نہ کوئی شوق ہے، نہ عادت۔ اگر آپ نے مجھے یہاں کھڑے دیکھ لیا ہے تو یہ مت سمجھئے کہ میں دانستہ یہ حرکت کر رہی تھی۔ مجھے اندر کے ماحول نے حقیقتاً ہرٹ کیا ہے اور مجھے یہ جیولری حنا کو دکھانی تھی۔" وہ اس کی خوشنما آنکھوں کی استہزائیہ جنبش پر سلگ کر بولی اور فرش سے اٹھائی ہوئی جیولری اسے دکھا دی۔ پھر اسے یونہی مٹھی میں دبا کر تقریباً بھاگتی ہوئی راہداری عبور کر کے جانے کس کمرے میں گھس گئی۔

طلال کے لبوں سے بے اختیار ایک گہری سانس خارج ہوگئی۔ وہ خالی راہداری کو کچھ دیر دیکھتا رہا۔ گویا اس کی موجودگی کو کچھ دیر محسوس کرتا رہا۔ پھر سر کو خفیف سی جنبش دے کر

پلٹنے لگا کہ نظریں فرش پر چمکتے آویزے پر آ پڑیں جو کیکٹس کے گملے کے بے حد قریب پڑا جگمگا رہا تھا۔

''سیٹ تو نامکمل رہ گیا روشانہ صاحبہ آپ کا۔'' اس نے جھک کر آویزہ اٹھا کر اس پر ایک نظر ڈالی۔ ایک مدھم سی مسکراہٹ بے اختیار اس کے لبوں کو چھو گئی۔

اس نے حنا کے کمرے کے نیم وا دروازے پر ایک نظر ڈالی، پھر آویزہ اپنے کرتے کی جیب میں ڈالا اور پلٹ کر دائیں طرف راہداری عبور کرتا رفیعہ بیگم کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

⁕☆⁕

حنا کو رسم کے لئے باہر شامیانے میں لایا گیا۔ اسے ایک طرف سے روبی بھابی اور دوسری طرف سے حسنہ آپا نے سنبھالا ہوا تھا۔ پیلے دوپٹے کے گھونگھٹ میں حنا کا سارا وجود ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ ہر حیا آمیز لڑکی کی طرح اسے بھی شادی کی رسمیں خوشی کے احساس کے ساتھ ایک عجیب سے خوف اور وہم میں بھی مبتلا کئے ہوئے تھیں۔

اسے کرسی پر بٹھا دیا گیا۔ اسے پتہ نہیں تھا کہ کون کون اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کی ہتھیلی پر رکھے پتے پر مہندی، اُبٹن مل رہا ہے۔ کون اس کا گھونگھٹ ذرا سا اٹھا کر مٹھائی کا ٹکڑا اس کے منہ میں ڈال رہا ہے۔ وہ تو بس روبوٹ کی طرح سب کی مانے جا رہی تھی۔ اچانک نازش، مہ وش اور دوسری لڑکیوں نے اس کی نندوں اور آفاق کی رشتے دار لڑکیوں کو مزید مٹھائی کھلانے سے روک دیا۔

''کیوں اپنی ممانی کے پیٹ کی دشمن ہو رہی ہو؟'' حسنہ آپا نے آفاق کی بھانجی کو اتنا بڑا لڈو اٹھا کر حنا کے منہ کی طرف بڑھاتے دیکھ کر اس کا ہاتھ ہنس کر پکڑ لیا۔

''ارے واہ، میں تو ضرور کھلاؤں گی۔ اتنی چاہت اور محبت سے تو کھلا رہی ہوں۔ پیٹ میں کیسے درد ہو سکتا ہے۔'' اس نے ان کی گرفت سے ہاتھ چھڑا کر جلدی سے لڈو حنا کے منہ میں گھسیڑ دیا۔

''بچو! کل اپنے آفاق ماموں کو ایسی ہی صورت حال کے لئے تیار رکھنا، بدلہ ضرور لیں گے۔'' نازش نے آستین چڑھالی۔

''وہ تو منوں ٹنوں مٹھائی بھی مارے خوشی کے کھا لے گا۔ آج سے معدہ خالی رکھا ہوا ہے اس نے۔'' آفاق کی بڑی بھابی شرارت سے بولیں تو ہنسی کی جھنکاریں بج اٹھیں۔

''بس کیجئے، اس نے البتہ کل سے پیٹ، معدہ کچھ بھی خالی نہیں رکھا تھا۔'' لالہ رخ نے اس کی بھابی کے ہاتھ سے مٹھائی جھپٹ لی۔ تاہم ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہاتھ میں رہ گیا جسے وہ ہنستے ہوئے اپنے ہی منہ میں ڈالتے ہوئے بولیں۔

''چلیں معاف کیا، کیا یاد رکھیں گی کہ جٹھانی نے یہ احسان کیا ہے اس پر۔ تمہیں بخش رہی

ہوں۔ ہاں، تمہارے حصے کی آفاق کو ضرور کھلاؤں گی۔'' انہوں نے جھک کر حنا کے گھونگھٹ میں منہ ڈالا پھر اس کی صبیح پیشانی چوم لی۔

رسم کے بعد حنا کو لالہ رخ اندر لے گئی جبکہ لڑکیاں ڈھولکی سنبھال کر مقابلے پر اتر آئیں۔

''وشی! ذرا جا کر ڈیک پر یہ کیسٹ بدل آؤ۔ خرم نے اتنی فضول کیسٹ لگا رکھی ہے۔'' مہ وش نے اپنے گھٹنے کے نیچے دبی کیسٹ نکال کر پلوشہ کو تھما دی۔ وہ بھاگ کر ڈیک کے پاس آئی مگر خرم کو وہاں براجمان دیکھ کر جھجک کر رک گئی۔

''آتے آتے اس طرف ان کی سواری رہ گئی

دل کی دل میں آرزوئے جاں نثاری رہ گئی''

وہ اسے ایک دم رُکتے دیکھ کر اپنی بے اختیارانہ مسکراہٹ نہ روک سکا۔

''جی کیا مطلب؟''

''کس بات کا، سواری کا یا جاں نثاری کا؟''

''افوہ۔'' وہ جھنجلا پڑی۔ پھر کیسٹ اس کی طرف کرتے ہوئے بولی۔ ''یہ کیسٹ مہ وش نے بھیجی ہے لگانے کے لئے۔''

''لگانے کے لئے۔ اچھا کیسٹ بھی لگائی جاتی ہے۔'' اس نے بھنویں اچکا کر سراسر مصنوعی حیرت کا اظہار کیا تو وہ ناراض ہو کر پلٹنے لگی۔ تب وہ جلدی سے بولا۔

''اچھا اچھا لاؤ، ادھر دکھاؤ۔ ویسے ہمارے یہاں کیسٹ سنی جاتی ہے۔'' وہ اسے زچ کر رہا تھا۔ اس نے کچھ چڑ کر کیسٹ اسے تھما دی۔

''کیا ہے اس کیسٹ میں بھلا؟''

''مقابلہ ہو رہا ہے نا، اس لئے یہی لگانی ہے۔'' وہ اطمینان سے بولی اور پلے کا بٹن پش کرتے ہوئے ایک معنی خیز تبسم خرم کے لبوں پر بکھر گیا۔

''مقابلہ حسن منعقد ہو رہا ہے کیا؟'' اس نے سر سے پیر تک اسے بھرپور نظروں سے دیکھا تو وہ سٹپٹا کر پیچھے ہٹی۔

''مجھے نہیں پتہ۔ آپ بس یہ کیسٹ پلے کر دیں۔'' وہ جلدی سے وہاں سے بھاگ لی اور دل ہی دل میں اسے نوازتی رہی۔

✲✫✲

سسرال والوں اور دور پار کے عزیز رشتے داروں کے جانے کے بعد وہ سب وہیں لان میں ہی کرسیاں گھسیٹ کر کچھ دیر ستانے بیٹھ گئیں۔ لڑکے ملازموں سے سامان اٹھوانے

لگے۔

''آپی! آپ نے وہ سیٹ کیوں نہیں پہنا؟'' پلوشہ کی نظریں کئی بار روشانہ کی خالی گردن پر جا پڑی تھیں مگر شاید استفسار کا موقع نہ ملا تھا۔

روشانہ اس کی بات پر گڑبڑا گئی۔ ''بس یونہی۔''

''یہ کیا بات ہوئی۔'' لالہ رخ نے ٹرے سے چائے کا ایک مگ اٹھاتے ہوئے اس پر ایک نظر ڈالی۔ روشانہ نے بھی اس سے نظریں کترا کر صغریٰ کے ہاتھ سے چائے کا مگ تھام لیا۔ ''تمہاری عمر تو پہننے اوڑھنے کی ہے، اور پھر ایسے موقعوں پر ہی تو پہنا جاتا ہے۔ تم نے تو میک اپ بھی نہیں کیا، کپڑے بھی اتنے لائٹ تھے۔ کم از کم جیولری ہی پہن لیتیں۔'' اس کے انداز میں اپنائیت آمیز ڈانٹ تھی۔

''بس مجھے ذرا ان چیزوں کا شوق کم ہی ہے۔ وہ بھی دراصل دادو جان کے ڈر سے نکال لیا تھا۔ وہ تو مجھے سیروں کے حساب سے گولڈ پہنانا چاہ رہی تھیں۔''

اس کی بات پر وہ سب ہنس پڑیں۔

''اور ان کا یہ سیروں کے حساب سے سونا پلوشہ نے چڑھا لیا ہے۔'' نازش نے پلوشہ کو دیکھ کر شرارت سے کہا تو روشانہ نے مسکراتی نظروں سے پلوشہ کو دیکھا۔

''ہاں، اسے کچھ زیادہ ہی شوق ہے۔''

''اچھی بات ہے نا۔ یہ عمر ہی تو شوق پورا کرنے کی ہوتی ہیں۔ تم بھی تھوڑا بہت پہن لیتیں تو اچھا لگتا۔''

''دراصل اس سیٹ کا ایک آویزہ کہیں کھو گیا ہے، اس وجہ سے میں نے یہ سیٹ نہیں پہنا۔'' اس نے آہستگی سے کہا تو وہ سب بیک وقت چونکیں۔

''کھو گیا...... کہاں، کیسے؟'' لالہ رُخ نے تشویش سے پوچھا۔

''ارے نہیں، بس وہ اِدھر اُدھر کہیں گر گیا ہاتھ سے، پھر ملا نہیں۔''

''کتنی بیوقوف ہو روشانہ! پہلے بتاتیں میں صغریٰ اور زرینہ سے کہہ دیتی، وہ ڈھونڈ دیتیں۔''

''ارے چھوڑیں، مل جائے گا۔ آپ نے بھی تو نہ میک اپ کیا ہے اور نہ ہی کوئی جیولری پہنی ہے۔ عموماً شادی شدہ خواتین تو یہ شوق ضرور رکھتی ہیں۔'' وہ اس کے سادے سے سراپے پر نظر ڈال کر بولی تو لالہ رخ یکدم پلکیں جھپک کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ اس پل حنا کی نگاہیں بھی اس کی طرف اٹھیں جن میں شکوہ مچل رہا تھا۔ وہ ہلکے سے ہنس دی، یہ ہنسی دراصل خود کو سنبھالنے کے لئے تھی۔

''برات میں دیکھنا تم لوگ، سارے شوق پورے کروں گی۔''

''میرا خیال ہے اب اندر جانا چاہئے۔ یہاں مچھر بڑے کاٹ رہے ہیں۔'' حسنہ آپا نے لالہ رخ پر ایک نگاہ ڈالی، پھر یکدم ہی اس موضوع کو ختم کرتے ہوئے کہا اور کرسی دھکیل کر اُٹھ گئیں۔

''کہتے ہیں مچھر پُرکشش لوگوں کو زیادہ کاٹتے ہیں۔ چلو لالی! تم تو زیادہ پُرکشش ہو، تمہیں تو خوب کاٹ کر مزا لے رہے ہوں گے۔'' ان کی اس بات پر ماحول پر چھائی بے نام سی اداسی ایک چھناکے سے ٹوٹ گئی۔

''پھر تو روشانہ کو بھی خوب کاٹ رہے ہوں گے۔'' حنا بھی مسکرا دی۔

''خیر، اس وقت تو تم اپنی خیر مناؤ۔ تمام تر مچھروں کی توجہ تم پر ہے۔'' وہ جواباً بولی تو حنا بے ساختہ کھلکھلا پڑی۔ لالہ رخ نے بڑی محبت اور مسرت سے اسے دیکھا، پھر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

''چلو اٹھو، تمہیں تو مکمل اوجھل بیٹھنا چاہئے۔ جہاں ذرا گیدرنگ جمی وہیں آ کر پھیل کر بیٹھ جاتی ہو۔ چلو روشانہ اور نازش، اسے پکڑ کر اندر لے جاؤ۔''

''اوجھل ہی تو ہو جانا ہے ہمیشہ کے لئے۔ چند لمحات ہی تو رہ گئے ہیں نشاط کے۔'' وہ اس کی بات پر ایک مجروح مسکراہٹ کے ساتھ بولی تو لالہ رخ نے اس پر تپتی ہوئی نگاہ ڈالی، پھر حسنہ آپا کے ہمراہ اندر کی طرف بڑھ گئی۔

دوسرے روز لڑکے والوں کے یہاں مہندی لے جانی تھی مگر روشانہ کے پاؤں میں اچانک تکلیف بڑھ گئی۔ آمنہ بیگم نے اسے جانے کو سختی سے منع کر دیا۔ وہ دل مسوس کر حنا کے پاس ہی بیٹھی رہ گئی۔ لالہ رخ کو بھی اس کے نہ جانے کا ملال ہوا۔

''چلو آرام کرلو۔ بارات کے دن تک بہتر ہو جائے گا۔ اور ہاں، طلال سے میڈیسن لے لینا۔ بلکہ ٹھہرو میں خود اسے تاکید کر کے آتی ہوں کہ وہ تمہارے پیر کو چیک کر لے۔ ایک تو یہ لڑکا عادل بھی کسی کام کا نہیں ہے۔ میڈیکل کے تیسرے سال میں ہے مگر ایک میڈیسن کا علم نہیں ہے۔ اس سے اچھی تو اماں ہیں، فٹافٹ درد کی دس دوائیوں کے نام ابھی بتا دیں۔'' حنا اور وہ دونوں ہنس پڑیں۔

''دادی جان نیم حکیم خطرہ جان ہیں۔ اب ان سے کسی دوا کا نام مت پوچھ لیجئے گا۔ انہیں تو ہر دوائی درد کی ہی لگتی ہے۔'' ثاقب اندر جھانک کر لالہ رخ کی بات کے جواب میں بولا، پھر کندھے پر چڑھائے ہوئے حمزہ کو اتارتے ہوئے بولا۔ ''ادھر سب گاڑیوں میں سوار

ہونے جا رہی ہیں اور آپ ادھر کیا کر رہی ہیں، جانا نہیں ہے کیا؟''

''ہائے اللہ، ابھی تو اس کے کپڑے بھی نہیں بدلے۔ دیکھو ذرا ابھی پندرہ منٹ پہلے نہلایا تھا اور کتنا گندا ہو رہا ہے۔'' اس کا دھیان حمزہ کی طرف گیا۔

''اسے بھی ساتھ لے جا رہی ہیں کیا؟ طلال چاچو تو کہہ رہے تھے اسے میرے پاس چھوڑ جانا۔'' پھر قدرے رازدارانہ انداز میں جھکتے ہوئے بولا۔ ''ہوسکتا ہے کوئی تجربہ کرنا چاہ رہے ہوں اس پر۔''

لالہ رخ نے اسے گھور کر دیکھا۔ ''میرے بیٹے کی ہڈیاں پوری ہیں۔ نہ زیادہ نہ کم۔ اسے کوئی تجربہ کرنے کی ضرورت کیا ہے۔ بہت بولنے لگے ہو تم۔'' وہ حمزہ کو اٹھا کر ثاقب کو گھورتے ہوئے باہر نکل گئی۔ اس کا رُخ طلال کے کمرے کی جانب تھا۔

''تم کس خوشی میں نہیں آ رہے ہو۔'' اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی رعب بھری نگاہ طلال پر ڈالی جو اپنی وارڈ روب میں جانے کیا تلاش کر رہا تھا۔ اس کے اس بارعب انداز پر وہ بے اختیار مسکرا دیا۔

وہ عمر میں اس سے خاصی چھوٹی تھی مگر اس کے اس بارعب انداز سے لگتا تھا گویا وہ اس سے دس سال بڑی ہو۔

''مہندی وہندی کی رسموں میں میرا کیا کام۔ یوں بھی آج میں بہت تھک گیا ہوں، ریلیکس ہونا چاہتا ہوں۔''

''خیر اب تو مہندی کی رسم میں مرد بھی شریک ہونے لگے ہیں۔''

''تو یہ کوئی اچھی بات تو نہیں ہے۔ یوں بھی ان محفلوں میں مردوں کا کیا کام۔ صرف لڑکیوں کو تاکنا، نظر بازی کرنا۔'' وہ وارڈ روب کا پٹ بند کر کے اس کی طرف آیا اور حمزہ کو اس کی گود سے لے لیا۔

''اور تمہیں تو اس کی ضرورت ہی نہیں ہے نا۔''

''اسے ساتھ مت لے جاؤ، میرے پاس چھوڑ جاؤ۔ ناحق تمہیں وہاں تنگ کرے گا۔'' وہ اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے بولا۔ پھر اس سے نظریں ملیں تو بے ساختہ ہنس پڑا۔ وہ بھی ہنس دی۔

''اچھا مجھے دو اسے، کپڑے تو کم از کم بدل دوں۔'' وہ حمزہ کو اس کی گود سے لے کر اسے رائٹنگ ٹیبل پر بٹھا کر اس کی جرسی بدلنے لگی۔ پھر بالوں پر برش پھیرنے لگی کہ اچانک اس کی نگاہیں اس چمکتے آویزے پر پڑیں جو بڑی احتیاط سے سیاہ جلد والی ڈائری کے اوپر رکھا ہوا

تھا۔

''یہ تو شاید روشانہ کے اسی سیٹ کا ہے جو کہیں کھو گیا تھا۔ مگر یہ تمہارے پاس کیسے آیا؟''
اس نے جھٹ وہ آویزہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

وہ بھی اس طرف متوجہ تھا، اس کے دیکھنے پر گڑبڑا کر یکدم نظریں چرا لیں۔ ''مجھے کیا پتہ...... یہیں پڑا ہوا تھا۔''

''یہاں؟'' اس نے قدرے تعجب سے ڈائری کو دیکھا پھر آویزے کو۔ اس کے سٹپٹا کر نظریں چرا لینے کے انداز نے اسے چونکا دیا تھا۔ ایک معنی خیز تبسم بے اختیار اس کے لبوں کو چھو گیا۔

''تمہیں مل ہی گیا تھا تو اس بیچاری کو دے دیتے۔ اسی وجہ سے اس نے کل اس کا سیٹ پہنا ہی نہیں۔''

''افوہ لالی! کیا فضول بات ہے۔ مجھے کیا پتہ یہ کس کا ہے اور یہاں کیسے آیا؟ لے جاؤ اسے۔'' اونچا لمبا آدمی یکدم یوں جھینپ کر رہ گیا تھا۔ لالہ رخ کو یہ تجربہ بڑا انوکھا اور دلفریب لگا۔

''ویسے طلال! ہے نا کچھ عجیب سی بات کہ روشانہ کا آویزہ تمہارے کمرے سے برآمد ہوا ہے۔ ویسے شکر کرو کہ جیب سے برآمد نہیں ہوا۔'' وہ شاید اس کی جھنجلاہٹ سے حظ اٹھا رہی تھی۔ طلال نے اسے گھور کر دیکھا۔

''اسے کہہ دوں جا کر یہ طلال نے سنبھال کر رکھ لیا تھا کسی مناسب موقع پر دینے کے لئے؟'' وہ حفظ ماتقدم کے تحت دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے گویا ہوئی۔

''لالی یو......'' وہ اس کی طرف بڑھا تو وہ جھپاک سے بھاگ لی۔

''مائی فٹ۔'' وہ لب بھینچ کر ہلتے پردے کو دیکھتا رہا۔ پھر حمزہ کی طرف بڑھا جو اس کی رائٹنگ ٹیبل پر رکھی کتابوں پر ستم ڈھا رہا تھا۔ وہ اس کی طرف آیا۔

''پارٹنر! یہ جو تمہاری ممی ہیں نا، عقل سے بالکل پیدل ہیں۔ انہیں کیا پتہ کہ یہ جو تمہارے ماموں ہیں، ان کے سینے میں دل ہے ہی نہیں۔ اور اگر ہے بھی تو بالکل جما ہوا۔ اس پر اتنی برف گری ہوئی ہے کہ اس میں اب شاید ہی کبھی کوئی شعلہ جل سکے۔

ہم اپنی طرز کے جوگی ہیں اس زمانے میں
خود اپنے دل میں پڑے ہیں بنا کے ویرانے''

وہ اسے اٹھا کر بیڈ پر لیٹ گیا اور اسے سینے پر بٹھا لیا۔

اچانک دروازے پر ہلکی دستک پر اس نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ تب ہی حنا نے اندر جھانکا۔

''چاچو......''

''ہاں، آؤ بھئی، کیا بات ہے؟'' وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''چاچو! روشانہ کے پاؤں کی تکلیف بڑھ رہی ہے۔ سب لوگ چلے گئے ہیں۔ مجھے تو کوئی درد کی گولی بھی نہیں مل رہی ہے۔ پلیز آپ کچھ کریں۔'' وہ مایوں کے زرد زرد کپڑوں میں بڑی سی سفید چادر میں خود کو ڈھانپے قدرے پریشان دکھائی دے رہی تھی۔

''اچھا تم چلو، میں آتا ہوں۔'' وہ بیڈ سے اتر گیا۔

''لائیے، اسے مجھے دے دیجئے۔'' اس نے حمزہ کو اس کی گود سے لینے کے لئے ہاتھ بڑھا دیئے مگر طلال نے اس کے ہاتھوں میں لگی مہندی دیکھ کر حمزہ کو اس کے ہاتھوں میں دینے کا ارادہ ترک کر دیا۔

''تمہاری یہ مہندی خراب ہو جائے گی۔ تم چلو'' اس نے کہا اور حمزہ کو اٹھائے اپنے سلیپر پاؤں میں ڈال کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

''اچھا ہی ہے کہ خراب ہو جائے۔'' وہ اپنے ہاتھوں کو دیکھ کر ہلکی افسردگی سے بولی۔ طلال نے ٹھٹک کر اس کی طرف دیکھا، پھر لب بھینچ لئے۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا، وہ ملول اور افسردہ ہے بلکہ خفا بھی۔ تاہم وہ کچھ کہہ کر اس کی افسردگی اور خفگی کو ہوا نہیں دینا چاہتا تھا۔

حمزہ کو اس نے راہداری سے گزرتی صغریٰ کو تھمایا اور خود حنا کے کمرے میں آ گیا جہاں روشانہ درد سے نڈھال سرخ چہرہ لئے نیم دراز تھی۔

''حنا! میرا موبائل بھی پلوشہ ساتھ لے گئی ہے شاید۔ ورنہ میں پاپا کو فون کر دیتی۔'' وہ آہٹ پر سمجھی کہ حنا آئی ہے۔ مگر جونہی طلال پر نظر پڑی تو لب دانتوں میں دبا لئے۔

''کیا آپ کے پاپا آ کر آپ کا درد اپنے پیر میں منتقل کر لیں گے؟'' وہ اس کا جملہ سن چکا تھا۔ جواباً تمسخر سے بولا۔

''میں اس لئے تو نہیں کہہ رہی تھی۔'' وہ جھینپ کر ہونٹ دبائے سر جھکا گئی۔ پھر درد کی شدت کو ضبط کرتے ہوئے ہاتھ سے پاؤں کو دبانے لگی تو اس کی تکلیف کا احساس کرتے ہوئے وہ قدرے ملائمت سے اس کا ہاتھ اس کے پاؤں سے ہٹا کر اس جگہ کا معائنہ کرنے لگا۔

''اسے بہت درد ہو رہا ہے طلال چاچو۔'' حنا اس کے کندھے پر تسلی آمیز دباؤ ڈالتے

ہوئے طلال سے بولی۔

''اچھا، نئی اطلاع ہے۔''

حنا ہنس پڑی۔ ''آپ کے لئے واقعی نئی اطلاع ہے۔ آپ بالکل ٹھیک سے اس کے پاؤں کا معائنہ کیجئے۔ سرکاری ڈاکٹر کی طرح بس نپٹائیے مت۔''

''مثلاً مجھے کیا کرنا چاہئے؟'' اس نے ابرو اچکا کر حنا کو دیکھا۔

''کسی پرائیویٹ کلینک کے ڈاکٹروں کی طرح ڈیل کیجئے گا۔ یعنی بے حد توجہ اور خلوص کے ساتھ۔'' وہ مسکراہٹ دبا کر بولی۔

''تمہیں کس نے بتایا ہے کہ پرائیویٹ کلینک کے ڈاکٹرز تمام تر توجہ اور خلوص کے ساتھ ہی پیشنٹ کو دیکھتے ہیں؟''

''چلیں، وقت تو دیتے ہیں نا۔'' حنا کو جانے کیوں شرارت سوجھ رہی تھی۔

''کوئی ایسا خاص درد بھی نہیں ہے۔ یہ حنا تو یونہی بکواس کر رہی ہے۔ بس آپ کوئی پین کلر دے دیجئے۔'' حنا کی اس ساری بکواس سے اس نے عجیب سی کیفیت سے دوچار ہوتے ہوئے اپنا پاؤں کھینچ لیا۔ اس نے چونک کر اپنی شہد رنگ آنکھیں اس کے چہرے پر جما دیں۔ نگاہوں کا ہلکا سا تصادم ہوا تو وہ جلدی سے پلکوں کا جال گرا گئی۔

لرزتی پلکوں کا یہ گھنیرا سیاہ جال بڑا دلکش اور انوکھا منظر پیش کر رہا تھا۔ تاہم طلال نے بڑی سرعت سے نگاہوں کا زاویہ بدل ڈالا اور حنا سے مخاطب ہوا۔

''حنا! میرا میڈیکل بکس لے آؤ۔''

حنا فوراً کمرے سے بھاگ لی۔ روشانہ پیر سمیٹ کر کاؤچ پر اونچی ہو کر دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔

''آپ کو اپنا آویزہ مل گیا؟'' وہ حنا کے جاتے ہی اس سے پوچھنے لگا تو پہلے تو اس نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

''میرا مطلب ہے، لالی نے آپ کو دیا تو ہو گا۔ دراصل وہ.....'' وہ کچھ کہتے کہتے جھجکا۔ اس کے اثبات میں سر ہلانے پر بولا۔

''کوئی فضول قسم کی بکواس تو اس نے نہیں کی؟''

''جی، کیسی بکواس؟'' وہ قطعی نہ سمجھ پائی۔

''خیر۔'' وہ یکدم سنبھل کر اٹھ کر کرسی پر جا بیٹھا۔ ''یہ مجھے حنا کے کمرے کے دروازے کے باہر فرش پر پڑا نظر آیا تھا۔ میں نے یہ سوچ کر اٹھا لیا کہ کہیں کسی کے پیر کے نیچے آ کر

ٹوٹ نہ جائے۔'' اس کا انداز سپاٹ اور کسی حد تک سرد تھا۔ اس کی آنکھوں کی مانند۔ یا شاید آنکھوں کا ہی رنگ لہجے میں بھی سمٹ آیا تھا۔ اس نے بس ایک نظر اس کے سرد چہرے پر ڈالی۔ اسے وہ خاصا مغرور اور بے مہر سا شخص لگا۔ یا پھر اس کی کھڑی ستواں ناک اور آنکھیں ایسا تاثر دے رہی تھیں۔

''اتنا قیمتی بھی نہیں تھا۔ ناحق آپ نے اتنی زحمت کی۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ چبھتا ہوا ہو گیا۔ وہ ابرو اُچکا کر اس کی طرف دیکھنے لگا، تاہم کچھ بولا نہیں۔ حنا میڈیکل بکس اٹھائے چلی آئی تو وہ اسے کھول کر اس کے لئے ٹیبلٹ تلاش کرنے لگا۔ پھر ایک نیلے رنگ کا اسٹریپ حنا کو تھماتے ہوئے بولا۔

''اس میں سے دو ٹیبلٹ نکال کر انہیں کھلا دو۔'' پھر بکس بند کر کے کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا۔ ''اس وقت تیل سے ہلکا مساج کر کے کپڑا باندھ لیں، افاقہ ہو گا۔'' یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گیا۔ مگر کتنی دیر اس کے مخصوص پرفیوم کی دلفریب مہک اور اس کی آنکھوں کا بے مہر رنگ اس کی موجودگی کا احساس بن کر اس کے حواس پر چھایا رہا۔

''کیا ضرورت تھی انہیں بلا کر لانے کی؟'' وہ سر جھٹک کر کسی سحر سے نکلتے ہوئے حنا سے اُلجھ پڑی۔

جواباً اس نے آنکھیں دکھائیں اور ٹیبلٹ اور پانی کا گلاس اسے پکڑاتے ہوئے بولی۔ ''تو کیا کرتی۔ تمہیں سوں سوں کرتے دیکھتی رہتی؟ ویسے اتنے ماہر سرجن سے تو لوگ اپائنٹمنٹ لے کر لمبی لائن میں بیٹھتے ہیں تب باری آتی ہے، تمہیں مفت میں مل گئے تو قدر نہیں کر رہی ہو۔'' حنا نے کچھ اتنی سادگی اور بے ساختہ پن سے یہ بات کہہ دی، جبکہ اس کا چہرہ یکلخت کسی احساس سے تپ اٹھا۔ وہ پلکیں جھکا گئی اور نیچے رکھی پلیٹ سے مہندی کا کون اٹھا کر دیکھنے لگی۔

''لگا لو نا مہندی، وہ سب تو پتہ نہیں کب واپس لوٹیں گی۔ پھر کہیں بیٹھ کر مہندی لگائیں گی۔''

''مجھے کہاں آتی ہے مہندی لگانا۔'' اس نے کون دوبارہ پلیٹ میں رکھ دیا۔

''لاؤ میں لگا دوں۔ مجھے تو بڑی اچھی آتی ہے۔'' حنا نے کون اٹھا لیا مگر اس نے جلدی سے ہاتھ پیچھے ہٹا لیا۔

''نہ.....نہیں..... مجھے پسند نہیں ہے یہ چیز۔ خواہ مخواہ میں ہاتھ فضول سے لگتے ہیں۔ اور گھنٹہ بھر سکھاؤ بیٹھ کر اسے۔''

''یہ کہو اس جنجال سے گھبرا رہی ہو۔ مجھے دیکھو، یہ مصیبت لئے بیٹھی ہوں۔ بالکل معذور ہوگئی ہوں جیسے۔'' حنا اپنے ہاتھ میں لگی مہندی کو دیکھ کر بولی پھر زور سے ہنس پڑی۔ وہ اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ روئی روئی آنکھوں کے پار اُداسی کا ایک سمندر موجزن تھا مگر لبوں پر وہ ہنسی سجائے ہوئے تھی۔ کل کا منظر اس کے تصور میں لہرا گیا۔ وہ عجیب سے جذبے سے اٹھی اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنائیت آمیز لہجے میں بولی۔

''آئی لو یو حنا۔ تم...... تم اتنی پیاری ہو کہ مجھے آفاق بھائی کی قسمت پر رشک آ رہا ہے۔'' اس کے اس بے ساختہ پن اور اس اظہار پر حنا جھینپ کر رہ گئی۔ جیسے وہ روشانہ نہیں ہو، آفاق احمد ہو۔ اس کے رخساروں پر گلابی پن اتر آیا۔

''تم خود اتنی کیوٹ ہو روشی! جانے کون خوش نصیب تمہاری زندگی میں داخل ہوگا، تمہارا ہمسفر بنے گا۔ کاش کہ وہ......'' حنا یکدم کچھ کہتے کہتے رُک گئی، پھر پورے جذبے سے اس کا سبک ہاتھ پکڑ کر دبایا اور دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر بے ساختہ ہنسنے لگیں۔

''پتا ہے ہنی! دادو مجھے زبردستی اپنے ساتھ لائی تھیں۔ میں بالکل راضی نہیں تھی یہاں آنے پر۔ میرا خیال تھا کہ وہاں میں سخت بور ہوں گی اور پتہ نہیں وہاں کے لوگ کیسے ہوں گے، کس مزاج کے، میں وہاں ان سب میں مکس اپ ہوسکوں گی یا نہیں؟ مگر اب لگتا ہے کہ میں یہاں سے جا کر تم لوگوں کو بہت مس کروں گی۔ یہاں کے لوگ بہت اچھے ہیں۔'' وہ کشن سر کے نیچے رکھ کر لیٹ گئی اور جیسے کسی غیر مرئی نقطے پر نگاہیں مرکوز کر دیں۔ ''اتنے محبت کرنے والے، اتنے سحر انگیز، اتنے پیارے۔'' اس کا لہجہ خود کلامی کا سا ہوگیا۔

''جناب! اچھے، محبت کرنے والے اور سحر انگیز لوگوں کے نام تو ذرا گنوایئے گا تاکہ مجھے بھی پتہ تو چلے کہ ان میں کون کون خوش نصیب لوگ شامل ہیں؟'' حنا اس پر جھک آئی، اس نے اُسے مصنوعی خفگی سے گھورا پھر ہنس پڑی۔

''تم سرفہرست ہو۔''

''محبت کرنے والوں میں یا سحر انگیزی میں؟'' اس کا لہجہ اب بھی معنی خیز تھا۔ ''ویسے میرا خیال ہے، محبت کرنے والوں میں تم نے ہمیں کاؤنٹ کیا ہے اور سحر انگیزی میں طلال چاچو کو۔''

اُس نے نظریں حنا کے متبسم چہرے سے ہٹا کر سامنے دیوار کے رخ پر کر دیں مگر پھر جلد ہی سنبھل کر اٹھنے لگی مگر حنا اس کی یہ کوشش ناکام بناتے ہوئے، اس کے شانے پر ہاتھ کا دباؤ ڈالتے ہوئے اپنی چمکتی آنکھیں اس کے چہرے پر گاڑتے ہوئے بولی۔

''کیا خیال ہے، کچھ غلط تو نہیں کہا میں نے؟''

''فضول مت بکو۔ ابھی میرا دماغ اتنا خراب نہیں ہوا ہے۔'' وہ اسے دھکیل کر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ پھر حنا کو کشن جڑ دیا۔ ''تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے، میرے پاؤں میں درد ہو رہا ہے۔'' اس کا دھیان پھر اپنے پیر کے درد کی طرف ہوگیا۔

''ارے ہاں! چاچو نے کہا تھا مساج کر کے کپڑا باندھ لینا۔'' حنا کو اچانک خیال آ گیا۔ وہ قدرے سنجیدگی سے اٹھ کر جلدی سے واش روم کی الماری سے تیل نکالنے لگی۔ اور پھر کوئی کپڑا تلاش کرنے لگی۔ جبکہ وہ دیوار سے ٹیک لگا کر عجیب سے احساسات میں گھری سوچ کی اجنبی رو میں بہنے لگی۔

☼☆☼

رات جانے کون سا پہر تھا، اس کی آنکھ اچانک کھلی تو اس نے بیڈ پر ہاتھ پھیرا۔ مگر وسیع و عریض بیڈ دور تک خالی تھا۔ حنا بیڈ پر ہی نہیں، کمرے سے بھی غائب تھی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اس نے واش روم کی طرف دیکھا مگر وہاں اندھیرا تھا۔ وہ بیڈ سے اتر کر دروازے کی طرف بڑھی اور دروازہ کھول کر باہر جھانکا، راہداری میں ملگجا سا اُجالا پھیلا ہوا تھا جس کی روشنی میں اسے لابی کا کھلا دروازہ دکھائی دیا اور وہیں فون اسٹینڈ کے پاس اسے زرد کپڑوں میں ملبوس حنا کا سراپا دکھائی دیا۔ وہ اسٹینڈ پر جھکی، ریسیور اٹھا کر کوڈ نمبر پش کر رہی تھی۔ پھر سیدھی ہوکر دوسری طرف سے ریسیور اٹھا لینے کا انتظار کر رہی تھی شاید۔

''آفی! میں ...... میں حنا بول رہی ہوں۔'' دوسری طرف سے ریسیور اٹھا لیا گیا تھا۔ اس کی مدھم بھیگی آواز سناٹے کے باعث روشانہ کو باآسانی سنائی دی۔

''آفی!'' وہ اچانک سسکنے لگی۔ ''آفاق، میں بہت ڈپریسڈ ہوں۔ آپ تو جانتے ہیں نا تمام حالات۔ مگر نہیں، آپ صرف حالات جانتے ہیں، میری ذہنی حالت سے واقف نہیں ہیں۔'' وہ روتے ہوئے بول رہی تھی۔ دوسری طرف سے جانے کیا کہا گیا، وہ دل گرفتگی سے بولی۔

''یہ آپ کا خیال ہے نا۔ مگر میں جانتی ہوں کہ میں اس ٹینشن سے شاید ہی نکل پاؤں۔ آفی، آفی! کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ یہ شادی رُک جائے اور......'' اُس کے بقیہ الفاظ اس کے لبوں کے درمیان ہی پھڑ پھڑا کر رہ گئے۔ طلال نے پیچھے سے آ کر ریسیور اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔ دوسرے پل ریسیور کریڈل پر پٹخ کر اسے خونخوار نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''تم اس حد تک احمق لڑکی ہو، مجھے اندازہ نہیں تھا۔ وہاٹ ڈو یو وانٹ؟ کیوں پریشان کر رکھا ہے مجھے اور لالی کو؟ حنا، حنا تم......'' وہ اُسے شانوں سے پکڑ کر غصے اور بے بسی سے دیکھنے لگا مگر وہ اس کے ہاتھ جھٹک کر ناراض بچے کی طرح پیچھے ہٹی پھر رُخ موڑ کر بھرائی

ہوئی آواز میں بولی۔

''آپ مجھ سے بات مت کیجئے۔ آپ چیٹر ہیں، ڈس اونسٹ ہیں، آپ اور لالی نے مجھے چیٹ کیا ہے۔''

''پاگل ہوتم، ادھر دیکھو۔ دیکھو میری طرف۔'' اس نے حنا کا بازو پکڑ کر اپنی طرف اس کا چہرہ گھمایا مگر وہ اسی طرح روٹھی رہی۔ ''بے وقوف لڑکی! یہ محبت ہے جو مجھے تم سے ہے۔''

''اونہہ، محبت...... ایسی محبت لالی سے کیوں نہیں ہے آپ کو؟ وہ تو بہن ہے آپ کی۔ اس کا گھر کیوں نہیں بچالیا اس آگ سے جو آپ کی اور میری لگائی ہوئی ہے، جس میں سے ابھی تک دُھواں اُٹھ رہا ہے۔''

طلال کے ہاتھ کی گرفت اس کے بازو پر ڈھیلی پڑ گئی۔ اس نے لب بھینچے، اسے ترش نظروں کے ساتھ دیکھا۔

''نہیں طلال نیازی صاحب! آپ اور میں بہت کم ظرف اور جھوٹے ہیں۔ ہمیں لالہ رخ سے قطعاً محبت نہیں ہے۔ اگر ذرا بھی محبت ہوتی تو ہم بہت کچھ کر سکتے تھے۔ میں تو چلو عورت ہوں، بے بس و لاچار، جس طرح آج میرے ہاتھ بندھے ہیں، میری ذات کے ساتھ منسوب ہر فیصلے کا حق بڑوں کو ہے اسی طرح پہلے بھی میں ایسی ہی بے بس تھی۔ مگر آپ..... آپ تو چاچو! بڑے آزاد و خود مختار تھے اور ہیں۔ یہاں آپ نے میرے ساتھ زبردستی کر لی اور سارا جرم صرف اپنے کھاتے میں ڈال لیا۔ آپ کا کیا خیال ہے مجھے آفاق احمد کے ساتھ وداع کر کے آپ مجھے اس احساسِ جرم کی دہکتی بھٹی سے باہر نکال لیں گے اور خود.....خود اپنے اردگرد یہ فصیل بنا کر اندر محصور ہو کر لالی سے محبت کا حق نبھاتے رہیں گے؟ اس احساس کا ازالہ کر دیں گے اس طرح؟''

''حنا.....'' طلال کا ہاتھ پوری قوت سے اٹھا اور اس کے رخساروں پر نشان چھوڑ گیا۔ وہ اس حملے کے لئے قطعی تیار نہ تھی، لڑکھڑا کر صوفے پر جا گری۔ مگر سنبھل کر کتنی دیر زخمی نظروں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر یکدم دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر سسکنے لگی۔

''آپ کیوں نہیں کر لیتے شادی؟ یہ تو لالی کی تمنا ہے، اس کی خوشی ہے، مجھے اس جہنم میں دھکیل رہے ہیں اور خود.....''

وہ ہونٹ دبائے اسے غصے اور احساسِ بے بسی کے ساتھ دیکھتا رہا، پھر متاسفانہ سی سانس بھر کر اس کی طرف آیا اور نرمی سے اس کا بازو پکڑ کر اسے کھڑا کر دیا۔ ''جاؤ، کمرے میں جاؤ اور سونے کی کوشش کرو۔ میں آفاق سے بات کرتا ہوں۔ وہی تمہارا دماغ درست کرے گا۔''

وہ اسے بظاہر نرمی سے پکڑے تھا مگر اس کی نرمی میں بے حد سختی اور درشتگی تھی۔ وہ نہ چاہنے کے باوجود اس کی گرفت میں کسی لچکتی شاخ کی مانند کھنچتی چلی جا رہی تھی۔

روشانہ جیسے کسی خواب سے چونکی تھی مگر تب تک طلال وہاں آ چکا تھا۔ وہ خفیف سی ہو کر پیچھے ہٹی اور پلٹنے لگی کہ اس نے پکار لیا۔

''روشانہ! پلیز اسے اندر لے جائیے اور پانی پلائیے۔'' اس کا لہجہ بے حد سپاٹ تھا پھر اسی درشت انداز میں اس نے حنا کو اس کی طرف دھکیل دیا اور خود فون اسٹینڈ کی طرف بڑھ گیا۔

حنا کی دل گرفتہ حالت روشانہ کے دل پر زخم بن کر لگی۔ وہ اسے بیڈ پر لٹا کر اس کے لئے ٹھنڈا پانی لینے کو دوڑ گئی۔

وہ چپ چاپ چھت کو تکتی رہی۔ اس کی آنکھوں کے کناروں سے پانی دھیرے دھیرے بہتا تکیے میں جذب ہو رہا تھا۔

⁂☆⁂

شاوا کہ نخرہ گوری دا
واہ واہ کہ نخرہ گوری دا

خرم، عادل اور ثاقب نے لابی میں ایک ہنگامہ مچا رکھا تھا۔ عادل تان لگا رہا تھا، جبکہ ثاقب نے دف سنبھال رکھا تھا اور لالی کا بیٹا حمزہ اسٹک اٹھا کر ڈھول پر مارے جا رہا تھا جو خرم کے ہاتھ میں تھا۔

گوری دے مکھ تے تل توبہ
میرا لٹ کے لے گئی دل توبہ
واہ واہ کہ نخرہ گوری دا

''اے ہے لڑکو! خدا کے لئے یہ ٹھکا ٹھک بند کرو، کانوں پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی۔ سب کہاں مر کھپ گئے۔ کوئی سننے والا نہیں ہے۔'' آمنہ بیگم بولائی بولائی سی تخت پر آ کر بیٹھ گئیں اور سر پکڑ لیا۔

''سب یہیں پر ہیں خالہ جان! کوئی فوت نہیں ہوا۔ کم از کم آج کے دن تو فوت ہونے کا موڈ بھی نہیں ہے۔'' خرم نے ڈھول ایک طرف لڑھکایا اور ان کی طرف چلا آیا۔

''اے خدا نہ کرے جو کوئی مرے۔ میں تو یونہی بک رہی تھی۔ یہ تمہارے ابا اور چاچا کدھر ہیں؟ ناشتے کے بعد سے جو غائب ہوئے تو اب تک نہیں آئے۔ سو کام پڑے ہیں۔ ادھر تمہاری دادی بیچاری رو پیٹ کر چپ ہو گئیں۔''

"تو یہ شعبہ آپ نے سنبھال لیا۔" عادل نے دف زور سے ان کے کان کے پاس جا کر بجایا تو انہوں نے ناگواری سے اسے دیکھا اور پوچھا۔

"کس چیز کا شعبہ؟"

"رونے پیٹنے کا۔ میرا مطلب ہے انہیں ڈھونڈنے کا۔" یہ کہہ کر وہ ہنس دیا پھر جلدی سے گردن خم کرتے ہوئے بولا۔ "آپ ناحق خوار ہو رہی ہیں۔ مجھ سے کہہ دیتیں، میں ابھی چراغ رگڑتا ہوں، وہ دونوں حاضر ہو جائیں گے۔"

"حد ادب لڑکے۔" خرم نے اسے آنکھیں دکھائیں اور دف اس کے ہاتھ سے چھین کر اس کے سر پر بجا دیا۔ "میرے والد محترم اور اپنے والد بزرگوار کو تم نے جن بنا کر ہماری شہریت کو مشکوک کر دیا ہے۔"

"تم لوگوں سے تو بات کرنا ہی بیکار ہے۔" آمنہ بیگم جھنجلا کر وہاں سے چل دیں جبکہ وہ تینوں ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسنے لگے۔ ادھر چائے کے لئے فریج سے دودھ کا پوٹ اٹھاتی پلوشہ ان کی شرارتوں پر محظوظ ہو کر ہنس رہی تھی۔

"یہ آپ کس خوشی میں موتی بکھیر رہی ہیں؟" خرم اس کے پیچھے آ کے کھڑا ہو گیا۔

"م...... میں ہنس تو نہیں رہی ہوں۔" وہ سٹپٹا کر پلٹی۔ خرم نے بے ساختہ معنی خیز تبسم کے ساتھ اسے دیکھا۔

"تو موتی کا مطلب سمجھتی ہیں۔ ویسے ہنس نہیں رہی تھیں تو رو رہی تھیں کیا؟" پھر ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے بولا۔ "اگر رونا ایسا ہے تو پھر ہنسنا کیسا ہوگا۔ بندہ بشر ہوں، ایسے اٹیک تو مت کرو۔ ایسا نہ ہو کہ یہیں تمہارے قدموں میں کھٹ سے گروں اور پٹ سے مر جاؤں۔"

پلوشہ جھینپ کر جلدی سے فریج بند کر کے کچن میں غڑاپ سے گھس گئی۔

"تمہیں بڑی شرارتیں سوجھ رہی ہیں اور یہ تم جب دیکھو اس بے چاری کے پیچھے ہی کیوں پڑے رہتے ہو؟" حسنہ آپا نے کفگیر اس کی کمر پر جمایا تو وہ تڑپ کر پلٹا۔

"اس نے تمہارا کون سا ادھار کھا لیا ہے۔ چلو نکلو یہاں سے اور چلتے پھرتے نظر آؤ۔"

"بھوک لگ رہی ہے آپی! ایمان سے۔" اس نے کچن کے دروازے سے ہٹ کر انہیں اندر جانے کا راستہ دیتے ہوئے نہایت مسکین سی صورت بنا لی۔

"ہائیں بھوک؟ ابھی ناشتہ کئے گھنٹہ بھر نہیں ہوا اور تمہیں بھوک ستانے لگی۔"

"تو کس کافر نے کیا ہے ناشتہ؟ ناشتے کے نام پر ایک کالی پیلی چائے اور دو ٹوسٹ ہی

زہر مار کئے ہیں۔ اسے ناشتہ تو ہرگز نہیں کہتے۔"

حسنہ آپا اسے گھورنے لگیں، پھر بے ساختہ ہنس پڑیں اور پلوشہ سے مخاطب ہوئیں۔ "وش! اس لڑکے کو ناشتہ دے دو ورنہ یہ جان کو آ جائے گا ہماری۔"

"آپ کی تو خیر نہیں۔" وہ ہلکے سے بڑبڑایا مگر حسنہ آپا کے پلٹنے پر جلدی سے سر کھجاتا پلٹ گیا۔

"ایک کپ چائے کا مل جائے گا حسنہ؟" طلال ڈائننگ روم میں آیا۔ پھر ڈائننگ ٹیبل کی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"کیا ہوا سرجن صاحب؟" خرم بھی اس کے مقابل کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

سرمئی رنگ کے سلوٹ زدہ شلوار سوٹ میں وہ خاصے ڈھیلے انداز میں کرسی پر بیٹھا تھا اور گردن کو پشت پر ڈھیلی چھوڑے ہوئے تھا۔

"پریشاں بال، آنسو آنکھ میں، اتری ہوئی صورت
نصیب دشمناں ایسے میں آئے ہو کہاں ہو کر"

خرم کی زبان میں خارش نہ ہو، ایسا ممکن ہی نہیں۔ جواباً اس کی ناگوار نظروں کا سامنا کرنا پڑا۔

"کچھ غلط کہہ دیا؟" وہ سراسر گھبرانے کی ایکٹنگ کرتا ہوا ذرا سا پیچھے ہوا۔

"دراصل صبح صبح ایسی اتری ہوئی صورت دیکھ کر ایسے ہی شعر زبان پر آ سکتے ہیں۔ اگر طبع نازک پر گراں گزرا ہے تو کوئی اور پھڑکتا ہوا شعر عرض کروں۔" اس نے باقاعدہ آستین فولڈ کر کے گلا کھنکارا۔

"نظر کے سامنے حسنِ بہار رہنے دے
جمالِ دید کو پروردگار رہنے دے
سوالِ شوق کا کوئی جواب ہو کہ نہ ہو
ہمارے دل میں امید بہار رہنے دے

مزید یہ شعر عرض ہے کہ

گرم شعار نہ تھے معتبر نہیں ٹھہرے"

"خدا کے لئے خرم۔ صبح صبح یہ شعری نشست جما کر تم ہمارے صبر کا امتحان مت لو۔"

حسنہ آپا نے جلدی سے اسے ٹوکا۔ پھر ہنستے ہوئے بولیں۔ "کتنے مجموعے گھول کر پی لئے ہیں تم نے؟"

"یہ کورس کی کتابوں سے زیادہ ان کتابوں پر محنت کرتا ہے۔" طلال طنز سے بولا تو اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر ان کی طرف پُر ملال انداز میں دیکھا۔

"بڑے افسوس کی بات ہے، ایک با ذوق بندے کی ایسی حوصلہ شکنی کی جا رہی ہے۔"

"طلال! تم اسے کوئی ایسا انجکشن کیوں نہیں لگا دیتے کہ یہ سدھر جائے۔" حسنہ نے گویا اسے مزید چھیڑا تو وہ کراہ کر رہ گیا۔

"ہوں۔ کاش کہ ایسا کوئی انجکشن میرے نالج میں ہوتا۔" طلال نے ایک ٹھنڈی سانس بھری جیسے اسے واقعی بڑا افسوس ہو رہا تھا کہ وہ ایسا کوئی کارنامہ سرانجام نہیں دے سکتا تھا۔

"جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔" خرم نے خاصی ناراض نظروں سے حسنہ آپا کو دیکھا۔ "بڑے دکھ کی بات ہے، ایک اچھے خاصے شخص کو بدذوق بنانے پر تلے ہوئے ہیں لوگ۔ ذرا غور کیجیے، اس خشک اور بور خاندان میں، میں ہی وہ واحد تر و تازہ اور کھلکھلاتا پھول ہوں جس سے فضا رنگین ہے، ہوا معطر اور ماحول حسین ہے۔"

"میرا خیال ہے تم اپنی با ذوقی کے ساتھ ہی زندہ رہو مگر ہمارا دماغ مت کھاؤ۔" طلال نے چائے کا کپ دوبارہ ہونٹوں سے لگاتے ہوئے سخت عاجز آتے ہوئے کہا۔ اس کے سر میں اتنا درد تھا کہ اسے خرم کی باتیں ناگوار گزر رہی تھیں۔ حالانکہ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ یقیناً محظوظ ہوتا مگر اس وقت اسے اپنے ذہن کی طنابیں کسے ہوئے تاروں کی مانند محسوس ہو رہی تھیں۔

"یہ کیا، ابھی تک ناشتہ ہی چل رہا ہے؟" لالہ رخ اس طرف آئی تو ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے خرم کو دیکھ کر مسکراہٹ دبا کر مصنوعی خفگی کا تاثر دیا۔ "تم سارا دن ناشتہ ہی کرتے رہو گے؟" اس نے ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے زیورات کے مخملیں ڈبے ایک کنارے والے صوفے پر رکھ دیئے۔

"اسی رفتار سے ناشتہ کرتے رہے تو توند نکل آئے گی۔ پھر سر پکڑے بیٹھے رہنا، کوئی لڑکی نہیں ملے گی۔" اس کی بات پر پلوشہ اور حسنہ آپا کی ہنسی بے ساختہ ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہو کر گونجی۔ خرم نے جلبلا کر پلٹ کر پلوشہ کو گھورا تو وہ اُبلے ہوئے انڈے میں کالی مرچ چھڑکتے ہوئے جلدی سے مسکین سی صورت بنا کر سر جھکا گئی۔

"جیسے یہاں تو جن کی شادیاں ہوئی ہیں اپالو ہی ہیں۔ اور بیویاں تو ایسے ایسوں کو ملی ہیں کہ آپ کے مطابق تو انہیں لڑکی تو کیا بھینس بھی نہیں ملنی چاہئے تھی۔" اس کی بات پر سب اپنی بے ساختہ ہنسی کو نہ روک سکے۔ لالہ رخ نے اس کے کندھے پر ایک ہاتھ جمایا

کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ اسی دم روشانہ ناشتے کے لوازمات سے بھری ٹرے اٹھائے چلی آئی اور ٹرے ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولی۔

"لالی! حنا ناشتہ نہیں کر رہی ہے۔ اب آپ ہی اسے سمجھایئے۔" اس کا لہجہ اداس تھا۔ لالہ رخ مگ میں چائے بھرتی ہوئے ٹھٹکی۔

"ناشتہ نہیں کرے گی تو کیا بھوکی رہے گی؟"

"کچھ نہیں ہوتا اسے۔ بھوکا رہنے کا شوق ہے تو رہنے دو۔ تمہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے اس کے پاس۔" طلال کی ترش آواز نے کرسی دھکیل کر اٹھتی لالہ رخ کو جکڑ لیا۔ اس نے بڑے مضمحل انداز میں طلال پر نگاہ ڈالی اور لب دانتوں میں دبا کر دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئی۔

روشانہ کو طلال کا یہ حکم سخت برا لگا۔ اس نے برہمی کے تاثرات کے ساتھ اسے دیکھا۔

"ایک وقت کے فاقے سے کوئی مرتا ہے اور نہ ہی بیمار ہوتا ہے۔" وہ کہتے ہوئے اس کی نگاہوں کی تپش محسوس کر کے غیر محسوس طور پر چونکا، پھر ابرو اٹھا کر دائیں طرف دیکھا۔ نگاہوں کے تصادم پر وہ پلکوں کا جال گرا گئی اور لالہ رخ کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

"آپ پھر بھی کوشش تو کر لیجیے۔ ہوسکتا ہے وہ آپ کی بات مان جائے۔" پھر پلکیں اٹھا کر کاٹ بھرے لہجے میں بولی۔ "اب انسانوں کو ہر وقت میڈیکل پوائنٹ آف ویو سے ہی تو نہیں دیکھنا چاہئے۔"

طلال کے اعصاب پر اس کا طنز بے حد ناگوار گزرا تاہم وہ بولا کچھ بھی نہیں۔

"دراصل اسے ہم سب سے جدا ہونے کا غم ہے۔ اس نے اس جدائی کا اثر دل پر کچھ زیادہ ہی لے لیا ہے۔ تم فکر مت کرو، میں اسے سمجھا کر کھلا دیتی ہوں۔" لالہ رخ اپنے کندھے پر رکھے اس کے سبک گداز ہاتھ کو تھپکتے ہوئے آہستگی سے بولی۔

"آفاق کوئی اجنبی یا غیر نہیں ہے۔ وہ میرا بہت پیارا چچا زاد ہے۔" وہ طلال کی طرف دیکھنے سے گریز کرتی کرسی سے اٹھی۔

روشانہ نے دیکھا طلال کے خوبصورت چہرے کے نقوش میں ایک کھنچاؤ تھا۔ وہ اسے خاصا سفاک اور ظالم قسم کا شخص محسوس ہوا۔ رات کا منظر اس کے ذہن میں پوری طرح تازہ تھا۔ کس بے دردی سے اس نے حنا کو تھپڑ مارا تھا۔ اسے لگا تھا، یہ تھپڑ حنا کو نہیں اس کے دل پر پڑا ہو۔ حنا کے آنسو، اس کی سسکیاں ابھی تک اس کے دل پر نقش تھیں۔

اس کی جیب میں پڑا موبائل بج اٹھا تو وہ اس کی طرف متوجہ ہو گیا جبکہ وہ لالہ رخ کے ساتھ ڈائننگ روم سے باہر آ گئی جس سے ملحقہ کمرے سے آمنہ بیگم نے اسے پکار لیا۔ وہ

دونوں اسی طرف چلی آئیں جہاں سعدیہ پھوپھو اور رفیعہ بیگم زیورات کے ڈبے کھولے بیٹھ
تھیں۔

''یہ دیکھو سعدیہ! کیسا پیارا سیٹ ہے۔ یاد ہے نا تمہیں، تمہارے ابا نے رنگون سے منگو
تھا۔'' آمنہ بیگم نے ایک جڑاؤ سیٹ اٹھا کر سعدیہ پھوپھو کو دکھایا، پھر اسے روشانہ کی طرف بڑھاتے ہوئے بولیں۔''اسے تم آج برات کے وقت پہن لینا۔ اس کی جھمکیاں بہت پیار
ہیں، تم پر بہت سجیں گی۔''

''کیا؟ میں...... نہیں، نہیں...... میں نہیں پہنوں گی اسے دادی، اتنا بھاری سیٹ۔'' وہ گھ
کر جلدی سے بولی۔ اتنے بھاری جڑاؤ سیٹ کو دیکھ کر ہی اسے وحشت ہونے لگی تھی۔

''دیکھو رفیعہ، کیسی ناشکری نسل نکلی ہے میری اولاد میں سے۔'' اس کے یوں انکار پر آم
بیگم نے متاسفانہ سانس بھری پھر اسے ناراض نظروں سے دیکھا۔

''تم نہیں پہنو گی تو کیا اس بڑھاپے میں، میں اپنی اس لٹکی ہوئی گردن میں سیر بھر
زیورات لٹکاؤں گی؟''

''تو آپ کون سی بوڑھی ہوگئی ہیں نانی جان!'' خرم چائے کا مگ لئے ادھر چلا آ
''آپ سے بڑی بڑی تو فلمی اداکارائیں ہوتی ہیں، میرا مطلب ہے ہیروئنیں۔ آپ بھی ا
کی طرح فیس پینٹنگ کروالیں۔''

''تم چپکے بیٹھے رہو۔'' سعدیہ پھوپھو نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

''میں نانی جان کو اس احساسِ کمتری سے باہر نکال رہا ہوں۔'' وہ جلدی سے بولا۔
روشانہ کی طرف دیکھ کر مسکراہٹ اچھالی۔ ''کچھ غلط کہا؟''

''نہیں، تم غلط کب کہتے ہو۔ ایک تم اور ایک یہ میری پوتی، بالکل درست ہو۔ غلط
سارے ہم ہیں۔'' آمنہ بیگم کو روشانہ کا انکار کچھ زیادہ ہی خفا کر گیا تھا۔

''روشی! بہت بری بات ہے، کتنے چاؤ سے تمہاری دادی تمہیں یہ پہنانا چاہ رہی ہیں۔
پہن کر دکھاؤ، شاباش۔'' رفیعہ بیگم نے اسے ٹوکا تو وہ مارے باندھے ان کے ہاتھ سے سی
لے کر پہننے لگی۔

''اس کے باوا نے تو اس کے اندر صرف منڈوں جیسے شوق بھر دیئے ہیں۔ اس کا
اوڑھنا، کتابیں اور موا وہ کمپیوٹر مشین پر ہے۔''

''خالہ جان! اب ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ سارے شوق تو اب لڑکیوں کے بھی ہیں
پھر آپ کی روشی تو الف سے ی تک لڑکی ہے، بھرپور لڑکی۔'' لالہ رخ اس کے سراپے

توصیفی نگاہ ڈال کر بولی۔ ''لڑکوں کے ایسے بال بھلا کب ہوتے ہیں۔ ریشم کے لچھے جیسے۔''
اس نے اس کی چوٹی پکڑ کر لہرائی۔

''ہوتے ہیں محترم خاتون! اب تو ہوتے ہیں۔'' خرم جلدی سے بولا۔ ''اگر ہم لڑکے اتنی
جاں فشانی سے بال بڑھانا شروع کر دیں تو آپ دیکھتی رہ جائیں بلکہ انگشت بدنداں ہو
جائیں۔ ایسے ویسے سارے بالوں کو مات کر دیں۔''

''تو پھر انتظار کس بات کا ہے۔ شروع ہو جاؤ۔'' لالہ رخ نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''بس آپ عورتوں پر رحم آ جاتا ہے، جو تھوڑا بہت بھرم ہے بالوں سے، کہیں وہ بھی نہ چلا
جائے۔''

''بہت بڑھ بڑھ کر بولنے لگے ہو تم۔'' سعدیہ پھوپھو نے پیر سے چپل اتاری تو وہ وہاں
سے فوراً بھاگ لیا۔

روشانہ کی شفاف گردن پر سنہری، سفید اور لال نگوں والا سیٹ جگمگ کرنے لگا۔
پتہ نہیں اس کی گردن اس سیٹ کی وجہ سے جھلملانے لگی تھی یا وہ سیٹ اس کی گردن سے
جھلملا گیا تھا۔ اس نے جھمکیاں کانوں میں ڈالیں تو سادے سے چہرے پر ایسا حسن بکھر آیا
کہ سعدیہ پھوپھو بے ساختہ ماشاء اللہ پڑھ کر رہ گئیں۔

''مجھے بہت بھاری لگ رہی ہیں پھوپھو!'' اس نے رحم طلب نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

''کوئی بھاری واری نہیں ہے۔ دیکھو کیسا جچ رہا ہے۔ لگتا ہے بنا ہی تمہارے لئے ہے۔''
انہوں نے انگوٹھی اس کی انگلی میں پہنائی۔ ''یہ دیکھو، پوری آ رہی ہے تمہاری انگلی میں۔ جاؤ جا
کر دیکھو آئینے میں۔''

''میں کہے دیتی ہوں، میں رات کو یہ ہرگز نہیں پہنوں گی۔'' وہ روٹھی روٹھی سی اٹھی اور
کمرے سے باہر نکل گئی۔ مگر طلال کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ وہ تیزی سے ایک قدم پیچھے ہٹ گیا
تھا ورنہ تصادم ضرور ہوتا۔ اس کی نگاہیں اس پر اٹھیں اور کچھ دیر اسی زاویئے پر رہ گئیں۔ ایسا
بھی نہیں تھا کہ اس نے حسن نہیں دیکھا تھا یا وہ روشانہ اسد حسن کا کوئی اچھوتا زندہ مجسمہ لگ
رہی تھی مگر اس کے چہرے کی ملائمت اور زیورات کا سنہرا پن گڈمڈ ہو کر ایک عجیب سا نکھار
اس کے چہرے کو بخش رہے تھے۔ اس کے سادہ سے روپ میں یہ جھلملاتا رنگ بہت اثر انگیز
ثابت ہوا تھا مگر شاید وہ خود بے خبر تھی، اس بادل کی طرح جو کس کس زمین پر کہاں برستا
ہے، اسے سیراب کرتا ہے مگر خود اسے خبر نہیں ہوتی۔

اس کی اچانک موجودگی نے اسے ٹپٹا دیا۔ اس نے کندھے پر سے دوپٹہ کھینچ کر بڑی

سرعت سے سر پر ڈالا کہ اس سے کانوں میں ہلکورے لیتی جھمکیاں تقریباً چھپ گئیں۔ یہ اس
کا بالکل بے اختیارانہ فعل تھا جسے حیا سے تعبیر کیا جانا چاہیے۔ یوں بھی حسن وہی دیرپا اور اثر
انگیز ہوتا ہے جس میں حیا کی آمیزش ہو۔

ایک ہلکی سی روشنی کا جھماکا سا ہوا تھا جو براہ راست طلال کو متوجہ کر گیا تھا مگر صرف ایک
لمحہ کے لئے۔ اپنی اس بے اختیاری پر اس نے جلد ہی قابو پا لیا اور نظروں کا زاویہ بدل کر
ایک طرف ہو گیا تو وہ کسی سبک خرام جھونکے کی مانند وہاں سے گزر گئی جبکہ وہ ایک ہلکی سی
سانس سینے کی تہہ سے کھینچ کر پردہ اٹھا کر اندر چلا آیا۔

''تمہیں فرصت نہیں ملتی کہ دو گھڑی بوڑھی خالہ کے پاس ہی بیٹھ جاؤ۔'' اسے دیکھتے ہی
آمنہ بیگم شکوہ زبان پر لے آئیں تو وہ مسکرایا۔

''آپ کا شکوہ سر آنکھوں پر خالہ جان! بس کیا کروں، وقت ہاتھ میں بچتا ہی نہیں ہے
لگتا ہے گھنٹے لمحوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔''

''وقت کا کیا ہے، اس کا کام تو گزرنا ہی ہے۔'' انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری، پھر
اسے دیکھتے ہوئے بولیں۔ ''میں تو کہتی ہوں ان گزرتے لمحوں کو پکڑ لو، اپنے لئے چند لمحے
لو۔ یہ کیسی دھوپ بھری زندگی گزار رہے ہو تم۔ اب ہوش کے ناخن لو طلال!'' وہ موڈ
مناسب دیکھ کر اسے گھیرنے لگیں مگر وہ پہلو بچا گیا اور گاڑی کی چابی ہلاتے ہوئے ہنس دیا۔

''اپنے لئے تو سبھی جیتے ہیں خالہ جان! مزا تو جب ہے کہ لوگ دوسروں کے لئے
جئیں۔'' وہ قطعی غیر سنجیدہ تھا اور بات ہنسی میں اڑانے کی سعی کر رہا تھا۔ مگر لالہ رخ کو اپنے
دل پر ضرب سی لگتی محسوس ہوئی۔ اس نے کچھ شکایتی انداز میں اس کی طرف دیکھا اور دھیمے
لہجے میں بولی۔

''شادی بھی تو دوسروں کے لئے ہی جینے کا نام ہو سکتی ہے اگر ایمانداری کے ساتھ نبھائی
جائے۔''

اس نے ابرو اچکا کر اس کی طرف دیکھا، اس کی ہنسی ہونٹوں کے درمیان سکڑ کر رہ گئی۔

''ہاں، اگر ایمانداری کے ساتھ نبھائی جائے تب۔'' اس نے ایک ہلکی سی سانس بھر کر، براہ
راست اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اپنے الفاظ پر زور دیا تو لالہ رخ اسے فہمائشی انداز
میں صرف دیکھ کر رہ گئی۔

''خیر، آپ لوگ اپنی مصروفیات جاری رکھئے۔ میں تو دراصل یہ کہنے آیا تھا کہ میں ہوٹل
میں اپنے ایک دوست کو ریسیو کرنے جا رہا ہوں۔ وہ لندن سے آیا ہوا ہے۔'' اس نے رفیہ

بیگم کو مخاطب کر کے اطلاع فراہم کی۔ پھر رسٹ واچ پر ایک نظر پھینکتے ہوئے لالہ رخ سے
بولا۔ ''لالی پلیز! میرا کمرہ بہت اچھی طرح سیٹ کر دو۔ وہ یہیں کچھ دن قیام کرے گا۔''

''کون ہے ایسا مہمان بھئی؟'' وہ قدرے متعجب ہوئی۔ تب وہ ہلکے سے مسکرا دیا۔

''مصطفیٰ خان، وہی طفیلی جو سات سال سے انگلینڈ جا کر بس گیا تھا، وہی آیا ہوا ہے۔''
یہ بتاتے ہوئے اس کے چہرے کے زاویوں میں نرماہٹ اتر آئی تھی۔ آنکھیں اس دیے کی
مانند روشن ہو گئیں جس میں کسی نے بہت سا تیل ڈال دیا ہو۔

''پلیز لالی! بہت اچھی طرح سیٹ کرنا۔'' وہ اسے تاکید کرتا باہر نکل گیا جبکہ لالہ رخ کچھ
دیر حیران کھڑی رہی۔

اس کے ذہن کے پردے پر ایک سرمئی آنکھوں والا زندہ دل، ہنس مکھ، خوش گفتار، خوش
بیان شخص زندہ ہو گیا۔

تمہارے شہر کا موسم بڑا سہانا لگے
میں ایک شام چرا لوں اگر برا نہ لگے
جو ڈوبنا ہے تو اتنے سکون سے ڈوبو
کہ آس پاس کی لہروں کو بھی پتہ نہ لگے

اس کے ساتھ ہی وہ گیتوں اور غزلوں کا خوبصورت کلیکشن بھی یاد آ گیا اور اس کا طلال
کے کمرے کی دیوار پر لکھا ہوا وہ قطعہ بھی ذہن پر چھا گیا۔

کج اونج وی راہواں اوکھیاں سن
کج گل وچ غم دا طوق وی سی
کج شہر دے لوگ وی ظالم سن
کج مینوں مرن دا شوق وی سی

طلال کے سارے دوست پڑھائی کے نام پر ہلڑ بازی مچا کر جاتے تو کمرے کی حالت زار
اسے رلا ہی دیتی اور دیوار پر لکھے اس قطعہ پر تو اسے بھر بھر کر رونا آیا تھا۔ جانے کس روشنائی
سے لکھ کر گیا تھا اس کا دوست مصطفیٰ خان۔ وہ سارے ٹپس آزما چکی تھی مگر وہ مٹا نہیں تھا۔

مردان سے آنے والا اس کا دوست مصطفیٰ خان یہاں ہاسٹل میں رہتا تھا مگر ہر ویک
طلال اسے اپنے ساتھ لے آتا

گئے دنوں کا سراغ لے کر کہاں سے آیا کدھر گیا وہ
عجیب مانوس اجنبی تھا، مجھے تو حیران کر گیا وہ

پھر اس نے سنا کہ وہ میڈیکل کا فائنل کر کے مردان واپس چلا گیا ہے۔ پھر لندن بھی
گیا۔ کئی دن وہ نادانستہ اور غیر شعوری طور پر اس کی آہٹیں محسوس کرتی رہی۔

طلال کا کمرہ اب ایک ترتیب سے ملتا، مگر ایک بے ترتیبی اس کے اندر اتر جاتی۔ وہ ہنس
پڑتی اور سر جھٹک کر خس کم جہاں پاک کہہ کر بے ترتیب چیزوں کو پھر ترتیب دینے لگتی۔

آج سات سال کے عرصے کے بعد اس کی آمد کا سنا اور طلال کے چہرے پر بکھری خو
دیکھ کر اسے عجیب سی طمانیت کا احساس ہوا۔ ایک عرصے کے بعد اس نے اس کے سرد، ۔
مہر سے چہرے پر وہی رمق دیکھی تھی جسے ''زندگی'' کہتے ہیں۔

وہ اس کے کمرے کی سیٹنگ کر کے تھکی ہاری باہر نکلی تو حنا کی طرف گئی۔

لڑکیاں سب لونگ روم میں جمع تھیں، گیلے بالوں کو سکھا رہی تھیں اور اپنی اپنی مہندی
تبصرے بھی کر رہی تھیں۔ وہ حنا کے کمرے میں چلی آئی۔

وہ نہا کر باتھ روم سے نکلی تھی، تولیہ اس کے کندھے پر پڑا تھا۔ گیلے بالوں کو وہ جھٹک
بالکونی کی طرف گئی اور تولیہ وہاں ڈال کر کرسی پر بیٹھ کر بال سلجھانے لگی۔ اس نے لالہ رخ
اندر داخل ہوتے اور اپنی طرف گھورتے پا کر بھی بے نیازی دکھانے کی کوشش کی۔

''میں بے حد تھک گئی ہوں ہنی۔ اب ستانا مت۔ چپ چاپ کہنا مان لو۔'' وہ نڈھال
اس کے قریب کی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنی مغموم پلکیں اوپر اٹھائیں، پھر ہنس پڑی۔

''آپ کی یہ تھکن ہماری دی ہوئی ہی تو ہے اور دکھ اس بات کا ہے کہ اس تھکن کو شیئر بھی
نہیں کر سکتے، اس کا ازالہ بھی نہیں کر سکتے۔''

''جب جانتی ہو یہ تھکن شیئر ہونے والی نہیں ہے، اس کی تلافی ممکن نہیں ہے پھر......
یہ ہڑکا کیوں مچا رکھا ہے؟ اس سے کیا حاصل ہوگا تمہیں؟ ماسوائے اس کے کہ خود بھی پریشا
رہو گی اور ہمیں بھی رکھو گی۔'' لالہ رخ نے اس کی طرف رخ کیا۔ لالی کی سیاہ گھور آنکھو
میں اداسی اور تھکن کے باوجود اس کے لئے نرماہٹ تھی، محبت تھی، پیار بھری سرزنش تھی۔

''یہ آپ ہر وقت فائدہ اور نقصان کا اندازہ لگانے کیوں بیٹھ جاتی ہیں؟ بے شک کچھ دُکھ
شیئر نہیں ہو سکتے مگر باوجود اس کے اس اذیت میں شریک ہونا اور بس شریک رہنا اچھا لگ
ہے۔ آپ لوگ مجھ سے یہ میری چھوٹی سی آسودگی بھی چھین لینا چاہتے ہیں۔''

''یہ آسودگی نہیں ہے، خود فریبی ہے جس میں کوئی بھی عمر بھر نہیں رہ سکتا۔ چلو بحث مت
کرو۔'' اس نے ملائمت سے اس کا ہاتھ پکڑ کر سہلایا پھر کمرے میں داخل ہوتی نازش سے
کہا۔ ''نازو! جاؤ اس کے لئے کھانا لے کر آؤ۔''

''بحث میں بھی نہیں کرنا چاہتی، بس مجھے بھوک نہیں ہے۔'' وہ کرسی سے اٹھنے لگی تو لالہ
رخ نے اسے پکڑ کر دوبارہ پٹخ دیا۔

''تم چاہتی ہوں میں آنی کو فون کر کے یہاں بلاؤں؟''

''کیوں، آپ انہیں کیوں بلائیں گی؟'' وہ بری طرح تنک کر بولی۔ لالہ رخ بے ساختہ
مسکراہٹ کو نہ روک سکی۔

''تاکہ تمہیں نوالے بنا بنا کر کھلائے۔''

''لالی پلیز!'' وہ روہانسی ہوگئی۔ بے شک وہ اس شادی پر اداس اور دل گرفتہ تھی مگر جس
سے منسوب ہونے جا رہی تھی، اس سے خفا بھی نہیں تھی۔ وہ اس کے دل کی دھڑکنوں میں بستا
تھا، اس کا نام، اس کا ذکر ایک شرمیلا احساس پیدا کرتا تھا۔ مگر اس وقت شرم سے زیادہ وہ
ملول ہونے لگی۔ اس کا ذہن و دل خوش رنگ خواب بننے کے بجائے اداسی کے گھنے جنگل میں
بھٹک رہا تھا۔

احساسِ جرم کے وحشت ناک صحرا میں چکرا رہا تھا۔

''نازش! ذرا آنی کو فون تو کرنا، اسے کہنا لالہ رخ نے تمہیں دس منٹ کے لئے......'' لالہ
رخ کرسی سے اٹھتے ہوئے اندر آتی نازش سے کھانے کی ٹرے لیتے ہوئے بولی تو حنا کے
ہاتھ پیر پھول گئے۔ وہ حواس باختہ ہوگئی۔

''لالی! آپ......'' اس نے احتجاجی نظروں سے لالہ رخ کو دیکھا پھر بے بسی سے لب
کاٹ کر ٹرے ان کے ہاتھ سے لے کر قالین پر دھپ سے ناراض بچے کی طرح بیٹھ گئی۔

''کھا لیتی ہوں، روشانہ نہا کر نکلتی ہے تو ہم دونوں مل کر کھا لیتے ہیں۔ بس یا اور کچھ؟''
وہ روٹھی روٹھی سی بولی تو لالہ رخ نے اس کے چہرے پر ایک مسکراتی نظر ڈالی، پھر نازش کو
آنکھ مارتے ہوئے بولی۔

''دیکھو ذرا، کتنی طاقت ہے آفاق کے صرف نام میں ہی۔'' پھر ایک ٹھنڈی سانس بھر کر
بولی۔ ''ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی۔''

اور باوجود جھنجلاہٹ کے حنا کے لبوں پر شرمگیں مسکراہٹ دوڑ گئی۔ پھر وہ بیڈ کے سرہانے
ٹیک لگا کر بولی۔ ''آپ نے بھی کھانا کھایا ہے یا نہیں؟''

''کہاں، ابھی طلال کے کمرے کی سیٹنگ کروا رہی تھی صغریٰ سے۔ اب سوچا نہا لوں پھر
کھا لوں گی۔ تم جلدی سے کھا لو، پارلر بھی تو جانا ہے ناتمہیں۔''

''ہاں بس، روشانہ اب نکلتی ہی ہوگی۔''

''بڑی پکی دوستی ہو گئی ہے روشی سے کہ محترمہ کا اس کے بنا ایک نوالہ حلق سے نہیں اتر
رہا۔ آنی تو بیچارا مارا جائے گا۔'' اس نے اسے چھیڑا۔
''پتہ نہیں لالی، کچھ لوگ خود بخود صدیوں کا سفر لمحوں میں طے کر کے ہمارے اندر اتر
جاتے ہیں۔ روشانہ کا بھی ایسے ہی لوگوں میں شاید شمار ہے۔'' وہ پوری سچائی سے بولی پھر ان
کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ''میرا خیال تھا لالی! کہ اسد ماموں کی بیٹیاں بھی ان جیسی
ہی مغرور، خود سر اور نک چڑھی ہوں گی مگر یہ تو سوچ سے بالکل برعکس ہیں۔''
''ہاں، یہ بالکل اپنی ماں جیسی ہے۔ صبیحہ آپا دیکھنے میں مغرور سی لگتی ہیں مگر چھونے سے
نرم ریشم جیسی ہی ہیں۔ روشی تو بالکل صبیحہ آپا کی تصویر ہے۔ ان جیسا ہی مہکتا سا وجود......''
پھر وہ سر جھٹک کر باتھ روم کی جانب بڑھتے ہوئے بولی۔ ''میں نہا لوں۔ نازش! تم ذ
میرا ایک جوڑا پریس کر دو۔''
''اس باتھ روم میں تو روشانہ گئی ہے اور آپ کے کمرے کے باتھ روم میں حسنہ آپا۔''
نازش اسے چوٹی کھول کر باتھ روم کی طرف بڑھتے دیکھ کر جلدی سے بولی۔
''چلو پھر میں اوپر کے پورشن میں چلی جاتی ہوں۔ آج تو نیچے مشکل ہی سے کوئی خا
باتھ روم نصیب ہوگا۔'' وہ بال لپیٹتی کمرے سے نکلنے لگی تو نازش ہنستے ہوئے بولی۔
''اوپر کے پورشن میں لڑکوں اور مرد حضرات کا قبضہ ہے۔ مشکل ہی سے کوئی خالی جگہ آپ
کو ملے۔''
وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر ہنس دی۔ ''یہ ہمارے خاندان کے لڑکے بھی گویا لڑکیوں
مات دے رہے ہیں۔ پورے سولہ سنگھار کر کے نیچے اتریں گے۔ لڑکیاں بیچاری تو ناحق بدنا
ہیں۔'' وہ ہنستی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

✲✩✲

روشانہ اپنے نم بالوں پر برش پھیرتی لالہ رخ کو چابیاں دینے آئی جو سعدیہ پھوپھو
نے بھجوائی تھیں۔ لالہ رخ کی بے پناہ مصروفیت دیکھ کر روشانہ کو اس سے اچھی خاصی ہمدردی
گئی تھی۔ وہ افراتفری کے عالم میں نہانے کی نیت سے باتھ روم کا رخ کرتے کرتے ٹھٹکی
اسے یکدم سے یاد آیا کہ وہ بیڈ شیٹ طلال کے کمرے میں یونہی چھوڑ کر چلی آئی ہے۔
''روشی، ایک کام کرو گی پلیز!''
''ایک نہیں دس کام کہہ دیجئے، مجھے تو آپ کی مصروفیت دیکھ کر ہول اٹھنے لگے ہیں
آپ اتنے کام کیسے نمٹا لیتی ہیں۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''کہاں، سب لوگ ہی اپنی اپنی ذمہ داریاں نبھا رہے ہیں۔ اچھا تم یوں کرو کہ طلال
کے بیڈ پر میں نئی بیڈ شیٹ رکھ آئی ہوں، تم جلدی سے جا کر بچھا دو۔ وہ اپنے کسی دوست کو
لینے ہوٹل گیا ہے، بس آتا ہی ہوگا۔''
روشانہ کچھ جھجک گئی، تاہم وہ مروتاً انکار بھی نہ کر پائی۔ طلال کے کمرے میں جانے پر
اسے ایک جھجک مانع تھی مگر بحالت مجبوری چلی آئی۔
وسیع بیڈ چاروں جانب سے خوبصورت نقش والا تھا۔ اس کے کمرے کا پورا فرنیچر ہی
سوات کے مخصوص آرٹ کا نمونہ تھا۔ وہ اس کی پسند کو دل ہی دل میں سراہے بغیر نہ رہ سکی۔
غلاف بدلتے ہوئے اچانک وہ عقب سے قدموں کی ابھرتی آہٹ پر پلٹی۔
''السلام علیکم بھابی۔'' آنے والا اس کے لئے قطعی اجنبی تھا مگر اس کی سرمئی مسکراتی
آنکھوں میں قطعی اجنبیت کا تاثر نہ تھا بلکہ وہ ایک دوستانہ پن سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔
لفظ ''بھابی'' پر اس کے اعصاب بری طرح متاثر ہوئے تھے۔
وہ یکدم ایڑیوں کے بل دروازے کی طرف مڑا تھا۔
''تو تم یہ سرپرائز دینا چاہ رہے تھے مجھے۔'' اس کے پیچھے داخل ہونے والا طلال یکدم
گڑبڑا گیا تھا۔
اپنی ریشم جیسی زلفوں کو اِدھر اُدھر بکھیرے وہ جس انہماک سے اس کے بیڈ کی چادر بدل
رہی تھی اس پر مصطفیٰ خان کو گویا اس کے اور روشانہ کے مابین یہی رشتہ محسوس ہوا تھا۔
''آپ تو شاید مجھ سے قطعاً ناواقف ہوں گی، اس لئے کہ جب میں پاکستان سے گیا تو
یہ موصوف کنوارا تھا اور دور دور تک شادی کے آثار تک نہ تھے۔ خیر دیر آید درست آید۔ آپ
کو دیکھ کر اس کی اس ''دیر'' کا جواز بھی سمجھ میں آتا ہے۔ وہ کہتے ہیں نا کہ صبر کا پھل میٹھا
ہوتا ہے۔'' اس نے ایک ہلکی سی سانس بھر کر اس کے دل کی حالت سے قطعی بے خبر ہو کر کہا۔
''مجھے مصطفیٰ خان کہتے ہیں، میں اس کا بہت باوفا قسم کا فرینڈ ہوں بقول اسی کے۔''
وہ اس سچویشن پر بالکل حواس باختہ ہو چکی تھی۔ آنے والے اجنبی نے جس طرح کا بم
بلاسٹ کیا تھا اس سے اس کے اعصاب فوری طور پر سنبھل نہ پائے تھے۔
''مصطفیٰ یہ......'' طلال نے شرمندہ سی نظر اس کے سرخ رخساروں پر ڈالی اور اس کا کندھا
دبا دیا۔ ''یہ میری کزن ہے۔ اینڈ نتھنگ مور۔'' اسے فوری طور پر سمجھ میں نہیں آیا کہ اسے کس
رشتے سے اس کا تعارف کرانا چاہئے۔
وہ سرخ چہرہ لئے سر جھکا کر بڑی سرعت سے ان دونوں کے درمیان سے نکل کر وہاں

سے بھاگ لی۔ مصطفیٰ خان حیرت سے طلال کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

''بے سوچے سمجھے بولنے لگتے ہو۔ اسی لئے دانا کہتے ہیں کہ پہلے سوچو، پھر تولو، پھر بولو۔'' وہ اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورنے لگا۔ پھر اس واقعے کی شرمندگی مٹانے کے لئے میز سے جگ اٹھا کر گلاس میں پانی بھرنے لگا۔

''اگر میں سوچ کر، تول کر بھی یہی جملہ بولتا پھر؟'' وہ بیڈ پر دراز ہوتے ہوئے بولا۔

''تو پھر تم احمقوں کی فہرست میں شامل ہوتے۔'' اس نے دو گھونٹ پیئے اور باقی پانی اس پر اچھال دیا۔

''احمقوں کی لسٹ میں تو یوں بھی میں شامل ہی ہوں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔'' وہ شوز اتار کر موزے کھینچنے لگا۔

''تم بالکل بھی نہیں بدلے طیفی!'' طلال اسے بغور دیکھنے لگا تو جواباً اس نے موزے جوتے میں رکھے اور اس کی طرف ذرا سا رخ کر کے ایک ہلکی سی سانس بھری۔

''بہت بدل گیا ہوں۔ تمہیں کیا پتہ، کچھ تبدیلیاں دکھائی نہیں دیتیں۔ مگر ہمیں اندر ہی اندر کاٹ کر ایک نئی شخصیت میں ڈھال دیتی ہیں۔ بالکل اجنبی شخصیت میں جس سے آپ پہلے کبھی آشنا نہیں ہوتے۔ مگر جب آشنائی ہو جاتی ہے تو اس میں رچ بس جاتے ہیں۔''

''اوہو، فلسفی بھی ہو گئے ہو۔''

''ہاں، تم سرجن ہو گئے، میں فلسفی بن گیا۔'' یہ کہہ کر اس نے اونچا قہقہہ لگایا جس میں طلال کا بے ساختہ قہقہہ بھی شامل ہو گیا۔

※☆※

ساڈا چڑیاں دا چنبا وے
بابل اساں اُڈ جاناں
ساڈی لمبی اُڈاری وے
ساڈی لمبی اُڈاری وے
اساں مڑ نئیں آناں

حنا کی جدائی کا غم ہر آنکھ میں آنسو بن کر لرز رہا تھا۔ فرق یہ تھا کہ یہ غم آنسو بن کر عورتوں کی آنکھوں سے بہہ رہا تھا اور مردوں کے دل کے اندر گر رہا تھا۔

طلال رخصتی سے قبل ہی میرج ہال سے گھر چلا گیا تھا۔ وہ دانستہ حنا کا سامنا کرنے سے گریزاں تھا۔

سعدیہ پھوپھو سے زیادہ وہ لالہ رخ سے لپٹ کر روئی تھی اور اس کا ہر آنسو آتشیں سیال بن کر لالہ رخ کے شانے پر ہی نہیں اس کے دل پر بھی گر رہا تھا۔ بہت سا کرب اس کے اندر سے امڈ کر آنسو بن کر بہنے لگا۔ اسے ''سکندر ولا'' میں اپنی جدائی کی وہ گھڑی یاد آ گئی جب سیف الرحمٰن کے ہمراہ رخصت ہوتے وقت وہ تڑپ تڑپ کر روئی تھی۔

آنے والے لمحوں کی خوش کن آہٹیں اور اپنوں سے بچھڑنے کا ملال ایک ساتھ گلے ملتے ہیں تو خوشی اور غم کے آنسو ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتے ہیں۔ کبھی خوشی کے آنسو غالب آ جاتے ہیں تو کبھی جدائی کے آنسو۔ اور لڑکیاں اس مشترکہ احساس کے ہمراہ رخصت ہو جاتی ہیں۔

حنا بھی رخصت ہو گئی۔ میرج ہال سے گھر تک کا فاصلہ سب نے ایک مضمحل سی تھکی تھکی خاموشی کے ساتھ طے کیا۔

''سکندر ولا'' میں ایسا سناٹا اترا ہوا تھا جیسا ہوا سے محروم چاند پر ہوتا ہو گا شاید۔

سعدیہ پھوپھو گھر آ کر رفیعہ بیگم کے گلے لگ کر دھواں دھار رو پڑیں پھر بہت سا رونے کے بعد ہنسنے لگیں۔

''یہ بیٹیاں بھی کیا شے ہوتی ہیں، جب تک ماں باپ کی آنکھوں کے سامنے رہیں، ان کا وجود بوجھ کی طرح محسوس ہوتا رہتا ہے اور جب یہ بوجھ اتار دیں تو روح تک میں خالی پن اتر آتا ہے، آنگن ہی نہیں دل کا آنگن بھی ویران ہو جاتا ہے۔''

''یہی دستور ہے، یہی قانونِ فطرت ہے۔'' آمنہ بیگم نے ایک گہری سانس کھینچی اور پھر پان دان کھول کر چھالیہ کاٹنے لگیں اور کٹی ہوئی چھالیہ کچھ رفیعہ بیگم کو دی، کچھ اپنے منہ میں پھانک لی۔ پھر لالہ رخ سے بولیں۔

''نیند تو اب آنے کی نہیں ہے آج۔ چائے مل جائے گی؟''

''کیوں نہیں خالہ جان! چائے کی تو مجھے بھی طلب ہو رہی ہے۔'' وہ جلدی سے صوفے سے اٹھی کہ روشانہ نے انہیں روک دیا۔

''آپ بیٹھیں، میں بنا لاتی ہوں۔ رت جگا مل کر منائیں گے۔'' وہ ہلکے سے مسکرائی اور کچن میں چلی آئی۔ چائے کا پانی رکھ کر وہ کچن کی جالی سے لگ کر حنا کے بارے میں سوچنے لگی۔ اس کی جدائی کا احساس اس کے دل پر بھی طاری تھا، مگر اسے حنا کا یوں ٹوٹ ٹوٹ کر رونا بری طرح دل گرفتہ کر گیا تھا۔ یہ صرف جدائی کے آنسو نہ تھے، کچھ اور بھی غم تھا جو وہ سینے سے لگائے رخصت ہو گئی تھی۔ لالہ رخ کی تھکی تھکی تسلیاں اور طلال کا کئی دنوں سے اس

کے ساتھ سخت قسم کا رویہ۔ وہ کیا اخذ کرتی۔ مگر اس کا خیال تھا کوئی ایسا غم حنا کے سینے میں سلگ رہا تھا جس کا براہ راست تعلق لالہ رخ سے بھی تھا اور طلال سے بھی۔

وہ کچن کی بتی کھلی دیکھ کر بڑی سرعت سے ادھر آ گیا تھا۔ اس کا خیال تھا لالہ رخ ہی ہو سکتی تھی۔ اس کی طرح وہ بھی چائے کی رسیا تھی یا پھر جاگتے رہنے کی عادت نے یہ عادت بھی ڈال دی تھی۔ مگر روشانہ کو دیکھ کر وہ جس تیزی سے اندر آنے لگا تھا اسی تیزی سے دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ وہ ماربل کی سلیب پر ماچس کی تیلی سے نادیدہ لکیریں کھینچتے ہوئے اپنے کسی خیال میں گم تھی۔

نفیس کڑھائی والے سبز اور بلیو کنٹراسٹ کے سوٹ میں ملبوس، جس کا سبز دوپٹہ ڈھلک کر شانے پر بے ترتیب پڑا تھا۔ اس کے غیر معمولی گھنے چمکدار بال اس کی پشت پر ایک ترتیب سے پڑے تھے۔

وہ بے ارادہ ایک ٹک اسے دیکھتا رہا۔ اچانک وہ چائے کے پانی سے نکلتی شوں شوں کی آواز پر اپنے خیال سے نکل کر کیبنٹ کھول کر چائے کا مگ نکالنے لگی مگر یکدم کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تو ذرا سا مڑی، طلال کو اپنی سمت محویت میں دیکھتے پا کر وہ بوکھلا سی گئی۔ اسی بوکھلاہٹ میں ہاتھ میں پکڑا کپ ماربل کی سلیب سے ٹکرا کر فرش پر گر کر چکنا چور ہو گیا۔ جامد سناٹے میں یہ آواز عجیب خوفناک سی محسوس ہوئی تھی۔

''اوہ سوری۔ میں سمجھا لائٹ جل رہی ہے تو لالی ہوگی۔ دراصل مجھے بھی چائے کی طلب ہو رہی تھی۔'' وہ اس دھماکے سے اپنی محویت سے نکل آیا اور اس کے یوں گھبرانے پر تھوڑا نادم بھی ہو گیا۔ ''سوری، ویری سوری۔'' وہ اندر آ گیا اور اِدھر اُدھر ڈسٹ بن کے لئے نظریں دوڑانے لگا۔ وہ خفت چھپانے کے لئے جلدی سے جھک کر فرش سے ٹوٹے ہوئے کپ کی کرچیاں اٹھانے لگی۔ جھکنے سے اس کے بال اِدھر اُدھر بکھر کر اس کا خوبصورت چہرہ چھپا گئے۔ طلال کو یکدم یوں لگا جیسے چاند پر گہرے سیاہ بادلوں کا سایہ آ گیا ہو۔

''میری شکل اتنی ڈراؤنی تو نہیں ہے کہ آپ ڈر جائیں۔'' وہ ایک ہلکی سی سانس بھر کر مسکراہٹ کے ساتھ بولا اور ڈسٹ بن اس کے آگے کر دیا۔

''نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔ دراصل میں اپنے کسی خیال میں گم تھی۔'' وہ جھینپ کر جلدی سے بولی اور جلدی سے بال سمیٹ کر پیچھے ڈالے اور دوپٹہ کھینچ کر سر پر ڈالا۔ وہ ا ڈرپوک یا دبو قسم کی لڑکی بھی نہیں تھی مگر اس کی غیر متوقع آمد، اس پر اپنا سجا سنورا سراپا اور اس کے واقعے کی یاد نے اس کا سارا اعتماد ہوا میں دھوئیں کی مانند گم کر دیا تھا۔

''یہ تو میڈیکل پوائنٹ آف ویو سے بہت خطرناک بات ہے کہ کچن میں ہوتے ہوئے کسی اور خیال میں گم رہا جائے۔'' اس نے خاصی سنجیدگی سے نظر اس پر ڈالی، پھر ایک ٹھنڈی سی سانس بھرتے ہوئے بولا۔ ''سوری، پھر آپ کہیں گی کہ انسان کو ہر وقت میڈیکل پوائنٹ آف ویو سے نہیں دیکھنا چاہئے۔''

اس کا لہجہ ہلکا سا جتانے والا تھا۔ وہ اس پر ایک نظر ڈال کر رخ موڑ گئی اور برنر آہستہ کرتے ہوئے بولی۔ ''آپ بھی کیا کریں، مجبوری ہے آپ کی، ڈاکٹر جو ہوئے۔ انسانی رویوں کو، احساسات اور کیفیات کو آپ ڈاکٹر لوگ شاید ڈاکٹری والی عینک سے ہی دیکھتے ہوں گے۔''

طلال نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا، سبز آنچل کے احاطے میں اس کا آدھا چہرہ نظر آ رہا تھا اور ہلکا ہلکا سرخ محسوس ہو رہا تھا جو اس کے اندرونی خلفشار کی غمازی کر رہا تھا۔ تاہم طلال کو اس کا یوں کہنا اتنا برا نہ لگا۔ وہ پہلی بار قدرے تفصیل سے اسے دیکھنے لگا تو وہ گھبرا گئی۔

''آپ کو میں چائے بھجوا دیتی ہوں۔'' وہ پلٹے بغیر آہستگی سے بولی۔ گویا یہ کہہ رہی تھی کہ آپ جا سکتے ہیں۔ یوں بھی اس کے یہاں کھڑے رہنے کا جواز بھی نہیں تھا اور نہ وہ اس طرح کی کوئی حرکتیں پسند کرتا تھا۔

''تھینک یو، مگر دو کپ بھجوائیے گا، میرا دوست بھی ہے۔'' وہ یہ کہتے ہوئے پلٹا، پھر یکدم کچھ یاد آنے پر دروازے کے فریم میں ہاتھ جما کر ذرا سا چہرہ موڑ کر اسے دیکھا۔ ''روشانہ! میں آپ سے اپنے دوست کی طرف سے معذرت خواہ ہوں۔'' اس نے قدرے نادم لہجے میں کہا۔

روشانہ کے چہرے پر بکھری سرخی میں یکلخت اضافہ ہو گیا۔ اس کی پلکیں رخساروں پر لرز سی گئیں۔ وہ اس واقعے کو بھول جانا چاہتی تھی، مگر وہ معذرت کرتے ہوئے اسے گویا پھر اسی خفت اور نادیدہ سی آگ میں گرنے پر مجبور کر رہا تھا۔

''دراصل وہ بلا سوچے سمجھے بولنے والا بندہ ہے۔'' نہ چاہنے کے باوجود وہ اس کی لرزتی پلکوں اور چہرے کے نازک حصوں میں اترنے والی سرخی کا خوبصورت سنگم دلچسپی سے دیکھنے لگا۔ پھر یکدم کسی احساس سے نکل کر نظروں کا زاویہ بدل گیا۔

''سوری...... ویری سوری۔ اگر تم کہو تو مصطفیٰ خود تم سے سوری......''

''نہیں پلیز۔'' وہ جلدی سے بولی اور اسے دیکھا۔ پھر نادیدہ بوجھ سے سر جھکا کر چولہے کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''کچھ باتوں کو اس وقت بھلا دینا ہی اچھا ہوتا ہے لیکن جن پر

راکھ ڈال دیتے ہیں۔ پھر اس طرح کے تکلفات اس راکھ کو محض کرید کر اندر دبی آگ کو ہوا چھیڑتے ہیں۔''

طلال عجیب سے احساسات کے ساتھ اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ اسے اپنے اعصاب ایک پل کے لئے کھنچتے ہوئے محسوس ہونے لگے۔ پھر اس نے ایک ہلکی سی سانس کھینچی اور تنے ہوئے اعصاب کو ڈھیلا چھوڑتے ہوئے پلٹ کر وہاں سے چلا گیا۔

اس کے جاتے ہی اسے اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ بہت بڑی حماقت کا۔ مگر جو بے اختیاری میں جملہ اس کے منہ سے نکل گیا تھا، اب وہ واپس نہیں لوٹ سکتا تھا۔ وہ کتنی دیر اس نئی خفت میں مبتلا رہی، پھر منتشر ذہن کے ساتھ چائے بنا کر رفیعہ بیگم کے کمرے میں چلی آئی۔ لالہ رخ کی طرف آ کر اس نے ٹرے اسے دیتے ہوئے کہا۔

''یہ طلال بھائی کو دے آئیں۔''

''ہیں، طلال کو؟ کیا وہ لوگ جاگ رہے ہیں ابھی تک؟'' وہ کاؤچ پر نیم دراز تھی، اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کے ہاتھوں میں پڑی سنہری چوڑیاں ایک خوبصورت دھن کے ساتھ بج اٹھیں۔

''جی، وہ کہہ تو گئے تھے چائے کا۔'' وہ اس کی خوبصورت کلائیوں کو دیکھنے لگی جن میں سنہری چوڑیاں بہت بج رہی تھیں۔ نفیس مخروطی انگلیوں میں انگوٹھیاں تھیں جو نازک نگوں والی تھیں۔

''لگتا ہے ان لوگوں کا بھی رت جگے کا پروگرام ہے۔'' اس نے سیدھی ہو کر دوپٹہ اٹھا کر بدن پر ڈالا۔

''ہاں شاید ہماری طرح۔'' وہ اپنا مگ لے کر کاؤچ پر ہی بیٹھ گئی۔

''کیوں، تمہارا کیوں جاگنے کا پروگرام ہے؟ سب کی طرح تمہیں نیند کیوں نہیں آ رہی ہے؟'' لالہ رخ نے اسے پیار بھری نظروں سے دیکھا، دھلے دھلے میک اپ اور آنکھوں میں نیند کا خمار بھرے، وہ اسے بڑی دلربا سی لگی۔

''اچھی لگ رہی ہو۔'' وہ بے ساختہ بولی تو وہ جھینپ گئی۔

''اچھی تو آپ بھی لگتی ہیں ہر وقت، ہر لباس میں، ہر رنگ میں۔'' وہ اس کے سراپے پر نگاہیں جما کر دیانت داری کے ساتھ بولی تو وہ بے ساختہ قہقہہ لگا بیٹھی اور ہلکے سے اسے چپت مار دی۔

''بدلہ اتار رہی ہو۔ میں نے اس لئے تو تمہاری تعریف نہیں کی تھی کہ مجھے اپنی تعریف سننا تھی۔''

''میں بھی محض جواباً تعریف نہیں کر رہی ہوں۔'' وہ جلدی سے بولی۔ ''آپ ہمیشہ اسی طرح بج سنور کر کیوں نہیں رہتیں؟ دادی جان کہتی ہیں کہ شادی شدہ عورت کا آدھا سنگھار اس کا زیور ہے۔ اور آپ پر تو جچتا بھی بہت ہے۔ بائی دی وے سیفی نے کبھی ٹوکا نہیں آپ کو اس سادگی پر؟'' وہ اس کی طرف جھک کر شرارت سے بولی۔

لالہ رخ کے چہرے پر پھیلی روشنی میں یکدم دھندلاہٹ اتر آئی۔ رگ و پے میں خون کی گردش اتنی تیز ہو گئی کہ ایک پل کے لئے اسے اپنا دل بھی اسی میں غوطے کھاتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ ٹرے اٹھا کر یکلخت اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ان کی چائے تو یونہی پڑے پڑے ٹھنڈی ہو جائے گی ہماری باتوں میں۔'' وہ جبراً لبوں پر مسکراہٹ لاتے ہوئے بولی اور ٹرے اٹھائے باہر چلی گئی۔

⁂☆⁂

طلال اندر آیا تو مصطفیٰ خان بیڈ پر دراز کسی کتاب کی بے دلی سے ورق گردانی کر رہا تھا۔

''بس دو منٹ میں چائے آ جاتی ہے۔'' اس نے اپنے پیچھے دروازہ بند کیا اور حمزہ کو گود سے اتار کر بیڈ پر ڈالا۔

''میرا تو خیال تھا تم خود ہی چائے بنانے لگ گئے ہو۔ حکم دینے میں اتنی دیر۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ''یہ بچہ کس کا ہے؟'' وہ حمزہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ''تمہارا تو ہرگز نہیں ہو گا۔'' اس نے سر جھکائے جھکائے اس کی طرف شرارت آمیز نظروں سے دیکھا۔ ''پھر کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جاؤں۔''

''شکر ہے تم نے بولنے سے پہلے سوچ تو لیا۔'' اس نے بے ساختہ ٹھنڈی سانس بھری۔

''یہ حمزہ ہے، میرا بھانجا، لالہ رخ کا بیٹا۔''

مصطفیٰ خان جو اس کے پہلے جملے پر اونچا سا قہقہہ لگانا چاہ رہا تھا، اس کے دوسرے جملے پر جیسے وہ قہقہہ اندر ہی کہیں معلق رہ گیا۔ حمزہ کی طرف بڑھنے والا اس کا ہاتھ ڈھیلا ہو کر رہ گیا۔ ایک عجیب سی اذیت جیسے اس کی رگ رگ کو کاٹتی روح میں اتر گئی۔ اس نے طلال کی طرف سے چہرہ موڑا جو کھڑکی کے پردے برابر کر رہا تھا۔

اس نے نظریں حمزہ پر جما دیں۔ وہائٹ اور پنک کلر کی کنٹراسٹ بوشرٹ میں وہ صحت مند خوبصورت بچہ اپنی معصوم آنکھوں سے اسے خاصی اجنبی نظروں سے دیکھ رہا تھا، تاہم اس کی آنکھوں میں کسی قسم کا خوف نہیں تھا جو عموماً کسی اجنبی ناآشنا چہرے کو دیکھ کر بچوں کی آنکھوں میں اتر آتا ہے۔

ایک اذیت سے گزرتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر ایک بجھی بجھی سی مسکراہٹ اُمڈ آئی اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے گود میں بھر لیا۔

"تمہیں یاد ہے طلال! تمہارے کمرے کی اس دیوار پر میں نے ایک قطعہ لکھا تھا۔" دھیمے لہجے میں بولا۔

"کون سا قطعہ؟" طلال بیسن کا نل کھولتے ہوئے بولا۔

"کج اونچ وی راہواں اوکھیاں سن
کج گل وِچ غم دا طوق وی سی
کج شہر دے لوگ وی ظالم سن
کج مینوں مرن دا شوق وی سی"

"میرا خیال ہے، یہ واحد پنجابی شعر تھا جو تمہیں یاد تھا، بلکہ تم نے خوب دل لگا کر یاد کیا تھا۔" وہ بیسن کے آئینے میں نظر آتے مصطفیٰ خان کو دیکھتے ہوئے اپنے چہرے پر فیس واش رگڑتے ہوئے ہنسا۔ مگر مصطفیٰ خان نے اس کا جملہ سنا ہی نہیں۔ اس کی نظریں، اس کا دھیان حمزہ کی جانب تھا، اس کے خوشنما چہرے پر وہ کسی اور کا عکس تلاش کر رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ میں وہ کوئی شریر سی کھنکتی ہنسی ڈھونڈ رہا تھا۔

اچانک دروازے پر ہلکی سی دستک پر وہ چونکا۔

"یس کم اِن۔"

"یہ چائے لے لو طلال!" لالہ رخ کی مدھم میٹھی آواز کا سُر کمرے کے در و دیوار سے ٹکرا کر جیسے مصطفیٰ خان کے دل کی دھڑکنوں سے ہم آہنگ ہو گیا۔

وہ حمزہ کو اٹھائے بیڈ سے اتر کر دروازے کی طرف بڑھا اور بے تابانہ انداز سے دروازہ کھول دیا۔

سات سال پہلے کی تصویر نئے رنگ میں ڈھلی، اس کے چشمِ تصور سے نکل کر مجسم اس کے سامنے کھڑی تھی......!

***

ایک پل کے لئے تو لالہ رخ گڑبڑا کر رہ گئی۔ اس اجنبی کی نظریں اس کے چہرے پر یوں جمی تھیں جیسے کسی فریم میں جڑی تصویر کی جامد نظریں۔ مگر وہ جامد نظریں نہ تھیں، ان میں روح متحرک رہی تھی، ان میں اتنی روشنیاں تھیں کہ لالہ رخ کچھ خفیف سی ہو کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"یہ چائے۔" اس نے محویت کے اس عالم کو توڑنا چاہا اور کامیاب رہی۔ وہ دفعتہً یوں چونکا جیسے کسی گہری نیند سے بیدار ہو گیا ہو۔ اپنی اس کیفیت پر وہ خود بھی خفیف سا ہو کر جلدی سے نظروں کا زاویہ بدل کر دروازے سے ذرا سا ہٹ گیا۔

"آؤ لالی! پہچانا تم نے مصطفیٰ کو؟" طلال تولیہ بیڈ پر ڈال کر دروازے تک آیا اور اس کے ہاتھ سے چائے کی ٹرے تھامتے ہوئے مصطفیٰ خان کا تعارف کرایا۔ لالہ رخ پورے اعتماد کے ساتھ مسکرا دی۔

"ہاں، میں نے تو پہچان لیا ہے۔ شاید انہوں نے مجھے نہیں پہچانا۔" وہ آہستگی سے بولی تو اس نے جیسے تڑپ کر اسے دیکھا، پھر سر کو ڈھیلے انداز میں جھکا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں؟ دوسروں کے بارے میں یوں رائے قائم نہیں کر لیا کرتے۔" پھر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "میری یادداشت تو مرزا غالب کی طرح ہے۔"

طلال نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا اور چائے کی ٹرے تپائی پر رکھ دی۔

"یادِ ماضی عذاب ہے یا رب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا"

مصطفیٰ خان نے یہ کہتے ہوئے ایک ٹھنڈی سی سانس کھینچی اور لالہ رخ کو دیکھا جس کے لبوں کے گوشے میں کھیلتی مسکراہٹ ایک پل میں معدوم ہو گئی۔

"آپ تو بالکل بھی نہیں بدلے، ابھی تک شاعری کا ذوق رکھتے ہیں؟"

"کیا با ذوق آدمی چند سال بعد بد ذوق ہو جاتا ہے؟" وہ اس کے جملے پر محظوظ ہو کر

برجستہ بولا تو وہ خفیف سی ہو کر ہنس پڑی۔

''اس کا مطلب ہے کہ کچھ شوق وقت کے ساتھ بدل جاتے ہیں۔ انسان کی ترجیحات بدل جاتی ہے۔ پسند بدل جاتی ہے۔'' طلال نے اسے مگ پکڑایا اور حمزہ کو اس کی گود سے لے کر بیڈ پر لٹایا۔

''شوق اور چیز ہے، ذوق اور چیز ہے۔ اور جہاں تک پسند کا معاملہ ہے، وہ یقیناً وقت کے ساتھ بدلتی رہتی ہے مگر ان میں بعض ایسی ہوتی ہیں جو طلب کا روپ دھار لیتی ہیں، انہیں بدلتیں۔ ان کا تعلق سوچ اور جذبوں سے ہوتا ہے اور ان پر جتنا بھی وقت کا پانی گزر چکا ہو، وہ نہیں بہتیں۔ دل کی زمین پر مضبوطی سے جمی رہتی ہیں۔'' وہ چائے سے اڑتی بھاپ پر نظریں جما کر عجیب سے انداز میں بولا۔ پھر ایک گہری سی سانس بھر کر ہنس دیا۔

''لالہ! یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ یہ بالکل بدل چکا ہے۔ دیکھو فلسفی ہو گیا ہے۔ حالانکہ سات سال پہلے اسے یہ تک معلوم نہیں تھا کہ فلسفہ ہوتا کیا ہے۔'' طلال کا انداز سراسر مذاق اڑانے والا تھا مگر لالہ رخ ہنسنا تو کجا، مسکرا بھی نہ سکی۔

مصطفیٰ خان کی نگاہوں کے پار اتری اداسی نے اسے شاید اس فعل سے روکا تھا۔ وہ اچانک ہی حمزہ کی طرف متوجہ ہوئی جو تقریباً سو چکا تھا۔ اسے اٹھانے کے لئے جھکی تو مصطفیٰ خان جلدی سے بولا۔

''آں آں، کیا کر رہی ہیں آپ۔ یہ سو چکا ہے۔ رہنے دیں اسے یہیں۔'' لالی نے اسے دیکھا۔ وہ حمزہ کے نزدیک بیٹھ گیا تھا۔

''مگر یہ تنگ کرے گا۔'' وہ متذبذب ہو کر بولی۔

''تم فکر مت کرو۔ کوئی تنگ ونگ نہیں کرتا۔'' طلال نے کہا۔

''یہ رات کو اٹھ کر رونا شروع کر دیتا ہے۔ ناحق آپ لوگوں کی نیند خراب ہو گی۔'' وہ تکلف سے بولی۔

''کوئی بات نہیں۔ ہم دونوں مل کر اکٹھے رت جگا کر لیں گے۔ آہ و فغاں کر لیں گے، بقول شاعر..... تو ہائے گل پکار! میں چلاؤں ہائے دل۔''

بظاہر مصطفیٰ خان کا انداز شگفتہ سا تھا مگر لالہ رخ اس کی سرمئی آنکھوں کے بادلوں کی نمیبرتا سے جیسے شپٹا سی گئی۔ نادیدہ سا بوجھ اس کی پلکوں پر آ گیا۔

اسے ہمیشہ کی طرح اس کی آنکھیں بولتی محسوس ہوئی تھیں۔ مگر ان میں مسکراہٹوں کا اجالا رہتا تھا لیکن آج اس کی آنکھیں بول تو رہی تھیں مگر ان کے پار گہرا اندھیرا سا معلوم ہو رہا تھا۔

سرمئی آنکھیں اور گہری سرمئی لگ رہی تھیں۔ وہ حمزہ کو وہیں چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

دوسرے دن حنا کا ولیمہ تھا جس میں مصطفیٰ خان بھی شامل ہوا تھا۔ رنگا رنگ ہنستی مسکراتی اپنوں اور غیروں سے بجی اس محفل میں اسے اپنے اندر کی تنہائی کا احساس شدید ہوا تھا۔ اسے طلال بے حد خوش نصیب انسان محسوس ہوا تھا جو اتنی محبتوں کے درمیان رہ رہا تھا۔ ہر کوئی جیسے اس پر جان وارنے کو تیار تھا مگر طلال کو دیکھ کر اس کی خوشنما آنکھوں کے پار اسے وہ طمانیت کی چمک نہ دکھائی دی، وہ رنگ جو اس کی ذات کا خاصہ ہوا کرتے تھے، معدوم تھے۔ کم سخن تو وہ ازل سے تھا مگر اس کی کم سخنی میں سنجیدگی اور اداسی کا رنگ ہرگز نہ تھا بلکہ ایک دھیمی دھیمی لو دیتی، نگاہوں کو خیرہ کرتی مسکراہٹ ہمہ وقت تھرکتی رہتی تھی۔

''طلال! تم نے شادی کیوں نہیں کی؟'' وہ دونوں کولڈ ڈرنک لے کر کرسیوں پر آ بیٹھے جہاں نسبتاً کم لوگ تھے۔

''تم اپنی کہو، تم نے کس خوشی میں شادی نہیں کی؟'' اس نے ڈرنک کے ہلکے ہلکے سپ لیتے ہوئے یہی سوال اس کی جانب منتقل کر دیا۔ جواباً مصطفیٰ نے ایک مضمحل سی سانس بھر کر نگاہیں اس گوشے پر جما دیں جہاں خوشبوؤں کا میلہ لگا ہوا تھا مگر وہ پھول اب بھی سب سے جدا محسوس ہو رہا تھا جس کی خوشبو کا وہ سات سال پہلے اسیر ہوا تھا۔

''تمہیں کس نے کہا، میں نے شادی نہیں کی؟'' اس کی آواز دھیمی تھی۔

طلال کو ذہنی جھٹکا لگا۔ اس نے بوتل منہ سے ہٹا کر نہایت ہی حیرانی سے اسے دیکھا تو وہ ہولے سے مسکرا دیا۔ مگر اس کی مسکراہٹ میں تازگی ناپید تھی۔

''ہاں۔ مگر پھر بھی خالی ہاتھ، خالی دل ہوں۔ جیسے کچھ پایا ہی نہیں یا پھر سب کچھ کھو دیا۔'' وہ سر جھکا کر اسٹرا کو حرکت دینے لگا۔

''تم نے بتایا کیوں نہیں؟'' طلال نے بوتل ٹیبل پر رکھتے ہوئے اسے گھورا۔

''کیا بتاتا، کچھ بتانے کو ہے ہی نہیں۔ ایک تنہا آدمی کے پاس بتانے کو کیا ہو سکتا ہے۔''

طلال اسے ایک ٹک دیکھتا رہا، پھر جیسے کسی خیال کے تحت اس کی پیشانی پر ہلکی سی لکیر نمودار ہوئی۔

''تو یہ کہو کہ ان بے وفا شوہروں کی طرح، کسی مادہ پرست گوری سے چند گھڑیوں کی رفاقت کا ساتھ رہا پھر؟''

''کاش، ایسا ہی ہوتا۔'' اس نے اس کی بات کا برا مانے بغیر ایک ٹھنڈی سانس بھری تو

طلال نے اسے الجھ کر دیکھا۔

''میں ایک غیور پٹھان ہوں۔ یہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔ ہم عورت ذات کو غیرت اور عزت سمجھتے ہیں، انہیں لمحوں کو رنگین کرنے کے لئے اور محض دل لگی کے لئے استعمال کرنا بے غیرتی اور قابل سزا سمجھتے ہیں۔ تم اچھی طرح میرے مزاج اور میری روایتوں سے واقف ہو۔ ہم قول پر جان دینے والے ہیں، چاہے وہ قول کسی گوری مادہ پرست سے ہی کیا گیا ہو۔''

''تو پھر؟'' وہ ہنوز اُلجھی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

''چھوڑو یار! یہ جگہ ان باتوں کی نہیں ہے۔'' وہ بے پروائی سے ہاتھ ہلا کر کوک کے سپ لیتے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

''تو یہ جگہ میری شادی کے بارے میں تجسس کرنے کے لئے ہے؟'' اسے ٹالنے والے انداز پر طلال نے اسے گھورا تو وہ سر کو اثباتی جنبش دے کر یکدم ہنس دیا پھر جیسے چونکا۔ اس کی نظریں روشانہ پر اُٹھیں جو سیاہ رنگ کے فرانسیسی لیس کے خوبصورت لباس میں حقیقتاً دل و نظر کو خیرہ کر رہی تھی۔ اس کا شفاف نوخیز چہرہ ہلکی جیولری میں یوں دمک رہا تھا جیسے ستاروں بھرے آسمان پر جگر جگر کرتا چاند۔

''طلال! یہ وہی لڑکی ہے نا، تمہاری کزن، جسے میں غلط فہمی کی بنا پر تمہاری لائف پارٹنر سمجھ بیٹھا تھا؟'' اس نے طلال کی توجہ بھی اس جانب مبذول کرائی۔

وہ بے ارادہ اس کی طرف دیکھنے لگا مگر مصطفیٰ خان کی شریر نگاہوں کی تپش سے سنبھل کر جلدی سے بولا۔ ''ہاں۔ اور جس پر مجھے ابھی تک شرمندگی ہے۔''

''اوہ......'' وہ بے اختیار قہقہہ لگا کر اسے معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگا۔

''یہ شرمندگی مٹ بھی سکتی ہے۔''

''ہاں، میں نے اُس سے سوری کر لی تھی۔'' وہ اس کے انداز کو قطعی نظر انداز کرتا ہوا سادہ سے لہجے میں بولا۔

''اچھا...... حالانکہ ایکسکیوز تو مجھے کرنا چاہئے تھا۔ خیر تم نے کر لیا، یہ زیادہ اچھی بات ہے۔''

''تم آخر کہنا کیا چاہتے ہو؟'' اس کی معنی خیزیت سے جھنجلا کر، ابرو اچکا کر اس نے گھورا۔ مگر وہ مصطفیٰ خان ہی کیا جو سنجیدہ ہو جاتا۔ جواباً کولڈ ڈرنک کا آخری سپ لے کر بوتل دھپ سے میز پر رکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں براہ راست جھانکا۔

''وہی جو تم سمجھ رہے ہو۔'' پھر ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کرسی کی پشت سے لگ کر روشانہ

پر ایک نظر ڈال کر بولا۔ ''یہ تمہارے ساتھ بہت سوٹ کرے گی طلال!''

جواباً اس نے اسے تیز نظروں سے دیکھا پھر قدرے چڑ کر بولا۔ ''تم اس موضوع کو یہیں ختم کر دو۔ میرے ساتھ کون اور کیسی سوٹ کر سکتی ہے، اس کی فکر میں تمہیں گھلنے کی ضرورت نہیں۔ چلو اٹھو، کھڑے ہو جاؤ۔'' وہ کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا۔

''جو دل کی بات ہی سمجھے نہ دل لگی جانے
وہ بے وفا تو نہیں بے مثال لگتا ہے''

مصطفیٰ خان نے یہ کہتے ہوئے ایک ٹھنڈی سانس بھری پھر اس کے تیور دیکھ کر جلدی سے گھبرانے کی ایکٹنگ کرتا ہوا کھڑا ہو گیا مگر اس کے ہمراہ اسٹیج کی طرف جاتے ہوئے یکدم روشانہ کے نزدیک رک گیا۔ طلال اسے گھور کر رہ گیا۔

''آپ غالباً روشانہ ہیں؟''

''جی۔'' وہ اجنبی کے اچانک مخاطب کرنے پر لالہ رخ کو نظروں ہی نظروں میں تلاشتے ہوئے سٹپٹا کر مصطفیٰ خان کو دیکھنے لگی۔ پھر کسی خیال کے تحت اس کے رخساروں پر ہلکی سرخی دوڑ گئی، تاہم وہ انجان بنتے ہوئے بولی۔ ''میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔''

''پہچاننا تو صدیوں کا عمل ہے۔ آپ محض ایک ملاقات میں پہچان بھی کیسے سکتی ہیں۔'' وہ اطمینان سے بولا۔ وہ اس کی طرف دیکھنے لگی، پھر ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

''مگر کبھی یہ صدیوں کا عمل لمحوں میں بھی طے ہو جاتا ہے۔ بس پہچاننے والی آنکھ ہونی چاہئے۔''

مصطفیٰ خان کے ہونٹ غیر محسوس طور پر سیٹی کے انداز میں سکڑ گئے۔ اس کی آنکھوں میں توصیفی مسکراہٹ جھلک آئی۔

''میرا خیال ہے آپ بھی طلال کی طرح کم، مگر اچھا بولتی ہیں۔'' اس نے ارادتاً طلال کا ذکر چھیڑا اور اسے اس کی طرف متوجہ کرنا چاہا مگر وہ دانستہ اس کی طرف دیکھنے سے گریز کرتے ہوئے بولی۔

''میرے نزدیک تو یہ کوئی کمال کی بات نہیں ہے۔ ہاں اچھا ہونا یقیناً اچھی بات ہو گی۔'' پھر جلدی سے ایکسکیوز کہتی ہوئی ایک طرف مڑ کر میزوں کے درمیان سے گزرتی لڑکیوں کے جمگھٹے میں گم ہو گئی جبکہ مصطفیٰ خان اسے دل ہی دل میں حسین اور ذہین کا خطاب دے کر پلٹا تو طلال کو اس گوشے کی جانب ایک ٹک دیکھتے پا کر بے ساختہ امڈنے والی مسکراہٹ کو ہونٹوں کے درمیان دبا کر روکا اور اس کی خوشنما آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا۔

''میرا خیال ہے واپس آ جاؤ۔ یوں بھی کسی کے جانے سے اس کی موجودگی کا احساس ختم ہونا ضروری نہیں ہے۔ یہ احساس تو ہمارے اندر سے اٹھتا ہے۔''

''تم کسی دن میرے ہاتھ سے بہت بری طرح پٹو گے طلعی!'' طلال نے جھینپ کر نگاہوں کا زاویہ بدلا اور اسے گھسیٹتا ہوا ایک طرف چل دیا۔

***

ولیمے کے دو روز بعد حنا سکندر ولا میں ٹھہرنے آئی تھی۔ لڑکیوں سے ہنسی مذاق کرنے کے بعد جب وہ دوپہر کی نیند لینے اپنے کمرے میں آ کر لیٹی تو لالہ رخ اس کے پاس چلی آئی۔ ان کے چہرے کے زاویوں میں خفگی واضح دکھ رہی تھی۔ اس نے جلدی سے منہ پر چادر ڈالنا ہی چاہی تو لالہ رخ نے ہاتھ بڑھا کر وہ چادر کھینچ لی۔

''آنی کیا کہہ رہا ہے ہنی! اب اسے تنگ کرو گی تم؟''

''کیا کہہ رہا ہے وہ؟'' وہ آہستگی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''وہ کہہ رہا ہے تم اس کے ساتھ پاکستان ٹور پر جانے پر راضی نہیں ہو رہی ہو۔''

''اتنی جلدی جانے کی کیا ضرورت ہے۔ کچھ دن ٹھہر کر بھی تو جایا جا سکتا ہے نا۔'' وہ لالہ رخ سے نظریں چرا کر اپنے پیر کی کیوٹکس کھرچنے لگی۔

''اب اسے ستاتی پھرنا تم۔'' اس نے ملامت آمیز نگاہوں سے اسے گھورا۔

''میں ستاؤں گی۔ وہ خود کم ہیں کیا۔ الٹا مجھی کو تنگ کیا ہوا ہے انہوں نے۔'' وہ جل کر بولی۔ پھر لالہ رخ کے لبوں پر پھیلنے والی معنی خیز مسکراہٹ سے جھینپ کر سر جھکا گئی۔

''تم ہو ہی اس قابل کہ تمہیں خوب تنگ کیا جائے۔ بہت تنگ کرتا ہے کیا؟''

''آخر آپ کا بھائی جو ٹھہرا۔ آپ سے کم ہو گا کیا؟'' وہ اپنی جھینپ اور شرمندگی کو خفگی میں چھپانے کی کوشش کرنے لگی پھر لیٹ گئی۔ چادر کھینچ کر منہ پر ڈالنا چاہی مگر ناکام رہی۔ لالہ رخ ایک ہلکی سی سانس بھر کر اس کے نزدیک بیٹھ گئی۔ پھر سنجیدگی سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے تفہیمی انداز میں بولی۔

''حنا! مرد کا دل آسمان کی طرح وسیع ہوتا ہے۔ مگر اس کی محبت چاند کی طرح ہوتی ہے۔ دیکھنے میں بہت چمک دار، تیز، خیرہ کن، مگر بڑھنے گھٹنے والی۔ اسے کبھی غلط رویوں کے سورج کے مقابل مت لے آنا، ورنہ یہ گھٹ جائے گی، ہمیشہ کے لیے۔ اس کی محبت پر گرہن لگ جاتا ہے اور مرد کی محبت کے چاند پر گرہن آ جائے تو پھر کبھی ویسی اجلی، بے غرض، چمک دار نہیں رہتی۔ اس کا دامن تنگ سے تنگ تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اتنا تنگ کہ پھر عورت کا دم گھٹنے

لگتا ہے۔''

''لالی!'' حنا اس کی گود میں سر رکھ کر بے آواز رو دی۔ ''آفاق اتنے اچھے ہیں۔ اتنے اچھے ہیں کہ میں، میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ کاش، کاش سیف الرحمٰن بھی ایسے ہی ہوتے بالکل ایسے ہی۔''

کتنے سنسناتے تیر لالہ رخ کو اپنے دل میں پیوست ہوتے محسوس ہونے لگے۔ اس نے جھٹکے سے حنا کو خود سے الگ کر کے اٹھنا چاہا مگر اسے لگا۔ اس کے اعصاب اس کوشش کو ناکام بنا گئے ہوں۔ وہ بس دکھتی آنکھوں سے اس کے جھکے سر کو دیکھتی رہ گئی۔ پھر اپنی گود میں اس کے آنسوؤں کی نمی محسوس کر کے نرمی سے اس کا سر اوپر اٹھایا۔

''پاگل! ہر عورت اپنی تقدیر اپنے ساتھ لے کر چلتی ہے۔ اس کے سکھ کی روشنیاں اور دکھ کے اندھیرے اس کے اپنے مقدر کی مٹھی میں ہوتے ہیں۔ اسے کسی کے ہاتھ میں تلاش کرنا دیوانہ پن ہے۔''

''مگر لالی! ایسا ہو تو سکتا تھا نا۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''نہیں، اگر میرے نصیب میں سکھ اور محبتیں ہوتیں تو وہ مجھے سیف الرحمٰن سے ہی مل جاتیں۔ اور اگر یہی دکھ ہوتے تو آفاق جیسے اچھے آدمی سے بھی ملتے۔ خیر......'' اس نے سر جھٹکا اور ایک گہری سانس سینے کی تہہ سے کھینچتے ہوئے اس کے چہرے پر نرمی سے ہاتھ پھیرا۔

''تم آرام کرو اور جی بھر کر نیند لے لو۔ اور ہاں، میں آفاق سے کہہ دیتی ہوں کہ تم اس کے ساتھ جانے پر راضی ہو بلکہ خوش بھی ہو۔ پاگل! مرد محبت میں اس بچے کی طرح ہوتا ہے جو اپنی ماں کی توجہ اور محبت کے اظہار کا بار بار خواہاں رہتا ہے۔ اور یوں بھی اظہار تو بارش کی مانند ہے، اسے محبت کے پودے کی تازگی اور نمو کے لئے کبھی کبھی ہلکے ہلکے برستے رہنا چاہئے۔'' وہ اسے تھپک کر کھڑی ہو گئی۔ حنا نے کچھ کہنا چاہا مگر وہ سنی ان سنی کرتی کمرے سے نکل گئی۔

پھر اس نے سب سے پہلے آفاق کو فون کیا۔ پھر وہ حمزہ کے کپڑے مائی زرینہ کو دے کر خود طلال کے کمرے کی طرف آئی۔ اسے اچانک ہی مصطفیٰ خان کا دھیان آ گیا تھا۔ طلال ہاسپٹل جاتے ہوئے اسے تاکید کر گیا تھا کہ لنچ میں وہ مصطفیٰ خان کو پرہیزی کھانا بنا کر دے۔ چونکہ اسے رات سے بہت تیز بخار ہے۔ مگر اس کی یہ تاکید اس کے ذہن سے یکسر نکل گئی اور اب خیال آنے پر اسے شرمندگی ہونے لگی کہ پتہ نہیں لنچ میں اسے پرہیزی کھانا دیا بھی گیا تھا کہ نہیں۔ وہ اس کی خیریت دریافت کرنے چلی آئی۔

وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا اب اس کا حال سنائیں کیا
کوئی مہر نہیں ، کوئی قہر نہیں پھر سچا شعر سنائیں کیا

وہ عشق جو ہم سے......

اندر سے آتی مدھم سُروں سے بجتی غزل کی آواز نے ایک پل کے لئے اس کے قدموں کو جکڑ لیا۔

ہم نغمہ سرا کچھ غزلوں کے، ہم صورت گر کچھ خوابوں کے
یہ جذبۂ شوق سنائیں کیا، کوئی خواب نہ ہو تو بتائیں کیا
کوئی مہر نہیں، کوئی قہر نہیں، پھر سچا شعر سنائیں کیا

صرف وہی نہیں، اسے مغنیہ کے ساتھ ساتھ مصطفیٰ خان کی بھاری گنگناہٹ بھی اسی لے میں سنائی دینے لگی۔ ساتھ ہی ساتھ وہ خود بھی آواز میں آواز ملا رہا تھا۔ پھر غزل ختم ہو گئی۔ مگر اس کی خوبصورت بھاری آواز کی گنگناہٹ جاری تھی۔

اک آگ غمِ تنہائی کی، جو سارے بدن میں پھیل گئی
جب جسم ہی سارا جلتا ہو، پھر دامنِ دل کو بچائیں کیا

وہ عشق جو ہم سے......

وہ دروازہ ہلکے سے بجا کر اندر آ گئی۔ وہ گیلے بالوں کو تولیے سے خشک کرتا ہوا یکدم ٹھٹک گیا۔ اس کی گنگناہٹ کا رقص تھم سا گیا مگر اسے تو لگا کائنات کا رقص بھی تھم گیا ہو۔ وہ اس کے تصور سے نکل کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

''ارے آپ کو ٹمپریچر ہے اور آپ نے شاور لے لیا؟ اس طرح تو طبیعت اور زیادہ خراب ہو سکتی ہے۔'' وہ اسے پنکھے کے عین نیچے گیلے بالوں اور سرخ سرخ چہرے کو دیکھ کر تشویش سے بولی۔

وہ ہلکے سے مسکرا دیا۔ وہ اب بھی ایسی ہی تھی۔ جلد تشویش میں مبتلا ہو جانے والی۔ دوسروں کے لئے فکر کرنے والی، توجہ دینے والی۔

''بہت سخت جان ہوں۔ ٹمپریچر کا معمولی بڑھنا گھٹنا میرے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا۔'' وہ گیلا تولیہ کہیں مناسب جگہ پر رکھنے کی جگہ تلاش کرنے لگا، تب اس نے آگے بڑھ کر تولیہ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

''کبھی کبھی معمولی لگنے والی بیماری ہی جان کا روگ بن جاتی ہے۔ مگر خیر خدا نہ کرے کہ آپ کو......'' وہ لب دانتوں میں دبا کر کچھ خفیف سی ہو کر تولیہ لے کر دروازے کی طرف

بڑھتے ہوئے بولی۔ ''آپ نے لنچ کیا یا نہیں؟ دراصل طلال تاکید کر گیا تھا کہ آپ کو پرہیزی کھانا دیا جائے۔''

''طلال کی ایڈوائز تو رہنے ہی دیجئے۔ ان ڈاکٹروں کو تو ہر بیماری پر ہدایتیں دینے کی عادت ہوتی ہے۔ اب یہ دیکھئے، صرف معمولی ٹمپریچر پر اتنی ساری گولیاں۔'' اس نے میڈیسن کی طرف اشارہ کیا جو سائیڈ ٹیبل پر رکھی تھیں۔ ''یہ رنگ برنگی گولیاں ہر بیماری کا علاج کب ہوتی ہیں۔'' اس کی سرمئی آنکھوں میں تمسخر کروٹیں لے رہا تھا۔ ''کچھ بیماریاں تو......'' اس نے کچھ کہنے کی خواہش میں ایک ہلکی سی سانس بھر کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ اس کی طرف ہی دیکھ رہی تھی۔ نظروں کا تصادم ہوا تو اس کی سیاہ دبیز پلکوں کا جال گر گیا اور مصطفیٰ خان نے پھر جلدی سے نگاہوں کا زاویہ بدل لیا۔ ''آپ پریشان نہ ہوں، میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' وہ دانستہ اس کی طرف دیکھنے سے گریز کرتے ہوئے بولا۔ پھر اسے پلٹ کر جاتے دیکھ کر عجیب مضطربانہ انداز میں پکارا۔

''لالہ!''

وہ اس تخاطب پر ٹھٹک کر پلٹی تو وہ خفیف سا ہو کر جلدی سے بولا۔ ''میرا مطلب ہے لالہ رخ۔ آپ اگر حمزہ کو میرے پاس چھوڑ جائیں تو...... دراصل خرم اور جاذب بھی نہیں ہیں اور میں بہت تنہائی محسوس کر رہا ہوں۔''

''جی اچھا۔'' اس نے بغیر حیل و حجت کے سر ہلا دیا۔

''طلال بتا رہا تھا کہ آپ کے شوہر ملک سے باہر ہیں۔'' وہ ایک بار پھر اس کے قدموں کو رکنے پر مجبور کرتے ہوئے بولا۔ اسے لگ رہا تھا کہ اس کی موجودگی سے کمرے کے در و دیوار ایک انوکھی خوشبو سے مہک اٹھے ہوں۔ اس کی موجودگی اس کی روح کو ایک اذیت آمیز لذت سے ہمکنار کر رہی تھی۔

اس کے اس سوال پر وہ نظریں دوسری طرف موڑتے ہوئے ہلکے سے سر کو اثباتی جنبش دے کر رہ گئی۔

''ایک بات پوچھوں، آپ مائنڈ تو نہیں کریں گی؟'' وہ چلتا ہوا اس سے قدرے فاصلے پر رک گیا۔ پھر اس کے چہرے کے تاثرات کا بغور جائزہ لینے لگا۔

''کہئے۔ میرا خیال ہے آپ تکلف سے کام لے رہے ہیں۔'' وہ ہلکے سے مسکرا دی مگر مصطفیٰ خان تذبذب کے عالم میں کچھ دیر اس کی طرف دیکھتا رہا پھر نظریں اس کے چہرے سے ہٹا کر آہستگی سے بولا۔

"آپ یہاں کیوں رہ رہی ہیں؟ میرا مطلب ہے ان کے پاس ہی کیوں نہیں چ
جاتیں؟"

لالہ رخ کو شاید بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس طرح کا کوئی ذاتی حملہ کرے گا۔ ایک پل کے لئے تو اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ اس کے چہرے پر ایک کھنچاؤ آ گیا۔ وہ ا
برہمی کے تاثر کو قطعی نہ چھپا سکی۔

"اس لئے کہ میں ایسا ضروری نہیں سمجھتی۔" چاہنے کے باوجود اس کے لہجے میں ناگوا
جھلک آئی۔ مگر وہ کمال اطمینان سے یہ ناگواری نظر انداز کرتا ہوا بولا۔

"یقیناً آپ اپنے لئے ضروری نہیں سمجھتی ہوں گی۔ مگر کیا آپ کے اس فیصلے سے حمزہ
انداز نہیں ہو رہا ہے؟"

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ آپ...... آپ اس میں مداخلت کرنے والے کون ہو
ہیں؟" وہ یکدم بھبک گئی۔ "حمزہ میرا بیٹا ہے اور اسے آپ سب لوگوں سے زیادہ میں چا
ہوں۔" وہ دروازہ جھٹکے سے کھول کر باہر نکل گئی۔

مصطفیٰ خان اس کے پیچھے پوری طاقت سے بند ہونے والے دروازے کی دھمک کتنی
اپنے دل پر محسوس کرتا رہا۔

***

لابی میں آ کر اس کا غصہ بے چارگی آمیز کرب میں بدل گیا۔ اس کی نظریں راہداری
سائیکل دوڑاتے حمزہ پر ٹھہر گئیں۔ ایک مضمحل سی سانس اس کے سینے کی تہہ سے نکل گئی۔

"عورت اتنی بااختیار ہی کب ہوتی ہے۔ وہ تو خود محروم ہوتی ہے، دوسروں کو بھلا کیا مح
کر سکتی ہے؟" اس نے جھک کر حمزہ کی پیشانی پر پوری شدت سے بوسہ دیا پھر لابی میں
گئی۔ مصطفیٰ خان نے اس کے سینے کے اندر چھپی آگ کو پھر سے دہکا دیا تھا۔ وہ کھڑکی کھ
کر پورچ میں بکھری دھوپ کو تکنے لگی۔

اس سے زیادہ دھوپ اس کے اپنے اندر بکھری ہوئی تھی جو رگ رگ کو جھلساتی رہتی تھی۔
ماضی کے کئی منظر اس کی آنکھوں میں لہرا کر دھند بھرنے لگے۔ آہستہ آہستہ ہر شے
پانیوں میں چکر کاٹنے لگی۔ اس نے پردہ کھینچ لیا اور دیوار سے ٹیک لگا لی۔

کس کونپل کی آس میں اب تک ویسے ہی سرسبز ہو تم
اب تو دھوپ کا موسم ہے برسات گزر گئی جاناں

اس نے زور سے آنکھیں موند لیں۔ پھر چند منٹ بعد عقب میں اسے قدموں کی آ

سنائی دی تو اس نے آنکھیں کھول کر گردن گھمائی۔ مصطفیٰ خان قدرے نادم سا کھڑا دکھائی دیا۔ اس کے چہرے کی سفیدی میں غیر معمولی سنجیدگی کی سرخی بکھری ہوئی تھی۔

"میں آپ سے اپنے رویئے کی معافی چاہتا ہوں۔ مجھے اس کا بالکل بھی حق نہیں کہ میں آپ کی ذاتی زندگی کے کسی بھی ورق پر تبصرہ کروں۔ آئی ایم سوری۔" وہ اس کی طرف دیکھنے کی بجائے اس کی پشت پر بڑی سی شیشوں والی کھڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں حقیقی ندامت ہلکورے لے رہی تھی جو لالہ رخ کو نادم کر گئی۔

"ارے نہیں، معافی کی بات نہیں ہے۔ وہ تو مجھے بھی بس یونہی غصہ آ گیا تھا بلکہ سوری تو مجھے اپنے رویئے پر کرنی چاہئے۔ ناحق میں برہم ہو گئی۔" اس نے شائستگی سے مسکرانے کی کوشش کی مگر مصطفیٰ خان سے نظریں ملیں تو پلکوں کا جال آنکھوں پر گر گیا۔

"نہیں، آپ کا غصہ بجا تھا۔ مجھے ہی یہ سب نہیں کہنا چاہئے تھا۔" وہ آہستگی سے بولا۔ پھر ہلکے سے ہنسا۔ "اب سوچتا ہوں تو اپنی منافقت پر ہنسی آتی ہے کہ ایسا مشورہ بھلا آپ کو میں نے کیسے دے دیا۔ بھلا ساحل پر کھڑا ہونے والا شخص سمندر کی موجوں پر نبرد آزما شخص کی اذیت اور کیفیت کو کیسے سمجھ سکتا ہے۔ کجا اسے مشورہ دے۔ بھلا اسے کیا پتہ کہ وہ ساحل پر آنا چاہتا بھی ہے یا ڈوبنے کے لئے از خود اترا ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ایک ہلکی سی سانس بھر کر اس کی کانپتی پلکوں پر نظریں جمائیں پھر یکدم نگاہیں پھیر کر حمزہ کو اٹھاتے ہوئے بولا۔

"اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو اسے میں اپنے ساتھ لے جا سکتا ہوں؟"

"کہاں؟" وہ بے ساختہ خیالوں کے گرداب سے نکلتے ہوئے بولی۔

"بے فکر رہیئے، اغوا کر کے نہیں لے جا رہا۔ یونہی ذرا باہر کی کھلی فضا میں جا رہا ہوں۔" وہ جواباً اس کی کھلی ہوئی مدہوش کر دینے والی آنکھوں میں براہ راست جھانکتا ہوا بولا تو وہ سٹپٹا کر پلکیں جھپک کر بے مقصد مسکرا دی۔

"مگر یہ راستے بھر آپ کو بہت تنگ کرے گا۔ طلال نے اس کی عادتیں بہت بگاڑ دی ہیں۔ سوچ لیجئے، فرمائشوں سے آپ کو عاجز کر دے گا۔"

"اگر میں کہوں کہ اس کی ہر فرمائش پوری کر کے میں دلی طور پر خوش ہوں گا، پھر؟"

لالہ رخ کے مسکراتے لب یکبارگی باہم جڑ گئے۔ اس نے بے ساختہ "کیوں" پوچھنا چاہا مگر یہ کیوں اس کے اندر ہی پھڑپھڑا کر رہ گیا۔ وہ اس کی نگاہوں کی گرماہٹ سے گھبرا کر سر جھکا گئی تھی اور وہ حمزہ کو کسی قیمتی متاع کی طرح گود میں سمیٹ کر بڑے بڑے ڈگ بھرتا ہوا لابی سے نکل کر اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔

وہ تخت سے اٹھتے اٹھتے پھر بیٹھ گئی۔ یکبارگی اس کا دل کانپنے لگا۔ اسے جانے کیوں
شخص سے، اس کی سرمئی آنکھوں سے خوف سا محسوس ہونے لگا تھا۔

☆☆☆

گرمیوں کی دوپہریں اپنی طوالت کے باوجود روشانہ کو بیزار نہیں کر رہی تھیں۔ بلکہ ا
کا ویران سناٹا اس کے احساسات کو اور بھی صیقل کرتا تھا۔ حنا کی شادی اور اس کے ہنی
پر چلے جانے کے بعد وہ اس کی کمی ضرور محسوس کر رہی تھی مگر اس پر جھنجلاہٹ سوار ت
وحشت جیسا کہ پلوشہ کا خیال تھا، وہ بہ مشکل ایک ہفتہ ہی ملتان میں گزار پائے گی۔ مگر
ایک ہفتے سے اوپر ہو چلا تھا اور اسے لگ رہا تھا لمحے تیزی سے وقت کی گرفت سے نک
رہے ہیں، جبکہ وہ یہاں کے ہر لمحے، ہر پل، ہر گھڑی کو سمیٹ لینا چاہتی تھی، اپنی مٹھی
جکڑے رکھنا چاہتی تھی۔

وہ سوچنے لگی کہ یہ وقت جب بہت حسین، دلکش اور دلربا لگنے لگتا ہے تو اتنی جلدی
گزرنے لگتا ہے۔ نشاط کی گھڑیاں پَر لگا کر اڑنے کیوں لگتی ہیں۔

وہ صوفے پر نیم دراز ہو کر حنا کی خوبصورت شاعری سے سجی ڈائری پڑھنے لگی۔
شاعری سے اسے کبھی دلچسپی نہ تھی بلکہ اس کی نظر میں یہ ایک بور ترین مشغلے کے سوا
نہ تھا۔ مگر آج فطری طور پر اس کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔ اسے بڑی دلچسپی سے پڑھ رہی
اس کی نظریں ایک خوبصورت نظم پر جم گئیں جسے حنا نے بڑی خوبصورت رائٹنگ میں قلم
ہوا تھا۔

سنا ہے لوگ اسے آنکھ بھر کے دیکھتے ہیں
سو اس کے شہر میں کچھ دن ٹھہر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے ربط ہے اس کو خراب حالوں سے
سو اپنے آپ کو برباد کر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے اس کے بدن کی تراش ایسی ہے
کہ پھول اپنی قبائیں کتر کے دیکھتے ہیں

اس نے کچھ دیر کے لئے ڈائری بند کی اور گہری سانس یوں کھینچی گویا دل کی
دھڑکنوں کو معمول پر لانے کی کوشش کر رہی ہو۔

اور پھر آہستگی سے ڈائری کھولی تو اسے لگا اس نظم کے اوپر طلال نیازی کا خوبصورت
ابھرنے لگا ہو۔

اب اس کے شہر میں ٹھہریں کہ کوچ کر جائیں
فراز آؤ ستارے سفر کے دیکھتے ہیں

اچانک اس کا تسلسل ایک چھناکے سے ٹوٹ گیا۔ پلوشہ نے اس کے ہاتھ سے ڈائری
اچک لی تھی پھر بے قدرے حیرانی کے عالم میں ڈائری پر ایک نظر ڈال کر اسے دیکھنے لگی۔

"آپ اور شاعری...... اُف یہ انقلاب کیسے اور کیوں کر؟" وہ حیرت کا برملا اظہار کرنے
لگی مگر عملاً بھی بیڈ پر گر کر ایک طویل قسم کی سانس کھینچی۔

نازش نے سارے شاپرز دیوار کے ساتھ لگا کر رکھتے ہوئے پلوشہ کو دیکھا۔ "کیوں، کیا
روشی کو شاعری سے دلچسپی نہیں ہے؟"

پلوشہ نے جواباً پھر ایک ٹھنڈی سانس بھری پھر آنکھیں روشانہ پر مرکوز کر کے بولی۔ "بدلتا
ہے رنگ آسماں کیسے کیسے۔"

"بکواس کر رہی ہے یہ۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اب میں اتنی بد ذوق بھی نہیں ہوں۔"
اس نے ڈائری اس کے ہاتھ سے جھپٹ لی اور جلدی سے بیڈ سے اتر گئی۔ پلوشہ کی تحیر آمیز
نگاہوں نے اسے خفیف سا کر دیا تھا۔ اسے اپنی پیشانی یوں جلتی محسوس ہوئی تھی جیسے پلوشہ کی
نگاہیں نہ ہوں دہکتے انگاروں کی تپش ہو۔

"حنا کا کلیکشن دیکھ رہی تھی۔ ظاہر ہے، تم دونوں مجھے اکیلا چھوڑ کر چلی جو گئی تھیں۔ بور
ہونے کی صورت میں مجھے کچھ تو کرنا ہی تھا۔" وہ خواہ مخواہ ہی وضاحت دینے لگی جس پر
پلوشہ کو ہنسی آ گئی۔

"ہاں تو، اب ایسا کوئی گناہ بھی نہیں ہے۔" وہ اس کے ہنسنے پر چڑ گئی۔

"نہیں، بالکل بھی گناہ نہیں کر رہیں بلکہ اجر و ثواب کما رہی ہیں۔ مگر مجھے حیرت اس بات
پر ہے کہ اس اجر و ثواب سے اب تک آپ محروم کیوں تھیں؟" یہ کہہ کر وہ حفظ ماتقدم کے
تحت دور ہٹی تھی۔ روشانہ اسے ڈائری سے مارنے کو آگے بڑھی، پھر ہنس پڑی۔

"بہت زبان چل رہی ہے تمہاری۔"

"ہاں، میں بھی یہی سوچ رہی ہوں کہ خرم کے سامنے کیسی بولتی بند ہو جاتی ہے۔" نازش
نے پلوشہ کو چھیڑا تو وہ خرم کے ذکر پر جھینپ گئی۔

"خرم بھائی کا تو نام ہی نہ لو۔ ان سے پتہ نہیں کیوں میری جان جاتی ہے۔"

"چلو ایک کمزوری تو تمہاری پکڑ لی ہم نے۔" روشانہ نے نازش کو شرارت سے دیکھا تو
نازش نے بھی تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اب ہم تمہیں خرم کے نام سے ڈرا تو سکیں گے۔ یعنی بلیک میل۔" نا
یہ کہہ کر ہنسنے لگی۔ اس کے چہرے کے تاثرات کچھ ایسے ہی تھے۔

"شرم آنی چاہیے تم دونوں کو۔ مسلمان ہو کر کافروں جیسی صفات اپنانا چاہ رہی ہو۔ ب
میلنگ مسلمانوں کا نہیں، کافروں کا طریقہ ہے۔" پلوشہ نے گویا شرم دلانی چاہی، وہ دو
اس کی تپی تپی رنگت دیکھ کر ہنسنے لگیں۔

***

حمزہ نے اسے یوں تو خاصا تنگ کیا تھا مگر اس کی چھوٹی چھوٹی فرمائشیں پوری کر
ہوئے مصطفیٰ خان خود کو یوں مسرور محسوس کر رہا تھا جیسے اس کا مقصد حیات ہی اس کی فر
پوری کرنا ہو۔ وہ حمزہ کو اتنی اتنی دیر تک تکتا رہا جیسے اس کا ایک ایک نقش ازبر کر لینا چاہتا
مگر درحقیقت وہ حمزہ کے چہرے میں کسی اور کا چہرہ تلاش کرتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کس
کی آنکھیں کھوجتا تھا۔ اس کے تیز سرخ ہونٹوں میں کسی کے چیری جیسے لب ڈھونڈتا تھا۔

محبت تو محبت ہے
تمہاری ہو یا میری ہو
مجھے تو ہر حوالے سے
بہت آرام ملتا ہے
کہ جیسے باغ میں دل کے
اچانک پھول کھلتا ہے

وہ حمزہ کو لیے لیے ان تمام مانوس راستوں پر گاڑی دوڑاتا رہا جہاں اس کے پچھلے
سال گزرے تھے۔ جہاں قہقہے بکھرے تھے۔ جب زندگی ہمکتی نظر آتی تھی۔ بہت کچھ پا
کی بدمست خوشی احاطہ کیے رہتی تھی۔

اس نے گاڑی بے ارادہ اس کیفے کے سامنے روک دی جہاں خوبصورت لمحوں کے
قطرہ قطرہ اس نے پیا تھا۔ جب اسے زندگی سے بہت بہت پیار ہو گیا تھا۔ اس کا خیال
ہمیشہ اسی طرح مسرور رہے گا۔ اس کے دل پر منڈلانے والی خوشیوں کی تتلیاں یونہی محو
رہیں گی۔

اس نے اگنیشن سے چابی نکال لی اور حمزہ کو لیے کیفے میں چلا آیا۔ یہ کیفے آج بھی
طرح آباد تھا۔ اس کے باہر بائیں طرف ایک پان والے کی رنگین دیواروں والی دکا

جس کے ریڈیو پر ہمیشہ گانے بجتے رہتے تھے۔ وہ دکان آج بھی اسی طرح موجود تھی۔ ویسے
ہی رنگوں اور چھوٹے چھوٹے برقی قمقموں سے سجی ہوئی جو رات کے اندھیرے میں اس کے
کھلے ہونے کی نشاندہی کرتے تھے۔ آج بھی اس کے ریڈیو پر مدھم آواز میں گانا بج رہا تھا۔

ماضی کے خوش رنگ منظر ایک بار پھر ذہن میں کہرام مچانے لگے۔

"ارے مصطفیٰ باؤ آپ۔" کیفے کا مالک اسے پہچان گیا۔ وہ چونکا اور اردگرد نگاہ دوڑاتے
دوڑاتے کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھے آدمی کو دیکھا اور مسکرا دیا۔

"آپ نے مجھے پہچان لیا؟"

"کیوں نہیں سوہنڑے باؤ۔ اب میرا حافظہ ایسا گیا گزرا بھی نہیں کہ چند سالوں میں
بندے کی شکل بھول جاؤں۔ اور آپ تو پھر میرے بڑے پرانے گاہک ہی نہیں یار بھی ہیں۔
یہ بچہ آپ کا ہے، ماشاء اللہ بڑا پیارا ہے۔"

وہ غیر محسوس طور پر اپنے اعصاب میں کھنچاؤ سا محسوس کر کے رہ گیا تاہم تردید کرنے کی
بجائے صرف مسکراہٹ اچھالنے پر اکتفا کیا۔

"باؤ طلال تو اب بھی آتے رہتے ہیں پر آپ کدھر غائب ہو گئے؟"

"بس احمد جی! غم روزگار کہاں سے کہاں لے جاتا ہے۔"

"آپ تو طلال باؤ کی طرح ڈاکٹر بن رہے تھے۔" وہ حیرت سے بولا تو وہ ہلکے سے
ہنس دیا۔

"میں نے ڈاکٹری واکٹری چھوڑ دی۔ جسے خود مسیحائی کی ضرورت ہو، وہ بھلا کیسے اچھا
مسیحا ثابت ہو سکتا ہے؟"

"کیا مطلب؟" احمد علی آنکھیں پھاڑے اسے دیکھنے لگا۔

"کچھ نہیں۔" وہ سر کو خفیف سے انداز میں جھٹک کر بولا۔ "میں ملک سے باہر چلا گیا
تھا۔ اب آیا ہوں تو ملتان کی پرانی یادیں تازہ کرنے آیا ہوں۔" وہ حمزہ کو اٹھائے ایک میز کی
طرف چلا آیا۔ بالکل غیر شعوری طور پر اس نے اسی میز کا انتخاب کیا تھا جہاں وہ آخری بار
بیٹھا تھا۔ عقب میں بڑے بڑے شیشوں والی کھڑکی تھی جس سے باہر سڑک کا منظر صاف
دکھائی دیتا تھا۔

وقت اور موسم گو کہ اس وقت مختلف تھا، وہ ڈھلتی شام کا وقت تھا، جب سڑکوں پر روشنیاں
جھلمل کر رہی تھیں۔ موسم میں ہلکی خنکی کا احساس غالب تھا۔

طلال نے اپنی بہن لالہ رخ کو اس کے گریجویشن کرنے پر ٹریٹ دی تھی۔ جاذب اور

حسنہ کے علاوہ وہ بھی اس چھوٹے سے قافلے میں ان کے ہمراہ تھا۔ اس روز وہ ہاسپٹل
بجائے طلال کے یہاں موجود تھا۔ اب پتہ نہیں طلال نے اسے مروتاً ساتھ لے لیا تھا
پورے خلوص سے مدعو کیا تھا بہرحال وہ لمحات اس کے لئے بڑے قیمتی تھے۔

موسم کی مناسبت سے اس نے بلیک شنیل کا سوٹ زیب تن کیا ہوا تھا اور بلیک ہی شنیل
کی چادر تھی۔ اس کے بالوں کی ایک آوارہ لٹ اس کے سردی سے سرخ ہوتے رخسار
مسلسل اٹکھیلیاں کر رہی تھی جسے وہ بار بار پکڑ کر کان کے پیچھے اڑس لیتی۔ کئی بار اس کا دا
چاہا وہ اس کی اس شریر لٹ کو پکڑ کر سرزنش کرے کہ وہ کیوں اسے تنگ کر رہی ہے۔

اس کی آنکھوں کی شفاف سطح اس خوشی کے وقت یوں دمک رہی تھی جیسے چاند کی دھیم
دھیمی روشنی براہ راست اس کی آنکھوں سے منعکس ہو رہی ہو۔ بات بات پر ہنسی بکھیرنے سے
اس کے رخسار قندھاری انار ہو رہے تھے۔ وہ سب کھانا کھا کر کیفے سے نکل کر پان والے
شاپ کے پاس رک گئے۔ جاذب سب کے لئے میٹھے پان بنوا رہا تھا۔ ساتھ ساتھ وہ سب
باتیں بھی کر رہے تھے جبکہ اس کا دل پان والے کے ریڈیو پر بجنے والے گانے کے بولو
سے ہم آہنگ ہو کر دھڑک رہا تھا۔

یہ شام اور تیرا نام، دونوں کتنے ملتے جلتے ہیں
تیرا نام نہیں لوں گا
بس تجھ کو شام کہوں گا
یہ جو تیری آنکھیں سوچتی رہتی ہیں
جانے کس کے سپنے دیکھتی رہتی ہیں
میں ان پر گیت لکھوں گا
یہ شام اور تیرا نام
دونوں کتنے ملتے جلتے ہیں

''سردی کچھ زیادہ نہیں ہے یہاں۔'' وہ یکدم شنیل کے سیاہ دوپٹے کو اچھی طرح اپنے گر
لپیٹتے ہوئے بولی۔ شاید اس کی نگاہوں کی محویت نے اسے بوکھلا دیا تھا۔ ''میرا خیال ہے م
جا کر گاڑی میں بیٹھتی ہوں، تب تک آپ لوگ پان کھا کر آئیں۔'' وہ اس کی سرمئی آنکھوا
کے حصار سے نکلنے کو مچلی تھی جو نادانستگی میں اس کے گرد کھنچا ہوا تھا۔

طلال نے گاڑی کی چابی جیب سے نکال کر اسے پکڑا دی۔ حسنہ بھی اس کے ساتھ
چلی گئی اور مصطفیٰ خان کو لگا منظر کی ساری دلکشی یکلخت یوں سمٹ گئی ہو جیسے تنی ہوئی رنگین

چھتری کو کسی نے کھٹ سے بند کر دیا ہو۔

''انکل۔'' وہ چونکا۔ حمزہ اس کی آستین پکڑے اسے غبارے والے کی طرف متوجہ کر رہا تھا
جس کی بڑی سی ڈنڈی میں رنگ برنگے غبارے لٹک رہے تھے۔ وہ سڑک کے کنارے کھڑا
تھا اور حمزہ اسے شیشے کی اس بڑی سی کھڑکی سے ناک چپکائے دیکھ رہا تھا۔

اس نے ایک گہری سانس بھری اور اس سحر سے نکل آیا۔

امید کا سایہ ہے نہ رستہ ہے نہ منزل
ہم کتنے اکیلے ہیں محبت کے سفر میں

''انکل!'' حمزہ غبارے کے لئے مچل رہا تھا۔ وہ مسکرا دیا۔ وہ اس کی بے تابی سے بخوبی
آگاہ تھا۔ کاش وہ بھی بس اتنا ہی بچہ ہوتا، غبارے کے لئے مچل جانے والا۔

اس نے اس کی پسند کا اسے غبارہ لا کر دیا۔ پھر اسی پان والے کے پاس آ کر پان
بنوانے لگا۔ حالانکہ اسے پان سے کبھی شغف نہ رہا تھا مگر یہ اس کی بالکل غیر ارادی حرکت
تھی۔ پان کا پیکٹ لے کر وہ گاڑی میں آ بیٹھا اور گاڑی کا رخ اس نے طلال کے ہاسپٹل کی
جانب کر دیا۔

طلال اسے دیکھ کر ذرا حیران ہوا پھر سرزنش کرنے لگا۔ ''آرام ہی کر لیتے۔ یہ مارے
مارے پھرنے کی ضرورت کیا تھی تمہیں آج۔ میڈیسن تو تم نے ہرگز نہیں لی ہو گی۔''

''جب جانتے ہو میری عادت پھر پوچھنے کا فائدہ۔'' وہ ہنس دیا، پھر راہداری کے اطراف
کی ریلنگ پر ہاتھ ٹکا کر لان کا نظارہ کرنے لگا، پھر بولا۔ ''تم فارغ ہو؟''

''ہاں، آؤ اندر چلو، چائے پیتے ہیں۔''

''نہیں، چائے وائے کو چھوڑو، تم چلو ساتھ نکلتے ہیں۔''

''کسی خاص جگہ جانا ہے کیا؟'' طلال نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا۔

''نہیں، بس یونہی آوارہ گردی کریں گے، ماضی کی یادیں تازہ کریں گے۔''

''خیر تو ہے، یہ آج ماضی کی یادیں تازہ کرنے کا خیال کیسے آ گیا؟'' وہ ہلکے سے ہنسا اور
اوور آل اتار کر اس کے ہمراہ پورچ کی جانب چل دیا۔

''تم اس کی عادتیں بگاڑو گے۔ پہلے ہی لالی مجھ سے نالاں رہتی ہے۔'' وہ حمزہ کو دیکھ کر
بولا۔

''میرا خیال ہے، یہ میری عادتیں بگاڑ رہا ہے۔ ایسا نہ ہو میں اس کا عادی ہو جاؤں۔'' وہ
گاڑی کا فرنٹ ڈور کھول کر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ طلال نے چونک کر اس کی طرف دیکھا مگر وہ

نظریں کترا کر ویو مرر درست کرنے لگا۔

''دونوں ہی صورتیں خطرناک ہوں گی۔ خیر کہاں کہاں کی خاک چھان کر آئے ہو؟'' وہ بھی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

''پھرتے ہیں مثل موج ہوا شہر شہر میں
آوارگی کی لہر ہے اور ہم ہیں دوستو!
اس بے وفا کا شہر ہے اور ہم ہیں دوستو!''

مصطفیٰ خان نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر اگنیشن میں چابی ڈال کر گھما دی۔ دوسرے پل گاڑی فراٹے کے ساتھ ہاسپٹل کے پورچ سے نکل کر سڑک پر دوڑنے لگی۔

''خیریت تو ہے، یہ ٹھنڈی سانسیں اور غمزدہ شاعری۔'' طلال نے ازسرنو اس کا جائزہ لیا۔

''کہیں تو آگ لگی ہے دھواں بتاتا ہے''

''ارے اب کہاں آگ۔ اب تو صرف دھواں ہی دھواں ہے جو وقتاً فوقتاً اٹھتا رہتا ہے۔''

اس نے گاڑی ایک مقامی پارک کے قریب روک دی اور نیچے اتر گیا۔

''میرا خیال ہے ہم ماضی میں کبھی اس پارک میں نہیں آئے ہیں۔'' طلال نے پارک کا طائرانہ جائزہ لیتے ہوئے اسے دیکھا۔

وہ حمزہ کے ساتھ غبارے سے کھیلتے ہوئے مسکرا دیا۔ ''میں نے تو یونہی ایک بات کہہ دی تھی۔ ماضی کی یادیں تازہ کرنے کے لئے ان مخصوص جگہوں پر جانا ضروری تو نہیں ہے۔ یہاں ہم کسی بھی گوشے میں بیٹھ کر یاد کر سکتے ہیں۔'' اس نے غبارے کی ڈور حمزہ کو پکڑائی اور ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر اپنی آنکھیں موند لیں۔

''ہمیں شوقِ اذیت ہے وگرنہ اس زمانے میں
تری یادیں بھلانے کو بہت سامان رکھا ہے''

اچانک طلال کے ہاتھ کا لمس اپنے کندھے پر محسوس کر کے اس نے آنکھیں کھول دیں۔

''کہہ دینے سے دکھ ہلکا ہو جاتا ہے طفی! اضطراب اور وحشت کو نکلنے کا راستہ مل جائے تو رگوں میں سکون اتر آتا ہے۔'' اس کی بھوری آنکھیں مصطفیٰ خان کے چہرے پر جمی تھیں۔

''ہاں ٹھیک کہتے ہو تم۔ وحشت اور اضطراب کو نکلنے کا رستہ نہ ملے تو یہ اندر ہی اندر بڑی تباہی مچاتے ہیں طلال! میں نے یہاں آنے کا بالکل اچانک پروگرام بنا ڈالا۔'' اس نے گھاس کے تنکے سے کھیلتے ہوئے یکدم ایک گہری سانس بھری، پھر سر نفی میں ہلایا۔ ''نہیں بلکہ شاید میں وہاں کی سڑکوں، عمارتوں، موسموں اور انسانوں سے اکتا گیا تھا۔ جب کوئی شے

من پسند نہ ہو تو انسان اکتا ہی جاتا ہے نا۔'' اس نے جیسے اس سے تائید چاہی، پھر ہنس دیا۔

''مجھے بڑی حیرت ہوتی ہے جب لوگ ساری عمر مغرب کی فضا میں گزار دیتے ہیں۔ اپنا غم غلط کرنے کے لئے مغرب کی راہ لیتے ہیں۔ حالانکہ مغرب تو خود بیچارہ غمزدہ ہے، معاشرے کے ستائے اور محروم لوگوں کی آہوں، سسکیوں اور حبس آلود سانسوں سے بھرا ہوا ہے۔ مغرب کی فضا میں بہت آلودگی ہے طلال! صاف ستھری سانسیں، غلیظ اور مکروہ ہو کر جیسے ہمارے سینوں سے نکلتی ہیں۔ وہاں کے لوگ اپنی روح کی سڑانڈ کو چمکتے ملبوسات اور مہنگی قیمتی خوشبویات سے ڈھانپنے کی تگ و دو میں رہتے ہیں اور پھر عادی ہو جاتے ہیں۔ انہیں بدبو اور غلاظت، غلاظت نہیں لگتی۔ جس طرح ایک سوئپر دن رات کچرے کے ڈھیر کے ساتھ رہتے رہتے اس بدبو کا عادی ہو جاتا ہے۔''

''تم نے بہت اچھا کیا کہ واپس آ گئے۔'' طلال نے ایک ہنکارا بھرا اور اسی درخت کے تنے سے خود بھی ٹیک لگا لی۔

''ہاں، ہم مصنوعی روشنیوں سے زیادہ دیر تک بہل ہی نہیں سکتے۔ چونکہ ہم مشرق سے ابھرنے والے سورج کے سچے ساتھی ہیں۔ دراصل اس کی روشنی میں ہمیں اپنا باطن صاف دکھائی دیتا ہے، خیر تم نے کبھی محبت کی ہے طلال؟''

جواباً طلال زور سے ہنس دیا اور قدرے تمسخرانہ انداز میں ابرو اچکاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟ میں نے کوئی لطیفہ تو نہیں سنایا ہے؟''

''نہیں، خیر لطیفہ تو نہیں سنایا۔ ویسے چرچا بہت سنا ہے اس کا فلموں، ناولوں میں۔ بائی دی وے یہ نامعقول سوال پوچھنے کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟''

''میں نے تم سے صرف سوال پوچھا تھا۔ اگر نہیں کی تو کہہ دو کہ نہیں۔''

''چلو اب کہہ دیتا ہوں کہ نہیں۔ میرے نزدیک یہ محض وقت، توانائی، جان اور دل کے لہو کا زیاں ہی ہے۔''

''یہ تو جانتے ہو نا کہ محبت میں دل کا لہو ہوتا ہے، توانائی اور جان خرچ ہوتی ہے۔'' مصطفیٰ خان بے ساختہ ہلکے سے ہنسا۔ ''اس کا مطلب یہ ہے کہ تم محبت کے لمس سے آشنا نہیں ہو مگر محبت کی خوبصورتیوں اور بدصورتیوں سے آگاہ ضرور ہو۔''

''اس سے کون آگاہ نہیں ہوتا۔ مشاہدہ بھی کوئی چیز ہے۔ ویسے تمہیں یہ اچانک ''محبت'' کے موضوع کو چھیڑنے کا خیال کیونکر آ گیا؟'' اس نے معنی خیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا

پھر یکدم خیال آنے پر اس کی طرف بیٹھے بیٹھے ہی گھوما۔

''اوہ، ہاں تم نے بتایا تو تھا کہ تم نے شادی کر لی تھی مگر وہ ناکام ہو گئی۔''

''اچھا، ناکام ہو گئی؟ یہ تو میں نے نہیں کہا تھا۔'' اس نے ابرو اچکا کر اسے گھورا۔

''تمہارا مسئلہ وہی ٹپیکل سا تو نہیں کہ محبت کسی اور سے کی اور شادی کہیں اور رچا لی۔'' و اس کے چہرے کے تاثرات کو بغور جانچتے ہوئے طنزیہ ہنسا اور ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

''عموماً یہی ہوتا ہے محبت کا انجام۔ ویسے طفیلی! تم نے محبت کب کی؟ میرا مطلب ہے جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے تم نے کالج لائف میں تو کوئی رومانس نہیں لڑایا تھا یا پھر مجھ سے چھپایا تھا۔'' اس نے آخری جملہ کہتے ہوئے براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''ہاں، چھپایا تھا۔'' اس نے بغیر حیل و حجت سر کو اثبات میں ہلا دیا۔

طلال کو جھٹکا لگا۔ اس کے ہونٹ سیٹی کے انداز میں سکڑ گئے مگر اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ بولا۔

''غیر یقینی خوشی اور لاحاصل خواہشات دل میں سمٹی رہیں تو اچھا ہوتا ہے طلال! ضروری تو نہیں ہے نا ہم جسے اپنے لئے چھاؤں سمجھتے ہوں، اس کے سائے میں آنا چاہتے ہوں، وہ درخت ہمارے لئے ہو، اس کی چھاؤں ہمارا مقدر ہو۔''

''طفیلی!'' طلال نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ جلدی سے بولا۔

''نہیں طلال! تم مجھ سے یہ نہیں پوچھو گے کہ وہ کون تھی، مجھے کہاں ملی تھی اور اب کہاں کھو گئی؟ جسے پایا ہی نہیں، اسے کھونا کیسا۔'' وہ زور سے ہنس پڑا۔

طلال کو اس کی ہنسی بڑی کھوکھلی سی لگی۔ اس کی سرمئی آنکھیں بھی اس ہنسی کا ساتھ نہ دے پا رہی تھیں۔

دونوں کے درمیان بڑی مضمحل خاموشی اتر آئی جس میں مصطفیٰ خان کا ذہن ماضی کے دھندلکوں میں بھٹکنے لگا تھا جبکہ طلال حیرت، دُکھ اور اضطراب سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ بہت کچھ کہنا چاہ رہا تھا، بہت سے سوال اس کے ذہن میں ریشمی کیڑوں کی طرح کلبلانے لگے تھے مگر اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس سے کیا پوچھے، کون سا سوال اٹھائے، کسے پہلے گرفت میں لائے، تاہم بہت دیر بعد وہ ایک ہلکی سی سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔

''کیا اسے پتہ تھا کہ تم اس سے اتنی شدید محبت کرتے ہو؟''

''شاید نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا اور حمزہ پر نظریں جما دیں۔ ''میں ڈرتا تھا اس کے ان چھوئے نازک دل میں یہ جذبے جگانے سے۔''

''کیوں، کیا اپنے جذبوں پر اعتماد نہیں تھا؟'' طلال نے اس کا چہرہ بغور دیکھا۔

''شاید یا پھر حالات پر نہیں تھا۔'' وہ سر کو ہلکی سی جنبش دے کر حمزہ کا اڑتا ہوا غبارہ پکڑ کر اسے ہوا میں اچھالنے لگا۔

''ہاں، تمہاری شاید ذات برادری کا چکر بھی تو ہے نا؟'' طلال نے متاسفانہ سانس بھری تو وہ غبارے کی ڈور کو ہلاتے ہوئے یکدم چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا پھر جانے کیا سوچ کر نگاہوں کا زاویہ بدل لیا اور غبارہ حمزہ کی طرف اچھال دیا۔

''ہو سکتا ہے میرے لاشعور میں یہ بات بھی ہو۔''

''پھر بھی طفیلی، تم نے کوشش تو کی ہوتی۔ مجھے تو کچھ بتایا ہوتا، میں آنٹی کو قائل کرنے کی کوشش کرتا۔'' طلال کو یکدم ملال اور دکھ نے گھیر لیا۔ وہ ہلکے سے ہنس دیا۔

''امی کو قائل کرنا کون سا مشکل تھا۔ یہ کام تو میں بھی کر سکتا تھا با آسانی۔''

''تو پھر؟'' وہ الجھ کر اسے دیکھنے لگا۔

''بات یہ ہے طلال کہ میں ایسا نہیں کر سکتا تھا، اس کے پیچھے بہت بڑی اور ٹھوس وجہ تھی میرے چچا کی بیٹی ذیشانہ۔'' یہ کہہ کر اس نے ایک پل کا توقف کیا پھر تنے سے ٹیک لگا کر گھاس کے تنکے کو انگلی میں گھماتے ہوئے اس پر نظریں یوں مرکوز کر دیں گویا اس میں ماضی کی وہ کہانی اسے دکھائی دے رہی ہو۔

طلال نے اس کی خاموشی کے اس وقفے کو توڑا نہیں۔ وہ شاید الفاظ ڈھونڈ رہا تھا یا کوئی سرا جسے پکڑ کر وہ اپنے حالات اس کے سامنے پیش کر سکے۔

''تم تو جانتے ہو طلال! میرے باپ کے انتقال کے بعد میرے چھوٹے چچا سے میری ماں کا عقد ہو گیا تھا جبکہ چچا کی منگنی کہیں اور ہو چکی تھی اور وہ اپنی منگیتر سے محبت کرتے تھے۔ مگر آغا جان کے دباؤ اور کچھ ان کی فصیح و بلیغ تبلیغ نے اثر کیا کہ وہ اپنی منگیتر سے دستبردار ہو کر بیوہ بھابی اور یتیم بھتیجے کا سہارا بننے پر رضامند ہو گئے۔ قدم قدم پر آغا جان نے ہمیں سپورٹ کیا اور خود چچا نے بھی مجھے اور امی کو کبھی محرومی کا احساس نہ ہونے دیا۔ میں فرسٹ ایئر میں تھا جب ان کا بلڈ کینسر سے انتقال ہو گیا۔ پتہ نہیں امی کی آزمائش تھی یا چچا ہی آزمائش سے آزاد ہو گئے تھے۔ اس کے بعد آغا جان نے ہمارا بڑا خیال رکھا۔ پیسے کی فراوانی تھی۔ میرے سگے باپ کا حصہ تھا۔ پھر چچا کا حصہ بھی تھا، یوں ہمیں معاشی طور پر کوئی مسائل نہ تھے۔ بڑی سی کوٹھی میں محبتوں کی بھی کمی نہ تھی۔ آغا جی کے انتقال کے بعد آغا جان ہی سربراہ تھے۔ وہی ہماری روایتوں کو زندہ رکھے ہوئے تھے۔ بظاہر لوگ ہماری روایتوں کو تنگ

نظری سے دیکھتے ہیں مگر طلال یہی روایتیں تو میری امی کو عین جوانی میں بیوگی کی مشقتوں سے محفوظ کر گئیں اور انہیں ایک سائبان مل گیا جس میں انہوں نے بقیہ عمر آسودگی سے بسر کی۔ میں ہاؤس جاب کر رہا تھا تو یاد ہو گا تمہیں، امی کا ایک خط آیا تھا، انہوں نے مجھے بلوا تھا، میں چلا گیا تھا۔“

طلال نے اس کی گفتگو کا تسلسل توڑنے کی بجائے صرف اثبات میں سر ہلایا۔

”امی نے میری نسبت آکا جان کی بیٹی ذیشانہ سے طے کر دی تھی جسے تھیلیسیمیا تھا۔ آ[illegible] جان کو اپنی بیٹی کی بیماری کا روگ لگا ہوا تھا۔ جب میں مردان پہنچا تو میری منگنی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ امی نے آکا جان سے جھوٹ بول دیا تھا کہ مصطفیٰ اس رشتے پر راضی ہے بلکہ خو[illegible] اس کی خواہش بھی یہی ہے۔ مجھ پر یہ خبر کسی شاک کی طرح گزری تھی۔ میرے اندر کا خو[illegible] غرض مرد چلا اٹھا۔ ظاہر ہے میں ایک بیمار لڑکی کو جیون ساتھی کیونکر بناتا جبکہ میرا دل پہلے [illegible] کسی اور کا اسیر ہو گیا تھا۔ مگر امی نے مجھے بہت لعن طعن کیا۔ مجھے خود غرض، مطلب پرست اور طوطا چشم کہا۔ مجھے آئینہ دکھایا۔ مجھے احساس دلایا کہ اس خاندان نے کس طرح ان [illegible] بیوگی کی دھوپ میں سائے بکھیرے۔

کیا تمہارے چچا جوان نہیں تھے، ان کے جذبات اور خواہشات نہیں تھیں؟ انہوں [illegible] اپنی خواہشات اور جذبات کو کچل کر ایک بیوہ کو سہارا نہیں دیا؟ اس وقت اگر وہ تمہاری طر[illegible] اپنے جذبوں اور دل کے غلام ہوتے اور خود غرضانہ انداز میں سوچتے تو آج تم اپنے پاؤں [illegible] نہ کھڑے ہوتے۔ تم ایک باپ کی محبت کے ترسے ہوئے محروم بچے ہوتے۔ طفی! اگر مجھ[illegible] چھوٹا نہ ہوتا تو میں ضرور ذیشانہ کو اس سے بیاہ دیتی، تمہاری منتیں نہ کرتی پھرتی۔

وہ بہت روئیں۔ وہ رات میرے لئے بہت بھاری تھی۔ ایک طرف دل تھا، اس [illegible] خواہشات، اس کی من مانیاں تھیں، دوسری طرف امی کے آنسو تھے، امی کی تمنا تھی، آکا جا[illegible] کے احسانات تھے۔ یوں میں نے جذبات کی لو نیچے کر لی، خواہشات کا گلا گھونٹ ڈالا اور ا[illegible] کے آنسو پونچھ لئے۔ میں نے اپنی رضامندی کے ساتھ یہ فیصلہ بھی دے دیا کہ منگنی [illegible] بجائے شادی ہو گی۔ میں شاید خوفزدہ تھا اپنے اندر کی آوازوں سے جو مجھے بہکا رہی تھیں بھٹکا رہی تھیں، مجھے خود غرض بنا رہی تھیں۔ میں ان کا ہر راستہ کاٹ دینا چاہتا تھا، ہر کشتی [illegible] دینا چاہتا تھا اور یوں میں پلٹ کر پھر آیا ہی نہیں۔ وہ راستے میرے لئے ایک اذیت آمیز [illegible] بن کر رہ گئے تھے۔ میں ذیشانہ کو لے کر باہر چلا گیا، اس کا علاج کرایا مگر تین سال کے بع[illegible] وہ مجھے داغ مفارقت دے گئی۔ وہ بہت سادہ دل، معصوم اور محبت کرنے والی لڑکی تھی۔ ا[illegible]

اس کی [illegible] نے بہت حساس بنا دیا تھا۔ وہ مجھ سے محبت کرنے کی بجائے میری احسان مند رہنے لگی تھی۔ میری توجہ اور محبت کو ہمدردی سمجھ کر بہت اداس رہتی تھی۔ اس کی ڈیتھ کے بعد میں حقیقتاً بہت بری طرح ٹوٹ گیا، میں عادی سا ہو گیا تھا شاید اس کا۔ اس کے بعد میرا دل ہر شے سے اچاٹ ہو گیا۔ امی کے خط آتے رہتے۔ وہ مجھے رو رو کر واپس بلاتیں۔

میں نے تمہیں آخری خط لکھا تھا نا کہ میں باہر جا رہا ہوں اور تم نے مجھے لمبا چوڑا خط لکھ کر خوب سنائی تھیں حالانکہ اس وقت میں باہر نہیں گیا تھا، چھ ماہ بعد گیا تھا۔ پھر تمہارے نام میں نے بہت سے خطوط لکھے مگر کبھی پوسٹ نہیں کئے۔ کئی بار سکندر ولا کے نمبر ملائے مگر تم سے بات کئے بغیر لائن ڈس کنکٹ کر دی۔ میری حالت عجیب دیوانوں کی سی ہو گئی تھی۔ مگر کہتے ہیں نا کہ وقت خود مرہم ہے۔ وہ آہستہ آہستہ ہمارے زخموں کو مندمل کر دیتا ہے اور ان پر کھرنڈ لے آتا ہے۔ یوں میں بھی سنبھلنے لگا۔ سال بھر پہلے مردان لوٹا، میری واپسی کی سب کو ہی خوشی تھی۔ امی کی ساری خفگی بھی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ وہ مجھے بیتے روز و شب کا احوال سناتی رہتیں۔ تمہارے کتنے فون آئے، اس کا بتایا اور یہ بھی کہا کہ میری تاکید پر انہوں نے تم پر کچھ بھی آشکار نہیں کیا تھا۔ میں مردان آ کر امی کی ممتا سے لبریز گود میں سر رکھ کر بہت رویا۔ پتہ نہیں کہاں سے اتنا دریا میرے اندر اتر آیا تھا۔ حالانکہ مجھے روتے ہوئے مرد بہت کمزور اور فضول سے لگتے ہیں۔ مگر جب میں رویا تب مجھے احساس ہوا کہ مرد بھی رو سکتے ہیں اور انہیں بھی رونے کا حق ملنا چاہئے۔ مگر خدا کے آگے اور صرف ماں کی گود میں سر ڈال کر۔ طلال! امی کی گود نے مجھے پھر وہی ناسمجھ بچہ بنا ڈالا تھا۔“

وہ ہنس رہا تھا، جبکہ طلال اسے رنج کی کیفیت میں دیکھ رہا تھا۔ پھر بے اختیار اس سے لپٹ گیا۔ اس کے اندر سے امڈتا ہوا حزن اسے پوری فضا پر پھیلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے مضبوط بازوؤں میں اس کا مضبوط جسم دیر تک پیوست رہا۔ یہ چند لمحے دونوں کے ایک ہی کیفیت میں گزرے۔ طلال کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کے غم کا کیا علاج کرے، اس کی خوشی کے لئے کیا تدبیر کرے۔ مگر جلد ہی اسے اپنی بے بسی اور لاچاری کا احساس ہوا تو اس کے بازوؤں کی گرفت خود بخود ڈھیلی پڑ گئی۔ بس اس کی کمر پر ہلکی سی تھپکی دی جیسے اتنا ہی اس کے اختیار میں تھا۔

”اگر تم مجھے یہ سب پہلے بتا دیتے تو میں تمہیں باہر کبھی نہ جانے دیتا۔ باہر کا رخ کمزور اعصاب کے لوگ کرتے ہیں۔ تم تو بہت بہادر تھے طفی!“

”میرا بھی یہی خیال تھا۔ مگر پتہ نہیں کیوں میں نے فرار کا سوچ لیا۔“ اس نے ایک

افسردہ سی سانس بھر کر تائیدی انداز میں سر ہلایا۔ پھر متاسفانہ لہجے میں بولا۔ ''مجھے اس ... شا
تمام عمر افسوس رہے گا۔''
''خیر، ان سب باتوں کو بھول جاؤ۔ یہ بتاؤ کہ وہ لڑکی اب کہاں ہے؟ اس کا اتہ پتہ ہے
تمہارے پاس؟'' طلال نے پُرخیال انداز میں اسے دیکھا مگر وہ نظروں کا زاویہ سرعت سے
بدل گیا اور ہلکے سے ہنس دیا۔
''تمہارا کیا خیال ہے، وہ اب تک میرے انتظار میں بیٹھی ہو گی؟ جبکہ میں نے اس سے
کبھی عہد و پیمان نہیں باندھے۔'' وہ کپڑے جھاڑتا ہوا کھڑا ہو گیا اور حمزہ کو جھک کر گود میں
اٹھاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ ''یوں بھی اس کی شادی ہو چکی ہے۔''
''اوہ.....'' طلال بے ساختہ ہی ایک افسردہ سانس بھر کر رہ گیا۔ ملال کی عجیب سی کیفیت
میں وہ کتنی ہی دیر گرفتار رہا۔
''حمزہ! یہ تمہارے ماموں حضرت ہیں نا، بہت جھکی انسان ہیں۔ خود تو شادی کرتے نہیں
ہیں اور میرے سر پر سہرا سجانے نکلے ہیں۔'' وہ حمزہ کو ہوا میں اچھالتے ہوئے اس کی طرف
دیکھ کر ہنسنے لگا۔
''اس میں جھکی پن کی کیا بات ہے، شادی تو تمہیں بہرحال کرنی ہے۔ سوچا یہ نیک کا
میرے ہاتھوں ہی انجام پا جائے۔''
''جی ہاں، ساری نیکیاں تم اپنے ہی کھاتے میں ڈلوا لو اور ہمیں تو موقع ہی نہ دو۔ و
یار تم کس کے روگ میں ابھی تک کنوارے بیٹھے ہو؟''
''کوئی روگ شوگ نہیں ہے۔ کم از کم تمہارے جیسی دل گداز داستان نہیں ہے میری۔''
''چلو دل گداز نہ سہی، دل آویز داستان ہی سہی۔ بقول شاعر۔

کسی طرح تو جمے بزم میکدے والو
نہیں جو بادہ و ساغر تو ہاؤ ہو ہی سہی

طلال اسے دیکھ کر رہ گیا۔ کتنی جلدی وہ اپنے غموں کو اپنے اندر سمیٹ کر، اس پر نقا
ڈال کر، ہنسنے اور ہنسانے کا فن جانتا تھا۔ کتنا بڑا فنکار تھا یہ مصطفیٰ خان بھی۔
''ایک ذاتی سا سوال پوچھوں طلال؟'' وہ حمزہ کو گود سے اتار کر اس کے نزدیک چلا آ
''گو کہ مجھے تمہاری فیملی کے کسی بھی معاملے میں مداخلت کا حق تو نہیں ہے مگر.....'' اس
ایک ہچکچاہٹ آمیز نظر اس پر ڈالی پھر دھیرے سے بولا۔ ''کیا سیف الرحمٰن اور لالہ رخ
درمیان کوئی رنجش ہے؟ سوری...... میں معذرت خواہ ہوں مگر بس یہ سوچ کر پوچھ لیا کہ

ان دونوں کے کسی بھی غلط فیصلے سے متاثر ہو سکتا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے نظریں حمزہ پر
جما دیں اور اسے محبت پاش نظروں سے اس طرح دیکھنے لگا جیسے اس کے بس میں ہو تو وہ اس
کی جھولی سے ساری محرومیاں سمیٹ کر ڈھیر ساری خوشیاں اور ساری محبت ڈال دے۔
طلال نے اس کی آنکھوں میں حمزہ کے لئے پہلے دن سے یہ جذبہ محسوس کر لیا تھا مگر وہ
اس حد تک اس بچے سے اٹیچ ہو جائے گا اس پر اسے حیرت تھی۔ اس کی نگاہوں کے تعاقب
میں اس کی نظریں بھی حمزہ پر جا کر ٹھہر گئیں۔
''فیصلے انسان کے اپنے ہاتھ میں کب ہوتے ہیں۔ یہ تو تقدیر کی نوشت ہے، اس پر
ہماری طاقت کا کوئی زور نہیں چلتا۔''
مصطفیٰ خان نے استفہامیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔ ''میں سمجھا نہیں؟''
''لالی کو طلاق ہو چکی ہے۔'' اس نے ایک گہری سی سانس کے ساتھ کہا۔
مصطفیٰ خان پر گویا حیرت اور صدمے کا پہاڑ ٹوٹ گیا جس نے اس کے اعصاب کو گنگ
کر دیا۔ تڑپ کر اس نے کچھ کہنا چاہا مگر لب کچھ کہنے کی خواہش میں صرف کھل کر رہ گئے۔
وہ طلال کو یوں دیکھنے لگا جیسے وہ اسے کسی ناقابل تلافی نقصان کی خبر سنا رہا ہو یا اسے کسی
ادق زبان میں کوئی ناقابل فہم بات سنا رہا ہو۔
وہ جو خود لالہ رخ کے نازک دل کو چھونے، اس میں جذبے جگانے سے اس لئے خوفزدہ
تھا کہ کوئی رنج، کوئی غم اور کوئی دُکھ انجانے میں اس کی جھولی میں نہ آ گرے، اس کے لبوں
کی یہ دیو مالائی ہنسی چھن نہ جائے، اس کی آنکھوں کے چمکتے جگنو اندھیرے کا حصہ نہ بن
جائیں۔ مگر وہ تو اذیت اور ناقابل تلافی نقصان کا ایک اندوہناک سفر طے کر رہی تھی۔
اس کی مسکراہٹ نوچ لی گئی تھی۔
اس کی آنکھوں کے چمکتے جگنو ایک مرد کے ظالمانہ فیصلے نے تاریک کر دیئے تھے۔
اسے اپنی کنپٹیاں سلگتی محسوس ہونے لگیں۔ خون رگوں سے گزرنے کی بجائے کرب کی
تہہ سے گزر کر دل پر آتا محسوس ہونے لگا۔
''میں یہاں ہوتا تو شاید ایسا کبھی نہ ہونے دیتا۔'' اس نے جنگلے کی مضبوط باڑھ پر دونوں
ہتھیلیاں جما کر اذیت کے عالم میں ایک پل کو آنکھیں موند لیں۔ طلال نے خاصی حیرت
سے اس کی حیرت اور صدمے کی اس کیفیت کو محسوس کیا۔
''مثلاً کیا کر سکتے تھے تم؟'' اس نے خاصی ٹٹولتی نظروں سے اسے دیکھا تو وہ یکدم اس
کیفیت سے نکلتے ہوئے سر کو خفیف سا جھٹک کر ہنسا۔

''ہاں، بھلا میں کیا کر لیتا۔ کتنا عرصہ ہو گیا ہے اس بات کو؟''

''تین سال۔''

''وہاٹ؟'' اس نے بے اختیار دکھ کے احساس کے ساتھ حمزہ کی طرف دیکھا۔

''ہاں، حمزہ صرف سال بھر کا ہی تھا۔'' طلال نے مضمحل سی سانس فضا کے سپرد کر۔ ہوئے حمزہ پر ایک نظر ڈالی پھر گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

''مائی گاڈ۔'' وہ چلتا ہوا حمزہ کے پاس آ رکا۔

''انکل، انکل میرا بلون اڑ گیا۔ وہ دیکھیں۔'' وہ بسورتے ہوئے ہوا کے دوش پر اوپر ا بلون کو بڑی اداسی سے دیکھتے ہوئے اسے بھی متوجہ کرنے لگا۔ اس نے بڑی نرمی سے ا کے چہرے پر انگلیاں پھیریں پھر جھک کر اسے گود میں اٹھا لیا۔

''کوئی بات نہیں پارٹنر۔ بلون اڑنے کی چیز ہے، اسے اڑنے دو۔ ہم تمہیں ایسی چ دیں گے جو تمہارے ہاتھ سے کبھی نہیں اڑے گی۔'' مصطفیٰ خان اسے گاڑی کی پچھلی نش پر بٹھاتے ہوئے چمکارا۔

''مثلاً؟'' طلال نے ابرو اچکا کر یونہی ازراہ مذاق اسے چھیڑا تو اس نے بڑی سنجیدگی اس کی طرف دیکھا اور فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اگنیشن میں چابی لگاتے ہوئے بلا تامل بو

''خوشیاں۔''

''جس سے تم تاحال محروم ہو۔'' وہ بے ساختہ ہنسا تھا۔

''تم طنز کرنے میں حق بجانب ہو۔ واقعی جو خود محروم ہو، اسے ایسی باتیں کہنی تو کیا سو بھی نہیں چاہئیں۔'' وہ اس کی ہنسی کا برا ماننے کی بجائے بڑی سنجیدگی سے تائیدی انداز میں ہلانے لگا۔

''نہیں، خیر میری ہنسی کا مقصد تمہارا مذاق اڑانا نہیں ہے۔ یہ تو یونہی لبوں پر بکھر آئی۔'' جلدی سے بولا۔ پھر اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور بڑی خاموشی سے ڈرائیونگ کرتا ر طلال کو اس کی یہ خاموشی بڑی تعجب خیز لگی۔ حالانکہ اس نے کوئی بہت زیادہ درد بھری دا نہیں سنائی تھی۔ اس طرح کے واقعات عموماً ہر دوسرے تیسرے گھر میں ہوتے رہتے ہ عورت ذات کے ساتھ اس طرح کے عبرت آموز واقعات تو ہوتے رہتے ہیں مگر اس محسوس کیا وہ حد سے زیادہ سنجیدہ ہو گیا تھا جیسے لالہ رخ کے اس دُکھ سے اس کا براہِ را کوئی تعلق ہو۔

اچانک اپنے خیالات سے نکلتے ہوئے سگنل پر گاڑی روک کر وہ اس کی طرف

کرتے ہوئے بولا۔ ''ایسا لگتا ہے طلال، جیسے غم اور خوشی ایک ساتھ گلے مل رہے ہوں۔ امید اور ناامیدی ایک دوسرے سے ہم آغوش ہو گئی ہوں۔'' پھر ایک ہلکی سی سانس خارج کرتے ہوئے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''کبھی کبھی ہمارا غم ہی ہمارا تریاق بن جاتا ہے۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ کبھی کوئی غم ہمیں مسرت سے ہمکنار کر دیتا ہے، ہمارا ظاہر رو رہا ہوتا ہے مگر قلب ان آنسوؤں سے ایک نئی مسرت کشید کر رہا ہوتا ہے۔''

طلال کی حیرت میں یقینی اضافہ ہو رہا تھا، وہ اسے اُلجھی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ گاہے بگاہے ونڈ مرر سے پچھلی سیٹ پر بیٹھے حمزہ کو دیکھ رہا تھا جیسے بہت بے کل ہو اور پلٹ کر اسے خود میں بھر لینا چاہتا ہو۔

یہ کون سا جذبہ تھا جو اسے اتنا حزیں اور مضطرب کر رہا تھا؟

وہ یکدم ایک گہری سانس بھر کر سر جھٹک کر ہنس دیا۔

''انسان کبھی کبھی بڑا خود غرض ہو جاتا ہے۔ خود غرضانہ انداز میں سوچنے لگتا ہے۔ خیر۔'' اس نے آہستگی سے اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارے اور اس کی طرف دیکھا۔

''کیا خیال ہے، گھر چلا جائے؟''

''شکر کہ تم نے یہ تو پوچھا۔ ورنہ میرا تو خیال تھا تم آج دن بھر مجھے یونہی سڑکوں کی سیر کراتے رہو گے۔'' اس نے کچھ اس طرح تشکر آمیز انداز میں سانس بھری کہ وہ اسے گھور کر رہ گیا۔

''طفی! اس بار میں بھی تمہارے ساتھ مردان جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ امی سے ملنے کی بہت خواہش ہو رہی ہے۔'' چند لمحے توقف کے بعد طلال نے کہا تو اس نے خوشگوار حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''خیریت؟''

''ہاں، خیریت ہی ہے۔ بس شکوے کرنے ہیں ان سے۔'' اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

''امی خود بھی تمہیں بہت یاد کرتی رہتی ہیں۔ اوہ ہاں......'' اچانک وہ کسی خیال سے چونکا، پھر بے اختیار سر پر ہاتھ پھیرا۔ ''انہوں نے بہت سے گفٹ بھی بھیجے ہیں تمہارے لئے۔ دیکھو کتنا بھلکو ہوں میں بھی۔''

''تھے نہیں، ہو گئے ہو۔'' اس نے جیسے تصحیح کی تو ایک ٹھنڈی سانس مصطفیٰ خان کے سرخ ہونٹوں کے درمیان سے نکل گئی۔

"کچھ غلط کہا؟" اس نے بے ساختہ امڈنے والی مسکراہٹ دبائی۔

"نہیں، بالکل بھی نہیں۔ تم کبھی غلط کچھ کہہ سکتے ہو؟" اس کے انداز پر وہ اپنا قہقہہ روک سکا۔

"خیر یہ مذاق کی بات چھوڑو، میرے ساتھ مردان چلنے پر سیریس ہو نا؟ خرم اور عادل بھ کہہ رہے تھے۔ یہ لوگ بھی آج کل فارغ ہیں۔ ان کا پروگرام ہے شمالی علاقہ جات دیکھ کا۔ تمہارا کیا خیال ہے، ہو جائے پھر پکا؟"

"ہوں، خیال تو برا نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ دل بھی کچھ تبدیلی چاہتا ہے۔" اس نے مصط خان کی بات سے متفق ہوتے ہوئے سر ہلایا۔

"خیر اگر چاہو تو تبدیلی یہاں بھی آ سکتی ہے۔" وہ گاڑی شفاف، کشادہ گلی میں ڈا ہوئے اس کی سمت ذرا سا جھکا اور خاصی معنی خیز قسم کی سانس بھری۔

"بس، بس۔ یہیں ذرا روک دو گاڑی، میں اتر جاؤں۔" اس کی اس معنی خیز سانس ا جملے کو قطعی نظر انداز کرتے ہوئے اس نے جلدی سے گاڑی ایک بنگلے کے قریب روکنے اشارہ کیا۔

مصطفیٰ خان نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"ذرا باقر صاحب کی خیر خیریت پوچھ لوں۔ فالج کا اٹیک ہوا تھا، بڑا زبردست انہیں پرسوں ہاسپٹل سے تو فارغ ہو گئے تھے مگر کچھ بہتر لگتی نہیں ہے ان کی طبیعت۔" وہ محلے ایک بزرگ کے بارے میں بتا رہا تھا جن کا بنگلہ سکندر ولا سے دو گھر چھوڑ کر ہی تھا۔

"تم چلو میں آتا ہوں۔" وہ گاڑی سے اتر گیا، جبکہ اس نے گاڑی سکندر ولا میں ہی کر روکی تھی تو لالہ رخ حواس باختہ دوڑی چلی آئی۔

"اوہ تھینکس گاڈ۔" وہ حمزہ کو دیکھ کر ایک پُرسکون سی سانس کھینچ کر ذرا سا رُکی پھر دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی اس تک آئی۔

"اتنی دیر لگا دی آپ نے، میں تو ڈر ہی گئی تھی۔ بہت تنگ کیا ہو گا اس نے آپ کو بڑے بے تابانہ انداز میں اس نے حمزہ کو اس کی گود سے لے کر اپنے سینے سے بھینچ لیا۔

"آئی ایم سوری۔ مجھے خیال ہی نہیں رہا کہ آپ پریشان ہو سکتی ہیں۔" وہ اس کی پریشا محسوس کر کے نادم سا ہو گیا۔ "دراصل طلال کے ہاسپٹل چلا گیا تھا۔"

"نہیں، خیر اتنی زیادہ پریشان تو نہیں تھی۔ مگر یہ سوچ رہی تھی کہ راستے بھر یہ آپ کو تنگ کرتا رہے گا۔" وہ یہ کہہ کر جانے کو پلٹی تو اس نے جلدی سے اسے روکا اور سنہری کاغذ

لپٹا ہوا پان اس کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ آپ کے لئے۔ یونہی پرانے راستوں سے گزرا تو اس مخصوص پان شاپ پر رک گیا اور بے ارادہ پان لے لیا۔"

وہ ایک لمحے کو گنگ سی رہ گئی۔ اس کے چہرے کے تاثرات میں ہلکا سا کھنچاؤ آ گیا پھر قدرے برا مان کر بولی۔ "سوری، میں پان نہیں کھاتی۔"

"مجھے پتہ ہے۔ مگر کبھی کبھی کھا لینے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ خاص کر جب کوئی اتنی محبت سے پیش کرے۔" اس نے بڑے اطمینان سے یہ کہتے ہوئے اس پر ایک بھرپور نگاہ ڈالی اور بڑے بڑے قدم اٹھاتا روش سے گزر کر جالی کا دروازہ کھول کر اندر گم ہو گیا۔

لالہ رخ کے آگے گویا پوری کائنات گھوم گئی۔

☆

اُس نے حمزہ کو گود سے اتارا اور پان کو غصے کی پوری شدت کے ساتھ مٹھی میں دبایا
داخلی دروازہ دھکیل کر اندر چلی آئی۔ ارادہ تو اس کا یہی تھا کہ وہ یہ پان جا کر اس کے منہ
مارے گی مگر لونگ روم میں اسے پوری شان سے خرم، عادل اور جاذب کے ساتھ بیٹھے دیکھ
غصہ اندر ہی اندر دبانے پر مجبور ہو گئی۔

''پلیز چائے مل جائے گی؟'' وہ پلٹنے لگی تو مصطفیٰ خان کی آواز ابھری۔ حالانکہ اس
خوشنما آنکھوں میں بھرا غصہ اور ناگواری کا تاثر وہ دیکھ چکا تھا، تاہم انجان بن کر نہا
عاجزانہ انداز میں بولا تھا جیسے وہ یہاں آئی ہی یہ میزبانی نبھانے کو تھی۔

''ہاں لالی! چائے کی شدید طلب ہو رہی ہے مجھے بھی۔'' طلال بھی لونگ روم میں دا
ہوتے ہوئے بولا تو اس کے لبوں پر انکار کی صورت میں نکلنے والا لاوا دوبارہ اندر ہی ا
گیا۔ لامحالہ اسے سر ہلانا پڑا۔

مصطفیٰ خان نے دزدیدہ نگاہوں سے اسے جاتے دیکھا اور دل ہی دل میں مسکرا
ہوئے خرم کی طرف رخ کرتے ہوئے بولا۔ ''تو پھر میری طرف سے تم سب کی دعوت
ہے۔ کب آ رہے ہو مردان؟''

''ضرور، ضرور۔ مگر پہلے آپ ملتان تو دیکھ لیجئے۔ جلدی کس بات کی ہے۔'' خرم ہنسا۔

''ملتان میرا اپنا شہر ہے بلکہ میرا محبوب شہر ہے۔ اس کے چپے چپے سے میں وا
ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے طلال کی طرف دیکھا اور اس کی معنی خیز مسکراہٹ پر کھ
ہنس دیا۔ ''طلال کی وجہ سے تو میں نے ملتان میں اتنے سال گزار دیئے۔ اس کی رفاقت
ہوتی تو شاید میں میڈیکل کا پہلا سال گزار کر ہی فرار ہو چکا ہوتا۔''

''کیوں، طلال نے آپ کو پلو سے باندھ رکھا تھا؟'' خرم کے اس بے ساختہ جملے پر
کے قہقہے ابل پڑے۔

''یہی سمجھ لو۔'' اس نے اپنا قہقہہ سمیٹ کر بڑی معنی خیزی سے ہلکے سے ہنکارا بھرا تھا
''کیوں میری جنس مشکوک کرنے پر تلے ہوئے ہو۔'' طلال نے میگزین رول کر

ہوئے خرم کو گھورا، پھر رول کئے میگزین پر ٹھوڑی ٹکاتے ہوئے ہلکی سی سانس بھری۔ ''ناحق ہم
مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی۔ بات یہ ہے خرم کہ یہ میرے کندھے پر بندوق رکھ رہا
ہے۔'' وہ مصطفیٰ خان کی تنبیہی نظروں کو نظرانداز کرتے ہوئے بولا تو اس نے بھنا کر ایش
ٹرے اٹھا کر اس کی طرف اچھال دی۔

''اوئے ہوئے، اس کا مطلب ہے دنیا کسی کے پیار میں جنت سے کم نہیں بلکہ ملتان کسی
کے پیار میں جنت سے کم نہیں۔'' خرم کی آنکھوں میں چمک لہرا گئی۔ جاذب میگزین رکھ کر
اس طرف متوجہ ہو گئے۔

''بکواس کر رہا ہے یہ۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' مصطفیٰ خان یکدم سنجیدگی سے سر نفی
میں ہلا کر اس بات کی پُرزور تردید کرنے لگا۔ طلال کے چہرے پر معنی خیز قسم کی دبی دبی
مسکراہٹ تھی۔

''یہ بتاؤ کہ تم سب نے مل کر اس کے نکیل کیوں نہیں ڈالی؟ یہ کیوں شتر بے مہار گھوم رہا
ہے اب تک۔ میرے اندازے کے مطابق تو اسے کم از کم دو بچوں کا باپ ہونا چاہئے تھا۔''
اس نے شرارت کے ساتھ موضوع کا رخ اسی کی طرف کر دیا۔ خرم اور جاذب نے بیک وقت
ٹھنڈی سانسیں بھری تھیں۔

''اگر یہ کام کر دو تو ہم تمہیں دعائیں دیں گے۔''

''اچھا یہ بات ہے۔'' جاذب کی اس بات پر اس نے پُرجوش انداز میں طلال کی طرف
بیٹھے بیٹھے رخ کیا۔

''بلکہ آپ کو ہی نہیں، آپ کی سات پشتوں کو دعائیں ملیں گی۔'' خرم نے مزید کہا۔

''بکواس مت کرو خرم۔ اس فضول ٹاپک کے سوا تم لوگوں کے پاس کوئی اور ٹاپک نہیں
ہے کیا؟'' اس نے میگزین ایک طرف پٹخا اور سخت برہمی سے خرم کو دیکھا۔

مصطفیٰ خان نے حیرت آمیز انداز میں اس کے چہرے پر جھلکنے والی سرخی کو دیکھا پھر ہلکی
ہنسی کے ساتھ بولا۔ ''مسٹر! یہ ٹاپک تو اب روز ہی چھیڑیں گے۔ بقول شاعر۔

''لائیں گے تمہیں راہ پر اب اور طرح سے''

ادھر لونگ روم سے آتی آوازوں پر لالہ رخ ایک یاسیت کا شکار ہو گئی۔ اس نے بڑی سی
شیشے والی کھڑکی سے طلال کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیا جہاں ہلکی ہلکی غصے کی سرخی
اب تک بکھری ہوئی تھی۔ وہ ان کی شرارتوں پر خفا ہو رہا تھا۔

ایک افسردگی سی اس کی روح پر ٹپکنے لگی۔ وہ فریج سے دودھ کا پاٹ نکال کر کچن کی طرف

آتے ہوئے سوچنے لگی کہ ''کاش مصطفیٰ خان ہی اس پتھر میں دراڑ ڈال دے تو وہ عمر بھر ا
کا احسان نہ بھولے گی۔''

''ہیلو، ہیلو، کیا ہو رہا ہے؟'' روشانہ نے کچن میں جھانکا تو وہ چائے سے اٹھنے والی بھا
کو تکتے تکتے پلٹی پھر روشانہ کو اسی بے خیالی میں تکنے لگی۔

نیلے رنگ کے سفید کڑھائی والے جدید تراش کے سوٹ میں وہ نکھری نکھری بے حد د
لگ رہی تھی۔ ہاف سلیوز کی شرٹ میں اس کے خوشنما ہاتھ اور سڈول کلائی میں چمکتا گول
نازک کنگن بہت جچ رہا تھا۔ اس کی جائزہ لیتی خاموش نظروں پر وہ سٹپٹا گئی۔

''کیا ہوا لالی؟'' اس نے پلکیں جھپک کر خود پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی، پھر انہیں دیکھا
وہ اس کی گھبراہٹ پر مسکرا دیں۔

''کہاں تھیں تم۔ نظر ہی نہیں آئیں مجھے صبح سے۔'' وہ برنر آہستہ کرتے ہوئے چائے
مگ ٹرے میں سیٹ کرنے لگی۔ ''خرم کے کمپیوٹر پر بیٹھی ہو گی۔ ہے نا؟''

''جی، بالکل ٹھیک۔'' وہ ہنسی تو لالہ رخ نے اس کے چمکتے رخساروں پر ایک پیار بھری
ڈالی اور چائے مگوں میں بھر کر صغریٰ کے ہاتھوں لونگ روم میں بھیج دیا اور خود روشانہ کا ہا
تھام کر ڈائننگ روم میں چلی آئی۔

''تم سے مجھے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔''

''زہے نصیب۔'' روشانہ نے شرارتی انداز میں سر خم کیا۔ ''ویسے باتیں تو میرا بھی آ
سے ڈھیر ساری کرنے کو جی کرتا ہے مگر آپ تو سارا سارا دن خود کو کاموں میں الجھائے ر
ہیں۔''

''ارے اچھا۔'' انہوں نے چونک کر حیرت کا اظہار کیا پھر مسکرا دیں۔ ''تم نے شکوہ
نہیں کیا کبھی۔ چلو آج فرصت ملی ہے، خوب گلے شکوے کر لیں۔ جی بھر کر باتیں کر لیں
خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔''

وہ صوفے پر آ کر بیٹھ گئیں۔ لالہ رخ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس کی سبک
انگلیوں کو سہلاتے ہوئے بولی۔

''روشی! تمہیں طلال کیسا لگا؟'' اس نے بالکل اچانک پوچھا۔ روشانہ کی نظریں یکلخ
جھک گئیں۔

''دیکھو نا، کمال بھائی تو تمہیں اچھے لگتے ہی ہوں گے چونکہ وہ تمہاری عزیز پھوپھی
میاں ٹھہرے، مگر طلال کیسا لگا؟ تمہاری کیا رائے ہے اس کے بارے میں؟''

''میں سمجھی نہیں؟'' وہ پھیکی سی ہنسی ہنس پڑی۔ ''بھلا میں کسی کے بارے میں کیونکر رائے
دینے لگی۔''

''اگر کوئی مانگے تو دینے میں حرج بھی نہیں ہے۔'' وہ مسکرانے لگی جبکہ روشانہ کو لگ رہا تھا
وہ اس کے دل پر ہلکے ہلکے انگلیاں مار رہی ہو جیسے مضراب نے سازوں کو چھیڑ دیا ہو۔ ایک
اضطراب سمٹ آیا اس کے اندر۔

''دیکھنے میں تو اچھے ہی لگتے ہیں۔'' اس کا انداز تجاہل عارفانہ والا تھا۔ لالہ رخ بے
ساختہ ہنس پڑی اور اس کی جھولتی لٹ کو کھینچتے ہوئے بولی۔

''دیکھنے کے ہی نہیں، ویسے بھی بہت اچھا ہے۔ ہاں ذرا کم سخن ہے۔ ہو سکتا ہے اس لئے
تم اسے صحیح طور پر جان نہ پا رہی ہو۔''

''بھلا مجھے کیا ضرورت پڑی ہے انہیں جاننے کی؟'' وہ اس کی نظروں سے الجھ رہی تھی۔

''اگر کبھی ضرورت پڑ گئی پھر؟''

''یہ حمزہ کہاں چلا گیا ہے؟ آج تو سارا دن دکھائی نہیں دیا۔'' وہ اس کی نظروں کی معنی
خیزی سے گھبرا کر اِدھر اُدھر نظریں دوڑانے لگی۔ لالہ رخ نے اپنی مسکراہٹ سمیٹتے ہوئے
صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

''روشی! میں طلال کا دامن خوشیوں سے، مسرتوں سے بھر دینا چاہتی ہوں جس کا وہ حقدار
ہے۔''

روشانہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ سامنے کی دیوار کو خالی خالی نظروں سے تک
رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک کرب آ کر ٹھہر گیا تھا۔

''وہ بھی یہی چاہتے ہیں۔ شاید بلکہ سبھی یہی چاہتے ہیں کہ آپ کا دامن بھی خوشیوں سے
بھر جائے۔'' وہ اس کے مقابل سے اٹھ کر اس کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔ لالہ رخ نے نگاہیں
موڑ کر اسے دیکھا۔

''لالی! مجھے بہت دُکھ ہوا جب مجھے یہ خبر ہوئی کہ آپ کی ڈائیورس ہو چکی ہے۔'' وہ رنج
سے نظریں جھکا کر بولی۔ ''میں آپ کا دُکھ کس طرح شیئر کر سکتی ہوں لالی! مجھے بتایئے۔''

لالہ رخ نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر اس کا ہاتھ پکڑ کر ہولے سے تھپتھپایا۔

''ہر شخص کو اس کے مقدر کے دُکھ سکھ ملتے ہیں پگلی۔ اس میں کسی کا دوش نہیں ہوتا۔ بس
یہ جو اپنے ہوتے ہیں نا یہ ہماری محبت میں، ہمارے دُکھوں کو کسی نہ کسی کے سر تھوپنا چاہتے
ہیں۔ کسی نہ کسی کو قصور وار ٹھہرانے لگتے ہیں۔ میں سیف الرحمٰن کو دوش نہیں دیتی۔ میرا اور

اس کا ساتھ تھا ہی اتنا۔ جو، جوڑے بنانے پر قادر ہے، وہ ان کے توڑنے پر بھی قادر ہے۔
پھر ہم الزام کسی انسان پر کیوں رکھیں۔''

''بہت ظرف ہے آپ کا لالی! یا پھر یہ آپ کی محبت کی انتہا ہے۔'' روشانہ نے رنج کی سی کیفیت سے اسے دیکھا۔

لالہ رخ کو اپنے دل پر کھٹ سے کوئی وزنی شے لگتی محسوس ہوئی۔ اس کے سینے میں مانوس سی دُکھن ہونے لگی۔ وہ پلکیں جھپک کر نگاہوں کا رخ پھیر کر ایک اذیت آمیز خیال میں ڈوب کر بولی۔ ''ہاں، تم ٹھیک کہتی ہو شاید۔ یہ محبت کی انتہا ہی ہے کہ میں اسے آج تک برا نہیں کہہ سکی۔ سچ تو یہ ہے کہ میں نے اس شخص سے سچی محبت کی، اس کو دل کی گہرائیوں سے چاہا بلکہ محبت کے لمس سے آشنا ہی مجھے اس نے کیا۔ محبت صدیوں کا عمل نہیں ہے۔ یہ تو لمحوں میں طے پا جاتا ہے۔ عورت کو جو پہلی بار چھوتا ہے، وہی اس کے اندر اس جذبے کے بیج بوتا ہے اور جو پودا اُگتا ہے وہ دیکھتے ہی دیکھتے درخت بن جاتا ہے۔ پھر اس درخت کی ساری چھاؤں وہ عورت بس اس مرد کے نام کر دیتی ہے۔''

''مگر لالی! ناقدر شناس مرد اس چھاؤں کو محسوس ہی نہیں کر سکتے۔'' وہ بڑی دل گرفتگی کے ساتھ بولی۔

''شاید۔''

''تو پھر آپ نے ایسے مرد کو اپنی چھاؤں دی ہی کیوں؟ اسے پہلے آزما تو لیا ہوتا۔'' اسے اپنا دل اس دکھ سے کتنا محسوس ہو رہا تھا۔

''پگلی! مرد کی محبت کو آزمایا نہیں کرتے۔ ایسا کرنے لگیں تو یہ دنیا بہت بد ہیئت اور اپنی تمام تر بدصورتیوں سمیت عورت پر ظاہر ہو جائے۔ اس لئے کہ شاید ہی کوئی مرد کسی بھی رشتے میں سو فیصد خالص ہوگا۔ یہ خالص پن تو صرف عورت کے حصے میں آیا ہے۔ عورت اپنے اس خالص پن سے مرد کی اس خامی کو چھپا لیتی ہے۔ تبھی ہمارے مشرق کی دنیا میں ابھی آسودگی ہے۔ کیا وہ یہ اچھا نہیں کرتی؟'' اس نے جیسے روشانہ سے تائید لی ہو۔ پھر اس کے رخسار پر نرمی سے انگلی پھیرتے ہوئے محبت سے مسکرا دی۔

''کیا آپ کو اب بھی سیف الرحمٰن سے محبت ہے؟'' وہ اس کی اس حزیں مسکراہٹ میں کچھ تلاش کرنے لگی۔ اور ادھر دروازے کے باہر مصطفیٰ خان کے قدم ٹھٹک گئے۔ وہ ڈائننگ ٹیبل سے اپنی رسٹ واچ اٹھانے آیا تھا۔ مگر روشانہ کے اس سوال نے اسے باہر ہی گویا پتھر کر دیا۔ اس کا دل بڑے مختلف انداز میں دھڑکا۔ اس کی سماعتیں بھی بصارت کا روپ دھار

کر لالہ رخ کا جواب سننے کو بے تاب ہو گئیں۔

اندر کی مضمحل سی خاموشی کے یہ چند پل اسے قیامت جیسے لگنے لگے۔ اسے لگا جیسے اس لمحے اسے کسی نے جکڑ لیا ہو۔ اس کا بدن شیشے کی طرح اکڑ گیا ہو کہ بس ابھی ٹوٹا کہ ابھی ٹوٹا۔

چند اعصاب شکن لمحات کے بعد لالہ رخ کی آواز ابھری۔

''محبت ہمیشہ نامکمل مگر بھرپور ہوتی ہے۔ ہاں کچھ لوگوں نے بے شک ایک دوسرے کو دھوکا دینے کا نام بھی محبت رکھ دیا ہے۔''

اس کے لہجے میں ایک ٹھہراؤ تھا۔ ایسا ٹھہراؤ جو طوفان کے گزر جانے کے بعد سمندر کی سطح پر آ جاتا ہے مگر سمندر کے سینے میں جو رسہ کشی ہوتی ہے اس سے ساحل پر کھڑا شخص واقف نہیں ہو سکتا۔ وہ اس لمحے بظاہر ایسی ہی پُرسکون سطح دکھائی دے رہی تھی۔

''تو کیا سیف الرحمٰن نے بھی آپ کو محبت کے نام پر صرف دھوکا دیا، بے وقوف بنایا؟''

''پتہ نہیں۔ وہ میری محبت کی اپنی ہی نظر تھی کہ مجھے کبھی ایسا محسوس ہی نہیں ہوا۔'' وہ پھیکے سے انداز میں ہنس دی۔ ''محبت سیلاب کی صورت ہوتی ہے، اس میں ہماری انا ڈوب جاتی ہے، ہم خود ڈوب جاتے ہیں اور یوں ہم اگلے کی خیر خواہی یا بدخواہی کو محسوس ہی نہیں کر سکتے، اس کے دل میں جھانکتے بھی ہیں تو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ عورت محبت میں شاید وسیع القلب ہو جاتی ہے جو کبھی کسی کی معمولی خامی کو برداشت نہیں کر سکتی، وہ اپنے محبوب کی بڑی سے بڑی خامی کو نظرانداز کر ڈالتی ہے۔ کبھی تو ایسا اس کے حق میں اچھا رہتا ہے اور کبھی بہت برا۔'' وہ بات کرتے کرتے ماضی کے دھندلکوں میں گم ہو گئی۔ روشانہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور تسلی آمیز دباؤ ڈالا تو وہ چونکی پھر ایک مضمحل سانس بھر کر اس کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹا کر اپنے دونوں ہاتھوں پر دبا کے مسکرا دی۔ روشانہ کو اس کے اداس چہرے پر رقصاں ہونے والی یہ مسکراہٹ اماوس کی رات کی مانند لگی۔

مصطفیٰ خان اندر آنے کا ارادہ ترک کر کے بے آواز قدموں سے واپس پلٹ گیا۔

''تمہیں پتہ ہے کل طلال کی برتھ ڈے ہے۔'' وہ موضوع کو بدلتے ہوئے بولی۔

(اُف، پھر وہی طلال کا ذکر) روشانہ کو جانے کیوں اس شخص کے ذکر پر اپنے دل پر ایک اضطرابی دباؤ سا محسوس ہونے لگتا تھا۔

''کیا بات ہے، آج آپ کے سر پر طلال بھائی سوار ہو گئے ہیں۔''

''میرے سر پر تو خیر سوار رہتا ہی ہے، کاش تمہارے سر پر بھی سوار ہو جائے۔'' انہوں نے بالکل اچانک اس کی طرف جھک کر براہِ راست اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

"آپ کا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا لالی! چلیں لان میں چلتے ہیں۔ وہیں سب
ہیں۔" وہ یکلخت صوفے سے اٹھ گئی مگر لالہ رخ نے اس کی کلائی پکڑ لی۔

"یہ بتاؤ، میرا ساتھ دو گی؟ میں طلال کو سرپرائز دینا چاہتی ہوں۔" وہ سنجیدگی سے کہہ
تھی۔ "تین سال سے طلال نے اپنی برتھ ڈے نہیں منائی۔ میں چاہتی ہوں کہ اس
اسے اس پر مجبور کیا جائے۔"

"تو میں بھلا آپ کا کیا ساتھ دے سکتی ہوں اس مہم میں؟" اس نے حیرت سے استف
کیا۔

"تم؟" لالہ رخ ہلکے سے مسکرائی پھر پُر خیال انداز میں سر کو خفیف سی جنبش دے
صوفے سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "تم کل میرے ساتھ شاپنگ پر چلنا۔ ہم اس کے لئے
اچھا سا گفٹ خریدیں گے۔ کم از کم تم مجھے آئیڈیا تو دو گی نا۔"

"ہاں، خیر اتنا ساتھ تو دے ہی سکتی ہوں۔" اس نے دل ہی دل میں اطمینان کا سا
لے کر سر ہلا دیا۔ "اب چلئے لان میں، سب منتظر ہیں آپ کے۔" وہ اسے پکڑ کر لے گئی۔

☆☆☆

مصطفیٰ خان کے دل کی فضا پر بے نام سا سکوت طاری ہو گیا تھا۔ "محبت دراصل سیلا
کی صورت ہے، اس میں ہماری انا ڈوب جاتی ہے۔ ہم خود ڈوب جاتے ہیں۔"

لالہ رخ کی نرم آواز کی بازگشت رہ رہ کر اس کے دل کی فضا پر چھائے سکوت میں
ڈال رہی تھی۔

پتہ نہیں پوری فضا میں ہی ایسا سکوت چھایا ہوا تھا یا اپنے اندر ہی سناٹا تھا۔

اس کے دل میں بیک وقت دو طرح کی خواہشات سر پٹخ رہی تھیں۔ ایک یہ کہ وہ
رخ پر اپنا درد عیاں کر دے، اپنا اضطراب کھول کر اس کی پناہ کی طلب ظاہر کر دے۔ دو
یہ کہ اس کا درد سمیٹ لے، اپنے اور اس کے ماضی کے ان تلخ برسوں کو کسی آتش دان
ڈال کر راکھ کر دے۔ پھر راکھ کسی دور افتادہ مقام پر ندی نالے میں بہا دے اور حال
اس کے اور اپنے لئے خوشیاں حاصل کر لے۔

چھوٹی چھوٹی خواہشات جب سر اٹھاتی ہیں تو آدمی کو تنکے کی طرح بہا کر لے جاتی
اور مصطفیٰ خان جیسا آدمی خود کو اسی تنکے کی مانند کمزور محسوس کر رہا تھا۔ وہ خود کو اس بچے
طرح محسوس کر رہا تھا جو من پسند شے کو پانے کے لئے مچل رہا ہو۔ مگر وہ من پسند شے
سے چھین کر اس کی دسترس سے دور کسی اونچی جگہ پر رکھ دی گئی ہو جسے وہ صرف دیکھ سکتا

چھو نہ سکتا ہو۔

وہ اٹھ کر کشادہ بالکنی میں ٹہلنے لگا پھر گرل کے بڑے بڑے دائروں سے باہر جھانکنے لگا۔
یہاں سے بغلی باغیچے کا آخری حصہ دکھائی دیتا تھا جس کے اختتامی حصے پر سرونٹ کوارٹرز
بنے ہوئے تھے۔ پانی کے ٹینک اور مشین بھی غالباً اسی حصے میں تھیں۔ شبیر (ملازم) لان سے
ا سا پائپ کھینچتا ہوا پچھلے حصے کو دھونے کی تیاری کر رہا تھا۔ دیوار پر اس نے اپنا ریڈیو رکھا
ا تھا جس میں کوئی فرمائشی پروگرام چل رہا تھا۔

شبیر خاصا باذوق معلوم ہوتا تھا۔ وہ گانے کے بولوں کے ساتھ خود بھی گنگنا رہا تھا مگر اس
ی گنگناہٹ اس مشین سے مشابہ تھی جو کچرا پھنس جانے پر رک رک کر چل رہی ہو۔

وہ دلچسپی سے اسے کام کرتے دیکھتے دیکھتے اس گانے کی طرف متوجہ ہو گیا جو شبیر کے
ں ریڈیو پر سنائی دے رہا تھا۔

ہو تیری یاد کا دل میں گزر آہستہ آہستہ
کرے یہ چاند صحرا میں سفر آہستہ آہستہ
کہ ہم دھوکے میں رکھیں دوستوں کو خوش کلامی سے
ہمیں آ ہی گیا یہ بھی ہنر آہستہ آہستہ

اسے لگا، اس کا دل ان بولوں سے ہم آہنگ ہو کر دھڑکنے لگا ہو۔

کہیں سے ایک ویرانی کا سایہ پھیلتا آیا
ہوئے بے رنگ سب دیوار و در آہستہ آہستہ
نہ ٹوٹے اور کچھ دن تجھ سے رشتہ اس طرح میرا
مجھے برباد کر دے تو، مگر آہستہ آہستہ

الفاظ موسم کی طرح ہمارے دل کی فضا پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ کبھی بارش کی بوندوں کی
رح عجیب سی تراوت بھر دیتے ہیں، کبھی تیز جھونکوں کی مانند بنیادوں تک کو ہلا ڈالتے ہیں۔
کبھی خزاں بن کر سناٹا اور ہولناک ویرانی پھیلا دیتے ہیں تو کبھی تپش بن کر سب کچھ
لسانے لگتے ہیں۔ اور کہیں یہ خزاں کا اختتامی موسم بن کر دل میں اُمیدوں کے نئے دیے
انے لگتے ہیں۔

اُمید جو مثل جگنو ہے، جس طرح جگنو کی روشنی اس کی فطرت کی آنچ سے خود بخود پھوٹتی
، اسی طرح امید بھی دل میں خود بخود پیدا ہوتی ہے اور اپنی مدھم روشنی سے وہ آگے بڑھنے
لئے اُکساتی ہے، روشنی بن کر راستوں کو بھاتی ہے۔

اچانک خرم پر اس کی نگاہ گئی۔ وہ بالکنی کے دروازے میں کسی فریم کی طرح ایستادہ تھا۔ غالباً خاصی دیر سے کھڑا اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے یونہی جھکے سر کے ساتھ اسے دیکھا پھر ہلکے سے مسکرایا۔

''یہ پرانے قرض خواہوں کی طرح کیوں گھور رہے ہو؟ مجھے تو یاد نہیں پڑ رہا کہ میں نے کبھی تمہارا ادھار کھایا ہو۔'' اس کا انداز سراسر شگفتہ تھا۔ خرم کا قہقہہ بڑا بے ساختہ تھا۔

''قرض تو خیر آپ پر بہت نکلتے ہیں۔ آپ کی باذوقی سے ابھی ہم نے لطف نہیں اٹھائے۔ آپ تو غالباً شبیر کے ذوق سے لطف اندوز ہو رہے تھے؟'' اس نے بالکنی کی گرل کے پاس آ کر باہر جھانکا۔ ''میں بھی کہوں کہ اس حصے میں ایسا کیا ہو سکتا ہے بھلا جہاں آپ مستقل دس منٹ سے ایک ہی زاویے سے کھڑے ہیں۔''

اس کی بات پر مصطفیٰ خان نے ایک ہلکی سی سانس بھری۔

''چلئے، باہر آئیے، بڑی اچھی محفل جمی ہے۔ بس آپ کی کمی ہے۔'' خرم نے یہ کہتے ہوئے اس کی طرف رخ کیا اور ٹراؤزر کی جیبوں میں ہاتھ پھنسا کر اس کی استفہامیہ نظروں پر دھیرے سے مسکرایا۔

''جی ہاں، صرف آپ کی کمی۔ ایک خوش لباس، خوش گفتار اور خوش نما شخص کی کمی۔''

اب کے مصطفیٰ خان کا قہقہہ بڑا بے ساختہ تھا۔ وہ خرم کے ساتھ کمرے سے باہر آتے ہوئے بولا۔ ''گویا تم لوگوں کو بے وقوف بنانے کا فن بھی جانتے ہو۔''

''خیر فن تو میں اور بھی بہت جانتا ہوں مگر یہ کم از کم اس فن کا مظاہرہ نہیں تھا۔ سچائی تھی جو میں نے بیان کی۔''

وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے بغلی باغیچے میں آ گئے جہاں بڑی رونق لگی تھی۔ اس نے طلال اور جاذب کی طرف جانے سے پہلے راستے میں آمنہ بیگم اور رفیعہ بیگم کو سلام کیا۔ جواب بڑی گرم جوشی اور مشفق انداز میں دیا گیا۔

''شکر ہے کہ تم نے اسے پردے سے تو نکالا۔'' جاذب بھائی نے مصطفیٰ خان کو دیکھتے ہوئے خرم سے کہا۔

''جی ہاں۔ اب لوگ اپنے اپنے ایمان سنبھال لیں۔'' اس نے کرسی کھینچ کر ایک مصطفیٰ خان کو پیش کی اور دوسری اپنے لئے اٹھا کر جاذب اور طلال کے درمیان رکھ کر بیٹھ گیا۔

''سنا ہوگا آپ نے کہ۔

نقاب جو اٹھایا

شباب رنگ لایا

ایمان ڈگمگایا''

خرم باقاعدہ لے میں گانے لگا۔

''تم خواہ مخواہ مجھے ہراساں کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ میرا خیال ہے بلکہ مشورہ ہے کہ یہ گانا اگر اس طرف منہ کر کے گاؤ تو زیادہ بہتر ہوگا۔'' مصطفیٰ خان نے بڑے اطمینان سے ایک دبی مسکراہٹ کے ساتھ قدرے فاصلے پر بیٹھی خواتین کی طرف اشارہ کیا جس پر خرم نے بے ساختہ ٹھنڈی سانس بھری۔

''بڑے بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے۔'' جاذب بھائی زور سے ہنسے۔

''خیر اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔'' خرم نے انہیں ٹوکا۔

''ایسی ہی بات ہے۔'' وہ ہنوز اسی انداز میں ہنسے۔ ''دراصل طیفی! اس بے چارے کو وہاں سے نکال دیا گیا ہے۔ اس نے ہمیں چھوڑ کر خواتین کی محفل کو رونق بخشنے کی کوشش کی تھی مگر افسوس کہ......''

''جی نہیں۔ میں وہاں سموسے لینے گیا تھا۔'' خرم نے ان کی بات کاٹتے ہوئے پُرزور انداز میں تردید کی۔

''چلو کوئی بات نہیں۔ بقول شاعر۔

مجنوں وہی بنا، اسے پتھر پڑے قمر

دیوارِ عشق جس نے پھلانگی خوشی خوشی''

مصطفیٰ خان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پچکارا پھر جاذب کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی۔ وہ تینوں ہنسنے لگے۔

''کیا مطلب ہے آپ لوگوں کا؟'' وہ سٹپٹا گیا۔ دل کا چور اسے سراسیمہ کر گیا۔

''ہمیں پتہ ہے خرم میاں، تم بڑے ہو گئے ہو۔ مگر پلوشہ سے پہلے روشانہ کا نمبر آتا ہے اور تمہیں انتظار کے کٹھن مراحل سے گزرنا پڑے گا۔'' جاذب نے اس کا کاندھا دبایا اور جیسے اس کی سانس سینے میں اٹک کر رہ گئی۔

یوں طشت ازبام ہو جانے پر وہ بری طرح سٹپٹایا پھر کھسیا کر کھانسنے لگا اور ایک گہری سی سانس بھرتے ہوئے اپنے اعتماد کو سنبھالتا ہوا بولا۔ ''ویسے روشانہ کا ایسا بڑا مسئلہ بھی نہیں ہے، اسے آپ نمٹا سکتے ہیں اگر چاہیں تو۔''

اس نے یہ حملہ براہِ راست طلال پر کیا تھا۔ جاذب بھائی بے ساختہ ہنس پڑے مگر خرم کی

اس بات پر طلال کے چہرے کے زاویوں میں یکلخت کھنچاؤ آ گیا۔ اس کے لبوں پر رقصاں
مسکراہٹ یوں گم ہوئی جیسے کسی نے نغمہ ساز کا گلا دبا دیا ہو۔

اس نے خاصی برہمی کے ساتھ خرم کو دیکھا۔ ''تم جانتے ہو میں مذاق میں بھی اس طرح کی باتیں پسند نہیں کرتا۔ اور جاذب! تم تو کم از کم اس کی، اس طرح کی بے ہودگیوں کا ساتھ مت دیا کرو۔'' وہ جاذب کی ہنسی پر کچھ اور بھی برہم ہو گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید اپنی گرمی دکھاتا، کمال چچا اس طرف آتے دکھائی دیئے۔ ساتھ ہی عادل بھی چائے کی ٹرے تھامے چلا آ رہا تھا اور یوں یہ بات وہیں ختم ہو گئی۔

☆☆☆

تو نے دیکھی ہے وہ پیشانی، وہ رخسار، وہ ہونٹ
زندگی جن کے تصور میں لٹا دی ہم نے
تجھ پہ اُٹھی ہیں وہ کھوئی ہوئی ساحر آنکھیں
تجھ کو معلوم ہے کیوں عمر گنوا دی ہم نے

گاڑی کا فرنٹ ڈور کھولتے ہوئے مصطفیٰ خان نے یونہی جھکی نظروں سے روشانہ کے ساتھ آتی لالہ رخ کے سیاہ چادر کے ہالے میں مقید چہرے کو دیکھا پھر اپنے ہی جذبوں کی شدت سے گھبرا کر نظروں کا زاویہ بدل لیا۔

''یہ خرم کہاں چلا گیا؟'' مصطفیٰ خان کو وہ خرم کی گاڑی کے پاس دیکھ کر پریشان ہو گئی۔

''خرم کو جلدی تھی، اسے اپنے کسی کام کے سلسلے میں جانا تھا۔ آپ لوگوں کو شاپنگ سینٹر ہی ڈراپ کرنا ہے تو میرا خیال ہے یہ ایسا مشکل کام بھی نہیں جو میں انجام نہ دے سکوں۔'' وہ خوش دلی سے مسکرایا اور ایک گہری سانس یوں کھینچی گویا تازہ ہوا کو پھیپھڑوں میں اتار رہا ہو۔ ''آیئے پلیز، بیٹھ جایئے۔'' وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے انہیں تذبذب میں مبتلا دیکھ کر متانت سے بولا۔

''کیا حرج ہے لالی! ہمیں شاپنگ پر ہی تو جانا ہے۔ یہ ڈراپ ہی تو کریں گے نا وہاں پر۔'' روشانہ دبی زبان میں بولی۔ لالہ رخ کو خرم کی اس غیر ذمہ دارانہ حرکت پر غصہ اچھا خاصا آ رہا تھا۔

ان دونوں کے بیٹھتے ہی گاڑی پورچ کی چمکتی سطح سے پھسلتی سڑک پر آ کر دوڑنے لگی۔

تمہارے شہر کا موسم بڑا سہانا لگے
میں ایک شام چرا لوں اگر برا نہ لگے

گاڑی کی خاموش فضا میں یکلخت گونجنے والے گانے نے لالہ رخ کو کانشس سا کر دیا۔ اس نے بے ساختہ سامنے دیکھا۔ ویو مرر پر اٹھنے والی نگاہوں نے بھی اس لمحے کو گرفت میں لیا تھا اور نگاہوں کا یہ تصادم بڑا بے ساختہ اور پُرمعنی تھا۔

جو ڈوبنا ہے تو اتنے سکون سے ڈوبو
کہ آس پاس کی لہروں کو بھی پتہ نہ چلے

''پلیز میوزک بند کر دیجئے۔ میری عادت نہیں ہے راستے میں میوزک سننے کی۔'' وہ نظروں کا زاویہ بدل کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

''آئی ایم سوری۔ دراصل میں تنہا ہوتا ہوں تو ہلکی میوزک ضرور سنتا ہوں۔'' اس نے ویو مرر سے اس کا چہرہ بہ نظر غور دیکھا اور ٹیپ بند کر دیا۔

''اور شاید آپ بھول گئے کہ آپ گاڑی میں اس وقت تنہا نہیں ہیں۔'' روشانہ ایک مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ اس نے شاید لالہ رخ کے چہرے پر پھیلنے والی غیر معمولی سنجیدگی کو دیکھا ہی نہیں۔

''ہاں شاید۔ یوں بھی تنہائی کا احساس آپ کے اپنے اندر سے اٹھتا ہے۔'' اس نے پیچھے آنے والی گاڑی کو راستہ دیا اور گاڑی کی اسپیڈ آہستہ کر لی۔ ''بسا اوقات انسان ہجوم میں بھی تنہا ہوتا ہے اور کبھی اکیلے میں بھی تنہا نہیں ہوتا۔ کسی کا خیال ہمیں تنہا ہونے نہیں دیتا۔''

لالہ رخ نے غیر ارادی طور پر چہرے کا ذرا سا رخ موڑ کر اس کی پشت کو دیکھا پھر ایک اضطراب روح میں اترتا محسوس کرتے ہوئے تیزی سے پیچھے بھاگتے سائن بورڈز کو تکنے لگی۔

''آپ تو اچھے خاصے فلسفی معلوم ہوتے ہیں۔ جبکہ خرم بتا رہا تھا آپ ڈاکٹر ہیں۔'' روشانہ نے حیرت کے اظہار کے طور پر کہتے ہوئے اسے غور سے دیکھا۔ جواباً وہ بڑے دلفریب انداز میں مسکرایا تھا مگر اس کی چمکتی آنکھوں نے اس مسکراہٹ کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ وہ بڑی خاموش سی محسوس ہو رہی تھیں۔

''تعلیم تو میں نے میڈیکل کی ہی حاصل کی ہے اور خاندانی طور پر زمیندار ہوں، جبکہ کاروباری حساب سے ایکسپورٹر ہوں۔ ہاں قلبی اور ذہنی طور پر آپ مجھے تھوڑا سا جھکی قسم کا فلسفی کہہ سکتی ہیں۔''

اس کی اس وضاحت اور لفظ ''جھکی'' پر روشانہ کو بے ساختہ ہنسی آ گئی تھی۔ لالہ رخ کے لبوں پر بھی دھیمی سی مسکراہٹ بکھری مگر جلد معدوم ہو گئی۔ جبکہ مصطفیٰ خان کا دھیان تو تھا ہی اس طرف۔ اسے لگا بس ایک پل کے لئے۔

رنگ چھلکے تھے

پھول مہکے تھے

چاند نے بادل کے اندر سے جھانکا تھا اور جیسے کائنات کا ذرہ ذرہ مسکرا اٹھا تھا۔

''آپ تو خاصے دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہیں۔'' ان کے بتائے ہوئے شاپنگ سینٹر پارکنگ ایریا میں گاڑی رکی تو روشانہ اترتے ہوئے بولی۔

''یہ تعریف ہے یا طنز؟'' وہ ڈیش بورڈ سے اپنے گلاسز اٹھاتے ہوئے بولا۔

''کیا مطلب؟'' وہ ٹھٹکی، پھر ہلکے سے ہنس دی۔ ''یہ خالص تعریف ہے۔ کیوں لالی! نے کچھ غلط کہا ہے؟'' اس نے لالہ رخ سے تائید چاہی۔

''چلیں اس تعریف پر آپ کا شکریہ۔ مگر میں خود کو دلچسپ آدمی کہلوانے پر قطعی خوش ہوسکتا۔ ہاں اگر کسی اور خطاب سے نوازتیں تو شاید میں آپ کا مشکور ہوتا۔''

''مثلاً؟'' لالہ رخ نے بے ساختہ پوچھ لیا تھا۔ اس کے لبوں کی تراش میں پُر مسکراہٹ اُمڈی تھی۔ وہ اپنی سیٹ پر بیٹھے بیٹھے اس کی سمت گھوما تھا۔

''مجنوں۔'' اس نے پورے اعتماد کے ساتھ اس کے چہرے پر اپنی نگاہیں جما کر کہا اور ادھر لالہ رخ کو کم از کم ایسے کسی جواب کی توقع نہیں تھی۔ وہ سٹپٹا کر پلکیں جھپک کر نگاہ کا زاویہ بدل گئی۔

اس کا سارا اعتماد ایک پل کو فضا میں دھوئیں کے غول کی مانند تحلیل ہوگیا تھا۔

روشانہ، مصطفیٰ خان کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بری طرح چونکی تھی۔ شاید یہی وہ پل جب وہ اپنی خوبصورت آنکھوں سے اپنے دل کا راز افشا کر رہا تھا اور خود عیاں ہوگیا تھا۔ نہیں لالہ رخ نے محسوس کیا تھا یا نظر انداز کرتے ہوئے آگے چلنے لگی تھی۔ مگر اس کی یہ معمولی سنجیدگی اور بے گانہ انداز روشانہ کو ٹھٹکا گیا تھا۔

لالی جیسی حساس عورت بھلا نگاہوں کے رنگ کیسے نہ پہچان جاتی جو کسی وضاحت کے محتاج نہیں ہوتے۔ یہ تو آسمان پر پھیلنے والی قوس قزح کی طرح اپنی طرف توجہ کھینچ لیتے ہیں۔

''تھینک یو مصطفیٰ بھائی!'' وہ اپنی طرف کا دروازہ بند کر کے مروتاً شکریہ ادا کرنے لگی۔

''نو مینشن۔'' اس نے سر کو تفہیمی جنبش دی اور گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔

''لالی! کم از کم شکریہ تو ادا کرنا چاہیے تھا نا۔'' وہ بھاگ کر لالہ رخ تک پہنچی تھی جو بوتیک میں داخل ہو رہی تھی۔

''تم نے یہ فرض تو ادا کر دیا نا۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''ہاں، خیر۔'' وہ سر ہلا کر بولی۔ پھر بوتیک کا گلاس ڈور دھکیل کر اندر آتے ہوئے بولی۔

''آدمی اچھا معلوم ہوتا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے دزدیدہ نظروں سے لالہ رخ کو دیکھا تھا۔

''ہاں، ظاہری طور پر تو لگتا ہے۔'' وہ بے تاثر انداز میں بولی۔

''خیر میں شکل کی بات نہیں کر رہی ہوں۔'' وہ جانے کیوں غیر ارادی طور پر مصطفیٰ خان کا ذکر لے بیٹھی۔

''باطنی طور پر تم کسی کے بارے میں اس طرح رائے کیسے قائم کر سکتی ہو؟ چہ جائیکہ تم اس سے صرف ایک دو بار ہی ملی ہو اور وہ بھی سرسری۔'' وہ استہزائیہ انداز میں سر کو جھٹک کر ہنسیں تو وہ بھی ہنس پڑی، پھر سر ہلاتے ہوئے بولی۔

''کچھ لوگ پیاز کے چھلکوں کی طرح پرت پرت اترتے ہیں مگر کچھ لوگوں کا ظاہر و باطن ایک مختصر ملاقات میں ہی واضح ہو جاتا ہے۔ مصطفیٰ خان بھی شاید انہی لوگوں میں ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے بے ارادہ لالہ رخ کی طرف بغور دیکھا تھا۔ اسے ایک پل کے لئے اس کے چہرے پر تغیر رونما ہوتا نظر آیا۔

''اس شخص کا اس وقت ذکر کیا معنی رکھتا ہے۔ تمہیں یاد ہے ہم طلال کا برتھ ڈے گفٹ لینے آئے ہیں یا کہ اس شخص کے ظاہر و باطن پر تبصرہ کرنے؟'' وہ کچھ جھنجلائی تھی۔ روشانہ بے ساختہ کھلکھلا پڑی۔

''میرا خیال ہے اگر میں طلال کی تعریف کرتی تو آپ یقیناً شوق سے سنتیں۔ ہے نا؟''

''آف کورس۔ اس میں کوئی شک نہیں۔'' لالہ رخ کے لبوں کی تراش میں مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ ''ہوسکتا ہے تمہارے منہ سے طلال کی تعریف سن کر میں خوشی سے بے ہوش بھی ہو جاتی۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے معنی خیز تبسم کے ساتھ اس کے چہرے کو ہلکے سے چھوا تھا اور روشانہ کو لگا وہ اس کے دل کے تاروں کو ہولے سے چھو گئی ہو اور ان سے مانوس موسیقی بکھرنے لگی ہو۔ مگر اس نے بدقت خود کو اس کیفیت سے نکال لیا اور اطراف میں سجے ڈریسز کو دیکھنے لگی۔

''میرا خیال ہے، ہم اپنی شاپنگ بعد میں کریں، پہلے طلال کے لئے کوئی گفٹ لے لیں۔ کیا خیال ہے؟'' لالہ رخ نے کہا تو اس نے خوش دلی سے سر ہلا دیا۔

کوئی گھنٹہ بھر کی دوڑ دھوپ کے بعد لالہ رخ نے طلال کے لئے گفٹ پیک کروایا اور بڑا سا کیک خریدا اور باہر نکلتے ہوئے گل فروش سے ایک بوکے لیا پھر دونوں قریبی خوشنما

ریسٹورنٹ میں چلی آئیں۔

''تم بیٹھو، میں آتی ہوں۔'' لالہ رخ کیفے کے کاؤنٹر کی طرف جاتے ہوئے بولی۔

''یہاں کیوں آئی ہیں آپ؟'' وہ کچھ حیران ہوئی۔

''طلال کی برتھ ڈے سیلبریٹ کرنے۔'' وہ دھیرے سے مسکرائی اور کاؤنٹر پر جا کر طلال کو موبائل کرنے لگی۔ کچھ ہی دیر بعد طلال کی آواز آئی تو لالہ رخ اسے کیفے کا نام بتا کر یہاں بلانے لگی۔

''جلدی پہنچو، ہم مشکل میں پھنس گئے ہیں۔ اوہو، خرم کا نہیں، تمہارا آنا ضروری ہے۔ ہاسپٹل سے آدھے گھنٹے کے لئے بھی نکل سکتے ہو۔ جی نہیں، مجھے پتہ ہے تم اس وقت بالکل فارغ ہو اور یہ لنچ ٹائم ہے۔ پلیز طلال! بی سیریس۔ اوہو، تم آؤ تو۔ تمہیں مسئلہ بھی بتاتی ہوں۔'' وہ ساتھ وضاحت بھی مانگ رہا تھا مگر لالہ رخ نے جلدی سے لائن ڈس کنکٹ کر دی۔ پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک کنارے والی ٹیبل منتخب کر کے بیٹھ گئی اور ویٹر کو بلا کر اسے کیک پکڑا دیا اور ساتھ ہی کچھ ہدایتیں دیں۔ پھر مینو لکھوایا۔ روشانہ اس سارے وقت میں وحشت کے عالم میں اس کی طرف دیکھتی رہی۔

ویٹر کے جانے کے بعد وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''تمہیں پتہ ہے روشی، میں بہت سال پہلے ایسی ہی تھی، سب کو حیران کر دینے والی۔ اسی طرح کی حرکتیں کرنے والی۔ اور طلال کو سب سے زیادہ تنگ کرتی تھی میں۔ آج ایک طویل عرصے کے بعد میں اپنے ماضی کی لالہ رخ کو اپنے اندر سے کھینچ کر باہر لائی ہوں۔'' اس نے کرسی کی پشت سے لگ کر آنکھیں بند کر لیں گویا ماضی کی خواب آور ساعتوں سے لطف اٹھانے لگی ہو۔

''مگر لالی! ہو سکتا ہے وہ اس بات کو پسند نہ کریں۔ آپ نے انہیں جس انداز سے بلایا ہے، وہ برا مان جائیں۔'' روشانہ نے دھڑکتے دل کے ساتھ کہا۔ اس کے تصور میں طلال کا سنجیدہ اور لیا دیا سراپا لہرا گیا۔

''کیا اسے برا ماننا چاہئے؟'' وہ آنکھیں کھول کر جواباً بولی، پھر ہنس دی۔ ''ڈونٹ وری، وہ مائنڈ نہیں کرے گا۔ میں خوش ہوں نا اور وہ بھی یقیناً خوش ہو گا۔ اور پھر ہم کوئی ایسی انہونی تو نہیں کر رہی ہیں۔ اس کو سرپرائز ہی تو دے رہی ہیں نا۔''

اور روشانہ ان کے چہرے پر کھیلتی معصومیت اور خوشی کی اس چمک کو دیکھ کر مسکرائی۔

کوئی پندرہ منٹ بعد طلال انہیں کیفے میں داخل ہوتا دکھائی دیا۔ سفید شلوار سوٹ، چ

یں لیدر کی سیاہ چپل، ہاتھ میں گاڑی کی، کی چین تھی۔

لالہ رخ کو اطمینان سے کرسی پر بیٹھے دیکھ کر وہ ٹھٹکا اور قدرے مشکوک انداز میں اسے گھورنے لگا۔

''لالی! کیا مسئلہ ہے تم لوگوں کا؟ پرس ورس اگر چوری ہو گیا ہے تو کیفے میں آنے کی ضرورت کیا تھی۔ سیدھی گھر چلی جاتیں رکشہ میں بیٹھ کر۔''

وہ بولتے بولتے چپ ہو گیا۔ روشانہ کے لبوں سے نکلنے والی مدھم جھنکار جیسی ہنسی نے اسے چونکایا مگر وہ بے ساختہ امڈنے والی ہنسی کو جلدی سے دبا کر سر جھکا گئی۔

''لالی!'' ایک گہری سانس بھرتے ہوئے اس نے لالہ رخ کا ازسرنو جائزہ لیا۔ ''معاملہ کیا ہے؟'' اس کے چہرے پر پھیلی سنجیدگی کچھ اور گہری ہو گئی۔ وہ وہاں بیٹھ تو گیا مگر اس کے انداز میں جھنجلاہٹ اور ناگواریت تھی۔

لالہ رخ نے اسے جواب دینے کی بجائے اسی لڑکے کو اشارہ کیا تو وہ اس کا آرڈر کیا ہوا مینو جلدی جلدی ٹیبل پر سجانے لگا۔ پھر ایک ٹرے میں بڑا سا کیک لا کر درمیان میں رکھ دیا۔

''آج تمہاری برتھ ڈے ہے جسے میں اور روشی تمہارے ساتھ سیلبریٹ کر رہے ہیں۔ گو کہ یہ کیک ہونا تو تمہاری طرف سے چاہئے تھا اور گفٹ ہماری طرف سے، مگر خیر چلو۔ یہ بھی میری طرف سے گفٹ سمجھ لو۔'' لالہ رخ نے ماچس اٹھانی چاہی تو طلال نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور کڑے تیوروں میں اسے دیکھا۔

''تم جانتی ہو کہ میں اس طرح کی باتیں اور حرکتیں ناپسند کرتا ہوں۔ اس کے باوجود تم نے.....''

''کرتے نہیں تھے مگر اب کرنے لگے ہو۔'' اس نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور ساتھ ہی ماچس بھی اٹھائی اور موم بتی کو شعلہ دکھایا پھر بو کے اٹھا کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

''یہ روشانہ کی طرف سے اور یہ میری طرف سے۔'' اس نے اپنا پیک کیا ہوا گفٹ اس کے آگے رکھ دیا مگر طلال نے ان چیزوں پر صرف غصیلی نگاہ ڈالی پھر غصے کے عالم میں اس نے کیک پر جلنے والی موم بتی کھینچ کر فرش پر پھینک دی۔ موم بتی کا شعلہ اس کی مضبوط ہتھیلی کے دباؤ سے ہی بجھ گیا تھا۔ وہ لہراتی ہوئی دور جا گری۔

''مجھے ذرا سا بھی احساس ہو جاتا کہ تم ان فضولیات کے لئے مجھے یہاں بلا رہی ہو تو میں ہرگز نہ آتا۔'' اس نے اچٹتی نظر روشانہ پر ڈالی اور طنز آمیز انداز میں بولا۔ ''میرا خیال ہے تم دونوں مل کر غائبانہ میری برتھ ڈے سیلبریٹ کر لو۔'' وہ کرسی دھکیل کر اٹھا اور پلٹ کر

بڑے بڑے ڈگ بھرتا کیفے کے داخلی دروازے سے نکل گیا۔

لالہ رخ دُکھ اور صدمے سے اپنی جگہ گنگ سی بیٹھی رہ گئی۔

اس نوبت کا تو روشانہ نے بھی تصور نہ کیا تھا کہ وہ مروتاً بھی بہن کے دل کا پاس

کرے گا۔ کم از کم اسے یہ امید ہرگز نہ تھی۔

اس نے رنج اور خفت کے مشترکہ احساس سے گزرتے ہوئے لالہ رخ کی طرف دیکھا

اور اسے لگا جیسے اس کا دل کسی نے مٹھی میں لے کر دبا دیا ہو۔ اس کا رنج غصے میں بدلنے لگا

اسے طلال پر اتنا شدید غصہ آیا کہ اگر وہ اس لمحے اس کے سامنے موجود ہوتا تو وہ اسے شوٹ

کر دیتی۔ نہیں تو یہ کیک اٹھا کر اس کے سر پر زور سے مار دیتی۔

''چلیں لالی اٹھئے، گھر چلتے ہیں۔'' وہ ایک دم کرسی دھکیل کر کھڑی ہوگئی۔

لالہ رخ نے اس کی طرف دیکھا۔ احساس تذلیل اور غصے سے اس کا چہرہ یوں سرخ ہو رہا

تھا گویا ابھی خون چھلک پڑے گا۔ لالہ رخ بادل نخواستہ خاموشی سے اٹھ گئی۔

لالہ رخ کے منع کرنے کے باوجود اس نے کیک اور دوسری چیزیں پیک کروائیں اور اٹھا

لئے نکل آئی۔

''وہ ایسا نہیں تھا کبھی۔ مگر اب ہو گیا ہے۔'' لالہ رخ کمزور لہجے میں اس کی طرف سے

صفائی دینے لگی۔

وہ تمسخر سے ہنس پڑی۔ ''آپ ہمیشہ دوسروں کو اپنی نگاہوں سے دیکھتی ہیں اور مصیبت

ہے کہ آپ کے پاس محبت بھری نظریں ہی ہیں۔''

''روشی! میری وجہ سے تم بھی ہرٹ ہوئی ہو نا؟'' اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ندامت سے

کہا تو وہ لب بھینچ کر رہ گئی۔ پھر غصے کے ابال کو دباتے ہوئے بولی۔

''ہاں، ہوئی ہوں۔ مگر اپنے لئے نہیں، آپ کے لئے۔ مجھے اپنی نہیں، آپ کی انسلٹ

فیل ہوئی ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے قریب سے گزرتے رکشہ کو ہاتھ دے کر روک لیا۔

واپسی کا راستہ بے حد خاموشی سے کٹا۔ گھر آ کر لالہ رخ اپنے کمرے میں بند ہوگئی۔

بہت کچھ چاہنے کے باوجود وہ روشانہ سے کچھ نہ کہہ سکی۔ عجیب سا درد اٹھا تھا جو اسے

صم کر گیا تھا۔ جبکہ روشانہ اپنے اندر بھڑکتے الاؤ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے ٹیرس میں چلی آئی

اس نے وہیں سے پورچ میں جھانکا۔ طلال کی گاڑی موجود نہیں تھی۔ جس کا مطلب تھا

ہاسپٹل ہی واپس گیا تھا۔

وہ اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگی۔

آج اس نے لالہ رخ کو جس طرح بکھرتے دیکھا تھا، وہ اس کے دل کو لہو کر گیا تھا۔

طلال کے رویئے نے آگ سی لگا دی تھی۔ اُسے اس شخص کے سارے رویئے یاد آ رہے تھے۔

حنا کے منہ پر لگنے والا وہ طمانچہ بھی وہ اب تک اپنے دل پر محسوس کر رہی تھی۔

''وہ ایسا نہیں تھا مگر اب ہو گیا ہے۔'' لالہ رخ بار بار یہ کہتی رہی تھی مگر وہ کسی طور ماننے

کو تیار نہ تھی۔ اور کیونکر ہوتی۔ اس کا خیال تھا جو انسان اپنی کیفیات پر قابو نہ رکھ سکے، موجودہ

حالات میں خود کو نہ ڈھال سکے، وہ انسان نہیں ہوتا۔ چونکہ انسان کی جبلت میں تو قدرت

نے ایک لچک رکھی ہے، یہ لچک اس کے اندر سے نکل جائے تو انسان حیوان کے درجے میں

داخل ہو جاتا ہے۔

وہ شام تک انگاروں پر لوٹتی رہی تھی۔

ڈھلتی شام کو سب سے پہلے اسی کی گاڑی پورچ میں آ کر رکی تھی۔ وہ خلاف معمول جلدی

آ گیا تھا اور اس نے شکر کیا کہ خرم اور عادل، مصطفیٰ خان کے ہمراہ باہر جا چکے تھے۔

وہ کچن میں چائے بنا رہی تھی جب وہ ڈھیلے ڈھیلے قدموں سے لابی سے گزر کر اپنے

کمرے کی طرف جا رہا تھا۔

معمول کے مطابق اس نے رفیعہ بیگم کو سلام کیا۔ آج وہ لابی میں بھی جا کر نہیں بیٹھا اور

چائے کا آرڈر دے کر سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

☆☆☆

وہ اپنی وارڈ روب میں منہ دیئے جانے کیا تلاش کر رہا تھا جب دروازہ ہلکے سے بجا۔ اس

نے رخ موڑ کر کم ان کہا اور دیوار گیر آئینے میں دیکھا۔ روشانہ آہستگی سے اندر آتی دکھائی

دی۔ اس کے چہرے پر غیر معمولی پن دیکھ کر ہی وہ سمجھ گیا کہ وہ کیوں آئی تھی۔

''فرمایئے؟'' اس نے وارڈ روب بند کر کے اسے خاصی چبھتی نظروں سے دیکھا مگر زیادہ

دیر تک نہ دیکھ سکا۔ اس کی خوشنما آنکھوں میں بڑی کشش تھی۔

''آپ یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ لالہ رخ نے یہ سب آپ کی محبت میں ہی کیا

تھا۔ مگر آپ جیسے بے حس انسان کو محبت کرنے کا سلیقہ تو ہے ہی نہیں۔ شاید محبت کی قدر کرنا

بھی نہیں آتا۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا پیکٹ اس کے بیڈ پر پھینکنے کے انداز میں پٹختے

ہوئے اپنے اندر کا لاوا نکالا۔

''انہوں نے ایسی کوئی بری حرکت نہیں کی تھی جس پر آپ کو اتنا غصہ آنا چاہئے۔ یہ تو

محض محبت کا ایک انداز تھا۔'' اس نے نیم استہزائیہ سانس بھری اور پیکٹ کی طرف دیکھتے

ہوئے بولی۔ ''یہ انہوں نے آپ کے لئے خریدا تھا۔ اگر یہ بھی ناپسند ہو تو اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دیجئے گا۔''

طلال کو اپنی پیشانی جلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس نے خاصے برہم تاثرات کے ساتھ اسے دیکھا اور کوئی سخت بات کہتے کہتے رک گیا۔ پھر لب بھینچ کر رخ موڑتے ہوئے بولا۔

''لالہ رخ اچھی طرح جانتی ہے کہ میں اس طرح کی تقاریب کو پسند نہیں کرتا۔ وہ میرے مزاج سے اچھی طرح واقف ہے۔ اس کے باوجود اس نے ایسی حرکت کی تو غصہ آنا تو لازمی بات تھی۔'' اس کے لہجے میں کہیں بھی شرمندگی نہیں تھی۔ گویا وہ اپنے رویئے پر مطمئن تھا۔ روشانہ کو اپنے اندر سے غصے کی تیز لہر اٹھتی محسوس ہوئی۔

''ناپسند کرنا اور بات ہے اور دل توڑ کے آجانا اور بات ہے۔'' وہ طنز سے ہنسی۔

''میں فطرتاً ایسا ہی ہوں۔'' وہ بے رحم اور بے تاثر لہجے میں کہتا کھڑکیوں کے پردوں کی ڈور کھینچنے لگا۔

''آپ مجھے شرمندہ کرنے آئی ہیں یا محض لالہ رخ کے احساسات سے باخبر کرنے؟''

''لالہ رخ کے احساسات سے تو آپ کو باخبر ہونا ہی چاہئے تھا۔ اور رہی شرمندگی کی بات تو وہ تو آپ کو اپنے رویئے کا احساس کر کے ازخود ہونی چاہئے۔ میں تو لالی کا یہ گفٹ دینے آئی تھی جو انہوں نے ایک ناقدر شناس شخص کے لئے خریدا تھا۔'' پھر ایک متاسفانہ نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے بولی۔

''دکھ اس بات کا ہے کہ آپ کو اپنے رویئے پر دکھ نہیں ہوتا۔'' وہ پلٹ کر دروازے سے نکلنے لگی۔ تب وہ آہستگی سے بولا۔

''مس روشانہ! کسی کے بارے میں اول تو یوں کھلے طور پر رائے دینا غیر اخلاقی ہے اور دوسری بات یہ کہ کسی کو برتے بغیر رائے دینا قطعی احمقانہ سی بات ہے۔''

وہ پلٹی تو وہ ہلکے سے مسکرایا تھا لیکن اس کی مسکراہٹ میں نہ طنز تھا نہ ناگواری بلکہ عجیب سی کیفیت تھی۔ بے حد سرد سرد سی۔ ایسی ہی سرد مہری آنکھوں میں بھی تھی۔

وہ چلتا ہوا اس سے تھوڑے فاصلے پر رک گیا۔

''یقیناً یہ احساس بڑا ہی خوشگوار اور تقویت کا باعث ہوتا ہے کہ کوئی آپ کے لئے خوشیوں کا طالب ہے، مسرتوں کے راستے ہموار کر رہا ہے، مگر جب دل میں کہیں کانٹا سا پیوست ہو، اُمنگوں اور سرمستی کا کوئی خیال کاٹ رہا ہو تو خوشیاں محض طفل تسلیاں سی لگتی ہیں۔ جب تک اندر کی تپش ختم نہ ہو، باہر کی چھاؤں چھاؤں ہونے کے باوجود تقویت نہیں

بخشتی۔'' اس کے سرد اور بے مہر چہرے پر ایک پل کے لئے افسردگی کی جھلک نظر آئی تھی مگر دوسرے پل وہ اپنی اس کیفیت سے نکل آیا اور ایک گہری سانس بھرتے ہوئے اس کے چہرے پر اترنے والے تحیر سے نظریں چراتے ہوئے بولا۔

''میں اپنے رویوں پر اگر شرمندہ نہیں ہوں تو لالی اچھی طرح واقف ہے کہ کیوں نہیں ہوں۔'' اس کے لہجے میں پھر وہی سرد مہری اتر آئی جو روشانہ کو اول روز سے دکھائی دی تھی۔

''دیا ایک پھونک میں بجھ جاتا ہے مگر اسے جلانے کے لئے کتنا وقت، توانائی اور تیل خرچ ہوتا ہے، یہ بجھانے والا نہیں جان سکتا۔'' وہ دل گرفتگی سے بولی اور اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لینے کے لئے رُکی نہیں، پلٹ کر کمرے سے نکل گئی۔

وہ اذیت کے احساس کے ساتھ کتنی دیر کھڑا رہا۔ پھر بوجھل سی سانس فضا کے سپرد کرتے ہوئے اضطرابی انداز میں کمرے میں ٹہلنے لگا۔ پھر کھڑکی کھول کر ڈھلتی شام کو تکنے لگا۔

اسے اپنے اعصاب یوں جھنجھناتے محسوس ہو رہے تھے جیسے لاسٹک کو کسی نے کھینچ کر چھوڑ دیا ہو۔

کتنی دیر تک اس کی موجودگی کی ایک عجیب سی مہک کمرے میں محسوس ہوتی رہی۔ اس کے لہجے کی ترشی اور آنکھوں کی برہمی کی کاٹ وہ دل پر محسوس کرتا رہا۔

''میرا تو خیال تھا کہ عاشقوں اور شاعروں کو ہی اداسی، خاموشی اور تنہائی متاثر کرتی ہے۔'' مصطفیٰ خان کی آواز نے اس کے ذہن کی فضا پر ارتعاش پیدا کیا۔ اس کے وجود پر چھایا گہرا سکوت ایک چھناکے سے ٹوٹا تھا تاہم اس نے کھڑکی سے باہر دیکھتے رہنے کا عمل ترک نہیں کیا۔

''یہ بوجھل پن، یہ تنہائی، گہری خاموشی، سوچوں کا ہجوم وغیرہ وغیرہ رومانویت کی علامتیں ہیں ویسے تو۔'' وہ گاڑی کی چابی ٹیبل پر اچھال کر اس کے پاس آ کھڑا ہوا اور خاصے معنی خیز انداز میں کھنکارا۔

''یہ تمہارے اپنے تجربات ہیں۔ انہیں کم از کم مجھ پر لاگو مت کرو۔'' وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

جواباً مصطفیٰ خان اسے سر سے پیر تک جائزہ لیتی نگاہوں سے گھورتے ہوئے بولا۔ ''میں اپنے تجربے کی روشنی میں ہی یہ بات کہہ رہا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ بے ساختہ ہنسا تھا۔ پھر ایک دم اس کی نظریں بیڈ پر رکھے گفٹ پیکٹ پر پڑیں۔

''اوہ، یہاں تو کھلے ثبوت بھی موجود ہیں۔'' اس نے جھک کر خوبصورت گفٹ ریپر میں

بندھا پیکٹ اٹھالیا اور معنی خیز انداز میں ہلکی سانس بھری۔

''ہم تو بدنام ہیں عدم یونہی
لوگ دنیا میں کیا نہیں کرتے''

''بکواس ہی کرتے رہنا۔ بے سوچے سمجھے بولنے کی عادت نہیں بدلے گی تمہاری۔''

''چور کی داڑھی میں تنکا۔ میں تو ابھی صرف اندازے لگا رہا تھا'' وہ مسکین سی صورت بنائے اسے دیکھنے لگا۔ پھر گفٹ پر انگلیاں مارتے ہوئے اس کی طرف قدرے جھکا۔ ''تم وضاحت کر دو کہ یہ گفٹ کہاں سے آیا؟ کس نے بھیجا اور کیوں بھیجا؟ ویسے گفٹ بھیجنے والا خاصا باذوق معلوم ہوتا ہے۔ پیکنگ سے لگ رہا ہے اندر علم کا خزانہ ہے۔ اگر اجازت ہو تو کھول کر دیکھ لوں؟''

وہ اس کی ساری بکواس پر اسے صرف گھورتا رہا پھر کرسی کی پشت پر خود کو ڈھیلا چھوڑتے ہوئے بولا۔ ''یہ لالہ رخ نے دیا ہے۔ میری برتھ ڈے کا گفٹ ہے۔'' اس کی آواز دھیمی تھی اور نگاہیں کسی غیر مرئی نقطے پر مرکوز تھیں۔

مصطفیٰ خان کا ہاتھ ایک لمحے کو ٹھہر گیا۔ اس نے بڑے غور سے گفٹ کو دیکھا، پھر ہلکے سے مسکرایا۔ ''تبھی کہوں، پیکنگ سے ہی دینے والے کے باذوق ہونے کا اندازہ ہو رہا تھا۔'' وہ بے ساختہ بولا تھا۔ پھر نہایت احتیاط سے پیکنگ کھولنے لگا۔ ''ویسے تم جیسے بدذوق کے لئے یہ گفٹ قطعی نا موزوں ہے۔'' اس نے اندر سے برآمد ہونے والی موٹی جلد کی خوشنما کتابوں پر طائرانہ نگاہ ڈالی، پھر کیسٹ اٹھا کر دیکھا۔

''یہ گفٹ مجھے ملنا چاہئے تھا مگر افسوس۔'' اس نے طلال کی طرف دیکھ کر کچھ اس انداز سے متاسفانہ سانس بھری کہ طلال چاہنے کے باوجود مسکرا تک نہ سکا۔ اس کے ذہن کی طنابیں روشانہ کے لہجے کی بازگشت سے تن سی رہی تھیں۔

''میں تو لالہ رخ کا یہ گفٹ دینے آئی تھی جو انہوں نے ایک ناقدر شناس شخص کے لئے خرید لیا تھا...... دیا ایک پھونک میں بجھ جاتا ہے مگر اسے جلانے کے لئے کتنی محنت، تیل اور توانائی خرچ ہوتی ہے یہ بجھانے والا نہیں جانتا۔''

وہ اپنی کنپٹیاں سہلاتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ پھر وارڈ روب سے ہینگر لیا، شلوار سوٹ نکال کر باتھ روم میں جا گھسا۔

کتنی دیر ٹھنڈے پانی سے نہانے کے باوجود اسے لگ رہا تھا کوئی تپش ہے جو گھٹنے نہیں پا رہی ہے۔ کوئی آگ ہے جو دل کے کسی گوشے میں سلگ رہی ہے جو کم از کم پانی سے نہیں

بجھنے والی۔

وہ تولیے سے بال رگڑتا ہوا باہر نکلا تو مصطفیٰ خان دریچے میں کھڑا کسی خیال میں گم تھا، آہٹ پر پلٹا۔

''طلال! آج تمہاری برتھ ڈے ہے اور مجھے تم نے بتایا تک نہیں۔ نہ مجھے خیال رہا۔ کمال ہے، آج کا اتنا اہم دن اتنی بے کیفی اور خاموشی سے گزر رہا ہے۔ یہ تم کیسے قنوطی ہو گئے ہو۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ کالج لائف میں تم بڑے ایکٹیو ہوا کرتے تھے۔''

''کالج لائف میں کم از کم ہم عمر کے اس دور میں نہیں تھے۔'' وہ تولیہ ایک طرف ڈال کر آئینے کے سامنے جا کر بال بنانے لگا۔

''ہاں تو کیا ہوا، اب ہم میچورڈ ہیں مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ان چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو بڑھ کر تھامنے سے گریز کریں۔''

''تو تمہارا کیا مطلب ہے، اب میں کیک پر موم بتیاں سجا کر ہیپی برتھ ڈے کے شور میں کیک کاٹوں؟'' وہ اسے گھورنے لگا۔

''نہیں خیر۔ یہ تو ہم کالج میں بھی نہیں کرتے تھے اور اب تو یہ کرتے ہوئے تم تو کم از کم بہت برے لگو گے۔'' مصطفیٰ خان اس کے سراپے پر نگاہیں دوڑاتے ہوئے ہنسا تھا پھر اس کے ہاتھ سے برش لے کر جھنجھلاہٹ کے ساتھ برش ایک طرف ڈال دیا۔

''کم از کم اسے ہلکے پھلکے انداز میں سب کے ساتھ شیئر تو کیا جا سکتا ہے نا، اور کیا جانا چاہئے۔'' وہ چپ سا رہ گیا۔ پھر سر اثبات میں ہلاتے ہوئے ہلکے سے مسکرایا۔

''چھوٹی چھوٹی خوشیاں ایک دوسرے سے شیئر کرنے سے تھکے ہوئے ذہن اور رُوح کو بڑی آسودگی میسر آتی ہے۔'' لالہ رخ کا کہا ہوا یہ جملہ اسے یاد آ گیا تھا۔ اس نے کتا[illegible] نظر ڈالی۔ یوں بھی اسے اپنے رویوں کی تلافی بھی تو کرنی تھی اور اسے یقین تھا لالہ[illegible]اق کر رہا خفا ہرگز نہیں ہوگی۔ ہ کر خواتین

ایک پل کے لئے ذہن کی سطح پر روشانہ کا تپا تپا چہرہ ابھرا جسے اس نے بڑ[illegible] جیسی کیفیت سے سر جھٹک کر جھٹکا تھا۔ گویا اس کے تصور سے نگاہیں چرانا چا[illegible]یں سمٹی تھی۔ مصطفیٰ کے ساتھ رات کا پروگرام سیٹ کرنے لگا۔ آئی تھی۔ بال البتہ

ت پر اپنی خوشبو بکھیر

☆

رات اس نے سب کو ہی سرپرائز دیا تھا جو سب کے لئے بے حد مسرت کا باعث بنا تھا۔ لالہ رخ کو تو یقین نہیں آیا تھا کہ از خود وہ اپنی سالگرہ کو سیلبریٹ کرے گ

کر نم نم پلکوں کے ساتھ مسکرا دی۔

''یہ تمہاری پرانی عادت ہے، بہت ستا اور رُلا کر پھر خوش کر دیتے ہو۔''

''ہاں کبھی کبھی وقت کی ڈور ہاتھ میں آ جاتی ہے اور کبھی نہیں۔ اتنا وقت بیت چکا ہوتا ہے کہ مداوے کا یا تلافی کا کوئی امکان نہیں رہتا۔'' وہ بڑی سنجیدگی سے بولا پھر اس کے کندھے پر بڑی محبت اور نرمی سے اپنا بازو پھیلا لیا اور اسے لئے ڈائننگ روم میں چلا آیا۔

''جسٹ اے منٹ۔'' خرم نے جلدی سے گلے میں جھولتا کیمرہ فوکس کیا اور یہ خوبصورت منظر ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لیا۔

''ارے، یہ روشی کدھر ہے؟'' لالہ رخ کو سب سے پہلے روشانہ کا ہی دھیان آیا۔

''بیٹھی ہو گی موئی اس مشین پر کھٹ کھٹ کرتی۔'' آمنہ بیگم کا دھیان بھی اس کی طرف گیا۔ کمپیوٹر کو مشین کہنے پر وہ خوب مذاق کا نشانہ بنتی تھیں۔

''اس مشین کو کھٹ کھٹ کر کے نہیں چلایا جاتا نانو جان! اس لئے کہ اس میں نہ پٹرول ڈلتا ہے نہ تیل۔''

''اے ہاں، مجھے سب خبر ہے۔ اس کم بخت مشین میں انسانی جان کا خون پڑتا ہے۔'' وہ برا سا منہ بنا کر بولیں تو سب ہنسنے لگے۔

''آپ نے تو کمپیوٹر بے چارے کو آدم خور بنا دیا۔''

''کیوں تنگ کر رہے ہو خرم! خالہ جان کو؟'' طلال نے اسے ڈپٹا۔

''ارے بیٹا! یہ مجھے تنگ نہ کرے گا تو اس کا کھانا کیسے ہضم ہو گا۔'' آمنہ بیگم نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور خرم کو گھورا تو وہ مسکین سی صورت بنا کر جلدی سے بولا۔

سے متا، کھانا تو خیر میرا ہضم ہو ہی جاتا ہے، چونکہ میرا نظام انہضام بالکل درست ہے۔ البتہ
روشانہ کے۔ نہ کروں تو نیند نہیں آتی۔ ویسے نانو......'' وہ لوازمات سے بھری پلیٹ اٹھا کر الٹا
''میں تو ، قالین پر بیٹھ گیا اور ایک ٹھنڈی قسم کی سانس بھرتے ہوئے بولا۔ ''مجھے آج کل
خرید لیا تھا.....آتی۔ ساری ساری رات اختر شماری کرتا ہوں۔ ستارے ختم ہو جاتے ہیں مگر نیند
توانائی خرچ ہوں۔ آپ کے پاس کوئی مجرب نسخہ ہو تو بتایئے۔''

وہ اپنی کنپٹیاں سہ ے۔ نیند کیوں نہیں آتی بچے؟'' آمنہ بیگم تڑپ سی گئیں جبکہ سعد
باتھ روم میں جا گھسا۔ سے خشمگیں نظروں سے گھور کر رہ گئیں۔

کتنی دیر ٹھنڈے ب ہے خالہ جان!'' جاذب نے جلدی سے کہا۔
رہی ہے۔ کوئی آگ غ خراب ہے اس کا۔'' طلال نے اُسے گھورتے ہوئے کہا تو وہ الٹا

دونوں کو شاکی نظروں سے دیکھ کر رہ گیا، پھر اٹھ کر صوفے پر جا بیٹھا اور غمزدہ قسم کی سانس بھری۔

''موت کا ایک دن معین ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی''

''کچھ غلط بول گئے ہو۔'' مصطفیٰ خان ہنستے ہوئے اس کی سمت جھکا۔

''بیاہ کا ایک دن معین ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

اس طرح کہو۔'' وہ یہ کہہ کر ہنسنے لگا۔ خرم بری طرح جھینپ گیا اور سر کھجانے لگا۔

''نیند بھی آ جائے گی، مجھ سے ٹیبلٹ لے لینا۔ روزانہ دو کھاؤ گے اور خراٹے کی نیند آئے گی۔''

''کیوں بچے کے پیچھے پڑ گئے ہو۔ اس کی آہوں کو سمجھو۔ ان ٹھنڈی سانسوں کا مطلب اخذ کرو۔'' مصطفیٰ خان نے خرم کے سر پر یوں ہاتھ پھیرا جیسے کسی بچے کو پچکار رہا ہو۔

''اس بچے کی آہوں اور سانسوں کا مطلب تو اس کی اماں ہی اخذ کرے گی۔'' جاذب بھائی یہ کہہ کر ہنس دیئے۔ ''کیوں خرم! یہ ٹھنڈی ٹھنڈی آہیں چاچی کے کمرے میں جا کر کیوں نہیں بھرتے؟''

''تو آپ کس لئے بیٹھے ہیں؟ اتنا سا کام بھی نہیں کر سکتے؟'' وہ ڈھٹائی سے بولا تو جاذب باقاعدہ ابرو اچکا کر اسے گھور کر رہ گیا۔

''چاچی بھی یہیں موجود ہیں اور چچا جان بھی۔ کہو تو ابھی پیغام رساں ہونے کا ثبوت دے دوں، بات کروں ان سے؟''

''ارے رے، نن نہیں، جاذب بھائی! کیوں مروانے پر تلے ہیں؟ میں تو مذاق کر رہا ہوں۔'' خرم نے سچ مچ گھبرا کر ان کے گھٹنے پر ہاتھ کا دباؤ ڈال دیا مبادا وہ اٹھ کر خواتین کی طرف ہی چلے جائیں۔

طلال اور مصطفیٰ خان بے ساختہ ہنسنے لگے تھے۔ طلال کی مسکراہٹ ہونٹوں میں سمٹی تھی۔

وہ سرخ سرخ چہرہ لئے صبح کے ملگجے کپڑوں میں لالہ رخ کے ساتھ چلی آئی تھی۔ بال البتہ بنائے ہوئے تھے۔ ریشم جیسے بال زرد ہیئر بینڈ میں جکڑے ہوئے پشت پر اپنی خوشبو بکھیر رہے تھے۔ چہرے پر کمسن بچوں کی سی ناراضگی پھیلی ہوئی تھی۔ گویا زبردستی لائی گئی تھی۔

لالہ رخ اس کا ہاتھ تھامے اسے ٹیبل کے پاس کھینچ لائی۔

''میں کچھ کھاؤں گی نہیں لالی! بس کافی پیوں گی۔'' فلاسک کی طرف ہاتھ بڑھاتے بڑھاتے نگاہوں کی تپش پر اس نے بلا ارادہ سامنے دیکھا۔ وہ بڑے اطمینان سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

روشانہ کو اپنے پہلو سے جیسے کوئی لہر اٹھتی محسوس ہوئی، پھر اندر ہی کہیں دم توڑ گئی۔ جیسے سمندر کی بپھری ہوئی موج ساحل پر آ کر دم توڑ دے۔ وہ فلاسک اٹھا کر مگ میں کافی انڈیلنے لگی۔

''چلو کیک تو کھاؤ گی ناں؟'' لالی نے اس کے انکار کے باوجود پلیٹ اس کی طرف بڑھانی چاہی۔

''میرا خیال ہے یہ تمہارا والا کیک ہی کھائے گی۔'' طلال نے فاصلے پر رکھی ٹرے کی طرف اشارہ کیا جس میں لالہ رخ کا لیا ہوا کیک تھا۔

پتہ نہیں اس نے طنز کیا تھا یا یونہی مذاق۔ بہر حال اس کا لہجہ سنجیدگی لئے ہوئے تھا۔

''اصولاً تو مجھے یہی کھانا بھی چاہئے۔ مگر فی الحال میرا موڈ نہیں ہو رہا۔'' وہ باوجود ضبط کے اپنے لہجے کی تلخی نہ چھپا سکی اور کافی کا مگ اٹھا کر خواتین کی طرف چلی گئی۔

لالہ رخ دل گرفتہ سی ہو گئی۔ اس نے طلال کی طرف دیکھا جو بڑے اطمینان سے مصطفیٰ سے باتیں کرتے کرتے کولڈ ڈرنک کے سپ لے رہا تھا۔ اس کی بے نیازی اور لاتعلقی نے اس کے دل پر بوجھ ڈال دیا۔ وہ ایسا تو نہیں چاہ رہی تھی جو ہو رہا تھا۔ وہ تو فاصلے مٹا کر اس پتھر دل، بے حس شخص کے دل میں وہ جذبہ جگانے کی کوشش کر رہی تھی جو دل کی دنیا کو بدل ڈالتا ہے۔ جو بنجر سے بنجر زمین کو آنِ واحد میں سیراب کر دیتا ہے۔

وہ تو اس شخص کو اس پیاری سی لڑکی سے منسوب کرنے کے خواب دیکھ رہی تھی اور ادھر ناراضگیاں جنم لے رہی تھیں۔ یہ بات اسے اندر سے شکستہ کرنے لگی تھی۔

بزرگوں کے اٹھنے کے بعد ینگ پارٹی وہیں بیٹھی خوش گپیاں کرتی رہی۔ پھر خرم سب کو خوبصورت اشعار سے محظوظ کرنے لگا۔

''ستم تو یہ ہے کہ ظالم سخن شناس نہیں
وہ ایک شخص جو شاعر بنا گیا مجھ کو''

خرم نے پلوشہ کی طرف دیکھ کر ٹھنڈی سانس بھری تو پلوشہ بے چاری سٹپٹا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ اسے یوں بھی خرم کی معنی خیز گفتگو سے خوف آنے لگا تھا۔ پہلے ہی اس کا اعتماد اپنی نظروں سے پارہ پارہ کر ڈالتا تھا اور رہی سہی کسر فقروں، جملوں اور اشعار سے پوری کر

تھا۔

''اب آپ بھی اس محفل کو رونق بخشئے طفیلی بھائی! یہ خالی خولی داد تحسین اور تالیاں پیٹنے سے کام نہیں چلے گا۔'' خرم نے کہا تو جاذب بھی اصرار کرنے لگا۔

''ہاں بھئی۔ سنا ہے تم تو بڑے اچھے سخن پرداز ہو۔''

''ہاں، کچھ اتنا اچھا کہ ہمیشہ میرے کمرے کی دیواریں اپنے اس شوق سے بدنما کر کے جاتا تھا۔'' طلال نے ہنس کر یاد دلایا تو گویا اس کے دل کے سارے ٹانکے تڑ تڑ کھلتے چلے گئے۔ بے ساختہ سانس سینے کی تہہ سے آزاد ہو گئی۔ بہت کچھ یاد آ گیا۔ ماضی کے تلخ اور دلکش سارے منظر نگاہوں کے سامنے وا ہو گئے۔ اس کی نظریں غیر محسوس طور پر وہی چہرہ تلاشنے لگیں۔

وہ گلاس ڈور کے پاس کافی کا مگ تھامے کھڑی تھی۔ موسم کی مناسبت سے اس نے جرسی کا میرون رنگ کا سادہ سا سوٹ زیب تن کیا ہوا تھا۔ ہمیشہ کی طرح چہرہ سادہ تھا مگر آج اس پر اُجالا بکھرا محسوس ہو رہا تھا۔ شاید وہ دلی طور پر اس تقریب کو انجوائے کرتے ہوئے بے حد مسرور تھی۔

مصطفیٰ خان کے دل میں وہی مانوس جذبے سر اٹھانے لگے۔ اعتراف کا لاشعوری جنون امڈنے لگا۔

''ہمارا دل سویرے کا سنہرا جام ہو جائے
چراغوں کی طرح آنکھیں جلیں جب شام ہو جائے
کبھی تو آسماں سے چاند اُترے شام ہو جائے
تمہارے نام کی اِک خوبصورت شام ہو جائے''

اس کی بھاری آواز میں اتنا جذبہ تھا اور ایک طرح کی شگفتگی کہ لالہ رخ بڑے بے ساختہ پن کے ساتھ اس طرف متوجہ ہوئی تھی۔ مگر اس طرف دیکھنا ہی قیامت ہوا تھا۔ پتہ نہیں اس کی نشیلی آنکھوں میں کوئی ایسی تپش تھی یا شاعری اور اس کی ادائیگی میں کہ اس کے پہلو سے آنچ اٹھنے لگی۔

''عجب حالات تھے یوں دل کا سودا ہو گیا آخر
محبت کی حویلی جس طرح نیلام ہو جائے
سمندر کے سفر میں اس طرح آواز دے ہم کو
ہوائیں تیز ہوں اور کشتیوں میں شام ہو جائے''

سبھی اس کی سحر انگیز آواز اور لب و لہجے کے طلسم میں جکڑے ہوئے تھے۔

"مجھے معلوم ہے اس کا ٹھکانہ پھر کہاں ہو گا
پرندہ آسماں چھونے میں جب ناکام ہو جائے
اُجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دو
نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہو جائے"

مصطفیٰ خان نے آخری اشعار دو مرتبہ سنائے تھے اور براہِ راست اسے دیکھا تھا۔ لمحہ بھر لالہ رخ بھی اس کی مقناطیسی آنکھوں کے سامنے لوہے کا ٹکڑا بن کر رہ گئی۔ پھر چونکی، روشانہ نے اس کے نزدیک آ کر اس کے کندھے پر آہستگی سے ہاتھ رکھا تھا۔ اس نے کافی کا خالی مگ جھک کر ٹیبل پر رکھا اور اس کی طرف دیکھ کر یونہی مسکرانے لگی۔ پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر پلا اٹھا کر باہر نکل گئی اور مصطفیٰ خان کو لگا گویا چراغوں میں روشنی نہ رہی ہو۔ ہر شے پر یکلخت تاریکی چھا گئی ہو۔ ساری روشنی سمٹ کر گہرے بادلوں کے اندر جا چھپی ہو۔

جاذب اور خرم دوسری غزل سننے کا اصرار کرنے لگے مگر اس نے شائستگی سے معذرت کر لی۔ اس کے چہرے پر پھیلی غیر معمولی سرخی نے طلال کو مضطرب کر دیا۔ اس نے بڑی نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا تھا۔

"کیا خیال ہے، باہر نہ چلیں؟"

وہ چونکا اور یونہی اس کی طرف دیکھا پھر جیسے سنبھل سا گیا اور بادل ناخواستہ خاموشی سے اٹھ کر اس کے ہمراہ چل دیا۔ اس وقت اسے بھی کھلی فضا کی اشد خواہش ہو رہی تھی۔

"تم جیسے میچورڈ، باشعور شخص کے اپنے آپ کو دھوکا دیتے رہنے پر مجھے حیرت ہوتی ہے۔" طلال نے بڑی دل گرفتگی کے ساتھ اسے دیکھا تھا۔

جواباً وہ گاڑی کی سیٹ بیک پر سر ٹکائے آنکھیں موندے خود آزاری کیفیت میں ہنس دیا

"کیا ملتا ہے تمہیں یہ لمحے لمحے کی اذیت کو سہنا، ٹوٹنا اور خود ہی جڑنا۔ اس کھیل میں سوائے جان اور دل کے زیاں کے کیا ہے طفیلی؟ جو شے تمہاری دسترس سے نکل گئی ہو، اسے قبول کر لو۔ جو ہو گیا، اسے مان لو، جو نہیں ہوا اسے بھول جاؤ۔"

وہ گاڑی شفاف سڑکوں پر دوڑاتے ہوئے ایک دل گرفتگی کی کیفیت میں تھا۔ مصطفیٰ خان سڑکوں کے کنارے جلتے بجھتے سائن بورڈز کو تکنے لگا، پھر ایک گہری سانس کھینچی۔

"اگر کہوں کہ امید کا دیا ایک بار پھر روشن ہوا ہے، موہوم سی ہی سہی اُمید بیدار ہوئی ہے روشنی کی باریک لکیر گہری سے گہری تاریکی کا سینہ چیر سکتی ہے ناں۔" یہ کہتے ہوئے اس

بڑی چور نظروں سے طلال کی طرف دیکھا تھا۔

"کیا مطلب؟" اس نے استفہامیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تو وہ نظریں چرا گیا۔

"ہاں، اُمید تو تبھی بیدار ہوتی ہے جب رسائی کی کوئی راہ دکھائی دے رہی ہو۔" وہ سامنے دیکھنے لگا۔

طلال نے سڑک کے کنارے گاڑی روک کر اسے جانچتی نظروں سے دیکھا۔ "مگر تم نے تو کہا تھا اس کی شادی ہو گئی ہے؟"

مصطفیٰ خان کو اپنی کنپٹیاں تپتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ دل پر مانوس دباؤ شدت سے بڑھنے لگا۔ اس کا دل چاہا اس پل یہ بوجھ نکال کر اس کے سامنے رکھ دے۔ کہیں تو کسی طرح تو یہ آگ باہر نکلے۔ کب تک وہ اندر ہی اندر بھسم ہوتا رہے گا۔

ان تیزی سے گزرتے لمحوں کو وہ اب مٹھی میں جکڑنا چاہتا تھا۔ وہ کالج بوائے تو نہیں تھا نا، عمر کے اس دور میں تھا کہ محض یادوں، خیالوں اور محبوب کے تصور سے بہل کر پریکٹیکل لائف میں آنے تک کا انتظار کرتا۔

ادھر خاندان والوں کا بھی شادی کے لئے دباؤ بڑھتا جا رہا تھا اور سچ تو یہ تھا کہ اسے بھی من چاہے ساتھی کی طلب ہو رہی تھی۔ وہ بھی نارمل زندگی گزارنا چاہتا تھا اور ایک موہوم سی امید پر یہاں چلا آیا تھا جو ٹوٹتے ٹوٹتے پھر جوان ہو گئی تھی اور اب وہ یہ بازی ہارنا نہیں چاہتا تھا۔

اس نے اپنا بکھرتا اعتماد سمیٹا، اس نے طلال کے سامنے یہ راز عیاں کر دیا کہ اس کی پسند کوئی اور نہیں، اس کی بہن لالہ رخ ہے۔

یہ انکشاف یقیناً طلال کے لئے غیر متوقع اور اعصاب شکن ثابت ہوا تھا......!

☆

طلال کو اپنے اعصاب اس طرح جھنجھناتے ہوئے محسوس ہوئے جیسے لاسٹک کو کوئی
طرف سے کھینچ کر چھوڑ دے۔

انکشاف کے اس دھچکے نے کتنی ہی دیر تک اسے کسی بھی ردعمل سے باز رکھا۔

مصطفیٰ خان مجرمانہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے سے گریز کرتے ہوئے بولا۔ ''میں تم
سے شرمندہ ہوں۔ بلکہ تمہارے اس پورے گھرانے سے۔ شاید میں خیانت کا مرتکب ہوا
ہوں، مگر میں اب مزید خود کو اور تمہیں دھوکا نہیں دے سکتا۔'' اس کی آواز پست تھی جیسے کوئی
مجرم اپنے جرم کا اعتراف کرتے ہوئے رنج، خفت اور دل برداشتگی کی کیفیت سے دوچار ہو۔

اُس نے جرأت مجتمع کرتے ہوئے طلال کی طرف دیکھا جو بالکل خاموش اسٹیئرنگ پر سر
جھکائے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے کے زاویوں میں کھنچاؤ تھا اور چہرے کے نازک حصوں میں
غیر معمولی سرخی۔

مصطفیٰ خان سمجھ ہی نہیں سکا، یہ سرخی غصے کی تھی، ضبط کی تھی یا دل آزاری کی۔ اس نے
سراسیمہ ہو کر نگاہیں ہٹا لیں اور اداسی سے بولا۔ ''آئی ایم سوری۔ میں نے تمہارے اعتماد کو
ٹھیس پہنچائی ہے۔ میں سمجھ سکتا ہوں ایک غیرت مند بھائی کے لئے ایسا انکشاف تکلیف دہ
ہوتا ہے۔ میں اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہوں گا طلال۔ میں ہر سزا کے لئے تیار ہوں اور اگر تم
کہو تو میں کل ہی ملتان چھوڑ کر چلا جاؤں گا اور پلٹ کر کبھی نہ آؤں گا۔'' وہ اس کی خاموشی کو
اپنے دل پر ندامت کے بھاری بوجھ کی طرح محسوس کرتے ہوئے بولا۔

طلال نے بس نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں کے زیریں کنارے سرخ
انگارہ ہو رہے تھے۔ یکدم اس نے سختی سے لب بھینچ لئے اور اگنیشن میں جھولتی چابی گھما کر
گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

مصطفیٰ خان کا دل پہلو میں کسی مجروح پرندے کی طرح پھڑپھڑانے لگا۔ طلال کی
خاموشی اس کے دل پر ضرب کی طرح لگ رہی تھی۔ اس نے چاہا وہ اسے ڈانٹے، اس کے
منہ پر طمانچہ مارے، اس کا گریبان پکڑ کر اس سے باز پرس کرے، کوئی بھی ایسا ردعمل ظا

کرے کہ اس کے دل پر ہلکورے لیتی ہوئی ندامت اور اضطرابی دباؤ کم ہو جائے۔ مگر وہ تو
بالکل گم صم ہو گیا تھا۔ مصطفیٰ خان کو اس کی خاموشی سے خوف آنے لگا تھا۔

راستہ اسی سرد سرد سی فضا میں کٹا۔ سکندر ولا کے گیٹ پر وہ گاڑی روک کر مصطفیٰ خان کے
اُترنے کا منتظر رہا۔ اس کے اترتے ہی اس نے گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کی اور پہلی بار لب
کھولے۔

''سنو! اندر کہہ دینا طلال ہاسپٹل گیا ہے۔ اسے Casualty کال آئی ہے۔'' یہ کہہ کر وہ
گاڑی ریورس کر کے بھگا لے گیا۔

مصطفیٰ خان کے دل کی فضا پر اضمحلال سا اتر آیا۔

☼☆☼

لالہ رخ نے روشانہ کی طرف دیکھا جو اپنے کیوٹکس پر نگاہیں جمائے ان کے بیڈ کراؤن
سے ٹیک لگائے بالکل چپ بیٹھی تھی۔ لالہ رخ نے حمزہ کا یونیفارم ہینگر کیا اور وارڈ روب بند کر
کے اس کے نزدیک آ کر بیٹھ گئی۔

''تم طلال سے بہت زیادہ ناراض ہو گئی ہو نا۔'' اس نے روشانہ کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر
اس کا چہرہ ٹٹولا۔ جواباً وہ اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔ پھر سر جھکا کر استہزائیہ انداز میں ہنسی۔

''میرا بھلا ان سے کیا تعلق کہ ناراض ہوتی پھروں؟''

''ادھر دیکھو، میری طرف دیکھ کر کہو ذرا یہ بات۔'' انہوں نے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا تو وہ
بے چارگی آمیز کرب محسوس کرتے ہوئے روہانسی ہو گئی۔

''لالی پلیز! یہ اس قدر ظالم اور بے رحم ہیں کہ بس چھوڑیں، آپ ذکر ہی مت کریں ان
کا۔ پلیز!''

لالہ رخ کے دل میں تیر سا اتر گیا۔ وہ تڑپ کر رہ گئی۔

''نہیں روشی، وہ ظالم نہیں ہے، وہ تو بہت حساس ہے۔ یہ تو اس نے اپنے اوپر خول چڑھا
رکھا ہے۔''

''پتہ نہیں آپ کس خمیر کی بنی ہوئی ہیں کہ ان کے رویوں کو شہد کی طرح پی جاتی ہیں۔''
وہ شاکی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''اسی لئے دانا کہتے ہیں کہ آنکھیں روح کی کھڑکیاں ہوتی ہیں، ان سے جھانکنا سیکھئے،
دھوکے سے محفوظ رہیں گے۔'' اس نے روشانہ کی طرف دیکھا پھر عجیب آزردگی سے ہنس دی
اور بیڈ کراؤن پر اس کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔

"کوئی ہم سے اتنی محبت کرے کہ ہمارے لئے اپنی خوشیاں بھی تیاگ دے تو یہ بات جہاں مسرت انگیز ہے وہیں اذیت آمیز بھی۔ مگر اذیت آمیز اس وقت جب آپ بھی مقابل سے اتنی ہی محبت کر رہے ہوں، اس کی خوشیوں کے متمنی ہوں۔" اس نے ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے رخ موڑ کر روشانہ کو دیکھا۔ اس کے چہرے کی نرماہٹ میں عجیب سی دھند پھیل رہی تھی اور دراز پلکوں کے سائے لرزتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔

"تم دراصل بہت سی باتوں سے ناواقف ہو نا، اس لئے تم اس سے بدگمان ہو، اسے صحیح طور پر انڈر اسٹینڈ نہیں کر رہی ہو۔" اس نے اس کے رخسار پر ہلکے سے انگلی پھیری اور مسکرا دی۔

"میں نے حنا کے ساتھ بھی ان کا رویہ ایسا ہی ہتک آمیز دیکھا تھا۔" وہ ہنوز طلال سے بدگمان رہی۔

"ہاں، اس وقت حنا کے ساتھ ایسے ہی بی ہیو کی ضرورت تھی۔" وہ اطمینان سے بولا۔ پھر اس کے چہرے پر پھیلی افسردگی دیکھ کر نرمی سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر تھپکا۔ یکدم اس کی آنکھوں کی خوشنما زمینوں سے آنسو بے آواز نکل پڑے۔ ماضی کے اذیت انگیز حسرت آمیز سارے درد جاگ اٹھے۔ اسے لگا روح کے زخموں کے ٹانکے دھڑ دھڑ اُکھڑنے لگے ہوں، ہر زخم آنچ دینے لگا ہو۔

یادوں کا ایک ریلا سا اٹھا...... ہنستی مسکراتی یادیں...... تلخ زہریلی یادیں ...... ہاتھ سے پھسلتے ریشم جیسے نازک لمحوں کی یادیں...... کیا کچھ نگاہوں تلے لہرا نہ گیا۔

اس نے جیسے تھک کر بیڈ کراؤن سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔

میرے ہمسفر! میرے بے خبر! تیرے نام پر
وہ جو پھول کھلتے تھے ہونٹ پر
وہ نہیں رہے
وہ نہیں رہے کہ جو ایک ربط تھا درمیاں، وہ بکھر گیا
میرے ہم سفر، ہے وہی سفر
مگر ایک موڑ کے فرق سے
تیرے ہاتھ سے میرے ہاتھ تک
وہ جو ہاتھ بھر کا تھا فاصلہ
کئی موسموں میں بدل گیا

اسے ناپتے اسے کاٹتے۔
میرا سارا وقت نکل گیا

بظاہر مضبوط نظر آنے والے رشتے بھی کتنے کمزور اور نازک نکلتے ہیں، آن واحد میں یوں ٹوٹ جاتے ہیں گویا نم ہاتھوں سے کانچ کا برتن پھسل کر کھردری سطح پر جا گرے۔ پھر ان پر بیٹھ کر ماتم کیا جا سکتا ہے، نوحہ پڑھا جا سکتا ہے۔ انہیں سمیٹا اور جوڑا نہیں جا سکتا۔

"میرا اور سیف الرحمٰن کا رشتہ جتنا مضبوط تھا، اس سے کہیں زیادہ کمزور ثابت ہوا۔" اس کی آنکھوں میں دھند کا غبار دبیز ہو گیا۔

"کچھ حقیقتیں بہت سفاک ہوتی ہیں، ہمارے جسم کی کھال سے جونک کی طرح چمٹ جاتی ہیں، خون چوستی رہتی ہیں۔ محبت بھی شاید ایسی ہی ایک سفاک حقیقت ہے۔"

⁂☆⁂

سکندر ولا کی چہیتی، لاڈلی لالہ رخ وداع ہو کر "عبدالرحمٰن ہاؤس" میں اتری تھی۔ جہاں سکندر ولا جیسی بے غرض محبتیں نہ تھیں۔ تاہم اس نے نفرتوں کا بھی ذائقہ نہ چکھا تھا، اور یہی بات اسے غنیمت معلوم ہوئی تھی وگرنہ اس کا دل تو بہت سہم گیا تھا جب شادی کی پہلی رات ہی سیف الرحمٰن نے اس کے حسن کے قصیدے پڑھنے کے بعد یہ بتایا کہ اسے پانے کے لئے اس نے گھر والوں سے باقاعدہ جنگ کی ہے۔

مگر اسے تو صائمہ آپا "بڑی نند" نے ہی پسند کیا تھا کسی فنکشن میں۔ اسے حیرت ہوئی۔ مگر وہ اس کی حیرت رفع کرتے ہوئے بولا۔

"انہیں میں نے ہی تمہاری طرف متوجہ کیا تھا اور رابطہ بڑھانے پر زور دیا تھا۔ دراصل امی صائمہ آپا کی نند سے میری شادی کرنا چاہتی تھیں اور ان کے دیور ہارون سے ثانیہ (چھوٹی لڑکی) کی شادی کی خواہش مند تھیں، مگر میری اس طوفانی محبت نے ان کے سارے پلان خاک میں ملا دیئے۔ یوں وقتی غصہ تھا انہیں، جو میرا خیال ہے، زائل ہو چکا ہے۔ بہرحال وہ تم سے خفا یا غیر مطمئن نہیں ہیں۔ ہاں اگر......" وہ ایک لحظہ رُکا اور اسے تقویت دینے کے لئے اس کے ہاتھ پر اپنے ہاتھ کا تسلی آمیز دباؤ ڈالتے ہوئے بولا۔ "اگر کبھی ان کے رویئے میں کوئی ترشی آ جائے تو پلیز نظر انداز کرنا۔ وہ اس گھر کی سربراہ ہیں، اور ہم بھائی بہنوں سے بے حد محبت کرتی ہیں۔ پاپا کے انتقال کے بعد وہ کچھ چڑچڑی بھی ہو گئی ہیں، تمہیں ان کا ہر حکم سر آنکھوں پر رکھنا ہے اور سمجھنا ہے کہ ان کا غصہ، ڈانٹ ڈپٹ اور تمام فیصلے اس گھر اور گھر والوں کی بہتری کے لئے ہی ہوتے ہیں۔"

اور اس نے سر ہلا دیا۔ یوں بھی اس کی فطرت میں کب سرتابی، ضد یا غصہ تھا۔ وہ تو ٹھنڈے چشمے جیسی تھی۔ آس پاس کی کھردری سطح کو بھی سیراب کرنے لگی۔

سیف الرحمٰن ایک جذباتی، انا پرست اور بات بات پر بچوں کی طرح روٹھ جانے والا م تھا۔ ساتھ ہی عورت کو زیر کرنے کے سارے اسرار و رموز سے خوب واقف تھا۔ لالہ رخ جیسی نیک طینت اور نرم مزاج عورت اس کی مٹھی میں یوں آ گئی تھی گویا ریشم کا گچھا۔ جہاں اور جیسے چاہتا اس کا رخ موڑ دیتا۔ وہ گہری اور بے غرض محبتوں میں رہ کر آئی تھی، کبھی کبھی یہاں کے ماحول اور مکینوں کی تنگ مزاجی سے گھبرا جاتی۔ خصوصاً ثانیہ جو ماں کی طرح تند مزاج اور منہ پھٹ واقع ہوئی تھی، سیف الرحمٰن کی طرح رومانٹک اور بچوں کی طرح بات بات پر روٹھ جانے والی طبیعت پائی تھی۔ سو اسے بچوں کی طرح ٹریٹ کرنا پڑتا تھا۔ یوں بھی اس کے دن بھر کا اضمحلال اور تھکن رات کو سیف الرحمٰن اس طرح دھو دیتا جیسے برسات کی بوچھاڑ دیواروں سے گرد اتار دیتی ہے، اسے نکھار کر چمکا دیتی ہے۔

***

اس روز میکے سے لوٹتے ہوئے لالہ رخ نے کئی دنوں سے دل میں چمکتی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"آپ نے کبھی میرے گھر والوں کے بارے میں کوئی رائے نہیں دی۔"

گاڑی سگنل کی سرخ بتی پر روکتے ہوئے سیف الرحمٰن نے پہلے تو ذرا حیرت سے اس کی طرف دیکھا پھر ایک ہنکارا بھر کر ونڈ اسکرین پر نظریں جما دیں۔

"مجھے لوگوں کی پہچان نہیں ہے۔ اچھے ہی ہوں گے۔" اس کا انداز کچھ ٹالتا ہوا سا تھا۔ حالانکہ سیف الرحمٰن جیسے میچورڈ اور مردم شناس شخص کو لوگوں کی پہچان نہ ہوتی یہ تعجب خیز بات تھی۔

"یوں کہیے کہ آپ رائے دینا نہیں چاہتے۔" وہ بولی۔

"چلو یہی سمجھ لو۔ بائی دی وے تمہیں یہ اچانک کیا سوجھی؟" سگنل کھلتے ہی اس نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے ہلکی ہنسی کے ساتھ کہا۔ مگر وہ چپ رہی اور کھڑکی میں منہ دیے جلتے بجھتے سائن بورڈ کو تکتی رہی۔

کبھی کبھی ایسی خواہشات بلاوجہ سر اٹھاتی ہیں یا لاشعوری طور پر وہ بھی خوفزدہ عورت کی طرح یہ جاننا چاہتی تھی کہ اس کا شوہر اس کے میکے والوں کے رویوں سے مطمئن تو ہے نا۔

"چلو تعریف کر ڈالتے ہیں۔" وہ اس کی خاموشی کو محسوس کر کے شرارت سے بولا۔ اس کا

انداز احسان جتانے والا تھا، تاہم لالہ رخ اس کی طرف دیکھ کر ہنس پڑی۔

"خیر میں تعریف کرنے کو تو نہیں کہہ رہی تھی۔"

"بھئی میکے والے تمہارے ہیں، سو تمہاری طرح اچھے تو ہوں گے ہی۔" اس نے سگریٹ کا ہلکا سا کش لے کر سارا دھواں اس کے منہ پر چھوڑ دیا۔

"کتنی دفعہ منع کیا ہے اس بری لت سے چھٹکارا حاصل کیجیے، پھیپھڑوں کی ساری بیماریاں اسی سگریٹ نوشی کی بدولت ہوتی ہیں۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر دھواں اِدھر اُدھر کرتے ہوئے سرزنش کی۔ پھر سگریٹ اس کے ہاتھ سے چھیننا چاہی۔ مگر اس نے ہاتھ جلدی سے پیچھے کر لیا۔

"آں آں...... لالی، کیا کر رہی ہو؟ اچھا بھائی، بس اب نہیں پیوں گا۔ یہ ایک ختم کرنے دو۔" اس کے گھورنے پر اس نے ملتجی انداز اختیار کیا تو لالہ رخ سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"وعدہ کیجیے کہ اب نہیں پئیں گے۔" اُس نے اپنی خوشنما آنکھوں کو ان پر ٹکایا اور ایسے وقت سیف الرحمٰن ہی کیا کوئی اور بھی ہوتا تو وعدے کرتا چلا جاتا۔

"وعدہ۔ آئندہ تمہارے سامنے نہیں پیوں گا۔" یہ کہہ کر وہ مسکین سی صورت بنا کر اسے دیکھنے لگا۔ پھر بے ساختہ ہنس دیا۔ لالہ رخ اسے مصنوعی خفگی سے گھورتی رہی پھر خود بھی ہنس پڑی۔

***

آج لالہ رخ کو سکندر ولا سے اس کی برتھ ڈے کارڈز اور گفٹس ملے تھے۔ وہ مسرت آمیز احساس کے ساتھ بیڈ پر چڑھی بیٹھی تھی اور سب کے کارڈ کھول کر پڑھ رہی تھی۔ سب سے خوبصورت کارڈ ہمیشہ کی طرح طلال کا تھا۔ اسے بہت حیرت ہوئی کہ بظاہر اتنا سنجیدہ، کم سخن نظر آنے والا شخص اتنا سخن طراز اور جذبوں سے پُر تھا۔ نیلے رنگ کے اس کارڈ کے اندر اس نے اپنی خوبصورت ہینڈ رائٹنگ سے گویا موتی ہی پروئے تھے۔

تمہارے نام کی ہتھیلی پر دُعا کے حروف
کچھ یوں لکھتے ہیں
کہ تیری عمر کے دیوں کو تند ہوا کی نظر نہ لگے
تیری آنکھوں میں قوس قزح ہو، جگنو ہوں
اور تارے ہوں!
تیرے سفر کی کہانیوں میں چھاؤں کے ذکر کے سائے ہوں!
دھوپ کی حدتیں نہ ہوں

پیاس کی شدتیں نہ ہوں
سکھوں کے تمام دریا تیرے رستوں سے ہو کر گزریں
گھنی بارشوں کے سائے تجھے چاہتوں کی نوید سنائیں
اور بھی اگر جب تو بے مہر ساعتوں کی طرح
بچھڑ جائے، بکھر جائے
تو زندگی تجھے ملائے، سمیٹ لائے

طلال کے علاوہ خرم، حنا، جاذب، حسنہ سب کی طرف سے مختلف کارڈز تھے۔ سعدیہ بھابی ہمیشہ سادہ سے کارڈ کا انتخاب کرتی تھیں مگر اس دفعہ بڑا رومانٹک قسم کا کارڈ بھیجا تھا، اس سط کے ساتھ کہ ''اب تم یقیناً میچورڈ ہو گئی ہو۔''

وہ محظوظ ہو کر مسکرا دی۔

حنا نے بڑے دلگیر قسم کے اشعار لکھے تھے۔

اُجڑ اُجڑ کے سنورتی ہے تیرے ہجر کی شام
نہ پوچھ کیسے گزرتی ہے تیرے ہجر کی شام
یہ برگ برگ اُداسی بکھر رہی ہے مری
کہ شاخ شاخ اُترتی ہے تیرے ہجر کی شام
اُجاڑ گھر میں کوئی چاند کب اُترتا ہے
سوال مجھ سے یہ کرتی ہے تیرے ہجر کی شام

جاذب بھائی نے اپنی فطرت کے مطابق سادہ سی نظم میں اسے وش کیا تھا۔ نازش نے ڈھیر ساری دعائیں دی تھیں۔ معصوم معصوم سادہ سی دعاؤں سے اس کا خلوص جھلک رہا تھا اور خرم نے تو کارڈ کے اندر کے صفحات کو اس طرح بھر دیا تھا کہ اچھا خاصا کارڈ کسی بچے کی ڈرائنگ کاپی محسوس ہو رہا تھا۔ چھوٹی چھوٹی نظموں اور اشعار کے گرد ستارے، جگنو، تتلیاں بنائی تھیں۔

صبح کی ہوا تجھ سے گر ملے تو کہہ دینا
شام کی منڈیروں پر ہم دیے جلائیں گے
ہم تیری محبت کے جگنوؤں کی آمد پر
تتلیوں کے رنگوں سے راستے سجائیں گے

اُسے خرم کی ساری نظمیں اور اشعار پسند آئے تھے۔

حسنہ نے حسب عادت دعاؤں کی بھرمار کی تھی اور لکھا تھا کہ
''تمہاری طرف سے ملنے والی دعائیں اُدھار رہیں''
اس کی شادی بہت جلد متوقع تھی، سو آج کل وہ دُعائیں سمیٹنے کے جتن میں رہتی تھی۔
ہر کارڈ اپنی مثال آپ تھا، محبتوں سے گندھا ہوا، جذبوں سے پُر۔ وہ سکندر ولا کے مکینوں کی محبت میں جکڑی ہوئی ایک مسرت آمیز احساس سے سرشار تھی، اس کے ہاتھ میں طلال کا کارڈ تھا اور اس کی نظم کو وہ دہرا رہی تھی۔ جب تانیہ اس کے پاس آ کر بیٹھی تو وہ چونکی۔
تانیہ بڑے اشتیاق سے پھولوں اور بیڈ پر بکھرے کارڈز کو دیکھنے لگی۔ ایک آدھا اٹھا کر پڑھا بھی۔
''آپ تو بڑی لکی ہیں بھابی کہ اتنے باذوق قسم کے لوگوں کے درمیان رہتی آئی ہیں۔''
اسے لالہ رخ پر حقیقتاً رشک آ رہا تھا۔ پھر اس نے طلال کا کارڈ اٹھا کر توصیفی انداز میں ابرو اچکائے اور نظم کو پڑھا پھر نیچے لکھے طلال کا نام پڑھ کر چونکی۔
''طلال غالباً آپ کے بھائی ہیں نا جو ڈاکٹر ہیں۔''
''ہاں۔ اب M.C.P کر رہا ہے۔'' لالہ رخ کے لہجے میں ایک محبت آمیز چاشنی سمٹ آئی۔
''کمال ہے، سرجن بن رہے ہیں اور ایسا شاعرانہ مزاج رکھتے ہیں، حیرت انگیز۔'' تانیہ کو تعجب ہوا۔ پھر بولی۔ ''میں نے انہیں آپ کی شادی میں سرسری دیکھا تھا۔ بڑے مغرور معلوم ہوتے ہیں کہ ملتے بھی نہیں ہم لوگوں سے۔''
''ارے نہیں، وہ مغرور بالکل نہیں ہے۔'' لالہ رخ جلدی سے بولی۔ ''دراصل وہ ان دنوں بہت بیزی تھا اپنی ایجوکیشن کے سلسلے میں۔ ایک دن پہلے ہی تو وہ لاہور سے آیا تھا اور ولیمے کے دوسرے روز اسے واپس بھی جانا تھا۔ اور دوسرے اس کی نیچر بھی کچھ اس طرح کی ہے کہ وہ گیدرنگ میں مکس اپ نہیں ہوتا۔'' وہ وضاحتیں کرنے لگی۔
''ہاں، اس کا اندازہ تو ہمیں ہو ہی گیا تھا۔'' تانیہ نے بھنویں اچکا کر کہا۔ اُس نے ''مجھے'' کی بجائے ہمیں کا صیغہ استعمال کیا تھا۔ لالہ رخ کا دل سہم سا گیا۔ اس نے اس کے چہرے کو کھوجا۔ گو کہ اسے اپنی ساس کی طرف سے میکے والوں کی کسی قسم کی شکایت سننے کو نہیں ملی تھی اب تک۔
تانیہ کے لہجے میں اترا شکوہ اسے کانشس کر گیا۔
''تم کسی دن آنا نا، میں تمہیں اس سے ملواؤں گی۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر اس کا شکوہ دور

کرنے کی غرض سے بولی تو تانیہ کا چہرہ چمک اٹھا۔

''ایک بات کہوں بھابی۔'' ایک لمحے توقف کے بعد وہ بولی۔ ''آپ کی شادی سیف بھائی سے ہونے پر میں سب سے زیادہ خوش ہوئی، اس لئے کہ آپ کی وجہ سے میری ہارون بھائی سے جان چھوٹ گئی۔'' یہ کہہ کر وہ کھلکھلائی پھر کندھے پر لہراتے بالوں کو پیچھے جھٹکتے ہوئے منہ بگاڑ کر بولی۔ ''آپ نہیں جانتیں ہارون کس قدر بد ذوق اور بدشکل مرد ہے۔ میں تو سوچ سوچ کر ہی پریشان ہوتی رہتی تھی۔ آپ تو جانتی ہیں نا، میں سیفی بھائی کی طرح حسن پرست ہوں۔ اب دیکھئے نا، لائف پارٹنر کو دن رات دیکھنا بھی تو پڑتا ہے نا۔ اسے دل دار ہی نہیں دل کش بھی تو ہونا چاہئے نا۔'' یہ کہہ کر وہ کھنک دار ہنسی کے ساتھ ہنس پڑی۔

لالہ رخ شادی شدہ ہونے کے باوجود اس بے باک گفتگو پر شپٹا کر رہ گئی۔ گو کہ وہ ان چھ مہینوں میں اس کی دریدہ دہنی اور بے باک انداز نشست اور گفتگو سے آگاہ ہو چکی تھی۔ مگر اکثر وہ کچھ حیران اور کچھ پریشان سی ہو جاتی، اس نے سکندر ولا کی لڑکیوں کے ہمراہ اتنے برس گزارے تھے، شادی شدہ، غیر شادی شدہ سب کی گفتگو میں شریک رہی تھی مگر کبھی کسی کی باتوں میں غیر اخلاقی الفاظ اترتے نہ سنے تھے۔ ہاں شائستہ مذاق ضرور ہوتا تھا۔ شادی شدہ عورتوں کے ہلکے پھلکے جملے اور فقرے بازی پر کنواری لڑکیاں حیا سے سمٹ کر اِدھر اُدھر ہو جایا کرتیں، کبھی انہیں ڈھٹائی سے جواب دیتے یا ہنستے نہ دیکھا گیا۔

''بھابی، اس کارڈ سے یہ نظم اپنی ڈائری میں لکھ لوں؟''

تانیہ طلال کا کارڈ اٹھا کر کہہ رہی تھی۔ اس نے دیکھا، کارڈ اس نے لفافے میں ڈال کر باقاعدہ اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ وہ اب انکار کیا کرتی۔ یوں اسے تامل بھی نہ تھا۔ اس کے سر ہلانے سے پہلے ہی تانیہ کارڈ اٹھا کر اس کے بیڈ سے اتر گئی۔

رات سیف الرحمٰن کمرے میں آیا تو لالہ رخ اپنے میکے سے آئے سارے کارڈز، گفٹ اور پھول اسے دکھانے لگی۔ معصوم خوشی اس کے چہرے سے پھوٹ رہی تھی۔ مگر سیف الرحمٰن کے تیوروں میں ناگواری تھی۔ اس نے ان ساری چیزوں پر نگاہیں ڈالنے کی بجائے اس کی طرف کڑے تیوروں سے دیکھا۔

''امی بتا رہی تھیں کہ یہ ساری خرافات خرم دینے آیا تھا اور اس نے امی سے سلام دعا کرنے کی زحمت تک گوارا نہیں کی۔'' وہ بیڈ کے کنارے بیٹھ کر پیروں سے موزے کھینچتے ہوئے لالہ رخ کے چہرے پر چھائی ہوئی ساری چمک بھی کھینچ لے گیا۔

''نہیں، وہ دراصل بہت جلدی میں تھا، اسے بورڈ آفس جانا تھا۔ اور وہ اندر بھی نہیں آیا

تھا۔'' وہ کارڈ ایک طرف ڈال کر اس کے سلیپر اٹھا کر اس کے پیروں کے پاس رکھتے ہوئے عاجزانہ انداز میں وضاحت کرنے لگی۔ جملوں سے زیادہ اس شخص کے تیور اس کی جان نکال کر رکھ دیتے تھے۔

''ہاں، ان خرافات کے لئے وقت نکل آتا ہے ان لوگوں کے پاس۔ مگر ریت روایتوں کو پورا کرنے کے لئے ٹائم نہیں ہوتا۔'' وہ موزے جوتے میں گھسیڑنے کی بجائے فرش پر پھینکتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ پھر بیڈ پر بکھری چیزوں پر سلگتی نگاہ ڈال کر طنز سے ہنس پڑا۔

''یہ سب بھیج کر وہ لوگ کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہیں، یہ کہ سکندر ولا میں بڑے باذوق قسم کے لوگ بستے ہیں یا یہ کہ جھوٹی محبت جتا کر تمہاری پوزیشن مستحکم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تو محترمہ لالی صاحبہ! کیا تمہیں میرے گھر والوں سے محبت نہیں مل رہی ہے یا اس گھر میں بد ذوق اور بے حس لوگ بستے ہیں؟''

''سیفی! کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟'' وہ صدمے سے گنگ رہ گئی۔

''اٹھاؤ یہ سب کچھ اور پھینکو انہیں ڈسٹ بن میں۔'' وہ یکدم دھاڑا۔ تب وہ بوکھلا کر کانپتے ہاتھوں سے جلدی جلدی وہ سب چیزیں سمیٹنے لگی۔

اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس شخص کا ردعمل اس قدر منفی ہوگا۔ خرم کے جانے کے بعد ساس کا چہرہ دیکھ کر وہ چونکی تو تھی کہ خرم کی آمد کا مقصد جان کر وہ بدمزہ ہو گئی ہیں، تاہم شوہر کے اس رویے نے اسے بری طرح مجروح کر ڈالا تھا۔

''محترمہ! شادی کے بعد عورت کی زندگی کا محور صرف شوہر ہوتا ہے، ہر خوشی وہ صرف شوہر کے ساتھ سلیبریٹ کر سکتی ہے، ہر ایرے غیرے کے ساتھ خوشیاں منانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔'' وہ اس پر غصیلی نگاہ ڈال کر باتھ روم میں جا کر بند ہو گیا۔

ایرے غیرے...... کیا اس کے میکے والے، اس کے بہن بھائی، بھانجے بھتیجے ایرے غیرے ہو گئے تھے؟

وہ دل گرفتہ سی بیڈ کے کنارے بیٹھی رہ گئی۔

☆☆☆

کھانے کی میز پر تانیہ نے لالہ رخ کو کہنی مارتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں پوچھا کہ بھائی کی طرف سے انہیں کیا گفٹ ملا تو وہ سر جھکا گئی۔

اسے خاموش پا کر وہ براہِ راست سیف الرحمٰن سے مخاطب ہوئی۔ ''سیفی بھائی! آج بھابی کی برتھ ڈے ہے، آپ کو خبر بھی ہے؟'' اس کے انداز میں شرارت تھی۔

"نہیں۔" وہ بے تاثر انداز میں کہہ کر چاول کی ٹرے اپنی طرف کھینچ کر چاول پلیٹ میں نکالنے لگا۔

تانیہ پہلے چونکی، پھر مذاق سمجھ کر ہنس پڑی۔ "یہ کیسے ممکن ہے، آپ نے بھابی کو کیا گفٹ دیا ہے، بتایئے نا۔"

لالہ رخ وہاں سے ہٹ کر کچن میں چلی گئی۔ سیف الرحمٰن کے چہرے کے زاویوں میں کھنچاؤ اس بات کا مظہر تھا کہ وہ اس موضوع سے سخت بیزار ہو رہا ہے۔

"میں اس طرح کی فضولیات کو پسند نہیں کرتا۔ یوں بھی زندگی کا ایک سال کم ہو جانا کوئی خوشی یا فخر کی بات نہیں ہے کہ کارڈز وصول کر کے خوشیاں منائی جائیں۔" وہ زہرخند لہجے میں کہتا کھانا کھانے لگا۔

تانیہ نے گردن موڑ کر لالہ رخ کی طرف تعجب سے دیکھا پھر کندھے اچکا کر چائے کا مگ اٹھا کر چسکیاں بھرنے لگی۔

لالہ رخ عجیب سی خفت محسوس کر کے رہ گئی۔

رات کے کھانے کے بعد وہ کمرے میں آئی۔ اسی دم فون کی گھنٹی بج اٹھی، اس نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھانا چاہا کہ عقب سے سیف الرحمٰن نے اچک لیا۔

دوسری طرف طلال تھا۔ وہ اس سے بڑی شائستگی سے ہنس ہنس کر باتیں کرنے لگا۔ پھر ریسیور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"تمہارے باذوق، دلارے بھائی کا فون ہے۔ لو بات کرو۔"

اس کے ہاتھ سے ریسیور تھامتے ہوئے وہ صدمے کی سی کیفیت سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ یہ شخص اس قدر تیکھے روپ میں اس کے سامنے آیا تھا کہ اس کے حواس مختل ہو رہے تھے۔ جذباتی اور غصیلا تو وہ تھا ہی مگر طعنہ و تشنیع سے اس کا دل چھلنی کرنے والا روایتی قسم کا مرد بن جائے گا، اس نوبت کا تصور بھی نہ تھا اس کے پاس۔

وہ اپنی کیفیت سنبھال کر لہجے میں خوش دلی کا تاثر سموتے ہوئے سب کی خیر خیریت پوچھنے لگی۔

طلال اسے برتھ ڈے پر بھیجے گئے گفٹس اور کارڈز کے بارے میں پوچھنے لگا تو اس نے بات بدل دی۔ وہ قریب ہی بیڈ پر لیٹا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ اس موضوع پر مزید بات کر کے اس کے غصے کو ہوا دینا نہیں چاہ رہی تھی۔

اچانک دوسری طرف طلال کے ہاتھ سے روبی بھابی نے فون اچک لیا تھا اور شرارت

سے پوچھنے لگیں کہ سیف نے اسے کیا گفٹ دیا۔

"کیا یہ بتانا ضروری ہے؟" وہ ہنس کر ٹالنے لگی۔

"ہاں بھئی، کیوں بتاؤ گی۔ ہم تو غیر ہو گئے اور وہی آپ کے اپنے ہو گئے ہیں۔ لگتا ہے دکھانے والی شے نہیں دی، کوئی محسوس کرنے والا گفٹ دیا ہوگا۔" وہ یہ کہہ کر ہنسنے لگیں۔ اس کے رخسار پر لہو رنگ چھلک آیا۔ اس نے دزدیدہ نظروں سے پھر بیڈ کی طرف دیکھا، اب وہ کروٹ کے بل لیٹا کسی میگزین کی ورق گردانی کر رہا تھا مگر اس کی پیشانی پر پڑے آڑے ترچھے بل اس بات کے غماز تھے کہ وہ بیزار ہو رہا تھا۔

"میں آؤں گی تب بتاؤں گی، اب فون پر تو ساری باتیں نہیں ہو سکتیں ناں۔" اس نے بات ختم کر دی۔ روبی بھابی بھی سمجھدار تھیں، زیادہ اصرار نہیں کیا۔ اس نے فون بند کر دیا پھر ایک گہری سانس کھینچ کر کرسی سے اٹھی اور وارڈ روب کی طرف بڑھ گئی۔ تب سیف الرحمٰن نے میگزین ایک طرف ڈالتے ہوئے اسے پکارا۔

"بات سنو۔"

اس کا دل پہلو میں لرزنے لگا۔ مگر وہ اسے مسکراتی جذبے لٹاتی نظروں سے تک رہا تھا۔ پھر خود ہی اٹھ کر اس کے نزدیک چلا آیا۔

"آئی ایم سوری۔ یار، بس میں تھوڑا جیلس ہو گیا تھا۔" اس نے بڑے پیار سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "ادھر آؤ، تمہارے لئے بڑا پیارا سا گفٹ لے کر رکھا ہے۔"

وہ اسے لئے بیڈ کے پاس آیا، پھر بریف کیس سے ایک خوبصورت سا لاکٹ نکال کر اس کی شفاف گردن میں پہنانے لگا۔ مارے خوشی کے لالہ رخ کی خوبصورت آنکھوں میں بے اختیار پانی اتر آیا۔

اس نے کہنا چاہا...... تمہارا یہ گفٹ میرے لئے سب سے قیمتی اور سب سے اہم ہے مگر اس کے لب صرف کپکپا کر رہ گئے۔

اسے تاسف ہونے لگا کہ وہ اس شخص سے اتنی خفا اور نالاں کیونکر ہونے لگی تھی۔ یہ تو بالکل بچوں کے مزاج کا شخص ہے۔

سیف الرحمٰن کے التفات نے اس کا سارا درد، ساری رنجیدگی دھو دی۔ وہ اوس میں نہائے ہوئے گلاب کی طرح کھل اٹھی۔

اس نے کہیں پڑھا تھا۔ "عورت جب کسی سے محبت کرتی ہے تو اس کے لفظوں اور جملوں پر ایمان لے آتی ہے، اس کی آواز تک اسے پھول کی طرح کھلا دیتی ہے۔ اس کی ناراضگی

اسے چراغ کی طرح بجھا دیتی ہے۔''

✲✫✲

زندگی سبک روی سے گزر رہی تھی اور ہر شادی شدہ لڑکی کی طرح لالہ رخ کو بھی بہت سے ناگوار حالات سے گزرنا پڑا۔ خاص کر جب وہ ایک خوبصورت بیٹے کی ماں بنی تو خوشی کے ساتھ روز ایک نیا فتنہ اس کے سر پر کھڑا رہتا۔

''تمہارے میکے والوں نے رسم ادا نہیں کی۔ ہمارے یہاں تو یہ ہوتا ہے۔''

تمہارے میکے والوں سے یہ نہیں ملا، یہ تو ضرور ملنا چاہئے، مختلف دعوتوں، ضیافتوں اور ڈھیر سارے تحائف کو انہوں نے حق کی طرح وصول کیا۔

لالہ رخ نے سکندر ولا میں بڑی سہل اور لا ابالی سی زندگی گزاری تھی، اس کے لئے یہ ایک بالکل مختلف ماحول تھا اور اس پر سیف الرحمٰن کا پل پل بدلنے والا مزاج جس سے وہ ابھی تک آشنا نہ ہو سکی تھی۔ کبھی تو ایسا مہربان بادل بن کر اس کے وجود کے گرد حصار کھینچ لیتا کہ لگتا اب کوئی دھوپ اسے نہ کاٹ سکے گی۔ مگر کبھی خود ہی ایسی جھلستی دھوپ بن جاتا کہ اسے لگتا اب کہیں بھی چھاؤں نہ رہی ہو۔

یہ دھوپ چھاؤں کے مزاج کا شخص ان دنوں بیٹے کی آمد پر خوش ہونے سے زیادہ ماں کی پٹی پڑھانے پر رسموں رواجوں میں الجھا ہوا تھا۔ وہ ان دنوں اس کا غصہ شہد کی طرح پی رہی تھی۔ اس کی پھنکار اور طعنوں کو سر جھکا کر دل میں اتار لیتی اور یوں بات بڑھنے کی بجائے ختم ہو جاتی۔ اور یہی دن میں چٹخا ہوا کانچ دکھائی دینے والا شخص رات کی تنہائی میں دل بن کر اپنے لگائے ہوئے زخموں پر مرہم رکھنے لگتا۔

''یار کبھی تم بھی مجھ پر برس لیا کرو، مجھ سے لڑ لیا کرو، یوں چپ چپ رہ کر تم مجھے کمزور کر ڈالتی ہو۔'' وہ اتنی معصومیت سے کہتا کہ لالہ رخ کا دل لہو رونے کو چاہتا، لڑنا تو دور بات وہ تو جائز احتجاج سے بھی ڈرتی تھی۔ اس کی بے زبانی کے باوجود اس کی ذات میں کیڑے نکالے جاتے تھے اور زبان کھولنے پر اس کی ساس ہنگامہ نہ کھڑا کر دیتیں اور لالہ رخ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کی ساس اس کی کسی بھی کمزوری کو پکڑ کر دو منٹ میں اسے اس گھر سے نکالنے میں تامل نہ کرتیں۔

یہ بات اسے بڑی کھٹکتی تھی کہ سیف الرحمٰن ان کے کہنے میں آ کر بیوی پر برس پڑتا، چیخ پکار مچا دیا کرتا مگر پھر اس کا سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ بھی جاتا تھا اور وہ لالہ رخ سے معافیاں مانگ لیتا، اپنی غلطی کا اعتراف کر لیتا، چونکہ وہ اسے بے حد چاہتا تھا۔ کبھی کبھی

مجنوں بن کر اس کے گرد ہی پھرتا نظر آتا کہ لالہ رخ شرم سے زیادہ خوف میں ادھ موئی ہو جاتی۔ اس کی رومان پرور طبیعت ماں کو جتنی گراں گزرتی، اتنی ہی لالہ رخ کی جان پر بن آتی۔ اور ایسے میں وہ سیف الرحمٰن کو ہی ٹوک جاتی۔ جس پر وہ برا مان کر اسی پر چڑھ دوڑتا۔

''میں تمہارا شوہر ہوں، کوئی گلی گلی گھومنے والا تھرڈ کلاس عاشق نہیں کہ تم یوں دامن بچا جاتی ہو۔ کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے تم مجھ سے بیزار ہو گئی ہو۔''

اور لالہ رخ سوائے ماتم کرنے کے کیا کرتی، اور سوچتی کہ یہ مرد لوگ اتنے زیادہ معصوم اور اتنے زیادہ ظالم کیوں ہوتے ہیں۔ بیوی کی مجبوریوں کو سمجھنے کے لئے ان کی آنکھوں پر کس طرح کا چشمہ لگانا ہوتا ہے۔ کاش ایسا کوئی چشمہ اسے بازار میں مل سکتا تو ضرور خرید کر وہ لگا دیتی۔ تاکہ وہ حالات کا جائزہ لے کر اس کی مجبوریوں کو سمجھتا۔

✲✫✲

انہی دنوں لالہ رخ کا دیور محب الرحمٰن سعودی عرب سے آیا تھا۔ اسے سیف الرحمٰن اور لالہ رخ کی شادی میں شرکت نہ کرنے پر بہت قلق تھا۔ دراصل انہی دنوں جب سیف الرحمٰن کی شادی تھی، اس کی کمپنی میں کچھ خرد برد ہو گیا تھا جس کی تحقیقات ہو رہی تھیں اور کمپنی کے کسی بھی ورکر کو ملک چھوڑ کر جانے پر پابندی تھی، سو وہ بھی آنے سے قاصر تھا۔

وہ ڈھیر سارے تحائف لایا تھا سب گھر والوں کے لئے۔ اور حمزہ کے لئے تو اس نے اچھی خاصی شاپنگ کی تھی۔ لالہ رخ سے مل کر وہ بے حد خوش ہوا۔ اسے سیف الرحمٰن کی قسمت پر رشک آیا جس کا برملا اظہار وہ وقتاً فوقتاً کرتا رہتا۔

''بھابی میری چوائس ہے۔'' تانیہ یہ سہرا اپنے سر لے لیتی۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، تمہاری چوائس ایسی اعلیٰ ہو ہی نہیں سکتی۔'' وہ اسے چھیڑتا تو تانیہ اس سے الجھ پڑتی پھر دونوں میں خوب بحث ہوتی۔

اس کے آنے سے رونق ہو گئی تھی۔ وہ ہنس مکھ سا لڑکا تھا، اس میں سیف الرحمٰن کی طرح غصیلا پن یا جذباتی پن نہ تھا بلکہ اس کے مزاج میں ٹھہراؤ اور بردباری تھی۔ اس کے مذاق میں شائستگی رہتی تھی۔ لالہ رخ نے بھی اسے بے حد پسند کیا تھا، وہ بھی اس کی عزت کرتا تھا۔

اس روز جاذب بھائی کے بڑے بیٹے کا عقیقہ تھا جس میں لالہ رخ کے پورے سسرال کو بھی انوائیٹ کیا گیا تھا۔ ساس صاحبہ نے حسب عادت ناک بھوں چڑھائی، دعوت دینے کے انداز اور طریقے پر نکتہ چینی کی۔ بیٹے کو اس کے سسرال سے برانگیختہ کرنے کی پوری کوشش کی جس میں کامیاب رہیں۔ وہ اپنی مردانگی کا زعم دکھا کر صبح آفس کے لئے نکل گیا

اور ادھر سے ہی فون کر دیا کہ وہ کچھ لیٹ ہو جائے گا۔ چونکہ لالہ رخ ایک روز پہلے ہی میکے آ گئی تھی، فون پر اس کے لہجے کے اتار چڑھاؤ سے اسے بخوبی اندازہ ہو گیا کہ مجازی خدا کا مزاج کچھ برہم ہے، تاہم اس نے ایسا کوئی تاثر سکندر ولا میں نہیں دیا۔ مگر اس کے کچھ کہنے کی ضرورت ہی کب تھی۔ اس کا زرد زرد چہرہ، پھیکا تبسم اور سسرال والوں کے آنے پر ان کے آگے پیچھے پھرنا ہی سب کو بہت کچھ بتا دیا کرتا تھا۔

''لالی! تو خوش تو ہے نا؟'' رفیعہ بیگم جب بھی اس کا چہرہ دیکھتیں تو ان کے اندر عجب بے کلی سرسرانے لگتی۔

''نہ صرف خوش بلکہ بہت خوش ہوں'' وہ ہنس پڑتی۔ ''کیوں فکر کرتی ہیں امی۔ مجھے سیف کی طرف سے کوئی دکھ نہیں ہے اور ساس کا کیا ہے، آپ ہی تو ہمیشہ نصیحت کرتی رہی ہیں کہ گھر بنانے کے لئے پہلے مشقت اٹھانی پڑتی ہے، ایک ایک اینٹ سوچ سمجھ کر رکھنا پڑتی ہے۔ پھر تو چہار دیواری بنتی چلی جاتی ہے۔''

رفیعہ بیگم اس کی صبیح پیشانی چوم کر اسے ڈھیروں دعائیں دے ڈالتیں۔

عقیقے کے روز کوئی شام کے وقت لالہ رخ کی ساس کا فون آیا اور ساتھ یہ حکم کہ ان کے میکے سے کوئی لڑکا گاڑی میں آ کر انہیں لے جائے، چونکہ سیف گاڑی لے کر آفس چلا گیا ہے، وہ دیر سے لوٹے گا۔''

رفیعہ بیگم نے طلال کو یہ کام سونپا تو وہ جھنجلا گیا۔ ''یہ کیا طریقہ ہے۔ اگر سیف نہیں ہے تو محب تو گھر پر ہے نا۔ اور ٹیکسی آسانی سے مل جاتی ہے۔''

''ہو سکتا ہے انہیں گھر ٹھیک سے یاد نہ رہا ہو۔'' لالہ رخ نے ساس کا بھرم رکھنا چاہا۔ جواباً طلال نے اسے گھور کر دیکھا پھر چائے کی چسکیاں بھرتے ہوئے بولا۔

''میں فون کر کے انہیں ایڈریس سمجھا دیتا ہوں۔''

''اچھا بس، تم نہیں جا سکتے تو اپنے مشورے بھی اپنے پاس رکھو، میں خرم کو بھیج دیتی ہوں۔'' سعدیہ بھابی نے لالہ رخ کا پھیکا پڑتا چہرہ دیکھ کر طلال کو مزید بولنے سے روک دیا اور خرم کو آواز دینے لگیں۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ سسرالی، اسرائیلی جیسے ہی کیوں ہوتے ہیں۔'' خرم، سعدیہ بھابی کا حکم سن کر برا سا منہ بنا کر رہ گیا۔

''تمہارا سسرال آئے گا، تب پوچھیں گے۔'' سعدیہ بھابی نے اسے آنکھیں دکھائیں۔ میز پر موجود سب ہنسنے لگے۔

''اپنی سسرال کو تو یہ آنکھوں پر بٹھائے گا'' حسنہ شرارت سے گویا ہوئی۔

''بالکل۔ اور آپ جل جل کر خاک ہو جائیں گی ہم کو خبر ہونے تک۔'' وہ دوبدو بولا۔

''دیکھا، دیکھا، کیسا بڑھ چڑھ کر بول رہا ہے۔'' انہوں نے میز سے چمچہ اٹھا کر اس کے کندھے پر مارا۔

''خاطر جمع رکھو آپا! اس وقت آپ اپنے سسرال میں ہوں گی اور ان سے نمٹ رہی ہوں گی۔'' حنا، سسرال کو اسرائیل کہتے کہتے رفیعہ بیگم کی طرف دیکھ کر رک گئی پھر ہونٹ دبا کر ہنس پڑی تھی۔

''چلو خس کم جہاں پاک۔ یہ تو اور بھی اچھا ہو گا بلکہ میں تو تمہیں بھی نکال کر شادی کروں گا کہ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔'' وہ اطمینان سے آلتی پالتی مار کر رفیعہ بیگم کے تخت پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور جھک کر ان کے پاندان سے چھالیہ ڈھونڈنے لگا۔

''تم اپنے سسرال کو سر پر بٹھاؤ یا آنکھوں پر مگر پہلے لالی کے سسرال کو بٹھانے کا انتظام کرو۔ جاؤ شاباش جلدی پہنچو وہاں۔ ان کی ساس وقت کی بڑی پابند ہیں۔'' سعدیہ بھابی کو لالہ رخ کی ساس کی فکر کھائے جا رہی تھی۔ وہ خرم کو پچکارنے لگیں۔ لالہ رخ نے تشکر آمیز نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

لڑکی کیا بیاہ کر جاتی ہے، پورا میکہ ہی پھونک پھونک کر قدم رکھنے لگتا ہے۔

ایک دل گرفتگی انہیں اپنے اندر ہی اندر جکڑنے لگی۔

''کتنا خیال ہے آپ کو ان کی سسرال کا۔ یاد رکھئے گا ایسا ہی خیال آپ کو میری سسرال کا بھی رکھنا ہو گا۔'' خرم نے یہ کہہ کر حسنہ کی طرف دیکھا پھر آنکھ دبا کر ہنس دیا۔ وہ بھی مسکرانے لگیں۔

''تمہارے سسرال کو ہم سب مل کر اپنے سر پر بٹھائیں گے، بلکہ نچائیں گے، تم کیوں فکر کرتے ہو بانگڑو۔ وقت تو آ جانے دو، ابھی تو مسیں بھی نہیں بھیگی ہیں۔ ابھی سے شادی کی فکر۔'' انہوں نے اسے تپایا تھا۔ زبردست قہقہہ پڑا تھا۔

اس سے پہلے کہ میدان میں دوبارہ گرمی اترتی رفیعہ بیگم نے ڈپٹ کر اسے بھگایا۔

''آ کر بدلہ لوں گا۔'' اس نے کمرے سے نکلتے نکلتے منہ پر ہاتھ پھیرا تھا۔

''اُف توبہ! کتنی فکر ہے اسے اپنے ناموجود سسرال کی۔'' حسنہ اس کے جانے کے بعد ہنسنے لگی۔

''تو کیا تمہارے سسرال کی ہی فکر کرتا رہے گا عمر بھر۔'' روبی بھابی نے اسے چھیڑا۔

"یہ تو یہی چاہتی ہے کہ بس اس کے سسرال کا ذکر خیر رہے۔" لالہ رخ بھی حسنہ کی طرف متوجہ ہوگئی۔ بقول شاعر۔

دنیا کے تذکرے تو طبیعت ہی لے بجھے
کچھ اس کا ذکر ہو سخن آرائیاں بھی ہوں

"ہائے اللہ! اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔" حسنہ جھینپ گئی اور وہاں سے اٹھنے میں عافیت جانی۔ جب سے اس کی شادی کی تاریخ طے ہوئی تھی، وہ اکثر و بیشتر سب کی چھیڑ مذاق کا نشانہ بنتی رہتی تھی۔

عقیقے کا فنکشن سکندر ولا کے بغلی لان میں منعقد کیا گیا تھا۔ جاذب نے بہت خوبصورت ارینج منٹ کی تھی قریب دور کے سب رشتے دار مدعو تھے۔ ہنستی مسکراتی لڑکیوں کے جھرمٹ میں حنا کسی ستارے کی مانند لگ رہی تھی اور لالہ رخ کے دیور محبت کی آنکھوں کے راستے دل کو منور کر رہی تھی۔ اسے لگا ساری دوسری لڑکیاں بلکہ پوری محفل ہی اس کے سامنے ماند ہوکر رہ گئی ہو اور گویا "اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی" اس کے مقناطیسی سراپے کے آگے اس کی آنکھیں لوہے کا ٹکڑا بن کر رہ گئی تھیں۔

حسن تو دو ہی طرح کا خوب لگتا ہے سفیر
آگ میں جلتا ہوا یا برف میں سویا ہوا

اور اسے لگ رہا تھا یہ دوطرفہ تپش کا پُرفسوں سراپا ہے جو اسے جلا کر بھسم کر رہا تھا۔

حنا کا ہر انداز لالہ رخ سے مشابہ تھا۔ اس کی عادتیں، اس کا مزاج بھی لالہ رخ جیسا ہی تھا۔ دھیما، ٹھنڈا، میٹھے چشمے جیسا۔ وہ ہنستی تو لگتا کانچ کے بلوریں گلاس میں تیرتی آئس کیوبس آپس میں ہلکے سے ٹکرا گئی ہوں۔

لالہ رخ کی ساس بھی کئی بار غیر محسوس طور پر چونک کر حنا کو تکتی رہیں۔ گو کہ بظاہر سکندر ولا کے مکینوں سے کھنچی کھنچی رہتیں مگر دل سے ان کی خاندانی شرافت کی قائل تھیں۔

ثانیہ جس سج دھج سے اس محفل میں شریک ہوئی تھی، یہ سکندر ولا کی لڑکیوں کے خاصی تعجب خیز بات تھی۔

"یہ محترمہ کسے قتل کرنے آئی ہیں؟" ان میں سرگوشیاں جاری تھیں۔

"طلال چاچو کو۔" نازش آہستگی سے بولی تو حنا نے اسے گھور کر دیکھا۔

"تمہیں کیسے پتہ چلا؟"

"الہام ہوا ہے۔"

"بکومت۔" اس نے اس کے کندھے پر ہاتھ جڑ دیا۔

"اوہو کم عقل نادان حسینہ! دیکھ نہیں رہی ہو آج طلال چاچو کس قدر ڈیشنگ لگ رہے ہیں۔ ایک دم دھانسو قسم کے۔"

"وہ تو روز ہی لگتے ہیں۔" حنا نے کندھے اچکائے۔

"مگر آج کچھ زیادہ ہی ہیرو لگ رہے ہیں۔ پتہ ہے امی کہہ رہی تھیں ان سے کہ طلال آج تو تمہارے لئے ہم کوئی لڑکی ڈھونڈ ہی لیں گے اور جناب سعد یہ چچی تو باقاعدہ اس مہم میں مصروف ہیں۔ دیکھ نہیں رہی ہو تم اپنی امی کو، کیسے لڑکیوں کو گھور گھور کر دیکھ رہی ہیں۔"

"ہائے اللہ، مجھے تو خبر ہی نہیں۔" حنا نے اپنا سر پیٹ لیا۔

"کیا خبر نہیں، کہ چاچو اب شادی کے لائق ہو گئے ہیں؟" مہ وش نے اسے آنکھیں دکھائیں تو وہ جواباً اسے گھورنے لگی۔ پھر زور سے ہنس پڑی۔

"شاید ہاں۔"

وہ تینوں ایک ساتھ کھلکھلا پڑیں۔

"ارے ہاں، آفاق بھائی تمہیں بلا رہے تھے حنا۔" مہ وش کو اچانک یاد آ گیا تو حنا کا دل یکبارگی دھڑکا۔

"کیوں؟"

"کہہ رہے تھے میرے سر میں شدید درد ہے۔ حنا سے کہنا وہ چائے بنا دے۔ وہ چائے بہت عمدہ بناتی ہے، ساری تھکن اتر جاتی ہے۔ میں نے جواباً ان سے کہا کہ حنا صرف چائے ہی نہیں کھانا بھی بہت عمدہ بنانا سیکھ گئی ہے۔ چونکہ اس نے کالج میں آ کر ہوم اکنامکس جو لے لیا ہے۔" مہ وش یہ کہہ کر حفظ ماتقدم کے طور پر پیچھے ہٹ گئی۔ حنا اس کو مارنے کے لئے ہاتھ اٹھا کر رہ گئی۔ پھر ہاتھ پہلو میں گراتے ہوئے بولی۔

"بدتمیز لڑکی! تمہیں ان سے یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"اچھا اب نہیں کہوں گی۔" مہ وش نے سعادت مندی سے سر جھکا لیا تو حنا اسے گھورتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

حنا لان سے نکل کر اندر جانے کے لئے گرل کا دروازہ کھولتے ہوئے رک گئی اور لالہ رخ کو دیکھنے لگی جو حسنہ اور روبی بھابی کے نرغے میں کسی بات پر ہنس رہی تھی۔ اس کے کان میں پڑی موتیا کی جھولتی بالیاں بھی اس ہنسی کا حصہ لگ رہی تھیں۔

سیاہ مقیش کی ساڑھی میں وہ ایک مہکتی سرسراتی رات لگ رہی تھی جو نیندیں، ہوش سب

اڑا دے۔ پھر اس نے حسنہ کی نگاہوں کے تعاقب میں بے اختیار ہی دور تک دیکھا تو اسے لالہ رخ کے چہرے پر پھیلی شرگیں مسکراہٹ کا راز مل گیا۔ ڈیک کے پاس رکھی کرسی پر سیف الرحمٰن بیٹھا تھا اور فل آواز میں جو گانا بج رہا تھا یقیناً وہ سب اس پر تبصرے کر رہی تھیں۔

اسے ابھی تک اپنے اس انکل کی سمجھ نہیں آئی تھی۔ کبھی تو وہ ایسے اکھڑے اکھڑے دکھائی دیتے جیسے کرتے پر ہی نہیں ان کے پورے بدن پر کلف لگ گیا ہو اور کبھی ان کی نگاہیں لالہ رخ پر یوں اٹھی ہوتیں جیسے ان کو جذب کر رہے ہوں آنکھوں کے راستے۔

اس وقت وہ جس انداز سے کرسی پر سر ٹکائے آنکھیں بند کئے بیٹھے تھے، حنا کو بہت اچھے لگے تھے۔ پھر اس نے دیکھا لالہ رخ انہی کی طرف جا رہی تھیں۔ وہ نگاہیں پھیر کر وہاں سے ہٹ گئی اور پلٹ کر جالی کا دروازہ کھول کر اندر چلی آئی۔

آفاق بھائی اسلام آباد سے آ کر ایئر پورٹ سے سیدھے یہیں چلے آئے تھے، اس وجہ سے تھکے سے تھے۔ وہ پوری دل جمعی سے ان کے لئے چائے بنانے لگی اور چائے مگ میں بھر کر صغریٰ کو آواز دینے کے لئے پلٹی تو آفاق کو وہیں کھڑے دیکھ کر اس کا دل سینے کی چہار دیواری میں دیوانے کی طرح ٹکرا کر رہ گیا۔

"بہت بہت شکریہ۔" اس نے آگے بڑھ کر بھاپ اڑاتی چائے کا مگ اس کے ہاتھ سے لے لیا اور بڑے شوق اور جذب سے اس کا مہکتا سراپا دیکھنے لگا۔ وہ آج معصوم سی پری لگ رہی تھی۔ نوخیز جوانی کا نکھار اس کے چہرے پر آفاق کو سامنے دیکھ کر کچھ اور بڑھ گیا تھا۔

"کس بات کا شکریہ؟" وہ آہستگی سے بولی۔ اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ پلکوں کی جال ذرا سا اٹھا کر دل کے مکین کو دیکھا۔

"اس فرمانبرداری کا۔" اس نے مسکرا کر اسے دیکھا پھر ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے بولا۔ "کل میں جا رہا ہوں۔ دعا کرو گی نا میرے لئے؟" وہ کیبنٹ سے پشت ٹکا کر چائے کے گھونٹ بھرنے لگا۔

"کیا دعا کروں؟" وہ قطعی نہ سمجھ سکی۔

"اب یہ بھی میں ہی بتاؤں؟" اس نے براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکا تو حنا [illegible] کر پیچھے ہٹ گئی۔

"میرا مطلب ہے دعا سے ہی کوئی تھوڑا پاس ہوتا ہے۔ محنت بھی تو ضروری ہے۔ طلال چاچو کی طرح آپ بھی رات رات بھر دل لگا کر پڑھیں گے تبھی کلیئر ہوں گے نا۔" وہ یہ کہہ کر بوکھلا کر چپ ہو گئی۔ آفاق بڑے زور سے ہنسا تھا اور کوئی مہکتا جملہ کہتے کہتے خود کو روک

تھا۔ پھر سادہ سے لہجے میں بولا۔

"بھئی میں تمہارے چاچو جتنا ذہین فطین بھی تو نہیں ہوں۔ مجھے تو دعا کی ضرورت رہے گی۔ ہاں اگر دعا نہیں کرنا تو صاف منع کر دو۔ میں زبردستی تم سے دعا مانگنے کو تھوڑا ہی کہہ رہا ہوں۔" وہ ہونٹ دبا کر مسکراہٹ چھپاتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔

"نہیں نہیں، میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" وہ سٹپٹا کر جلدی سے بولی۔ مگر دوسرے پل اس کی آنکھوں میں تیرتے رنگ دیکھ کر اس کی پلکیں یوں جھک گئیں جیسے کسی چشمے پر بید مجنوں کی شاخیں۔

آفاق کا دل پہلو میں عجیب شوریدگی کا شکار ہوا تھا مگر پھر وہ جلدی سے سنبھل گیا۔ وہ اپنی تمام تر معصومیت کے ساتھ اس کے نزدیک تھی۔ وہ چاہتا تو اسے کلی سے پھول کی طرح کھلا ڈالتا مگر اس نے سرکش جذبوں کی لگامیں کھینچ لیں اور گھبرا کر اس کے چہرے سے نگاہیں ہٹا لیں۔ اچانک عقب سے قدموں کی دھمک سنائی دی تو وہ چائے کا خالی مگ سلیب پر رکھ کر کچن سے سرعت سے باہر نکل گیا۔

لالہ رخ کی نند ثانیہ حنا کو ڈھونڈتی ادھر ہی آ رہی تھی۔ اس نے آفاق کو ڈائننگ روم سے نکلتے دیکھا پھر حنا کو دیکھ کر مسکرائی۔

"تم یہاں چھپی بیٹھی ہو، میں باہر تمہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئی۔"

"دراصل میں آفاق بھائی کے لئے چائے بنا رہی تھی۔ وہ ایئر پورٹ سے سیدھے یہیں آ گئے ہیں نا۔ ان کے سر میں بہت درد تھا۔" حنا نے وضاحت ضروری سمجھی۔ پھر اخلاقاً بولی۔

"چائے پیو گی تم؟"

"ارے نہیں، مجھے چائے سے زیادہ شغف نہیں ہے اور نہ میرے سر میں درد ہے اور نہ ہی میں ایئر پورٹ سے آئی ہوں۔" یہ کہہ کر ثانیہ کھل کھلا پڑی۔ مگر حنا چاہنے کے باوجود مسکرا بھی نہ سکی۔ لالہ رخ کی نند ہونے کے ناتے سکندر ولا کی لڑکیاں اس کا لحاظ کر جاتی تھیں۔ اس کی الٹی سیدھی بکواس کو شہد کی طرح حلق سے اتارنے پر مجبور تھیں اور اسے نہ چاہنے کے باوجود اچھی کمپنی دینے کی پوری کوشش کرتی تھیں۔

"حنا! تم اپنے طلال چچا سے تو ملاؤ مجھے۔ بھابی تو شاید یہ فارمیلٹی پوری کرنا بھول ہی گئی ہیں۔" وہ حنا کے ہمراہ لان میں آتے ہوئے تحکمانہ انداز میں بولی۔ حنا نے سٹپٹا کر پہلے اس کی طرف دیکھا پھر مردانہ حصے کی طرف جاتے طلال کو دیکھا۔

"کیا نظر لگا دوں گی میں انہیں؟" وہ حنا کی خاموشی پر تنک کر بولی۔

"ارے نہیں۔" حنا کھسیا کر ہنس پڑی۔ "دراصل ہمارے چاچو کچھ ریزروقسم کے بندے ہیں۔ خیر میں ابھی انہیں بلا لاتی ہوں۔"

"بھئی اپنوں سے کیا کھنچاؤ۔ میں کوئی غیر تو نہیں ہوں، ان کی بہن کی نند ہوں، رشتہ داروں میں شامل ہوں۔" پھر ہلکے سے ابرو اچکا کر بولی۔ "ہاں اگر تم لوگ غیر سمجھتے ہو تو یہ اور بات ہے۔"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تمہیں غیر سمجھنے کا۔" حنا جلدی سے لگاوٹ سے بولی۔ پھر اس کے کندھے پر ہلکے سے ہاتھ رکھ کر بولی۔ "لالی کے ناتے تم ہماری بہن ہی ہوئیں۔ تم یہاں کھڑی رہو، میں ابھی چاچو کو بلا لاتی ہوں۔" وہ لپک جھپک طلال کی طرف بڑھ گئی جو کولڈ ڈرنک کے سپ لیتا ہوا عادل کو کوئی ہدایت دے رہا تھا۔

"چاچو...... چاچو۔" حنا رازدارانہ انداز میں اسے پکارنے لگی۔ وہ کولڈ ڈرنک کا بڑا سا گھونٹ بھرتے ہوئے ایڑیوں کے بل گھوما۔

"شش......" حنا ہاتھ کے اشارے سے اسے قریب بلانے لگی۔ اس کی پیشانی پر بل لہرا گئے۔

"پاگل ہو گئی ہو کیا۔ یہ بلانے کا کون سا طریقہ ہے۔ کیا بات ہے؟" وہ مجبوراً اس کے نزدیک آیا۔

حنا کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اسے کس طرح کہے کہ تانیہ بی بی اس سے ملنے کی خواہش مند ہے اور جو اڑیل گھوڑے کی طرح یہ بدک گئے پھر...... اس کے ذہن میں فوری طور پر خیال آیا کہ وہ اسے نہ بتائے اور اس گوشے میں لے جائے جہاں تانیہ موجود ہے۔ لالہ رخ کی نند کے سامنے تو کم از کم وہ مروت برتنے پر مجبور ہو جائے گا۔

"کیا بات ہے، کوئی پریشانی ہے؟" اس نے حنا کو تذبذب میں دیکھ کر نرمی سے کہا۔

"آپ میرے ساتھ ذرا ادھر آیئے۔" حنا اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچنے لگی۔

"بات کیا ہے؟" اسے حیرت ہونے لگی۔

"کسی سے ملوانا ہے آپ کو۔" وہ تانیہ تک آتے ہوئے ہلکی ہنسی کے ساتھ بولی۔ طلال ٹھٹک گیا اور ایک بے ساختہ گہری سانس کھینچ کر رہ گیا۔ وہ لالہ رخ کی نند کو اس سارا وقت نظر انداز کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر اب حنا اس کے سامنے ہی کھینچ کر لے آئی تھی اسے اپنی بھتیجی کی عقل پر ماتم کرنے کو دل چاہا۔

"ان سے ملئے چاچو! یہ لالی کی نند تانیہ ہیں۔" حنا لہجے میں خوش دلی کا تاثر سمو

ہوئے بولی۔ مجبوراً طلال کو بھی اپنے رویئے میں لچک پیدا کرنا پڑی۔

"ہیلو۔" اس نے مسکراہٹ اچھالتے ہوئے مصافحہ کے لئے ہاتھ آگے کر دیا جسے طلال نے قطعی نظر انداز کرتے ہوئے صرف سلام کیا۔

"دراصل حنا کو بہت شوق تھا اپنے چاچو سے ملوانے کا۔ میں نے اسے کہا بھی کہ یہ کچھ مناسب نہیں لگتا مگر یہ مان کر نہ دی۔" وہ کھسیا کر ہلکے سے ہنسی۔ اس کے اس جھوٹ پر حنا گنگ رہ گئی۔

طلال نے نظروں کا رخ حنا کی طرف کیا تھا اور نظروں نظروں میں جیسے اسے ملامت کی تھی۔ پھر ہلکی سی سانس کھینچتے ہوئے بولا۔ "ہاں، حنا اکثر و بیشتر ایسی بچکانہ حرکتیں کر جاتی ہے، اب اس کی کھنچائی کرنا پڑے گی۔" جواباً حنا احتجاجاً اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔

"خیر یہ کوئی ایسی بچکانہ حرکت بھی نہیں ہے۔" وہ جلدی سے بولی۔ پھر اپنے شانوں پر لہراتے بالوں کو پیچھے جھٹکتے ہوئے بولی۔ "یوں تو یہ فارمیلٹی بھابی کو ہی پوری کرنی چاہئے تھی مگر لگتا ہے انہیں سیفی بھائی سے ہی فرصت نہیں ملتی کہ اِدھر اُدھر دیکھ لیں۔ خیر چھوڑیں۔" وہ ہلکے سے ہنس دی۔ "کیا خیال ہے ادھر بیٹھ کر باتیں نہ کی جائیں؟" اس نے کچھ اس جرأت مندی سے کہا کہ ایک پل کو طلال بھی گڑبڑا گیا۔ مگر دوسرے پل اپنے اعصاب کو سنبھالتا فارمل سی مسکراہٹ کے ساتھ ایکسکیوز کرتے ہوئے بولا۔

"پھر کبھی سہی، مجھے جاذب نے بہت سے کام سونپ رکھے ہیں۔ میرا خیال ہے آپ حنا سے باتیں کیجئے، حنا مجھ سے زیادہ اچھی کمپنی دے گی، آپ کو ہرگز بور نہیں ہونے دے گی۔" پھر وہ حنا کی طرف رخ کرتے ہوئے بولا۔ "ہنی! انہیں تم کمپنی دو، ان کا خیال رکھو۔ اوکے۔" اس نے حنا کے سر پر ہلکے سے چپت ماری، ادھر تانیہ کے لب کچھ کہنے کو پھڑپھڑا کر رہ گئے۔ وہ پلٹ کر بڑے بڑے ڈگ بھرتا مردانہ حصے کی طرف چلا گیا۔

حنا نے سینے میں اٹکی ہوئی سانس بحال کرتے ہوئے تانیہ کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیا، اس کی نگاہیں طلال کا تعاقب کر رہی تھیں اور ان میں پسندیدگی جھلک رہی تھی۔ اچانک ایک خمار آلود سانس بھرتے ہوئے اس نے حنا کی طرف دیکھا۔

"تمہارے چاچو تو بہت اچھے ہیں۔" اور حنا یوں خوش ہو گئی جیسے یہ تعریف طلال کی نہیں اس کی ہوئی ہو۔

✱☆✱

رات کو سب خواتین ٹی وی لاؤنج میں ہی ڈیرہ ڈالے ہنسی مذاق کر رہی تھیں اور ساتھ

ساتھ ہی فنکشن پر تبصرے بھی ہو رہے تھے۔ ان کے ان تبصروں میں لالہ رخ کا سسرال سرفہرست تھا۔ سعدیہ بھابی انہیں تین بار ڈپٹ چکی تھیں مگر ان میں سے کسی پر اثر ہی نہ ہوا تھا۔

"کس قدر بدتمیز لڑکیاں ہو تم لوگ۔ لالی اگر سنے تو کتنا دل برا ہوگا اس کا۔"

"کیوں برا ہوگا۔ ہم سیف بھائی کی شان میں گستاخی تھوڑا ہی کر رہے ہیں۔" حسنہ پہلے سے بولی پھر سعدیہ بھابی کے کندھے سے لگ کر بولی۔ "ویسے سوچنے کی بات ہے امی کہ لالی کی ساس کو ہم لوگوں میں اتنے کیڑے نظر آتے ہیں پھر بھی جاتے جاتے اپنی حنا کو پسند کر گئیں اپنے ولایت پلٹ بیٹے کے لئے۔"

ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوتی حنا کے کانوں میں حسنہ کا یہ جملہ پڑا تو وہ دروازے پر ہی ٹھٹک گئی۔

"بہو کے میکے پر نکتہ چینی کرنا، مین میخ نکالنا تو عموماً ساسوں کی عادت ہوتی ہے۔ ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو لے کر تھوڑی بیٹھا رہنا چاہئے۔" عفت بھابی کشن سر کے نیچے رکھ کر لیٹتے ہوئے بولیں۔

"ہماری دادی جان نے تو آپ کو بھی کچھ نہیں کیا امی۔" نازش شرارت سے بولی اور ان کے کشن پر ہی سر رکھ کر لیٹ گئی۔

"مجھے تو لالی اس بار بہت کمزور سی لگی سعدیہ! حالانکہ حمزہ کی پیدائش پر تو اس کا چہرہ کیسا نکھر آیا تھا۔ پوری گلاب ہو رہی تھی۔" عفت بھابی دیورانی یعنی سعدیہ بھابی سے بولیں۔

"خون جو چوستی رہتی ہے ساس صاحبہ۔" روبی بھابی نے کہا تو حسنہ نے چھت پھاڑ قسم کا قہقہہ لگایا۔

"تم لوگ بس نہیں کرو گی۔ اور حسنہ! تمہیں بڑے قہقہے سوجھ رہے ہیں، اپنی خیر مناؤ، چند ماہ بعد تمہیں بھی ساس کی خدمت میں حاضر ہونا ہے۔" سعدیہ بھابی نے اسے خشمگیں نظروں سے گھورتے ہوئے گویا انتباہ کیا۔

"میری ساس لالی کی ساس جیسی نہیں ہیں۔ وہ تو دادی جان جیسی، عفت چچی جیسی ڈیسنٹ قسم کی ساس ہیں۔" حسنہ ان کے گلے میں بازو حمائل کر کے بولی پھر حنا پر نظر پڑی تو شرارت سے بولی۔ "ہاں حنا کے مستقبل پر ذرا تشویش ہو رہی ہے، اسے لالی سے لگاؤ بھی کچھ زیادہ ہی ہے نا۔ لگتا ہے وہیں جائے گی یہ بھی۔"

حنا کا دل بے ترتیب ہونے لگا۔ وہ پلٹ کر وہاں سے چلی گئی۔

لالہ رخ کی ساس نے اپنے بیٹے محبت کے لئے اسے پسند کیا تھا، یہ بات اس کی جان

نکالنے کو کافی تھی۔ اسے رہ رہ کر محبت الرحمٰن کی نگاہوں کی محویت یاد آنے لگی۔ اسے دیکھ کر مسکراہٹ اچھالنا، مسلسل دیکھتے رہنا، بے حد اپنائیت سے بات کرنا۔ اب اس کی سمجھ میں آیا کہ یہ اسی سلسلے کی کڑیاں تھیں۔

"اُف، خبر ہوتی تو اس شخص کے سامنے ہرگز نہ جاتی۔ اب کیا ہوگا۔ کہیں حسنہ آپا مذاق تو نہیں کر رہی تھیں؟" اس نے ڈوبتے دل کو سہارا دینا چاہا۔ کچھ دل کو تسلی بھی ہونے لگی۔

"ہاں، آپا کی تو عادت ہے۔ یہ اور روبی بھابی تو ہر بات کا مذاق بنا لیتی ہیں۔" اس نے اپنے بکھرتے دل کو سنبھالا دیا۔ مگر دوسرے دن لالہ رخ کی اچانک آمد نے اس کے دل کی ڈولتی ناؤ کو پھر خوف کے سمندر میں دھکیل دیا۔

وہ کالج سے لوٹی تو حمزہ کو بے بی کاٹ میں دیکھ کر بیگ وہیں پھینکا اور بھاگ کر اسے گود میں بھر لیا۔

"لالی! یہ کیا بات ہوئی۔ کل آئی تھیں تو ٹھہر ہی جاتیں۔" وہ حمزہ کو چومتے ہوئے لالہ رخ سے بولی۔

"بس دو تین گھنٹوں کے لئے آئی ہوں اماں سے ملنے۔" اس نے پیار بھری نظروں سے حنا کا چہرہ دیکھا جو دھوپ کی حدت سے تانبا ہو رہا تھا۔ رخساروں پر شفق سی پھوٹتی محسوس ہو رہی تھی۔

"اماں سے ملنے؟" حنا نے چونک کر انہیں دیکھا پھر ہنس پڑی۔ "کوئی ضرورت نہیں ہے دو تین گھنٹے میں بھاگنے کی۔ بس اب رات تک رہئے گا۔ سیفی بھائی کو فون کر دیجئے گا۔" وہ حمزہ کو ہوا میں اچھالنے لگی۔ پھر لالہ رخ کے نزدیک صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

"میرا دل چاہتا ہے، اس گھپلو کو میں اپنے پاس ہی رکھ لوں ہمیشہ کے لئے۔ ویسے لالی، آپ کے سسرال میں تو حمزہ سب کا لاڈلا ہوگا۔ کوئی دوسرا بچہ ہے بھی تو نہیں نا۔"

"نہیں، ہاں شاید۔" لالہ رخ کے مسکراتے لب سکڑ گئے۔ پھر پھیکی سی ہنسی کے ساتھ بولی۔ "حمزہ ابھی چھوٹا ہے نا، اس لئے اتنی توجہ نہیں ہے کسی کی۔ بھئی سارا سارا دن تو سویا رہتا ہے۔ اچھا یہ بتاؤ تمہیں یہ بہت پسند ہے نا، تو کیوں نہ ایسا انتظام کر لیں کہ یہ ہر دم تمہاری آنکھوں کے سامنے ہی رہے۔" اس نے حنا کے رخسار چھوتے ہوئے معنی خیز تبسم سے دیکھا۔

حنا کا دل اس مانوس سے اندیشے سے لرزنے لگا۔ وہ پلکیں جھکا گئی۔

سعدیہ بھابی نے لالہ رخ کو آواز دی تو وہ سلیپر پہنتے ہوئے صوفے سے اٹھتے ہوئے

بولی۔ ''تم میری بھتیجی تو ہو ہی، اب دیورانی بنانے کے موڈ میں ہوں میں تمہیں۔'' وہ اس کے نیم منتشر بالوں کو ہلکے سے منتشر کرتے ہوئے چلی گئی۔ مگر حنا کے بال ہی نہیں، اس کی پوری ہستی ہی منتشر ہو کر رہ گئی۔

٭٭٭

لالہ رخ کی باتیں سن کر رفیعہ بیگم گہری سانس کھینچتے ہوئے بولیں۔ ''وہ تو ٹھیک ہے لالی! لڑکیاں گھر بٹھانے کی چیز تو نہیں ہوتیں۔ مگر بے کار شے کی طرح پھینک دینے کی بھی نہیں ہوتیں۔ تمہاری ساس تو ہتھیلی پر سرسوں جمانا چاہ رہی ہیں۔''

''نہیں امی، آپ اطمینان سے اپنی کارروائی کیجئے۔ سیف کہہ رہے تھے آپ کا ارادہ ہو تو محب چھٹیاں بڑھالے گا، وہ ایک ماہ مزید رہ لے گا۔'' لالہ رخ یہ کہہ کر سعدیہ بھابی کی طرف رخ کرتے ہوئے بولی۔ ''آپ نے کمال بھائی سے بات کی؟''

''ہاں اور ان کا بھی یہی کہنا ہے کہ کچھ وقت تو سوچنے کے لئے لیں گے۔ تم جا کر اپنی ساس سے کہہ دو کہ وہ باقاعدہ پیام ڈالیں، ہم سوچ بچار کر کے جواب دیں گے۔''

''مگر امی.....'' لالہ رخ اضطرابی انداز میں پہلو بدل کر رہ گئی اور سر جھکا لیا۔

''ہاں کہو، کیا کہنا چاہ رہی ہو؟'' رفیعہ بیگم اس کا تذبذب دیکھ کر نرمی سے بولیں۔ پھر اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔ ''کوئی دباؤ تو نہیں ہے نا تم پر؟''

''ارے نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' اس نے آہستگی سے ان کا ہاتھ اپنے سر سے ہٹا کر ہاتھ میں تھام لیا۔

''تو پھر کیا بات ہے؟''

''محب بہت اچھا ہے۔ اور پھر وہ حنا کو اپنے ساتھ سعودی عرب لے جائے گا۔ ہاں اگر اس کا یہیں رہنے کا ارادہ ہوتا تو میں خود بھی اس رشتے کی زیادہ فیور نہ کرتی۔ مگر میرا خیال ہے محب، سیف سے بالکل متضاد ہے۔'' آخری جملہ کہتے ہوئے اس کی آواز بہت پست ہو گئی تھی۔

''ہاں، دیکھنے میں تو بڑا اچھا لڑکا دکھائی دیتا ہے۔ مگر سیف کو تم نے برتا ہے، اس لئے اس کی تمام بری عادتوں سے آگاہ ہو، مگر اسے ابھی برتا نہیں گیا۔ خیر میں یہ نہیں کہتی خدانخواستہ کہ وہ برا ہے۔ یقیناً اچھا ہی ہوگا۔ مگر بیٹی کا معاملہ ہے، ایک بار شتابی کر لی، اس پر اب تک پچھتاوہ ہے۔'' انہوں نے تسبیح تکیے کے نیچے ڈال کر سر تکیے پر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔

''سیف برے تو نہیں ہیں امی!'' لالہ نے شکایتی انداز میں پلکوں کی باڑھ اٹھائی تھی۔

''ارے نہیں، وہ برا کیوں ہونے لگا۔ اماں جان کا مقصد یہ نہیں تھا۔'' سعدیہ بھابی نے بت سے اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ پھیلا لیا۔

''میں جانتی ہوں بھابی! سیف آپ لوگوں کی توقعات پر پورا نہیں اترا۔ آپ لوگوں کو یقیناً بہت سی شکایات ہوں گی۔'' وہ پیر کا انگوٹھا قالین کے ڈیزائن پر پھیرنے لگی۔ اس کے لہجے میں دل گرفتگی سی تھی۔ رفیعہ بیگم نے آنکھیں کھول کر اس کی جانب کروٹ کر لی۔

''بے وقوف! داماد سے بھی بھلا توقعات کوئی رکھتا ہے۔ ارے اپنی سگی اولاد سے ماں باپ کی توقعات پوری نہیں ہوتی ہیں، وہ تو پھر پرائی اولاد ہے اور ہمیں اس سے شکایات نہیں ہیں۔ بس تم خوش رہو اس سے بڑھ کر میری کوئی تمنا، کوئی خواہش نہیں۔''

''میں خوش ہوں امی! بہت زیادہ خوش۔'' اس نے بھرپور انداز میں مسکرانے کی کوشش کی، پھر کرسی سمیت ان کے بیڈ کے پاس جھک کر ان کا ہاتھ تھام کر بولی۔ ''کیا میں آپ کو ناخوش نظر آتی ہوں؟''

رفیعہ بیگم اس کا چہرہ دیکھتی رہ گئیں۔ ایک عجیب سی ناآسودگی ان کا دل مسوسنے لگی۔ پھر ہلکی سی سانس بھر کر مسکرا کر انہوں نے اس کا سر تھپکا۔ ''خدا تمہیں ہمیشہ شاد آباد رکھے۔''

٭٭٭

سیف الرحمٰن آیا تو لالہ رخ اس کے ہمراہ چلی گئی اور ادھر حنا کھڑکی میں کھڑی ان کی گاڑی پورچ سے نکلتی دیکھتے ہوئے مفلوج پرندے کی طرح پھڑپھڑا کر رہ گئی۔

اس گھر میں ان کے دیور محب الرحمٰن کو کسی نے بھی ناپسند نہیں کیا تھا، وہ ہر صورت میں قابل قبول تھا اور سب کا خیال تھا کہ وہ سیف الرحمٰن سے کئی گنا اچھا تھا اور اس کی خوبیوں سے متعارف کرانے کا سہرا لالہ رخ کو جاتا تھا۔

اس نے محب کی ڈھیر ساری تعریفیں کی تھیں اور ادھر لالہ رخ نے اپنے سسرال والوں کو حوصلہ افزا جواب دیا تھا جس پر اس کی ساس باقاعدہ پیام دے گئی تھیں۔

محب تو ان دنوں لالہ رخ کے آگے پیچھے پھرتا دکھائی دیتا۔

''بھابی! یہ سمجھ کر ایڑی چوٹی کا زور لگایئے گا کہ آپ اس پارٹی کی ہیں، اُدھر کی نہیں۔''

''بھئی ایڑی چوٹی کا زور لگانے کی کیا بات ہے، تم میں کیا کمی ہے جو انکار ہوگا۔'' سیف الرحمٰن نے کہا تو میز پر کھانے کے لوازمات سجاتے ہوئے ایک پل لالہ رخ کا دل انجانے خوف سے کانپ گیا، اس نے شوہر کی طرف دیکھا۔ سرخ سرخ کھڑی ناک میں فخر، رعونت ہلکورے لیتی محسوس ہوئی۔

''میں تو کہہ رہا ہوں تم اپنی چھٹیاں بڑھا لو، دو تین چار ماہ رہ لو اور شادی وادی کر کے ہی جانا۔'' وہ محبت سے ہی مخاطب تھا۔

چاول کی پلیٹ پر چمچہ مارتے ہوئے محبت شرمیلے انداز میں ہنس دیا۔ پھر لالہ رخ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''سیفی بھائی تو مجھے خوش فہمیوں کی بلندیوں پر چڑھا کر مارنے پر تلے ہوئے ہیں بھابی۔''

''کیوں، اس میں خوش فہمی کی کیا بات ہے؟'' اس نے ابرو اچکائے۔

''ٹھیک ہے، بات تو طے ہو جانے دیجئے پھر پروگرام بھی سیٹ کرتا ہوں۔''

''کیا تمہیں یقین نہیں ہے کہ بات طے ہو جائے گی؟'' سیف الرحمٰن نے بھائی کا چہرہ دیکھا جہاں بے یقینی ہلکورے لیتی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ ہلکے سے ہنس دیا۔

''اب میں کوئی گلفام تو ہوں نہیں کہ بے یقینی ہو ہی نہیں سکتی۔'' اس نے سادہ سے لہجے میں کہا اور لالہ رخ کی طرف دیکھا۔ ''کیوں بھابی؟'' لالہ رخ کو ڈھارس سی ہوئی، اس کا مثبت رویہ اس کے دھڑکتے دل پر تسلی کے پھاہے رکھ رہا تھا۔ مگر وہ تو ان ماں بیٹے سے ڈری ہوئی تھی جو اقرار سننے کے علاوہ کچھ اور سننے کو قطعاً تیار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

''رشتے ناتے تو آسمان پر بنتے ہیں۔ محبت کا جوڑ حنا سے ہوگا تو ضرور ہو جائے گا۔'' اس نے پہلی بار لب کشائی کی مگر اس کی اکڑی ہوئی گردن پر خاطر خواہ اثر نہ ہوا۔

''تدبیر بھی کوئی چیز ہے۔ اور تدبیر کا رستہ بھی اللہ نے ہی رکھا ہے۔'' وہ اطمینان سے نوالے حلق میں اتار رہا تھا مگر لالہ رخ کو اپنا ہر نوالہ حلق میں اٹکتا محسوس ہوتا رہا۔

''طلال کی شادی کا تم لوگوں نے کیا سوچا ہے؟''

یہ سوال غیر متوقع تھا، وہ پہلے تو ساس کو دیکھتی رہ گئی پھر سنبھل کر ان کے نزدیک بیٹھ گئی۔

''ابھی تو وہ M.C.P کر رہے ہیں اور لاہور میں ہی زیادہ تر ہوتے ہیں۔''

''پھر بھی، کوئی لڑکی وڑکی تو دیکھ رکھی ہو گی۔'' انہوں نے کریدا۔

''نہیں، ابھی تو نہیں۔'' لالہ رخ نے سادگی سے سر نفی میں ہلا دیا۔ ساس نے جیسے سکون آمیز سانس کھینچی، پھر بولیں۔

''تانیہ کو دھیان میں رکھنا، تمہاری بہنوں جیسی ہے۔ اور میں تو سوچتی ہوں حنا اس گھر میں آ جائے اور تانیہ سکندر ولا میں چلی جائے تو رشتے اور مضبوط ہو جائیں گے۔'' پھر چائے کا بڑا سا گھونٹ بھر کر لالہ رخ کے چہرے پر نگاہیں ٹکاتے ہوئے بولیں۔

''اب دیکھو نا، تانیہ کا صائمہ کے دیور ہارون سے رشتہ تقریباً طے ہی ہو چکا تھا مگر سیف

نے جانے تمہیں کہاں دیکھ لیا اور بس ہڑ کا مچا ڈالا۔ ورنہ تو اب تک تانیہ بھی بیاہی جا چکی ہوتی۔ آں، ہاں۔ پر بیٹے کے آگے کب چل سکتی ہے ماؤں کی۔'' انہوں نے آہ نما سانس کھینچی۔

لالہ رخ کو اپنے اعصاب کھنچتے ہوئے محسوس ہونے لگے۔ بے نام سی شرمندگی کسی بوجھ کی طرح اس کے سینے پر آ گری۔

''چلو، ہارون نہ سہی، طلال سہی۔'' لالہ رخ کے اٹھنے پر وہ بڑبڑانے والے انداز میں بولیں جیسے خود سے ہم کلام ہوں۔ مگر ان کی آواز اتنی بلند ضرور تھی کہ اسے واضح سنائی دی۔ اپنے کمرے تک کا فاصلہ لالہ رخ نے کچھ اس طرح طے کیا جیسے کوئی قیدی سزا سن کر اپنی بیرک میں جا رہا ہو۔

ابھی تو جانے کتنے مرحلے طے کرنے تھے اسے۔

⁂☆⁂

صبح ہی صبح حنا نے فون کر کے لالہ رخ کو بصد اصرار اپنے کالج میں بلوایا تھا۔ اسے یاد آیا، حنا نے عقیقے والے روز بھی کہا تھا کہ اس کے کالج میں اگزیبیشن ہے، وہ ضرور آئے۔ مگر اس وقت فون پر اسے حنا صرف اگزیبیشن کی دعوت دینے کی بجائے اس سے خصوصی ملنے پر زور دے رہی تھی۔ وہ پریشان ہوگئی کہ کس طرح صبح صبح سیف الرحمٰن سے اجازت طلب کرے۔ مگر خلاف عادت اس نے اسے فوراً اجازت دے دی بلکہ خود ہی ڈراپ کرنے کی آفر بھی دی۔

وہ کالج گیٹ سے اندر داخل ہوئی تو حنا گیٹ پر ہی اس کی منتظر تھی، لپک کر چلی آئی۔ لالہ رخ نے خاصی حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ دوسری بہت سی دکھائی دیتی لڑکیوں کی طرح ڈریس میں ہونے کی بجائے کالج یونیفارم میں ہی تھی۔ کل کی بندھی ہوئی چوٹی اور بڑا سا سفید دوپٹہ سر سے جسم تک لپیٹے وہ تھکی غمزدہ سی دکھائی دے رہی تھی۔

''یہ تم نے کیا حلیہ بنا رکھا ہے؟ اور آج یہ یونیفارم کیوں پہنا، تم تو بتا رہی تھیں کہ تم نے اس دن کے لئے سوٹ خریدا تھا۔'' اس کے ہمراہ راہداری سے گزرتے ہوئے لالہ رخ نے اپنی حیرت کا اظہار کیا مگر حنا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اسے ساتھ لئے ایک خالی کلاس روم میں چلی گئی۔

لالہ رخ نے اچانک اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ مگر دوسرے پل بری طرح چونکی۔ اسے لگا جیسے اس کا ہاتھ حنا کے نرم سے ہاتھ کے بجائے جلتے تندور پر جا پڑا ہو۔

"ہنی! تمہیں تو بہت تیز بخار ہے۔ آگ کی طرح جل رہی ہو۔"

"اندر تو اس سے بھی زیادہ آگ لگی ہوئی ہے لالی! جو مجھے جلا کر بھسم کر دے گی۔" ح
خود آزاری کی سی کیفیت میں ہنسی۔ لالہ رخ نے اُلجھ کر اسے دیکھا، تب وہ یکدم ٹوٹی ہوئی
شاخ کی طرح اس کے سینے سے لگ کر بچوں کی طرح بلک پڑی۔

"حنا...... حنا، کیا ہوا؟" لالہ رخ کا بدن کانپا۔ "پلیز، کھل کر بتاؤ۔" اس نے جلدی سے
اسے تھام کر ڈیسک پر بٹھا دیا مگر حنا ڈیسک پر سر رکھے مسلسل روتی رہی۔ کچھ دیر رونے کے
بعد خود ہی سر اٹھایا۔ لالہ رخ کی تشویش سے بھری نظروں سے نظریں ملیں تو پلکیں جھکا کر
اضطرابی انداز میں لب کاٹنے لگی۔

"کہو ہنی! کیا بات ہے؟ پلیز میرا دل مت ہولاؤ۔"

"لالی! میں محبت سے شادی نہیں کر سکتی۔ میں اس رشتے پر خوش نہیں ہوں۔ اس لیے
کہ......" وہ چپ ہو کر دوبارہ رونے لگی۔

لالہ رخ دنگ سی رہ گئی۔ وہ بہرحال اتنی کمسن یا نادان نہیں تھی کہ اس کی آنکھوں میں
تیرتے وہ رنگ نہ پہچان پاتی جو کسی تعارف کے محتاج نہیں ہوتے۔

☆

حنا مضطربانہ انداز میں کھڑی ہو گئی اور دیوار سے پشت ٹکا کر لالہ رخ سے نظریں ملانے
سے گریز کرتے ہوئے آہستگی سے بولی۔

"میں آفاق بھائی کو پسند کرتی ہوں لالی۔ اور وہ بھی مجھے......" وہ ایک شرمندگی کے ساتھ
دوبارہ سسکیاں بھرنے لگی۔ "انہوں نے مجھ سے وعدہ لیا ہے کہ میں ان کی پڑھائی مکمل ہو
جانے تک ان کا انتظار کروں گی، اور مجھے انہی کا انتظار ہے لالی، اور کسی کا نہیں۔"

لالہ رخ کو حیرت کے اس دھچکے نے کتنی دیر کسی بھی ردعمل کے اظہار سے باز رکھا۔ اس
کی پلکیں بغیر جھپکے حنا پر مرکوز تھیں جو نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے سر جھکائے کھڑی تھی۔
خفت کی سرخی اس کے رخساروں پر جمع ہو رہی تھی۔ اس کی جھکی ہوئی نگاہیں اور رنگت بتا رہی
تھی کہ وہ جو کہہ رہی ہے، سچ کہہ رہی ہے۔ اس کی دل گرفتہ حالت اس بات کی مظہر تھی کہ
آفاق نے اس کے معصوم ان چھوئے دل پر پوری طرح نقب لگائی تھی اور سارے دروازے
وہ اپنے پیچھے بند کر کے گیا تھا۔

"آفاق نے یہ کیا کر دیا؟" بہت دیر بعد لالہ رخ کے ترشے ہوئے ہونٹوں پر ہلکی سی
لرزش ابھری۔ اس نے زور سے آنکھیں میچ کر کھولیں۔

ماحول پر چھائے سکوت سے کہیں گہرا سکوت اس کے دل کی فضا پر چھا گیا تھا۔ اس نے
ایک بار پھر خاموشی سے اس کی طرف دیکھا لیکن لالہ رخ کے ذہن میں تو ایک طوفان برپا ہو
چکا تھا۔ وہ کتنی دیر نامانوس دُکھ میں گرفتار رہی پھر چونکتے ہوئے اس سحر سے خود کو آزاد کرتے
ہوئے مسکرانے کی کوشش کی۔

"آفی کس قدر بدتمیز لڑکا ہے، مجھے بتایا تک نہیں اس نے، کب کب بات ہوئی اس سے
تمہاری؟" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کی طرف بڑھی۔

حنا نے جلدی سے پلکیں جھکا لیں اور اضطرابی انداز میں اپنی انگلی میں موجود چھلے کو
گھمانے لگی پھر اس کی آنکھوں میں نمی چھلک آئی اور وہ بے حد مرتعش آواز میں بولی۔

"بندھن تو دلوں سے مشروط ہوتے ہیں نا لالی۔ یہ کوئی رسم کی ڈور تو نہیں کہ تھام کر نبھا

دی جائے۔ یہ تو عمر بھر کا سودا ہے۔ اس میں باہمی ربط اور دل کی آمادگی ضروری ہے نا۔''

لالہ رخ نے اس کا ہاتھ تھام کر تسلی آمیز انداز میں دبایا۔ ''بس اتنی سی بات کرنے کے لئے اتنے روز تک اندر ہی اندر خود کو جلاتی رہیں، کڑھتی رہیں۔ پاگل مجھے بتا تو دیتیں۔ آپ دو اس بدتمیز لڑکے کو۔ اس کے بھی کان کھینچوں گی۔''

''نہیں، نہیں لالی، اسے کچھ مت کہیئے گا۔'' حنا گھبرا کر بولی۔ مگر دوسرے پل لالہ ر سے نظریں ملیں تو بے عنوان سی شرمندگی محسوس کر کے سر جھکا گئی۔

''اسے کیوں کچھ بھی نہ کہوں۔ سارا قصور اسی کا تو ہے، تمہارے دل کو چھونے کی اس ہمت کیسے ہوئی؟'' وہ شرارت سے بولی۔ پھر اس کا چہرہ اوپر اٹھا کر اس کے بالوں کی لٹوں پیار سے اس کے چہرے سے ہٹایا۔

''کوئی بات وات کر گیا ہے شہلا آنٹی سے یا بس یونہی تمہیں پابند کر گیا ہے؟''

''آپ خود بات کر لیجئے گا ان سے فون پر۔'' حنا کو اپنے دل سے بوجھ ہٹتا محسوس ہوا بے طرح شرم نے آ گھیرا۔ اسے اب لالہ رخ کے سامنے کھڑے ہونا دوبھر لگ رہا تھا۔

''اچھا خیر، یہ تو میں اس سے پوچھ ہی لوں گی۔'' اس نے ہلکی سی سانس بھر کر اسے بغ دیکھا اور اس کے معصوم سراپے کو دیکھ کر سوچا کہ یہ تو اچھا ہی ہوا کہ آفاق نے ہی اس کے د پر دستک دے ڈالی تھی ورنہ محبت کھیل نہیں ہوتی، اس میں جان کا زیاں ہوتا ہے، لہو خرچ ہو ہے، نارسائی کا دھڑکا، بے یقینی کی اذیت رواں رواں جلاتی رہتی ہے۔

''لالی! میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں۔'' وہ لالہ رخ کے ہمراہ کلاس روم سے باہر آ ہوئے آہستگی سے بولی اور راہداری عبور کر کے کشادہ سیڑھیاں اترتے ہوئے ایک دم ان بیٹھ گئی۔

''مجھے یہ سب نہیں کرنا چاہئے تھا۔ مگر...... مگر آفاق مجھے بہت بری لڑکی سمجھتا۔ وہ سمجھتا میں نے لالی کے دیور کے رشتہ کو جان بوجھ کر رد نہیں کیا اور یہ کہ یہ میری ذاتی کوشش سے ہے۔ وہ مجھے دھوکے باز اور بے وفا لڑکی سمجھتا نا۔''

''ہاں...... یہ تو مردوں کا وطیرہ ہے۔ سارا بار عورت کے نازک کندھوں پر ڈال کر خود بر الذمہ ہو جاتے ہیں۔'' لالہ رخ کے سینے سے ایک گھٹی گھٹی سانس خارج ہو گئی، پھر اس کندھا تھپکتے ہوئے بولی۔

''چلو اٹھو شاباش! پہلے ڈاکٹر صفیہ کی طرف چلتے ہیں، تمہیں چیک کرا دوں پھر گھر ڈرا کر دوں۔'' اس نے نرمی سے اسے تھام کر کھڑا کر دیا۔

⁂☆⁂

لالہ رخ کو ایک نئے امتحان کا سامنا تھا۔ بظاہر تو اس نے حنا کی تسلی و تشفی کا معاملہ کر دیا تھا مگر خود اس کو تسلی دینے والا کوئی نہیں تھا۔ آفاق سے بات ہوئی تو اس نے اعتراف کر لیا کہ وہ حنا کے معاملے میں سنجیدہ ہے اور یہ کہ اس کی والدہ (شہلا آنٹی) بھی حنا کو بہو بنانے کا ارادہ رکھتی ہیں، گویا اس کی موہوم سی امید بھی دم توڑ گئی۔ بہرحال آفاق اسے بھائیوں کی طرح عزیز تھا، اور اس میں ہر وہ خوبی تھی جس کی کوئی لڑکی تمنا کر سکتی ہے۔ مگر اس کے سامنے اب اپنے سسرال والوں کو انکار کے بعد مطمئن کرنے کا دُشوار گزار مرحلہ تھا۔

''تم نے مجھے کس مشکل میں ڈال دیا پگلی لڑکی۔'' اس نے لونگ روم کے صوفے پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں جیسے حالات سے اور سوچوں سے فرار چاہ رہی ہو۔ مگر وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لینے سے مسائل کی بلا ٹل نہیں جائے گی۔ حقیقت کو فیس کرنے کا حوصلہ خود میں جمع کرنا تھا۔

سکندر ولا سے جاتے وقت اس نے سعدیہ بھابی کو رازداں بنا لیا کہ آفاق، حنا سے شادی کا خواہشمند ہے اور خود شہلا آنٹی بھی اس کی خواہش پر رضامند ہیں۔

سعدیہ بھابی کو بھی یاد آیا کہ لالہ رخ کی شادی میں شہلا چچی نے مذاق مذاق میں حنا کو بہو بنانے کی خواہش کا اظہار تو کیا تھا مگر انہوں نے مذاق سمجھ کر زیادہ دھیان نہیں دیا تھا۔

انہوں نے ایک گہری سانس سینے کی تہ تک کھینچتے ہوئے لالہ رخ کو دیکھا، پھر مجرمانہ انداز میں بولیں۔ ''ہماری طرف سے انکار ہو گا تو تم اپنے سسرال والوں کو کیا جواز پیش کرو گی؟''

''انکار ہو گا نہیں، انکار ہی سمجھیں۔ آفاق سے بہتر حنا کے لئے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔''

''مگر لالی......''

''بھابی! آنی گھر کا دیکھا بھالا لڑکا ہے۔ محبت سے ہر لحاظ سے بہتر۔ بس آپ اماں سے بات کر لیجئے گا۔'' وہ اپنا شولڈر بیگ اٹھا کر صوفے سے اٹھ گئی۔

''مگر لالی! تمہاری ساس ہنگامہ نہ کھڑا کر دے کوئی۔'' سعدیہ بھابی فکرمندی سے بولیں۔

''ارے نہیں، لڑکی دینا نہ دینا ہماری مرضی ہے۔ یہ کوئی زبردستی کے تو سودے نہیں ہوتے۔'' اس نے لہجے میں مضبوطی پیدا کرنے کی کوشش کی مگر انہیں لگا اس کی آواز مرتعش ہو گئی ہے۔ اس روشنی کی طرح جو سائے کے ڈر سے لرزتی معلوم ہوتی ہے۔

پھر وہ تیزی سے پلٹ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

⁂☆⁂

"کوئی خوش آئند خبر بھابی؟" اس کے گھر میں داخل ہوتے ہی محبّ نے پہلا سوال کیا۔ تانیہ نے بھی حوصلہ شکن نظروں سے اسے دیکھا تو اسے اپنے دل کی دیواروں سے نادیدہ خوف لپٹتا محسوس ہونے لگا۔ بہرحال اس خوف کو زباں بندی سے ختم نہیں کیا جا تھا۔ اسے زبان کھولنا ہی تھی مگر محبّ کو جواب دینے کی بجائے وہ ڈھیلے قدموں سے ساس کمرے کی طرف چل دی۔

انکار سنتے ہی ساس صاحبہ نے تو ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا۔ وہ مجرمانہ انداز میں اُدھر اپنے کام نمٹاتی رہی۔ اسے تو محبّ سے نظریں ملانے کی بھی تاب نہیں تھی گو کہ اس منہ سے کچھ نہیں کہا تھا، بس شکایتی نظروں سے دیکھا تھا۔ تانیہ نے الگ منہ سُجا لیا تھا۔

"ہاں بھئی، اونچے خاندان کی لڑکیاں ہیں، ہمیں کیوں دینے لگیں۔ ان کے گھر تو آ سے داماد اتریں گے۔ ہمیں تو ایک ہی دے کر پچھتا رہی ہیں۔"

کہنے کو تو ساس صاحبہ نے سچ ہی کہا تھا مگر لالہ رخ صرف متاسفانہ سانس بھر کر رہ گ

اصل تکلیف دہ صورتحال کا سامنا اسے سیف الرحمٰن کے آنے پر کرنا پڑا تھا۔ اس نے ایسی نظروں سے اسے دیکھا تھا کہ اسے یہ نظریں اپنی روح میں چھید ڈالتی محسوس ہ لگیں۔ اس کا دل چاہا زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے۔

"وہ ابھی چھوٹی ہے سیف! کمال بھائی اس کی شادی اتنی جلدی نہیں کرنا چاہتے۔ ہزار تاویلیں پیش کرنے لگی۔

"ہاں، بہت چھوٹی ہے، فرسٹ ایئر میں پڑھتی ہے بالغ نہیں ہوئی ابھی تک۔" و سے پھنکارا۔ "تم صاف کیوں نہیں کہتیں کہ خاندان میں کوئی متبادل ہوگا، اسی لئے یہ ب بازی ہو رہی ہے۔"

"میں مجبور ہوں، اس سے زیادہ میرے اختیار میں کچھ نہیں تھا۔" وہ اس شخص کے س رونا عبث جان کر آنسو دل میں ہی اتار گئی۔

"اختیار...... تم نے اپنے اختیار کو استعمال ہی کب کیا ہے محترمہ لالہ رخ صاحبہ چاہتیں تو تم بہت کچھ کر سکتی تھیں۔"

"جوڑے آسمان پر بنتے ہیں سیف! یہ بات آپ مسلمان ہو کر کیوں نہیں سمجھ پاتے؟ بے چارگی آمیز کرب سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

وہ تیوریاں چڑھائے وارڈ روب کا پٹ پوری طاقت سے بند کر کے اس کی طرف گھ

"خوب، تقدیر کا نام لے کر، مسلمانیت درمیان میں لا کر اپنے میکے والوں کے

پردہ ڈالنا چاہ رہی ہو۔ بہرحال انہوں نے ہماری توہین کی ہے، ذلیل کیا ہے ہم لوگوں کو۔ جان بوجھ کر بے عزتی کی گئی ہے ہماری۔" وہ غصے اور نفرت سے چیخا اور بیڈ سے تکیہ اور چادر اٹھا کر کمرے سے نکل گیا۔ لالہ رخ تڑپ کر اس کی طرف لپکی مگر وہ اپنے پیچھے زور سے دروازہ بند کر گیا۔ وہ دُکھ اور رنج سے کھڑی رہ گئی۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا جب وہ رات کو کمرے سے باہر نکل گیا تھا اور پھر ساری رات اندر نہیں آیا تھا۔

یہ رات اس کی آنکھوں میں کٹی تھی۔ ذلت کا احساس اس کی روح پر آبلے کی طرح ٹپکنے لگا تھا۔ صبح بھی اس کے چہرے کے زاویئے بگڑے ہوئے تھے، اس نے کوئی سلام کلام نہ کیا اور آفس چلا گیا۔

اس شخص کی دی ہوئی ذلت کی اذیت الگ، باقی گھر والوں کی بے گانگی، بے رُخی کا عذاب وہ الگ سہہ رہی تھی۔

محبّ نے پندرہ دنوں کے بعد ہی واپسی کا پروگرام بنا ڈالا تھا۔ وہ خود کو مجرم سی محسوس کر کے رہ گئی۔ ساس اٹھتے بیٹھتے اسے ہی موردِ الزام ٹھہراتی رہتیں۔ بقول ان کے، ان کے بیٹے کا دل توڑ کر رکھ دیا گیا تھا۔ اس کی ساری خوشیاں خاک میں ملا دی گئی تھیں، وہ بھی سازش کے تحت۔ وہ بے قصور ہو کر بھی قصوروار ٹھہرا دی گئی تھی۔

اس شخص کی نشتر زنی پر رات کروٹیں بدلتے گزرتی۔ دن بھر ساس کی ملامت بھری نگاہوں کا سامنا رہتا۔ مگر اس نے سکندر ولا میں ایسا کوئی تاثر نہیں دیا تھا۔ اسے سعدیہ بھابی نے فون پر بتایا تھا کہ آفاق کی والدہ نے حنا کے رشتے کی بات کی ہے اور بات تقریباً طے ہی سمجھو۔ مگر اس نے یہ بات اپنے سسرال والوں سے چھپا لی۔

دن بہت بے کل گزر رہے تھے۔ محبّ چلا گیا تو کچھ دنوں بعد حالات معمول پر آ گئے۔ سیف الرحمٰن کا رویہ بھی بہتر ہو گیا تھا۔ مگر لالہ رخ کو لگتا اب وہ پہلی سی بات نہ رہی تھی۔ اسے ان کی لگاوٹ، محبت، ان کی باتیں محض ان کے جذبات کی تسکین کے ہی پہلو محسوس ہوتے۔

اس نے سوچا، کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ!

"وجود کی تکمیل تو بہت عام سی بات ہے، آپ کسی کا بھی ہاتھ تھام لیں، آپ کے شوریدہ جذبات کی تسکین کے ہزار ہا پہلو نکل آئیں گے۔ لیکن روح کا ساتھی جس سے روح کا گمشدہ آدھا حصہ مکمل ہو کر نئی شخصیت کا روپ دھار لے وہ خال خال ہی ملا کرتا ہے۔"

اور تقدیر نے اس کے ساتھ کوئی انہونی نہیں کی تھی۔ وہ اور بہت سی کم نصیب عورتوں کی

طرح ایک روایتی مرد کی بیوی بن گئی تھی جسے بہت سینت سینت کر، سنبھل سنبھل کر ایک ایک
اینٹ رکھنی تھی تاکہ یہ چہار دیواری مکمل ہو سکے۔

❋☆❋

سکندر ولا میں حسنہ کی شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے تھے۔

لالہ رخ نے تانیہ کے ہمراہ حسنہ کی شادی کی شاپنگ کی۔ وہ اپنی طرف سے ان سب
کے دل صاف کرنے کے جتن کر رہی تھی۔ ادھر حسنہ اس سے خوب بگڑی ہوئی تھی۔

''لالی! اب تو پندرہ دن رہ گئے ہیں، اب تو آ جاؤ۔ یہ کیا بے گانگی ہے۔'' وہ فون پر
اسے خوب سناتی تھی۔

''آ جاؤں گی بھئی۔ بے فکر رہو۔ میں ادھر اپنی شاپنگ کر رہی ہوں۔''

''کیا؟ یعنی اکیلے اکیلے سیف بھائی کے ساتھ جا کر شاپنگ بھی کر لی، ادھر ہماری یاد تک
نہیں آ رہی ہے۔ بہت بدل گئی ہو لالی!''

''تم بھی بدل جاؤ گی پندرہ دنوں بعد۔'' اس نے قہقہہ لگایا تو حسنہ جھینپ گئی۔

''ہرگز نہیں، کم از کم تمہارے جیسی بے وفا نہیں ہو جاؤں گی۔ تمہیں تو سوائے سیف
اور اپنے سسرال والوں کے کوئی نظر ہی نہیں آتا۔'' وہاں سے کھٹاک سے فون رکھ دیا گیا۔
لالہ رخ کے لبوں پر پھیلی مصنوعی ہنسی سکڑ گئی۔

خدا نہ کرے کہ تمہیں ایسے حالات کا سامنا ہو کہ تمہیں بدلنا پڑے، میری طرح منافق
کر جینا پڑے۔ اس کے دل کی گہرائیوں سے حسنہ کے لئے دُعا نکلی تھی۔

حسنہ کی شادی سے ہفتہ بھر پہلے لالہ رخ تانیہ کے ہمراہ سکندر ولا چلی آئی۔

''میرے یہاں آ جانے سے تانیہ گھر میں اکیلی رہ جاتی ہے، سوچا اسے بھی ساتھ
لوں۔ یہ بھی انجوائے کر لے گی۔'' وہ خواہ مخواہ میں وضاحت کرنے لگی۔ جبکہ اس کی چ
ضرورت نہیں تھی۔

تانیہ کی آمد پر کسی نے بھی برا نہیں مانا تھا۔ بھلا اتنے پہلے ہی سے بہت سے مہمانوں
ایک تانیہ کے اضافے سے کیا فرق پڑ سکتا تھا۔ لڑکیوں نے اس کا خوش دلی سے استقبال
تھا۔ خصوصاً حنا نے۔ وہ لالہ رخ کی اس حد تک مشکور تھی کہ اپنے ہر عمل سے وہ لالہ رخ
کوئی خوشی پہنچانا چاہ رہی تھی۔ جبکہ تانیہ یہ سب حق کی طرح وصول کر رہی تھی۔ اس کے
میں، وہ یہ سب محبت کے رشتے کو رد کرنے کی تلافی کے طور پر کر رہی تھی۔

سکندر ولا میں تو یوں بھی کسی کو اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا تھا، تانیہ تو گویا اس گھر کی

ہو کر رہ گئی تھی۔ سرِ شام لڑکیاں ڈھولکی لے کر بیٹھ جاتیں مگر گانوں سے زیادہ ہنسی مذاق، چھیڑ
چھاڑ ہوتی رہتی۔

اس روز لڑکیاں لونگ روم میں حسبِ معمول جمع تھیں اور تانیہ اپنی آواز کا جادو جگا رہی
تھی۔ جس پر لابی میں بیٹھے خرم کو خفقان ہونے لگا تھا گو کہ لڑکیاں خوب انجوائے کر رہی تھیں۔

کس نام سے پکاروں
کیا نام ہے تمہارا
کیوں تم کو دیکھتے ہی
دل کھو گیا ہمارا

اسی پل طلال نے لونگ روم میں قدم رکھا تھا۔ وہ اپنا موبائل سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر بھول
گیا تھا، وہی لینے آیا تھا۔ اسے دیکھ کر تانیہ کے لہجے میں خمار اتر آیا، وہ کچھ اور جذب سے
گانے لگی۔

تم خواب زندگی کی تعبیر بن کے آئے
میرے تصوروں کی تصویر بن کے آئے
آ ہی چکے ہو جب تم جانا نہیں دوبارہ
کس نام سے پکاروں، کیا نام ہے تمہارا
کیوں تم کو دیکھتے ہی، دل کھو گیا ہمارا

وہ سب اس کی نگاہوں میں تیرتے خمار اور نگاہوں کے مرکز سے بے نیاز تالیاں پیٹ
رہی تھیں مگر طلال کو دیکھ کر تانیہ کی آنکھوں میں جس طرح نشیلا پن اترا تھا، اس نے طلال کو
خفیف سا کر دیا تھا۔ وہ موبائل اٹھا کر جوں ہی پلٹا، حنا کی اس پر نگاہ پڑ گئی۔

''طلال چاچو! تانیہ کی آواز اچھی ہے نا؟'' وہ تانیہ کا دل رکھنے کے لئے بولی تھی۔ تانیہ کا
دل تو مارے خوشی کے لپک جھپک کرنے لگا، وہ ہوا کے دوش پر سفر کرنے لگی۔

اِدھر طلال کا دل چاہا، اس بے تکی حنا کے سر پر یہی موبائل بجا دے۔ مجبوراً اُسے اثبات
میں سر ہلانا پڑا۔

''ارے طلال! تم جا رہے ہو تو ٹیلر سے میرے کپڑے تو لیتے آنا۔'' حسنہ بھی اس کی
طرف متوجہ ہو گئی۔

''اوہ، ہاں میں جا رہا ہوں۔ لیتا آؤں گا۔'' وہ حسنہ کے یاد دلانے پر نادم ہو گیا۔ وہ دو
دن سے مسلسل ایک ہی بات اسے یاد دلاتی تھی مگر وہ ہر بار ٹیلر کی طرف جانا بھول ہی جاتا

تھا۔

''ایسا کرو، حنا اور نازش کو بھی ساتھ لے جاؤ، انہیں بھی ٹیلر کی طرف جانا ہے۔'' پھر
سے بولی۔ ''چلو اٹھو، جلدی سے نکل چلو، یہ رُکے گا نہیں۔'' اس نے طلال کو کمرے سے
دیکھ کر نازش کو بھی کھڑا کیا جو کسلمندی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

حسنہ نے طلال کو کبھی چاچا یا چاچو کے لقب سے نہیں پکارا تھا، اس کے خیال میں اِ
ینگ اور اسمارٹ شخص کے ساتھ لفظ چاچو کچھ عجیب سا لگتا ہے۔ وہ بھتیجی ہونے کے باوجود
اسے طلال کہہ کر ہی مخاطب کرتی تھی۔

گاڑی میں بیٹھا طلال، حنا اور نازش کے ہمراہ تانیہ کو دیکھ کر ایک ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔

''اس کا ساتھ آنا ضروری تھا؟'' اس نے نزدیک آتی حنا سے کہا۔

''ہائے چاچو، ایسے تو نہ کہیں، مہمان ہیں یہ ہماری۔'' حنا نے دبی زبان میں جلدی
اسے چپ کرا دیا۔

''تم لوگ واپس کس طرح جاؤ گی؟'' وہ ٹیلر کے پاس گاڑی روکتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''کیوں، کیا آپ ہمیں لاوارثوں کی طرح چھوڑ کر چلے جائیں گے؟'' حنا کی بجائے تا
چمک کر بولی۔ پھر استحقاق بھرے انداز میں بولی۔ ''ظاہر ہے آپ ہی کے ساتھ واپس جائیں
گے بلکہ آئسکریم بھی کھاتے ہوئے جائیں گے۔ کیوں حنا؟'' اس نے حنا کی طرف دیکھا تو
اور نازش نے بے ساختہ ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر چور نظروں سے طلال کے چہرے
دیکھا جہاں ناگواری کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں مگر اس سے پہلے کہ وہ کوئی سخت بات کہتا،
جلدی سے بولی۔

''ہاں چاچو! آئسکریم کھانے کو بے حد دل چاہ رہا ہے، ہم گھر سے یہی پروگرام بنا
آئے ہیں۔''

''میں تم لوگوں کے پروگرام کا پابند نہیں ہوں، میرے اپنے بھی ڈھیر سارے کام ہیں۔''
اس نے کڑکتی نظر حنا پر ڈالی تو وہ کھسیا کر گاڑی سے اتر گئی۔

''ایسے مواقع روز روز تو نہیں آتے طلال صاحب! اب ایسی بھی کیا بے رخی۔'' تانیہ کے
اندر جرأت بلا کی تھی۔ نازش کو تو ماتھے پر پسینہ پھوٹتا محسوس ہوا۔ وہ طلال کی عادت سے
واقف تھی، اگر اسے غصہ آ جائے تو پھر وہ کسی کا لحاظ نہیں کرتا تھا۔ پتہ نہیں کیسے وہ تانیہ کا اب
تک لحاظ کر رہا تھا۔ شاید رشتے کی نزاکت کا احساس کر کے۔

''کیسے مواقع، میں سمجھا نہیں؟'' وہ انجان بن کر بولا۔ اس کے لہجے میں ہلکی چبھن در آئی

تھی۔

''ہماری میزبانی کے شرف کے مواقع۔'' وہ گاڑی سے اترتے ہوئے بڑی بے باکی سے
اس کی آنکھوں میں براہِ راست جھانک کر بولی تھی۔ طلال نے لب بھینچ کر یکدم نگاہوں کا
زاویہ بدل لیا۔ اس کی پیشانی پر شکنوں کا جال بن گیا۔

''میں اچھا میزبان کبھی بھی نہیں رہا۔ شاید یہ بات آپ کو کسی نے بتائی نہیں ہے اب
تک۔'' وہ ہلکے سے کہتا ہوا اگنیشن میں چابی گھما کر ایک جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔
پہیوں کی احتجاجی چرچراہٹ سے سڑک پر بکھری مٹی کا دھواں سا اٹھا جو تانیہ کو سارا کا سارا
اپنی آنکھوں میں اترتا محسوس ہوا۔

مارے خجالت کے وہ کتنی دیر اپنی جگہ گنگ سی کھڑی رہ گئی۔ پھر اچانک حنا اور نازش کی
طرف جھٹکے سے پلٹی، اس کے چہرے کے زاویئے تن گئے تھے۔

''مجھے رکشہ کرا دو، میں ابھی اور اسی وقت گھر جاؤں گی۔ کمال ہے، کس قدر غیر مہذب
لوگ ہیں تمہارے خاندان میں۔ مروت نام کو نہیں۔ عزت کرنا تو جانتے ہی نہیں ہیں۔'' وہ
اسی وقت گھر جانے کو مچل اٹھی۔ حنا اور نازش کا تو پریشانی سے برا حال ہو گیا تھا۔ طلال کا
ردعمل ان کی توقع کے بھی خلاف ہی تھا، تاہم وہ اسے بہلانے پھسلانے لگیں مگر وہ ماش کے
آٹے کی طرح اکڑے ہی جا رہی تھی۔

اگر وہ اسی غصے میں اپنے گھر چلی جاتی تو وہ جانتی تھیں کہ لالہ رخ کی ساس طوفان لے
آئے گی اور سارا نزلہ لالی پر ہی اترے گا۔ وہ دونوں اسے بہ مشکل سمجھا بجھا کر واپس سکندر
ولا لے آئیں، سکندر ولا آ کر اس نے باقاعدہ آنسو بہانے شروع کر دیئے، خوب واویلا مچایا
کہ اس کی انسلٹ کی گئی ہے، جان بوجھ کر اس کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کیا گیا ہے۔

رفیعہ بیگم کے تو ہاتھ پیر پھول گئے۔ کل مہندی تھی اور اگر تانیہ بی بی اپنے گھر چلی جاتیں
تو لالہ رخ کے سسرال والے نہ صرف اس شادی کا بائیکاٹ کرتے بلکہ سیف الرحمٰن لالہ رخ
کو بھی بلوا لیتا۔

سعدیہ بھابی اور عفت بھابی طلال کی منت کرنے لگیں کہ وہ تانیہ سے معافی مانگ لے۔

''کمال ہے، کس بات کی معافی، میں ان کا ڈرائیور تھا کہ انہیں ان کی مرضی سے سڑکوں
پر لئے لئے پھرتا رہتا؟'' وہ ہتھے سے اُکھڑ گیا۔

''دیکھو، لالی کی خاطر۔'' سعدیہ بھابی اسے تھپکنے لگیں۔

''اسی کی خاطر تو اسے برداشت کر رہا ہوں۔'' اس نے نرمی سے ان کا ہاتھ اپنے کندھے

سے جھٹک دیا۔ ''بہرحال معافی وافی مانگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' وہ کُرتے کی آستین فولڈ کرتا تولیہ اٹھا کر باتھ روم کی طرف بڑھنے لگا کہ جاذب چلا آیا۔

''پلیز طلال! ناحق بات بڑھ جائے گی اور شادی میں جھگڑا پڑ جائے گا۔ کہتے ہیں نا عاجزی میں بلندی ہے۔'' اس نے اسے بازو سے پکڑا۔ طلال غصے اور بے بسی سے لب بھینچ کر رہ گیا۔

''صرف سوری کر لینا۔ تمہیں کون سا لمبا چوڑا معذرتی خط لکھنے کو کہہ رہے ہیں۔'' وہ ہلکے سے مسکرایا۔ جواباً طلال نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا کہ وہ نظریں چرا گیا۔

''مجبوری ہے یار!'' وہ پھر ہنس کر بولا۔ ''ایک کپ آئسکریم کا ہی تو سوال تھا۔ کھلا دیتے تو یہ وقت تو نہ دیکھنا پڑتا۔''

''تم لوگ میرے ساتھ زیادتی کر رہے ہو۔ بہرحال اس کے بعد اگر کچھ ہوا تو میں اس طرح کی واہیات انکساری اور عاجزی کا مظاہرہ نہیں کروں گا۔'' وہ جاذب کا ہاتھ جھٹک کر بادل ناخواستہ راضی ہو گیا۔

''صراحی سرنگوں ہو کر بھرا کرتی ہے پیمانہ۔'' جاذب نے پیچھے سے ہانک لگائی تو سعدیہ بھابی نے اسے آنکھیں دکھائیں۔ مبادا وہ جاتے جاتے ارادہ بدل کر پھر پلٹ کر آ جائے۔

تانیہ سے معافی مانگنے کے بعد اسے اپنے اندر ایسی آگ بھڑکتی محسوس ہوئی تھی جو کتنی دیر ٹھنڈے پانی سے نہانے کے باوجود کم نہ ہوئی تھی۔ بلکہ تپش اور بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ گاڑی کی چابی اٹھائے گھر سے نکل گیا۔

اور رات کو جب لوٹا تو گھر کا ماحول حسب معمول تھا۔ لڑکیاں اپنے اپنے کپڑوں پر آئرن پھیر رہی تھیں اور ہنسی مذاق جاری تھا۔ ہلکی آواز میں اسٹریو بج رہا تھا۔ اس کی نظریں تانیہ پر اٹھیں جو اپنے نیل کی تراش خراش میں مصروف تھی اور جس انداز سے بیٹھی تھی اس سے اس کی جان ہی جل گئی۔ وہ اپنے کمرے میں چلا آیا۔

کوئی گھنٹہ بھر بعد لالہ رخ دودھ کا گلاس لئے اس کے کمرے میں چلی آئی۔ وہ بیڈ پر تھا، کتاب سینے پر الٹی پڑی تھی۔ اس کے ہلکے بھورے بال پنکھے کی ہوا سے اِدھر اُدھر بکھر لہرا رہے تھے۔ بظاہر وہ آنکھیں بند کئے ہوئے تھا مگر اس کے پیروں کی اضطراری حرکت سے ظاہر تھا کہ وہ جاگ رہا تھا۔

''طلال! میں تم سے بہت شرمندہ ہوں۔'' وہ دودھ کا گلاس اس کے بیڈ کے سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے ندامت سے بولی۔

طلال نے آنکھیں کھولیں اور ایک گہری سانس کھینچ کر کتاب سینے سے ہٹائی اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''تم کیوں شرمندہ ہو، محض اس لئے کہ تانیہ تمہاری نند ہے۔'' ایک ہلکی استہزا آمیز ہنسی کے ساتھ اسے دیکھا پھر دودھ کا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔

''دراصل وہ بہت چھوٹے دل کی ہے، اس لئے فوراً برا مان گئی۔'' وہ عادت کے مطابق اس کی حمایت کرنے لگی۔

''ہاں، ادھر ہم سب بڑے دل کے ہیں، سو ان محترمہ سے معافیاں مانگتے رہیں۔''

''چند دن کی تو بات ہے طلال۔'' وہ شرمندہ سی ہونے لگی۔

''ہاں، ہماری تو خیر چند دن کی بات ہے مگر تمہاری تو عمر بھر کی ہے۔'' اس نے ایک ٹھنڈی قدرے متاسفانہ سانس بھری اور لالہ رخ کو بہ نظر غور دیکھتے ہوئے بولا۔

''تمہارا دل اتنا بڑا کیسے ہو گیا۔ تم تو خود بہت لاڈ پیار میں پلی بڑھی ہو، چھوٹی چھوٹی باتوں پر بچوں کی طرح منہ پھلا لیتی تھیں، اب اتنی برداشت کیسے آ گئی ہے تم میں؟'' اس کا انداز سادہ سا تھا مگر لالہ رخ کو طنز ہی لگا۔ اس نے شکایتی انداز میں اسے گھورا۔

''آ ہی جاتی ہے وقت کے ساتھ سمجھ۔''

''مگر مجھے نہیں لگتا تمہاری نند کو وقت کے ساتھ بھی سمجھ آئے۔'' وہ ہلکے سے ہنسا تھا اور دودھ کے بڑے بڑے گھونٹ بھر کر خالی گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر کھڑا ہو گیا۔

''ایک بات تو بتاؤ لالی۔'' وہ پُرخیال انداز میں اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''سیف الرحمٰن کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا ہے؟''

''کیا مطلب کیسا ہے؟ اچھا ہے، ظاہر ہے شوہر ہیں وہ میرے۔'' لالہ رخ نے خائف نظروں سے اسے دیکھا تو وہ کچھ دیر اس کی طرف دیکھتا رہا پھر ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے بیڈ سے اٹھتے ہوئے بولا۔

''لالی! تمہاری یہ نند ایک بگڑی ہوئی لڑکی ہے، اسے تربیت کی ضرورت ہے شاید۔ بے شک تم بھابی ہونے کے ناتے اس کی حمایت پر مجبور ہو۔'' وہ رُکا پھر لالہ رخ کو حیرت سے اپنی طرف دیکھتے پا کر سر کو خفیف سی جنبش دی۔

''ہاں، بہت سی باتیں ایسی ہیں جو میں تمہیں نہیں بتا سکتا اور نہ بتانا چاہتا ہوں۔'' پھر رُخ پھیر کر کتاب شیلف پر پھینکتے ہوئے ہلکے سے ہنسا، اس کی یہ ہنسی بڑی متاسفانہ سی تھی۔ ''یوں تو مجھے کسی عورت کے کریکٹر پر تبصرہ کرنے کا حق نہیں ہے اور نہ یہ میری عادت ہے۔''

لالہ رخ سن سی بیٹھی رہ گئی۔ وہ پلٹا تو نگاہوں کا ہلکا سا تصادم ہوا۔ اس نے پلکوں کا جال گرا دیا اور اضطرابی انداز میں اپنی جگہ سے اٹھی۔

''میرا خیال ہے مجھے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہئے۔ تم تو اس کے ساتھ رہتی ہو، مجھ سے زیادہ جانتی ہوگی۔ جذبات کس کے پاس نہیں ہوتے، دل کس کا چاہنے اور چاہے جانے کے احساس سے خالی ہوتا ہے۔ مگر جذبات کو بپھرے سمندر کی طرح نہیں ہونا چاہئے جو ساحل پر سر پٹخ کر اپنا وجود کھو دے۔'' اس نے سانس کھینچی۔ ''عورت کی مثال فضاؤں میں لہراتی ہوئی پتنگ کی سی ہے جو کردار کی ڈور کے سہارے آسمان کی وسعتوں میں جھولتی رہتی ہے۔ جب تک یہ ڈور صحیح و سالم رہتی ہے وہ رفعتوں میں پرواز کرتی رہتی ہے مگر جیسے ہی یہ ڈور ٹوٹ جاتی ہے تو وہ ہوا کے دوش پر پستی کی طرف رخ کر لیتی ہے۔'' وہ چپ ہوا تو ایک عجیب سی بوجھل خامشی کمرے کی فضا پر چھا گئی۔ لالہ رخ کو یہ بوجھل پن اپنے دل کی فضا پر بھی چھاتا محسوس ہونے لگا، تاہم اس نے جلدی سے سر جھٹکا اور مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

''چلو اسی بہانے تمہاری پسند کا پتہ تو چل گیا کہ تمہیں کس طرح کی لڑکیاں پسند ہیں۔''

''کیا مطلب؟'' وہ چونکا پھر بے ساختہ مسکرا دیا۔ ''تو کیا تمہیں ابھی تک اندازہ نہیں تھا کہ میری پسند کس طرح کی ہو سکتی ہے۔ افسوس تم نے مجھے اب تک سمجھا ہی نہیں۔'' اس نے مصنوعی غصے سے سانس کھینچی۔ لالہ رخ کھلکھلا پڑی۔

✻☆✻

مہندی کے دن صبح ہی سے ایک افراتفری مچی ہوئی تھی۔ خصوصاً لڑکیوں میں۔ انہیں آخری دموں تک اپنی تیاریاں نامکمل دکھائی دے رہی تھیں۔ اور شام اترتے ہی ادھر لڑکے گھر کے سارے باتھ رومز پر قبضہ جما چکے تھے۔ لڑکیاں انتظار کی کوفت سے گزر رہی تھیں۔

''دیکھ لے سوکھی ٹہنیوں کی طرف
پوچھ مت انتظار کیا شے ہے''

خرم کپڑوں پر آئرن پھیرتی حنا کو چھیڑتے ہوئے جھپاک سے باتھ روم میں جا گھسا جس سے ابھی عادل نکلا تھا۔ حنا دانت پیس کر رہ گئی۔

''تم لڑکوں کو اتنا سجنے سنورنے کی ضرورت کیا ہے۔ آخر وہاں کون دیکھے گا تم لوگوں کو؟'' وہ چڑ کر بولی۔

''کیوں، ہمیں کوئی کیوں نہیں دیکھے گا۔'' عادل برش اٹھا کر اپنے گیلے بالوں پر پھیرنے لگا اور انہیں نفاست سے جماتے ہوئے اسے آئینے سے ہی گھورا۔ ''ہمیں ہی تو ہر آنکھ دیکھنے کو

ترس رہی ہے۔''

''ابھی کسی کے اتنے برے دن نہیں آئے کہ تمہیں دیکھنے کو ترس جائے۔'' نازش کی بات پر حنا محظوظ ہو کر زور سے ہنسی تھی۔

''ہاں برے دن تو بیچارے آفاق بھائی کے آگئے کچھ زیادہ ہی جلدی۔'' وہ حنا کے ہنسنے پر جل کر بولا۔ حنا جھینپ گئی۔

''تم چلتے پھرتے نظر آؤ اچھا۔ ورنہ پورا چوکھٹا جلا دوں گی، دیکھنے کو ترسنے والی انکھیاں پھر کبھی نہ ترسیں گی۔'' اس نے استری اٹھا کر اسے ڈرایا۔

''خدا رحم کرے آفاق بھائی پر۔ کیسے کیسے ٹارچر کے طریقے آگئے ہیں لڑکیوں کو۔'' اس نے مصنوعی خوف سے جھرجھری بھری پھر جھپاک سے بھاگا۔ حنا استری اٹھائے اس کی طرف لپکی تھی۔

''انتظار کرو ستمگر، ابھی وہ گلفام باتھ روم سے نکلتا ہے ٹھنڈا ٹھار ہو کر، اس پر یہ ٹرائی کر لینا۔'' اس نے دروازہ اپنی طرف کھینچ کر ذرا سی جھری کر کے خونخوار تیوروں سے کھڑی حنا کو تھ روم کی طرف اشارہ دیا جہاں شوشہ چھوڑ کر خرم غائب ہو گیا تھا۔

''اسے تو نکلنے دو۔ ساری ٹھنڈک دور نہ کر دوں تو۔'' وہ دوبارہ استری اسٹینڈ پر چلی آئی۔ ہر نازش کی طرف دیکھ کر بے اختیار ہنس پڑی۔

ادھر تانیہ صاحبہ طلال کے باتھ روم میں جا کر نہانے لگی اور جب باہر نکلی تو طلال بے خبر پنی وارڈ روب کھولے اپنے کپڑے نکال رہا تھا۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس کے باتھ روم سے تانیہ برآمد ہوگی۔ وہ سمجھ رہا تھا خرم یا عادل موقع پا کر گھس گئے ہیں۔ وہ خود لمگن سیٹی کی شوخ دھن پر گنگنا رہا تھا۔

''کچھ دن تو بسو میری آنکھوں میں
پھر خواب اگر ہو جاؤ تو کیا''

آہٹ پر پلٹا تو بقیہ گنگناہٹ لبوں کے درمیان کسی سخت نوالے کی طرح پھنس کر رہ گئی۔ وہ تولیہ سر پر لپیٹے دوپٹے سے بے نیاز اس کے مقابل تھی۔

''ارے رُک کیوں گئے، گائیے نا، آپ کی آواز تو بہت اچھی ہے۔'' وہ اس کے چونکنے کے انداز کو قطعی نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔

طلال جواب کیا دیتا، وہ تو ابھی اپنی حیرت سمیٹ ہی نہ پایا تھا کہ جاذب اس کے کمرے ئر چلا آیا تب تانیہ ٹپٹا سی گئی۔

’’دراصل سارے واش رومز زیرِ استعمال تھے۔ مجھے یہی ایک خالی دکھائی دیا۔ مجھے
نہیں تھا یہ کمرہ آپ کا ہوگا۔‘‘ وہ نہایت معصومیت سے گویا معذرت کرنے لگی۔ پھر جاذب
طرف دیکھے بغیر سرعت سے کمرے سے نکل گئی۔

جاذب نے معنی خیز کھنکار کے ساتھ طلال کے کندھے پر ہاتھ مارا تھا۔

’’تجھ سے گو دیکھا نہ ہم نے جز جفا
پر وہ کیا کچھ ہے کہ جی کو بھا گیا

اس کے شرارت آمیز کلام پر طلال کو اپنے چہرے کے مساموں سے پسینہ پھوٹتا م
ہوا، غصے کی شدت سے زیادہ عجیب سی خفت نے اس پر غلبہ پالیا تھا۔

’’لڑکی بری نہیں ہے اگر غور کرو تو۔‘‘ جاذب نے آنکھ دبائی۔

’’ہاں، تمہارے لئے کوشش کی جاسکتی ہے۔‘‘ وہ اپنے منتشر اعصاب کو سنبھالنے کے
ایک گہری سانس کھینچ کر بولا۔ جواباً جاذب نے بڑا سا قہقہہ لگایا۔

’’ارے ایسی کہاں ہماری قسمت۔‘‘

’’چار جائز ہیں، یہ تو پھر بھی دوسری ہوگی۔‘‘ وہ وارڈ روب بند کرتا ہوا یوں اطمینان
گویا ہوا جیسے جاذب اس سے یہی بات کرنے آیا ہو۔

’’بکومت۔‘‘ جاذب نے اسے گھورا۔ ’’لاؤ چابی دو گاڑی کی۔ کہاں مجھے الٹی سیدھی
میں پھنسا دیا۔ ناحق بہک گیا تو روبی کے جذبات کا خون تمہاری گردن پر ہو جائے گا۔‘‘

طلال نے ہنستے ہوئے چابی ٹراؤزر کی جیب سے نکال کر اس کی طرف اچھال دی۔

بہت سی باتوں کی طرح طلال نے تانیہ کی اس حرکت کی بھی تشہیر نہیں کی، تاہم خو
سے زیادہ محتاط ہو گیا تھا۔ مگر تانیہ تو لگتا تھا اس کی محبت میں دیوانی ہو چکی تھی۔ وہ کوئی ناد
کمسن نہ تھی کہ طلال کا گریز نہ سمجھتی مگر اس گریز کو وہ بے گانگی سے زیادہ احتیاط سے تعب
رہی تھی۔ اس کے خیال میں اس کی طرف سے گرین سگنل پا کر وہ شخص بھی ضرور کھل جائے
اس کے خیال میں وہ خوبصورت تھی، ویل آف تھی اور اسے پہننے اوڑھنے کا سلیقہ تھا،
ادا کو وہ سلیقہ مندی سے تعبیر کرتی تھی۔

حسنہ کی بارات کے روز اس نے اپنے آپ کو بڑی مہارت سے سجایا تھا، سب نے
اس کی تعریف کی تھی۔ خصوصاً حنا نے۔ اچھے نین نقش کے باعث وہ پہننے، اوڑھنے اور
میک اپ میں پُرکشش دکھائی دیتی تھی۔

وہ سب میرج ہال پہنچیں تو پتہ چلا تانیہ گھر پر رہ گئی ہے۔ طلال میرج ہال کے پار

لاٹ میں اپنی گاڑی روک کر اتر ہی رہا تھا جب عفت بھابی دوڑتی ہوئی آئیں۔

’’طلال! لالی کی نند تانیہ تو گھر ہی پر رہ گئی ہے۔ اسے تو لے آؤ۔‘‘

طلال کے اعصاب کو اچھا خاصا جھٹکا لگا تھا۔ اس نے استفہامیہ نگاہوں سے عفت بھابی
کو دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں تحیر جھلک رہا تھا۔ ’’جب سب آچکی تھیں تو وہ کیسے رہ گئی، جبکہ
اتنی بہت سی گاڑیاں بھی تھیں، جگہ کی بھی کمی نہ تھی۔‘‘

’’ہوسکتا ہے گاڑیاں روانہ ہوئی ہوں تو اسے پتہ نہ چلا ہو۔‘‘ عفت بھابی عذر پیش کرنے
لگیں۔ سسرال کا معاملہ تھا، احتیاط بھی ضروری تھی۔

طلال نے لب بھینچ لئے اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ اس نے سوچا آج تو اس لڑکی کو
سبق سکھا ہی دینا چاہئے۔

اس نے بڑے رش انداز میں گاڑی پارکنگ ایریا سے نکالی تھی۔ سکندر ولا پہنچا تو وہ لان
میں چہل قدمی کر رہی تھی۔ طلال کی گاڑی پورٹیکو میں رُکتے دیکھ کر اس کے ہونٹوں کی تراش
میں ایک فاتحانہ سی مسکراہٹ جھلک آئی۔

’’مجھے یقین تھا آپ ہی آئیں گے۔‘‘ وہ اس کے نزدیک آنے پر استحقاق بھرے انداز
میں بولی اور مسرور سی مسکراہٹ اچھالی۔

’’دن بھر تو آپ حنا کے ساتھ لگی ہوئی تھیں، جب گاڑیاں روانہ ہوئیں تو آپ کہاں
تھیں؟‘‘ وہ اس کی مسکراہٹ اور جملہ قطعی نظر انداز کرتے ہوئے گویا خود پر ضبط کرتے
ہوئے بولا۔

’’شاید کسی کے خیال میں گم تھی جو مجھے خبر ہی نہ ہوئی۔‘‘ وہ جواباً ایک کھنکتی ہنسی کے ساتھ
معنی خیزی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

طلال رخ پھیر کر پورٹیکو کی طرف بڑھ گیا تھا۔ وہ بھی بازوؤں کے گھیرے سے دوپٹہ
نکال کر کندھے پر بے نیازی سے ڈالتی اس کے ساتھ چلنے لگی۔

’’سچ تو یہ ہے طلال صاحب! اگر میں ان سب کے ساتھ چلی جاتی تو اتنے حسین لمحات
بھلا کیسے میسر آتے۔ آپ کا یہ قرب کیونکر میسر آتا۔‘‘ وہ آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

طلال کو ایک پل کے لئے اپنی کنپٹیوں سے شعلوں کی لپٹیں اٹھتی محسوس ہونے لگیں۔ اس
نے قدرے ملامت آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہ بھی
نہایت اطمینان سے اور بغیر جھجکے فرنٹ سیٹ پر ڈھے گئی اور پھر کنکھیوں سے اسے ڈرائیونگ
کرتے دیکھنے لگی۔

گاڑی میں پھیلی اسپرے کی مدھر خوشبو، اے سی کی خنک ہوائیں اور من پسند ہمسفر، تانیہ کا دل تمناؤں کے سیلِ شوق میں بہنے لگا۔

جذبات کا ایک طوفان اٹھا اور ساحل دل پر سر پٹخنے لگا۔

تو سامنے ہے مگر تشنگی نہیں جاتی
یہ کیا ستم ہے کہ دریا سراب جیسا ہے

اس نے آنکھ اٹھا کر خمار آلود نگاہوں سے اسے دیکھا۔ وہ کچھ روٹھا اور برہم سا لگ رہا تھا۔ تانیہ کا خیال تھا یہ بھی ایک ادا ہے۔ وہ بے اختیار گنگنانے لگی۔

''شگفتہ گل کی صدا میں رنگِ چمن میں آؤ
کوئی بھی رُت ہو، بہار کے پیرہن میں آؤ
کوئی سفر ہو تمہیں تو منزل سمجھ کے جاؤں
کوئی مسافت ہو تم مری ہی لگن میں آؤ''

پھر اچانک اس نے جذبات سے لبریز ہو کر خود سپردگی کے عالم میں طلال کے کندھے پر سر رکھ دیا۔

''یہ کیوں ہمیشہ مری طلب ہی تمہیں صدا دے
کبھی تو خود بھی سپردگی کی تھکن میں آؤ''

اس کا یہ اندازِ سپردگی طلال کے لئے کسی شاک سے کم نہ تھا۔ اس کی رگوں میں دوڑتا خون آگ بن کر دہکنے لگا۔ گاڑی ایک جھٹکے سے روک کر وہ اس کی طرف گھوما، دوسرے پل اس کا ہاتھ تانیہ کے خمار میں ڈوبے چہرے پر پوری طاقت سے جا پڑا تھا۔

یہ ردعمل بالکل اچانک اور تانیہ کے لئے قطعی غیر متوقع ثابت ہوا تھا۔ اس کا سارا خمار بھک سے اڑ گیا۔ وہ ساکت سی رہ گئی۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اپنے نفس کے ہاتھوں اس قدر بے لگام بھی ہو سکتی ہو۔'' وہ غصے سے پھنکارا اور ملامت آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔ ''تمہارا خیال ہے کہ میں اپنے دل کے جذبے سے مغلوب ہو کر تمہیں لینے چلا آیا ہوں تو یہ خیال غلط ہے، مجھے مجبوراً آنا پڑا۔ اور یاد رکھو، اس طرح کی کوششوں کا کوئی فائدہ نہیں۔ اسے میں محض عزت اور وقار کا زیاں ہی سمجھوں گا۔'' وہ اس کے چہرے سے نظریں ہٹا کر گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کر کے بے حد رش انداز میں بھگانے لگا۔

ایک کھولن سی محسوس ہو رہی تھی اسے اپنے دماغ میں۔

''ایک عورت کا اس حد تک جذبات سے مغلوب ہو جانا باعث فخر نہیں، باعث ملامت ہے۔ عورت اپنے جذبوں میں بے بس اچھی لگتی ہے، بے باک نہیں۔''

پندرہ منٹ کا راستہ اس نے پانچ سات منٹ میں طے کر لیا تھا اور میرج ہال کے پارکنگ لاٹ میں گاڑی لا کر جھٹکے سے روک دی۔

وہ پورے راستے بالکل گم صم بیٹھی رہی تھی۔ پھر یکدم اس کے بدن میں جنبش ہوئی۔ اس نے گردن موڑ کر ایک پل کے لئے اس طرح طلال کو گھورا جیسے قتل کر دینا چاہتی ہو۔ پھر چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔

''بہت مان ہے آپ کو اپنی عزت اور پارسائی پر۔''

طلال نے ابرو اچکا کر اس کی طرف رُخ کیا، پھر ایک ہلکی سی سانس بھر کر چہرہ ونڈ اسکرین کی طرف کر لیا۔ ''میں نے اپنی پارسائی کا دعویٰ نہیں کیا۔ مگر اس حد تک پستی میں اترنے کا قائل بھی نہیں ہوں۔'' وہ اپنے اعصاب مکمل طور پر سنبھال چکا تھا۔

''اونہہ.....'' وہ زہریلے انداز میں ہنس پڑی۔ پھر طنز آمیز انداز میں سر ہلا کر گاڑی سے اتر گئی۔

''دیکھ لیں گے ہم بھی کسی دن آپ کی پارسائی۔''

طلال نے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کے اترتے ہی وہ خود بھی اتر کر میرج ہال کے دوسری طرف چلا گیا جہاں چند کرسیاں رکھی تھیں۔ اسے اپنا دماغ ماؤف ہوتا محسوس ہو رہا تھا!

***

اپنی ہتک کا احساس تانیہ کی روح پر آگ کی طرح تپ رہا تھا۔ وہ زخم خوردہ ناگن بن گئی تھی۔ اس کے تصور اور گمان میں بھی نہ تھا کہ طلال اس کے ساتھ اس قدر برا رویہ اختیار کرے گا۔

ایک اذیت میں وہ خود کو سلگتا محسوس کر رہی تھی مگر بظاہر سارا وقت ہنس ہنس کر سب سے مل کرتی رہی تھی۔

حسنہ کی رخصتی کے بعد وہ صائمہ آپا کے ہمراہ جان بوجھ کر سکندر ولا چلی آئی۔

طلال کا خیال تھا وہ سکندر ولا آتے ہی اپنی بے عزتی پر واویلا مچائے گی، کوئی ہنگامہ کھڑا کر دے گی۔ مگر ایسا کوئی تاثر اس کے چہرے پر نہیں تھا، جیسے کوئی ناخوشگوار واقعہ رونما ہوا ہی نہ ہو۔ اس نے بھی دل ہی دل میں تشکر کی سانس بھری۔

حسنہ کی جدائی نے سب کے دل اُداس کر دیئے تھے۔ حنا نے تو رو رو کر آنکھیں سُجا لی تھیں۔ خرم بھی چپ چپ سا تھا۔ عادل گو کہ اُداس تھا مگر سب کو گاہے بگاہے چھیڑ کر ہنسانے کی کوشش کر رہا تھا۔

نازش، طلال کے لئے کچن میں دودھ گرم کرنے آئی تو ثانیہ موقع پا کر جلدی سے ان کے پاس چلی آئی۔

''ارے، تم نے ابھی تک کپڑے بھی نہیں بدلے۔ جاؤ، تم کپڑے بدل آؤ، میں گرم کر کے رکھتی ہوں دودھ۔'' اس نے بے حد اپنائیت سے اس کے ہاتھ سے دودھ کا پوٹ تھام لیا جو نازش نے فریج سے نکالا تھا۔

''ارے نہیں، تم آرام کرو۔ مہمان ہو ہماری۔ بس دو منٹ کا تو کام ہے۔ دراصل طلال چاچو رات کا کھانا نہیں کھاتے، خاص کر ہیوی فوڈ تو وہ بالکل نہیں کھاتے۔'' نازش نے اس کے ہاتھ سے پوٹ لینا چاہا۔ ثانیہ نے سوچا، تبھی ایسے فٹ اور اسمارٹ ہیں۔ اس نے طلال کو صبح سویرے لان کے ایک گوشے میں ورزش کرتے بھی دیکھا تھا۔ ٹریک سوٹ میں اس کا دراز قد اور تراشیدہ جسم نمایاں ہو رہا تھا۔ چہرے کی خوبصورتی اور بدن کی خوبصورتی، اس نے کم ہی یکجا دیکھی تھی۔ ایک بھنچی بھنچی سانس اس کے سینے کی تہ سے نکل گئی۔

''میں ہرگز مہمان وہمان نہیں ہوں۔ جاؤ تم کپڑے بدل لو۔ یہ دو منٹ کا کام میں بھی کر سکتی ہوں۔'' اس نے نازش کو اصرار کر کے کچن سے بھیج دیا اور خود دودھ گرم کر کے گلاس میں بھر کر طلال کے کمرے میں چلی آئی۔ وہ بہت ریلیکس سے انداز میں بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔ نازش یا حنا ہی عموماً اسے دودھ دینے اس کے کمرے میں آتی تھیں مگر آنے سے پہلے وہ دونوں دروازہ ہلکے سے بجاتی تھیں اور اس کے یس کہنے پر اندر آتی تھیں۔ مگر ثانیہ بے آواز اندر داخل ہوگئی تھی اور گداز قالین کے باعث وہ اس کی آہٹ بھی محسوس نہ کر سکا۔ مگر جب وہ اس کے سامنے آئی تو چھت سے لٹکتے فانوس کو تکتے تکتے یکدم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

''میں نے سوچا، یہ فریضہ میں ادا کر کے دیکھوں۔ اگر آپ کی طبع نازک پر ناگوار نہ گزرے تو میں یہاں بیٹھ کر آپ سے چند باتیں کر لوں؟'' وہ جھک کر دودھ کا گلاس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

طلال کی نگاہ بے اختیار دروازے کی طرف گئی جو بند تھا، اس کے اعصاب کو جھٹکا لگا۔

''یہ دروازہ آپ نے کیوں بند کیا ہے؟'' وہ اس کی بات نظر انداز کرتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھا۔

''آپ کے دل میں کوئی چور تو نہیں ہے پھر کیوں ڈر رہے ہیں آپ؟'' وہ طنز سے ہنسی اور دودھ کا گلاس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے ایک ٹھنڈی سانس کھینچی۔ ''یہ تو خالص دودھ ہے، میری محبت تو نہیں ہے جسے آپ لینے میں تامل کر رہے ہیں۔''

طلال نے قدرے ناگواری سے اس کی طرف دیکھا۔ اعصابی کشیدگی اور ناگواری کے جذبات اس کے چہرے سے عیاں تھے۔ ثانیہ نے بھی اس پل تمام تر جرأت مندی سے نظریں اٹھائیں۔ اس کی آنکھوں میں گلابی ڈورے تیر رہے تھے۔ وہ جرأت مند بننے کی بہرحال پوری کوشش کر رہی تھی۔ پھر غیر متزلزل لہجے میں بولی۔

''پارسا اور نیک نام لوگوں کو ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ڈرنا تو ہم جیسوں کو چاہئے جن کا دل، ایمان، چین اور قرار سب لٹ جاتا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ ہلکے سے مسکرائی۔

طلال کو اپنے اوپر سے ضبط اٹھتا محسوس ہوا۔

''برائے مہربانی اس کمرے سے نکل جاؤ تم۔ اس سے پہلے کہ میرا ہاتھ اٹھ جائے۔'' وہ چیخ کر رہ گیا۔ ''شرم آنی چاہئے تمہیں اتنی رات گئے ایک غیر مرد کے کمرے میں آ کر اتنی واہیات باتیں کرتے ہوئے۔''

''سنا ہے محبت اور جنگ میں تو سب جائز ہے مسٹر طلال! آپ ناحق یوسف ثانی بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔'' وہ ہلکے سے ہنسی مگر یہ ہنسی کسی ناگن کی پھنکار سے مشابہ تھی۔ زہر اُگلتی ہوئی۔

ادھر تقاضے ہیں مصلحت کے
ادھر تقاضائے دردِ دل ہے

وہ دانت پیس کر اس کی طرف بڑھا۔

''محبت کا مطلب سمجھتی ہو تم؟'' اس کے لہجے، انداز اور آنکھوں میں طنز اور تمسخر تھا۔ پھر قدرے ملامت آمیز انداز میں اس نے گہری سانس کھینچی۔ ''محبت اور ہوس میں بہت فرق ہے ثانیہ بی بی! مگر بہت کم لوگ اس فرق کو سمجھ پاتے ہیں۔ خصوصاً فلمیں دیکھنے والی اور گھریلو رومانی ناول پڑھنے والی لڑکیاں تو ہرگز نہیں، جو ہر ہیجان خیز جذبے کو محبت کا نام دے ڈالتی ہیں۔''

''شٹ اپ۔'' ثانیہ کو اپنے اندر سے آگ کی لپٹیں اُٹھتی محسوس ہونے لگیں۔ ہتک اور ناکامی کے احساس نے اسے یکلخت بپھری ہوئی ناگن بنا ڈالا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے دودھ کے گلاس کو عجیب سی نظروں سے دیکھا، پھر تلخی سے مسکرا کر اچانک اسے زور سے

دیوار پر دے مارا۔

''اب اپنی پارسائی اور عزت کا چولا داغدار ہونے سے بچا سکو تو میں بھی مانوں
سکندر، بڑا فخر ہے نا تمہیں اپنی عزت پر۔''

ایک زوردار چھنا کا ہوا تھا، گلاس کرچی کرچی ہو کر قالین پر بکھر گیا تھا، جبکہ دودھ
شیلف اور قالین پر پھسلتا چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی تانیہ نے دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھا
لیا اور با آواز بلند چیخ کر رونا شروع کر دیا۔ طلال کے اعتماد میں گویا دراڑ سی پڑ گئی۔
ٹوٹنے کی آواز اور اس کا با آواز بلند رونا اسے شپٹا دینے کو کافی تھا۔ اسے سمجھنے میں دیر
کہ یہ کس مکروہ ارادے کی کوشش ہے۔

''دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔ بند کرو یہ ڈرامہ اور دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ آئی
گیٹ آؤٹ......'' مگر اس کے بقیہ الفاظ اس کے حلق میں ہی پھنس کر رہ گئے۔ بے نام
خوف نے اس کے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اسے اپنے کمرے کے باہر قدمو
دھمک سنائی دینے لگی۔ دوسرے پل اس کا کمرہ زور زور سے بجایا جانے لگا۔

''طلال! دروازہ کھولو...... کیا ہوا طلال؟'' یہ لالہ رخ کی آواز تھی۔ پھر اسے رفیعہ
آواز سنائی دی اور اسے لگا جیسے وہ وہیں کھڑے کھڑے ایک اندھی کھائی میں اترتا چلا
ہو جہاں دلدوز تاریکی کے سوا کچھ نہ ہو۔ اس کا چہرہ یوں سفید پڑ گیا تھا جیسے سارا خو
سے نچوڑ لیا گیا ہو۔

تانیہ کی سسکیاں کچھ اور تیز ہو گئی تھیں اور دروازے کی دستکیں بھی۔

وہ بمشکل خود کو گھسیٹ کر دروازے تک لایا اور چٹخنی گرا دی۔

اسے کوئی کند چھری سے ذبح کرتا، تب بھی وہ شاید اتنا نہ تڑپتا جتنا لالہ رخ سے
ملتے ہی تڑپا تھا۔ اور اس کی روح میں زخم سا پڑ گیا تھا۔

تانیہ کا قالین پر پڑا دوپٹہ، بکھرے بال، آنسو بہاتا چہرہ سب کی نگاہوں کو تحیر آ
یقینی سے ساکت کر گیا۔

''طلال......'' لالہ رخ کو اپنے پیروں پر کھڑا رہنا بھاری ہو گیا۔ اس کی ایسی
نگاہوں پر طلال کا دل چاہا کمرے کی چھت آن واحد میں اس کے اوپر آ گرے یا زمی
جائے اور وہ اس میں سما جائے۔

اچانک لالہ رخ کی بڑی نند صائمہ آپا چلی آئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے سب جمع ہ
اندر کی صورتحال نے لڑکیوں کو سہا دیا تھا۔ وہ کمرے میں داخل ہونے کی بجائے راہدا

ہی جم سی گئی تھیں۔

''یہ جھوٹ ہے لالی...... بکواس ہے۔ اس نے میرے ساتھ ڈرامہ رچایا ہے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں لالی! اس نے میرے ساتھ کھیل کھیلا ہے۔'' طلال کو اپنی مزاحمت کا خیال آیا۔ وہ چیخ اٹھا اور تانیہ کو نفرت سے دیکھا جو اپنی بہن صائمہ آپا سے لپٹ کر زار و قطار رو رہی تھی۔

''جھوٹ بول رہا ہے یہ شخص۔ بھابی، میں تو صرف دودھ کا گلاس دینے آئی تھی اسے۔ مگر اس نے میرے ساتھ دست درازی کی کوشش کی۔ بس میں نے چیخنا شروع کر دیا۔'' تانیہ فراٹے سے جھوٹ بولتے ہوئے سسکیاں بھرنے لگی۔

سب کے دلوں پر ایک سکوت سا چھا گیا مگر اس سکوت کے اندر طوفان مچل رہے تھے۔ اچانک رفیعہ بیگم طلال کی طرف بڑھیں اور اس کے منہ پر تھپڑ برسانے لگیں۔

''نہیں...... نہیں امی۔ طلال ایسا نہیں کر سکتا۔'' لالہ رخ تڑپ کر آگے بڑھی اور رفیعہ بیگم کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''تو کیا آپ کا مطلب ہے تانیہ جھوٹ بول رہی ہے؟ شرم سے ڈوب مرنے کا مقام ہے بھابی! بھائی کی حمایت میں اپنی نند کے پاکیزہ دامن پر کیچڑ اچھال رہی ہیں؟'' صائمہ آپا چیخ کر بولیں۔

''نہیں، نہیں۔ میرا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے صائمہ۔'' لالہ رخ نے سٹپٹا کر نند کو دیکھا پھر تانیہ کی طرف دیکھا تو وہ نظریں ملتے ہی جلدی سے نگاہوں کا رخ پھیر گئی۔

''اگر یہ اتنی ہی پاکیزہ، پاک دامن تھی تو اسے اتنی رات گئے ایک غیر مرد کے کمرے میں دودھ لے کر آنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ کام نازش اور حنا کرتی ہیں، وہ کیونکر آئی۔'' طلال زہر خند لہجے میں بولا پھر یکدم جاذب کی طرف پلٹا۔

''جاذب...... جاذب، تم تو جانتے ہو نا میں کس مزاج کا شخص ہوں۔ بولو، بتاؤ امی کو۔ میں ایسی گھٹیا حرکت کر سکتا ہوں؟'' اس نے جاذب کو باقاعدہ جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ سب کی خاموشی اس کی روح میں چھید ڈال رہی تھی۔

''لالی! تم اپنی نندوں کو لے کر دوسرے کمرے میں جاؤ۔'' اچانک کمال چچا کی پاٹ دار آواز گونجی۔

''ارے دوسرے کمرے میں کیوں، میں تو اسی وقت تانیہ کو لے کر گھر جاؤں گی، ایک منٹ اب یہاں نہیں ٹھہروں گی۔ خدایا، کیسی اندھیر نگری ہے۔ ایسے شریف دکھائی دینے والے چہروں کے اندر ایسے مکروہ چہرے بستے ہیں۔'' صائمہ آپا بکتی جھکتی تانیہ کو تھامے کمرے سے

نکل گئیں۔

''صائمہ! تانی! بات تو سنو۔'' لالہ رخ وحشت بھرے انداز میں ان کے پیچھے بھاگی مگر سعدیہ بھابی نے اسے پکڑ لیا۔

''لالی! تمہاری نند نے واقعی کھیل کھیلا ہے۔ کیا ہم لوگ طلال کو نہیں جانتے؟'' انہوں نے دل گرفتگی سے کہا اور لالہ رخ کے کانپتے وجود کو اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا۔

اچانک ہی لالہ رخ کی سسکیاں بلند ہو گئیں۔

''لالی! جو تم کہو، میں ہر قسم کھانے کو تیار ہوں، میرا اعتبار کرو لالی! میں بے قصور ہوں۔'' طلال یکلخت آزردہ ہو گیا۔ اس نے رفیعہ بیگم کی طرف دیکھا جو بالکل پتھرائے چہرے کے ساتھ کھڑی تھیں مگر ان کا بدن لرز رہا تھا اور انہیں عفت چچی نے سہارا دے رکھا تھا ورنہ لگتا تھا وہ ڈھے جاتیں۔

وہ ایک متاسفانہ سانس بھر کر یکلخت پلٹا اور کی بورڈ سے گاڑی کی چابی اٹھا کر کمرے سے نکل گیا۔

''کیا کر رہے ہو طلال۔ کہاں جا رہے ہو اس وقت؟'' جاذب اس کے تیور بھانپ کر اس کے پیچھے لپکا مگر اس نے جاذب کا ہاتھ اپنے بازو سے جھٹک دیا۔

''مجھے اپنی طرفداری اور حمایت میں ایک لفظ بھی اب نہیں کہنا، دکھ اس بات کا ہے کہ آپ سب لوگ برسوں میرے ساتھ رہنے کے باوجود مجھے پہچان نہیں سکے اور مجھے اپنے ہی لوگوں کو یہ یقین دلانا پڑ رہا ہے کہ میں بے قصور ہوں، میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔'' اس کے لہجے میں دل شکستگی کا دھواں تھا۔ پھر اس نے چپ کی دہکتی نظریں کمرے میں موجود لوگوں پر ڈالیں اور پلٹ کر چلا گیا۔

آنِ واحد میں حالات ہی بدل کر رہ گئے تھے۔ اس نئی افتاد پر سب ہی ششدر تھے۔ کسے خبر تھی کہ ہنستے مسکراتے لمحوں سے خوشیاں کشید کرتے ہوئے اچانک یوں ناگوار حالات کا سامنا کرنا پڑ جائے گا جو ہونٹوں سے ہنسی اور دل کا سکون لے جائے گا۔

''تمہیں ضرورت کیا تھی کہ تم یہ کام ایک اجنبی اور غیر لڑکی کو سونپ دیتیں۔ دو منٹ کا کام تھا، خود کر لیتیں تو کیا ہو جاتا؟'' جاذب، نازش کو ڈپٹ رہا تھا اور وہ مجرمانہ انداز میں سر جھکائے آنسو بہا رہی تھی۔

***

صائمہ آپا، تانیہ کو لے کر سکندر ولا سے جا چکی تھیں۔ ادھر لالہ رخ سعدیہ بھابی کی گود میں

سر رکھے سسک رہی تھی۔

''تم تو جانتی تھیں لالی! اپنی نند کے لچھن۔ پھر بھی اسے ساتھ لے کر چلی آئیں۔'' رفیعہ بیگم سر تھامے غم سے نڈھال بیٹھی تھیں۔ انہیں لالہ رخ کی عقل پر ماتم کرنے کو دل چاہ رہا تھا جس نے سب کچھ جانتے ہوئے بھی ان کو بے خبر رکھا تھا۔ جبکہ طلال نے بھی ہلکا سا اشارہ دے دیا تھا اور وہ خود بھی اس کا جھکاؤ محسوس کر چکی تھی۔ مگر اس نوبت کا تو اس کے پاس تصور بھی نہ تھا۔

''خدا جانے میرا بچہ کہاں چلا گیا۔ اتنی رات گئے کہاں مارا مارا پھرے گا۔ کم از کم تم دونوں تو بڑے بھائی ہو کر اسے روک لیتے۔'' رفیعہ بیگم رونے لگیں۔

''حالات ہی کچھ ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ عقل ماؤف ہو کر رہ گئی تھی۔'' جلال بھائی پیشانی پر ہاتھ رگڑتے ہوئے بے قراری سے کمرے میں ٹہلنے لگے۔ وہ کف افسوس مل رہے تھے۔ ان سب کی خاموشی نے طلال کو بے قصور ہوتے ہوئے بھی مجرم بنا ڈالا تھا۔

''ارے کوئی پتہ تو کرو اُس کا، کہاں چلا گیا میرا بچہ۔'' رفیعہ بیگم طلال کے یوں چلے جانے پر تڑپ رہی تھیں۔

''کہاں پتہ کریں۔ وہ سڑکوں پر گھوم رہا ہو گا۔ اب پورے شہر کی سڑکیں تو چھاننے سے رہے۔ آ جائے گا صبح تک۔'' کمال بھائی جھنجلا کر بولے۔ پھر لالہ رخ کی طرف دیکھا۔

''مسئلہ طلال کا نہیں، لالی کا ہے۔ خدا جانے وہاں کیا حالات ہوں گے۔'' وہ تشویش کے عالم میں اٹھ کر لالہ رخ کے قریب بیٹھ گئے۔ لالہ رخ نے سرخ متورم آنکھیں اٹھا کر ان کی طرف دیکھا، پھر سر جھکا لیا۔ اس کے آنسو تھم گئے تھے مگر روح غم سے نڈھال تھی۔ اسے آنے والے حالات کے خوف سے زیادہ طلال کا دل گرفتہ لہجہ، بکھرا وجود اور چہرے کی آزردگی رُلا رہی تھی۔

تانیہ اس کی چاہ میں اتنی گر جائے گی، اس کا تو اسے گمان بھی نہیں تھا۔

وہ اس وقت سیف الرحمٰن کو یکسر فراموش کیے ہوئے تھی۔ اس کے ذہن و دل میں طلال کا ٹوٹا بکھرا وجود چھایا ہوا تھا۔ اس نے تھک کر صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔

نیند سب کی آنکھوں سے دُور تھی۔ جاگتی آنکھوں میں ان گزرے واقعات کا صدمہ اور آنے والے حالات کا خوف سمایا ہوا تھا۔ ذہن ماؤف تھے اور زبانیں گنگ تھیں۔ گویا کہنے سننے کو کچھ نہ رہا ہو۔ بس ایک خوف سے دل دھڑک رہا تھا۔

لڑکیاں کمرے میں بند ہو کر آنسو بہا رہی تھیں۔

''تم نے ہی اسے آسمان پر چڑھا رکھا تھا۔ اتنی لفٹ دینے کی ضرورت کیا تھی۔ میرج

ہال سے ہی دفعان ہو جاتی تو اچھا تھا۔'' مہوش، حنا کو کوسنے لگی۔

''تو اسے بھی ضرورت کیا تھی کہ لے کر چاچو کے کمرے میں بھیج دیا۔'' حنا نے نازش کو گھورا۔

نازش کو سراسر اپنا ہی قصور دکھائی دے رہا تھا۔ وہ گھٹنوں میں سر دیئے آنسو بہا رہی تھی۔

''مجھے خبر نہیں تھی کہ اس کے دل میں چور ہے۔ ورنہ میں کبھی ایسا نہ کرتی۔ تمہیں تو پتہ تھا حنا، کہ وہ چاچو کو پسند کرتی ہے۔'' وہ دل گرفتگی سے سر اٹھا کر دیوار سے لگ کر بیٹھ گئی۔

''پسند...... پسند کرتی تو عزت بھی تو کرتی چاچو کی۔ نہ کہ ان کی عزت کو دھجی دھجی کرنے کی کوشش کرتی۔ یقیناً چاچو نے اسے کسی موقع پر بری طرح جھاڑ دیا ہوگا، تبھی اس نے انتقامی طور پر ایسا گھناؤنا قدم اٹھایا ہے۔''

''بند کرو تم لوگ اپنی اپنی بولیاں۔ مردوں میں سے کسی نے سن لیا نا تو خیر نہیں ہے تم لوگوں کی۔'' روبی بھابی نے کمرے میں جھانک کر انہیں ڈپٹا۔

''بھابی! میرا دل چاہتا ہے، میں اس کمینی فتنی تانیہ کا گلا گھونٹ دوں جس نے میرے اتنے نائس چاچو کو......'' حنا کی آواز بھرا گئی۔ وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر بلک بلک کر رونے لگی۔

''تمہارا ہی کیا، یہاں تو سب کا یہی دل چاہ رہا ہے مگر سوائے اسے کوسنے کے ہم اور کچھ نہیں کر سکتے۔'' روبی کے سینے کی تہ سے آزردہ سانس نکل گئی۔

''مجھے تو پہلے ہی اس لڑکی کے طور طریقے اچھے نہیں لگتے تھے۔ پتہ نہیں لالہ رخ کس خاندان میں جا پڑی ہے۔ ایک سے ایک چلتر ہیں وہاں۔ مجھے تو آگے کا سوچ سوچ کر ہول اٹھ رہا ہے۔'' وہ بے چارگی آمیز کرب سے لب کاٹنے لگیں۔

''تو کیا سیفی بھائی، تانیہ کے اس جھوٹ پر یقین کر لیں گے؟'' حنا اٹھ کر روبی بھابی کے نزدیک آ بیٹھی اور دھڑکتے دل کے ساتھ بولی۔ جواباً انہیں اس کی اس معصومیت پر ہنسی آئی مگر دل سے اٹھنے والی درد کی لہر نے ہنسی کو ہونٹوں پر آنے سے پہلے ہی بکھیر دیا۔ وہ مسکرا تک نہ سکیں۔ بس اس کے بال ہلکے سے منتشر کر کے رہ گئیں۔

''ان کے دیور محبت کے رشتے کو ریجیکٹ کرنے پر سیفی بھائی پہلے ہی لالی کو اچھا خاصا سنا چکے ہیں۔''

''کیا؟'' حنا، نازش کی بات پر حیرت سے اس کی طرف پلٹی۔ دوسرے پل اس کی حیرت انجانے دُکھ میں بدل گئی۔ ''مگر لالی نے تو کہا تھا کہ انہوں نے اس بات کا برا نہیں مانا۔'' وہ آہستگی سے بولی۔ نازش نے کچھ کہنا چاہا کہ روبی نے جلدی سے اسے آنکھیں دکھائیں۔

''چھوڑو اس قصے کو۔ یہ کوئی بڑی بات نہیں تھی۔'' وہ کرسی سے کھڑی ہوگئیں۔ مگر حنا کے اندر کانٹا سا چبھ گیا تھا۔

''سیفی بھائی، لالی پر خفا ہوئے تھے؟ انہیں برا بھلا کہا تھا؟'' اس کا دل بکھرنے لگا۔ ندامت کا احساس اس کے دل میں ہلکورے لینے لگا۔ روبی بھابی کے کمرے سے جاتے ہی وہ نازش کے پاس آ بیٹھی۔

''نازو! تجھے کس نے بتایا یہ سب۔ کیا خود لالی نے؟''

''نہیں، انہوں نے تو خیر مجھے نہیں بتایا مگر حسنہ آپا سے باتیں کر رہی تھیں اور رو بھی رہی تھیں۔ شاید سیفی بھائی نے انہیں تھپڑ بھی مارا تھا۔'' نازش اس کے دل کی حالت سے بے خبر آہستہ آواز میں بتانے لگی۔ حنا کو اپنا وجود ندامت کی عمیق گہرائیوں میں اترتا محسوس ہوا۔

''لالی اسی لئے تو حسنہ آپا کی شادی سے پندرہ روز پہلے ٹھہرنے نہیں آئی تھیں۔ ان کے سسرال والوں کے موڈ خراب تھے اور انہوں نے شاپنگ بھی اسی لئے تانیہ کے ہمراہ کی تھی شاید ہی ساس کا دل صاف ہو سکے۔ انہوں نے حسنہ آپا کو یہ سب بتایا تھا، اس لئے کہ حسنہ آپا ان سے بہت خفا تھیں نا۔''

حنا جھٹکے سے نازش کے قریب سے اٹھ گئی۔ اس کا دل چاہا، وہ لالہ رخ کے قدموں میں جا گرے اور رو رو کر معافیاں مانگے۔ کسی کو بھی تو خبر نہ تھی کہ محبت کا رشتہ صرف اور صرف حنا کی خواہش پر رد ہوا ہے۔

وہ بیڈ پر گر گئی اور تکیے میں منہ ڈال کر بچوں کی طرح سسک پڑی۔

⁂☆⁂

صبح لالہ رخ کو سیف الرحمٰن جس جارحانہ انداز میں لینے آیا تھا، اس نے سب کو ہی خوفزدہ
اور اندیشوں سے ہلا کر رکھ دیا۔ جاذب نے اسے سمجھانا چاہا تو وہ ہتھے سے اُکھڑ گیا۔
کھڑے کھڑے سکندر ولا والوں کو خوب گالیاں دیں۔ جو منہ میں آیا، ترش تیکھا بولتا چلا گیا۔
جلال بھائی نے اس کے جارحانہ موڈ کو دیکھ کر لالہ رخ کو اس کے ہمراہ جانے سے روکنا چاہا
مگر وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چلی گئی۔

اس کے وجود پر صحرا جیسا سناٹا اترا ہوا تھا۔ وہ خود کو ہر سزا کے لئے تیار کر چکی تھی۔ اسے
سیف الرحمٰن سے کسی بھی قسم کے رحم کی توقع نہ تھی۔ وہ خود کو بیچ سمندر میں گھرا ہوا محسوس کر
رہی تھی جہاں ہاتھ پیر مارنے اور مزاحمت کرنے کی ساری طاقت دم توڑ دیتی ہے۔ حد نظر تک
بپھری موجیں تھیں اور دور دور تک ساحل کا آسرا تک نہ تھا۔

اُسے ہر کسی کی نفرت انگیز نگاہوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ سیف الرحمٰن نے تو گویا اسے
ایک کٹہرے میں کھڑا کر کے رکھ دیا تھا۔

ساس جی بھر کر دل کی بھڑاس نکالتی رہیں۔ صائمہ آپا الگ طنز کے نشتر چلاتی رہیں۔
وہ رات بھر رو رو کر اپنی بے گناہی کا یقین دلاتی رہی، اسے مناتی رہی مگر وہ منہ موڑ
سوتا بن گیا۔

دوسرے دن رفیعہ بیگم، سعدیہ بھابی اور جلال بھائی چلے آئے تاکہ حالات کا اندازہ
سکیں اور حقیقت کو واضح کر سکیں۔ مگر سیف الرحمٰن کچھ سننے کے موڈ میں نہیں تھا۔ ادھر جلال
بھائی بھی جلال میں آ گئے۔ انہوں نے تانیہ کی ساری کارکردگی من و عن سنا دی جو طلال سے
اُگلوا کر لائے تھے۔ اس پر بات اور بڑھ گئی۔

لالہ رخ جانتی تھی کہ اس کی ساس اپنی بیٹی کے ایک ایک کرتوت سے واقف ہے مگر
جان بوجھ کر چشم پوشی کر رہی ہے۔ جھگڑا حد سے بڑھ گیا تو جلال بھائی لالہ رخ کو اپنے ساتھ
سکندر ولا لے آئے۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے اب وہاں جانے کی۔ جب اس شخص کو تمہاری ضرورت ہی نہیں

تمہاری کوئی حیثیت اور عزت نہیں ہے اس کی نگاہوں میں تو وہاں رہنے کی ضرورت ہی کیا
ہے۔"

لالہ رخ آنا نہیں چاہ رہی تھی مگر سیف الرحمٰن نے جس طرح اس سے آنکھیں پھیر رکھی
تھیں، اس نے اسے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اس نے تو تانیہ سے بھی معافیاں مانگیں مگر اس
نے بھی منہ پھیر لیا تھا۔ صائمہ آپا کو تو اس سے ہمیشہ ایک پرخاش سی رہی کہ اس کی نند سیف
الرحمٰن سے بیاہی نہ جا سکی تھی۔

اس کا یوں بھی اس بھرے پرے سسرال میں کوئی بھی حمایتی نہ تھا، ایک یہی شخص تھا جس
کا آسرا تھا، وہ بھی جھلستی دھوپ بنا بیٹھا تھا۔ اسے لگا یکلخت اس کے سر سے سائبان چھن گیا
ہو، موہوم سی اُمید کا دیا بھی بجھتا دکھائی دے رہا تھا۔ شوہر اگر ٹھنڈی چھایا ہو تو عورت سارے
بڑے چھوٹے دُکھ سہہ لیتی ہے ایک اس ذرا سی چھاؤں کی خاطر۔ مگر جب یہی تپتی دھوپ
بن جائے تو عورت کے لئے کوئی چھاؤں، چھاؤں نہیں رہتی، کوئی خوشی، خوشی نہیں رہتی۔

پیروں کے آبلوں پر تو مرہم لگ جاتا ہے، روح کے آبلے مگر چین نہیں لینے دیتے۔ ان کا
ہی تو مداوا نہیں ہو پاتا۔ یہی تو لاعلاج ہوتے ہیں۔

☆

ہے یہ ممکن کہ طلب گاہِ محبت میں کبھی
دل کی گہرائی سے تو نے مجھے چاہا ہی نہ ہو
عمر بھر ساتھ رہیں، ساتھ جئیں، ساتھ چلیں
ان دعاؤں کے لئے ہاتھ اٹھایا ہی نہ ہو

کچھ دنوں بعد لالہ رخ کی ساس کی طرف سے سیف الرحمٰن اور لالہ رخ کے رشتے کو قائم
رکھنے کی جو شرط پیش کی گئی، اس نے سکندر ولا کے مکینوں کو ہراساں کر کے رکھ دیا۔ اس نوبت
کا تو تصور بھی نہ تھا کسی کے پاس۔

لالہ رخ رنج و غم سے کٹ کر رہ گئی۔ اس نے اماں کو روکنا چاہا کہ وہ طلال سے اس شرط
کا ذکر نہ کرے مگر رفیعہ بیگم کے خیال میں اس کے سوا چارہ نہیں تھا۔ انہوں نے ایک دن
موقع دیکھ کر طلال سے بات کر ڈالی۔

"میں...... میں اس لڑکی کی شکل دیکھنا پسند نہیں کرتا، آپ اس سے شادی کی بات کر رہی
ہیں۔ ایک بدکردار لڑکی سے میں شادی کر لوں؟" وہ کسی بم کی طرح بلاسٹ ہوا تھا۔

"سیف الرحمٰن کی بھی یہی شرط ہے۔" انہوں نے شکستہ لہجے میں کہا۔

"لالی سے جب اس نے شادی کی تھی، تب اس نے ایسی کوئی شرط کیوں نہیں رکھی؟ اب اس رشتے کو کیوں مشروط کر رہا ہے۔ مشروط رشتہ یوں بھی رشتے کی حرمت پر بدنما داغ ہے۔" اس نے غصے اور تاسف سے لالہ رخ کو دیکھا پھر خود آزاری کی کیفیت سے ہنس دیا۔

"اس بدکردار لڑکی سے شادی کرنے کا یہی مطلب ہوا کہ میں اپنے ناکردہ گناہ کو تسلیم کر لوں اور اسے سزا کے طور پر اپنا لوں۔ جب میں نے کوئی گناہ، کوئی جرم کیا ہی نہیں ہے تو میں کیوں کسی ایسی سزا کو قبول کروں؟" وہ غصے سے کھولتا ہوا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

رفیعہ بیگم دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑیں۔ آنے والے حالات کا خوف انہیں دہلائے دے رہا تھا۔ ادھر جاذب اور کمال چچا، سیف الرحمٰن کے آفس جا کر اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہے تھے، اسے ہزار تاویلیں دے کر سمجھانا بجھانا چاہ رہے تھے، مگر اس نے جیسے ضد پکڑ لی تھی، اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا تھا کہ طلال، تانیہ سے شادی کر لے بصورت دیگر وہ لالہ رخ کو طلاق دے دے گا۔

اس کے خیال میں محب کا رشتہ ٹھکرا کر پہلے ہی ان کے گھر والوں کی اور اس کی تضحیک کی گئی ہے اور اس بے عزتی کا ازالہ اسی طرح ممکن ہے کہ طلال، تانیہ سے شادی کر لے۔

جاذب اور کمال چچا منہ لٹکائے واپس چلے آئے۔ محب کے رشتے کو رد کئے جانے والا [illegible] بھی ساتھ ہی نکلا تھا۔ سکندر ولا میں عجیب ویرانی، اُداسی اور وحشت کے سائے پھیل گئے۔ ہر کوئی ایک خوف میں گویا سانس لے رہا تھا۔ ادھر حنا الگ اپنی آگ میں جل رہی تھی۔ وہ خود کو لالہ رخ کا مجرم سمجھ رہی تھی۔

طلال بھی اس روز سے بگڑ کر لاہور چلا گیا تھا۔

※☆※

بنا گلاب تو کانٹے چبھا گیا اِک شخص
ہوا چراغ تو گھر ہی جلا گیا اِک شخص
تمام رنگ مرے اور سارے خواب مرے
فسانہ تھے کہ فسانہ بنا گیا اِک شخص
میں کس ہوا میں اُڑوں، کس فضا میں لہراؤں
دُکھوں کے جال تو ہر سُو بچھا گیا اِک شخص
کھلا یہ راز کہ آئینہ خانہ ہے دنیا
اور اس میں مجھ کو تماشا بنا گیا اِک شخص

"لالی! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میری منگنی آفاق سے ختم کر کے محب الرحمٰن سے کر دی جائے۔ اس طرح شاید آپ کی ساس کا غصہ ختم ہو جائے اور سیفی بھائی بھی آپ سے ناراضگی ختم کر دیں۔" حنا ایک شام اس کے پاس چلی آئی۔ جب لالہ رخ لان کے ایک گوشے میں بیٹھی ڈھلتی شام کا ویرانہ اپنے اندر سمیٹ رہی تھی، حنا کی بات پر اس نے تڑپ کر سر اٹھایا، ایک تکلیف دہ رنگ اس کے چہرے کو چھو گیا۔

"تم مجھے بھیک میں سیف الرحمٰن کو دینا چاہتی ہو کہ کسی بھی واسطے سے وہ مجھ پر تھوڑی سی عنایت کر دے؟" اس نے پُر ملال نظروں سے حنا کو دیکھا۔

"لالی!" اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر حنا بے چارگی آمیز کرب سے رو دی۔

"نہیں حنا! محبت میں، میں خود بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار ہوں۔ مگر وہ شخص مجھے محبت کے لئے آزما نہیں رہا۔ وہ یہ سب کچھ محبت کے زعم میں نہیں، اپنی انانیت کے، اپنی جھوٹی مردانگی کے زعم میں کر رہا ہے۔ وہ شخص صرف اپنی عزت اور غیرت کے زعم میں مبتلا ہے اور اس کی تسکین وہ دوسروں کی عزت اتار کر کرنا چاہتا ہے۔" وہ مجروح انداز میں ہنس پڑی۔ اس کی آنکھوں کی زمینوں میں بہت سے درد بھرے واقعات کسی فلم کی طرح چلنے لگے۔ اس نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں اور کین کی آرام کرسی کی پشت پر سر ٹکا لیا۔

اس کے سارے کومل کومل خواب سیف الرحمٰن نے آنِ واحد میں نوچ کر رکھ دیئے تھے۔

وہ سارے مہکتے لمحات اب اذیت ناک یادیں بن کر رہ گئے تھے۔

"آپ خود ایک بار سیفی بھائی سے فون پر بات تو کریں لالی!" حنا آہستگی سے بولی۔

"تمہارا کیا خیال ہے، میں نے انا کی چادر اوڑھ رکھی ہے؟" اُس نے آنکھیں کھول کر حنا کی طرف دیکھا، پھر سر کو خفیف سی جنبش دے کر افسردگی سے ہنس دی۔

"گھر بنانے کے لئے عورت کو سب سے پہلے اپنی انا کی ہی تو قربانی دینا پڑتی ہے۔ عزت نفس اور خودداری کو دسیوں بار قتل کرنا پڑتا ہے۔" اس نے متاسفانہ سانس بھر کر نگاہیں سامنے درخت پر مرکوز کر دیں۔

"اور ان میں بھی گھر کا قائم رہنا نہ رہنا عورت کے اختیار میں نہیں ہوتا۔" اسے سیف الرحمٰن کا وہ رویہ یاد آ گیا۔ اس نے کس طرح اس کی روح میں چھید ڈالا تھا یہ کہہ کر کہ۔

"جس طرح تم اپنے بھائیوں کے ساتھ گئی ہو، ان کے ہمراہ ہی واپس آ سکتی ہو، ہاں مگر یہ سوچ کر آنا پڑے گا کہ میرے اور میرے گھر والوں کے تمام سوالات کا جواب دینا پڑے گا۔ ایک مجرم کی طرح آؤ اور ہر سزا کے لئے تیار رہو۔"

"مگر میرا قصور کیا ہے سیف؟ مجھے کس جرم کی سزا دے رہے ہیں آپ؟" وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپ گئی تھی۔ یہ لہجہ اس کے محبوب شوہر کا تو نہ تھا۔ وہ تو زخم دے کر مرہم بھی رکھ دیا کرتا تھا۔ آنسو دے کر پونچھ بھی لیا کرتا تھا۔ اب کیوں اتنا بے درد بنا ہوا تھا کہ اسے نہ آنسو پگھلا رہے تھے، نہ زخموں سے چور اس کا دل دکھائی دے رہا تھا۔

"قصور میری بہن کا بھی کیا تھا کہ اس کی تذلیل کی گئی۔ قصور محبت کا کیا تھا کہ اسے مسترد کیا گیا۔" وہ تنفر سے دہاڑا۔

"مگر طلال نے ایسی کوئی نازیبا حرکت نہیں کی ہے۔ وہ تو......"

"تو کیا تانیہ جھوٹ بول رہی ہے؟ یا پھر تانیہ بدکردار ہے کہ اس نے ایسی فضول کہانی گھڑ لی ہے؟ یا صائمہ آپا جھوٹی ہیں؟ ہاں کہہ دو کہ ہم سب جھوٹے لوگ ہیں، ساری پارسائی، خاندانی نیک نامی اور شرافت تو تم لوگوں کے پاس ہے۔ اونہہ...... عزت اور شرافت کا چولا پہن کر اندر غلاظت کو چھپائے بیٹھے ہو تم لوگ۔"

"سیف...... لینگویج پلیز!" وہ بری طرح ٹوٹ پھوٹ گئی۔ اس کا ضبط جواب دینے لگا۔ شدتِ کرب اور صدمے سے اس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو پلکوں پر ٹھٹھر گئے۔ "ہم نے کبھی اپنی شرافت کا ڈھنڈورا نہیں پیٹا مگر اتنا مان اور فخر ضرور ہے کہ عزت اور وقار سے جی رہے ہیں۔ کبھی شرافت پر حرف نہیں آنے دیا۔ میں صائمہ آپا کو جھوٹا ثابت نہیں کر سکتی، نہ تانیہ کو بدکردار...... مگر اتنا ضرور کہوں گی سیف الرحمٰن صاحب کہ اگر آپ انصاف کے متعلق تھوڑا سا جانتے ہیں، اس کے معنی سے واقف ہیں تو یہ ضرور سوچئے گا کہ کسی کے جرم کی سزا کسی دوسرے کے کھاتے میں ڈالنے سے انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہو جاتے۔" وہ دلی گرفتگی سے بولی پھر ایک ہلکی سی سانس کھینچ کر ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

اس شخص کے سامنے آنسو بہانا، التجائیں کرنا، سسکیاں بھرنا، معافیاں مانگنا عبث تھا۔

وہ ایک سطحی سا مرد تھا جو عورت کے آنسوؤں سے اپنی انانیت کی تسکین کرتا ہے، عورت کا گڑگڑانا اس کی مردانگی کے غرور میں اضافہ کرتا ہے۔

حنا، لالہ رخ کو غمزدہ دیکھ کر پچھتانے لگی کہ ناحق اس نے سیف الرحمٰن کا ذکر چھیڑ دیا۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ لالہ رخ نے سیف الرحمٰن سے بات کر کے اس معاملے کو سلجھانے کی کوشش نہ کی ہو۔ اس رشتے کو بچانے کے لئے تو سکندر ولا کا ہر فرد جتن کر رہا تھا۔

حنا کا دل لالہ رخ کے غم میں سلگنے لگا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا لالی! آپ پریشان نہ ہوں۔" حنا نے اس کی کرسی کے قریب

گھاس پر بیٹھ کر اس کے گھٹنے پر سر رکھ دیا۔

تسلی و تشفی کی ادنیٰ سی کوشش تھی۔ لالہ رخ کو اس پر بے حد پیار آیا۔ اس کا سر تھپک کر مسکرا دی۔

ایک اُمید ہی تو تھی جو کرن کی طرح خوف اور وسوسوں کے دبیز اندھیرے کو گاہے گاہے کاٹتی رہتی تھی۔

امید ہی تو زندہ رکھتی ہے دل کو۔ یہ بجھ جاتا ہے، راکھ کا ڈھیر ہو جاتا ہے تو اس میں پھر چنگاری نہیں پھوٹتی۔

***

لالہ رخ سے پرخاش رکھنے والی اس کی نند صائمہ آپا کے چکر اب روز ہی میکے میں لگنے لگے تھے۔ وہ ماں کو نیا راستہ دکھا رہی تھی۔

"اماں! ہارون اب بھی تانیہ سے شادی کر سکتا ہے اگر میری نند صبوحی کا رشتہ سیف سے ہو جائے تو۔"

"مگر صائمہ، سیف کیسے مانے گا؟ اب تو وہ ایک بیٹے کا باپ بھی ہے۔" ساس کے سینے سے ایک گہری سانس، آہ کی صورت نکل گئی۔

"ارے اماں، کیسے نہیں مانے گا۔ بس منانے کا ڈھنگ آنا چاہئے۔ آپ اسے مسلسل دباؤ میں رکھیں، اور بس اس کا غصہ کم نہ ہونے دیں۔ ارے اماں، غیرت کے نام پر تو قتل ہو جاتے ہیں۔ یہ تو پھر ایک طلاق ہی دینی ہے۔" صائمہ آپا نے انہیں حوصلہ دیا۔

"مگر صبوحی کچھ کم شکل وصورت کی ہے اور عمر میں بھی سیف سے ایک آدھ سال بڑی ہی ہوگی۔ بھلا سیف کس طرح اس سے شادی پر ہامی بھرے گا؟" اماں کو تو یہ کشتی پار اترتی دکھائی نہ دے رہی تھی۔

"ارے اماں، تانیہ کا مسئلہ بھی تو حل ہو رہا ہے نا۔ کیا بھائی بہنوں کے لئے اتنا نہیں کرے گا؟ اور پھر سوچئے اماں، ہارون لاکھوں میں کھیل رہا ہے، اپنی تانیہ تو عیش کرے گی عیش۔ اور پھر صبوحی اتنی بری شکل کی بھی نہیں ہے۔ ٹھیک ہے لالہ رخ سے اس کا کوئی مقابلہ نہیں ہے مگر سیف کے دل میں لالہ رخ کے لئے کھٹک سی پڑ گئی ہے تو بس اس کھٹک کو نفرت میں بدلنا ہمارا کام ہے، اور حمزہ کی فکر چھوڑیئے، زندگی رہی تو سیف کے ڈھیر سارے بچے ہو جائیں گے۔ بس آپ کسی طرح اس حسین چڑیل سے اس کا دامن چھڑا لیں۔ باقی سب میں سنبھال لوں گی۔" صائمہ آپا دبے دبے لہجے میں اماں کی ہمت بندھانے لگیں۔

اور ان دونوں کی ہی سازشوں کا نتیجہ تھا کہ سیف الرحمٰن کا غصہ کم ہونے کی بجائے بڑھ جا رہا تھا۔ لالہ رخ کی التجائیں، اس کا رونا بھی اس کے دل پر اثر نہیں کر رہا تھا۔

غصے کی زیادتی عقل کو سلب کر دیتی ہیں اور سلب کی ہوئی عقل کبھی درست فیصلہ نہیں کر پاتی۔ سیف الرحمٰن کی عقل بھی غصے سے ماؤف ہو چکی تھی، وہ اپنی ماں کی عقل پر چل رہا تھا اور ادھر اس کھیل کا اہم کردار تانیہ تھی جو اب مارے خوف اور ضمیر کی خلش سے بے حال ہو کر ایک کونے میں پڑی رہ گئی تھی۔ اسے اپنے گھر کے ان حالات سے خوف آنے لگا تھا۔ کئی بار اس کا دل چاہا کہ وہ سیف الرحمٰن سے سچ کہہ دے۔ اس پر حقیقت واضح کر دے۔

ساری رات وہ کروٹیں بدل بدل کر صبح ہونے کا انتظار کرتی مگر صبح اماں کی پھانسی نظروں اور صائمہ آپا کے بگڑے زاویے دیکھ کر سارا حوصلہ بکھر جاتا۔

⁂☆⁂

ایک صبح لالہ رخ کے نام جو رجسٹری آئی اس نے سکندر ولا کے در و دیوار کو ہلا کر رکھ دیا۔ اگر وہ سیمنٹ گارے کی نہ ہوتیں تو شاید وہ بھی لالہ رخ کی طرح ٹوٹ پھوٹ کر ڈھے جاتیں۔ وہ بے یقین نظروں سے اس طلاق نامے کو دیکھ رہی تھی جس کے الفاظ اس کی ڈبڈبائی آنکھوں کے سامنے آڑھی ترچھی لکیروں کی طرح بن اور بگڑ رہے تھے۔

کتنی آسانی سے اس نے سارے رشتے توڑ ڈالے تھے۔ وہ ایک ایک اینٹ رکھنے کے جتن کر رہی تھی۔ اس نے بنیادیں تک اُکھاڑ پھینکیں۔

وہ اُمید کے چراغ میں دعاؤں کا تیل ڈالتی رہی تھی۔ وہ سارے چراغ ہی بجھا گیا۔ اس کا دُعا کے لئے اُٹھا ہوا ہاتھ ہی گرا گیا۔

اُس کا ذہن آہستہ آہستہ ماؤف ہوتا چلا گیا...... زمین اس کے آگے گھوم گئی۔ سب کچھ پانیوں میں ڈولنے لگا۔ سعدیہ بھابی نے لپک کر اسے تھام لیا اور وہ ٹوٹی شاخ کی طرح ان کے بازوؤں میں جھول گئی۔

موت اتنی تکلیف دہ شاید نہیں ہوتی ہوگی جتنی شکستگی کا عذاب یہ پل پل کی موت ہوتا ہے۔ جڑنے اور بکھرنے کے عمل سے دوچار کرنے والا اذیت ناک سفر۔ محض تن آسودگی کے لئے جڑنے والے رشتے اتنے ہی کمزور اور بودے ہوتے ہیں۔ ایک جھٹکے میں ٹوٹ جانے والے۔

لالہ رخ نے بیڈ کراؤن سے سر اٹھا کر روشانہ کو دیکھا جس کے چہرے پر اپنا ہی درد گھرا ہوا دکھائی دیا۔ آنسو بے آواز اُس کی خوشنما آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

"پچھتاوے انگارے بن جاتے ہیں اور تا عمر سلگتے رہتے ہیں اور رُوح کو سلگائے رکھتے ہیں۔"

روشانہ کے لب کچھ کہنے کی خواہش میں کپکپا گئے۔ اس کی آنکھوں میں رک رک کر بہنے والا پانی یکدم ریلے کی طرح بہہ نکلا۔ وہ لالہ رخ کے گھٹنے پر سر ٹکا کر بچوں کی طرح رو دی۔ گویا اتنا ہی اس کے بس میں تھا۔ اس کے گمان میں بھی نہ تھا کہ بظاہر یہ ہنستی، کھلکھلاتی، اپنے پہلو میں ہمدرد دل رکھنے والی لالہ رخ اندر سے اتنی شکستہ ہے۔ سب کا دم بھرنے والی خود اتنی خالی اور تشنہ ہے۔

"تقدیر کبھی ہماری خواہش پر نہیں چلتی۔ وہ انسانوں کے بنائے راستوں پر نہیں چلتی، اس کے اپنے راستے ہیں جو اٹل ہیں اور وہ سب کو اس پر چلاتی ہے، اس کے باوجود انسان کتنا نادان ہے کہ خواہشات کے محل تعمیر کیے جاتا ہے، آرزوؤں کے ایوان سجاتا ہے، خوابوں کی خوشنما چادر بنتا چلا جاتا ہے۔ اور جب یہ سب اس کے پیروں میں ریت کی طرح ڈھیر ہو جاتے ہیں تو وہ بکھر جاتا ہے، تقدیر سے شکوہ کرنے لگتا ہے، قدرت سے رُوٹھ جاتا ہے۔" لالہ رخ اس کا سر تھپکتے ہوئے آزردگی سے بولی۔ وہ بچوں کی طرح اس کی گود میں سر ڈالے رو رہی تھی۔

"اگر آنسو ہر مسئلے کا حل ہوتے، تقدیر کو اپنی منشا اور مرضی سے بدلنے کی طاقت رکھتے تو میں بھی بہت سا رو لیتی۔" اس نے روشانہ کے بال سہلائے جو اس کی گود میں ریشم کی طرح اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے۔

"تو کیا آپ روئی نہیں تھیں؟" اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

لالہ رخ نے نظریں کترالیں، اس کا نرم و سبک ہاتھ اس کے بالوں کی لٹوں میں اٹک گیا جسے روشانہ نے نرمی سے تھام کر اپنے دونوں ہاتھوں میں دبا لیا۔

"ایک آنسو ہی تو عورت کے اپنے اختیار میں ہوتے ہیں لالی! رونا ہی تو اس کے بس میں ہے۔ آنسو بھی نہ بہائے تو اندر ہی اندر گل سڑ کر مر جاتا ہے انسان۔ رویئے لالی! اتنا رویئے کہ اندر کا سارا غبار نکل جائے، ساری حدت دم توڑ جائے۔"

اُس کے رویئے کی بے ساختگی اور جذبے کی شدت نے لالہ رخ کو حیران کر دیا مگر دوسرے پل وہ زور سے ہنس پڑی۔

"ارے تمہیں تو بہت بڑی بڑی باتیں کرنی آتی ہیں۔" اس نے پیار سے اس کے بال سہلائے۔

روشانہ اس کے ٹالنے والے اس انداز پر چپ سی رہ گئی اور لالہ رخ کے لبوں پر پہلے والی مسکراہٹ کو دیکھتی رہ گئی۔ وہ اپنے زخموں پر پردہ ڈالنے کی عادی تھی یا عادی ہو گئی تھی۔

''چھوڑو، یہ بتاؤ کہ طلال سے اب بدگمان تو نہیں ہو نا، اس سے خفا تو نہیں ہو؟'' وہ اس کا ہاتھ تھپک کر پوچھنے لگی۔ اس کی بات پر وہ خفیف سی ہو کر پلکوں کی باڑھ جھکا گئی۔

''بھلا میرا ان سے کیا تعلق کہ میں کسی طرح کا بھی گمان رکھوں۔ وہ میرے لئے ایک اجنبی شناسا ہیں۔'' وہ رُخ موڑ کر بولی اور بال لپیٹنے لگی جو شانوں سے پھسلتے کمر پر بکھر گئے تھے۔

لالہ رخ کو اس کی آواز اس دھیمی روشنی کی طرح محسوس ہوئی جو سائے کے ڈر سے لرزاں معلوم ہوتی ہے۔ ایک خفیف سی مسکراہٹ بے ساختہ ہی اس کے لبوں کی تراش میں بکھر گئی۔

''چلو، چائے پیتے ہیں۔ آج بہت اچھی سی چائے پلاتی ہوں تمہیں۔'' لالہ رخ نے ایک گہری سانس کھینچ کر اپنے ذہن پر چھائے بدصورت یادوں کے نقوش گویا جھٹکنے کی کوشش کی۔

''نہیں، چائے میں بناؤں گی اور بہت مزے دار سی۔'' روشانہ نے اس کی طرف دیکھا پھر اپنا دوپٹہ شانے پر پھیلاتی اس کا ہاتھ پکڑ کر کمرے سے باہر آ گئی۔

✻✫✻

طلال کی سرد خاموشی مصطفیٰ خان کے لئے کسی ذہنی آزار سے کم نہ تھی۔ وہ رات گئے لوٹا تھا اور بستر پر پڑتے ہی سوتا بن گیا تھا حالانکہ مصطفیٰ خان جانتا تھا کہ وہ جاگ رہا ہے۔ نیند اس کی آنکھوں سے بھی کوسوں دور تھی، مگر چاہنے کے باوجود وہ اسے مخاطب کرنے کی ہمت نہ کر سکا تھا اور پھر صبح سویرے وہ ہاسپٹل چلا گیا تھا۔

اس کا رویہ اس کے اعصاب پر کوڑے کی طرح برس رہا تھا۔ اسے پہلی بار پتہ چلا کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جرم ثابت کرنے کے لئے ثبوت اور لفظوں کی ضرورت نہیں ہوتی، انسان کو زندہ درگور کرنے کے لئے کبھی کبھی ایسی خاموشی ہی کافی ہوتی ہے۔ وہ اسے کند چھری سے ذبح کرتا تو شاید وہ اتنا نہ تڑپتا جتنا اس کا رویہ اسے تڑپا رہا تھا۔

اُسے جلتی آگ میں دھکیلا جاتا، تب بھی وہ اتنا نہ سلگتا جتنا یہ خاموشی سلگا رہی تھی۔

اس نے اپنا سفری بیگ نکالا اور اپنی چیزیں سمیٹنے لگا۔ اس نے اپنے طور پر اپنے لئے ہی ایک سزا منتخب کر لی کہ وہ یہ گھر، یہ شہر خاموشی سے چھوڑ دے اور پھر لوٹ کر کبھی نہ آئے۔ یوں بھی اسے اب کوئی خوش فہمی نہ رہی تھی کہ طلال اسے روکنے کی کوشش کرے گا۔

پیار کے سمندر میں ہر اترنے والے کو

کشتیاں نہیں ملتیں
دُور دُور تک جاناں! دُھوپ کی مسافت ہے
اور کہیں بھی پل بھر کو دُھوپ کے مسافر پر
سائباں نہیں کھلتے
اس عجب سمندر میں، عمر کی ریاضت کے
بعد ہم نے جانا ہے
جس طرح فضاؤں میں اُڑنے والے پنچھی پر
برس ہا برس میں بھی آسماں نہیں کھلتے
رازداں نہیں ملتے، بام و در نہیں کھلتے
ہر اُترنے والے کو
کشتیاں نہیں ملتیں
اور مل بھی جائیں تو بادباں نہیں کھلتے
پیار کے سمندر میں بھید، بھید رہتا ہے

''ایک کپ چائے کا مل جائے گا؟'' وہ درد سے پھٹتے سر کو دباتا ہوا بحالت مجبوری کچن میں چلا آیا۔ لالہ رخ بیسن کا نل بند کر کے اس کی طرف پلٹی۔

''سوری! میں زحمت نہ دیتا مگر مجھے اس وقت چائے کی شدید طلب ہو رہی ہے۔'' وہ کچھ خفیف سا ہو کر رہ گیا۔

''میں ابھی بنا دیتی ہوں۔'' اس نے جلدی سے ہاتھ صاف کئے۔ اس کی آنکھوں کے زیریں کنارے اس قدر سرخ ہو رہے تھے کہ لالہ رخ کو لگا ابھی ان سے خون چھلک پڑے گا۔

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' وہ پلٹنے لگا تو وہ بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔

''بس سر میں ہلکا سا درد ہے۔'' وہ اس کی طرف دیکھنے سے گریز کرتا ہوا دھیمے لہجے میں بولا۔ ''اگر چائے بہت زیادہ اسٹرونگ ہو تو میں آپ کا ممنون رہوں گا۔'' وہ رخ موڑتے ہوئے بولا اور پلٹ کر وہاں سے ہٹ گیا۔

وہ اذیت کے جس پل صراط سے گزر رہا تھا، وہ اس سے قطعی انجان تھی اور ایک بار پھر وہ اسے انجان ہی رکھ کر جا رہا تھا۔

اُمید کا سایہ ہے، نہ رستہ ہے، نہ منزل
ہم کتنے اکیلے ہیں محبت کے سفر میں

کچھ دیر بعد وہ چائے کا مگ اور دو اسپرین لئے طلال کے کمرے میں چلی آئی۔ مصطفیٰ خان صوفے پر نیم دراز بازو کا تکیہ بنائے لیٹا تھا۔

"ارے آپ نے کیوں زحمت کی، ملازمہ کے ہاتھ بھیج دیتیں۔" اسے دیکھ کر وہ کچھ خفیف سا ہو کر سرعت سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"اس میں زحمت کی کیا بات ہے، مجھے لگا آپ کے سر میں ہلکا نہیں کچھ شدید ہی درد ہے۔" اس نے چائے کے مگ کے ساتھ دونوں ٹیبلٹ بھی تپائی پر رکھ دیں پھر کھڑکیوں پر پڑے پردے کھولے اور اس گھٹن کو گویا شدت سے محسوس کرتے ہوئے ایک گہری سانس کھینچی۔

"آپ کا دم نہیں گھٹ رہا تھا؟ اتنی دیر سے کھڑکیاں بند تھیں۔ شاید اسی وجہ سے آپ کی طبیعت بگڑ گئی ہے۔" وہ سادہ سے انداز میں سرزنش کر رہی تھی۔

دوسروں کی فکر کرنا تو اس کی ذات کا خاصہ تھا۔ مگر مصطفیٰ خان کے دل میں نادیدہ کرب کروٹیں لینے لگا۔

نیلے رنگ کے سیاہ کڑھائی والے سوٹ میں سیاہ چادر نما دوپٹہ سر پر ڈالے وہ ایک تراشیدہ مجسمہ لگ رہی تھی، عجیب سی روشنی اس کے وجود سے پھوٹتی محسوس ہو رہی تھی جو مصطفیٰ خان کے دل کے گرد احاطہ کرنے لگی تھی۔ وہ گھبرا اٹھا۔

"تھینک یو۔ میرے سر میں واقعی شدید درد ہے۔" وہ چائے کے ساتھ ٹیبلٹ دیکھ کر اس کا ممنون ہوا۔

"اگر زیادہ درد ہے تو دونوں ہی ٹیبلٹ کھا لیجئے گا، گو کہ میں ڈاکٹر تو نہیں ہوں مگر ڈاکٹر کی بہن ہونے کے ناتے تھوڑی بہت ڈاکٹری جھاڑنے لگی ہوں۔" وہ ہلکے سے ہنسی، پھر پانی کا گلاس اس کے صوفے سے اٹھنے سے پہلے ہی تپائی پر رکھ دیا۔ "اگر کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو بلا جھجک کہہ دیجئے گا۔" وہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

"مثلاً کیا ضرورت آپ میری پوری کر سکیں گی؟" وہ بے ساختہ گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

وہ ٹھٹک کر رُک گئی، پھر خفیف سی ہو کر کندھے اچکائے۔ "اگر آپ کہیں تو لنچ میں آپ کے لئے پرہیزی کھانا بنایا جا سکتا ہے۔"

"ضرورتوں کا دائرہ کار صرف کھانے پینے تک ہی تو محدود نہیں ہوتا۔" وہ پانی کا گلاس تپائی پر رکھ کر اپنی جگہ سے اٹھا۔

"جی میں سمجھی نہیں۔" وہ سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر یکلخت پلکوں کے ساتھ نظریں بھی جھکا گئی تھی۔

وہ عجیب افسردگی سے مسکرایا تھا، سر کو ہلکی سی جنبش دے کر ایک سانس کھینچتے ہوئے بولا۔

"کچھ نہیں، آپ حمزہ کو میرے پاس بھیج سکتی ہیں اس وقت؟ فی الحال میں اس کی بے حد ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔" اُس کے لہجے میں بے نام سی تھکن اُتر آئی۔

"حمزہ تو اسکول گیا ہے۔ خیر ایک آدھ گھنٹے میں آ جائے گا تو میں بھیج دوں گی۔"

"اچھا، مگر اس وقت تک تو میں شاید جا چکا ہوں گا۔" وہ مایوسی سے سر ہلا کر بیڈ کی طرف بڑھا۔

"آپ جا رہے ہیں؟" لالہ رخ کو حیرت کا جھٹکا لگا۔ وہ بے ساختہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی نظریں بیڈ پر رکھے اس کے سفری بیگ پر پڑیں۔ "مگر طلال تو کہہ رہا تھا آپ ہفتہ بھر اور ٹھہریں گے۔" اُس نے بڑے بے ساختہ پن میں حیرت کا اظہار کیا تھا مگر مصطفیٰ خان کا خوش فہم دل ڈول سا گیا۔ ایک نامانوس سی خوشی دل کا احاطہ کرنے لگی۔ مگر دوسرے پل دل پر چھائی مایوسی و پژمردگی نے اس خوشی کی لہر کو جیسے کاٹ ڈالا۔

"بہرحال، جانا تو مجھے ایک دن تھا ہی، ہفتہ بھر بعد بھی۔ اور جب جانا ہی مقدر ٹھہرا تو کیوں یادوں میں اضافہ کیا جائے۔" وہ اُداس سی ہنسی ہنسا اور بیگ کی زپ کھولنے لگا۔ پھر کچھ سوچ کر اس کی طرف دیکھا۔

وہ حیران پریشان سی اسے ایک ٹک دیکھ رہی تھی۔ نظریں ملنے پر خفیف سی شرمندگی کے ساتھ جلدی سے سر جھکا کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"مجھے حمزہ بہت یاد آئے گا، یہاں سے میں ایک اور یاد سمیٹ کر جا رہا ہوں۔" اُس نے اپنے بیگ سے ایک پیکٹ نکالا اور اسے لئے لالہ رخ کی طرف چلا آیا۔ "یہ حمزہ کے لئے ہے، اسے آپ دے دیجئے گا۔" وہ حمزہ کے لئے کوئی گفٹ تھا جو خوبصورتی سے پیک کیا ہوا تھا۔

"پلیز اسے رکھ لیجئے۔" وہ اسے تذبذب میں دیکھ کر لجاجت سے بولا تو لالہ رخ نے ہاتھ بڑھا کر وہ پیکٹ تھام لیا۔

وہ اُسے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا، مگر لالہ رخ جانے کیوں اس سے نظریں ملانے سے گریز کر رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں کچھ ایسی گہرائی تھی کہ ان میں ڈوب جانے کا، کھو جانے کا خوف اُبھرتا تھا۔ وہ پلٹ کر سرعت سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

ہاتھ بھی ہم کبھی بڑھا نہ سکے

دامنِ دل بھی ہم بچا نہ سکے
ہیں کئی اب بھی ان کہے جذبے
حرف کی جو حدوں میں آ نہ سکے

شدید ترین احساسِ بے بسی نے یکلخت اس پر حملہ کر دیا۔ ایک مضمحل سانس کھینچتے ہو
اس نے بالوں پر ہاتھ پھیرا اور اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ بیڈ پر رکھے بیگ کی زِ
بند کر کے اسے کندھے پر ڈالا۔ اُسے لگا کہ اگر وہ یہاں مزید کچھ دیر ٹھہر گیا تو شاید اس کا دل
پھٹ جائے گا۔

اُمید، تمنائیں، آرزوئیں جب ٹوٹتی ہیں تو دل کا کانچ ریزہ ریزہ ہو کر سینے کے اندر
جاتا ہے۔ ہر کرچی خون میں اُتر کر کاٹنے لگتی ہے، زخم دینے لگتی ہے۔

اُسے لگا جیسے اس کا سارا وجود زخم بن کر دُکھنے لگا ہو۔

وہ رفیعہ بیگم کو خدا حافظ کہنے ان کے کمرے میں چلا آیا۔ وہ اس کے یوں اچانک جا
پر حیران رہ گئیں۔

''ارے بیٹا، پہلے کہتے تو تمہیں عادل یا جاذب کوئی اسٹیشن چھوڑ آتا۔ اور یہ طلال بھی
قدر غیر ذمہ دار ہے، اسے تو کم از کم اپنے دوست کو چھوڑنے جانا چاہیے تھا۔'' وہ خفت محسو
کرنے لگیں۔

''میں نے طلال کو خود منع کیا تھا۔ ناحق میں کسی کو تکلیف دینا نہیں چاہتا، ٹیکسی مل جا
گی۔'' وہ انہیں شرمندہ دیکھ کر جلدی سے بولا۔

''لو بھلا اس میں تکلیف کی کیا بات ہے، یہ تو تمہارا حق تھا۔ تم اگر ذرا دیر ٹھہر جاؤ تو
فون کر کے جاذب کو بلا لیتی ہوں۔ ٹیکسی میں کہاں دھکے کھاتے پھرو گے۔''

''ارے نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اچھا مجھے اجازت دیجئے۔'' وہ ان کی طر
احتراماً جھکا تو رفیعہ بیگم محبت اور شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر اُسے ڈھیر سا
دُعائیں دینے لگیں۔

وہ ان کے کمرے سے باہر نکلا تو تھکن کئی گنا بڑھ سی گئی تھی۔ اسے خود بھی افسوس تھا
وہ خرم اور جاذب سے ملے بغیر جا رہا تھا اور افسوس تو رہ رہ کر اسے اس پر بھی ہو رہا تھا
یہاں آیا ہی کیوں؟ ایک موہوم سی اُمید کی تھرتھراتی لو نے اسے کیونکر یہ راستہ دکھا دیا؟
وہ یہ سوچ کر خود کو اب تک بہلا ہی چکا ہوتا کہ وہ بیاہی جا چکی ہوگی اور اپنی دنیا میں
ہوگی۔

مگر اب وہ کیسے اور کس طرح خود کو بہلا سکے گا۔ اب وہی نہیں، حمزہ بھی اسے یاد آتا
رہے گا۔

یہ یادیں بڑی ظالم ہوتی ہیں۔ آکٹوپس کی طرح دل کو جکڑ کر لہو نچوڑتی رہتی ہیں۔ پل
پل مارتی ہیں۔

☆☆☆

طلال شام کو گھر لوٹا تو اسے رفیعہ بیگم کے ذریعے پتہ چلا کہ مصطفیٰ خان جا چکا ہے۔ خرم
اور جاذب کو اس کے یوں بنا بتائے چلے جانے پر حیرت کے ساتھ افسوس بھی ہو رہا تھا۔
خرم تو اسے بہت زیادہ مس کر رہا تھا۔ اس کے خیال میں وہ پہلا شخص تھا جس سے اس کی
ذہنی ہم آہنگی ہو گئی تھی۔

طلال چپ چاپ کمرے میں چلا آیا۔ مصطفیٰ خان کا اس طرح چلے جانا اُسے ندامت کا
احساس دلا رہا تھا۔ اُس کے دل کو مسوس رہا تھا۔ کیا تھا جو اس نے اسے ہی رازداں بنا لیا
تھا۔ اپنا دل کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔ اپنے تمام احساسات و جذبات عیاں کر دیئے
تھے۔ اگر چاہتا تو وہ اس سے یہ سب چھپا بھی سکتا تھا اور یوں اسے تا عمر خبر نہ ہوتی۔ وہ چیٹر
ہوتا تو یہاں دوبارہ نہ آتا۔ اتنا سفر اس نے ایک آس، ایک اُمید کے سہارے ہی تو کیا تھا۔
وہ دل گرفتگی سے رائٹنگ ٹیبل کے چمکدار شیشے پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

اُس کی رسٹ واچ، لائٹر، روتھ مین کا پیکٹ، اُس کے استعمال کا مخصوص پین کچھ بھی تو نہ
تھا۔ وہ اپنا کوئی نشان چھوڑ کر نہیں گیا تھا۔ ہاں مگر ہمیشہ کی طرح وہ اس کے کمرے کی دیوار
سیاہ کر کے گیا تھا۔

کج اونج وی راہواں اوکھیاں سن
کج گل وِچ غم دا طوق وی سی
کج شہر دے لوک وی ظالم سن
کج مینوں مرن دا شوق وی سی

وہ کتنی دیر دیوار پر لکھے اس قطعے پر نظریں جمائے کھڑا رہا۔ آہستہ آہستہ اس کی آنکھوں
کے کناروں میں جلن سی ہونے لگی۔ اُسے یاد تھا اسی نے ایک بار تسلی آمیز انداز میں کہا تھا۔

''کہہ دینے سے دُکھ ہلکا ہو جاتا ہے طفی، اضطراب اور وحشت کو نکلنے کا راستہ مل جائے تو
رگوں میں سکون اور ٹھہراؤ اتر آتا ہے۔''

اس کے اندر پھر وہی چبھن ہونے لگی۔ ندامت کی، اضمحلال کی۔

"تمہارے دوست کی یہ عادت نہیں گئی ہے اب تک۔" لالہ رخ جانے کب اس کے پاس آ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کی نظریں بھی دیوار پر جمی تھیں جہاں خوبصورت ہینڈ رائٹنگ میں وہ موتی پرو گیا تھا۔

طلال کے اعصاب میں ہلکی جنبش سی ہوئی۔ ایک گہری تھکی تھکی سی سانس کھینچ کر ایڑیوں کے بل پلٹا۔

وہ نہا کر یونہی پشت پر بال کھولے دوپٹہ قرینے سے شانے پر پھیلائے اُس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کے لبوں پر دھیمی مسکراہٹ تھی، ایسی ہی مسکراہٹ اس کی خوشنما آنکھوں میں بھی تھی۔

"بہت پرانا مرض معلوم ہوتا ہے دیواریں گندی کرنے کا۔" وہ ہلکے سے ہنسی۔

طلال ایک ٹک اسے دیکھنے لگا۔ اس کے ذہن میں عجیب انتشار برپا تھا۔

وہ تو وہ ہے تمہیں ہو جائے گی اُلفت مجھ سے
اِک نظر تم مرا محبوب نظر تو دیکھو

اُسے لگا مصطفیٰ خان مسکراتا ہوا اس کے نزدیک آ کھڑا ہوا ہو۔ اُس کی دمکتی ہیروں جیسی آنکھیں بڑی آس اور اُمید لئے اس پر ٹکی ہوں۔

وہ اپنا خالی کشکول لئے اس سے بھیک مانگ رہا ہو اپنی زندگی کی۔ ان خوشیوں بھرے لمحات کی جن کی آس لئے وہ یہاں تک آیا تھا۔

وہ بھیک مانگ رہا ہو ہنسی کی جھنکاروں کی، جس کی تمنا اسے اب تک رُلاتی رہی تھی اور یہاں تک کھینچ لائی تھی۔

وہ تو پہلے ہی تہی داماں تھا۔ اس نے اسے اور ویران کر دیا۔

پتہ نہیں کیوں ہمیشہ اس کے ہاتھوں دوسروں کی خوشیوں کا قتل ہو جاتا ہے۔

اذیت کا احساس اس کی روح کو چھیدنے لگا، اس نے گھبرا کر نگاہیں لالہ رخ کے چہرے سے ہٹا لیں۔

"لالی! آؤ کہیں باہر آؤٹنگ پر چلتے ہیں۔" کی بورڈ سے گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے وہ یکدم بولا۔

لالہ رخ نے کچھ حیرت سے اس کی طرف دیکھا، وہ اسے بہت الجھا الجھا، پریشان سا دکھائی دے رہا تھا۔

"حمزہ کو بھی ساتھ لے لینا۔" وہ یہ کہتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"مگر اس وقت تو میرا اور روشانہ کا پروگرام ذرا مارکیٹ تک جانے کا تھا، مجھے کچھ بکس چاہئے تھیں اور اُسے بھی ایک آدھ چیز لینی تھی۔"

"اوکے، پھر میں تم لوگوں کو مارکیٹ اتار دیتا ہوں۔"

"نہیں، میرا خیال ہے پہلے آئسکریم کھائیں گے۔ حمزہ صبح سے ضد کر رہا تھا۔ تمہارے دوست نے تو اس کی عادت ہی بگاڑ دی ہے صبح و شام آئسکریم کھلا کھلا کر۔" لالہ رخ ٹیرس سے حمزہ کو پکڑ لائی۔

"مما! روشی آنٹی بہت اچھی کہانی سنا رہی تھیں مجھے، ایک بڑے سے دیو کی۔" حمزہ نے روشانہ کی طرف اشارہ کیا جو ٹیرس کی گرل بند کر رہی تھی۔ پھر خود بھی باہر آ گئی۔

"بھئی تمہاری روشی آنٹی خود پری جو ہیں، انہیں تو بڑے سے دیو کی کہانی ہی آتی ہو گی۔"

لالہ رخ نے شرارت سے روشانہ کی طرف دیکھا۔

"مما، روشی آنٹی پری ہیں، جن کے پر ہوتے ہیں؟" حمزہ حیرت اور بے پناہ مسرت کے احساس سے روشانہ کو بغور دیکھنے لگا۔ اسے یکدم وہ پری ہی دکھائی دینے لگی۔

سفید ملتانی کڑھائی والے سوٹ میں ہم رنگ دوپٹہ اوڑھے، دراز بالوں کو ہیئر بینڈ میں جکڑے، سادہ سا مگر خوشنما نکھرا ہوا چہرہ جس پر لالہ رخ کی شرارت نے سرخی سی بکھیر دی تھی۔ ناک میں ہیرے کی چمکتی لونگ، کانوں میں پڑے نفیس سے چمکتے ٹاپس، سبھی کچھ چہرے پر روشنی بن کر بکھر گیا تھا۔

"انکل! مما سچ کہتی ہیں، روشی آنٹی پری ہیں؟ کیا پری روشی آنٹی جیسی ہوتی ہیں؟" اس نے یکدم طلال کے کرتے کا کونا کھینچ کر پوچھا۔

طلال نے سٹپٹا کر بے اختیار روشانہ کی طرف دیکھا جس کے نرم چمکتے رخساروں کی سرخی میں یکلخت اضافہ ہو گیا تھا۔ ایسا لگا جیسے کسی نے سرخ رنگ کا برش پھیر دیا ہو۔

"شریر، مما بھی جھوٹ بول سکتی ہیں۔" لالہ رخ نے اسے ہلکی سی چپت لگائی، پھر طلال کی طرف دیکھ کر بولیں۔ "تمہاری گواہی کے بغیر تو اسے کوئی بات ہضم نہیں ہوتی ہے۔"

طلال اپنا لحظہ بھر میں بکھرنے والا اعتماد بحال کر چکا تھا۔ اس نے جھک کر حمزہ کو گود میں اٹھا لیا۔ "پارٹنر، ہم نے تو آج تک نہ دیو دیکھے ہیں نہ پریاں۔ ہمیں تو کبھی خوابوں میں بھی پریاں نظر نہیں آئیں۔" اس نے ایک اچٹتی سی نظر روشانہ پر ڈالی اور ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

"تمہاری مما کہتی ہیں تو ٹھیک ہی کہتی ہوں گی۔ انہوں نے پریوں کو دیکھا ہو گا۔" وہ حمزہ کو گود میں اٹھائے اٹھائے باہر نکل گیا تھا۔

روشانہ عجیب خفت کے احساس سے دوچار اپنی جگہ کھڑی رہ گئی۔ لالہ رخ اپنی مسکراہٹ روکنے کی کوشش کر رہی تھی مگر مسکراہٹ اس کے ہونٹوں کے گوشوں سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔ انہوں نے رُخ موڑ کر روشانہ کو دیکھا جو اس کے ہنسنے پر کم سن ناراض بچوں کی طرح اسے گھورنے لگی تھی۔

''اتنا فضول مذاق کرنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''بھئی میں نے کب کیا ہے مذاق۔'' اس نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔ پھر یکدم زور سے ہنس پڑی۔ ''اب پریاں اور کیسی ہوتی ہوں گی۔ ویسے اب تم حمزہ کے لئے فیری ہو گئی ہو۔ وہ تمہیں ہمیشہ فیری ہی سمجھتا رہے گا۔'' وہ شرارت سے بولی۔ پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔ ''اچھا آؤ چلو آئسکریم کھاتے ہیں۔''

''جی نہیں، مجھے نہیں کھانا آئسکریم وائسکریم۔ آپ ہی کھائیے۔''

''اچھا مارکیٹ تو چلنا ہے نا کتابیں لینے۔'' انہوں نے جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا تو اس نے سر ہلا دیا۔

''یہ اکیلے اکیلے کہاں کے ہیں ارادے؟'' خرم نے ان دونوں کو چادر اوڑھے لونگ روم سے نکلتے دیکھ کر بھویں اچکائیں پھر روشانہ کی طرف دیکھا۔

''آئسکریم کھانے جا رہے ہیں۔'' لالہ رخ اطمینان سے بولی۔

''کیا، کیا تو مجھے کس خوشی میں چھوڑ کر جا رہے ہیں آپ لوگ؟'' اس نے باقاعدہ دونوں کو گھورا۔

''اس لئے کہ تم بڑے ہو گئے ہو۔''

''ہاں، عقل کی حد تک تو بڑا ہو ہی گیا ہوں آپ دونوں سے۔'' اس نے فرضی کالر جھاڑے۔

''اسے کہتے ہیں خوش فہمی جو عموماً چھوٹی عقل والوں کو ہوتی ہے۔'' لالہ رخ نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچی۔

''روشی! چلو پلوشہ کو بھی لے چلتے ہیں۔ اسے کہو آئسکریم کھانی ہے تو فٹافٹ آ جاؤ۔''

''ہاں سب کو لے جائیے، ایک مجھ مسکین کو ہی چھوڑ جائیے، میں ہی خطا وار و سزاوار ہوں۔ اونہہ، آئسکریم کھانی ہے تو فٹافٹ آ جاؤ۔'' خرم کلس کر رہ گیا۔

''کیا خیال ہے لالی! اس پر بھی عنایت نہ کر دی جائے؟ ساتھ لئے ہی چلتے ہیں۔ باڈی گارڈ کے طور پر کام آ جائے گا۔'' اس نے جیسے احسان کرنے والے انداز میں لالہ رخ سے کہا تو لالہ رخ ہنسنے لگی۔

''خیال برا نہیں ہے۔ یوں بھی گاڑی کو دھکا لگانے کی ضرورت پیش آ سکتی ہے۔''

خرم جواباً دونوں کو گھور کر رہ گیا۔

''آپ دونوں جائیے، پلوشہ کو میں آئسکریم کھلا دوں گا۔'' اس نے پلٹتے ہوئے کہا۔

''ایں، کیوں تم کیوں کھلاؤ گے؟'' لالہ رخ نے کچھ اس طرح آنکھیں مصنوعی تحیر سے پھیلا کر اسے دیکھا کہ وہ کھسیا کر سر کھجانے لگا۔

''ناحق اس بیچاری کی نیند خراب ہو گی دو روپے کی آئسکریم کے لئے۔''

''اچھا وہ سوئی ہوئی ہے کیا؟''

''بالکل، سارے گدھے گھوڑے بیچ کر سوئی ہے۔ میرا تو خیال ہے دو گھنٹے سے پہلے اٹھنے کی نہیں ہے۔''

''کس قدر نکمی ہو گئی ہے وشی۔ یہ کوئی سونے کا ٹائم ہے۔'' روشانہ کو جانے کیوں خفت کا احساس ہوا۔ خرم اپنی مسکراہٹ چھپانے کے لئے جلدی سے منہ پھیر گیا تھا۔

ان دونوں کے جانے کے بعد اس نے رفیعہ بیگم کے کمرے میں جھانکا جہاں پلوشہ ان کے تخت نما بیڈ پر چڑھی ان کے پاندان میں جھانکتی چھالیہ کا سب سے چھوٹا پیس تلاش کر رہی تھی۔

''ہاؤ'' وہ اُس کے سر پر آ دھمکا۔ اپنے کام میں اس قدر منہمک تھی وہ کہ اس کی اچانک آمد اور یوں سر پر نازل ہونے پر اچھل کر رہ گئی۔

''کیا سونے کی بالیاں تلاش کر رہی تھیں چوری کی نیت سے؟'' وہ اس کے یوں اچھل کر سینے پر ہاتھ رکھنے پر بے ساختہ قہقہہ نہ روک سکا تھا۔

''جی نہیں، میں چھالیہ ڈھونڈ رہی تھی۔'' وہ جھینپ کر رہ گئی اور کھٹاک سے پاندان بند کر دیا۔ ''آپ مجھے چور سمجھتے ہیں؟'' اس نے کھا جانے والی نظروں سے خرم کو گھورا۔

''بالکل، پکا پکا چور بلکہ ڈاکو، لٹیرا بلکہ لٹیرن۔'' اس نے یہ کہتے ہوئے ایک طویل قسم کی ٹھنڈی سانس کھینچی پھر تپائی پر بیٹھ گیا۔

''کیا...... کیا چرایا ہے بھلا آپ کا میں نے؟ آپ ایسا سمجھتے ہیں مجھے؟'' اس نے انتہائی صدمے سے خرم کو دیکھا تھا۔

''ہاں، ایسا ہی سمجھتا ہوں۔'' وہاں گویا اتھاہ اطمینان تھا۔

رفیعہ بیگم وضو کر کے باتھ روم سے نکلیں تو پلوشہ جھٹ سے بیڈ سے اتر کر ان کی طرف بڑھی۔ ''آنٹی! دیکھیں یہ مجھے چور سمجھتے ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے اس کی آواز بھرا گئی۔

”ہیں...... ہیں...... ہوش میں تو ہو خرم۔ پرائی بچی پر ایسا الزام لگاتے ہوئے شرم نہیں آتی؟“ رفیعہ بیگم کو جھٹکا لگا تھا۔ انہوں نے خشمگیں نظروں سے اسے گھورا۔

”پرائی کب ہے۔ میں تو اسے اپنی اپنی سمجھتا ہوں۔“ وہ تپائی سے اٹھا۔ یہ جملہ اس نے سرگوشیانہ انداز میں پلوشہ کی طرف جھک کر کہا تھا۔ وہ بدک کر پیچھے ہٹ گئی۔

”کیا چرایا ہے اس بچی نے تمہارا؟ ناحق فضول مذاق کرتے ہو۔ وشی، تم اس کی بات کا برا مت ماننا، اس بیہودہ لڑکے کی تو عادت ہے اول فول بکنے کی۔ بس ہانکتا رہتا ہے الٹی سیدھی۔“

”تو سیدھی سیدھی کیسے ہانکی جاتی ہے دادی جان۔ ویسے سچ کہہ رہا ہوں، یہ آپ کے پاندان سے چھالیہ چرا رہی تھی۔“ وہ ان کے بیڈ پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور پاندان میں جھانکنے لگا۔ پلوشہ اسے گھور کر رہ گئی۔

”ظالم نظروں سے تم نہ مجھ کو دیکھو
مر جاؤں گا
او جانِ جاناں مر جاؤں گا“

وہ ہلکے سے گنگنایا تو پلوشہ مارے خجالت کے جلدی سے نظروں کا زاویہ بدل کر باتھ روم کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ ”میں بھی وضو کرلوں آنٹی۔ مغرب تو ہونے والی ہے۔“

”ہاں ہاں، ضرور۔ اور اُٹھو، تم بھی وضو کرو۔“ رفیعہ بیگم نے خرم کو ایک ہاتھ جڑ دیا۔ ”ابھی نماز کے نام پر تمہیں نیند آنے لگے گی یا پھر سو کام یاد آ جائیں گے۔ پتہ نہیں یہ نئی نسل کیسے نماز کی چور ہوگئی ہے۔ چلو اٹھو۔“

”فی الحال مجھے نہ نیند آ رہی ہے نہ کام یاد آ رہا ہے بلکہ علامہ اقبال کا ایک شعر یاد آ رہا ہے دادی جان۔ آپ اجازت دیں تو سناؤں؟“ وہ سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے باادب ہو کر بولا۔

پلوشہ باتھ روم کے دروازے پر ٹھہر گئی اور مسکرا کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ بظاہر اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی مگر آنکھوں اور لبوں کی تراش میں شرارت سی کھیل رہی تھی۔ علامہ اقبال کے نام پر رفیعہ بیگم کو بھی دلچسپی ہوگئی۔ انہوں نے سر ہلا کر گویا اجازت دے دی۔

جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا، تجھے کیا ملے گا نماز میں

یہ کہہ کر خرم نے ایک جست لگائی اور بیڈ سے اترا۔ دوسرے پل وہ کمرے سے باہر تھا۔

”دیکھا اس ناہنجار کو، چکمہ دے گیا نا۔“ رفیعہ بیگم ایک ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئیں۔ پلوشہ اپنی امڈنے والی ہنسی چھپانے کو جلدی سے باتھ روم میں جا گھسی۔

⁂☆⁂

وہ لالہ رخ اور روشانہ کو ان کی مطلوبہ مارکیٹ پر ڈراپ کر کے خود بے مقصد سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا رہا۔ ایک اضطراب تھا جو اسے چین نہیں لینے دے رہا تھا۔ غصہ اترا تو اسے اپنے رویوں کی بے مہری کا احساس ستانے لگا۔ پہلے ہی وہ پچھتاوے کی آگ میں جل رہا تھا۔ لالہ رخ کا گھر ٹوٹنے کا ذمہ دار اپنے آپ کو سمجھ رہا تھا اور اب مصطفیٰ خان کو مایوس کر کے اس نے اپنی اذیت میں گویا اضافہ کرلیا تھا۔

چاہنے اور چاہے جانے کے احساس سے کون نکل سکا ہے بھلا۔ یہ جذبہ ہر دل میں کسی نہ کسی وقت ابھرتا ہے تو اس کا رستہ کوئی نہیں روک سکتا۔ جس طرح ابھرنے والے مہتاب کا رستہ کوئی نہیں روک سکتا۔

مصطفیٰ خان کے اندر صرف چاہنے کی نہیں پانے کی طلب بھی تھی۔ اور یہی جذبہ اسے کشاں کشاں پھر ادھر لے آیا تھا۔ اگر ایسا ہی تھا تو یہ کوئی ایسی معیوب بات بھی نہ تھی۔ ایسی ظالمانہ خواہش بھی نہ تھی۔

بے شک وہ خود محبت کے ذائقے، اس کے لمس سے نا آشنا تھا مگر اس نے اس کی آنکھوں میں محبت کے سرسراتے رنگ دیکھے تھے جو دھیمی دھیمی آگ کی طرح چاہنے والے کے اندر جلتی رہتی ہے، اسے سلگائے رکھتی ہے، نہ شعلہ بنتی ہے نہ دھواں بن کر ختم ہوتی ہے۔ دھیرے دھیرے جلتی آگ جو منزل کی خواہش میں مسافر کو آہستہ آہستہ راکھ کر دیتی ہے۔

اس نے گاڑی ریورس کر کے فل اسپیڈ پر چھوڑ دی۔ سڑکیں بھی آج اسے اپنے دل کی طرح ویران اور سنسان دکھائی دے رہی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا پورا شہر اُداس اور ویران ہو کر رہ گیا ہو۔ مگر ایسا نہیں تھا۔ یہ محض اس کے اپنے دل کی کیفیت تھی جو اسے ہر شے پر چھائی محسوس ہو رہی تھی۔ زندگی یونہی ہمک رہی تھی۔ وہی روٹین، اسی لے پر چل رہی تھی۔

کسی ایک پھول کے مرجھانے سے جس طرح چمن کی رونق ماند نہیں پڑتی اسی طرح ایک دیا کے بجھ جانے سے دنیا کی روشنی میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ ہاں دل کا بجھنا، جلنا اس کے اپنے چاہنے والوں پر ضرور اثر انداز ہوتا ہے۔

وہ لالہ رخ کے بتائے ہوئے وقت پر انہیں مارکیٹ سے پک کرنے چلا آیا اور ابھی پارکنگ ایریا میں گاڑی روکی ہی تھی کہ روشانہ بدحواس سی بھاگتی چلی آئی۔

''کب سے انتظار کر رہی ہوں آپ کا۔ حمزہ جانے کہاں گم ہو گیا ہے۔ لالی اُسے ڈھونڈنے گئی ہیں۔ آدھا گھنٹہ ہو گیا ہے مگر ان کا بھی پتہ نہیں ہے۔'' اتنا کہہ کر اس نے اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر یقیناً سسکیاں دبائی تھیں۔

اردگرد کے لوگوں کی موجودگی کے احساس نے اسے اس اقدام سے باز رکھا تھا یا پھر طلال سے اجنبیت کا لاشعوری احساس...... وگرنہ اسے دیکھ کر اسے اپنے آپ پر ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

اجنبی شہر، اجنبی ڈگر، اجنبی لوگ...... اور اس پر ایسی افتاد۔

اس خبر نے طلال کے حواس بھی گم کر ڈالے۔ وہ گاڑی سے تیر کی طرح اترا تھا۔

''کہاں...... کیسے چلا گیا وہ؟ تم دونوں کیا کر رہی تھیں؟'' اس نے حیرت اور صدمے سے اسے گھورا۔

''ہم دونوں اس بک شاپ میں تھے، وہ بھی ہمارے پاس ہی کھڑا تھا۔ مگر پلٹ کر جب دیکھا تو وہ شاپ میں نہیں تھا۔ لالی نے مجھے یہاں کھڑا کیا اور خود اسے ڈھونڈنے چلی گئی ہیں۔'' وہ اپنی مرتعش آواز کو بمشکل قابو کر پا رہی تھی۔

''مائی گاڈ! کس قدر غیر ذمہ دار ہو تم دونوں۔'' طلال کے اعصاب بری طرح متاثر ہوئے تھے۔ تاہم اس نے جلدی سے اپنا غصہ اور حواس سنبھالے اور بولا۔ ''او کے، تم گاڑی میں بیٹھو، میں دیکھتا ہوں۔''

''مم...... مگر میں یہاں اکیلے۔'' اس نے کچھ کہنا چاہا مگر جواباً تیز اور چبھتی نظروں پر سٹپٹا کر اپنا خوف اپنے ہی اندر اتار کر سر جھکا لیا اور گاڑی میں آ کر بیٹھ گئی۔

خوف اور وحشت اس کی رگوں میں پھیل گئی تھی۔ بہت سا رونے کے باوجود آنسو جیسے ٹھٹھر سے گئے تھے۔ کوئی پندرہ بیس منٹ کے بعد طلال کو اکیلے واپس آتا دیکھ کر اس کا دل سینے کی اتھاہ گہرائی میں خوف سے ڈوب کر رہ گیا۔

''کک...... کیا ہوا؟ لالی کا کچھ پتہ چلا؟ اور حمزہ؟''

''کہاں جا سکتا ہے حمزہ۔ اور لالی کتنی بے وقوف، احمق عورت ہے کہ بجائے مجھے موبائل پر کنٹیکٹ کرنے کے خود نکل پڑی۔'' اس نے اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ پوری طاقت سے بند کیا اور گاڑی اسٹارٹ کر کے زناٹے سے ریورس کرتے ہوئے پارکنگ لاٹ سے نکال لی۔

''اب......'' خوف سے ٹھٹھرے اعصاب کے ساتھ وہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''اب یہ کہ سر دھنتے ہیں بیٹھ کر۔'' اس نے اس کی طرف دیکھا اور ایک ٹھنڈی سانس بھری جیسے اس کی عقل پر ماتم کیا ہو۔

''ظاہر ہے ڈھونڈیں گے۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے سے تو رہے۔''

اس نے جھینپ کر نظریں ونڈ اسکرین پر کر لیں۔

''سمجھ میں نہیں آتا کہ حمزہ کیسے نکل گیا۔ کیا وہاں کتابیں مفت بٹ رہی تھیں کہ اس قدر غافل ہو گئیں تم دونوں، ایک بچہ تک سنبھل نہیں سکا دو عورتوں سے؟'' وہ شاید بری طرح پراگندہ ذہن ہو رہا تھا اور بدقسمتی سے وہی سامنے تھی، سو سارا غصہ اسی پر نکل رہا تھا۔

وہ گاڑی مختلف سڑکوں، گلیوں پر بھگا رہا تھا کہ کوئی نشان مل جائے۔ روک کر ہر کسی سے پوچھ گچھ بھی کر رہا تھا۔

پھر تھک کر سڑک کے ایک کنارے اس نے گاڑی روک دی اور سخت بے بسی کے عالم میں اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارا۔

اسی پل اس کی جیب میں رکھے موبائل کی بیپ ہوئی۔ روشانہ کا دل حلق میں آ کر زور زور سے دھڑکنے لگا۔ ایک موہوم سی امید کے سہارے اس نے موبائل کو دیکھا۔

''شاید کوئی اچھی خبر۔'' اب تو دل بیٹھا جا رہا تھا اور اس پر اس شخص کا سنگِ ملامت مسلسل برس رہا تھا، گویا وہی قصور وار ہو۔

دوسری طرف لالہ رخ تھی جو حمزہ کے مل جانے کی نوید سنا رہی تھی۔ طلال کے لبوں سے بے ساختہ ایک پُرسکون سانس خارج ہو گئی۔ اس نے ایک پل کے لئے آنکھیں میچ لیں اور خود کو سیٹ کی بیک پر ڈھیلا چھوڑتے ہوئے موبائل سانس روکے بیٹھی روشانہ کو تھما دیا۔

لالہ رخ اسے تفصیل بتانے لگی کہ حمزہ کو پولیس نے قریبی تھانے میں لا کر بٹھا دیا تھا۔ وہ روتا ہوا انہیں سڑک سے ملا تھا اور حسن اتفاق سے حمزہ کو گھر کا ٹیلی فون نمبر یاد تھا۔ اس طرح گھر پر فون کیا گیا۔ خرم نے ہی فون ریسیو کیا تھا اور فوراً تھانے پہنچا، جبکہ وہ خود مارکیٹ میں چکراتی پھر رہی تھی کہ کسی نے اسے بتایا کہ حمزہ کو ایک پولیس وین اپنے ساتھ لے گئی ہے۔ وہ تھانے پہنچی تو حمزہ اور خرم دونوں ہی موجود تھے اور وہ خرم کے ہمراہ ہی گھر چلی گئی۔

''سوری روشی! بدحواسی میں خیال ہی نہیں رہا کہ میں تمہیں وہاں چھوڑ آئی ہوں۔ شکر ہے طلال پہنچ تو گیا۔'' وہ معذرت کرنے لگی اور پھر روشانہ نے موبائل ایک طرف ڈال دیا اور دونوں ہاتھوں میں منہ ڈھانپ کر رو پڑی۔

جانے کب کا رُکا ہوا ریلا یکلخت بند توڑ کر بہہ نکلا تھا۔ اسے مطلق پرواہ نہیں تھی کہ وہ

پبلک پلیس میں ہے اور یہ کہ اس شخص کا ردعمل کیا ہوتا ہے اس کے رونے پر...... اسے تو بری
رونا آئے جا رہا تھا۔ حمزہ کے مل جانے کی خوشی اور گھنٹہ بھر کی تھکن نے یکلخت ہی غلبہ پا لیا تھا
اس پر۔

طلال نے سیٹ کی بیک سے ٹیک لگائے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ ایک
مسکراہٹ بے ساختہ ہی اس کے لبوں کی تراش کو چھوگئی۔ تاہم بے حد سنجیدگی سے وہ اس کی
طرف جھکا۔

"آئی ایم سوری۔ دراصل میں خود بھی بہت ٹینشن میں آ گیا تھا۔" اس کے لہجے میں حقیقی
ندامت تھی۔ اسے احساس تھا کہ وہ حمزہ کی گمشدگی کی اذیت کے ساتھ ساتھ اس کے رویوں
پر بھی بری طرح ہرٹ ہوئی ہے۔

"روشانہ!" اس نے نرمی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور اس کا چہرہ اٹھایا۔

خوشنما آنکھوں سے لڑیوں کی طرح بہتے آنسو

لال چہرہ

عجیب پگھلا دینے والی صورت حال تھی۔ اس کے دل پر ضرب سی پڑی۔ اس نے گھبرا کر
جلدی سے نگاہوں کا زاویہ بدل لیا اور بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ونڈ اسکرین کو گھورنے لگا۔

"اگر حمزہ کو کچھ ہو جاتا تو لالی کیسے زندہ رہتیں؟" وہ لب کچلتی دل گرفتگی سے بولی۔

"شاید میں خود کو کبھی معاف نہ کرتی۔ میری ہی غلطی تھی۔ میں نے حمزہ کا ہاتھ بے خیالی
میں چھوڑ دیا تھا۔" بہت سا رونے کے بعد وہ قدرے سنبھل گئی تھی۔

"چلو، اب تو پتہ چل گیا نا کہ ہاتھ پکڑ کر چھوڑ دینے سے کس اذیت سے گزرنا پڑتا
ہے۔" اس نے ٹشو باکس سے ٹشو نکال کر اس کی گود میں ڈالتے ہوئے ہلکی مسکراہٹ کے
ساتھ اسے دیکھا۔

"میرا مطلب ہے مجھے حمزہ کا ہاتھ نہیں چھوڑنا چاہئے تھا۔" وہ سٹپٹا کر وضاحت کرنے لگی
اور سر جھکا کر ٹشو سے ناک رگڑنے لگی۔ پتہ نہیں ذو معنی سے جملے نے اسے خجل کیا تھا یا اس
کی مسکراہٹ نے۔

وہ گاڑی ایک کولڈ اسپاٹ کے سامنے روک کر دو کولڈ ڈرنک منگوانے لگا۔

"میرا خیال ہے اس وقت تمہیں بھی کسی ٹھنڈے مشروب کی ضرورت ہے۔" وہ یکسر
بدلے ہوئے روپ میں دکھائی دے رہا تھا۔ لالہ رخ کے فون نے اسے بے حد ریلیکس کر دیا
تھا یا پھر وہ اپنے رویئے کی تلافی کی کوشش کر رہا تھا۔

"شکریہ، مجھے کسی بھی مشروب کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ رکھائی سے کہہ کر منہ پھیر کر
کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ وہ جلد از جلد گھر پہنچنا چاہتی تھی۔ اس کا دل اب تک بھرا ہوا تھا
مگر وہ ایک آنسو بھی اب اس شخص کی موجودگی میں بہانا نہیں چاہتی تھی۔

طلال کے لبوں کی تراش میں بے ساختہ مسکراہٹ جھلک کر معدوم ہوئی تھی۔

"اوکے، مگر مجھے تو اس کی ضرورت ہے۔ میں شدید پیاس کی حالت میں ڈرائیونگ نہیں
کر سکتا۔" اس نے قریب آتے لڑکے کے ہاتھ سے کولڈ ڈرنک لے لی اور اس کے بڑے
بڑے گھونٹ بھرنے لگا۔

وہ اس کی بے مہری پر کٹ کر رہ گئی۔

کولڈ ڈرنک کے سپ لیتا ہوا وہ اسے سخت زہر لگا۔ اس کے حلق کے کانٹے یکایک پیاس
کی شدت سے اور زیادہ چبھنے لگے تھے۔

کیا ہو جاتا جو وہ تھوڑا اصرار ہی کر لیتا۔

اپنی انا کے ہاتھوں، مارے بندھے وہ چپ بیٹھی رہی اور دل ہی دل میں اسے کوستی رہی۔

گھر پہنچی تو سب لونگ روم میں ہی ڈیرہ ڈالے ہوئے تھے۔

لالہ رخ شدت سے روشانہ کی منتظر تھی۔ اسے دیکھتے ہی اس کی طرف لپکی اور اسے اپنے
بازو کے گھیرے میں لے لیا۔

پریشان بال، آنسو آنکھ میں، اُتری ہوئی صورت
نصیب دشمناں ایسے میں آئے ہو کہاں ہو کر

خرم معنی خیز انداز میں کھنکارا اور روشانہ کو ایک نظر دیکھا جو اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔

"میرے اندازے کے مطابق تو آپ کو دس منٹ پہلے ہی آ جانا چاہئے تھا چاچو!" اس
نے شرارت سے طلال کی طرف رخ کیا جو لونگ روم میں ہی داخل ہوا تھا۔ اس نے تیوری
چڑھا کر اسے دیکھا تو خرم زور سے ہنس دیا۔

"خیر ہو جاتا ہے ایسا۔ آخر لیڈیز کے آنسو پونچھنے میں دس پندرہ منٹ تو لگ ہی جاتے
ہیں۔" اس نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچی۔

"تمہیں اچھی طرح پتہ ہے مجھے آنسو پونچھنے کا کوئی خاص تجربہ نہیں ہے۔" وہ ایک سنگل
صوفے پر بیٹھ گیا اور اس کی بیک پر خود کو ڈھیلا چھوڑ کر آنکھیں بند کر لیں۔

"سوری طلال! میری وجہ سے تم اتنے پریشان ہوئے بلکہ تم دونوں۔" لالہ رخ اس کے
نزدیک چلی آئی۔

"بس کچھ اس طرح حمزہ نے جان نکال کر رکھ دی کہ میری تو عقل بھی سلب ہو کر رہ گئی تھی۔"

"آپ عورتوں کی عقل سروں میں ہوتی ہی کب ہے کہ سلب ہو۔" خرم نے کشن سر کے نیچے رکھتے ہوئے قہقہہ لگایا۔

"ہاں بھئی، ساری عقل تو خرم صاحب نے اپنے ڈیڑھ من کے سر میں ڈلوا لی ہے۔ کسی کے لئے بچی ہی نہیں۔" مہ وش سے رہا نہ گیا تو وہ چیخ کر بولی۔

"کم از کم تمہارے لئے تو بالکل نہیں بچی تھی۔" خرم نے افسوس سے سر ہلایا تو ایک زبردست قہقہہ پڑا۔ مہ وش نے جل کر اس کے سر کے نیچے سے کشن کھینچ لیا۔ نتیجتاً اس کا سر کھٹ سے قالین سے ٹکرایا۔ اس سے پہلے کہ ان دونوں کے درمیان مزید معرکہ آرائی ہوتی، رفیعہ بیگم اور آمنہ بیگم کے آجانے پر خرم نے اسے صرف گھورنے پر اکتفا کیا۔

***

"تم جاگ رہے ہو مصطفیٰ؟" مورے نے اس کے کمرے کے کھلے دروازے سے جھانکا۔

"ہاں، آجایئے مورے۔" وہ صوفے پر آڑھا ترچھا لیٹا تھا، ان کی آواز پر سیدھا ہو گیا۔

مورے اس کے چہرے پر بکھرنے والے تکلیف دہ رنگ کو محسوس کر کے دُکھی سی ہو گئیں۔

"تم نے فون پر بتایا تھا کہ ایک ہفتہ اور رہو گے ملتان۔ اور یہ بھی کہا تھا کہ وہاں سے آ کر مجھے ایک اچھی سی خبر دو گے کہ......"

"مورے! کچھ بتانے کو نہیں ہے میرے پاس۔ جو کہا تھا اسے بھول جایئے۔" وہ کرتے کا دامن جھاڑتا ہوا صوفے سے کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں کی سطح پر ایسا سکوت تھا جیسے ڈھلتی شام میں صحرا پر سناٹا۔ "بس یوں سمجھ لیجئے کہ میں نے ایک سراب کا پیچھا کیا تھا، ایک سائے کے پیچھے بھاگا تھا جو میرا اپنا ہی تھا اور اپنا سایہ بھی کب ساتھ دیتا ہے مورے۔" وہ مجروح انداز میں ہنس دیا اور کمپیوٹر کی میز پر آ کر کی بورڈ پر اپنی انگلیاں پھیرنے لگا۔

مورے کرب آمیز تحیر سے اس کی طرف دیکھتی رہ گئیں۔ وہ تو ایک آس میں بیٹھی تھیں، ایک اُمید میں پھر جی اٹھی تھیں۔ فون پر اُن سے بات کرتے ہوئے اس نے کھنک دار آواز میں کہا تھا۔

"مورے! ایسا لگتا ہے میرے اندر بہت سے جگنو جگمگانے لگے ہیں۔ مجھے اپنا آپ روشن ہوتا محسوس ہو رہا ہے۔ شاید یہ اُمید کا اُجالا ہے۔ اُمید جو زندگی بخشتی ہے، روح کو زندہ رکھتی ہے، احساسات اور جذبوں میں تیل ڈالتی رہتی ہے۔"

اس دھچکے نے مورے کو کچھ دیر کے لئے بالکل گم صم کر کے رکھ دیا تھا۔

"کتنی عجیب بات ہے مورے۔ ہم دنیا کو بدلنا چاہتے ہیں، اس کے نظام میں تبدیلیاں لانے کے جتن کرتے ہیں، چاند سورج پر دسترس چاہتے ہیں مگر اپنے ہی جسم میں دھڑکتے اس چھوٹے سے کھلونے جیسے دل پر دسترس نہیں پا سکتے۔"

اس کے لبوں پر پھیلی افسردہ مسکراہٹ میں قدرے استہزائیہ مسکراہٹ کا رنگ بھی شامل ہو گیا جیسے خود پر ہنس رہا ہو۔ مگر یہ مسکراہٹ چند لمحے بعد بکھر گئی۔ دل سے اٹھنے والے درد کی

کسی لہر نے اسے کاٹ ڈالا تھا۔

''جب وقت اور حالات ہمارے بس میں نہ رہیں تو کہنے والے ٹھیک کہتے ہیں، ہمیں خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دینا چاہئے۔ کبھی تو حالات ہمارے بس میں ہوں گے۔'' مورے کے ہاتھوں کے محبت آمیز لمس نے اس کے چہرے کا تناؤ ڈھیلا کر دیا۔ اس نے چونکتے ہوئے افسردگی کے سحر سے جیسے خود کو آزاد کرتے ہوئے ایک گہری سانس کھینچی اور سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔

''ہاں مورے، میں بھی اکثر سوچتا ہوں کہ ہم زندگی کو بالکل سادہ انداز میں کیوں نہیں لیتے۔ ان سمجھدار، مطمئن اور قانع لوگوں کی طرح، حالات کے دھارے پر بہتے ہوئے لوگوں کی طرح۔ کتنی کم عقلی کی بات ہے کہ ہمارے اس طرح رہنے سے زندگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہے نا۔'' اس نے تائید چاہی پھر یکدم ہنس دیا۔ پھر نرمی سے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر تھپتھپاتے ہوئے بولا۔ ''آپ ابھی تک کیوں جاگ رہی ہیں؟ طبیعت خراب ہو جائے گی۔''

''تم بھی تو جاگ رہے تھے، بھلا مجھے کیسے نیند آتی۔'' مورے کے چہرے کی سفیدی میں یکلخت بہت اُداسی اور ویرانی سی اُتر آئی تھی۔ وہ نظریں چرا گیا۔

''اب بڑھاپے میں وہ نیندیں کہاں رہتی ہیں۔ آ جائے تو آ جائے، نہیں آتی تو سونے کی ہزار کوشش سے بھی نہیں آتی۔''

''آپ پلز لے لیا کریں نا۔ چلئے، کمرے میں چلئے۔'' وہ انہیں تھام کر ان کے بیڈروم میں لے آیا۔

''مصطفیٰ تمہارے آکا جان بہت بیمار رہنے لگے ہیں۔'' مورے اپنے بستر پر آتے ہوئے دل گرفتگی سے بولیں تو شیشی سے سلیپنگ پلز نکالتے ہوئے اس کا ہاتھ ایک پل کو ٹھٹکا۔ اس نے مورے کی طرف دیکھا پھر گولی ان کی طرف بڑھا دی۔

''ہاں، انہیں اب آرام کی ضرورت ہے۔ میں نے ان سے کہا بھی ہے کہ وہ اب زمینوں پر نہ جایا کریں۔ شہباز سمجھدار بھی ہے، ذمے دار بھی۔ ان کو اب کیا فکر کرنی ہے۔''

''انہیں اور مجھے تو ایک ہی بیماری ہے مصطفیٰ۔'' مورے نے آہستہ آواز میں کہا اور نڈھال سے انداز میں تکیے پر سر ڈال دیا۔

''احساسِ جرم کی چبھن ہمیں چین نہیں لینے دیتی۔'' آنسو یکدم ان کی آنکھوں سے اُبلنے لگے۔ ''ہمیں تمہاری زندگی سے کھلنے کا کوئی حق نہیں تھا مصطفیٰ! ہم نے تمہیں اجاڑ دیا۔ بکھیر دیا

تمہیں۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئیں اور دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر رونے لگیں۔

''مورے! آپ اگر ایسا سوچ رہی ہیں تو غلط سوچ رہی ہیں۔'' وہ حیران ہوا۔ پھر افسردہ ہو کر ان کے نزدیک بیٹھ گیا۔

''تم نے تو کبھی بچپن سے کوئی ضد نہیں کی، کوئی فرمائش نہیں کی۔ زندگی میں پہلی بار مجھ سے کچھ مانگا۔ مگر وہ بھی میں تمہیں نہ دے سکی۔ تمہیں اپنے فیصلے کی بھینٹ چڑھا دیا۔ تمہیں بالکل خالی ہاتھ اور خالی دامن کر دیا۔'' مورے کے آنسو اس کے دل کو اذیت دے رہے تھے۔ وہ انہیں چپ کرانے لگا۔ تب آکا جان کی آواز اُبھری وہ اسٹک کا سہارا لئے دروازے پر جانے کب آ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

''انہیں رو لینے دو مصطفیٰ۔ درد اور کرب کو آنسو بن کر بہنے دینا چاہئے ورنہ یہ آگ بن کر اندر ہی اندر سب کچھ خاکستر کر دیتے ہیں۔ آدمی کو راکھ کا ڈھیر بنا دیتے ہیں۔''

ان کا سرخ و سپید باریش چہرہ اتنا ویران اور کھنڈر دکھائی دے رہا تھا کہ مصطفیٰ کے دل پر چوٹ سی لگی۔ اسے تو کبھی بھی اپنے ان شفیق بزرگوں سے شکایت نہ ہوئی تھی۔

''آپ لوگ آخر اس طرح کیوں سوچ رہے ہیں آکا جان۔ میں نے بہ خدا ایک لمحے بھی آپ لوگوں کو قصور وار نہیں گردانا۔ بھلا کوئی کسی کی زندگی کو اجاڑنے اور بنانے پر کب قادر ہے۔'' اسے اپنے اعصاب بری طرح منتشر ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔

''ذیشانہ سے شادی آپ کا نہیں، تقدیر کا فیصلہ تھا اور میں ذیشانہ سے شادی کر کے کبھی نہیں پچھتایا بلکہ دُکھ اور پچھتاوا تو مجھے اس بات پر ہے کہ میں اس کے لئے کچھ نہ کر سکا، اسے کوئی خوشی نہ دے سکا۔ اس کی مختصر زندگی میں کوئی رنگ نہ بھر سکا۔'' اس نے آکا جان کو نرمی سے تھاما اور ان کے کندھے پر اپنا مضبوط ہاتھ پھیلا لیا۔ ''ہر باپ اپنی بیٹی کی خوشیوں کا متمنی ہوتا ہے۔ یہ اس کی محبت کی انتہا ہی تو ہے۔''

''ہاں، محبت کی انتہا ہی آدمی کو خودغرض بنا ڈالتی ہے۔'' ایک افسردہ سانس آکا جان کے کھنڈر سینے کی تہ سے نکل گئی۔ وہ پلٹ کر وہاں سے چلے گئے۔

اُس نے دُکھ کے گہرے احساس کے ساتھ انہیں جاتے دیکھا۔ پھر اس نے مورے کو پانی پلایا اور بستر پر لٹا کر ان کے پیروں تک کمبل کھینچ کر سیدھا ہوا تو انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''مجھے ایک بار اس لڑکی سے ملوا دو مصطفیٰ! میں اس کے قدموں میں بیٹھ جاؤں گی، اس کے پیر پکڑ کر تمہارے لئے بھیک مانگ لوں گی۔'' ان کی آواز میں ایسی ٹوٹ پھوٹ تھی کہ

مصطفیٰ خان کا دل سینے میں پھڑکنے لگا۔ اسے ایک پل کے لئے کھڑا رہنا دوبھر لگنے لگا۔ کرب آمیز بے چارگی نے اس کے لب بھینچ لئے۔

مورے اُسے التجا آمیز نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ اس کی مضبوط کلائی پر ان کی کمزور گرفت بدستور تھی۔ ان کی انگلیاں کانپ رہی تھیں۔ اس کے دل کے صحرا میں ریت اُڑنے لگی، آنکھوں کی سرد جھیلوں پر دھند چھا گئی۔ پھر ایک گہری سانس کھینچ کر اس نے اپنے اعصاب کو ڈھیلا چھوڑ دیا اور نرمی سے ان کا ہاتھ تھپتھپا کر بستر پر رکھ کر کمرے سے باہر نکل آیا۔

پھر وہ لان میں چلا آیا۔ کین کی بھیگی کرسی پر بیٹھ کر خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ اُسے لگا اُس نے اپنے دل کی جھیل کو بڑی مشکل سے سنبھالا تھا مگر مورے نے پتھر پھینک کر جیسے اسے ایک بار پھر منتشر کر دیا ہو۔

وہ انہیں کیا بتاتا کہ مسرت کسی خوشگوار منظر کی طرح اس کے وجود کے سامنے پھیلی دکھائی دی تھی۔ مگر باوجود چاہنے کے وہ ہاتھ تک نہ بڑھا سکا تھا اور پیاسا ہی لوٹ آیا تھا۔ یکطرفہ سی میں مزاحمت اور نبرد آزمائی کی ساری طاقت ایک ٹھوکر سے بکھر کر رہ جاتی ہے۔

اُس نے کرسی کی بیک پر سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں اور خود سے، ان سوچوں سے، ان منتشر دائروں سے نجات پانے کی کوشش کرنے لگا۔

⁕☆⁕

خرم کی سالگرہ تھی۔ وہ صبح سے سب کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔

''دیکھو، گفٹ بہت اچھا سا ہونا چاہئے۔''

''کیوں گفٹ اچھا ہونا چاہئے؟'' مہ وش نے تنک کر اسے گھورا۔ ''میں تو بھئی تمہیں چیونگم کا پیکٹ ہی دے سکتی ہوں۔ اس سے زیادہ میری جیب نہیں سہار سکتی۔''

''تو پھر شام کو کسی اچھے سے ریسٹورنٹ میں کھلانے کی بجائے میں گھر پر آلو چھولے بنا کر تم لوگوں کو کھلا دوں گا بلکہ صرف بتاشے ہی بانٹ دوں گا۔'' وہ برا سا منہ بنا کر کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ سب کی ہنسی بکھر گئی۔

''چلو، یہ تو اور اچھا ہو گا، ہم چیونگم کے خرچے سے بھی بچ جائیں گے۔ کیوں عادل؟'' نازش نے تشکر بھری سانس کھینچی۔

''دیکھا تم لوگوں نے۔ کس قدر کنجوس قسم کے لوگ ہیں ہمارے گھر کے افراد۔'' وہ روشانہ اور پلوشہ سے مخاطب ہوا۔ مگر مطلق کسی پر اثر نہ ہوا۔ نازش کندھے اچکا کر رہ گئی۔

''یہ مانگ کر گفٹ لینے کی کیا تک ہے خرم بھائی؟'' پلوشہ ہنستے ہوئے بولی۔

''ظاہر ہے، جب لوگوں کو خود خیال نہ ہو گا تو احساس تو دلانا ہی پڑتا ہے نا۔'' خرم نے جواباً ٹھنڈی سانس کھینچی۔ پھر لونگ روم میں داخل ہوتے طلال کو دیکھا اور آہستگی سے بولا۔ ''یہاں کے لوگ احساس سے عاری جو ہیں، کسی کے نازک جذبات و احساسات کو سمجھتے نہیں ہیں۔'' اس کے انداز میں ہلکی شرارت آمیز مسکراہٹ تھی۔ طلال نے کوئی خاص نوٹس نہیں لیا اور اخبار اٹھا کر ایک سنگل صوفے پر بیٹھ گیا۔

''مانگ کر، چھین کر، آپ اگر حاصل کر بھی لیں گے تو اس میں وہ آسودگی، وہ خوشی تو نہیں ہو سکتی نا۔ چاہے مانگے کا گفٹ ہو، جذبے ہوں یا محبت۔ یہ تو آپ کے کشکول میں پڑے کھوٹے سکے کی طرح ہوتی ہیں۔ ان کا ملنا نہ ملنا ایک ہی بات ہے۔'' روشانہ اس سارے وقت میں پہلی بار بولی۔

خرم نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا تو وہ ہلکے سے مسکرا دی۔ ''کسی کے دل میں آپ کی قدر اور اہمیت کا اندازہ سالگرہ میں شریک لوگوں یا ان کے گفٹس سے تو نہیں لگایا جا سکتا نا۔''

طلال نے اخبار کی اوٹ سے بڑے بے اختیارانہ انداز میں اس کا خوشنما چہرہ دیکھا تھا۔ اس کے جملوں پر اس کا ذہن اس طرح منتشر ہوا تھا جیسے تیز ہوا میں یکدم کھل جانے والی کھڑکی کمرے میں موجود ہر شے کو تتر بتر کر دے۔ ایک ہلکی سی سانس کھینچ کر اس نے دوبارہ نظریں اخبار پر مرکوز کر دیں مگر کھل جانے والی کھڑکی نے جو پراگندگی پھیلائی تھی، اسے سمیٹنے میں چند لمحے تو لگنے تھے۔

''بھئی کیوں بچے کو تنگ کر رہے ہو تم لوگ۔ میرا تو خیال ہے چندہ جمع کر کے اسے بڑا سا ڈائنو سار خرید دیتے ہیں۔ بچہ بہل جائے گا۔'' روبی بھابی اپنے تئیں خرم کو پچکارنے لگیں۔

''آخر سال میں ایک دفعہ ہی تو ایسا مطالبہ ہوتا ہے اور یہ کوئی اتنا ناجائز بھی نہیں۔ کیوں لالی؟'' سب کی ہنسی بکھر گئی۔ جس میں پلوشہ کی آواز سب سے اونچی، تیز اور پُر جوش تھی۔ خرم نے گھور کر اسے دیکھا تو وہ کچھ کھسیا کر منہ پر ہاتھ رکھ گئی۔

''خرم! پھر بتاشے تو کھلا رہے ہو نا؟'' اسے کمرے سے نکلتے دیکھ کر مہ وش نے ہانک لگائی۔

''تمہارے لئے تو بتاشے بھی نہیں ہیں۔'' اس نے جاتے جاتے کشن اٹھا کر اسے کھینچ مارا۔

''لگتا ہے خرم بھائی ناراض ہو گئے ہیں۔'' پلوشہ، خرم کے جانے کے بعد مہ وش سے بولی۔

''تو ہونے دو۔'' مہ وش بے پروائی سے کہتی چائے کے خالی مگ سمیٹنے لگی تھی۔ پھر پلوشہ

کے چہرے کی طرف دیکھ کر ہنس پڑی۔

"کوئی ناراض واراض نہیں ہوا۔ آخر اسے رات کو تحفے بھی تو وصول کرنے ہیں ہم سے۔" اس کی بات نے پلوشہ کو حیران کیا اور یہ حیرانی اس وقت سوا ہوگئی جب ڈھلتی شام لوازمات سے لدا پھندا گھر آیا اور ادھر لالہ رخ کے ساتھ مل کر مہ وش اور نازش نے ڈائننگ روم اور سٹنگ روم کو خوبصورتی سے ارینج کیا۔ پھر خرم کے تحفے نکال کر ٹیبل پر سجا دیے۔

طلال نے اسے بے حد قیمتی رسٹ واچ دی تھی۔

جاذب اور روبی بھابی نے اسے کفلنگ کا سیٹ دیا تھا۔ جبکہ نازش، مہ وش نے بڑے پیار کے ساتھ اسے شرٹ پینٹ گفٹ کیا تھا۔ لالہ رخ نے اس کے لئے کچھ سی ڈیز اور کتابوں کا سیٹ دیا تھا۔ عادل اور ثاقب نے مل کر اس کی پسندیدہ پرفیومز دی تھیں۔

روشانہ نے بے حد خوبصورت قلم کا سیٹ دیا تھا۔ حسنہ آپا نے کارڈ اور بوکے، کے ساتھ چٹ بھیجی تھی کہ "گفٹ ادھار رہا" ان کے شوہر کی طبیعت ناساز تھی جس کی وجہ سے وہ آ نہیں سکی تھیں۔ ایک پلوشہ ہی رہ گئی تھی جس نے خرم کے لئے کوئی گفٹ نہ لیا تھا اور اب مارے شرمندگی کے مہ وش اور نازش کے سر ہوگئی تھی۔

"تم لوگوں نے مجھے بتایا تک نہیں، میں بھی کچھ لے لیتی۔"

"ضرورت کیا ہے تمہیں کچھ لینے کی۔ تم خود جو شامل ہو۔" نازش نے معنی خیز تبسم سے اسے دیکھا۔ مگر وہ خاک نہ سمجھ پائی۔ جبکہ پانی پیتی روبی بھابی کو اچھو لگ گیا۔

"خرم بھائی تو میرے پیچھے پڑ جائیں گے۔" اُسے خرم کی شرارتوں اور جملوں سے ابھی سے گھبراہٹ ہونے لگی۔

"تم گفٹ دے بھی دو گی، تب بھی وہ تمہارے پیچھے پڑا ہی رہے گا۔" بھابی گلاس رکھ کر اس کی طرف آئیں۔ نیلے رنگ کے سیاہ کڑھائی والے سوٹ میں وہ بہت دلفریب اور نکھری نکھری لگ رہی تھی۔ اس کی چمکتی آنکھوں میں حقیقی گھبراہٹ اور خفت کا رنگ تھا۔

"بھئی خرم! وشی نے تمہارے لئے کوئی گفٹ نہیں لیا اس لئے اس کا گفٹ ادھار رہا۔ کسی اور اچھے موقع پر ادھار چکا دے گی۔"

روبی بھابی خرم کی طرف چلی آئیں جو سٹنگ روم کے قالین پر بیٹھا سارے گفٹس کھول کھول کر دیکھ رہا تھا۔

"اس کی موجودگی ہی میرے لئے کسی گفٹ سے کم نہیں ہے۔" اس نے سر اٹھا کر ایک دل آویز نظر پلوشہ پر ڈالی۔ روبی بھابی بے ساختہ ہنس پڑیں۔ پھر پلوشہ کی طرف دیکھ کر

دبانی۔ "چلو وشی، تمہاری تو چھٹی ہوگئی۔ اب ادھار ودھار چکانے کی بھی ضرورت نہیں رہی۔"

"خیر ادھار تو ادھار ہے۔" خرم جلدی سے بولا۔

"میں کل ہی خرید کر دے دوں گی۔" پلوشہ کچھ اس طرح گھبرا کر بولی کہ خرم کو بے ساختہ امڈنے والی ہنسی دبانی مشکل ہوگئی۔

"خیر اب اتنی جلدی بھی نہیں ہے۔ میں انتظار کر لوں گا۔ مگر گفٹ بے حد انوکھا اور خوبصورت ہونا چاہئے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ایک معنی خیز قسم کی سانس کھینچی تھی۔

"سوچ لو، خوبصورت اور انوکھے گفٹ کے لئے انتظار لمبا بھی ہوسکتا ہے۔" بھابی نے گویا اُسے ڈرایا۔ پھر ہنس کر بولیں۔

"دیکھ لے سوکھی ٹہنیوں کی طرف
یہ نہ پوچھ انتظار کیا شے ہے"

"کچھ خدا کا خوف کریں، کیوں اتنا برا نقشہ کھینچ کر مجھ غریب کو ڈرا رہی ہیں آپ؟" خرم نے مصنوعی گھبراہٹ کے ساتھ جھرجھری لے کر بھابی کو گھورا۔ وہ کھلکھلا پڑیں۔

✵✫✵

رات کو حنا اور آفاق کا فون آیا تھا مری سے۔ وہ دونوں خرم کو اس کی سالگرہ پر وش کر رہے تھے۔ مگر خرم تو مختصراً ہی بات کر سکا۔ اس کے ہاتھ سے ریسیور نازش نے جھپٹا مار کر چھین لیا، پھر مہ وش اور مہ وش سے ثاقب نے۔

"تمہاری واپسی کا کیا پروگرام ہے؟" لالہ رخ نے پوچھا۔

"میں تو آنا چاہ رہی ہوں مگر آنٹی مان کر نہیں دے رہے۔ وہ تو کہہ رہے ہیں ابھی پندرہ دن اور رہیں گے۔"

لالہ رخ نے محسوس کیا حنا کی سوئی جہاں اٹکی ہوئی تھی، وہیں اٹکی ہے اب تک۔ تاہم اس کی آواز کی تازگی اور آفاق کے لہجے کی شگفتگی اور بشاشت نے ان کے خدشے زائل کر دیئے تھے۔

آخر میں طلال نے آفاق سے بات کی اور اس سے اس کے پروگرام کا پوچھا تو اس نے بتایا۔ "میرا تو پروگرام ابھی مزید آوارہ گردی کا ہے۔ مگر یہ تمہاری بھتیجی ہے نا، اس نے ناک میں دم کیا ہوا ہے۔ اسے بڑے بڑے خوشنما پہاڑوں سے ڈر لگتا ہے تو کبھی پانی کو دیکھ کر چکر آ جاتے ہیں۔ جھولوں میں بیٹھنے سے گر جانے کا وہم لاحق رہتا ہے۔ گاڑی میں بیٹھ کر آس پاس کی کھائیوں کا خوف چھایا رہتا ہے۔ اب بتاؤ، میں کیا کروں؟" آفاق کے لہجے میں

شرارت ہمک رہی تھی۔ حنا اس کے ہاتھ سے ریسیور جھپٹنے کی کوشش کرنے لگی تھی۔

"تو تم ایسا کرو کہ اسے ہوٹل کے کمرے میں بند کر کے خود گھومنے پھرنے نکل جایا کرو، ناحق سر دردی کیوں لیتے ہو؟" طلال نے بھی جواباً شرارت سے کہا تھا۔ آفاق کا قہقہہ برجستہ اور بلند تھا۔ پھر اس نے شاید حنا سے کچھ کہا تھا۔ حنا نے اس کے ہاتھ سے ریسیور جھپٹ لیا۔

"چاچو! یہ بالکل جھوٹ بول رہے ہیں۔ ایک فیصد بھی سچ نہیں بول رہے ہیں۔ میں ان کے ساتھ بغیر ڈرے ہر جگہ گئی ہوں، بلکہ ایک دفعہ تو کھائی میں گرتے گرتے بچی ہوں۔"

"چلو اچھا ہوا بچ گئیں۔ ورنہ آفاق کا کیا بھروسہ، وہ تمہیں کسی کھائی وائی میں ڈال کر آ جائے گا۔"

"ہائے چاچو، اب وہ ایسے بھی نہیں ہیں۔ انہوں نے ہی تو مجھے بچایا تھا گرنے سے۔" وہ اس کے مذاق کو سچ سمجھ کر جلدی سے بولی۔ مگر دوسرے پل طلال کے قہقہے نے اسے بُری طرح شرمندہ کر دیا۔ مگر وہیں کہیں دل کے گوشے سے خوشگوار حیرانی نے بھی سر اٹھایا تھا۔ وہ مدتوں بعد طلال کا شفاف تروتازہ قہقہہ سن رہی تھی۔

جب ریسیور دوبارہ لالہ رخ کے ہاتھ میں آیا تو وہ بولی۔ "لالی! کیا چاچو بدل گئے ہیں؟" اس کے لہجے میں عجیب طرح کی بے تابی تھی جیسے طلال کو قہقہے لگاتا دیکھنے کو دل مچل سا گیا ہو۔

"کیا مطلب؟" لالہ رخ سمجھ نہ پائی یا سمجھ کر انجان بن گئی۔

"کچھ نہیں۔" حنا کی ہلکی سی سانس ریسیور میں گونج کر رہ گئی۔ پھر وہ بولی۔ "روشانہ سے بات کرا دیں لالی! روشی مجھے بہت یاد آتی ہے۔ کیا وہ یہیں پر ہے یا واپس چلی گئی ہے؟"

"ابھی تو یہیں ہے۔ میں نے اسے زبردستی باندھ رکھا ہے۔" لالہ رخ نے یہ کہتے ہوئے روشانہ کو ہاتھ کے اشارے سے بلایا۔

"اسے ہمیشہ کے لئے باندھنے کی تدبیر کیجئے لالی۔ اس طرح کام نہیں چلے گا۔" حنا ہنسی۔

"کوشش تو کر رہی ہوں۔ کاش میری دعا قبول ہو جائے۔" ایک بھنچی بھنچی سانس ان کے سینے کی تہ سے نکل گئی۔ پھر ہنس کر جلدی سے بولی۔ "تم بھی دعا کرو نا۔" پھر اس نے ریسیور روشانہ کو تھما دیا۔ اس کی نظریں روشانہ کے مہکتے وجود سے ہوتی طلال پر جا ٹھہریں۔

"لالی! حنا کیا کہہ رہی تھی تم سے۔ وہ خوش تو ہے نا؟" سعدیہ بھابی اس کے نزدیک آ بیٹھیں تو وہ اپنے خیالوں سے چونک کر نکلی۔

"آفاق سے بات ہوئی تمہاری؟" وہ بڑی تشویش سے پوچھ رہی تھیں۔

"ہاں۔ وہ دونوں بہت خوش ہیں اور مزید کچھ دن ٹھہرنے کا پروگرام ہے ان کا۔" لالہ رخ نے انہیں فکرمند دیکھ کر تسلی آمیز انداز میں کہا۔

"کیا کروں، اس لڑکی کی طرف سے فکر ستائے رہتی ہے۔"

"حنا میں ضد اور خودسری نہیں ہے، صرف بچپنا ہے۔ اور آفی بہت سمجھدار ہے۔ وہ حنا کے مزاج کو اچھی طرح سمجھتا ہے۔ آپ کیوں فکر کرتی ہیں؟ لیں، یہ کیک کھائیں۔" اس نے سامنے رکھی ٹیبل سے کیک کی پلیٹ اٹھا کر سعدیہ بھابی کی طرف بڑھائی۔

"ابھی تو اتنا بہت سا اس لڑکے نے زبردستی کھلایا ہے۔" سعدیہ بھابی نے ایک چھوٹا سا پیس اٹھالیا۔ پھر یکدم کسی خیال کے تحت بولیں۔ "لالی! اسد بھائی کی بیٹیاں پیاری ہیں نا؟"

لالہ رخ نے کیک کی پلیٹ واپس ٹیبل پر رکھتے رکھتے بے اختیار ان کی طرف دیکھا اور ان کی نگاہوں کا تعاقب کیا جو روشانہ پر ٹکی تھیں۔ وہ اسے محبت پاش نظروں سے تک رہی تھیں جیسے دور ہی دور سے بلائیں لے رہی ہوں۔ کسی اندرونی خیال کے احساس سے ان کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

"ہاں، دونوں ہی بہت پیاری ہیں۔" اس نے پلیٹ رکھ دی۔

"پتہ ہے لالہ رخ میرا کیا دل چاہتا ہے؟" سعدیہ بھابی نے ٹشو پیپر اٹھا کر انگلیاں پونچھتے ہوئے اس کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا۔ پھر سرگوشیانہ انداز میں بولیں۔

"سوچ رہی ہوں اسد بھائی سے ان کا ایک ہیرا مانگ لوں۔ تمہارا کیا خیال ہے؟ روشانہ خرم کے ساتھ کیسی رہے گی؟" ان کی آواز گو کہ سرگوشی سے کچھ ہی اونچی تھی مگر لالہ رخ کو لگا اس کی سماعت میں جھکڑ چل گئے ہوں، روح تک میں ہلچل مچ گئی ہو۔ وہ کتنی دیر ہکا بکا ان کی شکل دیکھتی رہ گئی۔ فوری طور پر کسی بھی ردعمل کے قابل نہ رہی۔

"سوچتی ہوں، امی کے کان میں یہ بات ڈال دوں تاکہ وہ اسد بھائی اور بھابی سے بات کریں۔" لالہ رخ کے دل کی حالت سے بے خبر وہ اپنی ہی کہے جا رہی تھیں۔ پھر ٹشو کی گولی سی بنا کر ٹرے میں ڈال کر ہلکی ہنسی کے ساتھ بولیں۔

"چلو! ابھی تو لڑکیاں ادھر ہی ہیں تو کچھ مناسب نہیں لگتا۔ جاتے وقت ہی اماں سے بات کروں گی۔ مگر ہاں، تم ایک کام کرنا لالی! روشی تم سے بہت اٹیچ ہو گئی ہے۔ تم اس سے ذرا اس کا عندیہ لینے کی کوشش تو کرنا۔"

"جی بہتر۔" لالہ رخ نے ایک گہری سانس کھینچ کر سر ہلا دیا پھر آہستگی سے وہاں سے اٹھ کر لونگ روم سے نکل آئی۔

سعدیہ بھابی کی خواہش بے جا یا غلط نہیں تھی۔ روشانہ تھی ہی چاہے جانے کے قابل۔ اسے بہو بنانے کی خواہش کوئی بھی کر سکتا تھا۔ اور پھر خرم بھی اسے بے حد عزیز تھا مگر روشانہ کو طلال سے منسوب کرنے کے خواب مسلسل اور متواتر دیکھتی آ رہی تھی اور یوں یہ جھٹکا اس کے اعصاب کے لئے خاصا بھاری تھا۔

اسے یہ سوچ پریشان اور دُکھی کر رہی تھی کہ اگر طلال نے یہی ضد رکھی تو روشانہ اس گھر میں آ تو جائے گی مگر خرم کی بیوی بن کر۔

اسے یکدم طلال کی ضد اور انانیت سے خوف آنے لگا۔

عموماً شدت پسندی اور انتہا پسند سوچ انسان کو بہت تنہا اور خوشیوں سے محروم کر دیتی ہے۔ خوشیوں کے جگنوؤں کے لئے اگر آپ دروازے کھڑکیاں نہیں کھولیں گے تو وہ کسی اور در پر چلے جائیں گے۔ انہیں تو کسی کے بھی اندھیرے مکان کو جگمگانا ہے۔ جگنو کا کام روشنی پھیلانا ہے، اب یہ آپ کے رویوں پر منحصر ہے کہ اس روشنی سے خود کو منور کرتے ہیں یا ان سے منہ موڑ کر اندھیرے کا سفر جاری رکھتے ہیں۔

روشانہ اسد ایسا ہی ایک جگنو تھی جو قدرت نے ان کے گھر کی طرف بھیجا تھا اور وہ دل میں خواہش مند تھی کہ طلال اپنے دل کا دروازہ کھول کر اس روشنی کو اندر آنے دے۔

***

دوسرے روز سعدیہ بھابی نے اسے یاد دلایا کہ وہ روشانہ سے خرم کی بابت رائے معلوم کر لے۔

دراصل لالہ رخ منتظر تھی کہ کوئی ایسا موقع ملے کہ روشانہ اور اس کو تنہائی میسر آ جائے اور اسی شام یہ موقع انہیں مل گیا۔ وہ سب خرم اور عادل کے ہمراہ قریبی پارک میں گئے تھے۔ روشانہ، خرم کے کمپیوٹر پر اپنی ای میلو چیک کر رہی تھی جب وہ چائے کے مگ تھامے اندر چلی آئی۔

''پاپا کی ای میل بھی آئی ہے۔ وہ ہمیں بے حد مس کر رہے ہیں۔ اور پلوشہ کے بغیر تو گھر بہت سونا لگ رہا ہے انہیں۔'' وہ چیئر سمیت ان کی طرف گھوم کر بتانے لگی۔

''چلو تم لکھ دو اسد بھائی کو کہ ہم نے ادھر رونق لگا رکھی ہے۔ سکندر ولا میں بہاریں اتر آئی ہیں۔'' اس نے چائے کا مگ اسے پکڑاتے ہوئے ہنس کر کہا اور اس کا خوش باش چہرہ دیکھا۔ اپنے چاہنے والوں کے چھوٹے چھوٹے پیغامات بھی آئرن کی ٹیبلٹ سے کہیں زیادہ توانائی رکھتے ہیں۔ کیسے چہرے پر مسرت آمیز گلال بکھیر دیتے ہیں۔

''آپ کے لئے امی نے خصوصی سلام بھیجا ہے۔'' وہ شٹ ڈاؤن کر کے اپنا مگ اٹھا کر ان کے پاس قالین پر بیٹھ گئی۔

''مما کا رات کو فون بھی آیا تھا۔ وہ سعدیہ پھوپو سے بات کرنا چاہ رہی تھیں مگر وہ سو گئی تھیں اور میں نے انہیں جگانا مناسب خیال نہیں کیا۔ آپ کے کمرے کی لائٹ بھی آف تھی۔ تاہم میرا خیال تھا آپ جاگ رہی تھیں مگر بہرحال میں نے آپ کو بھی ڈسٹرب نہیں کیا۔''

لالہ رخ نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے بے اختیار اس کی طرف دیکھا پھر ہلکے سے استفہامیہ انداز میں ہنس دی۔ ''تم مجھے اتنا سمجھنے لگی ہو روشی؟''

''جو ہمارے دل میں اتر جاتے ہیں، انہیں سمجھنا مشکل نہیں ہوتا، خود بخود دل رہنمائی کرنے لگتا ہے۔'' وہ ہلکی سانس بھر کر لالہ رخ کو بے حد عقیدت اور محبت سے دیکھنے لگی۔

لالہ رخ نے قدرے حیران ہو کر اسے دیکھا، پھر اُس کا ہاتھ دبا کر بولی۔ ''تم بھی حنا کی طرح سوچتی ہو، اسی جیسی جذباتی اور تھوڑی دیوانی سی لگتی ہو۔'' پھر ایک گہری سانس کھینچ کر ہنسی۔ ''ہاں، دل کی بات سمجھنے والے دیوانے ہی تو ہوتے ہیں۔''

''چلیں دیوانے ہی سہی۔'' روشانہ یہ کہہ کر زور سے ہنس پڑی اس کی کھنک دار ہنسی میں بادِ صبا جیسی تازگی تھی۔ لالہ رخ بے اختیار اسے دیکھے گئی۔ اس کے دل میں شدت سے یہ تمنا کسی لہر کی طرح اٹھی کہ کاش یہ ہستی طلال کا مقدر بن جائے۔ اس کے اندر کے حبس اور گھٹن کو ختم کرنے کے لئے ایسے ہی تازہ جھونکوں کی تو ضرورت تھی۔ مگر وہ دیوانہ کھڑکی بھی تو کھولے۔ ان ضد کے دریچوں سے سیاہ پردے بھی تو ہٹائے۔

ایک دل گرفتگی اس کو اندر ہی اندر کاٹنے لگی۔

وہ اسے اپنی فرینڈز کی آئی ہوئی ای میلو کے متعلق بتا رہی تھی، جبکہ اس کے خیال کی رو تو بس ایک ہی سوچ پر بھٹک رہی تھی۔ پھر اچانک اسے خیال آیا کہ اسے خرم کے متعلق اس کی رائے جاننا تھی۔

''روشی! خرم تمہیں کیسا لگا؟ میرا مطلب ہے اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ بھئی دیکھو نا، تم اس سے کافی سالوں بعد ملی ہو اور یہاں تو پل پل لوگوں میں تبدیلیاں آتی ہیں۔ یہ تو پھر سالوں کی بات ہے۔'' وہ اس کی نگاہوں میں ابھرتے تحیر پر وضاحت دینے لگی۔

''پہلے بھی ٹھیک ٹھاک ہی تھا اور اب بھی اچھا خاصا بندہ ہے۔ ویسے میرا خیال ہے آپ کے سکندر ولا میں اسی کے دم سے رونق ہے۔'' وہ سادگی سے بولی۔

''سعدیہ بھابی اس کی شادی کے لئے خاصی سنجیدہ ہو گئی ہیں ان دنوں۔ امی کا بھی خیال

ہے کہ جلد از جلد اسے بھی نکیل ڈال ہی دی جائے۔ مہ وش کی منگنی اس کے ماموں زاد
نہ ہوئی ہوتی تو شاید مہ وش سے ہی اس کی شادی طے ہو جاتی۔ اور نازش ابھی بہت چھوٹی
ہے۔ یوں بھی خرم اسے چھوٹی بہنوں کی طرح چاہتا ہے۔''

''ہاں۔ اس طرح اس کی شرارتوں میں کچھ کمی آ جائے گی۔ بردبار بن جائے گا۔ کم از
بننے کی کوشش تو کرے گا ہی۔'' وہ یہ کہہ کر ہنس پڑی۔

''روشی! دراصل سعدیہ بھابی تمہیں اپنی بہو بنانا چاہتی ہیں۔ یہ ان کی بہت شدید خواہش
ہے۔'' اس نے یکدم ہی روشانہ پر بم بلاسٹ کیا تھا۔

وہ تڑپ کر قالین سے جھٹکے سے کھڑی ہو گئی۔ اسے لگا جیسے اس کے دل کو خنجر کی تیز نوک
نے چھو لیا ہو۔ اسے اپنے دل میں دوڑتا لہو رُک رُک کر بہتا محسوس ہونے لگا۔

''یہ مجھ سے میری رائے پوچھی جا رہی ہے یا محض مجھے اطلاع دی جا رہی ہے؟'' وہ
دھڑکتے دل کے ساتھ مرتعش آواز میں بولی۔

لالہ رخ اُٹھ کر اس کے نزدیک چلی آئی۔ اس کے چہرے پر پھیلنے والے تکلیف دہ رنگ
نے اسے چونکا دیا تھا۔ وہ نرمی سے اس کے کندھے کو تھپتھپانے لگی۔

''ابھی تو رائے ہی پوچھی جا رہی ہے۔ یوں بھی چاند کو پانے کی خواہش تو ہر کوئی کرتا
ہے نا۔ مگر چاند سے بھی تو پوچھنا ضروری ہے نا کہ وہ کس آنگن میں اترنا چاہتا ہے۔'' وہ
ماحول کے تناؤ کو کاٹنے کی غرض سے ہلکی شگفتگی کے ساتھ بولی مگر روشانہ مسکرا تک نہ سکی۔

اسے اپنے پہلو سے کوئی لہر اٹھتی اور دم توڑتی محسوس ہو رہی تھی۔

جیسے سمندر کی موجیں پیہم یلغار کر رہی ہوں مگر ساحل پر آ کر دم توڑ دیتی ہوں۔

''خرم یقیناً بہت اچھا ہے لالہ رخ! مجھے بھائیوں کی طرح عزیز ہے مگر میں اس کے
بارے میں ایسا نہیں سوچ سکتی۔ کبھی بھی نہیں۔'' اس نے اس شدت سے نفی میں سر ہلایا کہ
لالہ رخ اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

''کیوں؟'' بے اختیار یہ الفاظ ان کے لبوں سے پھسل پڑا۔

''کیا یہ پوچھنا ضروری ہے؟'' وہ سر جھکا گئی۔

''ہاں۔ اس لئے کہ سعدیہ بھابی کو مجھے جواب تو دینا ہے۔ یوں بھی ہر انکار کا کوئی جواز
ہوتا ہے۔ ہر بات کا پس منظر تو ہوتا ہی ہے۔''

''مگر میرے پاس اس انکار کا کوئی جواز نہیں ہے۔'' وہ رخ موڑ کر دیوار گیر الماری کو
گھورنے لگی۔

''اگر تمہارے انکار کو اہمیت نہ دی گئی اور سعدیہ بھابی نے خالہ جان سے بات کر لی،
پھر؟''

''لالی! ایسا نہیں ہونا چاہئے۔'' وہ تڑپ کر پلٹی تھی۔ اس کے بدن میں خفیف سا ارتعاش
ہوا۔ دوسرے پل لالہ رخ کی تحیر آمیز نگاہوں سے سٹپٹا کر اس نے نظریں کترا لیں اور
مضطربانہ انداز میں لب کاٹنے لگی۔

''ہمارے یہاں عموماً بیٹیوں کے انکار کو جواز کے باوجود اہمیت نہیں دی جاتی۔ تمہارے
پاس تو اس انکار کا جواز بھی نہیں ہے روشانہ! پھر...... پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایسا نہ ہو۔ بزرگ
اپنے طور پر فیصلہ کر کے یہ فرض تو ادا کریں گے ہی۔''

''نہیں لالی پلیز! آپ کسی طرح سعدیہ پھوپو کو سمجھائیں۔ میں خرم کو اس رشتے سے کبھی
قبول نہیں کر پاؤں گی۔ پلیز لالی، پلیز، فار گاڈ سیک۔'' یکایک اس کی آنکھوں سے قطرے
پھسلنے لگے۔

لالہ رخ کو اس کے چہرے اور آنکھوں میں وہی تکلیف دہ رنگ، وہی بے بسی، لاچاری
دکھائی دینے لگی جو اسے حنا کی آنکھوں میں نظر آئی تھی۔ سچ کہتے ہیں کہ خورد بین سے بھی وہ
چیز نہیں دیکھی جا سکتی جو آنسوؤں سے عیاں ہو جاتی ہے۔

''کیا آپ کی بھی یہی خواہش ہے لالی؟'' وہ آنسوؤں سے بھیگی باڑھ اٹھا کر دل گرفتگی
سے پوچھنے لگی۔

''نہیں، میری تو وہی خواہش ہو گی جو تمہاری ہو گی۔ اچھا یہ بتاؤ، وہ کون ہے جس نے تم
جیسی پیاری اور مضبوط لڑکی کو اپنا اسیر کر لیا ہے؟'' وہ اس کے کندھے پر اپنا بازو پھیلاتے
ہوئے زبردستی لہجے میں شگفتگی کا تاثر بھر رہی تھی حالانکہ اس کا دل اندر سے بکھر رہا تھا۔ اسے
اپنے ہی سوال سے خوف آ گیا تھا۔

وہ ان کی گرفت سے خود کو چھڑا کر رخ موڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

''مجھے بھی نہیں بتاؤ گی؟''

''کچھ بتانے کو نہیں ہے لالی! بہت سی خواہشات آدمی کو کبھی کبھی یوں آکٹوپس کی طرح
جکڑ لیتی ہیں جیسے جنگل میں چلنے والے ناآشنا مسافر کو راستوں کی پہچان نہ ہو تو وہ دلدل یا
گہری کھائی میں جا گرتا ہے اور کھائی میں سوائے دلدوز تاریکی کے کچھ نہیں ہوتا۔ گرنے والے
کو خود بھی کچھ سجھائی نہیں دیتا کہ وہ کس کو آواز دے، کہاں سے اور کس طرح دے۔'' اس کا
انداز خود کلامی کا سا تھا۔ پھر پلٹ کر بولی۔ ''پلیز آپ سعدیہ پھوپھو کو کسی طرح سنبھالیں کہ

وہ امی یا دادی جان سے اس سلسلے میں کوئی بات نہ کریں۔ یہ کبھی ممکن نہیں ہے۔''

پھر سر جھکا کر کرب سے لب دانتوں سے کچلتے ہوئے بولی۔ ''میرے پاس خرم کو دینے کے لئے کوئی جذبہ نہیں ہے۔''

''میری تو خواہش تھی روشانہ کہ تم طلال کی زندگی میں آؤ، اس کے مقدر کا ستارہ بنو۔''

لالہ رخ بے حد پست آواز میں اپنے دل کی خواہش بالآخر عیاں کرگئی۔ روشانہ نے جھٹکے سے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے اور آنکھوں میں ایک تڑپ، جلن اور دُکھن اتر آئی۔ اور یہی وہ لمحہ تھا جب وہ عیاں ہوگئی۔

محبت ہمیشہ اپنی گہرائی سے ناواقف رہتی ہے۔ کسی صحرا کے کھردرے پودے پر اُگ آنے والا صحرائی پھول جو اپنی خوشبو سے خود بھی بے خبر اور نا آشنا ہوتا ہے اور جب ہوا کے جھکڑ چلتے ہیں تو وہ لہرا کر اپنی خوشبو صحرا میں بکھیر دیتا ہے۔ لیکن اس کی خوشبو محسوس کرنے والا کون ہوتا ہے سوائے صحرا کے۔

روشانہ اسد بھی اس جھکڑ سے اپنی خوشبو کھول گئی تھی۔ وہ خود بھی اپنی اس شدت سے واقف نہ تھی۔ مگر خرم سے منسوب ہونے کا خوفزدہ احساس اسے خود اپنے ہی جذبوں کی شدت سے آشنا کرا گیا۔

لالہ رخ کی حیرت آمیز نگاہوں پر وہ بے عنوان سی شرمندگی محسوس کرنے لگی۔ پھر اس کے سامنے سے ہٹنے لگی۔ مگر اس نے اسے آگے بڑھ کر تھام لیا۔

''کیا یہ سچ ہے روشی؟'' اس کی آواز اندرونی خوشی سے کانپ رہی تھی۔

''مجھ سے کچھ مت پوچھئے لالی! کچھ مت پوچھئے، پلیز۔ میرے پاس آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں ہے۔'' وہ بے اختیار دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بلکنے لگی۔

شرم، خوف، بے بسی اندر ہی اندر اسے ادھیڑنے لگی۔ ندامت کا احساس اسے چور چور کر گیا۔ لالہ رخ نے اسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔

وہ لرز رہی تھی۔ خوفزدہ اور متوحش تھی اس انکشاف سے جو خود اس پر بھی شدت سے وارد ہوا تھا، اس آگاہی سے جس سے وہ آج خود بھی متعارف ہوئی تھی۔

''میں طلال کے بارے میں ایسا سوچنا بھی گناہ سمجھتی ہوں لالی! مگر میں کیا کروں، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب کب ہوا؟ کیسے ہوا؟ میں نے ایسا کبھی نہیں چاہا تھا۔ میں اتنی کمزور کیوں کر پڑ گئی؟ لالی پلیز مجھے سنبھال لیجئے۔ میری رہنمائی کیجئے۔ مجھے اس راہ سے واپس لے آیئے جو میرے لئے سوائے اذیت اور رسوائی کے کچھ نہیں۔'' اس کا سارا وجود

ہچکیوں کی زد میں تھا۔

چند لمحے عجیب کشاکش کے گزرے۔ لالہ رخ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس کے یوں رونے پر افسردہ ہو یا اس انکشاف پر خوشی اور مسرت کا اظہار کرے۔ بیک وقت دو احساسات اس کے دل کی زمین سے امڈ رہے تھے۔

ایک انکشاف کی مسرت انگیزی کا تھا۔

دوسرا طلال کی بے مہری کا۔

اچانک اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ روشانہ کہہ رہی تھی۔

''آپ کو میری قسم ہے، طلال سے کچھ مت کہئے گا۔ انہیں کبھی خبر نہ ہونے پائے۔ ورنہ ...... ورنہ میں اپنی نظروں میں گر جاؤں گی لالی!''

اور یہ سچ ہی تو تھا کہ محبت میں رد ہونے کا احساس بہت ذلت آمیز ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر عورت خود اپنی نظروں میں گر جاتی ہے اور وہ بھی شاید ایسے ہی کسی سانحے سے دوچار ہونے سے خوفزدہ تھی۔

''مجھے اس طرح قسم دے کر پابند مت کرو روشانہ۔'' لالہ رخ کے لہجے میں بڑی بے بسی چیخ رہی تھی۔

''نہیں لالی! آپ کو [illegible] مجھے میری نگاہوں میں زندہ رہنے دیجئے۔'' وہ سرتا پا ملتجی ہوگئی۔

یہی تو المیہ ہے کہ محبت عزت دار لڑکیوں کو مجروح پرندہ بنا کر رکھ دیتی ہے۔ اُڑ سکنے کی خواہش اور نہ اُڑ سکنے کی بے بسی تاعمر تڑپاتی اور رُلاتی رہتی ہے۔

وہ دُکھ، رنج، خوشی اور بے بسی کے ملے جلے احساسات کے ساتھ اسے دیکھنے لگی۔

اچانک آہٹ پر وہ دونوں اپنے اپنے خیالوں کے تسلسل سے چونک گئیں اور بیک وقت دروازے کی طرف دیکھا تو روشانہ کے بھل بھل بہتے آنسو ٹھٹھر گئے۔ اسے لگا جیسے اس کے قدموں تلے سے زمین سرکتی چلی گئی ہو۔

طلال وہاں کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چند سی ڈیز تھیں جو وہ خرم کے کمرے میں رکھنے آیا تھا۔ اب پتہ نہیں وہ تب سے ہی کھڑا تھا یا ابھی آیا تھا۔

دونوں کو متوجہ دیکھ کر وہ بے آواز انداز میں پلٹا اور واپس چلا گیا۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے کچھ اندازہ نہ ہوا مگر اس کے پلٹ کر چلے جانے پر لالہ رخ کو گمان ہوا کہ وہ ان کی ساری باتیں سن چکا ہے۔

اس نے ایک رنج کے احساس کے ساتھ روشانہ کی طرف دیکھا۔ اس کی بھیگی ہوئی
آنکھوں میں خوف، وحشت اور مجروح پرندے جیسی لاچاری تھی۔

''میرا خیال ہے وہ ابھی آیا تھا اور ہمیں دیکھ کر پلٹ گیا ہے۔'' لالہ رخ نے اسے تسلی
دینے کے لئے اس کے کندھے کو ہلکے سے تھپکا۔

وہ لب دانتوں میں دبا کر پلکیں جھکا گئی۔ پھر کمرے سے تیزی سے باہر نکل گئی۔

کبھی کبھی بات واضح ہو کر بھی مبہم ہی رہتی ہے۔ خاموشی انسان کو چاروں طرف سے گھیر
لیتی ہے۔

خاموشی کا یہ شامیانہ جب تن جاتا ہے تو بہت سی باتوں کی وضاحت بہت مشکل امر لگنے
لگتا ہے۔

لالہ رخ بہت بے بسی محسوس کر رہی تھی۔ گویا ہاتھ پاؤں کوئی باندھ کر نزدیک ہی قینچی بھی
رکھ گیا ہو۔

روشانہ اپنے کمرے میں بند ہو کر رہ گئی تھی۔ جو بے اختیاری میں اس کے منہ سے نکل گیا
تھا اس پر ندامت اور شرمساری اسے اندر ہی اندر مارے ڈال رہی تھی۔ وہ اپنی تمام تر
ندامت، احساسِ شرمساری کو خاموشی کی چادر میں چھپا لینا چاہتی تھی۔

جبکہ طلال کے چہرے پر پھیلا سرد مہری کا صحرا کچھ اور بڑ
وہ اس انکشاف پر ہونے والے جھٹکوں سے اپنی بنیادوں تک سے ہل گیا تھا۔

اس کے اندر بہت انتشار برپا تھا۔

ایک طوفان مچا ہوا تھا۔

مگر وہ بظاہر شام کے سمندر کی مانند پُرسکون دکھائی دے رہا تھا۔ اندر لہروں کا شور و غل
چھپائے ہوئے۔

اور ایسے میں لالہ رخ کو اسے چھیڑنا بہت مشکل لگ رہا تھا جبکہ لالہ رخ کو یقین تھا کہ وہ
ان کی ساری باتیں سن چکا ہے۔ رات کو اسے کسی پل قرار نہیں تھا۔ وہ حمزہ کو اس کے کمرے
سے اٹھانے کے بہانے چلی آئی۔

وہ دیوار کے سامنے کھڑا اس قطعہ پر نظریں جمائے کھڑا تھا جو مصطفیٰ خان لکھ کر گیا تھا۔

''تمہارے اس دوست کی مجھے کبھی سمجھ نہیں آئی۔ پہلے بھی وہ پراسرار انداز میں چلا گیا تھا
اور اب کی بار بھی ایسا لگا جیسے وہ کچھ خفا، کچھ پریشان سا ہو کر جا رہا تھا، شاید تمہیں بتائے بغیر''

وہ لالہ رخ کی آواز پر پلٹا اور ایک گہری سانس کھینچ کر بولا۔ ''ہم دونوں کے درمیان

کوئی جھگڑا نہیں ہوا، کوئی خفگی نہیں ہوئی نہ نظریاتی اختلاف ہوا۔''

''تو پھر...... وہ اس طرح کیوں چلا گیا تمہیں بتائے بغیر؟'' اسے حیرت ہوئی۔

''بہت سی باتیں انسان از خود ہی اخذ کر لیتا ہے۔ شاید اس نے بھی کچھ باتیں اخذ کر لی
تھیں اپنی طرف سے۔ خیر یہ بتاؤ کہ تم ابھی تک جاگ کیوں رہی ہو، نیند نہیں آ رہی ہے کیا؟''

''میں حمزہ کو دیکھنے آئی تھی مگر یہ تو گہری نیند میں ہے۔'' وہ اس کے جہازی سائز بیڈ کے
عین وسط میں سوتے حمزہ کو دیکھنے لگی۔ پھر خود بھی بیڈ کے کونے پر بیٹھ گئی اور سوچنے لگی کہ وہ
بات کہاں سے شروع کرے۔

چند لمحے بوجھل خاموشی کے ساتھ سرک گئے۔ پھر وہ بولی۔ ''طلال! کیا ایسا نہیں ہو سکتا
کہ ہم ماضی کو بھول جائیں اور حال میں زندہ رہنے کی کوشش کریں۔ آخر لوگ مر بھی تو جاتے
ہیں، ان پر بھی تو صبر آ جاتا ہے۔ پھر ہم قدرت کی طرف سے اسے ایک حادثہ سمجھ کر بھول
کیوں نہ جائیں؟''

طلال کے لبوں سے بے اختیار ایک بھنچی بھنچی سانس نکل گئی۔ ''جو کہنے آئی ہو وہ بغیر تمہید
کے کہہ دو۔''

''صرف یہی کہ تم ماضی کو خواب کی طرح بھول جاؤ۔ تمہارے سامنے کے راستوں پر
زندگی کی مسرتیں پھیلی ہوئی ہیں، انہیں بڑھ کر تھام لو طلال۔ چھوٹی چھوٹی خوشیاں بڑی بڑی
خوشیوں کا پیش خیمہ ہوتی ہیں۔ انہیں بڑھ کر تھام لینے سے جی بہل جاتا ہے، راہیں آسان ہو
جاتی ہیں۔''

''مجھے چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو ڈھونڈ کر بہلنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں آل ریڈی بہلا ہوا
ہوں۔ میرے اطراف بہت خوشیاں اور مسرتیں ہیں۔ کیا تم سب لوگ نہیں ہو؟''

''مگر یہ خوشیاں تمہیں مکمل نہیں کر سکتیں۔'' وہ دل گرفتگی سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

طلال کے لبوں کی تراش میں پھیلنے والی مسکراہٹ یکلخت سکڑ گئی۔ چہرے کے زاویوں
میں ایک تناؤ آ گیا۔ ''کیا کہنا چاہتی ہو تم؟ پہیلیاں مت بجھواؤ۔'' اس کا لہجہ مکئی کے پتوں کی
طرح خشک ہو گیا۔ ایک سرد مہری کا صحرا اس کی آنکھوں میں اتر آیا اور یہی وہ مقام ہوتا تھا
جب لالہ رخ کو اپنے حوصلے کی چٹانیں تڑختی محسوس ہونے لگتیں۔

''صرف یہی کہ ہم سب کی خواہش کے مطابق تم اپنی زندگی کو مکمل کر لو۔ شادی کر لو
طلال۔''

''شٹ اپ...... لالی، تم......'' وہ کرسی سے کھڑا ہو گیا۔

"کیوں آخر؟ تمہاری زندگی پر صرف تمہارا ہی حق تو نہیں ہے، ہم سب کے تمہارے اپنے ہیں، تمہارے سگے ہیں، جو تم پر کچھ حق رکھتے ہیں۔ ہماری خوشیاں تم سے وابستہ ہیں اور یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو۔"

طلال نے اپنے اندر جیسے کسی خیال کے اُبال کو دبایا تھا، پھر ایک ہلکی سانس کھینچتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ "کیا شادی خوشیوں کی ضمانت ہے؟" اس کے انداز میں سراسر استہزائیہ رنگ تھا۔ پھر سر جھٹک کر افسردگی سے ہنس دیا۔ "اگر شادی ہی خوشیوں کی ضمانت ہوتی تو کیوں اُجڑتیں...... تم کیوں اُجڑتیں لالی؟"

"خوشیوں کی ضمانت نہ سہی، مگر یہ ایک مذہبی فریضہ تو ہے نا۔ اس میں قدرت نے خوشیاں اور آسودگی رکھی ہے اور پھر ہر شخص کی قسمت ایک جیسی تو نہیں ہوتی۔ ہر شخص کا تجربہ دوسرے سے یکسر مختلف ہوتا ہے۔ کتنے لوگ خوش، آسودہ بھی تو ہیں اور آباد ہیں۔" وہ قائل کرتے ہوئے بولی۔

وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتا ہوا کھڑکی کے پردے کھولنے لگا۔

یکایک ہی اسے بے حد حبس کا احساس ہونے لگا تھا۔

"روشانہ بہت اچھی لڑکی ہے طلال۔" وہ اٹھ کر اس کے نزدیک آ کھڑی ہوئی۔

طلال نے یک دم چہرہ موڑ کر اس کی طرف دیکھا مگر دوسرے پل نگاہوں کا زاویہ بدل کر چہرے کا رخ بھی موڑ گیا۔ اُسے لگا جیسے اس کے دل پر کوئی بے حد آہستگی سے انگلیاں پھیرنے لگا ہو۔ تمام زخموں کے منہ کھل گئے ہوں اور عجیب لذت آمیز دُکھن ہونے لگی ہو۔

تھکن ہوتی تو وہ یقیناً کسی کے کندھے پر سر ڈال کر اتار دیتا۔ مگر یہاں تو دل کے گوشے میں اضطراب تھا، احساسِ جرم چین نہیں لینے دے رہا تھا۔ اس کی ایسی تپش تھی جو جھلسا رکھتی تھی اور وہ اس جھلستے جہاں میں ایک خوبصورت اور معصوم پیاری سی لڑکی کو بھی کھینچ لیتا اسے بھی راکھ کر ڈالتا۔ یہ کہاں کا انصاف ہوتا۔

"وہ یقیناً ایک اچھی لڑکی ہے مگر میرے پاس اسے دینے کو کچھ نہیں ہے۔" اُسے اپنی آواز بہت دور سے آتی محسوس ہوئی۔

"تم دل کی کھڑکی کھولو گے تو یہ گھٹن باہر نکلے گی۔ کسی کو اندر آنے دو گے تو کوئی تمہاری تھکن کو سمیٹے گا نا، تمہاری روح کو اپنی مسیحا انگلیوں سے سہلائے گا۔" وہ مدبرانہ لہجے میں بولی۔

"مگر یہ تو سراسر دھوکا دہی اور دھاندلی ہوئی کہ آپ کسی کی محبت کو محض اپنی روح کی تھکن اتارنے کے لئے استعمال کریں۔ کسی کی محبت اور رفاقت پر تجربہ کریں کہ یہ کامیاب رہتا ہے

یا نہیں، یا کسی نسخے کی طرح اسے استعمال کریں کہ اس معجون سے افاقہ ہوتا ہے یا نہیں۔ نہیں لالی! یہ منافقت میں نہیں کر سکتا۔"

"اگر کوئی از خود اس تجربے کے لئے خود کو پیش کرنا چاہے تو؟"

"لالی پلیز!" وہ جیسے تڑپ کر پلٹا تھا۔

"تم تو سمجھدار ہو۔ بجائے اسے سمجھانے کے، اسے حوصلہ دے رہی ہو۔" اس نے بڑی متاسفانہ نظروں سے لالہ رخ کو دیکھا پھر تاسف سے سر جھٹک کر کرسی پر گر سا گیا۔

"محبت کھیل نہیں ہوتا، کسی کو چاہنا اور چاہتے رہنا محض عادت نہیں ہوتی، تفریح نہیں ہوتی۔ اس میں جان کا زیاں ہوتا ہے۔ یہ انسان کو اندر سے توڑ پھوڑ دیتی ہے۔ اس کی ضربیں بہت ناقابل برداشت ہوتی ہیں۔ یہ آدمی کو ادھیڑ کر رکھ دیتی ہے۔"

"چاہے جانے کی خواہش اتنی لذت آمیز اور جاں فزا نہیں ہوتی جتنی چاہے جانے کی طلب میں نامرادی اذیت آمیز ہوتی ہے۔ اس سفر میں آدمی اندر تک کھوکھلا ہو جاتا ہے۔" وہ بے حد تکلیف سے بول رہا تھا۔ اس کے تصور میں مصطفیٰ خان کا سراپا لہرا گیا۔ اس کی سرمئی آنکھوں میں بکھرے خوابوں کی کرچیاں، اس کے لہجے کی ٹوٹ پھوٹ، اس کے سفر کی رائیگانی کا احساس اس کے اندر تک اتر کر اسے اس اذیت سے آشنا کر گیا تھا جیسے وہ مصطفیٰ خان کے اندر اترا ہوا ہو یا مصطفیٰ خان کی نا آسودگی اور اذیت آمیزی اس کے اندر تک اتر گئی ہو۔

"یہ مجھ سے زیادہ کون جانتا ہو گا کہ رفاقت اتنی جاں فزا نہیں ہوتی جتنی جدائی جاں سوز ہوتی ہے۔ لوگوں کی بے وفائی بھی تو جدائی ہی ہے نا۔" لالہ رخ خود بھی ایک افسردگی کے سحر کی لپیٹ میں آ گئی۔ اس کی آواز میں اس کے اپنے ماضی کی چاپ لرزنے لگی۔

عجیب سا دکھ اس کے دل کی رگوں سے لپٹنے لگا۔ بات روشانہ کی ہو رہی تھی مگر مجروح جیسے وہ ہو رہی تھی۔

"جب جانتی ہو پھر...... پھر لالی کیوں...... کیوں تم نے اس کے قدم نہیں روکے؟ اسے کیوں خرم کے حق میں دلائل دے کر قائل کرنے کی کوشش نہیں کی؟" وہ سخت برہم اور ناراض نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ لالہ رخ ایک ثانیے کے لئے چور سی بن کر رہ گئی۔ ندامت، شرمندگی نے اس کی نظروں کو جھکا ڈالا۔

تو گویا وہ سب سن چکا تھا۔

"اگر میں کہوں کہ کوئی تمہاری تھکن بھی سمیٹنے کا خواہاں ہے، کوئی اپنی محبت سے تمہیں بھی خوشیاں بخشا چاہتا ہے تو؟"

وہ یکدم اٹھ کر اس کے مقابل چلا آیا۔ اس کے جملے نے گویا لالہ رخ کو بچھو کی طرح ڈنک مارا تھا۔ وہ سخت فہمائشی نظروں سے اسے گھور کر رہ گئی۔

''ہاں یہ تجربہ تو تم بھی کر سکتی ہو۔ ضروری نہیں کہ تقدیر ہر بار تمہیں آزمائے ہی۔'' بولا۔ ''تمہارے تجربے کی کامیابی کے بعد میں یقیناً ایسا تجربہ کرنے سے انکار نہیں کروں گا۔''

''بکواس بند کرو۔'' وہ چڑ گئی۔ ''شرم آنی چاہئے تمہیں ایسی بات منہ سے نکالتے ہوئے۔''

''اس میں شرم کی کیا بات ہے؟ میں کوئی غیر شرعی، غیر اخلاقی یا انہونی بات تو نہیں کر رہا ہوں۔''

''غیر شرعی اور غیر اخلاقی نہ سہی مگر غیر متوقع ضرور ہے۔ مجھے تم سے یہ توقع نہیں تھی۔ کم از کم یہ الفاظ منہ سے نکالنے سے پہلے حمزہ کا ہی خیال کر لیتے۔'' وہ ہتھے سے اکھڑ گئی۔

''حمزہ کا ہی خیال کر کے تو کہہ رہا ہوں۔ کیا اسے باپ کی صورت میں توجہ اور محبت کی ضرورت نہیں ہے؟'' وہ اس کے غصے اور ناراضگی سے قطعی متاثر نہ ہوا۔

''اسے باپ کی کمی کبھی محسوس نہیں ہونے دوں گی میں۔''

''یہ تمہارا خیال ہے۔ یہ اس کی فطری طلب ہوگی۔''

''طلال! خدا کے لئے۔ کیا موضوع لے کر بیٹھ گئے۔ میں تمہاری شادی کی بات کر رہی ہوں، تم بات کو کہاں سے کہاں اڑائے جا رہے ہو۔''

''میری شادی تمہارا فیورٹ موضوع ہے اور تمہاری شادی میرا فرض۔'' وہ ہلکے سے مسکرایا۔

''تم سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔'' وہ ایک غصیلی نگاہ اس پر ڈال کر کمرے سے چلی گئی۔

وہ کچھ دیر دروازے کو دیکھتا رہا۔ پھر ایک متاسفانہ سانس کھینچ کر صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔ اسے مصطفیٰ خان کی خوبصورت ہینڈ رائٹنگ آڑی ترچھی لکیروں کی طرح دکھائی دینے لگی۔ ہر لکیر سے جیسے خون ٹپکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

''تمہیں مصطفیٰ جتنا کون چاہے گا لالی!'' اس کا دل مصطفیٰ خان کو شدت سے یاد کرنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں اس نے اس کے باطن کی فروزاں چمک دیکھی تھی۔ اس کے لہجے کا بکھراؤ، امیدوں کی ٹوٹی کرچیاں اسے اپنے دل میں نئے سرے سے کھبتی محسوس ہونے لگیں۔

کج شہر دے لوگ وی ظالم سن
کج مینوں مرن دا شوق وی سی

اس کی آواز کی بازگشت اسے سنائی دینے لگی۔

پھر جیسے اچانک ہر منظر پر روشانہ اسد کی آبگینوں جیسی شفاف آنکھیں ابھر آئیں۔
بھیگی متورم
متوحش چہرہ
اسے دیکھ کر ندامت سے زمین میں گڑ جانے والا وجود
پھر وہ سارے منظر کسی فلم کی طرح نگاہوں میں پھرنے لگے۔

جب وہ پہلی بار آئی تھی، ٹانگ کی موچ پر شور مچاتی۔ مگر اس کے تلخ و سخت لہجے پر اس کی ساری طراری جیسے جھاگ کی طرح بیٹھ گئی تھی اور اس کی شخصیت کے رعب میں دب سی گئی تھی۔

پھر جب وہ لالہ رخ کے ساتھ ہوٹل میں اس کی برتھ ڈے سیلبریٹ کر رہی تھی، مگر اس کی کج روی نے ان کی خوشی کے چراغ کو ایک پھونک میں بجھا کر رکھ دیا تھا۔

اور اس شام وہ لالہ رخ کے لئے جذباتی ہو کر اس سے الجھ پڑی تھی۔ اسے بے حد تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔

پھر جب حمزہ گم ہوا تھا تو وہ جس طرح پریشان اور خوفزدہ ہرنی کی طرح اس کی طرف دوڑی تھی، جیسے کوئی بے حد اپنے کو دیکھ کر سارا خوف وحشت بہا دینا چاہتا ہو۔ مگر اس کی ڈانٹ ڈپٹ پر آنسو اندر ہی اتار لینا۔ قرب کے وہ چند لمحات جن میں وہ ڈری تھی، متوحش ہوئی تھی، پھر پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔ اس سے خفا بھی تھی، اس کی طالب بھی تھی۔

اس کے رویوں پر ہرٹ بھی ہوئی تھی۔

اس کی سرد مہری پر کٹی بھی تھی۔ مگر اس کی توجہ، نگاہوں کی ایک ذرا سی تپش سے ہراساں بھی ہو جاتی تھی۔

وہ یکدم گھبرا کر بیٹھ گیا۔

وہ حیران رہ گیا یہ سوچ کر کہ ہر منظر اس کے دل کے گوشے میں لاشعوری طور پر نقش تھا۔

اس کا ہر انداز، ہر روپ تصور کے پردے پر یوں چمکتا دکھائی دے رہا تھا جیسے سینما میں اندھیرا ہوتے ہی پردے پر موجود تصویریں زندگی میں ڈھل کر متحرک ہو جاتی ہیں۔

اس نے زور سے آنکھیں بھینچ لیں اور صوفے کی بیک سے سر ٹکا لیا۔

میں زندگی کی اُداس وسعتوں میں
اُلجھ گیا ہوں
میں لمحہ لمحہ بکھر رہا ہوں

میرے لہو میں سمٹتے جانے کی
ایک خواہش سی اُگ رہی ہے
ہر اِک تمنا سلگ رہی ہے
تمہیں شریک سفر بنالوں
مگر میں دنیا کو جانتا ہوں
کہ میری سوچیں
حقیقتوں کے
لہو سمندر میں نہا چکی ہیں
میں سوچتا ہوں تیرے سارے
خواب ریشمی ہیں
تو میری کھدر رفاقت کا بھرم
کہیں بھی نہ رکھ سکے گا

⁂

رات بھر کی بے خوابی نے اسے اتنا تھکا ڈالا تھا کہ صبح وہ دیر سے اٹھی۔

ناشتے کی میز پر نیا موضوع چھڑا ہوا تھا۔ نازش، مہ وش اور روبی بھابی بھی یہیں نظر آرہی تھیں۔ ان کے چہرے پر بڑی خوش نما دھنک بکھری ہوئی تھی۔

یہ شوشا طلال نے چھوڑا تھا کہ اسی ہفتے وہ سب مصطفیٰ خان کی دی گئی دعوت کو قبول کر کے مردان، پھر شمالی علاقہ جات جا رہے ہیں۔

آمنہ بیگم واپسی کا پروگرام ترتیب دے رہی تھیں۔ یوں بھی ان کے پیروں میں اتنا دم خم نہیں تھا کہ وہ پہاڑی علاقوں کی تفریح کر سکتیں۔ یہی حال رفیعہ بیگم کا تھا۔

''روشانہ آپی! ہم لوگ اسی ہفتے ناردرن ایریاز جا رہے ہیں۔ طلال بھائی نے پروگرام بنایا ہے۔'' پلوشہ اسے دیکھتے ہی چلائی۔ مگر وہ سنی ان سنی کرتی چائے کا مگ بھر کر سٹنگ روم کے ایک سنگل صوفے پر جا کر بیٹھ گئی اور گرم چائے کی ہلکی ہلکی چسکیاں بھرنے لگی۔ اس کے دُکھتے ہوئے سر کو یہ گرم چائے بے حد آرام پہنچا رہی تھی۔

وہ دانستہ پردے کی اوٹ میں رکھے صوفے پر بیٹھی تھی تاکہ طلال سے سامنا نہ ہو۔

''کتنا مزا آئے گا نا روشی آپی۔ ہم نے پاپا کے ساتھ بھی کتنی مرتبہ پروگرام بنایا مگر ان کی مصروفیات کے باعث ہر دفعہ پروگرام کینسل کرنا پڑتا تھا۔'' پلوشہ اس کے پاس آ بیٹھی۔

''میری پڑھائی کا پہلے ہی بہت حرج ہو چکا ہے۔ میں دادی جان کے ساتھ واپس جا رہی ہوں۔'' اس نے اپنے پروگرام سے اسے آگاہ کر دیا۔

''یہ کیا بات ہوئی آپی۔'' پلوشہ جیسے بدمزہ ہو گئی۔

''میں تمہیں تو نہیں روک رہی۔ تم بے شک جاؤ۔''

''بہت فضول قسم کی لڑکی ہو تم روشانہ۔'' مہ وش بھی اس کے پاس چلی آئی۔ وہ ہلکے سے ہنس پڑی۔

''میرا خیال ہے میرے ایک کے نہ جانے سے تم لوگوں کے پروگرام میں کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔''

''یہ اہمیت جتانے کا کون سا انداز ہے۔'' خرم ڈائننگ ٹیبل سے اٹھ کر پردہ ایک جھٹکے سے ہٹا کر اسے گھورنے لگا۔

''میں اہمیت تو نہیں جتا رہی ہوں۔ میں تو نہ جانے کا جواز بتا رہی ہوں کہ میری پڑھائی......''

''دیکھو تمہیں ماموں جان کسی بڑے عہدے پر فائز نہیں کریں گے۔ تمہاری چھٹانک بھر پڑھائی کی قطعی اتنی اہمیت نہیں ہے جتنی ہم سب کی خوشی کی ہے۔ سمجھیں تم۔ یہ نخرے وخرے تم کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھو۔''

''خرم! سمجھنے کی کوشش کرو۔ فضول بکے جا رہے ہو۔'' وہ جھینپ کر اٹھنے لگی۔

''میرا خیال ہے، پروگرام کینسل کر دیتے ہیں ہم۔ کسی کے بھی نہ جانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' طلال یکدم کرسی دھکیل کر کھڑا ہوا تھا۔

⁂

وہ بے بسی سے لب کاٹ کر رہ گئی۔ گرم گرم چائے کا سارا سکون غارت ہو کر رہ گیا تھا۔ لالہ رخ کی حیرت آمیز نظریں طلال کا جائزہ لے کر روشانہ پر جم گئیں جو سرخ چہرہ لئے چور سی بنی بیٹھی رہ گئی تھی۔

ایک عجیب سی خوشی نے سر اٹھایا تھا۔ اس بے مہر شخص کا روشانہ کے انکار پر یوں اشتعال میں آنا حیرت انگیز بات ہی تو تھی۔

''اب کہو، کیا کہتی ہو؟'' خرم، روشانہ کو شرارت آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

دبی دبی مسکراہٹ سب کے ہونٹوں پر بکھری ہوئی تھی۔ وہ خود کو شرمندہ و سراسیمہ سا محسوس کر کے اٹھ گئی۔

''انکار کی یہ لذت اقرار میں کہاں ہے
بڑھتا ہے شوق غالب ان کی نہیں نہیں سے''

خرم کی شرارت اور سب کی مشترکہ ہنسی نے اس کا دل گداز کر دیا۔ ڈائننگ روم سے نکل کر وہ جالی کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی اور وہیں کیاری کی سرخ اینٹوں پر بیٹھ کر بے اختیار گھٹنوں میں سر دے کر رونے لگی۔

دل کی پراگندگی کے ہاتھوں وہ بری طرح مجروح ہوئی تھی۔ عجیب طرح کی بے بسی نے اس پر غلبہ پا لیا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ آپ کو کوئی پستول کی زد پر تو نہیں لے کر جا رہا ہے جو یوں آنسوؤں کے دریا بہائے جا رہے ہیں۔'' وہ ہاسپٹل جانے کے لئے نکلا تھا تو اسے کیاری کے پاس بیٹھا روتے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ اس کا یوں رونا اس کے لئے حیرت انگیز ہی نہیں، دلچسپ بھی تھا۔

اس کی آواز پر اس کے بھل بھل بہتے آنسو تھم گئے جیسے کسی نے بہتے دھاروں پر بند باندھ دیا ہو۔ اپنے تئیں تو وہ ایسی جگہ بیٹھی دل کا بوجھ ہلکا کر رہی تھی جہاں اس وقت کسی کی نظر نہیں جا سکتی تھی۔

''میں کوئی آنسو کے دریا نہیں بہا رہی، مجھے تو بس یونہی امی یاد آ گئی تھیں۔''

''اتنی رومانٹک جگہ پر بیٹھ کر امیوں کو تو یاد نہیں آنا چاہئے۔'' وہ بے ساختہ ہی مسکراہٹ چھپانے کو لبوں کا کونا دانتوں میں دبا گیا۔ پھر یکدم سنجیدگی سے بولا۔ ''مسئلہ یہ ہے روشانہ بی بی کہ میں بہت کم فیصلے کسی پر مسلط کرتا ہوں۔ مگر جب کرتا ہوں تو اسے پایہ تکمیل تک پہنچا کر رہتا ہوں۔ تم بھی ان سب کی طرح جانے کی تیاری کر لو۔''

''مگر میں نہیں جانا چاہتی۔'' اس کے تحکم بھرے انداز پر اس کے اندر سے احتجاجی لہر بڑے زور سے اٹھی تھی۔

''کیوں...... وجہ؟'' وہ براہِ راست اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

''ضروری نہیں کہ ہر بات کی وجہ ہو۔ اور ہو بھی تو آپ کو بتائی جائے۔'' وہ نگاہیں جھکا گئی۔

''ہاں، دوسری بات قابل غور ہے کہ ضروری نہیں کہ وجہ مجھے بتائی جائے۔'' ایک ٹھنڈی سانس بھر کر اس نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔ پھر اس کے تمتماتے چہرے پر نگاہیں جماتے ہوئے بولا۔ ''یہ وجہ مجھے نہ سہی تو لالہ رخ کو بتا سکتی ہو۔ یوں بھی اسے کئی رازوں میں شریک تو کر ہی لیا ہے، ایک اور سہی۔'' وہ عجیب سے انداز میں ہنسا تھا پھر پلٹ کر پورچ کی طرف نکل گیا تھا۔

روشانہ کو لگا، وہ کھڑے کھڑے پاتال میں اتر گئی ہو۔ اس پر گھڑوں پانی پڑ گیا ہو۔ اس کے چلے جانے کے بعد وہ کتنی دیر سر اٹھانے کی ہمت نہ کر پائی۔ ایک عجیب سی آگ اسے اپنے دل کے چاروں طرف پھیلتی محسوس ہونے لگی اور اس کو خفت اور سبکی کا احساس کاٹنے لگا۔

تو کیا وہ سب سن چکا تھا؟ وہ ساری باتیں جو وہ لالہ رخ سے بے اختیاری میں کہہ گئی تھی؟ اس نے پورچ کی طرف دیکھا جو خالی پڑا تھا مگر اس کی موجودگی کا احساس اس کے دل پر کسی وحشت کی طرح رقم ہو گیا تھا۔ اس کے لہجے کا استہزائیہ پن آگ کی طرح دل تپاتا محسوس ہو رہا تھا۔ اس ذلت کا تو تصور بھی نہ تھا اس کے پاس۔ اس نے تو کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ زندگی میں کبھی وہ اس طرح دل کے ہاتھوں اتنی کمزور پڑ جائے گی۔

یہ رات اس کے لئے بڑی بھاری تھی۔ نیند تو کیا، سکون بھی غارت ہو گیا تھا۔ وہ واپس اسلام آباد چلی جانا چاہتی تھی مگر ان سب کی محبتوں نے اسے باندھ کر رکھ دیا تھا۔ وہ مجروح پرندے کی طرح پھڑ پھڑا کر رہ گئی تھی۔ محض ایک شخص کے لئے وہ اتنی بہت سی محبتوں اور چاہتوں سے منہ نہیں موڑ سکتی تھی۔ ایک اپنے دل کی خاطر اتنے بہت سوں کو ناراض نہیں کر سکتی تھی۔

☆

پلٹ کے آئے گا وہ بھی گئی رُتوں کی طرح
وہ تجھ سے رُوٹھ گیا ہے اُسے جدا نہ سمجھ
رہِ وفا میں کوئی آخری مقام نہیں
شکستِ دل کو محبت کی انتہا نہ سمجھ

مصطفیٰ خان کے لئے یہ اطلاع اس جگمگاتے جگنو کی طرح تھی جو دبیز اندھیرے میں راہ گم کردہ مسافر کو یکلخت دکھائی دے گیا ہو۔ پنڈی سے طلال نے اطلاع دی تھی کہ وہ سب بائی ایئر پنڈی پہنچے ہیں اور اب بائی کار مردان پہنچنے والے ہیں۔ وہ کتنی دیر تو اپنی حیرت آمیز مسرت کو سنبھال ہی نہ سکا۔ لیکن اس کا دل چاہا وہ پہاڑوں پر نکل جائے۔ یہاں سے وہاں چک پھیریاں کھائے، کسی دیوانے کی طرح اونچے اونچے قہقہے لگاتے ہوئے دائرے کی صورت میں گھومتا چلا جائے۔

اس نے سب سے پہلے یہ خبر جا کر مورے کو دی کہ طلال کی فیملی مردان پہنچ رہی ہے۔

پنڈی سے مردان کا فاصلہ اتنا زیادہ نہیں تھا اور اس کے پاس وقت کم تھا۔ مورے کی طبیعت کے پیش نظر اس نے خود اپنی موجودگی میں ملازموں سے انیکسی کی صفائی ستھرائی کرائی۔ چونکہ اس بڑی حویلی میں مورے کے علاوہ کسی خاتون کا گزر نہ تھا، وہ خود دو ہی بھائی تھے، جبکہ بی بی جان اور ذیشانہ کے انتقال کے بعد آکا جان کا پورشن بھی عورت کے وجود سے خالی اور ویران ہو گیا تھا۔ شہباز تھا جو زیادہ تر کام کے سلسلے میں پشاور رہتا تھا۔ مجتبیٰ کا ایک دم غنیمت تھا جس کی باتیں، ہنسی مذاق اور بذلہ سنجی، ان در و دیوار میں زندگی کا احساس جگا دیا کرتیں۔

مصطفیٰ خان ان سب کا شدت سے منتظر تھا۔ اس کا دل ایک منٹ میں بہتر کی بجائے شاید سو مرتبہ دھڑک رہا تھا۔ عجیب سی وحشت، خوشی اور بے نام سی بےقراری اس کے وجود کا احاطہ کئے ہوئے تھی۔ وہ اس وقت ایسا الہڑ محبوب لگ رہا تھا جو اپنے دل کے مکین کو پہلی بار گھر میں آنے کی دعوت دینے کے بعد بوکھلایا ہوا اِدھر اُدھر پھر رہا ہو ایک ایک لمحے کی آہٹ کو محسوس کرتا ہوا مگر ہر آنے والے لمحے سے خوفزدہ بھی۔

مورے اس کی یہ بے قراری، اس کے چہرے پر پھیلا اُجالا اور آنکھوں میں دہکتے رنگ دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہی تھیں۔ طلال تو اس سے پہلے بھی حویلی آ چکا تھا مگر اس طرح تو لمحہ لمحہ گنتا وہ اتنا بے قرار نہ ہوا تھا۔ یہ اضطراب تو انوکھا ہی تھا۔ کسی سربستہ راز کی طرح دلکش مگر اُلجھا ہوا۔

''میرا خیال ہے، اب وہ پہنچنے ہی والے ہوں گے۔'' اس کی آنکھیں گھڑی کی ٹک ٹک کے ساتھ بندھ سی گئی تھیں۔ یہ لمحہ لمحہ گنتا مصطفیٰ خان، مورے کو اس معصوم بچے کی طرح لگا جس کے باپ نے اس کی پسندیدہ سائیکل خرید کر لانے کی اسے خبر دے دی ہو۔

''آ جائیں گے۔ تم سکون سے بیٹھو، ایسی بھی کیا بے قراری۔ پنکھے لگ گئے ہیں تمہارے اندر تو'' مورے ہنس دیں۔

''طلال بھی بالکل احمق آدمی ہے۔ پنڈی سے نکلتے ہوئے مجھے اطلاع دے رہا تھا۔ میں ان سب کے لئے یہاں سے گاڑیاں بھیج دیتا۔ اب راستے میں انہیں کوئی پریشانی نہ ہو تو اچھا ہے۔''

''ہاں، تمہارے آکا جان بھی یہی کہہ رہے تھے۔ خیر، خدا بہتر کرے گا۔'' طلال نے تو راستہ دیکھا ہوا ہے نا؟ کیا اس کے ساتھ زنانیاں بھی ہیں؟'' مورے نے پوچھا۔

مصطفیٰ خان کا دل اس سوال پر سینے میں پھیلا اور سکڑا تھا اور خون رگوں میں پوری تیزی سے دوڑنے لگا۔ یہی تو اضطراب تھا کہ وہ نہیں جانتا تھا، ساتھ کون کون آ رہا ہے۔ امید اور واہم کے درمیان وہ پینڈولم کی طرح جھول رہا تھا۔

وہ پورا قافلہ پہنچا تو وہ لان اور پورٹیکو کے درمیانی حصے میں ہی چک پھیریاں کھاتا ان کا منتظر تھا۔ سب سے پہلے طلال ہی اترا تھا۔ وہ تیزی سے اس کے استقبال کو بڑھا مگر دوسرے پل اس سے نظریں ملتے ہی اس کے قدم سست پڑ گئے۔ عجیب سی ندامت کا احساس دل پر ہلکورے لینے لگا مگر طلال خود آگے بڑھا اور اس سے لپٹ گیا۔

''یہ چوروں کی طرح بھاگنے کی کیا ضرورت تھی؟ تمہیں تو عادت سی پڑ گئی ہے سب کو پریشان کرنے کی اور اس طرح بنا بتائے اچانک غائب ہو جانے کی۔'' وہ اس سے لپٹ کر شاکی سے بولا تھا۔

''مگر ہم بھی کم نہیں ہیں طفی بھائی! آپ کے یوں بھاگنے کی تفتیش کرنے پہنچ ہی گئے۔'' خرم نے کندھے سے لٹکتا بیگ ایک طرف پھینکا اور اس سے لپٹ گیا۔

مصطفیٰ خان نے جھینپ کر بے ساختہ قہقہہ لگایا پھر اس کی پیٹھ تھپکنے لگا۔

''آپ مجھے گھوڑا سمجھ کر تو نہیں تھپک رہے ہیں؟'' خرم کچھ یوں جلدی سے بولا کہ اس نے کھسیا کر جلدی سے ہاتھ کھینچ لیا۔

''نہیں، گدھا سمجھ کر تھپک رہا تھا۔ میرا خیال ہے اسے گھوڑے اور گدھے کا فرق اچھی

طرح معلوم ہے۔" جاذب نے اسے ایک طرف ہٹایا۔ "گھوڑے کو اس طرح نہیں تھپکا جاتا نالائق۔"

"بس بس...... اب تم لوگ یہاں محاذ گرم نہ کر دینا۔ ہمیں تو اندر جانے کا رستہ بتاؤ۔ یہ پورٹیکو میں کھڑے کھڑے ہی سارے گلے شکوے ہو جائیں گے کیا؟" روبی بھابی کی آواز نے لڑکوں کو یکدم ان کی موجودگی کا احساس دلایا۔

مصطفیٰ خان کی نظریں بے تابانہ اس گوشے کی طرف اٹھیں اور جیسے روح تک معطر ہو گئی۔ اندیشے سے دھڑکتے ہوئے اضطراب سے مچلتے دل کو ٹھہراؤ سا آ گیا۔ سیاہ شنیل کی چادر میں اس کا قلب و نظر کو تسکین دیتا سراپا سامنے ہی تھا۔ اس نے اپنے ہی جذبوں کی شدت سے گھبرا کر نظریں ہٹا لیں اور نازش کی انگلی پکڑ کر وین سے اترتے حمزہ کو آگے بڑھ کر اٹھا لیا پھر بولا۔

"گل جاناں بی بی! خواتین کو اندر لے جائیے۔" اس نے ایک بوڑھی ملازمہ کو مخاطب کیا تھا۔ "اور سناؤ پارٹنر، ہمیں یاد رکھا؟" وہ حمزہ کی آنکھوں میں اپنے لئے شناسائی کی معصومانہ چمک دیکھ کر جیسے نہال ہو رہا تھا۔ جس طرح وہ لپک کر اس کی گود میں چڑھا تھا، اس کا دل مسرت سے ہمکنار ہو گیا تھا۔

"یہ پارٹنر تو آپ کی یاد میں رو رو کر کتنے ہی مٹکے بھر چکا مگر آپ تو آئے ہی نہیں نہانے۔ شاید یہاں مردان میں پانی کی کمی نہیں ہے۔"

"شریر۔" خرم کی بات پر زبردست قہقہہ پڑا تھا۔ اس نے جھینپ کر اسے ایک دھپ رسید کر دی۔

خواتین کو گل جاناں بی بی ایک بڑے سے کمرے میں لے آئیں جو سادہ مگر پُروقار انداز میں ڈیکوریٹ تھا۔ یہاں مورے نے ان کا استقبال کیا۔

سفید چکن کے کاٹن کے شلوار سوٹ اور سفید چکن کے بڑے سے دوپٹے میں ان کا سراپا بڑا مقدس لگ رہا تھا۔ ان کی آنکھوں میں بڑی نرماہٹ تھی۔ ایک اپنائیت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ ان سب کا استقبال کرتے ہوئے لحظہ بھر کو ان کی نظریں لالہ رخ پر ٹھٹک کر جمی رہ گئیں پھر آگے بڑھ کر انہوں نے بڑی محبت سے اسے خود سے لپٹا لیا۔

کشش کی عجیب سی لہریں تھیں جو ان کے دل کو براہ راست متاثر کر گئی تھیں۔ فرداً فرداً سب کو گلے لگا کر پیار کیا۔ ان کے نام پوچھے۔

"یہ حمزہ ہے، میرا بیٹا۔" حمزہ بھاگ کر اس کمرے میں آیا تو لالہ رخ نے اس کا تعارف

کرایا۔ مورے کے مسکراتے چہرے پر حیرت آمیز سناٹا اتر آیا۔

"تمہارا بیٹا؟" وہ خالی خالی نظروں سے اس سرخ سرخ چمکتے بالوں والے بچے کو دیکھتی رہ گئیں۔ ان کے ذہن کے کسی گوشے میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ یہ لڑکی شادی شدہ اور ایک بیٹے کی ماں ہو گی۔ یکدم ان کے اندر نامانوس سی چبھن ہونے لگی۔ تاہم اچانک ہی سنبھل کر بولیں۔ "بہت پیارا بچہ ہے۔ ارے تم لوگ سب کھڑی کیوں ہو؟ آرام سے بیٹھو، سفر کی تھکن بھی تو بہت ہو گی۔ گل جاناں بی بی، بچیوں کے لئے جلدی سے کوئی مشروب لے آؤ۔"

گل جاناں بی بی یہاں کی پرانی خادمہ تھیں جن کا احترام حویلی کا ہر فرد کرتا تھا۔ اس نے ان سب کو انیکسی دکھائی۔ اس کے صاف ستھرے اور ضروریات سے آراستہ کمرے دکھائے۔

وہ سب نہا دھو کر فارغ ہوئیں تو بڑا پُرتکلف کھانا ان کا منتظر تھا۔ مرد پہلے ہی کھا چکے تھے۔ خواتین کے لئے دسترخوان سجایا گیا تھا۔

"آپ تو ہم سے بالکل غیروں جیسا سلوک کر رہی ہیں آنٹی! ان تکلفات کی کیا ضرورت تھی بھلا؟" روبی بھابی بولیں۔

"لو بھلا تکلفات کیسے، مجھے تو تم سب بچیوں کے آنے کی اتنی خوشی ہو رہی ہے کہ بیان نہیں کر سکتی۔ میری تو حویلی میں بہاریں اُتر آئی ہیں۔" مورے کے لہجے میں حقیقی مسرت ہمک رہی تھی۔ "مصطفیٰ تو تم سب کے آنے کی خبر سن کر ایک پل سکون سے نہیں بیٹھا۔ اس کے اندر تو پنکھے لگ گئے تھے جیسے۔ ایک ایک لمحہ کاٹنا مشکل ہو گیا تھا اسے۔"

"اسی لئے تو ہم نے اسے وقت پر اطلاع دی۔ ناحق دو روز تک سارے لمحات گنتے گنتے خرچ ہو جاتے۔" خرم کمرے میں داخل ہوتے ہوئے مورے کی بات سن کر بولا۔ وہ سب ہنسنے لگیں۔

مورے نے خرم کو بڑی میٹھی مسکراتی نظروں سے دیکھا۔ "تمہارا بڑا ذکر کرتا تھا مصطفیٰ۔ جب آئے گا تو تم سے مل کر بہت خوش ہو گا۔ اسے تم سے ملنے کا بڑا شوق تھا۔"

ان کی اس بات پر خرم نے فرضی کالر جھاڑے اور خصوصاً خواتین کو تپانے کی غرض سے گردن اکڑا کر بولا۔ "دیکھ لی آپ نے میری قدر و منزلت؟"

"ابھی وہ ملے کہاں ہیں تم سے۔ مل کر بے چارے مایوس ہی ہوں گے۔" مہوش سے رہا نہ گیا۔

"ساری خواتین دراصل میری عزت اور شہرت سے جیلس ہیں طفیلی بھائی!" وہ مہوش کو ترحم بھری نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

''جی ہاں مصطفیٰ بھائی! ہم اس عالمی شہرت یافتہ ہیرو سے جیلس ہیں۔'' نازش استہزائیہ انداز میں ہنسی۔

''جلنے کی بو یہاں تک آ رہی ہے۔''

''اونہہ، آنٹی نے ایک ذرا سی جھوٹی تعریف کیا کر دی، آپے میں ہی نہیں رہے۔ جلنے کی بو آ رہی ہے۔'' مہوش نے منہ بنایا۔

''جھوٹی تعریف۔ افسوس مہوش، تم آنٹی کی انسلٹ کر رہی ہو، انہیں جھوٹی کہہ رہی ہو۔''

''جی نہیں، میں کوئی آنٹی کی انسلٹ نہیں کر رہی ہوں۔'' مہوش بے چاری سٹپٹا کر رہ گئی۔

پھر ایک زبردست قہقہہ پڑا تھا۔

''دیکھیں نا چاچو! خرم بدتمیز کو۔'' وہ سب کے ہنسنے پر کھسیا کر طلال کو مدد طلب نظروں سے دیکھنے لگی۔

''چلو خرم، تنگ مت کرو، کھانا کھانے دو انہیں۔'' طلال نے اسے بازو سے پکڑ کر دروازے کی طرف دھکیلا۔

''کتنا کھائیں گی، سارا راستہ بھی تو کھاتی ہی رہی ہیں۔ اللہ رحم کرے مردان والوں پر۔ قحط نہ پڑ جائے یہاں۔'' اس نے جاتے جاتے آسمان کی طرف نظریں اٹھا کر لمبی سانس کھینچی تھی۔

''بے فکر رہو، تمہارے حصے کا تمہیں ملتا رہے گا۔'' جاذب بھائی نے اس کی پیٹھ تھپکی۔

''ارے ہمارا کیا ہے، دانہ دنکا جو ملے کھا لیتے ہیں بلکہ چگ لیتے ہیں۔ مسئلہ بوری کا ہے، یہ کیسے بھرے گی؟'' اس نے سیدھا سیدھا وار پھر مہوش پر کیا تھا جو آج کل فربہی کی طرف مائل تھی۔ پھر مہوش کا ہاتھ آلو چے کی طرف بڑھتا دیکھ کر وہ فوراً کمرے سے نکل بھاگا۔

''بڑا شریر ہے۔ بالکل مجتبیٰ کی طرح ہے۔'' اس کے جانے کے بعد مورے اس کی شرارتوں پر محظوظ ہو کر مسکراتی رہیں۔ انہیں لگ رہا تھا کہ ان کے دل میں اور اس حویلی میں بہت سے قمقمے جل اٹھے ہوں۔ روشنی ہی روشنی ہو گئی ہو۔ سارے اندھیرے یوں دم توڑ گئے ہوں جیسے گہرے سیاہ بادلوں سے بھرے آسمان پر یکلخت چمکتا سورج نکل آیا ہو اور آسمان کا کونا کونا اجالے سے بھر گیا ہو۔

اجالا جو کائنات کی روح ہے

جو زندگی ہے

کتنے برسوں بعد انہوں نے مصطفیٰ کو ہنستے دیکھا تھا۔ وہ تو عرصہ ہوا اس کھلنڈرے پن سے کھلکھلانا ہی بھول چکا تھا۔

رات کو آکا جان بھی کہہ رہے تھے۔ ''مہر بانو! ان سب کے آنے سے تو ہماری ویران حویلی جگمگانے لگی ہے۔ زندگی کا احساس ہونے لگا ہے۔''

''ہاں، طغی بھی بہت خوش ہے۔ میں نے اسے ایک عرصے بعد یوں خوش دیکھا ہے۔ وگرنہ تو مجھے اس کی چپ سے خوف آنے لگا تھا۔'' مورے ایک پُرسکون سانس بھرتے ہوئے بولیں۔

''کیا یہ خوشی دائمی نہیں ہو سکتی؟'' آکا جان کی آواز میں عجیب بے تابی تھی۔ مورے چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگیں پھر آہستگی سے گردن ڈھیلی کر کے صوفے کی پشت پر ڈال دی۔

''میرے اختیار میں ہو تو میں اس کی جھولی میں سارے جہان کی خوشیاں ڈال دوں۔ اس کی ساری حیات کو جگمگا ڈالوں۔'' ان کے لہجے سے بے بسی چھلکنے لگی۔ رنج بکھر گیا۔

آکا جان اپنی اسٹک کے سہارے کمرے میں اِدھر اُدھر چکر لگانے لگے۔ ایسا وہ عموماً اس وقت کرنے لگتے تھے جب کوئی اضطراب رُوح پر چٹکیاں کاٹنے لگتا۔ کوئی سوچ ذہن پر ضربیں لگانے لگتی اور انہیں لگتا جیسے اتنا ہی ان کے بس میں ہے۔

☆☆☆

مصطفیٰ خان اپنے کمرے میں آیا تو طلال جاگ رہا تھا اور گیلری میں کھڑا تھا۔

''تم سب کے آنے سے مورے اور آکا جان بہت خوش ہوئے ہیں۔ مورے کہہ رہی تھیں کہ ان کی ساری بیماریاں ہی دور ہو گئی ہیں۔''

طلال نے اس کی طرف دیکھا، نظریں ملیں تو وہ اس سے نظریں چرا گیا اور پھیکی ہنسی کے ساتھ بولا۔ ''ان کا خیال ہے حویلی میں رونق آ گئی ہے۔'' وہ مانوس سی ندامت کے احساس سے طلال سے نظریں ملانے سے گریز کر رہا تھا۔

''ان چند سالوں میں مورے بہت کمزور ہو گئی ہیں۔'' وہ گیلری کا دروازہ بند کر کے کمرے میں چلا آیا۔ ''آکا جان بھی مجھے بہت بوڑھے لگنے لگے ہیں۔''

''ہاں، دُکھ اور رنج کا سفر صدیوں کا سفر بن جاتا ہے۔ اس میں آدمی وقت سے پہلے بوڑھا ہو جاتا ہے اور موت سے پہلے مر جاتا ہے۔'' وہ آہستگی سے بولا۔ قریباً خود سے ہی بولا تھا۔ طلال نے اسے دیکھا۔ وہ اب پلٹ کر پردے کی ڈوریاں کھول رہا تھا۔

''آدھے دُکھ اور تکالیف خود ساختہ ہوتی ہیں اور آدھی ان سے پیدا کردہ۔'' مصطفیٰ خان نے پلٹ کر اسے دیکھا تھا پھر معاً نظریں چرا لی تھیں۔ وہ اس کے بے حد نزدیک آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''تم بہت سی باتیں اپنی طرف سے اخذ کر کے چلے گئے طغی! نہیں تو کم از کم سزا سننے کا

ہی انتظار کر لیتے۔'' وہ اس کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے ہلکے سے مسکرایا۔

''تم فرار ہو گئے۔ یوں مجرم کی سزا بڑھ جاتی ہے، اس طرح تم اپنے کیے کی سزا کاٹ رہے ہو۔'' اس کی نظریں اس کے ستے ہوئے چہرے پر جمی تھیں۔ اس کی خوش نما آنکھوں کے گرد گہری سرخی بکھری ہوئی تھی جو اس کے کئی دنوں کے مسلسل جاگتے رہنے، پژمردگی دل کی ترجمان تھی۔

''جس کی پشیمانیاں اس کے جرم سے بڑھ گئی ہوں، یوں بھی اسے تم اور کیا سزا دے سکتے ہو۔'' ایک بوجھل افسردہ سی سانس کھینچتے ہوئے وہ کھڑکی سے باہر جھانکنے لگا۔

''طفی! تم اب بھی اتنے ہی احمق ہو جتنے کالج لائف میں ہوا کرتے تھے۔'' طلال یکدم ہنسا تھا پھر ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے سر کو ہلکی اثباتی جنبش دے کر بولا۔ ''خیر بقول دانا کہ محبت کے معاملے میں ہم سب یکساں بے وقوف ہیں۔ اچھا بات سنو۔'' اس نے اس کے کندھے پر ہاتھ کا دباؤ ڈال کر اس کا رخ اپنی طرف کر لیا۔ ''تم جانتے ہو، میں تمہارے لئے بے حد پریشان ہوں۔'' وہ یکدم بے بسی اور لاچاری کی لپیٹ میں آ گیا۔ ''تم نے اپنے لئے بہت مشکل اور پُر پیچ راستے کا انتخاب کیا ہے طفی! لالہ رخ کو سمجھانا بہت مشکل ہے۔ وہ اپنے لئے اس باب کو بند کر چکی ہے۔''

ایک ہلکی سانس بھر کر اس نے مصطفیٰ خان کے چہرے سے نظریں ہٹا لیں اور اضطرابی انداز میں بالوں پر ہاتھ پھیرتا ہوا بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گیا۔

مصطفیٰ خان حیرت کی شدتوں سے اسے دیکھنے لگا۔ یہ تو وہی طلال دکھائی دے رہا تھا جو اس کے بے حد نزدیک تھا، اس کا دوست تھا، جس سے وہ بلا جھجک ہر بات شیئر کر لیتا تھا۔ یکلخت اس کے سارے احساسات جیسے جنبش کھا کر بیدار ہوئے تھے۔ اس کی رگوں میں نئی توانائی اُمڈتی محسوس ہونے لگی۔

''کیا تم میرے لئے واقعی پریشان ہو طلال؟'' اس کا لہجہ اندرونی خوشی سے لبریز ہو کر مرتعش ہو گیا۔

طلال نے صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر ایک پل کے لئے آنکھیں میچ لیں۔ وہ یکدم طلال کے نزدیک آ کر بیٹھ گیا۔ ''کیا تم میری مدد کرو گے؟''

''میں تمہارے لئے صرف دعا کر سکتا ہوں، اینڈ نتھنگ۔'' طلال جھنجلاہٹ کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ اسے مصطفیٰ خان کے چہرے کی یہ جگمگاہٹ تکلیف دے رہی تھی۔ وہ اسے کوئی امید نہیں دلا رہا تھا بلکہ اسے سمجھانا چاہ رہا تھا کہ یہ راستہ بہت پُر پیچ ہو گا۔ مگر وہ بے وقوف

آرزوؤں اور امیدوں کے ایوان سجانے لگا تھا۔

مصطفیٰ خان کا قہقہہ بڑا برجستہ تھا۔ ''اس سے زیادہ مدد کے لئے میں تم سے کہوں گا بھی نہیں۔ اس لئے کہ کچھ تقدیریں دعاؤں کے تابع بھی ہوتی ہیں۔ ہو سکتا ہے تمہاری کوئی دُعا ہی رنگ لے آئے۔''

اس کے چہرے کی رنگت میں سرخی بڑھ گئی تھی اور آنکھیں کسی اندرونی احساس سے ہیروں کی طرح جگمگاتی دکھائی دے رہی تھیں جیسے مجروح حوصلے کو سہارا سا ملا ہو۔ نا امیدی کے صحرا میں طمانیت کی ایک بوند سی ٹپکی ہو۔

مسلسل اعصاب شکن لمحوں کے دباؤ سے خود کو آزاد محسوس کرتے ہوئے وہ خود کو بادلوں کی طرح ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔

⁂☆⁂

ان کا دوسری صبح سوات جانے کا پروگرام تھا مگر صبح سے ہی اچانک شدید بارش شروع ہو گئی جس کی وجہ سے پروگرام کینسل کرنا پڑا۔

مورے تو رات سے کہہ رہی تھیں، موسم ابر آلود ہے۔ ایسے میں وہ دو دن اور ٹھہر جائیں۔ لڑکے صبح ہی صبح موسم کو انجوائے کرنے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ مصطفیٰ خان انہیں اپنے کھیتوں پر لے گیا تھا۔

''یہ اچھی رہی۔ وہ سب تو موسم انجوائے کریں اور ہم یہاں سڑتے رہیں۔'' نازش کو لڑکوں کا یوں اکیلے اکیلے چلے جانا بہت کھلا تھا۔ خاص کر خرم جس طرح اسے انگوٹھا دکھا کر گیا تھا۔

''تو سڑنے کی کیا ضرورت ہے، یہاں بیٹھ کر انجوائے کرو تم بھی موسم کو۔'' پلوشہ مونگ پھلی چھیلتے ہوئے بولی۔

''یوں بھی سارے موسم دل کے اندر ہوتے ہیں۔ تم کمرے میں بند ہو کر بھی دل بہلا سکتی ہو۔'' روشانہ بولی۔

''یہ اپنے فلسفے اپنے پاس ہی رہنے دو تم۔'' نازش اپنے کپڑے اٹھا کر بکتی جھکتی باتھ روم میں جا گھسی۔ وہ دونوں ہنسنے لگیں۔

ادھر روشانہ نے ایک جملے سے ٹیرس میں بیٹھی لالہ رخ کے دل کے سارے تار چھیڑ دیئے تھے۔

ہم موج میں جب آ جائیں گے، پھر خزاں میں گل کھل جائیں گے
ہر منظر من کے اندر ہے، موسم سے نظارا کیوں مانگیں

اسے اپنی ہی کھلکھلاہٹ ساعت میں گونجتی محسوس ہونے لگی۔
ایسا ہی موسم تھا، ایسی ہی خوشبو چہار طرف پھیلی ہوئی تھی جب وہ سیف الرحمٰن کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے سوات کے اونچے نیچے خوشنما راستوں پر بھاگتے ہوئے گنگنا رہی تھی۔
''جناب یہ تو سچ ہے۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ تمہارے دل کے موسم سے میرے دل کا موسم بھی منسلک ہے۔ تم ہنستی ہو تو میرا دل بھی ہنسنے لگتا ہے۔ تم مہکتی ہو تو مجھے اپنا پور پور مہکتا محسوس ہونے لگتا ہے۔'' وہ اس کی معطرلٹ کو کھینچتے ہوئے خمار سے گویا ہوا تھا۔
''جھوٹ، بالکل جھوٹ۔'' وہ برف کا گولا اس کی طرف اچھال کر بھاگی تھی۔ وہ اس کے پیچھے لپکا تھا۔
''سچ، بالکل سچ۔''
''بالکل جھوٹ۔'' لالہ رخ نے عالم خود شناسی میں آ کر شدت کرب سے پیشانی گرا کے بنے دائروں پر ٹکا دی۔

جب سنگی ساتھی دور کھڑے تکتے ہی رہیں، ہنستے ہی رہیں
پھر بولو ڈوبتے لوگ بھلا ساحل کا کنارا کیوں مانگیں

سارا منظر جھلملا گیا تھا۔
ٹیرس کے شیلٹر کے کناروں سے برستا پانی جیسے اس کی آنکھوں میں اترنے لگا۔
یہ مرد کتنے فراٹے سے جھوٹ بولتے ہیں۔ انہیں احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ لفظوں کے سوئی دھاگے سے کسی کا دل سیتے جا رہے ہیں۔ انہیں لڑی لڑی پروتے ہوئے اس طرح باندھ دیتے ہیں کہ جب یہ ٹوٹتی ہیں تو دل بھی ٹوٹ جاتا ہے، ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جاتا ہے۔
وہ ماضی کی وادیوں میں گم تھی۔ یہ حسین منظر اسے یادوں کے کھنڈر میں آبلہ پا بھگائے لئے جا رہا تھا۔
ایک تھکن
ایک چبھن
ایک جلن تھی مگر اس کے باوجود اسے ماضی کے ان دریچوں میں جھانکنا اچھا لگ رہا تھا۔
''میرا خیال ہے بارش آج سارا دن برسے گی۔'' روبی بھابی موڑھا کھینچ کر اس کے نزدیک آ کر بیٹھیں تو وہ اپنے خیالات سے نکل آئی۔
اچانک اس کی نظریں روشانہ اور نازش پر پڑیں جو حویلی سے باہر جا رہی تھیں۔
''یہ دونوں کہاں جا رہی ہیں؟''

''موسم کو انجوائے کرنے۔'' پلوشہ بھی مونگ پھلی کی پلیٹ لئے ادھر ہی چلی آئی۔
''مگر یہ تو بہت خطرناک بات ہے۔ بارش کی وجہ سے پھسلن بھی بہت ہو رہی ہو گی۔ اور ابھی تو بارش تھمی بھی نہیں ہے۔ انہیں آواز دو پلوشہ۔''
''اتنے شور میں میری مسکین سی آواز کہاں پہنچے گی۔ رہنے دیں لالی! آ جائیں گی خود ہی بھیگی مرغابیاں بن کر۔'' وہ اطمینان سے مونگ پھلی چھیل چھیل کر منہ میں ڈالتی رہی۔ اس کے بھیگی مرغابیاں کہنے پر لالہ رخ کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔
''تم بھی خرم کی زبان بولنے لگی ہو۔''
''اور جو خرم کو خبر ہو گئی کہ پلوشہ اس کی زبان بولنے لگی ہے تو وہ بڑا خوش ہو گا۔'' روبی بھابی بڑے معنی خیز انداز میں کھلکھلائیں۔
''بھابی، آپ تو بس۔'' پلوشہ جھینپ کر اپنا موڑھا کھسکا کر کھڑی ہو گئی۔
''کیوں، میں نے کچھ غلط کہا؟'' وہ زور سے ہنسیں۔ ان کی نظروں میں بجی شرارت پر وہ وہاں سے اٹھ جانے میں ہی عافیت سمجھ کر چلی گئی۔
''لالی! تمہیں کچھ خبر ہے؟'' اس کے جاتے ہی روبی، لالہ رخ کی طرف رازدارانہ انداز میں جھکیں۔ ''خرم، پلوشہ میں انٹرسٹڈ ہے۔'' انہوں نے گویا دھماکا ہی کیا تھا۔ پھر ایک گہری سانس کھینچ کر لالہ رخ کے چہرے پر پھیلے تاثرات دیکھتے ہوئے بولیں۔ ''تم اپنے خیالوں سے نکلو تو کچھ خبر بھی ہو نا تمہیں۔''
''تمہیں کس نے بتایا؟ کیا خرم نے خود کہا ہے تم سے؟'' وہ ابھی تک اپنی حیرانی سمیٹ نہ پائی تھی۔
''خیر، اس نے تو نہیں کہا۔ مگر آنکھیں تو رکھتے ہیں نا ہم بھی۔'' یہ کہہ کر وہ حسب عادت کھلکھلائیں۔
''اگر ایسی بات ہے تو تم نے مجھے گھر پر کیوں نہیں بتایا۔ کیا سعدیہ بھابی کو خبر ہے؟ تم نے انہیں کچھ بتایا ہے؟''
''ارے کہاں۔ چچی جان کو کچھ بتا کر خرم سے جھگڑا مول لینا ہے کیا؟ اور پھر وشی ابھی بے خبر ہے۔ اور وہ محترم یکطرفہ ٹریک پر ہی چل رہا ہے۔''
''تم بھی حد کرتی ہو روبی!'' یہ بات تمہیں مجھے تو کم از کم بتا دینی چاہئے تھی۔ تمہیں پتہ ہے سعدیہ بھابی، روشانہ میں دلچسپی لے رہی ہیں۔ مجھے پتہ ہوتا تو میں بات کلیئر کر دیتی اور وہ خرم سے پہلے اس کی پسند ہی پوچھ لیتیں۔'' لالہ رخ کے چہرے پر سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔

"اوہ۔" روبی کے ہونٹ بے ساختہ سیٹی کے سے انداز میں سکڑ گئے۔ پھر کچھ سوچ کر بولیں۔ "ابھی معاملہ اوپر تک تو نہیں گیا نا۔ میرا مطلب ہے آمنہ خالہ سے تو انہوں نے بات نہیں کر ڈالی نا۔"

"نہیں خیر۔ انہوں نے مجھے روشی کا عندیہ لینے کو کہا تھا۔" لالہ رخ نے یہ کہتے ہوئے نظریں چرالیں اور گرل سے باہر دیکھنے لگی۔

"پھر تم نے روشانہ کا عندیہ لیا؟"

"نہیں، میرا خیال ہے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ خرم کو اس نظر سے نہیں دیکھتی۔"

"تو پھر کسے اس نظر سے دیکھتی ہے؟" وہ شرارت سے بولیں مگر لالہ رخ اس کی بات کو ان سنی کر گئی۔

"مجھے تو فکر ہو رہی ہے ان دونوں کی۔ جانے کہاں نکل گئی ہیں۔ اس وقت گھر پر کوئی مرد بھی نہیں ہے۔ کون دیکھنے جائے گا انہیں؟" وہ اٹھ کر گرل کھول کر دور تک نظریں دوڑانے لگی۔ مگر حویلی کی چہار دیواری کے بعد ایک لمبی سی سڑک کے علاوہ کچھ دکھائی نہ دے رہا تھا۔ سڑک کے اس پار پہاڑوں کا مہیب سلسلہ دکھائی دے رہا تھا۔

"فکر مت کرو، زیادہ دور نہیں گئی ہوں گی۔ قریب ہی کہیں ٹہل رہی ہوں گی۔ آؤ نیچے چلتے ہیں۔" روبی موڑھا کھسکا کر اٹھ گئیں۔

وہ دونوں نیچے آئیں تو مورے لونگ روم میں ملازموں سے ٹیبل پر شام کی چائے کے ساتھ موسم کے پکوان بھی سجا رہی تھیں۔

"ارے یہ تکلف کیوں کر رہی ہیں آپ؟" لالہ رخ یہ دیکھ کر شرمندہ ہو گئی۔

"لو، تکلف کی کیا بات ہے۔ تم لوگ کوئی غیر ہو؟ میری اپنی بچیاں ہو۔ مجتبیٰ اور شہباز بڑے خوش ہیں تم سب کے آنے سے۔ وہ پاگل تو کہتا ہے، مورے یہ سب مہمان نہیں لگتے اپنے ہی لوگ لگتے ہیں۔ انہیں ہمیشہ کے لئے روک لیں یہاں پر۔" مورے کے چہرے پر ایک مہربان چاندنی چٹکی ہوئی تھی۔ وہ عجیب محبت سے لالہ رخ کو دیکھ رہی تھیں۔ پھر وہ عجیب مغموم مسکراہٹ کے ساتھ بولیں۔

"ہے نا پاگل۔ بھلا مہمان عمر بھر کے لئے بھی ٹھہرتے ہیں؟ یہ تو موسم کے بادلوں کی طرح ہوتے ہیں۔ برس کر چلے جاتے ہیں۔ سوکھی دھرتی کچھ دنوں کے لئے سیراب ہو جاتی ہے پھر وہی بادلوں کا انتظار۔"

"آپ مصطفیٰ بھائی کی شادی کر دیں آنٹی۔ بہو آجائے گی تو آپ بھی بہل جائیں گی۔"

روبی، گل جاناں بی بی کے ساتھ ٹیبل پر پلیٹیں سجاتے ہوئے ان کی افسردگی کے پیش نظر بولیں۔ ان کی بات پر مورے کا خوبصورت چہرہ ایک پل کے لئے تاریک ہو گیا۔ ایک گہری سانس سینے کی تہ سے کھینچتے ہوئے وہ صوفے پر نڈھال سے انداز میں بیٹھ گئیں۔ "بس اسی آس پر تو جی رہی ہوں کہ یہ خوشی بھی دیکھ لوں۔" وہ یکدم بجھ گئی تھیں اور ایک ٹک قالین کو گھورنے لگی تھیں۔ انہیں اتنا افسردہ دیکھ کر روبی اپنے سوال پر شرمندہ سی ہو گئیں۔

"ارے مجھے تو خیال ہی نہیں۔ وہ چاروں بچیاں کہاں ہیں؟ انہیں بھی بلا لو۔" وہ چونکتے ہوئے افسردگی کے سحر سے خود کو آزاد کرتے ہوئے مسکرائیں۔

"تم سب دو دن اور ٹھہر جاتیں تو مجھے خوشی ہوتی۔ خیر سوات سے واپس ادھر ہی آنا، میں انتظار کروں گی۔" روبی کے جانے کے بعد مورے، لالہ رخ سے کہہ رہی تھیں جس کا دھیان ایک بار پھر روشانہ اور نازش کی طرف چلا گیا تھا۔ عجیب طرح کے وسوسے اس کے دل کو جکڑ رہے تھے۔

"آؤ گی نا تم لوگ دوبارہ ادھر ہی؟" وہ اسے ملتجی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ گو کہ یہ ممکن نہیں تھا۔ جاذب کی جاب تھی، روشانہ اور پلوشہ کو واپس جانا تھا اور ادھر حمزہ کا اسکول بھی شروع ہونے والا تھا۔ مگر مورے کی محبت آمیز التجا پر وہ بے اختیار سر ہلا گئی۔

"ضرور، کیوں نہیں۔" اور مورے کا چہرہ کھل اٹھا۔

"مجھے یقین نہیں آتا کہ تم شادی شدہ ہو۔ کتنے سال ہو گئے ہیں تمہاری شادی کو؟" مورے کی اب ساری توجہ لالہ رخ کی طرف ہی تھی۔ کشش کی وہی مانوس لہریں ان کے دل پر اضطراب مارنے لگی تھیں۔ وہ اس کا شبنم صفت سراپا تکنے لگیں۔

"میاں کیا کرتا ہے تمہارا؟ وہ ساتھ کیوں نہیں آیا؟"

"میری، شوہر سے علیحدگی ہو چکی ہے۔" لالہ رخ چند لمحے توقف کے بعد غیر متزلزل لہجے میں بولی۔ اب اس طرح کے سوالات سننے اور جواب دینے کی وہ عادی ہو گئی تھی۔ انکشاف کے اس دھچکے نے کتنی دیر مورے کو خاموش کر دیا۔ بس پلکیں حیرت سے اٹھائے وہ لالہ رخ کو یوں دیکھتی رہیں جیسے وہ اسے کوئی حیرت آمیز کہانی سنا رہی ہو۔ ایک دُکھ کی لہر ان کے دل کو کاٹتی ہوئی گزری تھی۔ میکانکی انداز میں ان کا ہاتھ اس کے کندھے پر جا ٹکا۔

"تم تو ابھی بہت چھوٹی ہو اور اتنا بڑا دُکھ۔" پھر وہ افسردگی سے ہنس دیں۔ "ہاں بھلا دُکھ اور تکالیف عمر کو کب دیکھتے ہیں۔ یہ تو طوفان کی طرح، اونچے درخت ہوں کہ ننھی ننھی پنیریاں، سب کو یکساں اجاڑ دیتے ہیں۔"

وہ عجیب طرح کی یاسیت کا شکار ہونے لگی تھیں جیسے یہ دُکھ ان کا اپنا ہو، جس کا
راست ان کی ذات سے تعلق ہو۔

"تمہارا بیٹا تو بہت پیارا ہے۔ طفی سے یوں مانوس ہے جیسے ہمیشہ اس کے ساتھ رہا
ہو۔" وہ کہنے لگیں اور لالہ رخ کے اندر وہی اضطراب ہلکورے لینے لگا۔

یہی تو وہ نہیں چاہتی تھی۔ جس طرح حمزہ، مصطفیٰ خان سے مانوس ہوتا جا رہا تھا، یہ
اس کے لئے بڑی پریشان کن تھی۔ وہ حمزہ کو اس طرح سینت سینت کر سنبھال کر چھپا چھپا کر
رکھنا چاہ رہی تھی کہ جیسے اگر کسی غیر اجنبی سے مانوس ہو گیا تو اس سے چھن جائے گا اور مصطفیٰ
خان کی آنکھیں جس طرح حمزہ کو دیکھ کر جگمگانے لگتیں، اس کا دل اندر ہی اندر بکھرنے لگتا۔

"طفی تو ملتان سے آ کر بھی حمزہ کی ہی باتیں کرتا رہتا تھا۔ مجھ سے کہتا۔ مورے! لالہ رخ
کا بھانجا مجھے تو بالکل مجتبیٰ کا بچپن لگتا ہے۔ مجھے اسے دیکھ کر بالکل بھی نامانوسیت کا احساس
نہیں ہوا۔ جیسے میں ہمیشہ اس کے ساتھ رہا ہوں...... تب مجھے پتہ نہیں تھا کہ طلال کی بہن
ہو اور یہ تمہارا ہی بچہ ہے۔" وہ لالہ رخ سے باتیں کرتے ہوئے بہت مسرور دکھائی دے رہی
تھیں۔ پھر اچانک انہیں احساس ہوا کہ وہی مسلسل بول رہی ہیں، وہ تو بالکل چپ ہے۔

"کہیں میری باتیں تمہیں بدمزہ تو نہیں کر رہی ہیں؟" انہوں نے سیاہ دوپٹے کے ہالے
میں مقید اس کا خوشنما چہرہ بنظر غور دیکھا پھر پھیکی ہنسی کے ساتھ بولیں۔ "دراصل مجھے اتنے
عرصے کے بعد بیٹی ملی ہے نا۔ تو بیٹیوں سے باتیں کرنے کا شوق امڈ آیا ہے۔ ذیشانہ تھی تو ہم
دونوں ایک دوسرے کے ساتھ گھنٹوں باتیں کیا کرتے تھے۔"

"آپ سے باتیں کر کے بھلا کون بدمزہ ہو سکتا ہے۔ آپ تو اتنی اچھی باتیں کرتی ہیں۔"
لالہ رخ جلدی سے بولی۔ پھر چونکتے ہوئے بولی۔ "ذیشانہ کون ہے؟"

"ذیشانہ......" مورے ایک پل کے لئے جیسے کھو سی گئیں۔ پھر اسی کھوئی کھوئی کیفیت میں
بولیں۔ "آغا جان کی بیٹی، مصطفیٰ کی بیوی، میری بہو۔"

"کمال ہے، انہوں نے تو کبھی بتایا نہیں اور ہمارے یہاں آئے بھی تو اکیلے چلے آئے
اپنی بیوی کو ساتھ نہیں لائے۔" لالہ رخ کو شدید حیرانی ہوئی۔ "کیا وہ حویلی میں موجود
ہے؟" اس سے ملنے کی خواہش دفعتاً اس کے اندر جاگ اٹھی۔

"وہ زندہ نہیں ہے۔" مورے بے حد آہستگی سے بولیں جیسے خود سے کہہ رہی ہوں۔
"اُسے تھیلیسیمیا تھا، شادی کے تین سال بعد اس کا انتقال ہو گیا۔"

"اوہ......" لالہ رخ کے دل سے اٹھنے والی خواہش کی لہر گویا کہیں ریت میں جذب

رہ گئی۔ "آئی ایم سوری۔" مورے کا بجھا ہوا چہرہ اسے افسردہ کر گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا
کہ اس کا ردعمل کیا ہونا چاہئے۔

"ارے باتوں میں مجھے خیال ہی نہیں رہا کہ یہ میز یونہی تھوڑی سجائی ہے۔ یہ روبی خود
کہاں رہ گئی؟" مورے یکدم افسردگی کے سحر کو کاٹتے ہوئے بولیں۔ "گل جاناں بی بی!
چائے لے آؤ اور بچیوں کو بھی بلا لو۔" پھر صوفے سے اٹھتے ہوئے بولیں۔

"بہت سی باتیں میں تم سے کرنا چاہتی ہوں۔ پتہ نہیں کیوں تمہیں دیکھ کر دل چاہتا ہے
اپنے دل کی ساری باتیں تم سے کروں۔ کیا تم رات میرے پاس رہو گی؟ میں تو ساری رات
جاگتی رہتی ہوں۔ ہاں مگر تمہیں ساری رات نہیں جگاؤں گی۔" وہ ہلکے سے ہنس دیں۔

"اب ایسی بات بھی نہیں ہے مورے۔ میں بھی جاگ لوں گی آپ کے ساتھ۔" وہ
اپنائیت سے بولی۔ اس کا بے ساختہ انداز میں مورے کہنا انہیں بے طرح خوشی دے گیا۔

"ہاں، تم بھی طفی اور مجتبیٰ کی طرح مجھے مورے کہا کرو۔" وہ بچوں کی طرح خوش ہو کر
بولیں۔ لالہ رخ اپنے بے ساختہ فعل پر خفیف سی ہو کر رہ گئی۔

✲☆✲

طلال اور مصطفیٰ کوئی گھنٹہ بھر بعد آئے تو وہ سب بھیگی ہوئی پورٹیکو میں پریشان حال کھڑی
تھیں۔ روشانہ کا کہیں اتا پتہ نہیں تھا۔ نازش مسلسل رو رہی تھی۔ اس نے بتایا کہ وہ دونوں
ٹہلنے نکلی تھیں کہ اچانک ایک بڑا سا کتا کہیں سے آ نکلا اور ان کے پیچھے بھاگا جس کے
باعث وہ دونوں حواس باختہ الگ الگ سمتوں میں بھاگ نکلیں۔ نازش اتفاق سے حویلی کی
طرف بھاگی تھی جبکہ روشانہ کا اب کہیں پتہ نہیں تھا۔

مورے نے ملازم کو بھیجا تھا۔ وہ قریب قریب کی ساری سڑکیں، گلیاں اور کھائیاں جھانک
آیا تھا۔

طلال تو اس افتاد پر چکرا کر رہ گیا۔

"تم لوگوں کو ضرورت کیا تھی اتنی بارش میں نکلنے کی۔ نہ موسم کو دیکھا ہے نہ راستوں سے
واقف ہو تم لوگ۔" اس نے بھیگی ہوئی نازش کو بری طرح جھاڑ پلائی۔

"ہم تو یونہی نزدیک ہی ٹہل رہے تھے۔ یہ تو کتا کہیں سے اچانک آ گیا۔" وہ منمنائی۔

"اوکے، اوکے۔ ڈونٹ وری۔ چلو دیکھتے ہیں۔" مصطفیٰ، طلال کے کندھے کو تھپکی دیتا
گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

"میرا خیال ہے کرنل صاحب کا کتا ہی ہو گا۔ اگر وہی ہوا تو فکر کی بات نہیں ہے، وہ کاٹتا

نہیں ہے۔'' گاڑی پورٹیکو سے نکالتے ہوئے اس نے جیسے تسلی دی۔ ''وہ صرف بھونکتا ہے۔تم نے سنا نہیں، جو بھونکتے ہیں وہ کاٹتے نہیں۔''

''ہاں بتاؤ نازش، کس طرف تھے تم لوگ؟'' طلال نے پلٹ کر پوچھا۔

''یہاں سے وہ کتا نکلا تھا۔'' وہ ایک گھر کی طرف اشارہ کر کے بولی۔ ''روشی اس طرف بھاگی تھی۔ اور اس کے بعد مجھے خبر نہیں۔ میں تو خود بدحواس ہو گئی تھی۔''

''میرا خیال ہے گاڑی یہیں روک دو طیفی۔ ہم پیدل چل کر دیکھتے ہیں۔'' طلال نے اردگرد جائزہ لیتی نظریں دوڑاتے ہوئے کہا اور گاڑی سے نیچے اتر آیا۔

''لالی! تم دونوں گاڑی میں ہی بیٹھو، ہم آگے دیکھتے ہیں۔''

''مگر چاچو، اگر وہ کتا پھر ادھر آ گیا تو؟'' نازش مارے دہشت کے بولی۔

''تم لوگ شیشے بند کر کے بیٹھو۔ فکر کی بات نہیں ہے۔ گاڑی میں بیٹھے ہوؤں کو کتے کچھ نہیں کہتے۔''

''مگر تم لوگ تو پیدل جا رہے ہو نا۔'' لالہ رخ تشویش سے بولی اور پلٹتا ہوا مصطفیٰ خان ایک پل کو ٹھٹک گیا۔ اس کے لبوں کی تراش میں بے ساختہ مسکراہٹ امڈی تھی۔

''وہ اتنا خطرناک کتا ہرگز نہیں ہے۔ بس ان کے ڈر کر بھاگنے کی وجہ سے وہ پیچھے بھاگا ہو گا۔ ورنہ وہ اکثر اس گلی میں گھومتا رہتا ہے۔''

''مگر یہ تو کوئی شرافت نہ ہوئی نا کہ گلی میں دندناتا پھرے اور جس کے پیچھے دل چاہے بھاگ لے۔'' نازش نے بڑبڑا کر کھڑکی سے منہ اندر کر لیا اور شیشے اوپر کرنے لگی۔

طلال راستے میں سائیکل پر کھیلتے بچے کو روک کر پوچھ گچھ کر رہا تھا۔ اس کا چہرہ اس کے اندرونی خلفشار اور پریشانی کی ترجمانی کر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا لڑکیاں کتوں جیسی مخلوق سے کس قدر خوفزدہ ہوتی ہیں۔

''میں نے ایک لڑکی کو بھاگتے دیکھا تو تھا۔ میرا خیال ہے انکل! وہ اس گیٹ سے اندر گئی تھیں۔'' لڑکا ذہن پر زور دیتا ہوا بولا۔ ''کتا وتا تو البتہ پیچھے نہیں تھا مگر وہ لڑکی بہت خوفزدہ تھی۔''

طلال اسے چھوڑ کر تیر کی تیزی سے اس گیٹ کی طرف بڑھا جس کی طرف اس لڑکے نے اشارہ کیا تھا۔ بڑا سا سلاخوں والا گیٹ نیم وا تھا۔ وہ بیل ڈور دینے کی بجائے اسے دھکیل کر اندر چلا گیا۔

اندر کا ماحول ان دونوں کے لئے تسلی بخش ثابت ہوا۔ روشانہ کین کی کرسی پر بیٹھی سڑسڑ

آنسو بہا رہی تھی۔ جبکہ اس کے قریب دوسری کرسی پر ایک ادھیڑ عمر کی خاتون بیٹھی تھیں جو اس کے ہاتھوں کی خراشوں پر روئی کے پھائے رکھتے ہوئے اسے نرمی سے دلاسا دے رہی تھیں۔

''تم فکر مت کرو، تمہیں میرا بیٹا گھر چھوڑ آئے گا۔''

''مگر میں تو خود یہاں گیسٹ ہوں، مجھے گھر کا ایڈریس بھی پتہ نہیں۔'' اس کے نزدیک ہی ایک لڑکا کھڑا تھا جو روشانہ کو بہت دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ غالباً اس خاتون کا بیٹا تھا۔

اسی پل روشانہ کی نظریں جوں ہی طلال پر پڑیں، مارے خوشی اور حیرت سے وہ جھٹکے سے کرسی سے اٹھی مگر دوسرے پل بدن کی چوٹوں نے اسے ہلا کر رکھ دیا۔ ایک کراہ کے ساتھ وہ واپس اسی کرسی پر ڈھے گئی۔

خاتون اور لڑکے کی نظریں بھی طلال سے ہوتی مصطفیٰ پر گئیں تو ایک شناسا مسکراہٹ ان کے لبوں پر دوڑ گئی۔

''السلام علیکم آنٹی۔ دراصل یہ میری گیسٹ ہیں۔ ہم انہیں ہی ڈھونڈ رہے تھے۔'' مصطفیٰ خان اس خاتون سے مخاطب ہوا۔

''اچھا، اچھا...... یہ تمہاری گیسٹ ہیں۔ چلو اچھا ہوا۔ یہ تو بے چاری بہت پریشان ہو رہی تھیں۔ کتا بھاگا تھا ان کے پیچھے۔ ہم دونوں یہاں شیلٹر کے نیچے بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ اچانک گیٹ کھلا اور یہ لڑکی بدحواس سی بھاگتی ہوئی اندر آئی۔ میں تو ڈر گئی کہ خدانخواستہ کوئی غنڈہ، بدمعاش پیچھے نہ لگا ہو اور خدا جانے کیا معاملہ ہو۔ مگر پتہ چلا کتے کے ڈر سے بھاگی ہے۔''

''ہاں، یہ ہمارے پڑوسی کرنل صاحب کا کتا عموماً ایسے جوک کر جاتا ہے۔'' مصطفیٰ خان روشانہ پر ایک اچٹتی نظر ڈال کر ہلکے سے مسکرایا۔

''اتنی دیر سے یہاں بیٹھی ہوں، کوئی مجھے گھر سے لینے نہیں آیا۔ کیا نازش گھر نہیں پہنچی؟'' طلال کو دیکھ کر جہاں اسے ڈھارس ملی، وہیں اپنے ان وحشت ناک لمحوں کی اذیت نئے سرے سے جاگ اٹھی۔

خوف، دہشت نے اس کی بری حالت کر دی تھی۔ بھیگے کپڑے، ہاتھوں میں جابجا خراشیں، ٹوٹی ہوئی چپل اور آنسوؤں کی یورش سے لال بھبھوکا چہرہ۔ وہ خاصی قابل رحم لگ رہی تھی۔

''تو تمہیں کس حکیم نے مشورہ دیا تھا کہ اس اجنبی علاقے میں اور اتنی تیز بارش میں واک کے لئے نکلو۔'' وہ دبی دبی زبان میں سرزنش کرنے لگا۔

مصطفیٰ خان مسکراہٹ چھپانے کو بے ساختہ رخ پھیر گیا تھا۔

''میرا بیٹا شیراز آپ کو گاڑی میں چھوڑ آتا ہے۔'' وہ خاتون روشانہ پر ایک میٹھی محبت آمیز نگاہ ڈال کر اپنائیت سے بولیں۔

''نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں گاڑی لے کر آیا ہوں۔ آپ کا بہت شکریہ۔'' مصطفیٰ خان جلدی سے بولا۔

''مجھے نازش نے چلنے کو کہا تھا اور ہمیں کیا پتہ تھا یہاں کتے یوں کھلے ڈلے گھومتے ہیں۔'' وہ کرسی سے بمشکل اٹھی مگر طلال کا بڑھا ہوا ہاتھ نظر انداز کر کے قدم اٹھانے لگی۔ ہر قدم پر بدن سے ٹیسیں اٹھتی محسوس ہو رہی تھیں۔

''شکر کیجئے کہ یہ کتا صرف بھونکنے والا تھا، کاٹنے والا نہیں تھا۔'' مصطفیٰ خان شرارت سے بولا۔

''کتوں کا کیا بھروسہ۔ کاٹ بھی لیتا تو کوئی کیا کر لیتا؟''

''مگر آپ کو تو فکر نہیں کرنی چاہیے۔ آپ کے ساتھ تو اس ملک کا بہترین سرجن کھڑا ہے۔'' پھر شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ''وہ کہتے ہیں نا کہ پڑیئے بیمار گر ہو کوئی تیماردار۔''

روشانہ اور طلال کو ساتھ ساتھ دیکھ کر اس کی رگِ ظرافت بے ساختہ ہی پھڑک گئی تھی۔ حالانکہ وہ ایسا غیر شائستہ مذاق کرنے کا عادی نہیں تھا اور نہ سچویشن کم از کم غیر سنجیدگی کی متقاضی تھی۔

''ان کے سرجن ہونے سے مجھے کیا فائدہ ہوگا؟ کیا وہ میری جگہ چودہ انجکشن لگوا لیتے؟'' وہ آستین سے ناک اور منہ پونچھتے ہوئے جل کر بولی۔ پھر درد کے مارے لڑکھڑا گئی۔

''لگوا لیتے۔ بصد شوق لگوا لیتے۔ آزما کر دیکھ لیں۔''

''مطفی! یہ کیا بکواس لگا رکھی ہے؟ جاؤ، جا کر گاڑی یہیں لے آؤ۔'' طلال نے مصطفیٰ کو گھورتے ہوئے روشانہ کو جلدی سے تھاما تھا۔

نرم ملائم ہاتھ پر جابجا خراشیں تھیں۔ پیر کی موچ اور کمر میں لگنے والی ضرب کے باعث اسے چلنے میں شدید دشواری کا سامنا تھا۔ تکلیف کا احساس اس کے چہرے سے بخوبی ہو رہا تھا۔ مگر اس کے باوجود طلال نے اسے تھاما تو وہ مارے خجالت اور شرم کے خود میں سمٹ کر رہ گئی۔ اس کے لمس کا احساس آگ کی طرح گویا اس کے بدن کو چھو گیا تھا اور یہ آگ ہی تھی۔ نامحرم کا چھونا آگ ہی ہوتا ہے، جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ جو ساری نیکیاں خاکستر کر

ڈالتی ہے۔

اس نے تکلیف کے باوجود اس کی گرفت سے خود کو یوں چھڑا لیا جیسے یہ آگ اسے بھسم کر ڈالے گی اور جلدی سے دیوار کا سہارا لے کر گیٹ کے باہر بنی باؤنڈری وال پر بیٹھ گئی۔

''پلیز، لالی کو بلائیں، مجھ سے نہیں چلا جا رہا۔'' یکدم اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا جھرنا پھوٹ نکلا۔

پتہ نہیں، یہ آنسو تکلیف کے باعث نکلے تھے یا اس کی اتنی قربت اور اس کے بے اختیارانہ فعل پر۔ طلال خود بھی خفیف سا ہو کر رہ گیا تھا۔ یہ اس کا بالکل غیر ارادی اور محض ہمدردانہ اقدام تھا ورنہ اسے چھونے کی کوئی مکروہ خواہش اس کے ذہن و دل کے گوشے میں کہیں بھی نہیں تھی۔ پتہ نہیں وہ کیا سمجھی تھی۔ وہ شدید شرمندگی محسوس کرنے لگا۔

گاڑی میں لالہ رخ اور نازش کو دیکھ کر روشانہ کو ڈھارس سی ملی۔ اس کے جسم کا جوڑ جوڑ ہل رہا تھا مگر مارے خجالت کے وہ کسی کو یہ بھی نہ بتا سکی تھی کہ وہ ایک گڑھے میں گری تھی جو کانٹے دار جھاڑیوں سے اٹا ہوا تھا۔

گھر میں سب ہی شدت سے اس کے منتظر تھے۔ خرم، جاذب اور عادل بھی مجتبیٰ کے ساتھ کھیتوں سے واپس آ گئے تھے اور اب وہ روشانہ کے لئے فکرمند تھے۔ مگر جوں ہی وہ لالہ رخ اور نازش کے سہارے اندر داخل ہوئی، سب کے لبوں پر تشکر کے ساتھ بے اختیارانہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

''کہیں کتے نے لنچ ونچ تو نہیں کر لیا تمہارے گوشت کا؟''

''خدا نہ کرے، کیا اول فول بک رہے ہو خرم؟'' روبی بھابی نے اسے جھاڑ دیا اور لپک کر اسے تھاما۔

''ڈر کر بھاگی تھیں۔ کتا تو بیچارہ کہیں پیچھے رہ گیا۔ ویسے کاٹنے والا کتا تھا نہیں۔ یہ ناحق بھاگیں۔''

''لو، بچی کو کیا پتہ کہ وہ کاٹنے والا ہے یا نہیں؟'' مورے نے اب کے خفگی سے مصطفیٰ کو گھورا۔ روشانہ کا یہ حال دیکھ کر ان کو بے حد تکلیف ہو رہی تھی۔

اسے آرام دہ بستر پر لٹا کر مورے نے گل جاناں بی بی کو گرم پانی لانے کو کہا۔ پھر وہ نہایت ماہرانہ طریقے سے اس کے زخموں کو صاف کر کے مرہم پٹی کرنے لگیں۔

''روشی! یہ دوسرا حادثہ ہے جو تمہارے ساتھ ہوا ہے، ملتان آتے ہی۔ اور اب مردان آتے ہی۔ سوچ لو، سوات جاتے ہی کچھ اور نہ ہو جائے۔'' خرم، روشانہ کو چھیڑ رہا تھا۔ جواباً

روشانہ نے کشن اٹھا کر پوری طاقت سے اسے کھینچ مارا مگر وہ پہلے ہی چوکنا تھا، جھکائی دے گیا اور کشن کمرے میں داخل ہوتے طلال کے چہرے کو سلامی دے گیا۔

ادھر روشانہ کھسیا کر جلدی سے نظریں جھکا گئی۔

مجنوں وہی بنا، اسے پتھر پڑے قمر
دیوارِ عشق جس نے پھلانگی خوشی خوشی

''شکر کیجئے، پتھر نہیں پڑے، کشن ہی سے گزارا ہو گیا۔ بچت ہو گئی۔'' خرم ہنستا ہوا سیدھا ہوا اور طلال کی طرف دیکھا۔ جواباً طلال اسے خفگی سے دیکھ کر رہ گیا۔ پھر ہاتھ میں پکڑا پین کلر کا اسٹریپ اسے ہی تھما دیا۔

''یہ انہیں دے دو۔ پین کلرز ہیں۔''

''انہیں، کنہیں؟'' خرم نے معنی خیز انداز میں ہنکارا بھرا۔ پھر اُسے دروازے کی طرف بڑھتے دیکھ کر لپکا۔ ''چاچو، بات تو سنیے۔ اب ایسی بھی کیا بے رُخی؟'' وہ دروازے کے فریم میں فٹ ہو گیا۔ ''جب یہاں قدم رنجہ فرما ہی چکے ہیں تو اپنے مریض ہجر کا معائنہ بھی کرتے جائیے۔ کہتے ہیں مسیحا کو صرف دیکھ کر ہی مریض کی آدھی تکلیف ختم ہو جاتی ہے۔''

''ہو سکتا ہے، مجھے دیکھ کر ان کی تکلیف میں کچھ اور اضافہ ہو جائے۔'' وہ ابرو اچکا کر ایک اچٹتی نظر اس پر ڈال کر رہ گیا۔ ''کمرے میں داخل ہوتے ہی میرا سواگت تو کچھ اسی طرح کا ہوا تھا۔''

ادھر روشانہ پہلے ہی خرم کی بکواس پر دل ہی دل میں جز بز ہو رہی تھی۔ طلال کے لہجے میں چھپی کاٹ اسے اندر تک کاٹ گئی۔

''اب اتنے بھی دلبرداشتہ نہ ہوں چاچو! یہ نشانہ تو مجھ پر داغا گیا تھا۔ آپ کی راہ میں تو پھول بچھانے کا پروگرام ہے۔ مگر افسوس موقع واردات پر، میرا مطلب ہے اس حسین موقع پر پھول دستیاب نہ ہو سکے۔ دیکھ لیجئے، اس بات کا کتنا قلق ہو رہا ہے اسے۔''

''خرم! فضول بکواس مت کرو۔'' روشانہ کا ضبط جواب دے گیا۔ وہ بری طرح چٹخی تھی۔ طلال نے بے ساختہ امڈنے والی مسکراہٹ کو ہونٹوں کو باہم دبا کر روکا تھا۔

''خیر پھول وول سے سواگت کی تو مجھے ان سے امید ہو ہی نہیں سکتی۔'' اس نے اس کے چہرے پر ایک نگاہ ڈالی پھر گہری سانس کھینچتے ہوئے بولا۔ ''اس طرح کی نشانہ بازی سے یوں بھی پرہیز کرنا چاہئے انہیں۔ خاص کر جب نشانہ اس قدر برا ہو تو۔ یہ تو کشن تھا، واقعی بچت ہو گئی۔''

اس کی بات پر خرم کا قہقہہ خاصا زوردار اور برجستہ تھا۔

''مارا جو تو نے پھول وہ پتھر سے کم نہیں، چاچو! یہ والا معاملہ تو نہیں ہو گیا آپ کے ساتھ؟'' خرم نے معنی خیز انداز میں بھنویں اچکا کر طلال کو دیکھا تھا۔

''تم یہ ٹیبلٹ انہیں دے دو۔ ایسا نہ ہو ان کا درد کچھ اور بڑھ جائے تمہاری فضول گوئی سے۔'' طلال اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے اسے ہلکی ڈپٹ سے بولا۔

''پہلے ڈاکٹر ہیں آپ جو اِن ڈائریکٹ مریض سے خطاب کر رہے ہیں۔ میرے اندر کبوتروں والی کوئی صلاحیت نہیں ہے۔'' خرم نے ہاتھ میں پکڑے اسٹریپ کو دیکھ کر مسکین سی صورت بنائی مگر اس کی آنکھوں میں شرارت آمیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

''تم ہی دے دو۔ میرے نزدیک آ جانے سے کہیں ان کا درد اور نہ بڑھ جائے۔'' وہ پلٹتے ہوئے گہرا طنز کر گیا تھا۔ خرم نے پہلے انہیں جاتے دیکھا پھر روشانہ کو دیکھا جو خفت اور احساسِ توہین سے سن سی بیٹھی رہ گئی تھی۔ خرم سے نظریں ملیں تو پلکیں جھپک کر جھکا لیں۔

''تمہارا اور چاچو کا کوئی جھگڑا چل رہا ہے کیا؟'' وہ اُلجھ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر یکدم کسی خیال کے تحت اس کے لبوں کی تراش میں دلفریب مسکراہٹ جھلکی تھی۔ کہتے ہیں کہ......

جو کہ ہوں مونس و ہمدم
جھگڑا بھی تو انہی سے ہوتا ہے

اس نے روشانہ کے نزدیک آ کر بڑے معنی خیز انداز میں اسے دیکھا۔

''میرا کوئی جھگڑا وگڑا نہیں ہے ان سے۔ جب کوئی تعلق ہی نہیں تو جھگڑا کیسا۔'' وہ قدرے بھنا کر بولی اور چادر منہ تک کھینچ لی۔ گویا مزید کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ خرم ایک پل اسے دیکھتا رہا، پھر مسکراتا ہوا پلٹ کر کمرے سے نکل گیا۔ درحقیقت وہ خرم کی معنی خیز نظروں سے نظریں نہیں ملا پائی تھی۔ اس کی شرارت آمیز نگاہیں اس کے دل کو بے ترتیب کر گئی تھیں۔

اس نے چہرے سے چادر ہٹائی تو کمرہ خالی تھا۔ ایک گہری مضمحل سی سانس کھینچ کر اس نے وہ ٹیبلٹ اٹھالی جو خرم اس کے نزدیک بیڈ پر ہی رکھ کر گیا تھا۔

جسم کا ایک ایک جوڑ پھر درد کرنے لگا تھا۔

☆☆☆

رات کو مسز بلال اور ان کا بیٹا شیراز، روشانہ کی خیریت معلوم کرنے چلے آئے۔ مسز بلال اس محلے میں یوں تو چار سال سے رہائش پذیر تھیں۔ ان کے میاں کینیڈا میں تھے۔ سو اس

وجہ سے وہ خود بھی زیادہ تر کینیڈا میں ہی رہتی تھیں۔ سال میں چند ماہ پاکستان آ کر گزارتی تھیں۔ ان کا میکہ اور سسرال دونوں ہی مردان میں تھے۔ روشانہ انہیں بے حد پسند آئی تھی۔ دونوں ماں بیٹے کو روشانہ پر واری صدقے جاتے دیکھ کر خرم کو تو خفقان ہونے لگا تھا۔

''ان کے ارادے کچھ اچھے معلوم نہیں ہو رہے لالی!'' اس نے دبی زبان میں خطرے کا احساس دلایا مگر جواباً لالہ رخ نے اس کے پیر پر اپنا پیر رکھ کر اسے چپ کرا دیا۔

وہ بے حد ملنسار خاتون تھیں۔ ان سے مل کر کسی کو بھی اجنبیت کا احساس نہیں ہوا تھا۔ مورے سے تو یوں بھی ان کی سلام دعا رہتی تھی مگر اس خاتون سے زیادہ ان کا بیٹا سب کو کھٹکا تھا جس کی وارفتہ نگاہیں روشانہ پر یوں جمی تھیں جیسے ''ہم کو چہرے سے ہٹنا گوارا نہیں'' مز بلال جاتے جاتے ان سب کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دے گئیں۔ شیراز جھک کر بوکے اسے دیتے ہوئے آنے پر بے حد اصرار کر گیا تھا۔ ادھر طلال کا خون جانے کیوں کھول اٹھا تھا۔ اس کا دل چاہا روشانہ اسد یہ بوکے اس کے منہ پر مارے۔ مگر اس نے تو بے حد شائستگی سے بوکے لے کر سر ہلا دیا تھا۔

✳☆✳

شہر ہوتا تو نئے روز تماشے ہوتے
آ گیا راس ہمیں دل کا بیاباں ہونا

لالہ رخ نے گردن موڑ کر بیڈ کی طرف دیکھا جہاں روشانہ سلیپنگ پلو کے زیر اثر گہری نیند میں تھی۔ وہ کھڑکی سے ہٹ آئی اور سوچا کہ یہاں کھڑے کھڑے رات گزار دینے سے بہتر ہے کہ مورے کے پاس چلی جائے۔ انہوں نے کہا بھی تھا کہ وہ رات رات بھر جاگتی رہتی ہیں، وہ آ جایا کرے ان کے پاس۔ مورے کا خیال آتے ہی وہ کمرے سے باہر آ گئی۔ انیکسی سے ان کے کمرے کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ بس درمیان میں ایک لمبی سے راہداری تھی۔ ان کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس پر ریشمی پردہ لٹک رہا تھا اور وہ پردے کے پاس ہی ٹھٹک گئی۔

مورے، مصطفیٰ خان سے مخاطب تھیں۔ وہ پلٹ جاتی مگر اپنا ذکر سن کر رُک گئی۔ مورے کہہ رہی تھیں۔

''تم مجھ سے لاکھ چھپانے کی کوشش کرو طفی، مگر مجھے خبر ہو گئی ہے۔ طلال کی بہن لالہ رخ ہی وہ لڑکی ہے جس کا روگ تم برسوں سے سینے میں دبائے پھر رہے ہو۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟''

مورے کے لہجے کا اعتماد مصطفیٰ خان کے اعتماد کو بکھیر کر رکھ گیا۔ اس نے بس ایک نظر ان

پر ڈالی اور سر جھکا لیا۔ پھر ایک خفیف احساسِ شکست سے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی۔

''بہت بزدل ہو تم طفی! اسے پہلے بھی کھو دیا اور اب بھی کھو رہے ہو اسے بے خبر رکھ کر۔'' وہ تاسف سے ہنس دیں۔

''مگر میں اسے کیسے بتاؤں مورے؟'' اس کا لہجہ بے چارگی آمیز کرب سے چیخ گیا۔ ''جب اسے بتانا چاہا تب تک وہ میرے لئے شجرِ ممنوعہ ہو چکی تھی۔''

''اور اب؟'' مورے کے لہجے میں بے تابی تھی۔ ''اور اب طفی، اب تو وہ آزاد ہے۔''

''ہاں۔ مگر میں ڈرتا ہوں کہ وہ روٹھ نہ جائے۔ اور آپ تو جانتی ہیں مجھے روٹھے ہوؤں کو منانے کا ڈھنگ نہیں آتا۔ ہاں میں بزدل ہوں مورے! تبھی تو ہر بار وہاں جا کر خالی ہاتھ چلا آیا۔'' وہ بڑی معصومانہ بے چارگی سے اپنا جرم مان رہا تھا۔ پھر کرسی سے اٹھ کر ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

''مگر اب میں اسے کھونا نہیں چاہتا۔ میں اسے کھونا نہیں چاہتا مورے!'' یہ کہتے ہوئے اس کی زبان یکدم ٹھٹھر گئی۔ اس کے بقیہ الفاظ اندر ہی دم توڑ گئے۔ اس کی نظریں بے ارادہ دروازے کی طرف گئیں جہاں لالہ رخ تحیر آمیز بے یقینی سے اسے تک رہی تھی...... یکدم مٹھی میں سختی سے جکڑا ہوا پردے کا کونا چھوڑ کر وہ تیزی سے پلٹ گئی تھی......!

مصطفیٰ خان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اس وقت وہاں موجود ہو گی۔ وہ یکلخت شرمندگی اور تاسف آمیز بے بسی کی زد میں آ کر رہ گیا۔

✳☆✳

کوئی بم تھا جو اس کے وجود کے اندر بلاسٹ ہوا تھا۔ اسے اپنے اعصاب چیتھڑے کی طرح ہوا میں اڑتے بکھرتے محسوس ہو رہے تھے۔

وہ بمشکل چھوٹی سی راہداری عبور کر پائی اور لونگ روم کے نیم تاریک گوشے میں آ کر ڈھے گئی۔ اس کی روح کرب میں گرفتار ہو گئی۔

مصطفیٰ خان اور مورے کی گفتگو نشتر کی طرح اسے گھائل کر گئی تھی۔ اسے یاد آیا، طلال نے کہا تھا۔

''اگر میں کہوں کہ کوئی تمہاری تھکن بھی سمیٹنے کا خواہاں ہے، کوئی اپنی محبت سے تمہیں بھی خوشیاں بخشنا چاہتا ہے تو؟'' کتنے اعتماد سے وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دوسری شادی پر دلائل دے رہا تھا۔ تو کیا وہ بھی مصطفیٰ خان کے ان جذبوں سے آگاہ تھا؟

یہ خیال، یہ خیال ہی اسے اندر تک ادھیڑ دینے کو کافی تھا کہ مصطفیٰ خان کا اچانک چلا جانا، پھر طلال کا یہاں آنے کا پروگرام بنانا، یہ ساری اسی سلسلے کی کڑیاں تھیں۔

یکدم بہت سے آنسو بند توڑ کر بہہ نکلے۔ اسے لگا وہ اپنی ہی نظروں میں گر گئی ہو۔ اپنی بے خبری پر وہ جتنا ماتم کرتی کم تھا۔

بہت سا رونے کے بعد سر اٹھایا تو مصطفیٰ خان معطر احساسات کے ساتھ سینے پر بازو لپیٹے کھڑا تھا۔ شاید وہ الفاظ ڈھونڈ رہا تھا اپنی مدافعت میں کہنے کے لئے۔

اس کی متورم آنکھوں سے نظریں ملیں تو اس کا اعتماد ایک لمحے کو متزلزل ہوا تھا۔

''میرا خیال ہے تم سب سن چکی ہو اور اب کسی وضاحت کی ضرورت نہیں رہی۔'' ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے وہ آہستگی سے گویا ہوا۔

''مجھے کسی قسم کی وضاحت کی طلب بھی نہیں ہے۔'' وہ جھٹکے سے صوفے سے اٹھ گئی۔ اس کا لہجہ بے حد تلخ تھا۔ ناگواری اور اعصابی کشیدگی کے جذبات اس کے چہرے سے عیاں تھے۔

''ہاں، وضاحتوں اور صداقتوں کی تو یوں بھی ضرورت وہاں پیش آتی ہے جہاں محبت کے نام پر دھوکا دیا جا رہا ہو۔'' وہ اپنا اعتماد سنبھال چکا تھا، ہلکے سے مسکرایا۔ مگر دوسرے پل گہری

سنجیدگی کی لپیٹ میں آتے ہوئے بولا۔ ''آئی ایم سوری، اگر تم ہرٹ ہوئی ہو تو۔''

مگر وہ اس کی بات سنی ان سنی کر گئی اور وہاں سے جانے لگی مگر وہ اس کے سامنے آ گیا۔

''لالہ رخ! مجھے اپنے جذبات اور طریقہ اظہار پر کوئی شرمندگی نہیں ہے۔ یہ جذبات، یہ احساسات میرا کل سرمایہ ہیں، میری قیمتی متاع ہیں اور یہی میرے جینے کا جواز بھی ہیں شاید۔ جس طرح چاند پر اگر سورج کی روشنی نہ پڑے تو وہ بے روشن اور ویران کھنڈر دکھائی دے، اسی طرح میرے اندر سے اگر یہ جذبات نکال لئے جائیں تو میں ایسا ہی ویران اور کھنڈر ہو جاؤں گا۔'' وہ پورے اعتماد کے ساتھ اس کے سامنے کھڑا کہہ رہا تھا۔ اس کی سرمئی آنکھوں کے بادل جذبوں سے بھرے تھے جیسے ابھی چھلک پڑیں گے۔

''میں نے اپنے جذبوں سے تم کو بے خبر رکھا ہوا تھا تو محض اس لئے کہ اب تک میرے آگے دھند پھیلی ہوئی تھی، مجھے کوئی رستہ سجھائی نہیں دے رہا تھا کہ آگے قدم اٹھا کر تمہارا ہاتھ تھام سکتا۔ مگر اب راستہ بہت واضح اور صاف دکھائی دے رہا ہے۔ منزل کا موہوم سا ہی سہی، امکان پیدا تو ہوا ہے۔''

''شٹ اپ...... آئی سے شٹ اپ۔'' وہ دکھ، غصے اور بے بسی کے ملے جلے احساسات کے ہمراہ چیخی۔

''میں اپنے رویئے پر معذرت خواہ ہوں مگر بہرحال جذبات پر نہیں۔'' وہ اس کے تمتماتے چہرے پر نظر ڈال کر مضبوط لہجے میں بولا۔

''آپ کو حق کس نے دیا ہے کہ آپ میرے بارے میں ایسے جذبات رکھیں، اس طرح کے خیالات رکھیں؟'' وہ سلگتی نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔ غم و غصے کی لپٹیں اس کے چہرے، آنکھوں اور لہجے سے اٹھ رہی تھیں۔ بہت بڑا پتھر پڑا تھا اس کے دل کی جھیل میں۔ ہزار دائرے بن کر ایک قیامت برپا کر گئے تھے۔

''تم کسی کو چاہنے اور چاہے جانے کی خواہش کے حق سے محروم تو نہیں کر سکتیں۔ اگر سلگتی دھوپ میں بھٹکتا ہوا کوئی شخص سائے کا متمنی ہو، چھاؤں کا متلاشی ہو تو یہ کوئی اس کی ظالمانہ خواہش بھی نہیں ہے۔ کیا وہ چھاؤں کا حق نہیں رکھتا؟''

''میں کسی کے لئے چھاؤں نہیں ہوں۔'' وہ تلخی سے کہہ کر رخ پھیر گئی۔ ''جو خود دھوپ کا راہی ہو، دھوپ کی چادر جس کے سر پر پھیلی ہو، وہ کسی کے لئے چھاؤں کیسے ہو سکتا ہے؟'' وہ زہرخندگی سے ہنسی۔ پھر اس پر ایک بے فیض نگاہ ڈال کر قدرے ناراض لہجے میں بولی۔

''خدارا مہربانی، آپ اپنے جذبات کا رخ موڑ دیجئے۔ کہیں بھی راستہ واضح اور صاف نہیں

ہے۔ اس راستے پر کہیں بھی، کسی موڑ پر بھی منزل نہیں آ سکتی۔ آپ ناحق اپنا وقت
کریں گے۔ میں سیف الرحمٰن کے ساتھ سفر کرتے ہوئے ایک بند گلی میں آ رکی ہوں
اب دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔ نہ کسی کے آنے کا نہ میرے جانے کا۔'' اس کا لہجہ خشک
بے لچک تھا۔

''یہ تمہارا محض خیال ہے، جبکہ زندگی مسلسل سفر کا نام ہے۔ انسان اس سفر میں
راستوں سے گزرتا ہے۔ کوئی راستہ آخری نہیں ہوتا، سوائے موت کے۔'' جواباً وہ مدلل
میں بولا۔

مگر وہ اس کی کوئی دلیل سننا نہیں چاہتی تھی۔ پلٹ کر وہاں سے چلی گئی۔ غم و غصے
اسے یکدم بے حد مضمحل اور شکستہ کر دیا تھا۔ اس انکشاف نے اس کے سوچنے کی
صلاحیتیں جیسے مفقود کر کے رکھ دی تھیں۔ کمرے میں آ کر کرسی پر بیٹھ کر ایک بار پھر
چارگی آمیز کرب سے رو دی۔ اس نے سوچا اگر طلال بھی ایسا چاہتا ہے تو یہ اس کے ساتھ
اس کی بے حد ظالمانہ کارروائی ہو گی۔

کیا اسے حمزہ کا وجود دکھائی نہیں دیا تھا؟

کیا اسے نہیں پتہ کہ میں نے سیف الرحمٰن کے ساتھ محبت اور وفا کا بندھن باندھا تھا،
نے توڑ دیا تو کیا ہوا۔ اس کا دل تو ابھی انہی ہواؤں کی یادوں سے جڑا ہوا ہے، انہی لمحات
میں دھڑک رہا ہے۔

سیف الرحمٰن گلی کا کوئی تھرڈ کلاس عاشق نہیں تھا، نہ وہ کسی ٹین ایجر کی طرح اس کے عشق
میں گرفتار ہوئی تھی۔ اسے تو اس نے پوری آمادگی کے ساتھ اپنایا تھا۔

وہ اس کی زندگی میں آنے والا پہلا مرد تھا جو جائز راستے سے اس کے دل کی دنیا میں
داخل ہوا تھا اور شرعی رشتوں کی محبت، آسودگی چاہے لمحوں کی ہو یا چند گھڑیوں کی، عمر بھر کے
لئے نقش ہو جاتی ہے۔ بے شک سیف الرحمٰن کی بے وفائی کی تیز ہوا نے اس کی محبت کے
چراغ کو بجھا ڈالا تھا مگر وہ یادیں اب بھی کسک بن کر دل کو کاٹتی رہتی تھیں۔ وہ ان لمحات کو
زندہ رکھے ہوئے تھیں۔ اور وہ اتنی اذیت طلب ہو گئی تھی کہ انہی لمحات میں زندہ رہنا چاہتی
تھی۔

※☆※

روشانہ کی وجہ سے ان سب کا حویلی میں قیام بڑھ گیا تھا جس پر مورے تو بے حد خوش
تھیں مگر لالہ رخ ایک مسلسل ذہنی آزار سے گزر رہی تھی جس کا احساس مصطفیٰ خان کے

کسی کو نہ تھا۔ وہ موقع پا کر اس سے سوری بھی کر چکا تھا مگر ساتھ ہی بولا تھا۔

''تم کسی کو چاہنے اور چاہے جانے کے حق سے محروم بہرحال نہیں کر سکتیں۔'' اور لالہ رخ
کا دل چاہا، وہ کوئی وزنی شے اٹھا کر اس کے سر پر دے مارے۔

وہ جس طرح حمزہ سے لگاوٹ کا مظاہرہ کرتا تھا، اب لالہ رخ کو یہ بھی اسی سازش کا حصہ
لگنے لگا تھا۔

طلال کے ساتھ مل کر قہقہے لگاتا، خرم اور جاذب سے ہنسی مذاق کرتا یہ خوبصورت، مہذب
اور ویل ایجوکیٹڈ شخص اسے اتنا زہر لگتا کہ اس کا دل چاہتا کہیں سے ریوالور لا کر اس پر چلا
دے۔

روشانہ اس کے مزاج میں یک بیک ہونے والی اس تبدیلی کو محسوس کر رہی تھی اور اس کا
خیال تھا ماضی کے خیالات اسے پراگندہ کئے ہوئے ہیں۔

''میرا خیال ہے، حمزہ سو چکا ہے۔'' روشانہ، گل جاناں بی بی کے کمرے سے جانے کے
بعد لالہ رخ کے نزدیک چلی آئی۔ وہ حمزہ کو تھپک رہی تھی جو گہری نیند میں کب کا سو چکا تھا
مگر بے خیالی میں اس کا ہاتھ ابھی تک اس کی پیٹھ پر ہولے ہولے تھرک رہا تھا۔ روشانہ نے
اس کا ہاتھ تھاما تو وہ اپنے خیالات سے چونک کر نکلی۔ روشانہ سے نگاہیں ملیں تو خفیف سی ہو
کر رہ گئی۔

''لالی! لگتا ہے آپ یہاں آ کر بہت ڈسٹرب ہو گئی ہیں۔'' وہ چائے کا مگ اس کی طرف
بڑھاتے ہوئے بولی۔ ''اتنی اداس تو آپ پہلے کبھی دکھائی نہ دی تھیں۔''

''تم تو کہتی ہو ہر موسم دل کے اندر ہوتا ہے پھر علاقے یا کسی خطے سے ان کیفیات کا کیا
تعلق؟'' وہ مگ تھام کر ہلکے ہلکے چسکیاں بھرتے ہوئے مسکرا دی۔

''ہاں، یہ تو ہے۔ مگر کبھی کبھی بیرونی موسم اور حالات ڈائریکٹ بھی دل پر اثر انداز
ہوتے ہیں۔''

لالہ رخ ایک پل کے لئے خاموش سی ہو گئی۔ اس کی نظریں مگ سے اٹھتی گرم گرم بھاپ
پر جا ٹھہریں۔

''لالی! آپ کے ماضی میں سوائے تلخیوں اور آزمائشوں کی اذیت کے ہے ہی کیا، اسے
بھول جائیے۔'' وہ دل گرفتگی سے بولی۔

لالہ رخ نے اپنے دل سے اٹھنے والی درد کی لہر کو گویا دبایا تھا، پھر چائے کا بڑا سا گھونٹ
بھر کر ہنسی۔

''ہمیں شوقِ اذیت ہے وگرنہ اس زمانے میں
تری یادیں بھلانے کو بہت سامان رکھا ہے''

مگر چاہنے کے باوجود اس کی ہنسی میں ترنگ اور خوش دلی کا تاثر نہ آ سکا۔ اور کمرے کے دروازے کے پاس ٹھٹک جانے والے مصطفیٰ خان کے دل میں کوئی تیر سا پیوست ہوا تھا۔

وہ حمزہ کو لینے آیا تھا۔ روشانہ کی نظر اس پر پڑی تو یکلخت سنبھل کر بولی۔

''آیئے مصطفیٰ بھائی، خیریت؟''

وہ بھی اپنے کھنچے ہوئے اعصاب کو سنبھالنے کے لئے ایک گہری سانس کھینچ کر بے مقصد مسکرایا اور اندر آیا۔ ''حمزہ سو گیا کیا؟'' اس نے سوئے ہوئے حمزہ پر ایک نگاہ ڈالی۔ لالہ رخ اس کی موجودگی کو محسوس کرتے ہی آہستگی سے رخ پھیر چکی تھی اور بیڈ کے دوسری طرف پیر لٹکا کر یوں بیٹھ گئی کہ اس کی پشت مصطفیٰ خان اور روشانہ کی طرف ہو گئی۔

''آپ ہم سے کہیں بیزار تو نہیں ہو گئے مصطفیٰ بھائی؟'' وہ اس کی خیریت پوچھ رہا تھا تو روشانہ کھلکھلا کر بولی۔ وہ بھی ہنس دیا۔

''ہم کا اگر صیغہ استعمال کر رہی ہیں تو کہہ سکتا ہوں کہ شاید ہاں، مگر کچھ لوگوں سے البتہ نہیں ہوا بلکہ خواہش ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے ہی یہاں رہ جائیں۔ مگر شاید وہی لوگ ہم سے بیزار ہیں۔'' اس نے ایک اچٹتی سی نگاہ لالی کے گھنے بالوں پر ڈالی اور چشمِ تصور میں اس کے چہرے پر پھیلنے والی غصے کی سرخی کو محسوس کرتے ہوئے دل ہی دل میں مسکرایا بھی تھا۔

''اوہو، ذرا ہمیں بھی تو پتہ چلے وہ کون خوش نصیب لوگ ہیں بھلا؟'' روشانہ معنی خیز انداز میں ابرو اچکا کر رہ گئی۔

لالہ رخ مضطربانہ انداز میں اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔

''ایک ہی تو ہے میرا یار مہربان طلال۔'' وہ اس کی گھبراہٹ پر دل ہی دل میں محظوظ ہوتے ہوئے بات سنبھال گیا۔ پھر جیسے یاد آنے پر بولا۔ ''اوہ ہاں، میں یہ بتانے آیا تھا کہ مسز بلال آئی ہوئی ہیں، خاص طور پر آپ کی خیریت دریافت کرنے اور آپ سے ملنے۔'' وہ روشانہ سے کہہ رہا تھا۔ بے اختیار اس کے لبوں کی تراش میں مدھم سی مسکراہٹ جھلک اٹھی۔

''شیراز صاحب بھی تشریف لائے ہیں۔''

''مگر یہ اطلاع آپ مجھے کیوں دے رہے ہیں؟'' روشانہ کی ہنسی سے پھیلے لب سکڑ گئے تھے۔ وہ چائے کا مگ لبوں سے ہٹا کر کچھ جھینپ کر بولی تھی۔

''ہاں، اصولاً تو مجھے یہ اطلاع طلال کو ہی دینی چاہئے تھی۔ چلو، اسے بھی دے دیتا

ہوں۔'' وہ ہلکے سے ہنس دیا۔ اس کا یہ جملہ بڑا بے ساختہ تھا۔ روشانہ کو لگا، چائے جیسی سیال شے بھی اس کے حلق میں پھنس کر رہ گئی ہو۔ وہ خفیف سی ہو کر لالہ رخ کی طرف دیکھنے لگی جو دروازے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

''لالی! پلیز انہیں کہہ دیجئے گا میں سو گئی ہوں۔''

لالہ رخ جلدی سے باہر نکل گئی۔ مصطفیٰ خان بھی سرعت سے باہر لپکا اور اسے ذرا آگے ہی جا لیا۔ ''یہ حمزہ کو سلانے کا کوئی وقت تو نہیں تھا۔'' اس کے انداز میں سراسر فہمائش تھی جیسے وہ سمجھ چکا ہو کہ وہ اب حمزہ کو اس سے دور رکھنے کی کوشش کر رہی ہے۔

''بچوں کے سونے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہوتا۔'' وہ بے پروائی سے کہتی آگے بڑھ گئی۔

''تمہارا کیا خیال ہے تم اس طرح کی کوشش میں کامیاب ہو جاؤ گی؟'' ایک استہزا آمیز مسکراہٹ کے ساتھ وہ اسے بغور دیکھے گیا۔

''کیا مطلب؟ کیسی کوشش؟'' وہ ٹھٹک کر رک گئی اور اس پر ایک کڑی نگاہ ڈالی۔ مگر زیادہ دیر نہ دیکھ پائی۔ بڑی تمسخرانہ نگاہیں تھیں۔

''یہی حمزہ کو مجھ سے جبراً دور رکھنے کی کوشش۔''

''مسٹر مصطفیٰ خان! مجھے بھلا ایسی بھونڈی کوشش کرنے کی ضرورت کیا ہے۔ البتہ آپ اگر حمزہ کو سیڑھی بنانے کی کوشش کر رہے ہیں تو یہ بے حد گھٹیا کوشش ہو گی آپ کی۔'' وہ طنز سے ہنس پڑی۔

وہ بھونچکا رہ گیا۔ ضرب اس قدر سخت تھی کہ کتنے ہی پل اس کی قوتِ گویائی سلب ہو کر رہ گئی۔ سنبھل کر وہ کچھ کہتا مگر وہ بادِ صرصر کی طرح وہاں سے گزر گئی تھی۔ وہ غم و غصے سے مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔

اپنے جذبوں پر ایسی انگارہ دیتی تہمت لگنے پر وہ حقیقتاً بلبلا کر رہ گیا تھا۔

☆☆☆

''مجھے تو پہلے ہی شک تھا، یہ آنٹی کے چکر بے وجہ نہیں لگ رہے ہیں۔ یہ کوئی گل کھلا کر ہی رہیں گی۔ اور ان کے سپوت کی نگاہیں تو پہلے ہی خطرے کا سگنل دے رہی تھیں۔'' خرم اٹھ کر بیٹھ گیا اور کشن گود میں دبا لیا۔ ''کچھ سنا آپ نے چاچو؟'' اور بیٹھے بیٹھے طلال کی طرف گھوما جو بظاہر خود کو اخبار میں مصروف ظاہر کر رہا تھا۔ خرم نے اس کی اس خاموشی پر جھنجلا کر اخبار اس کے آگے سے کھینچ لیا۔

''دل یہ کہتا ہے کہ شاید ہو فسردہ تو بھی

دل کی کیا بات کریں دل تو ہے ناداں جاناں"

اس نے ایک طویل قسم کی آہ نما سانس کھینچی۔

"تم تھوڑی دیر خاموش رہو گے تو کوئی دوسرا بھی بولے، کچھ سنائے۔" روبی بھابی نے اسے آنکھیں دکھائیں۔ لالہ رخ صوفے پر گم صم سی بیٹھی تھی۔

مسز بلال، روشانہ کو اپنے بیٹے شیراز کے لئے پسند کر گئی تھیں۔ وہ باقاعدہ پیام دینا چاہتی تھیں۔ انہوں نے روشانہ کے گھر کا ایڈریس اور فون لالہ رخ سے لے لیا تھا۔

"میرے خاموش ہو جانے کے بعد کیا چاچو بولنا شروع کر دیں گے؟ اگر ایسا ہے تو لیجئے بالکل چپ ہو جاتا ہوں۔" خرم نے کن انکھیوں سے طلال کو دیکھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس موضوع پر میرا بولنا کیوں ضروری ہے؟ یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ روشانہ کے والدین کا ہے۔" طلال نے اخبار ایک طرف ڈال کر خرم کو گھورا پھر لالہ رخ پر اچٹتی نگاہ ڈالی۔ "یوں بھی اس میں آپ سب لوگوں کو انوالو ہونے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ وہ درست طریقے سے کام کرنا چاہ رہی ہیں، روشانہ کو بھگا کر تو نہیں لے جا رہی ہیں کہ تم سب ماتمی شکل بنائے بیٹھی ہو۔" اس نے یہ طنز لالہ رخ پر کیا تھا جو دل گرفتہ سی بیٹھی تھی۔ وہ اس کی اس دل گرفتگی کے پس منظر سے اچھی طرح واقف تھا۔

"ماتم نہ کریں تو کیا کریں، ایک اچھی لڑکی ہاتھ سے نکلی جا رہی ہے۔" خرم نے ہاتھ کا کشن ایک طرف پھینکا اور اٹھ کر طلال کے نزدیک صوفے پر بیٹھ گیا۔

"تو تم بھی اپنا نام اس فہرست میں درج کرا لو۔ شاید تمہارا قرعہ نکل آئے اس اچھی لڑکی کے لئے۔" وہ استہزائیہ انداز میں ہلکے سے ہنسا۔

"لاحول ولا قوۃ۔" خرم زچ سا ہو گیا، پھر جھنجلاہٹ کو جھٹک کر مسکرانے لگا۔ "یہ اچھی لڑکی دراصل آپ کے لئے چھوڑ دی ہے چاچو!" یہ کہتے ہوئے اس نے دائیں آنکھ دبا کر مسکراہٹ اچھالی۔

طلال نے بڑی سرعت سے نظریں خرم کے چہرے سے ہٹالیں۔ اسے اپنی پیشانی یکلخت یوں جلتی محسوس ہوئی گویا خرم نے وہاں سلگتا ہوا انگارہ رکھ دیا ہو۔ وہ جھٹکے سے صوفے سے کھڑا ہو گیا تھا۔

"دنیا میں دو ہی آدمی با ذوق ہیں عدم
اک میں ہوں اور دوسرا میرا رقیب ہے"

خرم نے اسے کمرے سے باہر جاتے دیکھ کر دلدوز قسم کی سانس کھینچی تھی اور روبی بھابی

بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھیں۔

"تمہارے ان فضول اشعار سے ہی وہ اکتا کر گیا ہے یہاں سے۔" انہوں نے اسے مصنوعی خفگی سے گھورا۔

"کوئی بات نہیں، یہ آپ کا نہیں آپ کی ناقص العقلی کا قصور ہے جو شرم اور اکتاہٹ میں فرق نہیں سمجھ سکتیں۔" خرم نے انتہائی ترحم بھری نظروں سے بھابی کو دیکھا۔ لالہ رخ نے چونک کر خرم کی طرف دیکھا تھا۔

"لالی! اگر کوئی میدان چھوڑ کر بھاگ لے تو کیا یہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ اس میں مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں ہے اور مقابلہ کرنے کی ہمت اس وقت نہیں ہوتی جب بندہ اندر سے پسپا ہو گیا ہو، اس کے سارے ہتھیار کند ہو گئے ہوں یا فاتح کے قدموں میں ڈھیر ہو گئے ہوں۔" وہ لالہ رخ کے نزدیک بیٹھ کر یوں بولا جیسے کوئی استاد کم سمجھ طالب علم کو سمجھا رہا ہو۔

"یہ محض تمہارا غلط تجزیہ بھی تو ہو سکتا ہے۔" وہ جواباً دھیمے سے بولی۔

"ہاں، ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی۔" خرم ایک گہری سانس کھینچ کر کھڑا ہو گیا پھر سر جھٹکتے ہوئے بولا۔ "جو بھی ہو لالی! مسز بلال کو اسد ماموں تک پہنچنے نہیں دینا چاہئے۔"

"مگر ہم کیسے روک سکتے ہیں، جبکہ میں انہیں ان کا مکمل ایڈریس دے چکی ہوں۔" لالہ رخ کا لہجہ انتہائی پست ہو گیا۔ انہیں اپنی غلطی پر پچھتاوا ہو رہا تھا۔

"خیر، دیکھا جائے گا۔" خرم نے انہیں اس حد تک دل گرفتہ دیکھ کر کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ وگرنہ اسے بھی لالہ رخ کی اس جلد بازی پر ماتم ہی کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔

☆☆☆

ہے سچ تو یہ کہ گھٹن بہت ہے، تھکن بہت ہے، سفر بہت ہے
ہے سچ تو یہ کہ گزرتے لمحوں کو زندگی کا عذاب لکھو
وہ جس کی تصویر ڈھل گئی ہے رگوں میں میرے لہو کی صورت
اس ایک لڑکی کے نام اپنی حیات کا انتساب لکھو

بہت نامحسوس طور پر روشانہ اسد اس کے حواسوں پر چھاتی چلی جا رہی تھی۔ اس کی سوچوں اور تنہائیوں میں اترتی چلی جا رہی تھی۔ اس کے بھاگتے دوڑتے لمحوں کو جیسے اس نے اپنی مٹھی میں جکڑ سا لیا تھا۔

وہ نہیں جانتا تھا یہ دل اس کا تمنائی کیسے ہوا؟ کب اسے غم دوراں کی سنگلاخ راہوں پر چلتے چلتے کسی ساتھی کی طلب ہونے لگی تھی؟ اس محرم کی جس کے ساتھ زندگی کی کٹھنائیوں،

آزمائشوں اور سفاک حقیقتوں سے اپنے لئے خوشیاں اور مسرتیں کشید کرسکے۔ ہر معتدل آدمی
کی طرح اسے بھی محبت کی طلب ہونے لگی تھی۔ وہ محبت جو نرم، سبک، دھیمی دھیمی بہتی ندی
کی طرح، جو خشک پتھروں کو بھی سیراب کرتے ہوئے گزرتی رہتی ہے۔

اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے روشانہ اسد اور اس کے درمیان کوئی ایسی زنجیر بننے لگی ہے جو
اسے کھینچ رہی ہے، اسے قریب لا رہی ہے۔

عجیب سے محسوسات ہو رہے تھے، عجیب سی خواہش سر اٹھا رہی تھی۔ خوشی اور غم شیئر کرنے
کی، چاہنے کی، چاہے جانے کی۔

اور یہ احساس تو بڑا ہی خوش کن، مسرت انگیز ہوتا ہے کہ کوئی آپ کی پناہ تلاش کر رہا ہو،
چپکے چپکے چاہ رہا ہو، تمنائی ہو آپ کا۔

پھر وہ تولیہ اٹھا کر باتھ روم کی طرف جاتے جاتے ایک گہری اور قدرے مسرور انداز میں
سانس بھر کر مسکرایا۔

وہ جیسے دل ہی دل میں روشانہ سے مخاطب ہوا تھا۔ اسے لگا ایک انوکھی روشنی اس کے
پھیپھڑوں میں بھر گئی ہو۔

✱✫✱

دوسرے دن طلال نے سوات جانے کا پروگرام بنا ڈالا۔ لالہ رخ اور مورے کو تشویش تھی
کہ روشانہ کی کمر کا درد ابھی بالکل ٹھیک نہیں ہوا تھا۔ مگر اس نے ان کی کسی تشویش کی رتی بھر
پرواہ نہ کی۔

''اسے کون سا پیدل چلنا ہے۔ وہاں ہوٹل میں بھی وہ آرام کرسکتی ہے۔'' وہ کہتا ہوا باہر
نکل گیا تھا۔ لالہ رخ کو بہت برا لگا، غصہ بھی آیا۔ مگر اب اس سے الجھنا بے کار تھا۔ یوں بھی
وہ کم ہی اپنے فیصلے بدلتا تھا۔ وہ چپ سی ہو کر رہ گئی۔

''اچھا واپس تو آؤ گے نا تم لوگ ادھر ہی؟'' طلال کے کمرے سے جانے کے بعد
مورے لالہ رخ سے بولیں۔ عجیب سی التجا تھی ان کے لہجے میں۔ وہ نظریں چرا گئی۔ ''میں
نے طلال اور جاذب سے کہا تو انہوں نے کہا کہ اگر لڑکیاں رہنا چاہیں تو انہیں کوئی اعتراض
نہیں ہے۔''

''دراصل حمزہ کا اسکول کھلنے والا ہے اور ابھی وہ نیا نیا ہی اسکول جانے لگا ہے۔'' وہ کچھ
جھینپی جھینپی سی بولی۔ دراصل اسے اپنا کیا ہوا وعدہ یاد آگیا تھا۔ وہ حقیقتاً ان سے نظریں نہیں
ملا پا رہی تھی۔

''آپ کسی کو بھلا زبردستی اپنا مہمان کیسے بنا سکتی ہیں مورے؟'' مصطفیٰ جانے کب اندر آ
گیا تھا۔ ''بنا کسی تعلق اور رشتے کے آپ کسی طرح کا حق تو نہیں جما سکتیں نا۔'' اس نے اس
پر اچٹتی نگاہ ڈالی۔ لالہ رخ کے چہرے کے زاویئے غیر محسوس طریقے سے تن گئے تھے۔ وہ
جھک کر اپنے بیگ کی زپ بے وجہ کھولنے لگی۔

''رشتے، تعلق تو دل سے جڑتے ہیں، یہ ایک نہ دکھائی دینے والی زنجیر کی طرح ایک
دوسرے کو باندھ دیتے ہیں۔ کیوں لالہ رخ بیٹی! کیا میں تم پر کوئی حق نہیں جما سکتی؟'' مورے
بڑے پیار سے اس کا چہرہ تکنے لگیں جہاں ہلکی ہلکی سرخی امڈ رہی تھی۔ یہ سرخی غصے کی تھی یا شرم
وحیا کی یا اضطراب کی؟ وہ قطعی نہ سمجھ سکا، تاہم اس کے لئے یہ منظر خاصا دلچسپ اور اثر انگیز
تھا۔ اس کی سرمئی آنکھوں کی تپش اس کے چہرے پر مزید بڑھ گئی تھی۔

''آپ کی محبت سر آنکھوں پر مورے۔ میں یقیناً آپ کی مہمان بن کر مزید وقت گزارتی
مگر مجبوری ہے۔'' وہ بظاہر شائستگی سے مورے سے مخاطب ہوئی۔ بہرحال اسے ان شفیق
خاتون سے کوئی شکوہ نہیں تھا بلکہ ان کے اپنائیت آمیز رویئے پر وہ اندر ہی اندر بڑی بے بسی
سی محسوس کر کے کٹ رہی تھی۔ پھر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولی۔

''سچ کہا آپ نے، کچھ رشتے اور تعلق دل سے جڑتے ہیں اور ایک ان دیکھی زنجیر انہیں
جکڑے رکھتی ہے جس سے چاہنے کے باوجود انسان عمر بھر نہیں نکل سکتا۔ چاہے یہ تعلق دنیا
والوں کی نظر میں غیر اہم اور غیر معتبر ہی کیوں نہ ہو کر رہ گیا ہو۔ اور عورت تو یوں بھی ہر تعلق
میں بہت حساس ہوتی ہے۔'' ایک گہری سانس کھینچ کر اس نے دزدیدہ نظروں سے مصطفیٰ
خان کی طرف دیکھا تھا۔ اس کے لہجے میں جتانے کا تاثر تھا۔ وہ اسے باور کرانا چاہتی تھی کہ
وہ سیف الرحمٰن سے دلی تعلق کسی طور توڑنے پر آمادہ نہیں ہے۔

''آپ آئیے گا نا ملتان، اور آغا جان کو بھی لے آئیے گا۔'' پتہ نہیں وہ اخلاق نبھا رہی تھی
یا واقعی اپنائیت سے کہہ رہی تھی۔ مورے نے سر ہلا دیا۔

''ہاں، ضرور آؤں گی۔ تمہارا بیٹا بہت پیارا ہے تمہاری طرح۔'' وہ اس پر ایک میٹھی نگاہ
ڈال کر بولیں۔ پھر مصطفیٰ خان کے کمرے سے نکل جانے کے بعد آہستگی سے بولیں۔ ''طفیل
سے بہت مانوس ہو گیا ہے اور وہ بھی اسے بہت چاہتا ہے۔ اسے چھوٹے بچے بہت اچھے لگتے
تھا۔ اور حمزہ تو ہے بھی بہت پیارا۔''

لالی اس شخص کے ذکر سے جتنا بچنا چاہتی تھی، اتنا ہی مورے اس کا تذکرہ لے بیٹھتیں۔
وہ اچھی طرح آگاہ تھی کہ مورے ایسا جان کر کرتی تھیں۔ وہ اپنے بیٹے کے جذبوں اور

خواہش سے آگاہ تھیں بلکہ خود ان کی خواہش بھی لالہ رخ کو ان کی سنہری آنکھوں کی سطح پر جھلملاتی دکھائی دیتی تھی۔ مگر اس کے پاس سوائے ان سے نظریں چرانے کے کوئی راستہ نہیں تھا۔

اسے مصطفیٰ خان کبھی کبھی ایسا احمق، نادان اور کم فہم بچہ محسوس ہوتا جو راستوں کا تعین کیے بنا سفر پر گامزن ہوگیا ہو۔ منزل وہاں کبھی نہیں آتی جہاں راستوں کا تعین نہ کیا گیا ہو اور یوں بھی اس کا خیال تھا وہ اس کی منزل نہیں تھی۔ یہ بات وہ اسے سمجھانے کے باوجود نہیں سمجھا پا رہی تھی۔

***

سوات کا موسم اپنی جولانی پر تھا۔ کائنات کا حسن سمیٹے دل کش اور جنت نظیر اس وادی میں قدرت کی فیاضیاں دل کھول کر بکھری دکھائی دیتی تھیں۔ فلک بوس پہاڑ، معطر فضائیں، فرحت بخش ہوائیں، شفاف پانی کے ٹھنڈے میٹھے چشمے، ٹھاٹھیں مارتی ندیاں اور سبزہ ہی سبزہ۔

آسمان کے سینے پر چمکتا سورج اپنی نازک نازک مدھم مدھم سنہری کرنیں بکھیر رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اطراف میں سرسبز پہاڑوں کے اوپر پگھلے ہوئے سونے کی بارش ہو رہی ہو۔ پہاڑوں کے کناروں پر اُگی ہوئی جھاڑوں کے سائے دریائے سوات کے پانی پر تھرتھرا رہے تھے۔

"صف باندھے دونوں جانب بوٹے ہرے بھرے ہوں
ندی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو
ہو دلفریب ایسا کہسار کا نظارہ
پانی بھی موج بن کر اٹھ اٹھ کے دیکھتا ہو"

خرم کی حس لطیف دریائے سوات کی طرح بیدار ہوگئی تھی۔ جاذب بھائی اپنا کیمرہ سیٹ کیے کھٹاکھٹ تصویریں لے رہے تھے۔ خرم کا خیال تھا، ان کی ہر تصویر میں کہیں نہ کہیں روبی بھابی کی جھلک ضرور دکھائی دے گی۔

"نیچر کا حسن غارت کرنے کے لئے؟ اب میں اتنا بدذوق بھی نہیں ہوں برادر کہ اپنی ساری تصویریں ضائع کر دوں۔" جاذب بھائی یہ کہہ کر بھابی کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگے۔ خرم کی بکواس پر وہ پہلے ہی جل گئی تھیں۔ شوہر نے گویا تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی۔

"وجودِ زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ، سمجھے تم؟" وہ جوابی کارروائی کا سوچ رہی تھیں کہ روشانہ نے ان کی مشکل آسان کر دی۔

"اللہ رے۔" خرم دل پر ہاتھ رکھ کر لہک گیا تھا۔ بھابی کو کوئی پتھر نہیں مل رہا تھا جو اٹھا کر اسے داغ دیتیں۔

"تصویر کائنات کے رنگ میں بھنگ ضرور ڈالتی ہیں یہ۔"

"آ...... چھا یہ بات ہے۔ وشی، تم ادھر آ جاؤ۔ تم ناحق رنگ میں بھنگ ڈال رہی ہو۔" بھابی نے گویا اس کی کمزور رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔ پلوشہ کو اپنی طرف کھینچا۔ وہ نازش کے ساتھ آنکھوں پر دوربین لگائے دور دور کا نظارہ کر رہی تھی۔ اس حملے پر سٹپٹا گئی جبکہ لالہ رخ کا قہقہہ بڑا بے ساختہ تھا۔ خرم کھسیا کر بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگا اور بھابی کو سخت فہمائشی نظروں سے گھورنے لگا۔

"بھنگ ان جیسی نہیں، آپ جیسی عورتیں ڈالتی ہیں۔" بھابی اور لالہ رخ اس کی جھنجلاہٹ اور کھسیاہٹ پر ہنسنے لگیں۔ روشانہ اپنی جگہ کچھ حیران سی کھڑی رہ گئی تھی۔ خرم کا پلوشہ کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھنا، بھابی کا معنی خیز جملہ اسے بہت کچھ سمجھانے کو کافی تھا۔

ایک گہری سانس کھینچ کر اس نے لالہ رخ کو دیکھا۔ تب انہوں نے ریسٹ ہاؤس کی طرف بڑھتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور ایک طرف ہو کر چلنے لگیں۔

"بہت بدتمیز ہوگیا ہے خرم۔ اس کی زبان کے آگے تو خندق ہے۔" پھر ہلکی سانس کھینچ کر دور تک نگاہیں دوڑاتے ہوئے بولیں۔ "طلال جانے کہاں رہ گیا ہے۔ حمزہ نے بھی کچھ کھایا یا نہیں ہے۔"

"وہ مصطفیٰ بھائی کے ساتھ اس بنگلے کے نزدیک تو کھڑے تھے۔ حمزہ، مصطفیٰ بھائی کی گود میں تھا۔" روشانہ اس کی تشویش پر بولی تو ایک پل کو لالہ رخ کے چہرے پر تغیر رونما ہوا تھا۔ بے ارادہ لب باہم بھنچ گئے تھے۔ پھر ریسٹ ہاؤس کا گلاس ڈور دھکیل کر اندر چلی آئیں۔

"یہ شخص حمزہ کی ساری عادتیں بگاڑ کر رکھ دے گا۔ نہ اس کے کھانے کا کوئی اصول رہا ہے نہ سونے کا۔" بالکل اچانک اس پر جھنجلاہٹ سوار ہوگئی تھی۔ عجیب، بے وجہ اور بے موقع جھنجلاہٹ تھی۔

روشانہ نے اسے چونک کر دیکھا پھر ہنس پڑی۔ "لالی! تفریح کے موقعوں پر اصول ایک طرف ڈالنے ہی پڑتے ہیں۔ اور پھر وہ تو بچہ ہے۔"

"بچہ ہے، اسی لئے تو ڈرتی ہوں۔" وہ آہستگی سے بڑبڑا کر رہ گئی۔

"کس بات سے ڈرتی ہیں؟" روشانہ نے چپل اتار کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے اسے دیکھا۔ مگر وہ رخ موڑ کر کھڑکی کے پردے کھولنے لگی۔

وہاں سے جنگلہ صاف دکھائی دے رہا تھا جہاں وہ دونوں ایک دوسرے کے بے حد نزدیک جنگلے سے ٹیک لگائے کھڑے تھے اور جانے کیا باتیں کر رہے تھے۔ مگر لالہ رخ کو ایسا لگا جیسے وہ دونوں اسی کے خلاف کوئی سازش کر رہے ہوں۔ منظم سازش۔ طلال نے بے ساختہ مصطفیٰ خان کے کندھے پر ہاتھ مارا تھا اور دونوں کا ملا جلا قہقہہ فضا کو مرتعش کر گیا تھا۔

لالہ رخ کو اپنی رگوں میں دوڑنے والا لہو یکدم کڑوا ہوتا محسوس ہونے لگا۔ اس نے جھٹکے سے کھڑکی کا پٹ بند کر دیا اور واش روم میں جا کر منہ دھونے لگی۔ ٹھنڈا ٹھنڈا پانی کسی حد تک سکون بخش ثابت ہوا۔

☆☆☆

ہوٹل کی لابی میں وہ سب رات کا کھانا تقریباً کھا چکے تھے، آخری شغل چائے کا ہو رہا تھا، ساتھ ساتھ ہلکی پھلکی گفتگو بھی ہو رہی تھی۔ گفتگو کا موضوع سوات اور اس کے دلکش نظارے تھے۔

دھیرے دھیرے چائے کی چسکیاں بھرتے ہوئے لالہ رخ کی نگاہیں گاہے گاہے حمزہ پر اٹھ رہی تھیں جو مصطفیٰ خان کی گود میں چڑھا بے حد مسرور دکھائی دے رہا تھا۔ اسے لگا یہ شخص اس سے اس کا بیٹا چھین لینا چاہتا ہے اور یہ محبت سوائے ناٹک کے اور کچھ نہیں۔

اس طرح کی سوچیں ہر لمحہ اس کے ذہن میں جگہ پکڑتی جا رہی تھیں۔

"میرا تو دل چاہتا ہے یہیں رہ جاؤں ہمیشہ کے لئے۔" پلوشہ، روبی بھابی سے کہہ رہی تھی۔

"ارے بھئی اس طرح کی خواہش مت کرنا ورنہ خرم تو بیچارہ بے موت مارا جائے گا۔" بھابی ہلکی ہنسی کے ساتھ آہستگی سے بولیں۔

"وہ کس خوشی میں؟" پلوشہ قطعی نہ سمجھ سکی۔

خرم کے کان اور آنکھیں تو لگی ہی ادھر تھیں۔ وہ بھابی کے دائیں طرف بیٹھا تھا، جھک کر بولا۔ "مجھے بھی ادھر ہی رہنا پڑے گا پھر۔"

بھابی نے رخ موڑ کر اسے آنکھیں دکھائیں مگر وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "بھئی ظاہر ہے، تمہاری چوکیداری کرنے کسی کو تو ادھر رہنا ہی پڑے گا نا۔"

"تو کیا آپ ہی اتنے زیادہ فالتو ہیں؟" وہ بے ساختہ بولی تھی۔ انداز کچھ ایسا جھنجھلایا ہوا تھا کہ خرم سر پیٹ کر رہ گیا اور فوراً سیدھا ہو کر دوسری طرف دیکھنے لگا جبکہ روبی بھابی کی ہنسی بے ساختہ تھی۔

"پتہ نہیں کیا اول فول بکتے ہیں خرم بھائی۔" پلوشہ، بھابی کی ہنسی پر جانے کیوں جھینپ گئی۔

"اس کی تو عادت ہے اول فول بکنے کی۔ ویسے میرا دل بھی یہی چاہتا ہے کہ ہمیشہ کے لئے یہاں رہ جاؤں۔" لالہ رخ چائے کا مگ پرچ پر رکھتے ہوئے بولی۔ "جب میں اور سیف پہلی بار یہاں آئے تھے تو میں نے اس سے اسی طرح کہا تھا کہ کیوں نہ ہم یہیں رہ جائیں۔" اس نے ارادتاً اپنے ماضی کا حوالہ دے کر سیف الرحمٰن کا ذکر چھیڑا تھا۔

"میری بات پر وہ بولے کہ یہاں آ کر سب کی فیلنگز عموماً ایسی ہی ہو جاتی ہیں۔ مگر جب یہاں رہنے والوں کی طرح اتنی کٹھن اور سہولیات سے عاری زندگی گزارنا پڑے، تمہیں بھی دشوار گزار راستوں اور ایسے سخت موسموں سے روز سامنا ہو تو تم بھی ہمت ہار دو گی اور یہ ساری نفیس، گداز اور رومانٹک فیلنگز بھک سے اڑ جائیں گی۔" وہ یہ کہہ کر بڑے محظوظ انداز میں ہلکے سے ہنسی۔ مگر کوشش کے باوجود اپنی ہنسی میں خوش دلی کا تاثر نہ سمو سکی۔ عجیب بے روح سی ہنسی تھی۔ جیسے وائلن کے ٹوٹے تاروں پر کوئی ہاتھ مار کر سُر نکالنا چاہ رہا ہو۔

میز پر موجود سب ہی کو گویا سانپ سونگھ گیا تھا۔ ایک طرح کا دھچکا ہی لگا تھا۔ کسی کو گمان نہ تھا کہ لالہ رخ یوں ماضی کے حوالے سے سیف الرحمٰن کا ذکر چھیڑ بیٹھے گی۔

طلال نے بڑی ناراض نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا مگر وہ دزدیدہ نظروں سے مصطفیٰ خان کے رنگ بدلتے چہرے اور ساکن ہو جانے والے ہاتھ دیکھ کر اندر ہی اندر محظوظ ہوتے ہوئے مزید گویا ہوئی۔

"ہم لوگ پندرہ دن رہے تھے اور سوات کے تقریباً سارے علاقے دیکھے تھے۔ مجھے تو ان پندرہ دنوں کا ایک ایک لمحہ ازبر ہے۔ یوں بھی پہلی محبت ہو یا پہلا سفر، عورت اسے کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔" وہ بظاہر روبی بھابی اور پلوشہ سے مخاطب تھی مگر سنانا مصطفیٰ خان کو مقصود تھا۔ طلال کے چہرے کے زاویوں میں کھنچاؤ آ گیا تھا جس سے واضح تھا کہ یہ باتیں اسے سخت ناگوار گزر رہی تھیں۔ یکدم وہ کرسی دھکیل کر اٹھتے ہوئے بولا۔

"آؤ طفی، ذرا باہر چلتے ہیں۔" اس کے لہجے میں عجیب سی تندی تھی۔ جاذب اور خرم نے بیک وقت اس کی طرف دیکھا تھا تاہم کچھ بولے نہیں تھے۔

"حمزہ کو پلیز یہیں چھوڑ جائیے گا۔" لالہ رخ، مصطفیٰ خان کو اٹھتے دیکھ کر جلدی سے بولی۔

طلال نے میز سے اپنا موبائل اٹھاتے ہوئے اسے گھورا۔

"کیوں، اسے کیوں چھوڑ جائیں؟"

''اس لئے کہ یہ اس کی نیند کا ٹائم ہے۔'' وہ اسی اطمینان سے بولی۔ طلال کی فہمائشی اور ناراض نظروں کو وہ قطعی نظر انداز کر گئی تھی۔

''میرا خیال ہے، وقت اور اصول کے دائرے سے کبھی نکل جانے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ وقت کے ساتھ بھاگنا اور اصول کے گرد رہنا اچھی بات ہے مگر تھوڑی بہت بے اصولی بھی جائز ہے۔'' مصطفیٰ خان کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا۔ پھر سیدھا ہو کر حمزہ کو اٹھا لیا۔

''تھوڑی نہیں زیادہ بے اصولی بھی اگر کبھی کبھار ہو جائے تو جائز ہے مُطّلی بھائی!'' خرم نے آنکھ دبائی، پھر ہنستے ہوئے آئسکریم کا چمچہ منہ تک لے جاتے ہوئے بولا۔ ''علامہ اقبال صاحب نے کیا خوب فرمایا ہے کہ۔

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے''

''تم چپ رہو خرم! تمہیں نہیں پتہ پہلے ہی اس کی عادتیں بہت بگڑ چکی ہیں۔'' لالہ رخ بری طرح جھلسی ہوئی تھی۔

مصطفیٰ خان، خرم کی بات پر محظوظ ہوتا، مسکراتا ہوا حمزہ کو لئے ڈائننگ ہال کے داخلی دروازے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

''میں نے تو کوئی اس کی عادتیں بگڑتی نہیں دیکھیں۔'' خرم نے متعجبانہ انداز میں لالہ رخ کو دیکھا۔

''میں ماں ہوں اس کی، زیادہ بہتر جانتی ہوں کہ اس کے لئے کیا جائز ہے کیا ناجائز۔'' وہ یکدم برافروختہ ہو گئی اور جھٹکے سے کرسی کھسکا کر اٹھی، پھر بڑے بڑے ڈگ بھرتی سیڑھیاں چڑھ گئی۔

لالہ رخ جیسی شائستہ دھیمے مزاج والی عورت کا یوں معمولی بات پر بھبک جانا سب کو لمحہ بھر کے لئے حیرت سے گنگ کر گیا تھا۔

''میرا خیال ہے، لالی یہاں آ کر ڈسٹرب ہو گئی ہے۔'' روبی بھابی آہستگی سے بولیں۔

''ہوں، میرا بھی یہی خیال ہے۔'' جاذب بھائی متاسفانہ سی سانس کھینچ کر خود بھی کھڑے ہو گئے۔

ماحول میں بے نام سی اُداسی اتر آئی تھی۔ وہ سب بھی ہال سے اٹھ گئے۔

***

رات کو طلال اس کے کمرے میں آیا تو ناراضگی و برہمی کے تاثرات اس کے چہرے سے

عیاں تھے۔ لالہ رخ کو یقین تھا وہ جس طرح خفگی کا تاثر سمیٹے ڈائننگ ہال سے چلا گیا تھا، اس سے باز پرس کرنے ضرور آئے گا اور اس کا دل تو بری طرح دُکھی ہوا تھا یہ سوچ کر اور جان کر کہ طلال بھی مصطفیٰ خان کا ہمنوا تھا۔

لالہ رخ کی متورم آنکھوں پر نظر پڑی تو وہ اپنے کھنچے ہوئے اعصاب کو گہری سانس کھینچ کر ڈھیلا چھوڑتے ہوئے بے حد افسردگی سے بولا۔ ''ماضی اگر رنجشوں اور تلخیوں پر مبنی ہو تو اسے یاد رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا لالہ رخ! جس کتاب میں رنج و غم سے بھرپور قلم کی روشنائی ہو اس کے ورق کو پلٹ دینا ہی بہتر ہے۔'' اس کا لہجہ ناصحانہ تھا۔

لالہ رخ نے گم شال نکال کر اوڑھتے ہوئے وارڈ روب کا دروازہ بند کیا اور اس پر ایک اچٹتی نظر ڈالی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ ایک طرح کی تمہید تھی۔

''مشکل یہ ہے طلال کہ کتاب کے ورق ہی آسانی سے پلٹے جا سکتے ہیں اور یہ کوئی کتاب نہیں۔ یہ تو گزشتہ ورق پر لکھے ہوئے قصے کی اثر انگیزی پر منحصر ہے کہ کب تک طاری رہے، کب تک نشہ رہے اور زہر قائم رہے۔'' وہ بڑے تحمل سے بولی جیسے کوئی کم سمجھ کو سمجھا رہا ہو، اس کی غلط فہمی کو دور کرنا چاہ رہا ہو۔

''یہ محض تمہاری غلط سوچ ہے بلکہ انتہا پسندی ہے۔ جب زندگی کو ہی فنا ہے تو کیفیات کو کیوں کر نا نہیں؟ اگر اس طرح ہوتا تو دنیا میں ہر شے پر جمود طاری دکھائی دیتا۔ روتا ہوا شخص عمر بھر روتا، یہ رنگا رنگی، ہاؤ ہو، شور و غل، رونا ہنسنا، ساری رنگینیاں، کیفیات کے تغیر کے باعث ہی ہیں۔'' وہ اس کی بات رد کرتا ہوا بولا۔

''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟ یہ تمہید چھوڑو، صاف بات کرو۔'' لالہ رخ نے ترش روئی سے اس کی بات کاٹ دی۔

ایک پل کے لئے وہ اس کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔ پھر ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے بولا۔ میں جو کہنا چاہتا ہوں، تم اس سے واقف ہو بلکہ بہت اچھی طرح واقف ہو۔''

''شاید ہاں۔ مگر میں تمہارے منہ سے سننا چاہتی ہوں اور یہ دیکھنا چاہتی ہوں کہ تم میرے کتنے خیر خواہ ہو۔'' وہ سر اثبات میں ہلاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگی۔

''تمہارا خیال ہے یہ میری طرف سے خیر خواہی نہیں ہے۔'' طلال نے بے حد متاسفانہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

عموماً جب کوئی خلوص دل سے کسی کو سمجھانا چاہتا ہے، کوئی مشورہ دینا چاہتا ہے تو وہ کچھ

ہی نظروں سے دیکھ رہی تھی جن میں برہمی کے تاثرات بہت واضح تھے۔

''میری خیر خواہی کس بات میں ہے، یہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔'' وہ جھٹکے سے رخ پھیر گئی۔ ''دل کوئی بازار نہیں ہے طلال کہ جس کا دل چاہا، منہ اٹھائے چلا آئے۔ نہ کوئی سرائے ہے کہ کوئی آیا، ذرا دیر ٹھہرا اور چلا گیا۔''

''یہی تو میں سمجھانا چاہ رہا ہوں تمہیں کہ اس دل کو قلعہ بھی مت بناؤ کہ کسی کو اندر آنے کا راستہ ہی نہ ملے اور یہ تنہائیوں اور ویرانیوں سے کھنڈر ہو جائے۔''

لالہ رخ نے ذرا سا چہرہ موڑ کر اسے مجروح نظروں سے دیکھا۔ اس کے اندر بہت کچھ ٹوٹ رہا تھا۔ اس کا دل لہو ہو رہا تھا۔ اور لہو کی یہ سرخیاں آنکھوں میں بھی اتر آئی تھیں۔ [illegible] وہ اپنے درد کو دباتے ہوئے بولی۔

''محبت کسی سمجھوتے کا نام نہیں ہے۔ سمجھوتے کا مطلب تو یہ ہے کہ آپ اپنے زخموں، سسکتے پھوڑوں اور جذبوں سے خالی بے رنگ زمین پر کوئی خوش نما رنگ پھیر کر اس کی ساری بد رنگی کو چھپا دیں، اسے ملفوف کر دیں۔ کیا فائدہ اس مکان کا جس پر بہترین اور خوبصورت رنگ و روغن پھیر دیں مگر وہ اندر سے آباد نہ ہو پائے۔ جہاں کسی ایک اکیلے شخص کی آواز بازگشت کی طرح ساعت پر ہتھوڑے کی طرح لگتی رہے۔ نہیں طلال! ایسے رشتے بہت بودے ہوتے ہیں، دل سے تعلق نہ ہو تو یہ ریت کی طرح بکھر جاتے ہیں۔''

''تو کیا سیف الرحمٰن سے تمہارا رشتہ، تعلق بودا نہیں تھا؟ ریت کی طرح بکھر نہیں گیا؟'' طلال نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ استہزائیہ ہو گیا۔ پھر ایک گہری سانس بھرتے ہوئے تاسف سے سر جھٹکا۔ ''ناقابل اعتبار شخص سے [illegible] ہونے والا رشتہ چاہے ہزار شرعی طریقوں پر باندھا گیا ہو، وہ کبھی مضبوط نہیں ہوتا۔ کیا اس کے ساتھ دلی تعلق جوڑنے کے باوجود تم نے ہزار وہموں، دھڑکوں میں زندگی نہیں گزاری؟ اور اب اتنے بودے تعلق کی یاد کو تم سینے سے لگائے بیٹھی ہو۔ یہ سراسر نادانی نہیں تو کیا ہے؟''

''پلیز طلال!'' لالہ رخ نے اسے مزید بولنے سے روکنا چاہا مگر وہ اس کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھ کر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔

''یاد رکھو، کبھی کبھی سمجھوتے سے باندھا گیا تعلق بھی اٹل ہو جاتا ہے، اس میں رفتہ رفتہ انسیت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ انسیت ایک دن محبت میں بدل جاتی ہے۔''

''یہ تو محض قیاس پر مبنی باتیں ہیں۔ ہوا میں تیر چلانے والی بات ہے۔'' وہ اس کا [illegible] ٹک کر تلخی سے ہنس دی۔ ''سمجھوتے کی زمین سے کبھی محبت کا پودا نہیں پھوٹ سکتا۔

طلب محبت کا روپ ضرور دھار لیتی ہے۔ مگر مجھے مصطفیٰ خان یا کسی بھی سہارے کی کوئی طلب نہیں ہے۔ اور سنو جا کر کہہ دو اپنے اس دوست سے کہ وہ اپنے دل میں ایسی کوئی خواہش نہ پالے۔''

''لالی! پلیز لالی! صرف ایک بار، ایک بار تم اسے آزما کر تو دیکھو۔ وہ تمہارے لئے بے لوث ہے۔ اس کی بے لوث محبت تمہاری اور حمزہ کی زندگی میں......''

''میرے لئے ایک ہی دھوکا کافی ہے۔'' وہ تلخی سے اس کی بات کاٹ گئی۔

''نہیں لالہ رخ! جس طرح درختوں کی چھاؤں یکساں نہیں ہوتی، اسی طرح آدمی کی چھاؤں بھی یکساں نہیں ہوتی۔ کچھ درخت اپنے احاطے میں بہت پُرسکون چھاؤں رکھتے ہیں، ان کے تلے آ کر ساری حدت دم توڑ دیتی ہے۔ تم ایک بار اس چھاؤں میں آنے کا ارادہ تو کرو۔ آ کر تو دیکھو۔''

''جس کے اندر پہلے ہی آگ لگی ہو، بہت حدت، بہت گھٹن ہو تو چھاؤں کیا کرے گی؟'' وہ جیسے تھک کر کرسی پر گر سی گئی۔ کوئی خوشنما خواب آنکھیں دیکھنے پر تیار ہی نہ تھیں۔ کسی کی محبت اس کے دل کا قفل توڑ ہی نہیں سکتی تھی۔ طلال کی نگاہیں یکدم واش روم کے دروازے پر ہی ٹھٹک جانے والی روشانہ پر پڑیں۔ وہ نہا کر نکلی تھی اور دونوں بہن بھائی کو اس حساس موضوع پر الجھتے دیکھ کر خود بھی الجھ گئی۔ اس کی فوری طور پر سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ کمرے سے باہر نکل جائے یا یونہی کھڑی رہے۔

''روشانہ پلیز! تم ہی سمجھاؤ اسے۔ تھوڑی سی عقل دو۔'' طلال نے اسے مخاطب کیا تھا۔

''عقل کی مجھے نہیں تمہیں اور تمہارے اس دوست کو ضرورت ہے۔'' وہ بری طرح جھلس کر کرسی سے جھٹکے سے کھڑی ہو گئی۔ پھر روشانہ کی طرف دیکھا جو خفیف سے انداز میں کھڑی تھی۔ تر و تازہ چہرے پر بالوں سے ٹپکتا پانی ہیروں کی مانند دمک رہا تھا۔ شاید وہ خود کو اس وقت یہاں مس فٹ محسوس کر رہی تھی۔

''میں یہ ساری دلیلیں تمہارے حق میں بھی دے سکتی ہوں۔ یہی باتیں تمہیں بھی سمجھاتی آ رہی ہوں۔ روشانہ اسد جیسی لڑکی بھی تمہاری زندگی میں پھول بکھیر سکتی ہے، اپنی بے لوث محبت سے تمہاری تنہائیاں سمیٹ سکتی ہے۔'' اس نے روشانہ کے کندھے پر اپنا بازو پھیلا لیا اور طلال کو یوں دیکھا جیسے اسے چاروں شانے چت کر کے حظ اٹھانا چاہ رہی ہو۔ اور حقیقتاً وہ اس حملے پر گڑبڑا گیا تھا، مگر اس سے زیادہ بری حالت روشانہ کی ہوئی تھی۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ لالہ رخ بات کو یہ رخ دے دے گی۔ وہ تو ابھی مصطفیٰ خان کے

پر پوزل پر ہی حیران تھی۔ طلال کے جملوں پر ہی الجھی ہوئی تھی۔

مارے شرم کے اس کا چہرہ اس طرح لال ہو گیا کہ طلال کی اٹھنے والی نگاہیں اس کے چہرے کی جانب اٹھیں تو جھپکنا بھول گئیں۔ خفت اور شرم کی سرخی کا امتزاج بے حد دلکش حیران کن تھا۔ 'ٹھیک ہی کہتے ہیں کہنے والے کہ حسن میں شرمیلا پن اور حیا کے رنگ مل جائیں تو وہ حسن لامحدود ہو جاتا ہے۔ دل کی دیواروں میں سمیٹے نہیں سمٹتا، بس پھیلتا چلا جاتا ہے، اس کی کشش کی لہریں رگ رگ میں اتر کر خون کے ساتھ دوڑنے لگتی ہیں۔'

"تمہاری بات آتی ہے تو تم دامن کھینچ لیتے ہو، ساری دلیلیں ماننے سے صاف انکار کر دیتے ہو۔" لالہ رخ ناراضگی سے کہہ رہی تھی۔

"مگر اب ایسا نہیں ہو گا۔" طلال ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے بڑے بے ساختہ پن سے بولا تھا۔ پھر لالہ رخ کی طرف دیکھا تھا، ایک دھیمی مسکراہٹ بے اختیار اس کے لبوں کی تراش میں کسی لہر کی طرح ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔

"ہو سکتا ہے اب مجھے دامن پھیلانا پڑے۔" وہ انہی دھیمے سُروں میں گویا ہوا اور ایک بھرپور نگاہ روشانہ پر ڈالی۔

"کیا...... کیا کہا تم نے؟" لالہ رخ بڑی تیزی سے روشانہ کے کندھے سے ہاتھ ہٹا کر اس کی طرف بڑھی تھی۔ اسے پہلے تو وہم ہوا کہ اس کی سماعت میں جو جملہ پڑا تھا وہ محض اس کا وہم یا سماعت کا دھوکا تھا۔ مگر طلال کے چہرے کے تاثرات نے اسے حیرت آمیز مسرت سے گنگ کر دیا۔

مگر وہ زیادہ دیر رُکا نہیں اور بڑی سرعت سے پلٹ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ شاید وہ اپنے بے اختیارانہ فعل پر خود ہی سٹپٹا گیا تھا مگر یہ تو ایک طرح کی بے اختیاری تھی جو منہ سے نکل ہی چکا تھا۔ اپنی کمزوری کا اعتراف کر ہی چکا تھا۔

"طلال! بات تو سنو۔" وہ اس کی طرف لپکی مگر وہ اس اثناء میں نہ صرف دروازے سے نکل گیا تھا بلکہ راہداری بھی عبور کر چکا تھا۔

لالہ رخ وہیں رک گئی اور تحیر آمیز بے یقینی سے دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر پلٹی

"روشی...... روشی! تم نے سنا یہ طلال کیا کہہ گیا؟" اس کی آنکھوں میں تحیر کی جگہ آہستہ آہستہ مسرت کے جگنو اترنے لگے تھے۔ اس کی آواز میں عجیب کھنک اتر آئی تھی۔

"روشانہ!" وہ اس کے نزدیک آئی، فرطِ مسرت سے اس کے گرد اپنا بازو حمائل کر دیا۔

روشانہ نے پلکیں اٹھا کر اس کی طرف عجیب خالی خالی نظروں سے دیکھا۔

کبھی کبھی بات واضح ہو کر بھی اس قدر مبہم ہو جاتی ہے کہ آدمی خاموشی کی چادر میں جا چھپتا ہے۔ اس کے وجود پر بھی ایسی ہی گمبھیر خاموشی چھا گئی تھی۔

جیسے ہوا سے محروم چاند پر اترتی ہو گی

جیسے شام ہوتے ہی کسی گاؤں میں اتر آتی ہو گی

جیسے ریل گزر جانے کے بعد اسٹیشن پر پھیل جاتی ہے۔

اس نے آہستگی سے لب دانتوں میں دبا کر پلکیں جھپکیں اور لالہ رخ کا ہاتھ ہٹا کر کمرے سے ملحق ٹیرس میں چلی گئی۔

***

لالہ رخ اس کی خاموشی کو شرم پر محمول کرتے ہوئے مسکرا دی اور ایک گہری سانس یوں کھینچی گویا کوئی روشنی سی پھیپھڑوں میں بھر رہی ہو۔ طلال کے ان جملوں نے اسے بے حد مسرور کر ڈالا تھا۔ اس نے سوئے ہوئے حمزہ پر ایک نظر ڈالی اور کمرے سے باہر چلی گئی۔ اس کا رخ طلال کے کمرے کی طرف تھا مگر وہ کمرے میں موجود نہیں تھا۔ اس نے جاذب کے کمرے میں دیکھا مگر وہاں خرم، عادل اور مجتبیٰ شطرنج کی بساط جمائے ہوئے تھے۔ وہ اپنے کمرے میں لوٹ آئی۔ روشانہ بیڈ پر لیٹ کر سوتی بن گئی تو وہ بے ساختہ مسکرا دی۔ اسے اچھی طرح علم تھا وہ جاگ رہی ہے تاہم لڑکیوں کے واپس کمرے میں آ جانے پر وہ اس موضوع پر اس سے کوئی بات نہ کر سکی۔

صبح اس کی آنکھ کھلی تو وہ ساری چنڈال چوکڑی لڑکوں کے ساتھ ہوا خوری کو نکل گئی تھی۔ یہ اطلاع اسے روبی بھابی نے دی تھی۔ وہ خود بھی جاذب کے ساتھ جا رہی تھی۔ کمرے سے نکلتے ہوئے بولی۔

''نیچے ڈائننگ ہال میں طلال تمہارا ناشتے پر انتظار کر رہا ہے۔''

منہ دھوتے ہوئے اس نے سوچا چلو اچھا ہوا، طلال اکیلا ہی اسے مل گیا۔ رات اس نے جو خوشگوار شوشہ چھوڑا تھا اس کا اثر اب تک اس کے ذہن پر تھا۔

بالوں میں برش پھیر کر وہ ڈائننگ ہال میں آئی تو طلال اخبار کی ورق گردانی کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر اخبار سے نظریں ہٹائیں۔

''تم ان سب کے ساتھ کیوں نہیں گئیں؟ مانا کہ سوات کا چپہ چپہ دیکھا ہوا ہے تمہارا لمحہ لمحہ ازبر ہے۔ مگر کمپنی بدل جانے سے کبھی منظر بھی بدل جاتے ہیں۔ مانوس علاقے نئے نئے لگتے ہیں۔'' وہ اخبار لپیٹ کر ایک طرف رکھتے ہوئے بولا۔

''زیادہ طنز کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس وقت میرا موڈ بہت اچھا ہو رہا ہے۔ تم مہربانی اسے اس فضول سے ٹاپک پر غارت مت کرو۔'' وہ چائے کا مگ اپنی طرف فلاسک اٹھا کر اس میں سے چائے انڈیلنے لگی۔

''پوچھو گے نہیں میرا موڈ اچھا کیوں ہو رہا ہے؟'' وہ فلاسک رکھ کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرائی۔

''یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ ویسے سوات کی فرحت بخش ہواؤں کا بھی فیض ہو سکتا ہے۔'' وہ بھی قدرے بشاش معلوم ہو رہا تھا۔ لالہ رخ بڑے بھرپور انداز میں ہنس دی۔

''ہاں، ایک طرح سے مجھے بھی یقین ہو ہی گیا ہے کہ بیرونی موسم بھی کبھی دل پر اثر انداز ہوتے ہیں جس طرح تم پر ہوا ہے۔''

طلال نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔

''بھئی تمہارے دل کا وہ زنگ آلود قفل بھی تو انہی حسین فضاؤں کے طفیل ٹوٹا ہے نا۔ ویسے طلال! جو انکشاف تم رات کو کر گئے تھے، پھر کہاں جا کر چھپ گئے تھے؟ میں تمہیں ڈھونڈتی رہی۔''

طلال کے لب یکدم سکڑ گئے۔ ایک لمحہ اس کے چہرے پر تغیر رونما ہوا مگر دوسرے پل وہ اسی اطمینان سے چائے کا گھونٹ بھرنے لگا۔

''میرا خیال ہے تم نے زندگی میں پہلی بار درست فیصلہ کیا ہے بلکہ ڈھنگ کا۔'' وہ اسے چھیڑ رہی تھی۔ خوشی کا تاثر اس کے چہرے پر چاندنی کی طرح بکھرا ہوا تھا۔

''روشانہ سے شادی کا فیصلہ نہ صرف درست ہے بلکہ بروقت بھی لگتا ہے۔ مسز بلال کے خوفناک عزائم نے تمہاری بیٹری چارج کر دی۔'' اس کی بات پر وہ بے ساختہ ہلکے سے مسکرا دیا۔ تاہم اس کی خوشنما آنکھوں میں عجیب سی کیفیت تھی۔ وہ بے حد سرد لگ رہی تھیں جیسے شام اترتے ہی سمندر بڑا ٹھہرا ٹھہرا محسوس ہو۔ مگر کون جانے اس کی سطح کے نیچے کتنے طوفان پنہاں ہوں۔

وہ سوچ رہا تھا کہ لالہ رخ بالکل سچ کہہ رہی ہے کہ اس کا فیصلہ نہ صرف درست ہے بلکہ بروقت بھی ہے۔ وہ اس کے چہرے پر خوشی کے عکس کو دیکھ کر خاصا مطمئن ہوا تھا۔ اس کی بے پایاں خوشی کے اظہار سے یہ بھی ثابت ہوا تھا کہ وہ روشانہ سے بے حد محبت کرتی تھی۔ اسے چاہتی تھی۔ گویا اس کی دلی آرزو پوری ہو گئی تھی۔

لالہ رخ کو طلال کی مسلسل خاموشی کا احساس ہی نہ ہوا، وہ اپنی خوشی میں اتنی مگن تھی کہ مسلسل اسے چھیڑ رہی تھی۔ شاید وہ اس کی خاموشی کو بھرپور رضامندی خیال کر کے اور زیادہ مسرور ہو رہی تھی۔ وہ واہمے جو میز تک آتے ہوئے اس کا دل پکڑ رہے تھے کہ کہیں وہ اپنی بات سے مکر نہ جائے، اس کی دھیمی مسکراہٹ اور اس خاموشی سے زائل ہو گئے تھے۔ اس کا

تو دل چاہ رہا تھا وہ فوراً ملتان پہنچ جائے اور اماں کو لے کر اسلام آباد جا کر روشانہ کا ہاتھ
مانگ لے۔

طلال ناشتہ پہلے ہی کر چکا تھا۔ چائے کے شغل میں مصروف تھا۔ پھر اس کے کچھ جاننے
والے دکھائی دیئے تو وہ اٹھ کر ان کی میز پر چلا گیا۔ جبکہ لالہ رخ ناشتہ سے فارغ ہو کر اپنے
کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ شام کو ان سب کو منگورہ کے لئے نکلنا تھا۔ اس نے سوچا دوسروں
سب کے آنے تک تھوڑی بہت پیکنگ ہی کر لے۔

سیڑھیاں چڑھتے ہوئے مصطفیٰ خان سے ٹکراؤ ہو گیا۔

"السلام علیکم، کہیے مزاج کیسے ہیں؟" اسے دیکھ کر اس کی خوبصورت آنکھوں کے رنگ
نگینے کچھ اور روشن دکھائی دینے لگے۔ گرے شلوار سوٹ میں وہ خاصا تروتازہ دکھائی دے رہا
تھا۔ چہرے پر تازہ تازہ شیو کی سبزی اور سرخی کا عجیب امتزاج تھا۔

لالہ رخ نے سوچا کہ وہ تیزی سے گزر جائے۔ وہ اپنا خوشگوار موڈ غارت نہیں کرنا چاہتی
تھی۔ مگر لامحالہ اسے رُکنا پڑا۔ وہ سیڑھیوں کے درمیان پھیل کر کھڑا تھا۔

"میں نے سلام کیا ہے اور سلام کا جواب دینا واجب ہوتا ہے ایک مسلمان پر۔"

"وعلیکم السلام۔" وہ روٹھے پن سے بولی۔

"آہ...... یہاں وابستگی، وہاں برہمی۔ کیا معلوم ایسا کیوں ہے؟" اس نے ایک ٹھنڈی
سانس کھینچی۔ "افسوس، اس خوبصورت موسم اور ماحول نے بھی آپ پر کوئی اچھا اثر نہیں کیا۔"
وہ اسے جائزہ لیتی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "ہم نے تو سنا تھا آب و ہوا کی تبدیلی دل
پر بڑا خوشگوار اثر چھوڑتی ہے۔"

نیلے رنگ کے جدید تراش کے سوٹ میں وہ مصطفیٰ خان کو صبح کی نوخیزی کا دلفریب حصہ
لگ رہی تھی۔ پتہ نہیں اب اس کی آنکھوں میں ہی اتنا بہت سا حسن اتر آیا تھا یا وہ تھی ہی اتنی
دل موہ لینے والی۔

یوں بھی خوبصورتی سے متعلق ہر ایک کا اپنا الگ نظریہ ہوتا ہے۔ اگر آپ کسی کے بارے
میں اچھا سوچتے ہیں تو وہ آپ کو اچھا لگنے لگتا ہے۔ اسے محبت کے احساس سے دیکھتے ہیں تو
یہ جذبہ مجسم ہو کر کسی کو خوبصورت بنا دیتا ہے، جو شے کسی کے دل کو گھیر لے، دراصل وہی
خوبصورتی ہوتی ہے۔ آپ جس سے محبت کرتے ہیں، وہ خوبصورت ہو جاتی ہے۔ اور مصطفیٰ
خان کو وہ اس وقت سارے جہاں سے زیادہ حسین و دلکش دکھائی دے رہی تھی۔ تاہم اس نے
اپنے جذبات کی لگام تھام کر نگاہوں کی وارفتہ لو بجھا دی۔

"موسم کی اثر انگیزی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں آپ کے لئے فضول قسم کے جذبات
پالنے لگوں۔" وہ برہمی سے گویا ہوئی۔

"کم از کم جذبات کو فضول کہہ کر ان کی توہین تو نہ کریں۔" وہ جلدی سے بولا اور اسے
ملامت بھری نظروں سے دیکھا۔ مگر اس کے ہونٹوں کی تراش میں بڑی دلفریب مسکراہٹ
رقصاں تھی جو لالہ رخ کو زہر سے زیادہ بری لگ رہی تھی۔ اس کا سارا خوشگوار موڈ خاک ہو کر
رہ گیا تھا۔

"آپ برائے مہربانی میرا راستہ چھوڑ دیجئے۔" وہ بگڑے تیوروں کے ساتھ بولی۔ مگر
وہاں سکون ہی سکون تھا۔

"راستہ نہ چھوڑنا میری مجبوری ہے۔ کیونکہ میرا ہر راستہ تمہاری طرف ہی نکلتا ہے۔"

"اس لئے کہ آپ غلط موڑ پر نکل آئے ہیں۔ بھٹک گئے ہیں صحیح راستے سے۔" وہ
استہزائیہ لہجے میں بولی۔ جس میں دبی دبی خفگی بھی نمایاں تھی۔

"آہ، ٹھیک کہتے ہیں بزرگ کہ پھاہا رکھنے والا جھوٹ، زخمی کرنے والے سچ سے بہتر
ہے۔" مصطفیٰ خان نے ایک ٹھنڈی آہ نما سانس کھینچی اور اسے بڑی گھائل نظروں سے دیکھا۔

"چلیں، آپ نے میری بات کو سچ تو تسلیم کیا۔" وہ طنز سے ہنسی۔ "کہ آپ نے غلط
راستے کا تعین کیا ہوا ہے۔"

"خیر، یہ تو میں تاعمر تسلیم نہیں کر سکتا۔" وہ سر نفی میں ہلاتا دوبدو بولا۔ پھر ریلنگ پر ہاتھ
رکھ کر قدرے آگے آیا۔ "محترمہ لالہ رخ! محبت میں طالب کی نگاہ راستوں کی کٹھناؤں پر
نہیں، منزل پر ہوتی ہے، راستہ طویل ہو یا مختصر، منزل کا یقین ہو تو ہر راہ سے منزل آ جاتی
ہے۔" پھر ایک گہری سانس بھر کر سیدھا ہوتے ہوئے ہنوز اس کے چہرے پر نگاہیں جمائے
ے بولا۔ "یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم۔" یہ کہہ کر وہ ہلکے سے ہنسا اور ایک طرف
اسے جانے کا راستہ دیا۔

لالہ رخ کو اپنی پیشانی یوں جلتی محسوس ہونے لگی جیسے مصطفیٰ خان نے اس کے نزدیک
ن کر دیا ہو۔ تپش کی لہریں اسے اپنے وجود سے اٹھتی محسوس ہونے لگیں۔ اس نے ایک
ما نگاہ اس پر ڈالی اور تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گئی۔

یک طائرانہ نظر اس نے اوپر جانے والی سیڑھیوں پر ڈالی جہاں سے وہ کسی سبک خرام
نی کی طرح گزر گئی تھی۔ پھر سر خفیف سے انداز میں جھٹک کر ایک بوجھل احساس کے
دھیرے دھیرے سیڑھیاں اترنے لگا۔

⁂☆⁂

رات تک وہ سب منگورہ پہنچے تھے۔ منگورہ میں گھومنے پھرنے کے علاوہ یہاں کے بازار عورتوں کی خصوصی توجہ کا مرکز بن گئے تھے۔ خرم تو چڑ کر رہ جاتا۔

''کیا مصیبت ہے تم لوگوں کے ساتھ، جہاں جاتی ہو چپک کر رہ جاتی ہو۔ یہ سالی چیزیں کوئی نئی تو نہیں ہیں۔''

''تم مت آیا کرو نا ہمارے ساتھ۔ ہم تو اسی طرح کریں گے۔'' روبی بھابی جیولری پسند کرتے ہوئے بولیں۔

''ہاں تاکہ اجنبی جگہ آپ لوگ گم ہو جائیں اور بیچارے طلال چاچو ڈھونڈنے میں خوار ہوتے رہیں۔'' خرم نے یہ کہتے ہوئے روشانہ کو شرارت بھری نظروں سے دیکھا۔ وہ نظریں چرا گئی۔

''طلال کو ڈھونڈنے میں اتنی تکلیف بہرحال نہیں ہو گی جتنی تمہیں اس وقت یہاں کھڑے ہونے میں ہو رہی ہے۔''

''اوہو، خوش فہمی دیکھئے ذرا۔'' خرم نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا۔ ''آپ کا کیا خیال ہے آپ اِدھر اُدھر ہو گئیں تو چاچو آپ کو ڈھونڈنے نکل پڑیں گے کیا؟''

''تو نہ نکلیں، میرے میاں کو اللہ سلامت رکھے، وہ یہ کام بخوشی کر لیں گے۔''

''اللہ رے۔'' خرم نے استہزائیہ انداز میں ایک ٹھنڈی سانس کھینچی پھر دونوں ہاتھ جھٹکتے ہوئے بولا۔ ''وہ تو کہیں گم، خس کم جہاں پاک۔''

''خرم کے بچے۔'' روبی بھابی نے پلٹ کر اسے مارنے کو پرس اٹھایا تو وہ ہنستا ہوا دوسری طرف نکل گیا جہاں عادل اور مجتبیٰ کھڑے آئس کریم کھا رہے تھے۔

لالہ رخ، مصطفیٰ خان کی موجودگی کے باعث ان سب کے ساتھ اب کہیں آنے جانے سے کترانے لگی تھی۔ مگر روبی اور روشانہ اسے زبردستی گھسیٹ کر لے آئی تھیں۔ وہ تنہائی میں روشانہ سے بات کرنا چاہتی تھی مگر روشانہ اسے ایسا کوئی موقع جان کر فراہم نہیں کر رہی تھی۔ وہ زیادہ تر مہوش اور نازش کے ساتھ ہی چپکی رہتی یا پھر روبی بھابی کے ساتھ نکل جاتی۔ لالہ رخ جان ہی نہ پائی کہ وہ دانستہ ایسا کر رہی ہے۔

روشانہ کے دل کی حالت عجیب تھی۔

کبھی کبھی کوئی خوشی اس طرح ملتی ہے کہ خوش ہونے کا احساس جھاگ کی طرح بیٹھ جاتا ہے جیسے مچلتی ہوئی لہریں ساحل پر سر پٹخ کر ریت میں جذب ہو جائیں۔

دراصل کچھ خواب بڑے رنگین اور خوش نما ہوتے ہیں مگر ان کی تعبیریں بڑی پھیکی، بے رنگ ہوتی ہیں۔ وہ بجھ گئی تھی۔ اس کے دل کی شوریدہ لہر کہیں ریت میں جذب ہو کر ٹھنڈی پڑ گئی تھی۔ اس کے رنگین جذبوں کی تعبیر اس کے ہاتھ آئی تو اسے لگا اس کے رنگ بڑے پھیکے اور ماند ہیں۔ ویسے نہیں جو خوابوں میں دکھائی دیتے تھے۔

وہ طلال سے فقط یہ پوچھنا چاہتی تھی کہ وہ اس کے ہاتھ میں ایسا پھیکا اور بے رنگ پھول کیوں دینا چاہتا ہے؟ اس کے عوض وہ کیا چاہتا ہے۔

پتہ نہیں یہ اس کی چھٹی حس کا گمان تھا یا محض بدگمانی کہ وہ دل کے ہاتھوں مجبور نہیں ہوا۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ جذبے دل کے سیپ سے نکل کر آنکھوں کی سطح پر ضرور ظاہر ہوتے، مثل مہتاب ابھر کر اس کی بے یقینی کے اس اندھیرے کو ضرور کاٹ ڈالتے۔

محبت میں جہاں چاہے جانے کا احساس مسرت انگیز ہوتا ہے، وہیں اس شفاف آئینے میں ناگواری، بے مہری، بے یقینی اور بے گانگی کا ہلکا سا چھینٹا بھی فوراً دکھائی دینے لگتا ہے۔ اور ہر سچی خالص چیز کے ساتھ یہی مسئلہ ہے، تھوڑا سا ناخالص احساس بھی بری طرح محسوس ہونے لگتا ہے۔

یہ تو دھڑکنوں کے ایک دوسرے میں تحلیل ہونے کا عمل ہوتا ہے، یہ تو ایک دوسرے کے اندر اُگنے کا عمل ہے۔ جب تک آپ دوسرے کے دل میں ازخود نہ اُگیں، آپ کی جڑیں اس کے اندر نہ ہوں تو یہ محبت بڑی کمزور اور کسی غرض پر مبنی ہوتی ہے۔

ایک کج ادائی، ایک غافل دھڑکن سے محبت کے درخت کو کیڑا لگ جاتا ہے...... یہ بات روشانہ اسد اس شخص کو بتانا چاہتی تھی۔ اسے یہ بتانا چاہتی تھی کہ چاہنے کا سفر چاہے جانے سے کہیں زیادہ کٹھن اور اذیت آمیز ہوتا ہے۔ عورت محبت کرنے میں اتنا نہیں تھکتی جتنا چاہے جانے کے سفر کی اذیت ناکیاں اسے تھکا ڈالتی ہیں۔

⁂☆⁂

منگورہ سے ان سب کی واپسی کا پروگرام اچانک بن گیا۔ جلال بھائی کا فون آیا تھا کہ روشانہ کے والد اسد خان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ اس خبر نے سب کو ہی تشویش میں مبتلا کر دیا۔ جاذب بھائی نے فوراً ہی ٹکٹوں کا انتظام کر لیا۔

پلوشہ موبائل پر امی سے بات کرتے ہوئے خوب روئی۔ امی نے اسے تسلیاں دیں اور لالہ رخ کو بتا دیا کہ اب حالت خطرے سے باہر ہے۔ دائیں بازو کی ہڈی اتر گئی ہے اور دوسرے چھوٹے موٹے زخم اور خراشیں ہیں۔

دونوں بہنوں کو تو کسی پل قرار نہیں تھا۔ ان کا دل چاہ رہا تھا، پَر لگاتے ہی پھُر سے اُڑ جائیں۔

مصطفیٰ خان نے منگورہ سے ان سب کو رخصت کیا۔ ایک عجیب سی اداسی اس کی روح پر محیط ہو گئی تھی۔ اس کی خوشنما آنکھوں کی روشنی بجھی بجھی تھی اور جانے کیوں لالہ رخ کی نظریں اس سے جاتے وقت تک کتراتی رہیں۔

اس نے سوچا، واپسی کا سفر ہمیشہ اس اُجاڑ ویران اسٹیشن کی طرح کیوں ہوتا ہے جس پر کوئی ریل عرصے سے آ کر ٹھہری ہی نہ ہو اور آئی بھی ہو تو پلک جھپکتے ہی گزر گئی ہو۔

میں نہ پاس اس کو بلا سکا، نہ میں دل کی بات سنا سکا
وہ ہنسی ہنسی میں ہی چل دیا کہ میں ہاتھ تک نہ ہلا سکا
نہ ہے دشمنی کسی دن سے، اب نہ ہے دوستی کسی رات سے
ہے بچا ہی کیا جو وہ لے گیا، مجھے چھین کر میری ذات سے
یہ مقام ہی تھا عجیب سا کہ میں خود کو بھی نہ بچا سکا
نہ میں اس کو پاس بلا سکا نہ میں دل کی بات سنا سکا
یہ بھی ٹھیک ہے وہ چلا گیا، مجھے بند رستے پہ چھوڑ کر
یہ بھی ٹھیک ہے کہ نہ آئے گا کبھی بت انا کا وہ توڑ کر
وہ جدا بھی کیسے ہوا کہ میں کوئی رسم تک نہ نبھا سکا
نہ میں اس کو پاس بلا سکا نہ میں دل کی بات سنا سکا

***

وہ سب ملتان پہنچے تو حنا بھی آئی ہوئی تھی۔ رفیعہ بیگم اور سعدیہ پھوپھو نے بھی اسلام آباد جانے کا ارادہ کیا ہوا تھا۔ بس روشانہ اور پلوشہ کے آنے کی ہی منتظر تھیں۔

"تم بھی ساتھ چلتیں لالی!" سعدیہ پھوپھو لالہ رخ سے بولیں۔

"نہیں بھابی، ابھی نہیں۔ حمزہ کا اسکول بھی کھل گیا ہے۔ اور پھر میں ضرور جاؤں گی اسد بھائی کی طرف۔ مگر اماں کو لے کر۔" وہ یہ کہہ کر معنی خیز انداز میں مسکرانے لگی۔

روشانہ کے دل میں تیر سا اتر گیا۔ وہ سر جھکا کر لب کاٹنے لگی۔ وہ اچھی طرح آگاہ تھی اس بات سے کہ لالہ رخ کی اس معنی خیز مسکراہٹ کا پس منظر کیا تھا۔

اسے یکدم بہت سا رونا آئے جا رہا تھا اور سب کا خیال تھا، وہ اپنے باپ کے لئے رو رہی تھی۔ حنا اسے تھام کر اپنے ساتھ لے گئی۔

"بھابی، آپ اسد بھائی کے کانوں میں یہ بات ڈال دیجئے گا کہ ہمارا ارادہ طلال کے لئے روشانہ کو مانگنے کا ہے۔" وہ سعدیہ بھابی کے ذرا اور قریب ہو کر سرگوشیانہ لہجے میں بولی۔

"کیا......؟" سعدیہ بھابی اس غیر متوقع جملے پر اچھل کر رہ گئیں۔ پھر قدرے حیرانی سے لالہ رخ کا مسکراتا چہرہ تکا۔ "اور وہ جو طلال نے......"

"یہ خود اس کی بھی خواہش ہے۔" لالہ رخ یہ کہہ کر یکدم زور سے ہنس پڑی۔ "ہے نا خوشی کی خبر؟" پھر قدرے شرارت آمیز انداز میں سعدیہ بھابی کا متحیر چہرہ دیکھتے ہوئے بولی۔

"موقع اچھا ہے، لگے ہاتھوں خرم اور پلوشہ کی بات بھی کر دیجئے گا۔"

"لالی! بدتمیز لڑکی! یہ سب کیا ہے، تم مجھے بوکھلائے دے رہی ہو۔ صاف صاف بتاؤ۔ کیا سوات میں سارے پروگرام سیٹ کر کے آئے ہو تم لوگ؟" سعدیہ بھابی حقیقتاً بوکھلائی ہوئی دکھائی دینے لگیں۔ پھر لالہ رخ کو گھورتے ہوئے کشن اسے دے مارا۔ "بتاؤ نا، یہ پلوشہ اور خرم کا کیا معاملہ ہے؟"

"کمال ہے، بیٹا وہ آپ کا ہے اور پوچھ مجھ سے رہی ہیں۔"

"کیا اس گدھے نے پلوشہ سے کچھ ایسی ویسی بات کر دی ہے؟" انہیں یکدم فکر پڑ گئی۔ "کوئی الٹی سیدھی حرکت تو نہیں کر دی؟ میں تو ماری جاؤں گی۔ ہائے پرائی امانت ہیں یہ بچیاں تو میرے پاس۔ اگر کچھ......"

"خیر اب ایسی بات بھی نہیں ہے۔ میرا بھتیجا اچھے خاندان کا چشم و چراغ ہے، کوئی فضول حرکت تو کرنے سے رہا۔" لالہ رخ اپنی ہنسی سمیٹتے ہوئے قدرے سنجیدگی سے بولی۔ پھر مختصر انہیں بتانے لگی۔ یہ بات سعدیہ پھوپھو کے لئے حیرت آمیز ضرور تھی تاہم انہیں خوشی ہوئی کہ خرم نے فیصلہ غلط نہیں کیا تھا۔ روشانہ نہ سہی پلوشہ بھی ان کے بھائی کی بیٹی تھی اور انہیں بے حد عزیز تھی۔

"ویسے یہ تو بتاؤ، یہ طلال کے دل کا قفل کس طرح ٹوٹا؟ اس حساب سے تو سوات بڑا مبارک ثابت ہوا۔"

"ہاں، میں خود حیران ہوں کہ کہاں شادی کے نام پر بھاگتا تھا اور کہاں بالکل اچانک اس نے یہ فیصلہ کر لیا۔ نہ صرف یہ بلکہ مجھے کہا بھی کہ میں یہ کام جلد از جلد کروں۔"

"چلو اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے؟" سعدیہ بھابی نے طمانیت بھری سانس کھینچی۔

***

دوسرے روز وہ اسلام آباد جا رہی تھیں اپنی دادی اور سعدیہ پھوپھو کے ہمراہ۔ ساری لڑکیاں انہیں سی آف کرنے کو ایئر پورٹ جا رہی تھیں۔

''یہ ہجوم کس خوشی میں تیار ہے بھئی؟'' خرم انہیں دیکھ کر چکرا گیا۔

''یہ خوشی میں نہیں، غم میں تیار ہے۔'' حسنہ آپا کھلکھلائیں۔ ''بھئی آخر دونوں لڑکیاں جا رہی ہیں اور ہم یونہی سوکھے منہ گھر سے الوداع تو نہیں کہہ سکتے نا۔'' انہوں نے گویا اپنے اور سب کے جانے کی وضاحت فرمائی۔

''تو وہاں کیا گیلا منہ کر کے الوداع کہیں گی یا کورس کے ساتھ الوداعی نغمہ گائیں گی؟''

''فی الحال تو یہ شیڈول میں نہیں ہے۔ مگر آئیڈیا برا نہیں ہے۔ یہ جذبات پر منحصر ہے۔'' حنا اطمینان سے بولی۔

''تم تو چپکی بیٹھی رہو۔ آفاق کو تمہاری نکیل ہمیشہ غلط وقتوں چھوڑنے کی عادت ہے۔'' خرم نے اسے گھرکا۔

''تمہیں بڑی جلن ہوتی ہے جب بھی لڑکیاں کہیں جانے کا ارادہ کرتی ہیں تو۔'' حنا نے آنکھیں دکھائیں۔

''ارادہ کرنا تو خیر ہے مگر جب ارادے کو پایہ تکمیل تک پہنچاتی ہیں تو حقیقتاً مجھے خفقان ہونے لگتا ہے۔'' خرم نے گاڑی کی چابی اس کے آگے اچھالتے ہوئے اسے چھیڑا۔

''تم اسے دفع کرو حنا، اسے تو یوں بھی ہر وقت خفقان رہتا ہی ہے۔'' نازش نے حنا کو ایک طرف کھینچ لیا۔

''لالی! خرم تو بالکل نہیں بدلا۔ میرا تو خیال تھا اسے بہن کی جدائی نے تھوڑی بہت عقل بخش دی ہو گی۔'' وہ خرم کو گھورتی لالہ رخ کے ساتھ والے صوفے پر بیٹھ گئی۔

''کیوں؟ تم جاتے جاتے عقل بانٹ گئی تھیں؟''

''ہاں تو اور کیا۔ تمہیں ہی تو دے گئی تھی ساری۔'' حنا چمک کر وہیں سے بولی۔

''آہ، تبھی خالی کھوپڑی ہو کر رہ گئی ہے تمہاری۔'' اس نے تاسف سے حنا کو دیکھا۔

''خرم کے بچے۔'' اس نے جھینپ کر اپنی چپل نکالی مگر جلال بھائی اور رفیعہ بیگم کو داخل ہوتے دیکھ کر چپل دوبارہ پیر میں ڈال لی۔

''تم مت اُلجھو اس سے۔ یہ بدتمیز یونہی تنگ کرتا رہے گا۔'' حسنہ آپا نے حنا کو سمجھایا۔ خرم ہنستا ہوا مسلسل اسے چھیڑ رہا تھا۔

⁂☆⁂

جو صبح خواب ہوا، شب کو پاس کتنا تھا
بچھڑ کے اس سے مگر دل اُداس کتنا تھا
وہ جس کو بزم میں مہمان بھی نہیں سمجھا
کسے بتائیں وہ خلوت میں خاص کتنا تھا

وہ کمرے میں کتنی دیر ٹہلتا رہا اور حیران ہوتا رہا کہ وہ خود کو تسخیر نہ ہونے والا خیال کرتا آ رہا تھا۔ کس بری طرح سے شکست سے دوچار ہوا تھا۔

عجیب اذیت آمیز لذت تھی اس شکست کے اعتراف میں بھی۔ اسے تو اب احساس ہوا کہ طلب بھی پیاس کی طرح ہوتی ہے۔ اڈتی ہے تو یہ آدمی کو اندر سے بے روح کرنے لگتی ہے۔ وہ لان میں نکل آیا...... اچانک ہی پورا گھر ویران اور اُجاڑ محسوس ہونے لگا تھا، ایسا لگا کہ ساری رونق، ساری رنگینیاں وہ اپنے ساتھ ہی سمیٹ کر لے گئی ہو۔ حالانکہ نہ وہ رونق کا رسیا تھا نہ رنگینیوں کا فدائی تھا۔ نہ روشانہ اسد ایسی محفل آرا اور رنگین سماں باندھ دینے والی لڑکی تھی۔ مگر پھر بھی جیسے ساری رنگینی، نغمگی اسی کے دم سے تھی۔

جاتے وقت کا منظر اس کی آنکھوں کی پتلیوں پر ساکت سا ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ مضطربانہ انداز میں کتنی بار اس کے کمرے تک آئی تھی۔ شاید کچھ کہنا چاہتی تھی۔

اس کی خوش نما آنکھوں کی سطح پر اضطراب، اُداسی، شکوہ، رنجش، بے کلی کیا کچھ نہ تھا۔ مگر وہ جان کر نظریں چرا گیا تھا۔ وہ اس سے جو کہنا چاہتی تھی، جو سوالات اس کے دل میں مچل رہے تھے اور جنہیں وہ زبان دینا چاہتی تھی، ان سے وہ اچھی طرح آگاہ تھا۔ مگر کبھی کبھی بہت سی باتیں واضح ہو کر بھی مبہم ہو جاتی ہیں۔ آدمی خاموشی کے خیمے میں پناہ لے کر عافیت محسوس کرتا ہے اور وہ بھی خاموش تھا تو کسی مصلحت کے تحت۔

آنکھوں میں رہا دل میں اتر کر نہیں دیکھا
کشتی کے مسافر نے سمندر نہیں دیکھا
پتھر مجھے کہتا ہے میرا چاہنے والا
میں موم ہوں اس نے مجھے چھو کر نہیں دیکھا

وہ عجیب اضطراری انداز میں ہنس دیا۔

⁂☆⁂

بھابی کی طرف سے حوصلہ افزا بات سنتے ہی لالہ رخ، اماں کو لئے اسلام آباد آ پہنچی۔ سعدیہ بھابی اس کی اس بے قراری پر ہنس دیں۔ پھر اسے بتانے لگیں۔

"میں نے اسد بھائی سے بات کی اور خود امی نے بھی طلال کی اتنی تعریفیں کی ہیں کہ اسد بھائی چاروں شانے چت ہو گئے ہیں۔"

"کیا کہا انہوں نے؟"

"ابھی تو سوچنے کا وقت لیا ہے۔ مگر اچھا ہوا تم اور خالہ جان آ گئے ہو۔ بس اب اقرار لے کر ہی جانا۔ اور ہاں خرم کی بھی میں نے بات کی ہے۔ وہ کہہ رہے ہیں، سال بھر انتظار کر لو۔ اس کا سیکنڈ ایئر مکمل ہو جائے پھر باقاعدہ رسم کریں گے۔ البتہ میری طرف سے ہاں ہی سمجھو مگر ابھی اس کا ذکر بچوں سے نہ کرنا۔" یہ کہتے ہوئے سعدیہ بھابی کا چہرہ چاند کی طرح دمک رہا تھا۔

"ہاں، خرم سے تو بالکل ذکر مت کیجئے گا۔ بہت شریر ہے وہ۔ اٹھنا بیٹھنا حرام کر دے گا اس بیچاری کا۔" لالہ رخ، خرم کے شرارتی مزاج کا تصور کر کے ہنس پڑی۔ پھر وہ اٹھ کر کچن میں چلی آئی جہاں روشانہ موجود تھی۔

"لالی! اب آئی ہیں تو آپ ہفتہ بھر تو کم از کم ٹھہر جائیں۔ امی بتا رہی تھیں کل ہی آپ کا جانے کا پروگرام ہے۔" روشانہ برنر آہستہ کر کے اس کی طرف چلی آئی۔

"ہاں، ابھی تو جانا بہت ضروری ہے۔ میں حمزہ کو بھی اسی لئے ساتھ نہیں لائی۔ تم فکر مت کرو۔ اب تو ہمارا آنا جانا لگا ہی رہے گا اور بہت جلد دوبارہ آؤں گی منگنی کی رسم کرنے۔" وہ اسے پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔ وہ سر جھکا گئی۔

"پاپا نے ہاں کر دی کیا؟" پلوشہ ادھر ہی چلی آئی تھی۔ لالہ رخ کی بات پر مسرت سے پوچھنے لگی۔

"بھئی، ہاں کیوں نہیں کریں گے؟ آخر میرے بھائی میں کمی کیا ہے؟"

"کمی تو خیر نہیں ہے، کچھ زیادتی ہی ہے۔" پلوشہ ہنسی، پھر سر کھجاتے ہوئے بولی۔ "ویسے ایک چیز کی کمی تو ہے۔" اس نے دبی دبی مسکراہٹ کے ساتھ روشانہ کو دیکھا تو اس نے بھی بے اختیار اس کی طرف دیکھا تھا۔ مگر پلوشہ کی آنکھوں میں تھرکتی شرارت آمیز مسکراہٹ کی روشنی نے اس کو پلکیں جھکانے پر مجبور کر دیا۔

"وہ ہنسنے کے معاملے میں بے حد کنجوس ہیں اور...... اور رومانٹک بالکل نہیں لگتے۔"

لالہ رخ بے ساختہ ہنسنے لگی اور ایک ہاتھ پلوشہ پر جڑ دیا۔

"نادان حسینہ، ایک شریف آدمی ہر کسی سے تو رومان لڑانے سے رہا۔ اب یہ تم کچھ عرصے بعد روشانہ سے ہی پوچھنا کہ وہ رومانٹک ہیں یا نہیں۔" یہ کہہ کر اس نے معنی خیز تبسم سے

ر شانہ کو دیکھا۔

پلوشہ کو سعدیہ پھوپھو نے آواز دی تو وہ وہاں سے بھاگ لی۔

"بہت فضول بکتی ہے یہ وشی بھی۔" روشانہ نے جھینپے جھینپے لالہ رخ کی طرف دیکھا پھر پ ڑے میں رکھنے لگی۔ اس کے رخسار عجیب سی حدت سے تپ رہے تھے۔ محبت میں ورت موسم بہار کی طرح دکھائی دینے لگتی ہے۔ ہر انگ سے حسن جھلکتا محسوس ہوتا ہے۔

لالہ رخ کو روشانہ موسم بہار کا ہی ایک شگفتہ گلاب دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے بڑے بے اختیارانہ انداز میں اس کی نازک تراشیدہ کمر کے گرد بازو حمائل کر دیئے اور جھک کر اس کی معطر لٹ کو اس کے چہرے سے ہٹاتے ہوئے اس کا تپتا ہوا رخسار چوم لیا۔

"آئی ایم سو ہیپی روشی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ طلال کبھی مجھے اس طرح بے پایاں مسرت بخش دے گا۔ میں نے اتنا اچھا اور بروقت فیصلہ آج تک نہیں کیا۔"

"لالی! بھلا ایسا کیا ہے مجھ میں۔ میں تو بے حد عام سی لڑکی ہوں۔" لالہ رخ کی اتنی بت اور عقیدت پر روشانہ کا دل گداز ہونے لگا۔ اس نے لالہ رخ کو تشکر آمیز نظروں سے دیکھا۔ اس کی اس بے پایاں چاہت سے اسے اپنا دامن تنگ محسوس ہونے لگا تھا۔

"ہر انسان ہی دنیا والوں کے سامنے عام سا ہوتا ہے روشی ڈیئر۔ مگر وہ کسی نہ کسی دوسرے انسان کے لئے خاص ہوتا ہے۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر گرم جوشی سے دباتے ہوئے بولی۔ "جس طرح طلال ہو سکتا ہے کتنوں کی نظر میں عام ہو مگر تمہاری نظر میں خاص ہے نا، اسی طرح تم بھی میری نظر میں بہت خاص ہو اور اب تو طلال کے لئے بھی خاص الخاص ہو گئی ہو۔" یہ کہہ کر اس نے ہنستے ہوئے اس کی معطر لٹ کو کھینچا۔

روشانہ کی پلکیں شرم سے جھک گئیں۔

دراصل جذبہ محبت ہی کسی کو خوبصورت، اہم اور خاص بناتا ہے کسی کی نگاہ میں۔ جس طرح رب کو اپنے تمام بندے بغیر تفریق کے پیارے ہیں، جس طرح ایک مصور کو اپنی تمام تصویریں اور ایک رائٹر کو اپنی تمام تحریریں، ایک ماں کو اپنی تمام اولاد عزیز ہوتی ہے۔ اس لئے وہ سب جذبہ محبت سے اپنی اپنی تخلیقات کو دیکھتے ہیں اور یہ محبت کا جذبہ ہی مجسم ہو کر کسی کو بہت خاص بنا دیتا ہے۔ اتنا کہ وہ اسے زندگی سے بھی پیارا لگنے لگتا ہے۔

اور روشانہ اسد، طلال کی نگاہوں میں کتنی خاص تھی، اس کا ادراک اسے پوری طرح لنے کے باوجود نہ ہو رہا تھا۔ مگر اسے لگ رہا تھا طلال اسے زندگی سے بھی پیارا ہو گیا ہے۔ عجیب سی خواہشات سر اٹھا رہی تھیں۔ ہر خوشی شیئر کرنے کی، چاہنے اور چاہے جانے کی۔

وہ آنکھیں بند کر کے اس خوبصورت بندھن کو محسوس کر کے خوش ہونا چاہتی تھی، اپنے آپ پر رشک کرنا چاہتی تھی۔

عجیب بے خودی سی تھی جو اس پر لالہ رخ کے جانے کے بعد بھی کتنے دنوں تک طاری رہی۔ جاتے جاتے لالہ رخ انگلی سے رِنگ اتار کر اس کی انگلی میں ڈال گئی تھی اور اسے لگ رہا تھا اس کا دل کھنچ کر اس انگلی میں آ کر دھڑکنے لگا ہو۔

☆

کوئی موسم ہو دل میں ہے تمہاری یاد کا موسم
کہ بدلا ہی نہیں جاناں! تمہارے بعد کا موسم
نہیں تو آزما کر دیکھ لو، کیسے بدلتا ہے
تمہارے مسکرانے سے دلِ ناشاد کا موسم
رُتوں کا قاعدہ ہے وقت پر ہی آتی جاتی ہیں
ہمارے شہر میں کیوں رُک گیا فریاد کا موسم

مورے نے اس کے کمرے میں جھانکا تو وہ واش روم میں تھا۔ پانی گرنے کی آواز کے ساتھ ساتھ اس کی ہلکی گنگناہٹ بھی سنائی دے رہی تھی۔ وہ واپس ہولیں۔

کہیں سے اس حسیں آواز کی خوشبو پکارے گی
تو اس کے ساتھ بدلے گا دلِ برباد کا موسم

مورے نے دوسری بار جھانکا تو وہ آئینے کے سامنے کھڑا گیلے بال تولیے سے رگڑ رہا تھا۔

''طلال دو بار فون کر چکا ہے۔'' انہوں نے اسے اطلاع دی۔

''اوہ، اچھا۔ آپ مجھے موبائل اندر ہی دے دیتیں۔'' وہ تولیہ ایک طرف ڈال کر برش اٹھا کر بالوں میں پھیرنے لگا۔ پھر ایک طرف رکھ کر پلٹا۔ ''کوئی میسج دیا ہے؟''

''نہیں، میسج تو نہیں دیا۔ کہیں جا رہے ہو تم؟'' مورے اسے پیروں میں لیدر کی با چپلیں ڈالتے دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

''جی، فتح محمد خان اور زبیر آئے ہوئے ہیں کراچی سے، ان سے میٹنگ ہے۔ آکا جان نے کہا ہے میں مل لوں ان سے، ان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ اور شہباز بھی پشاور سے آیا نہیں۔ سپلائی کا کام بھی رکا ہوا ہے۔ جانے کیا مسئلہ ہے۔ یہی معلوم کرنا ہے۔'' اس نے میز سے گاڑی کی چابی کے ساتھ موبائل بھی اٹھایا اور رُک کر مورے کو دیکھا۔ ''آپ کچھ کہ

چاہتی ہیں؟''

''ہاں، مگر تمہارے پاس وقت کہاں ہے میری بات سننے کے لئے۔'' وہ ایک گہری سانس کھینچ کر رہ گئیں۔ وہ ان کے اس معصومانہ شکوے پر مسکرا دیا۔

''کیا بات ہے، کہئے، میں ہمہ تن گوش ہوں۔ آپ کی بات نہیں سنوں گا تو کس کی سنوں گا پیاری مادر!''

''ہاں، جیسے بڑے ہی فرمانبردار ہو میرے۔'' انہوں نے آنکھیں دکھائیں مگر دوسرے پل اس کے مسکراتے خوبصورت چہرے کو تکتے ہوئے کسی خیال سے ان کے دل پر عجیب سا رنج بکھر گیا۔ وہ دل گرفتہ سی ہونے لگیں۔ پھر چونک گئیں۔ مصطفیٰ خان کے ہاتھ میں موجود موبائل کی بیپ ہو رہی تھی۔

''طلال کا ہی ہوگا۔ تم پہلے اس سے بات کر لو۔'' وہ جلدی سے بولیں اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔

دوسری طرف طلال ہی تھا۔ اس کی آواز سنتے ہی الٹ پڑا۔

''کتنے دنوں کا اکٹھا نہا رہے تھے۔ غسل ہوا کہ کیا ہوا۔''

''ہاں غسل نہ ہوا، جاں گسل ہو گیا تھا۔'' اس نے جواباً ایک ٹھنڈی سانس بھری تو طلال نے خاصا جاندار قہقہہ لگایا۔

''تو غموں کو دھو رہے تھے۔ کتنے غم بہہ گئے؟'' وہ پُر مزاح انداز میں ہنسا۔

''ارے کہاں، اس طرح پانی سے غم دھل جاتے تو دنیا کے آدھے مسائل نہ ختم ہو جاتے۔ یہ غم تو روگ بن جاتے ہیں، کھال کی طرح جسم سے لپٹ کر رہ جاتے ہیں۔'' وہ عجب آزردگی سے بولا مگر دوسرے پل سنبھل کر بولا۔ ''دیکھو، یہ اس طرح کی نمک پاشی نہ کیا کرو میرے زخموں پر۔ یہ بتاؤ کہ اتنے چہک کیوں رہے ہو۔ خیریت تو ہے، فون پر فون کئے جا رہے ہو مجھے۔ کیا لاٹری نکل آئی ہے یا......؟''

''خیر، چہک وہک تو نہیں رہا ہوں۔'' وہ جھینپ کر جلدی سے بولا۔ ''البتہ ایک خبر دراصل تمہارے لئے ہے جسے سن کر تمہیں یقیناً مجھ سے ہمدردی ہو جائے گی۔''

''کیا بات ہے۔ یہ تمہیں ہمدردیاں سمیٹنے کا کب سے شوق ہو گیا ہے؟''

''کیا کروں...... اب حقیقتاً لائق ہمدردی ہو گیا ہوں۔'' اس نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچی۔

''خدا خیر کرے۔ کوئی کیس تو نہیں بگڑ گیا تمہارا؟ کسی کو غلط آپریشن سے اجل کے سپرد تو نہیں کر دیا؟''

"بات یہاں تک ہوتی تو خیر ہوتی۔" وہ بے ساختہ بولا تو مصطفیٰ خان محظوظ ہو کر ہنسنے لگا۔

"اب بک بھی چکو۔ مجھے تم سے ہمدردی کرنے کی جلدی ہو رہی ہے۔"

"مجھے پا بہ زنجیر کر دیا گیا ہے۔ کیا کہتے ہیں اسے مزید لغوی معنوں میں۔ مجبور، قیدی، پاگل وغیرہ وغیرہ۔ اب اس سے زیادہ مجھے معقول اردو نہیں آتی۔" اس کی بات سن کر مصطفیٰ خان کو حیرت کے ساتھ مسرت ہوئی۔ اس نے بے ساختہ پن سے قہقہہ لگایا تھا۔

"زبردست خبر ہے یہ۔ کس بدنصیب کے ہاتھ میں نکیل دی گئی ہے تمہاری؟ ایسے بے ڈھنگے بندے کو قابو کرنے کے لئے کس کو آزمائش کی بھٹی میں اتارا گیا ہے؟ مجھے حقیقتاً اس سے ہمدردی ہو رہی ہے۔" مصطفیٰ خان نے مصنوعی تفکر سے سانس کھینچی۔ "کہیں اس غریب کا نام روشانہ اسد تو نہیں؟" وہ مسلسل ہنس بھی رہا تھا۔

"بہت فضول بولنے لگے ہو طفی۔" وہ چڑ گیا۔

"اگر یہی نام ہے تو پھر میری ساری ہمدردیاں اسی کے نام ہیں۔" وہ اس کی جھنجلاہٹ سے حظ اٹھا رہا تھا، اس خبر نے اس کے اندر خوشگواریت سی بھر دی تھی۔

"چلو، مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ تم جی بھر کر اس کے نام ہمدردیاں لکھواتے رہو بلکہ ٹوکرے بھر بھر کر اسے بھجواتے بھی رہو۔ میری طرف سے اجازت ہے۔ مگر اب پوری بات تو سن لو۔ اگلے ہفتے میرے نکاح کی تقریب ہے۔ فوراً پہنچو۔ مگر اکیلے آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مورے اور آکا جان کو بھی ساتھ لے آنا۔" اس نے مزید بتایا جس پر مصطفیٰ خان کی ہنسی کو بریک لگ گیا جو اس کی حیرت کا اظہار تھا۔

"وہاٹ آ سرپرائز۔ طلال یہ تم کچھ زیادہ ہی فاسٹ نہیں جا رہے ہو؟ کہاں تو......"

"یہ بہت ضروری تھا۔" وہ آہستگی سے بولا۔ پھر ایک گہری سانس کھینچ کر سر کو خفیف سا جھٹکا۔

"عدم خلوص کے بندوں میں ایک خامی ہے
ستم ظریف بڑے جلد باز ہوتے ہیں"

وہ ہلکے سے بڑبڑایا تو مصطفیٰ خان نے دل پر ہاتھ رکھ کر ایک پُرسوز زخمی آہ نما سانس کھینچی۔ وہ محظوظ ہو کر ہلکے سے ہنس دیا۔

"یہ بتاؤ آ رہے ہو یا نہیں؟ یا یونہی فضول بکواس کرتے رہو گے؟"

"کیوں نہیں، سر کے بل آؤں گا۔" وہ جلدی سے بولا۔

"چلو ملتان میں بھی لوگوں کو نئی چیز دیکھنے کو ملے گی۔" اس نے چھیڑا تو جواباً مصطفیٰ خان

نے اپنے موبائل کو یوں گھورا گویا وہ موبائل نہ ہو، طلال ہو۔

"بڑے چہک رہے ہو۔ یہ دراصل ایک معصوم لڑکی کو قید کرنے کی خوشی کا نشہ ہے۔ مگر مجرم! ایک چڑیا کو پنجرے میں بند کر لینے سے فاتح عالم نہیں بن گئے تم۔" وہ جل کر بولا۔ مگر ادھر طلال نے ہنستے ہوئے رابطہ منقطع کر دیا۔

⁂☆⁂

طلال کی منگنی کے ساتھ نکاح کا سن کر لڑکیوں نے خوب منہ بسورا تھا۔

"اتنی جلدی تو کچھ تیاری نہیں ہو سکتی۔"

"سب کچھ ریڈی میڈ مل جاتا ہے مائی ڈیئر سسٹر۔" حنا نے نازش کی بسورتی صورت کو پچکارا۔

"تمہیں اس لئے فکر نہیں ہے کہ جہیز اور بری کے ڈھیر سارے کپڑے ہیں تمہارے پاس۔" نازش نے اسے آنکھیں دکھائیں تو وہ کھلکھلا پڑی۔

"اگر چاہو تو میں ان میں سے تمہیں بھی دان کر سکتی ہوں اس خوشی میں۔"

"بس رہنے دو، اپنے کپڑے اپنے پاس رکھو۔ یوں بھی مجھے کپڑوں کی نہیں ان ارمانوں کی فکر ہے جو کب سے نکلنے کو بے چین تھے۔ ہائے کیا کیا نہ سوچا تھا کہ چاچو کی شادی میں یہ کروں گی، وہ کروں گی، مہینہ بھر پہلے سے خوب ہنگامہ مچائیں گے۔ مگر ہائے۔" نازش کشن سر کے نیچے ڈال کر لیٹ گئی۔

"یہ اور وہ تو تم اب بھی کر سکتی ہو۔ تم پر قطعی کوئی پابندی نہیں ہے۔ 'یہ' اور 'وہ' سے کیا مراد ہے تمہاری، ذرا ہمیں بھی تو پتہ چلے۔ تاکہ ہم بھی تمہارے ساتھ یہ، وہ میں شریک ہو سکیں۔" حنا اس پر جھکی ہنسنے لگی۔ اس نے جل کر اسے دور دھکیل دیا۔

"وہی جو تمہاری شادی میں کیا تھا۔"

"میری شادی میں تو تم نے بہت اچھا ڈانس کیا تھا۔ اور وہ ڈانس تو تم اب بھی کر کے دکھا سکتی ہو۔ کیوں مہوش!" حنا نے مہوش کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی۔ پھر دونوں ہنسنے لگیں۔

"حنا کی بچی۔" نازش نے کشن سر کے نیچے سے نکال کر اسے دے مارا، پھر اٹھ کر کشن گود میں دبا کر بیٹھ گئی۔ "تمہیں بالکل بھی افسوس نہیں ہو رہا ہے کہ ہمیں یہ سب اتنا جلدی کرنا پڑ رہا ہے۔" اس نے حنا کو گھورا۔

"ہرگز نہیں۔" حنا نے سر کو نفی میں ہلایا اور پھر صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر ایک پل کے لئے آنکھیں بند کر لیں اور کھوئے کھوئے لہجے میں بولی۔ "میرے لئے تو یہی بہت بڑی

خوشی ہے کہ چاچو دولہا بن رہے ہیں اور روشانہ سے شادی کر رہے ہیں۔ اس بے پایاں
مسرت کے بعد کچھ ارمان کوئی خواہش جیسے رہی ہی نہیں ہے۔"
"ہاں یہ خوشی تو خیر مجھے بھی بہت ہے۔" نازش اس کی بات پر تائید میں سر ہلانے لگی۔
"تو کیوں نہ اس خوشی میں ایک زبردست گانا ہو جائے۔" حنا یکدم اپنی اسی کیفیت سے
نکل کر ترنگ میں بولی۔
"میں ابھی کیسٹ لگا دیتی ہوں۔" مہ وش بھی اپنی جگہ سے اٹھی مگر حنا نے اسے روک
دیا۔
"نہیں، کیسٹ ویسٹ رہنے دو۔ ہم خود گائیں گے۔"
"نہ نہ سسٹرز، یہ غضب مت کرنا، زلزلہ آ جائے گا۔ یہ گھر دھڑام سے ہم سب پر آ گرے
گا۔" عادل اور خرم لونگ روم میں داخل ہوئے تھے۔ حنا کے جملے پر خرم نے کراہ کر کہا تو
ان دونوں کو دیکھ کر لڑکیوں کا منہ بن گیا۔
"تمہیں ابھی ٹپکنا ضروری تھا رنگ میں بھنگ ڈالنے کو؟" نازش نے اسے کھا جانے والی
نظروں سے دیکھا۔
"دیکھو عادل! اسے کہتے ہیں بدذوق لوگ، جو ایسے جانِ محفل قسم کے لوگوں سے جلے
ہوتے ہیں۔" خرم نے ترحم بھری نظروں سے نازش کو دیکھا۔
"اور کیا۔ ہم تو اس محفل میں رنگ بھرنے آئے ہیں۔" عادل نے یہ کہہ کر تپائی کھینچی اور
صوفے پر بیٹھ کر اس پر انگلیاں مارنے لگا۔ "چلو تالیاں بجاؤ۔ آج ہم وہ سماں باندھیں گے
کہ تم لوگ عش عش کرنے لگو گی۔"
"ایسے ہی عش عش کریں گے۔" حنا استہزائیہ ہنسی۔
"اچھا ایسا ہے تو ٹپا گا کر دکھاؤ۔" مہ وش ان دونوں کو گویا چیلنج کرنے والی نظروں سے
دیکھتے ہوئے بولی۔
"ٹپ...... پا......؟" دونوں نے بے اختیار ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔
"جی، ٹپا۔"
"یہ ٹپا کیا ہوتا ہے؟" خرم نے مہ وش کو گھورا۔
"بچپن میں ہم ٹپے ٹوئی کا ایک کھیل کھیلا کرتے تھے۔" عادل نے یاد کرتے ہوئے کہا۔
"بس بس، کھل گئی تمہاری قلعی۔ بڑے آئے باذوق اور جانِ محفل قسم کے لوگ۔ آئے
سماں باندھو گے۔ ٹپا کا مطلب تو پتہ نہیں ہے۔" نازش نے دل کی بھڑاس نکالی اور اطمینان سے

ہنسنے لگی۔
"بات یہ ہے نادان حسیناؤ کہ ہم دراصل ٹپوں وپوں سے نکل کر کچھ اعلیٰ قسم کی گائیکی پر
جا پہنچے ہیں جہاں تم لوگوں کی پہنچ نہیں ہو سکتی۔ تم لوگ ابھی ٹپوں ڈبوں میں ہی الجھی ہو۔ چلو
عادل! آج انہیں ہم اپنی آواز کا جادو دکھائیں۔" خرم نے ان سب پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔
"ارشاد، ارشاد۔" عادل نے ہاتھ اٹھا کر ہلایا پھر تپائی پر ہاتھ مارتے ہوئے سُر نکالنے لگا۔

"کل چودھویں کی رات تھی شب بھر رہا چرچا ترا
کچھ نے کہا یہ چاند ہے، کچھ نے کہا چہرا ترا
ہم بھی وہاں موجود تھے، ہم سے بھی سب پوچھا کیے
ہم ہنس دیے، ہم چپ رہے منظور تھا پردہ ترا"

خرم کی آواز نے حقیقتاً سماں ہی باندھ دیا تھا۔ لڑکیاں کچھ مرعوب سی ہو کر رہ گئیں۔

اس شہر میں کس سے ملیں، ہم سے تو چھوٹیں محفلیں
ہر شخص تیرا نام لے ہر شخص دیوانہ ترا

طلال نے اپنے کمرے کی کھڑکی کھولی تو خرم کی خوبصورت آواز کسی کمان سے نکلے تیر کی
طرح اس کے دل میں ٹھک سے لگنے لگی۔ وہ وہیں کھڑا ہو کر اس غزل کو سننے لگا۔

کوچے کو تیرے چھوڑ کر، جوگی ہی بن جائیں مگر
جنگل ترے، پربت ترے، بستی تری، صحرا ترا
ہم اور رسم بندگی، آشفتگی، افتادگی
احسان ہے کیا کیا ترا، اے حسن بے پروا ترا
کچھ نے کہا یہ چاند ہے، کچھ نے کہا چہرا ترا

اسے لگا، اس کے دل پر کوئی مضراب مار رہا ہو، کوئی خوش کن موسیقی دل کے ساز سے نکلنا
چاہ رہی ہو، مگر وہیں ایک اضمحلال روح کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہو۔ عجیب سے احساسات
ہونے لگے۔
دل کا شور اور غزل کے بول ہم آہنگ ہونے لگے۔ اس نے گھبرا کر کھڑکی بند کر دی اور
دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔
خرم غزل ختم کر چکا تھا۔ ایک بار پھر لونگ روم میں ان سب کا میدان گرم ہو چکا تھا۔
"لڑکیاں تعریف کے معاملے میں اس قدر کنجوس ہوتی ہیں، مجھے اب پتہ چلا۔" خرم انہیں
تاسفانہ نظروں سے گھور رہا تھا۔

وہ لونگ روم کے دروازے سے گزرتے ہوئے بے ساختہ مسکرا دیا اور پورچ کی طرف نکل گیا۔

٭☆٭

لالہ رخ اور عفت چچی اس دن بازار سے لوٹیں تو لڑکیاں سب کی سب ان کے اردگرد آ کر بیٹھ گئیں۔ سب کو خبر تھی وہ روشانہ کا نکاح کا جوڑا خریدنے گئی تھیں۔

''آج پتہ چلا کہ طلال خریداری کے معاملے میں کس قدر چوزی بندہ ہے۔ ہم تو کچھ تھے جو ہم خرید لیں گے، وہ موصوف کو پسند آ جائے گا۔'' لالہ رخ صوفے پر ڈھیر ہوتے ہوئے بولی۔

''ادھ موا کر ڈالا اس لڑکے نے ہمیں تو۔'' عفت چچی شاپرز قالین پر رکھ کر چپل اتارنے لگیں۔ پھر پیر دباتے ہوئے بولیں۔ ''میری توبہ جو کبھی اس لڑکے کے ساتھ بازار نکلی۔''

''بھئی آخر روشانہ کو پہننا ہے اور دیکھنا اسی کو ہے، اپنی پسند تو مدنظر رکھے گا ہی۔'' روبی بھابی ہنس کر بولیں۔ پھر لالہ رخ کی طرف ہلکے سے مسکراہٹ اچھالتے ہوئے بولیں۔

''لائف پارٹنر بھی جب اتنا پیارا چنا ہے تو اب چیزیں بھی تو ایسی ہی عمدہ ہونی چاہئیں نا۔''

''یونہی عمدہ ہونی چاہئیں۔ ہم نے جو شرارہ پسند کیا تھا، وہ برا تھا کیا؟'' عفت چچی نے آنکھیں دکھائیں۔ پھر شرارے کے بکس پر نظر ڈال کر بولیں۔ ''خیر، ہے تو اس کی پسند لاجواب۔''

''اوہو، اب ہمارا تجسس اتنا تو نہ بڑھائیں۔ دکھا دیں کہ چاچو حضرت نے ایسی کیا اعلیٰ چیز پسند کر لی ہے؟'' حنا کو بے چینی ہونے لگی۔ وہ لالہ رخ کے ساتھ شرارے کا بکس کھولنے میں مدد دینے لگی۔

واہ......

زبردست۔

آفت۔

غرض شرارہ نظروں کے سامنے آیا تو سب کی ہی تحسین آمیز آوازیں اٹھنے لگیں۔

''اماں! دیکھا آپ نے؟'' رفیعہ بیگم اندر آئیں تو عفت چچی نے انہیں شرارہ اٹھا کر دکھایا۔

''ماشاء اللہ...... اللہ بس پہننا نصیب کرے۔'' انہوں نے بے اختیار نظریں چرا لیں، اس خوف سے کہ کہیں ان کی ہی نظر نہ لگ جائے۔ یوں بھی ان دنوں وہ حد سے زیادہ خوش تھیں۔ طلال کی شادی اور روشانہ کو بہو بنانے کا تصور ہی انہیں مارے خوشی کے بے چین کیے

ہوئے تھا۔ نکاح پر اصرار طلال کا ہی تھا۔ اس کے خیال میں منگنی کے بجائے نکاح رکھنا زیادہ بہتر تھا۔ جس پر سب نے خوب ہوٹنگ کی، خصوصاً لڑکوں نے۔

''تاکہ استحقاق جمایا جا سکے۔'' جاذب جو تجرباتی آنکھ سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

''ارے لڑکیوں پر استحقاق تو منگنی کے بعد بھی جمایا جا سکتا ہے۔ اس مخلوق پر رعب جمانا کون سا مشکل کام ہے؟'' خرم نے کہا۔

''تم لوگ سب اپنے اپنے تجربات کی روشنی میں جو باتیں کر رہے ہو، اس پر میرا ایک فیصد بھی مشاہدہ نہیں ہے۔ میں تو بس منگنی کو قطعی غیر اہم قرار دیتا ہوں اس کی کوئی شرعی حیثیت نہ ہونے کے باعث۔'' وہ صوفے سے اٹھتا ہوا بولا۔

''تو پھر سیدھے سیدھے رخصتی بھی کرا لو۔ یہ زیادہ شرعی کام ہو جائے گا۔'' جاذب نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔ اس کی بات پر وہ لحظہ بھر گڑبڑایا تاہم جلد ہی خود کو سنبھال لیا۔

''اب اتنی جلدی بھی نہیں ہے۔ اس طرح تم لوگوں کے ہی ارمان تشنہ رہ جائیں گے۔''

''اوئے ہوئے۔'' خرم نے زوردار سیٹی ماری تھی۔ ''ہمارے ارمانوں کی فکر نہ کیجئے چاچو! یہ تو نکل ہی جائیں گے۔ اس مختصر وقت میں بھی ہم جی بھر کر نکال لیں گے۔ ہاں یوں کہیے آپ کے کئی ارمان تشنہ رہ سکتے ہیں۔''

خرم کی بات پر زبردست قہقہہ پڑا تھا۔ جبکہ وہ دل ہی دل میں مسکرا کر رہ گیا تھا۔ پھر ایڑیوں کے بل اس کی طرف گھوما۔

''مسٹر خرم! میں بہت قانع آدمی ہوں۔ ارمانوں اور خواہشوں کے پرندے کو زیادہ اڑان نہیں دیتا۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے خرم کے کندھے کو یوں تھپکا گویا کسی ناسمجھ بچے کو سمجھا کر تھپک رہا ہو۔

''بہت گھنا ہے یہ۔ جو ہاتھ آ جائے تم لوگوں کے۔'' جاذب نے ٹھنڈی سانس کھینچی اور خرم کو ترحم بھری نظروں سے دیکھا۔

''ارے جائیں، دیکھ لی ہم نے قانع آدمی کی اڑان۔ جا کر اسلام آباد ٹھہری ہے۔ یہ تو قناعت کا عالم ہے۔ سب سے اچھا پیس اڑا لیا، اپنی مرضی سے منگنی کی بجائے نکاح رکھوا لیا، اپنی پسند کا جوڑا خریدا، اپنی مرضی پر نکاح کا دن رکھا۔'' خرم دل کے پھپھولے پھوڑنے لگا۔

''اے اے...... مائنڈ اٹ۔ نکاح کا دن خالص امی اور خواتین نے مقرر کیا ہے۔'' وہ خرم کے جلنے پر محظوظ ہو کر ہنستے ہوئے جلدی سے بولا۔

''اچھی قناعت پسندی ہے۔''

"اب اتنا دل جلانے اور کڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سارے اختیارات تمہیں ہی حاصل ہو جائیں گے۔" جاذب بھائی نے اسے تھپکتے ہوئے تسلی دی۔

"نہ چھیڑ اے ہم نشیں تو زیست کے مایوس نغموں کو
کہ پربت کے ستاروں کو بڑی تکلیف ہوتی ہے"

اس نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچی اور دل پر ہاتھ رکھ کر ملول سے انداز میں لیٹ گیا۔

"پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ۔ آخر تمہیں علامہ اقبال سے بڑی عقیدت ہے، تم ان کا یہ فرمان کیوں فراموش کر دیتے ہو؟"

"یہ توپوں کا رخ اس طرف سے میری طرف کیسے ہو گیا؟" اس نے کھسیا کر جاذب بھائی کو دیکھا اور اٹھ بیٹھا۔ جاذب اور طلال کا قہقہہ خاصا بلند اور برجستہ تھا۔

***

مورے اور آغا جان کے ملتان آنے پر سب بے حد خوش ہوئے۔ لالہ رخ کو بھی خوشی محسوس ہوئی اور مصطفیٰ خان کے نہ آنے پر اس نے شکر کا سانس لیا جبکہ لڑکے خصوصاً خرم نے اسے بے حد مس کیا۔

"اس کی خبر لیجئے چاچو! اچھا دوست ہے کہ دوست کی پہلی پہلی نوخیز خوشی میں شامل نہیں ہو رہا۔" خرم نے کھانے کے دوران طلال سے کہا۔

"بھئی خوشی کا تعلق تو دل سے ہوتا ہے، آنے یا نہ آنے سے نہیں۔ ضروری تھوڑی ہے کہ نہیں آیا تو خوش بھی نہ ہوگا۔" لالہ رخ نے خرم کو جھڑکا تھا۔ وہ صبح سے طلال کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا کہ اسے فون کرے اور باز پرس کرے۔

"واہ کیا بات ہوئی۔ جب تک کوئی کسی کی خوشی میں شامل نہ ہو کسے پتہ چلے گا وہ خوش ہے؟"

"فاصلے پر رہنے والے لوگوں کی خوشیوں کو آنے جانے کے پیمانے سے نہیں ناپنا چاہئے۔"

"یہ آپ کو مصطفیٰ بھائی سے ہمدردی ہو رہی ہے یا ان کے نہ آنے پر خوشی؟" خرم نے جائزہ لیتی نظروں سے اسے دیکھا تو وہ سٹپٹا سی گئی۔

"میرا خیال ہے خوشی ہی ہو سکتی ہے۔" طلال بغور اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ ایک ہلکی سانس کھینچتے ہوئے بڑبڑاتا کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا۔

"تم باتیں کم کرو اور جلدی کھانا کھا لو تو میں یہ میز صاف کروا لوں۔ اور بھی بہت کام پڑے ہیں۔" وہ اس کی بڑبڑاہٹ اور نگاہوں سے چھلکتی برہمی کو نظر انداز کئے خرم سے

بولی اور میز سے برتن اٹھا کر کچن کی طرف چلی گئی۔

"چاچو! طفی بھائی کو آنا تو چاہئے تھا۔ ان کے بنا تقریب کا رنگ پھیکا ہو جائے گا۔" خرم کی سوئی تو ایک ہی جگہ اٹک کر رہ گئی تھی۔

طلال صرف ہنکارہ بھر کر رہ گیا۔

اسے لالہ رخ کا دماغ درست کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔ اس نے سوچا کس قدر احمق ہوتی ہیں خواتین، ایک ہی نقطے پر سمٹ کر رہ جاتی ہیں۔ جیسے خوشیوں کے در بند ہی ہو گئے ہوں۔ وہ ڈائننگ روم سے نکل گیا۔

***

جس صبح اسلام آباد روانہ ہونا تھا، وہ رات بھی ینگ جنریشن نے جاگ کر گزاری۔ ان کے خیال میں یہ تو خصوصی جاگنے کی رات تھی۔ ڈھول گیت کے بعد سب لڑکیاں مہندی لے کر بیٹھ گئی تھیں جبکہ لڑکے طلال کے کمرے میں گھسے ہوئے تھے۔

حنا زبردستی لالہ رخ کو پکڑ کر اس کے ایک ہاتھ پر مہندی لگانے لگی۔

"مجھے سو کام کرنے ہیں اور مہندی لگا کر بیٹھ جاؤں گی تو سارے کام کب نمٹیں گے؟" اس کے پاس مہندی نہ لگانے کا بہانہ انتہائی بودا تھا جسے حسنہ نے آنکھیں دکھا کر رد کر دیا۔

"ہمیں دیکھو، دو بجے ہیں پھر بھی تھوپ کر بیٹھے ہیں۔" حسنہ نے اپنے دونوں ہاتھ دکھائے۔

"مگر ابھی میں نے حمزہ کے کپڑے بھی پریس نہیں کئے۔ اپنے بالوں میں تیل بھی ڈالنا ہے۔"

"تیل میں ڈال دوں گی لالی!" مہ وش جلدی سے بولی تو وہ اسے گھور کر رہ گئی۔

"اور حمزہ کے کپڑے میں پریس کر دوں گی۔" روبی ہنسنے لگیں تو وہ زچ ہو کر رہ گئی۔

"لالی! آپ کو تو سب سے زیادہ خوشی ہونی چاہئے۔ اور اس خوشی میں مہندی سے نہا لینا چاہئے۔" حنا بولی۔

"بڑا اچھا مشورہ ہے۔"

"بالکل۔ اور آپ نے میری شادی میں بھی مہندی نہیں لگائی تھی۔ اب چاچو کی شادی میں تو سارے ارمان نکال ڈالئے۔" حنا اپنی دھن میں بولتی گئی اور اس کے سبک ہاتھ کو عربی ڈیزائن سے سجاتی گئی۔

وہ یکدم چپ سی ہو گئی۔

جب اپنے کمرے میں آئی تو مہندی تقریباً سوکھ چکی تھی۔ وہ وارڈ روب سے حمزہ کے

کپڑے نکالنے لگی۔ معاً اس کا ذہن ماضی میں اتر گیا۔

''ہائے بھابی! آپ کے ہاتھوں میں مہندی کتنا رچتی ہے۔'' اس کی نند تانیہ نے اس کی شادی کے دوسرے روز اس کے گورے ہاتھوں میں رچی مہندی پر بے ساختہ تعریف کی تھی۔

''رچے گی کیسے نہیں، ہمارے نام کی جو ہے۔'' سیف الرحمٰن قریب ہی تو کھڑا تھا۔ وہ شرما کر سر جھکا گئی۔ تانیہ جو ذرا اِدھر اُدھر ہوئی تو وہ اس کے قریب جگہ بنا کر بیٹھ گیا۔

''تم میری بیوی ہو، خدانخواستہ میں تمہیں بھگا کر تو نہیں لایا کہ تم میری ہر تعریف پر گھٹنوں تک منہ ڈال لیتی ہو۔'' وہ شرارت سے بولا۔

''تو کیا کروں؟'' وہ گڑبڑا کر اسے دیکھنے لگی۔ اور یہی تو وہ چاہتا تھا کہ وہ اس کی طرف دیکھے اور دیکھتی ہی رہے۔

''بھئی، کچھ جواباً میری تعریف کر لیا کرو۔ تعریف کے معاملے میں عورت اتنی کنجوس کیوں ہوتی ہے؟'' وہ اس کی معطر لٹ کو چھوتے ہوئے بولا اور اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''کنجوس نہیں بس محتاط ہوتی ہے۔'' وہ آہستگی سے کہتی دروازے کی طرف اس کی توجہ دلانے لگی جہاں اس کی ساس اور بڑی نند داخل ہوئی تھیں۔ ساس کی پیشانی پر کئی آڑے ترچھے بل پڑے تھے۔ سیف الرحمٰن کھسیا کر یوں سرعت سے صوفے سے اٹھ گیا، گویا کسی نامحرم کے پہلو میں غلطی سے جا بیٹھا ہو۔

''تانیہ کہاں چلی گئی بچی کو اکیلا چھوڑ کر؟'' ساس نے اس منظر پر دل پر جمع ہو جانے والا غبار بیٹی پر نکالا۔

''اکیلی کہاں تھیں، میں جو تھا۔'' وہ بے ساختہ کہہ گیا اور محبت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ لالہ رخ کی طرف دیکھا مگر وہ کچھ مزید محتاط ہو کر سمٹ کر سر جھکا گئی اور اپنے ہاتھ کو دیکھنے لگی جہاں ابھی کچھ دیر پہلے اس کے بھاری ہاتھوں کا لمس اس کے بدن ہی میں نہیں اس کی روح تک میں اتر گیا تھا۔

لمس کی بھی اپنی ایک زبان ہوتی ہے جو خاموشی میں بھی بولتی ہے۔

ہاتھ دوسرے ہاتھ سے ہی نہیں، دل دل سے ہمکلام ہو جاتے ہیں۔

اچانک فون کی بجنے والی تیز بیل نے اسے خیالات سے باہر نکالا۔ اس نے ایک گہری سانس کھینچ کر سر کو جھٹکا اور حمزہ کے کپڑے بیڈ پر رکھ کر مسلسل بجتی گھنٹیوں کا تسلسل توڑا۔

''ہیلو۔''

''کوئی پیغام نہ دُعا کوئی

اس قدر ہم سے ہے خفا کوئی''

دوسری طرف مصطفیٰ خان کی پُرشوق آواز تاروں سے الجھتی اس کی سماعت سے ٹکرائی اور ی بوجھ کی طرح سینے پر آ گری۔ ''کہیے، مزاج کیسے ہیں؟ یقیناً بہت خوش اور مسرور ہوں گی۔'' وہ پوچھ رہا تھا۔ ایک پل کو وہ اذیت کے عالم میں لب بھینچ کر رہ گئی۔

''ہاں، خوشی کا موقع ہے تو خوش تو ہوں گی۔ اور یہ خوشی آپ کے نہ آنے سے کچھ مزید بڑھ گئی ہے۔'' وہ چٹختے لہجے میں بولی۔

''اسی لئے تو میں نہیں آیا۔ آپ کو زیادہ سے زیادہ خوشی دے کر مجھے کس قدر خوشی ہوتی ہے، یہ میں آپ کو بتا نہیں سکتا۔'' وہ اس طرح معصومانہ انداز میں بولا گویا اس کا بڑا ہمدرد ہو۔ وہ جھلس کر رہ گئی۔

''تو مزید خوشی یہ دے دیجئے کہ آئندہ فون نہ کیجئے گا اور میری راہ میں مت آیئے گا۔''

''خیر، اتنی خوشی بھی نہیں دے سکتا۔ آخر اپنے لئے بھی تو کچھ بچا کر رکھنا ہے اور اپنا حصہ میں یوں بھی کسی کو دینے کا عادی نہیں ہوں۔''

''کیا آپ نے یہی بتانے کے لئے فون کیا ہے؟'' وہ جل کر بولی تو اس کا بے ساختہ قہقہہ ایئرپیس میں گونج کر رہ گیا۔ ایک پل کے لئے لالہ رخ اس کی یہ گمبھیر گونج اپنے دل پر دھک کی طرح محسوس کر کے رہ گئی۔

''ہرگز نہیں۔ بلکہ آپ کی خوشی محسوس کرنے کے لئے کیا تھا۔ مگر میرا خیال ہے آپ اتنی خوش نہیں لگ رہیں جتنی ہونا چاہئے۔ یقیناً میری کمی کسی نہ کسی کونے میں محسوس تو کر رہی ہوں گی۔''

''عموماً مردوں کو ایسی ہی خوش فہمیاں ہوتی ہیں۔'' وہ تمسخر سے ہنسی۔

''چلیں، ہم جیسے تہی دست لوگوں کے لئے یہ خوش فہمیاں بڑی چیز ہوتی ہیں۔ خواب و خیال اور احساسات قیمتی متاع کی طرح ہمیں اڑائے اڑائے پھرتے ہیں۔ آپ ہمیں انہی فضاؤں میں رہنے دیجئے، آپ کا کیا جاتا ہے؟''

وہ عجیب سے احساسات میں گھر کر کچھ دیر کو چپ سی رہ گئی۔ اس کی بھاری آواز کا لوچ اس کے دل پر مضراب مارنے لگا۔ پھر وہ خود آزاری کی کیفیت سے گزرتے ہوئے بولی۔

''ہر شخص ہی اپنے خواب و خیال کی فضا میں رہنا چاہتا ہے۔ اگر میں کہوں کہ میں بھی اپنی ن ہوئی ایسی ہی فضا میں زندہ رہنا چاہتی ہوں تو؟''

''زندہ رہنا اور زندگی گزارنا دو الگ الگ کیفیتیں ہیں لالہ رخ! اگر آپ زندگی گزار رہی

ہوتیں تو میں یقیناً ایک طرف ہٹ کر اپنی تقدیر پر صبر کر بیٹھتا۔ مگر ایسا نہیں ہے۔"

"یہ غلط ہے، میں بہت خوش ہوں اور زندگی کو اپنی مرضی و منشا سے گزار رہی ہوں۔" وہ سلگتی لکڑی کی طرح چٹخی تھی۔ جواباً وہ ہلکے سے ہنس دیا۔

"دیکھئے مصطفیٰ صاحب! آپ اس طرح کے اوچھے ہتھکنڈوں سے مجھے ٹریپ نہیں کر سکتے۔ یہ آپ کی انتہائی بھونڈی کوششیں ہیں۔" وہ زہر بجھے لہجے میں پھنکاری اور ریسیور پٹخ دیا۔ اسے اپنے دماغ کی رگیں غصے سے کٹتی محسوس ہو رہی تھیں۔

مختصر وقفے کے بعد گھنٹی پھر بج اٹھی۔ اس کے اندر غصے کا یکدم ابال سا اٹھا۔

"مسٹر آپ اپنی یہ توانائیاں اور وقت کہیں اور خرچ کریں، یہاں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ دیکھے اس اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزارنے کا حق رکھتی ہوں، اس حق سے مجھے کوئی محروم نہیں کر سکتا۔" وہ ریسیور اٹھا کر اندر کا لاوا بہانے لگی۔

ہوتی لالی ...... لالی کیا ہوا؟" مصطفیٰ خان کی بجائے روشانہ کی متوحش آواز ایئر پیس سے ابھری تھی اور اس کے اعصاب کو یوں جھٹکا لگا گویا کسی نے لاسٹک کھینچ کر چھوڑ دیا ہو۔

"اوہ، آئی ایم سوری۔ میں سمجھی مصطفیٰ خان......" وہ یکدم لب بھینچ گئی۔

"کیا...... آ...... پ...... یہ...... یہ سب کچھ آپ مصطفیٰ بھائی کو سنانا چاہ رہی تھیں؟" روشانہ کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

لالہ رخ چپ سی ہو گئی۔ پھر سنبھل کر ایک سانس کھینچ کر بولی۔ "ہاں، خیر تم سناؤ کیا بات ہے؟ خیریت تو ہے، ابھی تک سوئیں نہیں تم؟ مہندی لگ گئی تمہارے؟" وہ اپنائیت اور نرمی سے بات بدل گئی اور اس کی خیریت پوچھنے لگی۔

"جی، بس یونہی دل گھبرا رہا تھا۔ سوچا آپ سے بات کر لوں۔"

"ارے یہ دل کیوں گھبرا رہا تھا بھئی؟" لالہ رخ بے ساختہ ہنسی۔ "پلوشہ اور ہما سب کدھر ہیں، تمہارے دل کو بہلانے کا وہ کوئی سامان نہیں کر رہی ہیں کیا؟" اس نے چھیڑا۔

"وشی کا کیا ہے، وہ تو کئی دنوں سے ہنگامہ مچائے ہوئے ہیں۔ ابھی بھی ہجوم اکٹھا کئے ڈھول ڈھمپے کر رہی ہے۔ اتنا شور ہے لالی، ایسا لگتا ہے سکون کا کوئی گوشہ نہیں بچا۔"

"ہاں بھئی، رونق تو لگے گی ہی نا۔ ہمارے یہاں بھی یہی حال ہے۔ تم سکون کے گوشے کی کیوں متلاشی ہو؟" اس نے اچنبھے سے پوچھا۔ پھر کسی خیال کے تحت ہنس کر بولی۔ "کیا طلال کا تصور کرنا ہے کسی پُرسکون گوشے میں بیٹھ کر۔ بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے۔"

"لالی! مجھے ڈر لگ رہا ہے بہت۔" اس کی آواز ابھری جو آنسوؤں سے بھاری ہو رہی تھی۔

"ہیں، ہیں...... ڈر لگ رہا ہے، مگر کیوں؟" وہ فون کے قریب رکھی تپائی پر بیٹھ گئی۔

"بس یونہی۔" وہ سڑ سڑ آنسو بہانے لگی۔

"کس قدر احمق لڑکی ہو تم۔ یہ سب زیادہ سوچنے اور اکیلے بیٹھنے کا نتیجہ ہے۔" وہ اسے سمجھانے لگی۔ پھر کچھ سوچ کر بولی۔ "طلال سے کوئی بات ہوئی ہے تمہاری؟"

"نہیں۔"

"تو پھر...... اچھا بات کرو گی اس سے؟ ہو سکتا ہے اس طرح یہ بے نام سا ڈر دور ہو جائے تمہارا۔" وہ ہنسنے لگی۔

"نن...... نہیں لالی!" وہ یوں متوحش ہو گئی گویا ابھی طلال ریسیور سے نکل کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوگا۔

اسی لمحے طلال، لالہ رخ کے کمرے میں داخل ہوا تھا اور اشارے سے پوچھا تھا کس کا فون ہے؟

"بات کرو گے؟ روشانہ ہے۔" وہ ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر اس سے بولی۔ وہ نزدیک چلا آیا اور فون اسٹینڈ پر کہنی ٹکا کر کھڑا ہو گیا۔

"روشی، دیکھو دل سے دل کو راہ ہوتی ہے۔ ادھر تمہیں طلال یاد آیا تھا، چنانچہ وہ بھی تمہیں یاد کرتا ہوا ادھر چلا آیا ہے۔" وہ شرارت سے ہنس پڑی۔ طلال نے گھورتے ہوئے ریسیور اس کے ہاتھ سے اچک لیا۔

"انہیں یاد کرنے کے لئے تو مجھے شاید باوضو رہنا پڑے گا۔ ہم جیسے گناہگار کہاں انہیں یاد کرنے کی جسارت کر سکتے ہیں۔" اس نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچی۔ اس کی آواز نے ادھر روشانہ کے اوسان خطا کر دیئے۔ اس کے ہاتھ سے ریسیور پھسلتے پھسلتے رہ گیا۔

"تنگ مت کرو طلال، بات ہی کرنی ہے تو پیار سے کرو ورنہ ادھر دو یہ فون۔" لالہ رخ نے اس کے ہاتھ سے ریسیور چھیننا چاہا۔ "پہلے ہی بیچاری پریشان ہے، ڈر رہی ہے۔"

"کیوں؟ یہ ڈر کس خوشی میں رہی ہے؟" اس نے ریسیور والا ہاتھ پیچھے کر لیا۔ لالہ رخ اسے گھور کر رہ گئی۔

"تم جو ہو نا ڈریکولا۔ ڈھنگ سے پیار و محبت کے دو بول، بول دو تو سارا ڈر دور ہو جائے گا۔"

"اوہو، تو یہ ڈیمانڈ ہے اس طرف سے۔" اس نے سیٹی کے انداز میں ہونٹ دبا کر

ریسیور کو دیکھا۔ ''بڑی مشکل ڈیمانڈ کر دی ہے۔''

''جی نہیں، ادھر سے کوئی ایسی ڈیمان ومانڈ نہیں ہوئی۔ یہ تو میں یونہی کہہ رہی ہوں۔'' لالہ رخ زچ ہوگئی۔ وہ اچھی طرح آگاہ تھی، دوسری طرف روشانہ کے منہ سے ایک لفظ نہیں نکل پا رہا تھا۔

''ویسے دو لفظ کیا، میں تین لفظ تو کل بولنے جا ہی رہا ہوں۔ اب اس طرف سے اتنی جلدی ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ اس وقت تو قاضی بھی خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہا ہو گا، ناحق پریشان کرنے سے رہے۔''

''تمہیں اللہ سمجھے طلال۔'' لالہ رخ نے اٹھ کر اس کے ہاتھ سے ریسیور چھین لیا پھر ریسیور کان سے لگا کر بولی۔ ''روشانہ تم اس شخص کی باتوں پر ہرگز کان نہ دھرنا۔ ادھر دل میں لڈو پھوٹ رہے ہیں جو مجھے صاف دکھائی دے رہے ہیں۔''

''آخاہ، تو یہ موجیں ہیں۔'' خرم کمرے میں آیا اور نظریں گھما کر طلال کو گھورا جو فون اسٹینڈ کے پاس ہی کھڑا تھا۔

''اچھا روشی، پھر بات کریں گے۔'' لالہ رخ نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

''تو یہ عیش کرائے جا رہے ہیں چپکے چپکے بھائی کو، اور کسی کو کانوں کان خبر ہی نہیں۔'' خرم نے ابرو اچکا کر فون کو دیکھا پھر طلال کی طرف دیکھ کر ایک ٹھنڈی سانس کھینچی۔

قمر تسبیح پڑھتے جا رہے ہو سوئے مے خانہ
کوئی دیکھے تو یہ سمجھے بڑے اللہ والے ہیں

جواباً طلال نے ایک دھموکا اس کے کندھے پر جڑ دیا تھا۔

''ہر وقت میری جاسوسی کرتے رہتے ہو، وہ بھی غلط۔''

''غلط کیوں۔ کیا روشانہ کا فون نہیں تھا؟'' وہ دھموکا کھا کر تڑپ کر اچھلا۔

''تھا، بالکل تھا۔ مگر میرے لئے نہیں، لالہ رخ کے لئے تھا۔'' وہ فون اسٹینڈ سے ہٹ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

''اب بھاگ کہاں رہے ہیں، میں کون سا آپ پر دفعہ لگا کر کوئی سزا سنا رہا ہوں۔''

''وہ تو کل لگنے والی ہے۔'' لالہ رخ ہنسنے لگی۔

''اللہ رے، سزا۔ یعنی کل کا وہ خوشگوار دن آپ کے خیال میں ان کی سزا کا دن ہے۔'' خرم سینے پر ہاتھ رکھ کر لہک گیا، پھر جھکے سر کے ساتھ بھویں اچکا کر طلال کو دیکھا۔ ''چاچو! آپ چاہیں تو یہ حسین سزا معاف بھی کرائی جا سکتی ہے۔ ناحق آپ بے قصور ہوتے ہوئے

بھی سزا وار ٹھہرائے جا رہے ہیں۔ مگر میں آپ کے لئے ہر ممکن کوشش کر کے اس سزا سے آپ کو بچا سکتا ہوں۔''

''خرم کے بچے، یہ ہر وقت تم طلال کے پیچھے کیوں پڑے رہتے ہو، خدا خدا کر کے تو یہ تیار ہوا ہے اور تم پھر اسے الٹا اکسا رہے ہو۔'' لالہ رخ نے اس کے کان پکڑ کر کھینچے۔

''ارے جائیں لالی! ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی۔ یہ بڑے چھپے رستم ہیں، یہ کون سا اس سزا سے بچنا چاہ رہے ہیں، بلکہ جی جان سے تیار ہیں۔ سوچ رہے ہوں گے یہ کل کی ملتی آج مل جائے۔''

''مائنڈ اِٹ بھتیجے، میں خرم نہیں طلال ہوں۔'' طلال نے مسکراہٹ دبا کر اسے اطمینان سے گھورا۔

''آ، ہاں...... بس یہی تو فرق ہے۔ ہم سے منافقت نہیں ہوتی۔'' خرم دو بدو بولا۔ طلال اسے گھورتا ہوا چلا گیا، جبکہ خرم نے بھرپور انداز میں ہنستے ہوئے لالہ رخ کی طرف دیکھا اور دائیں آنکھ دبا کر وکٹری کا نشان بنایا۔

''بہت بدتمیز ہو گئے ہو تم۔ اسد بھائی تمہاری ان حرکتوں کو دیکھ لیں تو پلوشہ پر کم از کم سال بھر بعد بھی یہ ستم توڑنے کو ہرگز تیار نہ ہوں۔'' لالہ رخ اسے ہینگر مار کر ہنستی ہوئی حمزہ کے کپڑوں پر آئرن پھیرنے لگی۔

⁂☆⁂

تم سے وابستگی کی خوشی
دل کو ایسے اچانک ملی
جیسے آنگن میں نکلے کوئی
اور ہر سو ہوں کلیاں کھلی
تم نے مہکائی شام و سحر
زندگی کی حسین رہگزر
ڈھونڈتی ہے کوئی ہمسفر

ایک مہکتی شام میں روشانہ اسد نے طلال کے نام اپنا آپ کر دیا۔ خوشی اور غم کے ملے جلے احساسات نے اس کا دل گداز کر دیا تھا۔

نکاح کے بعد وہ لالہ رخ سے لپٹ کر خوب روئی۔

''کچھ آنسو رخصتی کے لئے بھی بچا لینا۔'' مہ وش نے اسے چھیڑا۔

"ارے مگر مچھ کے آنسو تو لڑکیاں جب چاہیں وافر مقدار میں بہا سکتی ہیں۔" عادل نے کہا تو لڑکے سیٹیاں مار کر عادل کی بات کی تائید کرنے لگے جبکہ لڑکیاں ساری ہی عادل کو کھا جانے والی نگاہوں سے گھورنے لگیں۔

روشانہ کے احساسات ایک روایتی لڑکی کی طرح ہی تھے جو ان خوش کن لمحات اور ایک اجنبی کے یوں آن واحد میں محرم بن جانے پر خوفزدہ بھی ہوتی ہیں اور مسرور بھی۔ برسوں کے یارانے چھوٹ جانے پر غمزدہ بھی اور نئے لوگوں سے خوبصورت رشتہ استوار ہو جانے کے خیال سے خوش بھی۔

خوشی اور غم ایسے وقت گلے ملتے ہیں جب خوشی کا پلہ بھاری ہوتا ہے مگر رنج کا ہلکا سا احساس بھی روح میں چٹکیاں لیتا رہتا ہے۔

رخصتی کی ابھی کوئی تاریخ مقرر نہیں کی گئی تھی مگر رفیعہ بیگم کی خواہش تھی کہ وہ چند ماہ کے اندر ہی روشانہ کو رخصت کرا لیں گی۔ ان کا تو دل چاہ رہا تھا وہ ابھی اسے اپنے ساتھ لے جائیں۔ خود لالہ رخ کا بھی دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس موہنی سی لڑکی کو آج ہی اپنے ہمراہ لے جائے، مگر طلال کے دل میں کیا تھا، یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔

جب اسے روشانہ کے پہلو میں بٹھایا گیا تو وہ بالکل نارمل انداز میں تھا۔

دوپٹے کی اوٹ سے اس کا خوشنما چہرہ دکھائی دے رہا تھا جس پر اس نے ایک بھرپور استحقاق بھری نگاہ ڈالی پھر اس کا ہاتھ تھام کر وہ کنگن ڈال دیئے جو سعدیہ بھابی نے اسے دیئے تھے روشانہ کو پہنانے کے لئے۔

اس کے ہاتھ کا نرم لمس وہ کتنی دیر اپنے دل پر محسوس کرتا رہا پھر آہستگی سے ہاتھ چھوڑ کر ایک گہری سانس کھینچی۔

ہم بھی کیا لوگ تھے خوشبو کی روایت سے الگ
خود پہ ظاہر نہ ہوئے تجھ کو چھپانے کے لئے
ترک دنیا کا ارادہ ہی کیا تھا کہ وہ شخص
آ گیا خواہش دنیا کو جگانے کے لئے

اس نے ایک نظر روشانہ پر ڈالی پھر آہستگی سے بولا۔ "روشانہ! یہ زندگی بھر کا محض رسمی یا دنیاوی ساتھ نہیں ہے، یہ باہمی اعتماد کا تعلق ہے، اسے نبھانے کے لئے، اس رشتے کو مضبوط اور استوار کرنے کے لئے محض محبت کی نہیں باہمی اعتماد کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ کیا تم مجھ پر مکمل اعتماد کرتی ہو؟" اس کا لہجہ دھیما اور کچھ سوچتا ہوا تھا۔ روشانہ نے ذرا سا سر اٹھایا، اس

کے چہرے کی سنجیدگی میں نرمی مستور تھی۔ تاہم وہ اپنی نظروں کی حدت سے خود ہی گھبرا کر نظریں جھکا گئی۔ طلال نے دیکھا اس کی نازک انگلیاں اضطرابی انداز میں ایک دوسرے میں پیوست تھیں۔ یہ اضطراب دراصل شرم اور حیا کا تھا۔

وہ ہلکے سے اثبات میں سر ہلا کر جھکا گئی تھی۔

دیکھا جو چہرہ تیرا
موسم بھی پیارا لگا
کانوں میں جھمکا تیرے
ہم کو ستارا لگا

تالیوں اور شرارتی گنگناہٹوں نے دونوں کو خفیف کر دیا۔ وہ سارا گروپ دوبارہ ادھر ہی آ دھمکا تھا۔

"یہ نہ چین سے بیٹھیں گے، نہ ہم دونوں کو بیٹھنے دیں گے۔" طلال ہنستا ہوا اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

"ارے رے، آپ کہاں چل دیئے؟" کسی نے پیچھے سے آواز لگائی۔

"لاکھ کوشش کی مگر پھر بھی نکل کر ہی رہے
گھر سے یوسف، خلد سے آدم، تیری محفل سے ہم"

خرم نے پیچھے سے ہانک لگائی۔

طلال رک کر پلٹا، پھر ایک ٹھنڈی آہ نما سانس کھینچتے ہوئے بولا۔

"اب عزیزوں کو نہیں یہ بھی پسند
دیکھ لیں دو دل بہم ہوتے ہوئے"

اس نے کچھ اس قدر با موقع اور برجستہ انداز میں شعر پڑھا تھا کہ زبردست تالیاں پیٹی گئیں۔

"اوئے ہوئے۔" خرم نے زوردار سیٹی ماری تھی۔ "ایسا نشیلا شعر وہ بھی ایسے خشک سرجن کے منہ سے سننا، حیرت کی بات ہے۔ مجھے تھامو لوگو! میں گیا۔" وہ بھرپور ایکٹنگ کرتے ہوئے عادل پر لڑھک گیا۔ ہنسی کا ایک طوفان اٹھا تھا۔ طلال موقع پا کر اس طوفان بدتمیزی سے دامن بچا کر بھاگ نکلا۔

✻✫✻

تقریب کی تصاویر دوسرے روز ہی ملتان پہنچ کر خرم نے ڈیولپ کروا لی تھیں۔ لالہ رخ

کی تصویریں سب سے زیادہ تھیں جس پر اس نے خرم کی خوب خبر لی۔

''آپ لگ ہی اتنی اچھی رہی تھیں لالی کہ میرا کیمرہ بیچارہ خودبخود آپ پر فوکس ہو جاتا تھا۔''

اور یہ سچ تھا، وہ ہر تصویر میں انتہائی دلکش دکھائی دے رہی تھی۔ نیلے اور سیاہ بارڈر والے جدید تراش کے سوٹ میں بڑا سا دوپٹہ کندھے پر ڈالے، بالوں کو حنا کے پُرزور اصرار پر کھلا چھوڑے ہر تصویر میں مختلف انداز کے ساتھ آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔

تقریب میں شامل مورے کی آنکھیں تو بس اسی پر جم کر رہ گئی تھیں۔ وہ جہاں جاتی، جدھر جاتی وہ اسے تکے جاتیں۔ وہ ایک تین سالہ بچے کی ماں ہونے کے باوجود ایک موہنی سی لڑکی دکھائی دیتی۔

وہ بھی یہاں محض طلال کے نکاح کی تقریب میں شامل ہونے نہیں بلکہ لالہ رخ کو مانگنے آئی تھیں۔

ملتان آ کر انہوں نے اور آکا جان نے رفیعہ بیگم اور ان کے دونوں بیٹوں کے سامنے اپنا مدعا رکھ دیا۔ طلال بھی وہیں موجود تھا۔ یہ اس کے لئے قطعی غیر متوقع نہیں تھا۔ اس نے خود ہی مصطفیٰ کو یہ پروگرام سیٹ کر کے دیا تھا۔ البتہ تقریب میں مصطفیٰ خان کا شامل نہ ہونا اس پروگرام کا حصہ بہرحال نہیں تھا۔ مگر اس نے طلال کو بتا دیا تھا کہ وہ اس موقع پر اپنی موجودگی کچھ مناسب خیال نہیں کرتا۔

لالہ رخ ساری تصویریں لے کر روبی کے ساتھ رفیعہ بیگم کے کمرے میں آئی تو مصطفیٰ خان اور لالہ رخ کی شادی کا موضوع ہی زیر بحث تھا۔

روبی بھابی تو مارے تجسس کے اندر چلی آئیں، جبکہ لالہ رخ رنج سے وہیں کھڑی رہ گئی۔ اس کے تو گمان میں بھی نہیں تھا کہ مورے اور آکا جان کے ملتان آنے کا اصل مقصد یہی تھا۔

''تو بات یہاں تک پہنچ گئی تھی۔'' اس کا دل بری طرح کبیدہ ہو گیا۔

طلال عین سامنے والے صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ لالہ رخ نے اسے بے حد شاکی نظروں سے دیکھا مگر وہ کمال بے نیازی سے اس کی طرف ایک نظر ڈال کر نگاہوں کا زاویہ بدل کر جلال بھائی سے کوئی بات کرنے لگا تھا۔

☆☆☆

اسے کوئی کند چھری سے کاٹتا تو وہ اتنا نہ تڑپتی جتنا اس کے خیال میں اپنوں کے رویے اس کو ادھیڑ رہے تھے۔

ہر کوئی ہی گویا اس کے پیچھے پڑ گیا تھا مصطفیٰ خان کی حمایت کا علم اٹھائے۔

مورے اور آکا جان جا چکے تھے۔ رفیعہ بیگم نے ان سے کچھ وقت مانگ لیا تھا۔ مگر وہ جانتی تھیں، اصل مسئلہ لالہ رخ کی طرف سے اٹھے گا اور ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ پرزور احتجاج کر رہی تھی۔

سب ہی سمجھا بجھا رہے تھے حتیٰ کہ ینگ جنریشن کا دل بھی مصطفیٰ خان کا حامی بنا ہوا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا ہر کوئی مصطفیٰ خان پر دل و جان سے فریفتہ ہو۔ اور لالہ رخ کو محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ اپنے ہی لوگوں میں یکدم اکیلی ہو گئی ہو۔

''تم ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچو لالی! تمہارے آگے اتنی بڑی زندگی پڑی ہے۔ یہ کیسے کٹے گی؟'' جلال بھائی اسے ہر ممکن طریقے سے قائل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''زندگی ہی تو ہے، کوئی پل صراط تو نہیں۔ آخر آپ لوگ مجھے میری مرضی کے مطابق زندگی کیوں نہیں گزارنے دیتے۔ مجھے اپنے بیٹے کے علاوہ کسی کا سہارا نہیں چاہئے، آپ لوگوں کا بھی نہیں۔'' وہ غصے اور رنج سے نڈھال ہو کر رو پڑی۔

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ تم پُرسکون ہو کر پھر سوچو۔ تم سے زبردستی نہیں کریں گے۔ حنا، اسے پانی دو۔'' انہوں نے اس کے سر کو تھپکا۔

''میں اس بارے میں سوچنا ہی نہیں چاہتی۔'' وہ ناراض سی اٹھ گئی۔ ''اور میں اچھی طرح سمجھتی ہوں یہ سب کس کی شہ پر ہو رہا ہے۔'' اس نے کرسی دھکیل کر اٹھتے اٹھتے طلال پر ایک بھرپور نگاہ ڈالی۔

''مائی ڈیئر سسٹر! تقدیر کے آگے کسی کی بھی نہیں چلتی۔'' وہ سوفٹ ڈرنک کا ٹن کھولتے ہوئے مسکرایا۔

''تو پھر میرا فیصلہ بھی تم لوگ تقدیر پر چھوڑ دو۔'' وہ جل کر بولی۔

"تدبیر کا راستہ بھی خود اللہ ہی نے رکھا ہے۔ کچھ تقدیریں، تدبیروں سے ہی سنورتی ہیں۔" وہ اطمینان سے گویا ہوا اور ٹن منہ سے لگا کر گھونٹ بھرنے لگا۔

وہ غصے سے پیر پٹخ کر وہاں سے چلی آئی اور اپنے کمرے کا دروازہ لاک کر کے وہ قالین پر بیٹھ گئی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کمرے کی ہر چیز تہس نہس کر دے۔ ایک ایک شے اٹھا کر دیوار پر دے مارے۔ طلال کو تو شوٹ کر دے۔ سارا فساد ہی اس کا پھیلایا ہوا ہے۔ اسی نے مصطفیٰ خان کو اتنی شہ دی ہے کہ اس نے یہ قدم اٹھانے کی جرأت کی۔

لالی نے کشن اٹھا اٹھا کر دیوار پر دے مارے پھر ایک کشن سر کے نیچے رکھ کر جلتی کڑھتی قالین پر لیٹ گئی۔

⁂☆⁂

یہ محبت ہے
اسے ہی محبت کہتے ہیں
کسی کو سوچتے رہنا
کسی کو جھانکتے رہنا
محبت ہے
ہمیشہ بے خیالی میں
کتابوں، چاند، تاروں، بادلوں پر
یا کبھی رنگوں کی لہروں پر
کوئی سی جھلملاتی بات لکھ دینا
محبت ہے
کسی کو سوچتے رہنا
محبت ہے

صبح سے ہی موسم ابر آلود تھا۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی اور تواتر سے جاری تھی۔ روشانہ نے لان میں کھلنے والی کھڑکی کے پردے سرکا دیئے۔ بارش کی بوندیں کھڑکی کے داغ شیشے پر موتیوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ ان بوندوں کا رقص پتوں پر عجیب سی سرسراہٹ کے ساتھ بڑا دلفریب لگ رہا تھا۔ اس نے کھڑکی کھول کر ٹھنڈے مست جھونکوں کو ایک گہری سانس کے ساتھ اپنے اندر اتار لیا۔

اسے لگا جیسے طلال احمد کسی ایسے ہی تازہ معطر جھونکے کی طرح اس کی زندگی میں آ

ہو۔

اسے موسموں کے بدلنے اور آنے جانے سے کبھی دلچسپی نہ رہی تھی۔ بقول دادی کے کتابوں میں سر نیہوڑائے عمر نکال دینا تم تو۔ وہ ہنس کر کہتی۔ "زندگی کا سارا حسن ہی کتابوں میں ہے دادی جان!"

مگر آج وہ زندہ انسان کو پڑھ رہی تھی۔ لمحہ لمحہ اسے کھوج رہی تھی۔ جو اسے کتابوں کی دنیا سے نکال کر احساسات و جذبات کی دنیا میں ڈال گیا تھا۔ اسے اس کی بنائی ہوئی چھوٹی سی پرسکون دنیا سے نکال کر ایک انوکھی دنیا کی سیر کرا رہا تھا جہاں ہر لمحہ رنگین دلآویز مگر ہزار خدشوں سے بھرا ہوتا ہے۔ مگر خوش آئند ایسا کہ پھول تارے اس کے آگے ماند محسوس ہوں۔ نازک ایسا گویا بلوریں گلدان جو ذرا پھسلا تو کرچی کرچی ہو گیا۔

یہ محبت کی پگڈنڈی بھی عجیب ہی ہوتی ہے۔ ہزار واہموں، خدشوں سے کبھی بھری دکھائی دیتی ہے تو کبھی پھولوں سے سج جاتی ہے۔ کبھی شعلوں میں گھری دکھائی دیتی ہے تو کبھی گلستان کا گمان ہوتی ہے۔

اور اس کے سامنے یہ پگڈنڈی کسی سبزے میں گھری مہکتی وادی کی طرح پھیلی ہوئی تھی جس پر وہ بھاگتی دوڑتی جا رہی تھی۔

اچانک اس کے خیالات کا تسلسل ٹوٹا تھا۔ اس کی توجہ کھڑکی کے باہر سے آتی ہوئی ریڈیو کی آواز کی طرف ہو گئی۔

اکھیاں اُڈیک دیاں
دل واجاں مار دا
آ جا پردیسیا واسطہ ای پیار دا
آ جا تینوں اکھیاں اُڈیک دیاں

اسے متوجہ دیکھ کر پلوشہ نے ریڈیو کا والیوم اور بھی تیز کر دیا۔ روشانہ خفیف سی ہو گئی۔ وہ شرارتی لڑکی جانے کب سے اسے واچ کر رہی تھی۔

"یہ آپ جیسی بورنگ لڑکی کو موسم کب سے دلچسپ لگنے لگا؟" وہ اٹھ کر کھڑکی کی طرف آئی، پھر اچھل کر کھڑکی کے کشادہ فریم پر بیٹھ گئی۔

"خوبصورت موسم ہر آنکھ کو ہی متاثر کرتا ہے۔ اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟" وہ جھینپی جھینپی سی بولی۔

"آئے موسم رنگیلے سہانے

جیا نہیں مانے
تو چھٹی لے کے آ جا بالما ہو ہو
تو چھٹی لے کے آ جا بالما''

پلوشہ کھڑکی کے فریم پر ہتھیلیاں دھپ دھپ مارتے ہوئے گانے لگی۔

''جب بہتی ندیا شور کرے
میرا دل ملنے کو زور کرے
یاد آئیں خوشی کے ترانے
جیا ناہیں مانے
تو چھٹی لے کے آ جا بالما ہو ہو''

''بدتمیز لڑکی، چپ ہو جاؤ۔ پاپا گھر پر ہی ہیں آج۔'' اس نے پلوشہ کو ایک ہاتھ جڑ
اس کے کمرے کے عین برابر دوسرا کمرہ اس کے پاپا کا تھا جس کی کھڑکی بھی لان کے اُ
گوشے کی طرف کھلتی تھی۔

''بے فکر رہئے۔ پاپا اس موسم کو قطعی انجوائے نہیں کر رہے ہیں۔ ان کی کھڑکیوں پر
پردے پڑے ہیں۔ یوں بھی انہیں کیا پتہ ان کی دختر نیک اختر اس موسم کو کس حوالے
انجوائے کر رہی ہے۔''

''وحشی، مار کھاؤ گی تم۔ بہت بے ہودہ ہو گئی ہو۔'' اس نے اسے پکڑنا چاہا مگر وہ اچھل
نیچے اتر گئی اور پیچھے ہٹی مگر پیچھے ہوتے ہی اس کا پاؤں کیاری کی اینٹ سے رپٹ گیا۔
وہ پانی سے بچ بچ کرتی گھاس پر جا گری۔

روشانہ نے گھبرا کر دیکھا مگر دوسرے پل اس کی ہنسی بے اختیار اُمڈی تھی۔

''یہی ہوتا ہے انجام ستانے والوں کا۔''

''میری جگہ اگر طلال بھائی ہوتے تو آپ اس طرح قہقہے لگاتیں؟'' وہ دونوں ہاتھوں
دباؤ گھاس پر ڈال کر بمشکل اٹھی تھی اور اسے فہمائشی نظروں سے دیکھا۔

''آخر وہ کیوں ہونے لگے۔ اور اگر ہوتے بھی تو ایسی فضول حرکتیں نہیں کرتے۔'' وہ
بمشکل روکنے لگی۔ پھر رحم کھا کر تولیہ اس کی طرف اچھال دیا۔ ''وہ نہایت ڈیسنٹ اور
ہیں، تمہاری طرح چھچھورے نہیں۔'' اس نے اسے مزید چڑانے کو کھڑکی کھٹ سے بند کر دی

''ہاں ہاں، ساری خوبیاں تو آپ کو اب اسی اجنبی آشنا میں ہی نظر آئیں گی نا، بہن تو
گئی اب چھچھوری۔'' اس کی جلی کٹی بڑبڑاہٹ سنائی دیتی رہی۔ روشانہ ہنسنے لگی۔ پھر ایک

سانس کھینچ کر کھڑکی سے ہٹ گئی اور بیڈ پر آ کر کتاب اٹھا لی۔

اس کا آخری سمسٹر ہونے والا تھا جبکہ وہ کتابوں سے منہ موڑے بیٹھی تھی۔ تکیہ پشت سے
لگا کر اس نے کتاب کھولی تو پہلے صفحے پر ہی ریڈ مارکر سے شعر لکھا ہوا تھا۔

''یہ علم کا سودا، یہ کتابیں یہ رسالے
اِک شخص کی یادوں کو بھلانے کے لئے ہیں''

وہ سمجھ گئی یہ شرارت پلوشہ کی ہی ہو سکتی ہے۔ اس نے کھڑکی کی طرف دیکھا پھر ہلکی
مسکراہٹ کے ساتھ کتاب سینے پر رکھ کر سر بیڈ کی پشت سے لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

⁂

حنا اسے رات کے کھانے کے لئے بلانے آئی تو لالہ رخ نے دروازہ نہیں کھولا۔ وہ مایوس
سی ڈائننگ روم میں چلی آئی۔

''کیا ہوا، کیا کہہ رہی ہے؟''

''دروازہ نہیں کھولا۔ کہہ رہی ہیں مجھے بھوک نہیں ہے۔'' اس نے سعدیہ بھابی کو جواب
دیا۔

''حنا! انوری سے کہو ڈرائنگ روم میں چائے بھجوا دے تین کپ۔'' طلال نے ڈرائنگ
روم کا پردہ اٹھا کر حنا کو پکارا۔ ''اور سنو! آنی آیا ہوا ہے تمہیں لینے۔ آدھے گھنٹے میں تیار ہو
جاؤ۔'' وہ اسے آفاق کا پیغام دے کر اندر جانے لگا کہ حنا اس کی طرف چلی آئی۔

''چاچو! وہ لالی بہت ناراض ہیں۔ دروازہ ہی نہیں کھول رہی ہیں۔'' اس نے افسردگی
سے بتایا۔

''نہیں کھول رہی تو نہ سہی۔ تمہاری شکل دیکھنے کا موڈ نہیں ہوگا۔'' وہ اس کی بات کو قطعی
اہمیت نہ دیتے ہوئے بولا۔

''مگر وہ شام سے اندر بند ہیں اور اب رات ہونے کو آئی ہے، کھانا تک نہیں کھایا انہوں
نے۔'' وہ اس کی غیر سنجیدگی پر برا مان گئی۔

''تو کیا کروں میں۔'' اس نے ابرو اچکا کر اسے گھورا۔

''کم از کم دروازہ تو کھلوا لیں۔ ان سے ملے بغیر میں نہیں جا سکتی۔''

''کل آ کر مل جانا، کون سا تمہیں دوسرے ملک جانا ہے۔ اب جاؤ اور انوری سے کہہ
کر چائے تو بنواؤ۔ آفاق کے سر میں پہلے ہی درد ہے۔ تم مزید اس کے درد میں اضافہ کرنے
کے موڈ میں ہو۔'' وہ اسے ڈپٹ کر اندر چلا گیا۔ حنا جھلس کر رہ گئی۔

نوری سے چائے بنانے کا کہہ کر سعدیہ بھابی کی طرف چلی آئی۔

''امی! میں آج نہیں جاؤں گی۔ لالی سے جب تک میری بات نہیں ہو جاتی۔''

''دماغ خراب ہے تمہارا۔ آفی آیا ہوا ہے تمہیں لینے۔ یہ کیا نخرے ہیں تمہارے؟'' سعدیہ بھابی نے اسے خفگی سے دیکھا۔ ''شہلا ناراض ہو گی کہ ایک دن کا کہا بہورانی نے اور جا کر بیٹھ ہی گئیں اماں کے گھر۔''

''اوہو امی! میری ساس بہت اچھی ہیں۔ وہ کچھ نہیں کہیں گی۔'' وہ ضدی بالک کی طرح صوفے میں دھنس کر بیٹھ گئی۔

''اچھی ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اچھائی سے تم ناجائز فائدہ اٹھانے بیٹھ جاؤ۔''

''بھابی! آپ ہی سمجھائیے نا امی کو۔'' حنا نے سیڑھیاں اتر کر نچلے پورشن میں آتی ہوئی روبی بھابی کو مدد طلب نظروں سے دیکھا۔

''دیکھو ذرا نخرے اس کے۔ اور وہ جو آفاق آیا بیٹھا ہے۔''

''وہ کوئی مجھے لینے تھوڑا ہی آئے ہیں؟ انہیں تو یوں بھی جاذب بھائی سے کام تھا، سو آنا ہی تھا۔ میں نے انہیں کہہ دیا تھا کہ میں خرم کے ساتھ آ جاؤں گی۔''

''میری بلا سے مرو یا جیو۔'' سعدیہ بھابی اکتاہٹ بھرے انداز میں ڈائننگ میز سے فروٹ چاٹ کا باؤل اٹھا کر کھڑی ہو گئیں پھر کچن کی طرف بڑھتے ہوئے بولیں۔ ''ہاں، مگر اپنی ساس کو فون کر لو۔ اگر وہ اجازت دیں تو رُک جاؤ، ورنہ شرافت سے چلتی بنو۔ شادی شدہ بیٹیوں کو زیادہ سر پر نہیں چڑھایا کرتی میں۔'' ان کے اس جھنجلاہٹ بھرے جملے پر حنا کو بڑے زور کی ہنسی آ گئی۔

''بیاہی بیٹیوں کا کیا قصور ہے امی کہ انہیں سر کی بجائے جوتی پر رکھتی ہیں آپ؟''

''ہش بدتمیز، کیوں تنگ کر رہی ہو؟'' روبی بھابی نے اسے ایک ہاتھ جڑ دیا۔ وہ ہنسنے لگی۔ پھر اٹھ کر اپنے سسرال کا نمبر ملانے لگی۔

''چائے نہ ہوئی پائے ہو گئے۔'' طلال سخت برہمی سے کچن میں آیا تھا۔ نوری کا تو کہیں پتہ نہیں تھا البتہ چائے ابل رہی تھی۔ وہ پلٹا تو لاؤنج کے فون کی بیل بج رہی تھی۔ اس نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف روشانہ کی چہکتی آواز سنائی دی۔

''میں روشانہ بول رہی ہوں۔''

''ضرور بولئے۔ یہاں بولنے کی کسی پر پابندی نہیں ہے۔'' وہ جواباً بولا تو ادھر وہ طلال کی آواز سن کر سٹپٹا کر رہ گئی۔

''وہ دراصل میں نے لالہ رخ کے لئے فون کیا تھا۔''

''یقیناً اسی کے لئے کیا ہو گا۔ میں کب کہہ رہا ہوں کہ اسپیشلی میرے لئے فون کیا گیا ہے۔'' وہ اس کی گھبراہٹ کو واضح طور پر محسوس کر کے حظ اٹھانے لگا۔

''وہ میں نے یونہی فون کر لیا۔ دراصل موسم بہت اچھا ہو رہا تھا۔ میں نے سوچا لالی سے بات کر لوں۔'' وہ عجیب سٹپٹائے ہوئے لہجے میں وضاحت کرنے لگی۔ طلال دل ہی دل میں مسکرا دیا۔

''کیا مجھ سے بات کرنے کے لئے خراب موسم کا انتظار کرنا پڑے گا؟''

''جی.....'' وہ فوری طور پر تو اس کے طنز کو نہ سمجھ سکی، پھر جیسے یکدم چپ سی ہو گئی۔ طلال اپنی بے ساختہ مسکراہٹ کو ہونٹوں میں دبا کر ایک ہلکی سانس کھینچتے ہوئے بولا۔

''اچھے موسم میں مجھ سے بات کرنے پر قطعاً کوئی پابندی نہیں ہے۔ اینی وے، اچھے موسم سے تمہاری کیا مراد تھی، بیرونی یا دل کا موسم؟''

''حیرت ہے آپ جیسے خشک سرجن بھی بھلا دل کے موسموں پر یقین رکھتے ہیں؟'' وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

''کیوں نہیں، میرے جیسا خشک مزاج سرجن تو اور بھی بہت سی باتوں پر یقین رکھتا ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

''مثلاً؟'' وہ آہستہ آہستہ اپنا اعتماد بحال کر رہی تھی۔

''مثلاً.....'' طلال نے ایک پل کے لئے لب دانتوں میں جکڑ کر گہری سانس کھینچی۔ دل چاہا، کہہ دے محبت پر۔ مگر جذبات کی لو اس نے بڑی سرعت سے نیچے کر لی اور بڑے عام سے انداز میں بولا۔ ''مثلاً تقدیر پر، تدبیر پر۔'' حنا کو اندر آتے دیکھ کر وہ بات بدل گیا۔

''لو، حنا سے بات کرو۔ وہ تمہیں ملتان کے موسم سے آگاہ کرے گی کہ یہاں کتنی سخت گرمی ہے ان دنوں۔'' اس نے قریب آتی حنا کو ریسیور پکڑا دیا۔

''کس کا فون ہے؟'' حنا نے حیرت سے اسے، پھر ریسیور کو دیکھا۔

''غالباً تمہاری چچی ہوتی ہیں رشتے میں۔'' وہ بڑی سنجیدگی سے بولا اور پلٹ کر لاؤنج سے نکل گیا۔ حنا ایک دو پل ہکا بکا رہ گئی، پھر جیسے ہی اس کی سمجھ میں آیا تو ریسیور جھٹ سے کان سے لگاتے ہوئے چیخی۔

''ہائے روشی، تم کیسی ہو؟'' مگر دوسری طرف سے روشانہ نے گھبراہٹ میں لائن کاٹ دی۔ ٹوں ٹوں کی آواز پر حنا منہ بنا کر رہ گئی۔

"یہ چاچو بھی بڑے چالاک ہیں۔" اس نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

☆☆☆

رات کو طلال اس کے کمرے میں آیا تو وہ پژمردہ دل بیٹھی ہوئی تھی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا لالی! کہ تم زندگی کی حقیقت کو نگاہوں سے کیوں نہیں دیکھتی ہو، اسے سادہ سے انداز میں کیوں نہیں لے رہی ہو؟" اس کی دل گرفتگی نے اسے یکدم اندر سے بجھا ڈالا، تاہم وہ اسے قائل کرنے کے عزم سے ہی اندر آیا تھا۔ وہ اس پر ایک ناگوار نظر ڈال کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"میری خطا صرف اتنی ہے کہ میں تمہیں ایک روشن راستہ دکھانا چاہ رہا ہوں جہاں تمہارے لئے خوشیاں اور کچھ مسکراہٹیں منتظر ہیں۔"

"یہ محض تمہارا خیال بھی ہو سکتا ہے۔" وہ تلخی سے سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ "سارے احساسات دل کے کھلنے اور مرجھانے پر انحصار کرتے ہیں۔ تم کسی کو زبردستی مسکرانے پر مجبور نہیں کر سکتے۔"

"کوشش تو کر سکتا ہوں۔" وہ اس کی بات کاٹ کر بولا، پھر ہلکے سے مسکرا دیا۔

"کر چکے ہو تم اپنی سی کوشش۔" وہ اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھنے لگی۔

"کہاں، ابھی پوری کوشش تو کر لینے دو۔"

"طلال! خدا کے لئے مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں اسی طرح زندہ رہنا چاہتی ہوں اور اسی میں خوش اور مطمئن ہوں۔" اس نے رنجیدگی سے کہہ کر سر بیڈ کراؤن سے لگا لیا اور جلتی آنکھیں بند کر لیں۔

"اگر کوئی احمق ہو اور حماقت کر رہا ہو تو دوسرا تو جانتے بوجھتے اسے حماقت کرتے نہیں دیکھ سکتا نا ورنہ اس میں اور احمق میں فرق ہی کیا رہ جائے۔"

"اپنی مرضی سے زندگی گزارنا حماقت ہے کیا؟" وہ اسے برہم نظروں سے دیکھتے ہوئے دانت پیس کر بولی۔

"ہاں، اس وقت جب زندگی غلط راستے پر گزارنے کی کوشش کی جا رہی ہو۔ فطرت کے اصول کے خلاف۔ دیکھو لالی! زندگی جذبات کی نذر کر دینا میرے نزدیک سراسر حماقت ہے۔ مجھے دیکھو، میں نے بھی تقدیر کے آگے سر جھکا دیا ہے، فطرت کے اصول کو مانا ہے اور یہ کہیں بھی نہیں لکھا کہ عورت دوسری شادی کر کے اپنی مرضی و منشا کے مطابق زندگی نہیں گزار سکتی۔" اس نے نرمی سے اس کے کندھے کو چھوا اور تھپتھپایا۔

"مگر یہ بھی تو نہیں کہیں لکھا کہ اسے زبردستی پابند کیا جائے۔" وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر کھڑی ہو گئی۔

"یہ زبردستی درحقیقت تمہاری ہی بہتری کے لئے ہے۔ ایسی ہی ایک زبردستی تم نے اور میں نے مل کر حنا کے ساتھ کی تھی۔ پھر تم نے مجھ پر دباؤ ڈالا۔ اب یہی کام میں کرنا چاہتا ہوں تمہاری بہتری کے لئے۔"

لالہ رخ دل گرفتگی سے اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔ وہ سر کو خفیف جنبش دے کر ہلکے سے مسکرایا تو لالی نے غصے سے لب بھینچ کر رخ موڑ لیا اور سر پکڑ کر صوفے پر جا کر بیٹھ گئی۔ پھر چند لمحے توقف کے بعد ایک تلخ مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"میں اچھی طرح جانتی ہوں تم مصطفیٰ خان کے ساتھ یارانے نبھا رہے ہو۔ اس کی محبت تمہیں نظر آتی ہے، اس کے دلی جذبات و احساسات کا تمہیں بڑا خیال ہے مگر میرا نہیں۔"

طلال بے اختیار ایک متاسفانہ سانس بھر کر اسے دیکھتا رہ گیا۔

"یاد رکھنا، میں اس فضول شخص کو بھی شوٹ کر دوں گی اور اپنے آپ کو بھی۔" وہ کمسن ناراض بچوں کی طرح چیخی اور صوفے سے اٹھنے لگی۔

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔ ہم سب لوگ تمہارے دشمن نہیں ہیں جو تمہیں سمجھا بجھا رہے ہیں۔" طلال نے سخت برہمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے دوبارہ بیٹھنے پر مجبور کر دیا۔ پھر ہنوز اسی غصے میں اچانک اس کی طرف جھک کر اس کی آنکھوں میں براہِ راست جھانکتے ہوئے بولا۔

"میں نے بھی صرف تمہاری خوشی کے لئے روشانہ اسد کو قبول کیا ہے۔ اور یاد رکھنا اگر تم نے میری خوشی کا خیال نہ کیا تو میں اس رشتے کو ختم کرنے میں ایک لحہ تاخیر نہیں کروں گا۔"

اس کی آنکھوں میں ایسی سرسی کیفیت تھی کہ لالہ رخ کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑتی محسوس ہونے لگی۔ یہ جملے نہیں تھے، آگ کی بنی گولیاں تھیں جو اس کے اعصاب پر تڑتڑ پڑی تھیں اور وہ بیٹھے بیٹھے ہی جھلس کر رہ گئی۔

"طلال تم......" اس نے تحیر آمیز بے یقینی کے ساتھ اسے دیکھا۔ کچھ کہنے کی خواہش میں لب بُری طرح سے صرف کپکپا کر رہ گئے۔

"تم اچھی طرح جانتی ہو، جو میں کہتا ہوں وہ کر گزرتا ہوں۔ میرے لئے روشانہ سے ناتا توڑنا کوئی مشکل نہیں ہے۔ اور یاد رکھنا اس نتیجے کی ذمہ دار تم ہو گی، فقط تم۔"

"طلال، تم......تم مجھے اس طرح بے بس کرو گے؟" وہ شدتِ کرب سے چلائی اور جھٹکے

سے کھڑی ہوگئی۔

حنا جو اندر آ رہی تھی، رنج و حیرت کی تصویر بنی دروازے پر ہی کھڑی رہ گئی تھی۔

طلال کے چہرے پر پھیلا پتھریلا پن اس کے سینے میں چلتی سانس کو کوٹنے لگا۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم اس حد تک گھٹیا انسان نکلو گے۔ تم نے محض میرے کہنے پر روشانہ کو قبول کیا ہے؟ بولو، جواب دو۔'' وہ غصیلے انداز میں اس کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑنے لگی۔

''ہاں، یہی سمجھ لو۔'' اس نے بے حد اطمینان سے سر ہلا دیا۔

''یہ سراسر فراڈ ہے۔ چیٹ کر رہے ہو تم روشانہ کے ساتھ۔'' وہ غم و غصے سے پھٹ پڑی۔ ''تو یہ نکاح کا ڈرامہ بھی تمہاری اس گھٹیا پلاننگ کا حصہ تھا۔ مائی گاڈ، مجھے خبر ہوتی کہ تم...... تم اندر سے اتنے برے انسان ہو تو میں کبھی اتنی اچھی لڑکی کو تمہاری اس پلاننگ کی بھینٹ نہ چڑھاتی۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ آئی سے گیٹ لاسٹ۔'' وہ نفرت، غصے اور بے بسی سے چلائی اور دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر بلک بلک کر رو دی۔

طلال نے فقط مایوسی کے اظہار کے طور پر کندھے اچکائے پھر کمرے سے نکلتے نکلتے کچھ سوچ کر اس کی طرف جھک کر دھیمے مگر ٹھوس اور بے رحم لہجے میں بولا۔ ''تم بصد شوق میرے کردار کے سارے پہلو روشانہ پر آشکارا کر سکتی ہو اور اسے مزید خواب دیکھنے کی زحمت سے بچا سکتی ہو۔''

''دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' وہ حلق پھاڑ کر چلائی۔ وہ کندھے اچکا کر پلٹ گیا۔ دروازے میں کھڑی حنا سے نظریں ملیں تو حنا نے قدرے ناراضگی سے نگاہوں کا رخ پھیر لیا تھا اور لالہ رخ کے پاس چلی آئی تھی۔

''دیکھا...... دیکھا حنا تم نے اس شخص کو۔ اس نے کیا کہا، سنا تم نے؟'' حنا کو دیکھ کر وہ ایک بار پھر ضبط کھو بیٹھی۔

حنا نے بیڈ روم فریج سے جلدی سے ٹھنڈا پانی نکالا اور گلاس میں بھر کر اسے دیا۔ ''خود کو سنبھالیں لالی! ہو سکتا ہے وہ غصے میں یہ سب کہہ گئے ہوں۔''

''نہیں، یہ غصہ نہیں تھا۔ تم نے دیکھا نہیں، اس کی آنکھوں میں کتنی سفاکی اور بے رخی تھی۔'' اس نے ایک گھونٹ بھر کر گلاس حنا کو تھما دیا۔ ''مجھے اب احساس ہو رہا ہے کہ اس نے روشانہ سے شادی کا فیصلہ کیوں کیا اور منگنی کی بجائے نکاح پر کیوں زور دیا تھا۔ یہ سارا پلان اس کا پہلے سے ہی مرتب کیا ہوا تھا۔ حنا...... حنا، اس نے گیم کھیلا ہے۔ اس نے روشانہ کے جذبات کا مذاق اڑایا ہے۔ اور...... اوہ میرے خدا۔'' آنسوؤں کی یورش نے اسے نڈھال

کر دیا۔ وہ اس گلدان کی طرح بکھری نظر آ رہی تھی جو کسی اونچائی سے بہت سخت پتھریلی جگہ گرا ہو۔

''ہوش کریں لالی! خود کو سنبھالیں، پلیز اس طرح دل نہ جلائیں۔ ہم چاچو کو ایسا ہرگز نہیں کرنے دیں گے۔'' حنا نے تکیہ اٹھا کر اس کے سر کے نیچے رکھا اور اس کے بال سہلانے لگی۔

''حنا! وہ ایسا کر سکتا ہے، اور ایسا کر بھی لے گا تو اسے کون روک سکے گا؟'' اس نے حنا کا ہاتھ جکڑ لیا۔ آنسو اب بھی اس کی آنکھوں سے متواتر بہہ رہے تھے۔ ''میں روشی کو کیا منہ دکھاؤں گی، اس کا سامنا کیسے کر پاؤں گی؟ وہ...... وہ ٹوٹ جائے گی۔ اور یہ خاندان پوری طرح بکھر جائے گا۔''

''ٹیک اٹ ایزی لالی! پلیز خود کو سنبھالیں۔ ایسا کچھ نہیں ہو گا۔'' حنا یکدم خود بھی رو پڑی۔ ''میں چاچو کو سمجھاؤں گی۔ آپ بس روشانہ سے کچھ مت کہیے گا۔''

''میں نہیں کہوں گی، مگر وہ کہہ دے گا۔ وہ اتنا بے رحم ہے حنا کہ......'' وہ لب بھینچ کر چھت کو تکنے لگی۔ اسے اپنے اعصاب دھنکی ہوئی روئی کی مانند ہوا میں اڑتے محسوس ہو رہے تھے۔ اس نے جلتی آنکھیں زور سے میچ لیں۔

☆☆☆

صبح حنا اس کے کمرے میں آئی تو وہ چائے کا مگ تھامے گلاس وال سے باہر جھانکتی مضمحل دکھائی دے رہی تھی۔ رات بھر کی بے خوابی اور ذہنی پراگندگی نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔

''حنا! کیا مصطفیٰ خان سے شادی نہ کرنے کی سزا روشانہ کو سہنا پڑے گی؟''

''نہیں لالی، ایسا کچھ نہیں ہوگا۔'' حنا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''ایسا ہی تو ہو رہا ہے حنا، ایسا ہی تو ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔'' اس نے ایک گہری سانس کھینچ کر حنا کو دیکھا۔

''میں طلال کا یہ روپ اس پر کیسے آشکار کروں؟ اُس کی آنکھوں میں، میں نے طلال کا خوبصورت روپ اتنا گہرا دیکھا ہے کہ مجھ میں ہمت نہیں ہے کہ میں اسے بتاؤں کہ وہ کتنا بڑا دھوکا کھا رہی ہے۔''

''لالی! چاچو ایسے تو نہیں تھے۔ اتنے سخت دل اور بے رحم۔'' حنا کا دل طلال کے اس رویئے پر اب بھی حیران اور بے یقین تھا۔ ''وہ تو اتنے حساس تھے کہ......''

''جھوٹ تھا، مکر تھا وہ سب اس کا۔'' وہ نفرت اور تلخی سے اس کی بات کاٹ گئی۔ حنا دل گرفتہ سی اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ پھر آہستہ سے بولی۔

"دادی جان ابو سے کہہ رہی تھیں کہ لالہ رخ اگر راضی نہیں ہے تو ہم اسے مجبور نہیں کریں گے۔" وہ اس کا دل پرچانے لگی مگر لالہ رخ کے اندر کرب کی ایک لہر اتر گئی۔

"اور طلال، اس نے مجھے جیتے جی مار دینے کا عزم کر رکھا ہے۔ وہ......"

"ایک بات کہوں لالی!" حنا کچھ سوچ کر پھر کھڑکی کی طرف رخ کرتے ہوئے بولی۔ "مصطفیٰ بھائی برے تو نہیں ہیں۔ اور پھر وہ حمزہ کو بھی بہت چاہتے ہیں۔ میرا...... میرا مطلب صرف اتنا ہے کہ اگر آپ سوچیں تو یہ بات معیوب بھی نہیں ہے۔" اس نے دزدیدہ نظروں سے لالہ رخ کے چہرے کو دیکھا جہاں تکلیف دہ رنگ بکھرا ہوا تھا۔ وہ حنا کی طرف دیکھنے کی بجائے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ "اس طرح روشانہ بھی......"

"ہاں، میں جانتی ہوں، اس طرح روشانہ بھی طلال کے اس روپ سے بے خبر رہے گی۔" وہ دھیرے سے بولی۔ اس کے لبوں پر پھیلی افسردہ مسکراہٹ قدرے استہزائیہ رنگ اختیار کر گئی۔ حنا خفت محسوس کرتے ہوئے سر جھکا گئی۔

"کتنی عجیب بات ہے حنا! وہی لوگ جو ہمارے بے حد قریب ہوتے ہیں، جنہیں ہم اپنے دل سے بہت قریب محسوس کرتے ہیں، وہی ہمارے لئے الجھنیں، پریشانیاں اور دُکھ لے کر آتے ہیں۔ یہ محبت چاہے کسی بھی رشتے میں ہو، خراج کیوں مانگتی ہے حنا؟" اس کا یہ دل گیر لہجہ حنا کے دل کو تڑپا گیا۔ اس نے اس کی طرف دیکھا پھر بے اختیار اس کے کندھے پر سر ٹکا لیا۔

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے لالی! یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ چاچو کیا چاہتے ہیں اور جو کر رہے ہیں، یہ ٹھیک ہے یا غلط۔" وہ بے اختیار رو پڑی۔

لالہ رخ کے لبوں سے ایک گہری سانس نکل گئی۔ وہ کتنی دیر اس کی سسکیاں سنتی رہی۔ پھر نرمی سے اسے خود سے الگ کیا اور کمرے سے باہر چلی گئی۔

٭٭٭

نہ کوئی موسم ہمارے مابین بشارتوں کا
نہ کوئی اظہار ذہن و دل کی تہوں میں رہتا
رفاقتوں کی کہانیوں کا
نہ کوئی احساس قربتوں کا
نہ ایک بارش میں بھیگے ہم تم کہیں سے گزرے
نہ جسم و جاں کی مہک نے قدموں کو ڈگمگایا

نہ کوئی بھونچال خواہشوں کے بدن میں آیا
نہ ہم نے اک دوسرے کی آنکھوں میں خواب دیکھے
نہ ہاتھ تھامے ہوئے وفا کے سفر پہ نکلے
نہ یاد رکھا، نہ راہ بھولے
نہ ہم نے اک دوسرے کی عمروں کو ایک سطح پر لا کر
مثال حرف غلط مٹایا
نہ دل میں ایسے کسی بھی احساس کو جگایا
مگر یہ ظالم ہوا نے کیسی فضا بنا دی
کہ اب یہی راستہ ہے باقی
اب اس پہ چلنے سے پاؤں چھلنی بھی ہو رہے ہیں
تو ہونٹ سی لیں
جو خواب دیکھے تھے ہم نے
انہی کے ہونے کا زہر پی لیں!

اس کے پاس مصطفیٰ خان کے اس رشتے پر سر جھکا لینے کے سوا کوئی راہ نہ بچی تھی۔

عجیب نفرت آمیز لہریں دل کے سمندر سے اٹھ اٹھ کر اندر ہی اندر دم توڑ رہی تھیں۔ یوں بھی دل میں غم و غصے کا طوفان کروٹیں لے رہا ہو، بے بسی چیخ رہی ہو اور دل کا لہو کئے جا رہی ہو اور آدمی کچھ نہ کر سکے تو یہ بے بسی اور غم نفرت کا روپ دھار لیتی ہے، ایسی نفرت جو ہر شے سے محسوس ہونے لگے۔ اردگرد، سب چہروں سے حتیٰ کہ اپنے آپ سے بھی۔

پھر بے دلی اور بیزاری کا نیا سفر شروع ہو جاتا ہے۔

اس میں آدمی اردگرد کے اچھے برے موسموں سے کٹ جاتا ہے، الجھ جاتا ہے اور الجھتا چلا جاتا ہے۔ کسی کی محبت اور عنایت پتھر کی طرح لگتی ہے۔

جذبۂ محبت سے یقین اٹھ جاتا ہے، کبھی یہ کیفیت لمحاتی ہوتی ہے کبھی دائمی۔

اور لالہ رخ کو لگ رہا تھا وہ اس کیفیت سے اب شاید عمر بھر نہ نکل پائے گی۔

حتیٰ کو وہ حمزہ سے بھی بیگانہ ہو کر رہ گئی تھی۔

٭٭٭

مصطفیٰ خان کی کوٹھی بقعہ نور بنی ہوئی تھی۔ سب اس طرح خوش تھے جیسے اس کوٹھی میں پہلی خوشی آئی ہو، مہکتی، البیلی خوشی۔

برسوں کا جمود ٹوٹا تھا۔ دل گرفتہ اور مضمحل خاموشی میں ساز اُمڈے تھے۔
عجیب سے اکتائے ہوئے افسردہ اندھیرے تھے جن کا دم ٹوٹا تھا اور جگر جگر کرتی روشنیاں ہی روشنیاں ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پھیل گئی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا، کائنات کا سارا طلسماتی حسن یہیں سمٹ کر رہ گیا ہو۔
شادی ایک ماہ بعد تھی مگر لگ رہا تھا برات کل جانے والی ہے۔ یہ رونق، یہ ہنگامہ مورے کی ہی نہیں، خود آ کا جان کی بھی خواہش تھی۔ حویلی کو سجانے کا حکم خود انہوں نے دیا تھا بلکہ اپنی موجودگی میں برقی قمقمے لگوائے تھے جو رات کو پورے علاقے کو اپنی روشنی سے چمکاتے رہتے۔
اور ادھر دلوں کی رونق کا تو الگ ہی سماں بندھا ہوا تھا۔ مورے کو تو کسی پل قرار نہیں تھا۔ ایک ایک چیز وہ اس طرح تیار کروا رہی تھیں کہ کہیں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ جوڑے بنواتے ہوئے بھی انہیں لگتا کہ کوئی کمی سی ہے۔ ان کی اس اضطرابی کیفیت پر سب ہنس پڑتے۔
''مورے! آپ ناحق پریشان ہو رہی ہیں، وہ خود اتنی پیاری ہیں کہ ہر کپڑے اور ہر رنگ میں سج جائیں گی۔'' مجتبیٰ انہیں تسلی دیتا۔
''ہاں، یہ تو ہے۔ وہ خود اتنی پیاری ہے کہ یہ کپڑے اس کے بدن سے لگ کر قیمتی ہو جائیں گے۔'' وہ لالہ رخ کا تصور کر کے کہیں کھو جاتیں۔
''دطیفی! بس خیال رکھنا، شادی میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔'' چلتے پھرتے وہ مصطفیٰ کو پکڑ کر اسے یہی یاد دہانی کراتی رہتیں کہ فلاں دن یہ کرنا ہے، فلاں دن یہ کرنا ہے۔
مصطفیٰ خان سوچتا کہ کاش وہ بھی مورے کی طرح اپنی دلی کیفیت کو یونہی عیاں کر سکتا۔ کیسے کیسے بند ٹوٹنے کو بے چین تھے۔ لگ رہا تھا سرشاری کا کوئی ریلا ہے جو شوریدہ سر ہو کر دل کے ساحل سے نکلنے کو بے چین ہے۔
وہ ٹیرس کی ریلنگ سے لگ کر بیرونی اور اندرونی روشنیوں کا موازنہ کرنے لگا، پھر ہنس پڑا۔ ابھی تو صرف تمہاری آمد کا سن کر ہی یہ عالم ہے لالہ رخ! جب تم خود یہاں آؤ گی اپنا منور وجود لے کر تو کتنی روشنی ہو جائے گی، برسوں کا ویرانہ مہک اٹھے گا۔ پھول، ستارے، رنگ، بہار سب تمہارے آنے سے مہکیں گے۔ اس نے آنکھیں بند کر کے جیسے اس کے مہکتے وجود کا تصور کیا۔

امید کہ لو جاگا غمِ دل کا نصیبہ
لو شوق کی ترسی ہوئی شب ہو گئی آخر

لو ڈوب گئے درد کے بے خواب ستارے
اب چمکے گا بے صبر نگاہوں کا مقدر
اس بام سے نکلے گا ترے حسن کا خورشید
اس کنج سے پھوٹے گی کرن رنگِ حنا کی
اس در سے بہے گا تیری رفتار کا سیماب
اس راہ پہ پھوٹے گی شفق تیری قبا کی

وہ کتنی ہی دیر تک یونہی کھڑا اپنی کیفیت پر خود ہی انجوائے کرتا رہا اور جلتے بجھتے چھوٹے چھوٹے برقی قمقموں کو دیکھتا اور محسوس کرتا رہا۔

***

مصطفیٰ خان کے گھر والوں کی طرف سے لالہ رخ کے لئے جو جوڑا بھیجا گیا تھا، اسے لالہ رخ نے زیب تن کرنے سے انکار کر دیا تھا۔
ہلکے کام والی پشواز نے ہر دیکھنے والی آنکھ کو خیرہ کیا تھا۔ سب نے اس جوڑے کو توصیفی نگاہوں سے دیکھا تھا، ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ جوڑا بے حد محبت، اپنائیت اور توجہ سے بنوایا گیا ہو اور لالہ رخ کے نازک سراپے کے لئے ہی بنایا گیا ہو۔
مگر لالہ رخ کے اس انکار نے جہاں سب کو اداس کر دیا، وہاں رفیعہ بیگم کو فکرمند بھی۔
''لالی! بہت بری بات ہے یہ تو۔ اس طرح تو ان کا دل ٹوٹ جائے گا۔ کتنی چاہ سے انہوں نے بنوایا ہوگا۔'' انہوں نے نرمی سے اسے سمجھانا چاہا۔
''دل تو ہوتے ہی ٹوٹنے اور بکھرنے کے لئے ہیں امی!'' وہ افسردگی سے ہنس کر کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔
سردیوں کے اوائل دن تھے۔ ٹھنڈے جھونکے آ رہے تھے، مگر اس کے اندر کی آگ کو بجھا نہ پا رہے تھے۔ جو آگ اندر بھڑک رہی تھی، وہ ہر روز بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ گھر والوں کے موڈ کے پیشِ نظر زیادہ ہلا گلا نہیں کیا جا رہا تھا۔ لڑکیاں بھی اپنی تیاریاں کرتے ہوئے چور نگاہوں سے لالہ رخ کو دیکھتیں۔ کوئی نادان نہ تھا جو نہ سمجھ سکتا کہ لالہ رخ بحالت مجبوری اس رشتے پر راضی ہوئی ہے، گو کہ طلال کی دھمکی سوائے حنا کے کسی کے علم میں نہ تھی۔
''بیٹا! اس طرح نہ کر، میرا کلیجہ غم سے پھٹنے لگتا ہے۔'' رفیعہ بیگم نے اس کے پاس آ کر اس کے کندھے پر اپنا کانپتا ہاتھ رکھ دیا۔ شدتِ کرب سے وہ لب بھینچ کر رہ گئی۔
''کیا کر رہی ہوں میں، جو آپ لوگ چاہتے تھے، وہی تو ہو رہا ہے، اس سے زیادہ میں

کیا کروں؟"
"ہم تو تیری خوشی چاہتے ہیں بس، تیرے لبوں پر مسکراہٹ کے خواہش مند ہیں
سے زیادہ اور کچھ نہیں چاہتے ہم۔"
"آپ کیا سمجھتی ہیں، تقدیر کی ڈور آپ کے ہاتھوں میں ہے کہ اس رسی کو ہلائیں
خوشیاں جھر جھر میری جھولی میں گرنے لگیں گی؟" وہ تلخی سے رفیعہ بیگم کی بات کاٹ گئی۔
ہی خوشی اور مسکراہٹ میری دسترس میں ہے۔ اگر ہوتی تو میں آپ کو مایوس نہ کرتی۔"
سی دل گرفتگی لالی کے دل پر پھر ضرب لگانے لگی۔ "نہیں امی، یاس کی تاریکی میں میرے لئے
ایک راہ ہی بچی تھی جسے میں سمجھوتا کہتی ہوں، اور سمجھوتے میں خوشیاں، مسکراہٹیں نہیں ہوتیں
سمجھوتا تو بس سمجھوتا ہوتا ہے۔ سویران، خاموش صحرا کی طرح جس پر آپ بد دلی اور بیزاری
کے عالم میں چلتے چلے جائیں۔ وہاں کوئی موڑ نہیں آتا، کوئی گلستان، کوئی نخلستان نہیں آتا۔"
رفیعہ بیگم پر ایک سرد نگاہ ڈال کر باتھ روم میں جا کر منہ دھونے لگی۔
"مگر تدبیر کا راستہ بھی تو خود اللہ نے رکھا ہے جس سے گزر کر ہی تقدیر کو پایا جاتا ہے
کچھ تقدیریں تدبیروں اور دعاؤں کے تابع ہوتی ہیں۔" طلال دروازے میں جانے کب سے
کھڑا تھا، اندر آتے ہوئے بولا۔
وہ بیسن کے اوپر لگے آئینے سے اس پر ایک چبھتی نگاہ ڈال کر رہ گئی۔ جبکہ رفیعہ بیگم نے
اضمحلال سے ایک گہری سانس کھینچ کر جوڑا بکس کے اندر رکھتے ہوئے بولیں۔ "ایئرپورٹ
جاؤ گے نا اسد کی فیملی کو لینے؟" وہ دانستہ موضوع بدل گئیں۔ وہ کوئی بدمزگی نہیں چاہتی تھیں
"میں تو نہیں، جاذب جائے گا۔ مجھے ہاسپٹل جانا ہے ابھی۔" اس نے رسٹ واچ پر
ایک نظر ڈالی پھر یونہی ایک اچٹتی نگاہ اس جوڑے پر ڈالی جو رفیعہ بیگم ڈھیلے ہاتھوں سے
کے بکس میں قرینے سے رکھ رہی تھیں۔ اس کے اندر سے غصے اور تاسف کی ایک لہر اٹھی
اسے لالہ رخ کی کم عقلی پر بے انتہا غصہ آیا، تاہم وہ کچھ بولا نہیں اور رفیعہ بیگم کے ہمراہ
نکل گیا۔

☆☆☆

اسد ماموں کی فیملی کے آنے سے گھر میں ہلچل سی مچ گئی تھی۔ روشانہ تو بے حد خوش تھی
لالہ رخ کی شادی کے لئے رفیعہ بیگم نے اس کے لئے خصوصی دو جوڑے سلوائے تھے
"واہ کیا عیش ہیں آپی کے تو۔" پلوشہ نے اس کا جوڑا دیکھ کر ٹھنڈی سانس بھری۔
"دل چھوٹا مت کرو، عنقریب تمہارے بھی ایسے ہی عیش ہوں گے۔" حنا نے ا

دی تو وہ جھینپ گئی۔ بہرحال وہ اتنی نادان بھی نہ تھی کہ سعدیہ پھوپھو کی والہانہ محبت، خرم کی
معنی خیز نگاہوں کی شرارت کو سمجھ نہ پاتی۔ اور سعدیہ پھوپھو اور اس کے پاپا کے درمیان ہونے
والی گفتگو بھی وہ سن چکی تھی۔
"میں تو یونہی کہہ رہی تھی۔" وہ جھینپی جھینپی بولی۔
"تو میں بھی یونہی کہہ رہی تھی۔" حنا دوبدو بولی۔
"بہت بدتمیز ہو۔" وہ اسے کشن مارنے لگی۔
"بالکل خرم کی طرح، ہے نا؟" حنا یہ کہہ کر کھلکھلا پڑی۔

☆☆☆

لالہ رخ اپنی کچھ چیزیں لینے مارکیٹ آئی تھی۔ روبی اور حنا بھی اس کے ہمراہ چلی آئیں۔
انہیں ٹیلر سے اپنے کپڑے لینے تھے۔ حنا کو چند چیزیں اور بھی لینی تھیں۔
"تم ایسا کرو اپنی خریداری کرلو، میں بک شاپ میں ہوں۔" لالہ رخ نے حنا سے کہا اور
حمزہ کی انگلی پکڑے اپنی مخصوص بک شاپ میں داخل ہوگئی۔ بک شاپ کا مالک لڑکا اسے دیکھ
کر مارکیٹ میں آنے والی کتابیں نکال کر دکھانے لگا۔ اس نے حمزہ کو چپس کا پیکٹ خرید کر
دے دیا اور خود کتابیں دیکھنے لگی۔ پھر ریک میں سجی رنگین جلدوں والی کتابوں کا معائنہ کرنے
لگی کہ اچانک کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر "بھابی" کہہ کر مخاطب کیا تھا۔
وہ ٹھٹکا کر پلٹی۔
"اوہ، سوری، لالہ رخ آپ!" وہ ثانیہ تھی، سیف الرحمٰن کی بہن، اس کی سابقہ نند جو بے
اختیار بھابی کہنے پر کچھ شرمندہ سی دکھائی دے رہی تھی۔ "پہچانا آپ نے مجھے؟" وہ لالہ رخ
کے چہرے پر نگاہ ڈال کر بولی۔ "دراصل بہت موٹی اور بھدی ہوگئی ہوں نا، شاید آپ نہ
پہچان سکیں۔"
لالہ رخ نے اس دھچکے پر خود کو سنبھال کر ہلکی سی سانس بھری اور رسمی مسکراہٹ کے ساتھ
سر اثبات میں ہلا دیا۔ "ہاں، کیسی ہو؟" اس نے اخلاقاً پوچھا۔ "شادی ہوگئی تمہاری؟"
"ہاں، دو سال ہوگئے ہیں۔" وہ بولی۔ پھر لالہ رخ کے سراپے پر ایک توصیفی نگاہ ڈال
کر بولی۔ "آپ تو بالکل نہیں بدلیں، ویسی ہی اسمارٹ، چارمنگ۔ ارے یہ حمزہ تو نہیں؟" اس
کی نگاہیں یکدم حمزہ پر گئیں تو حیرت اور خوشی سے اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ لالہ رخ غیر
شعوری طور پر کانشس ہوگئی۔ حمزہ کی کلائی پر اس کی گرفت کچھ اور مضبوط ہوگئی۔
"اتنا بڑا ہو گیا ہے اور اتنا پیارا۔ کیا میں اسے پیار کرسکتی ہوں؟" وہ اپنا شاپر اور بیگ

کاؤنٹر پر رکھ کر حمزہ کی طرف جھکی۔ اس سے پہلے کہ لالہ رخ کوئی مناسب جواب دیتی، اس نے جھٹ سے حمزہ کو گود میں اٹھا لیا۔ وہ اس حملے پر گھبرا کر بسور کر لالہ رخ کو دیکھنے لگا۔ تانیہ فرطِ مسرت سے اس کے سرخ سرخ رخسار چومنے لگی۔

''کتنا پیارا اور بڑا ہو گیا ہے۔'' بے اختیار اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ پھر اس نے اسے گود سے اتار کر لالہ رخ کی طرف دیکھا۔ ''سیف بھائی تو اب بھی آپ کو یاد کرتے ہیں لالہ رخ! بلکہ وہ بھولے ہی نہیں آپ کو۔'' اس کا لہجہ دھیما اور افسردگی لئے ہوئے تھا۔ پھر ایک پُرملال سانس کھینچتے ہوئے بولی۔ ''یقین کریں، مجھے آپ کو دیکھ کر ایک انوکھی خوشی ہوئی ہے کہ بتا نہیں سکتی۔ آپ سے ملنے کی شدید خواہش تھی مجھے۔ صرف ایک بار ملنا چاہتی تھی اور اپنے اندر کا وہ ملال دور کرنا چاہتی تھی جو کسی پل چین نہیں لینے دیتا ہے۔''

''تانیہ پلیز، اب ان باتوں کا وقت نہیں رہا۔'' وہ ایک کرب سے اس کی بات کاٹ گئی۔

''ایسے نہ کہیں۔ مجھے تو آپ سے بہت کچھ کہنا ہے۔'' تانیہ کے لہجے میں بے قراری تھی جسے لالہ رخ نظر انداز کرتے ہوئے پلٹنے لگی کہ اس نے جلدی سے اس کا بازو پکڑ لیا۔ ''پلیز لالہ رخ! صرف ایک بار میری بات تو سن لیں، میں زیادہ وقت نہیں لوں گی۔'' اس کی آنکھوں میں، لہجے میں التجا مچل رہی تھی، اس کی نگاہیں حمزہ پر گاہے بگاہے اٹھ کر بکھر رہی تھیں۔

''ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں رہا تانیہ! اس پُل کے نیچے سے تو بہت سا پانی گزر چکا ہے۔ سب کچھ بہہ گیا ہے۔''

''اس کے باوجود میں آپ سے کہیں بیٹھ کر بات کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ بات کاٹ کر منت بھرے لہجے میں گویا ہوئی۔ لالہ رخ عجیب طرح کی بے بسی محسوس کر کے رہ گئی۔ بادل ناخواستہ اس کے قدم تانیہ کے ساتھ اٹھنے لگے۔ وہ شاپ سے باہر آ گئیں اور قریبی کیفے ٹیریا میں آ کر بیٹھ گئیں۔

لالہ رخ نے یکسر حنا اور روبی کو فراموش کر دیا تھا۔ اس کے دل کی حالت عجیب سی ہو رہی تھی۔ ماضی کا دکھ، سکھ سارا کا سارا نگاہوں تلے لہرا رہا تھا۔

دونوں کے درمیان کتنی ہی دیر بے نام سی خاموشی چھائی رہی۔ سکوت کے یہ لمحے بوجھل بوجھل سے تھے جیسے ہر لمحہ سسک سسک کر گزر رہا ہو۔ کچھ دیر بعد تانیہ نے حمزہ کے چہرے سے نگاہیں ہٹائیں اور لالہ رخ کی طرف دیکھا۔ شاید وہ الفاظ جمع کر رہی تھی یا بات کرنے کے لئے کوئی سرا ڈھونڈ رہی تھی۔

''آپ کا گھر توڑنے میں پچاس فیصد میرا ہاتھ تھا تو پچاس فیصد صائمہ آپا کا۔'' وہ آہستگی سے گویا ہوئی جیسے کوئی مجرم عدالت میں اپنے جرم کا اعتراف کر رہا ہو۔

''مگر میں تو کسی کو الزام نہیں دیتی۔'' لالہ رخ نے ایک گہری سانس کھینچ کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی۔

''یہ آپ کی بڑائی ہے، عظمت ہے۔ مگر افسوس اس بات کا ہے کہ صائمہ آپا اور اماں جو چاہتی تھیں، وہ کر گزریں اور اس کے بعد مطمئن بھی ہیں، انہیں احساسِ ندامت بھی نہیں ہے۔'' تانیہ کے لبوں پر عجیب کڑواہٹ ابھر کر معدوم ہو گئی تھی۔

''صائمہ آپا نے میری شادی اپنے دیور ہارون سے کروائی۔ بے شک ہارون ایک اچھا انسان ہے، مجھے اس سے کوئی تکلیف بھی نہیں ہے۔'' وہ ایک پل کے لئے رُکی، پھر عجیب کرب سے گزرتے ہوئے سر جھکا کر ٹیبل پر انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی۔ ''اور اپنی نند صبوحی سے سیف بھائی کی شادی کرا کے دم لیا۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے لالہ رخ کی طرف دیکھنے سے گریز کیا۔

''صبوحی اچھی یا بری بہو ثابت ہوئی، یہ الگ بات ہے۔ اور شاید بہو تو اچھی بھی ہو، تب بھی ساس اس سے کبھی مطمئن نہیں ہوتی۔ چنانچہ امی بھی نہیں ہو سکیں۔ سیف بھائی کی ایک بیٹی ہے۔ مگر لالہ رخ، ایسا لگتا ہے کہ سیف بھائی خوش نہیں ہیں۔'' وہ ایک افسردہ سانس کھینچ کر کرسی سے ٹیک لگا کر کھوئے کھوئے لہجے میں بولی۔ ''یہی تو المیہ ہے کہ ہمیں ہمیشہ اچھائی کی قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے جب ہم اس اچھائی کو کھو دیتے ہیں، اس کی قدر اس وقت نہیں کر پاتے جب وہ ہماری دسترس میں ہوتی ہے۔'' اس نے لالہ رخ کی طرف دیکھا، عجیب سی اُداسی اس کے چہرے کا احاطہ کئے ہوئے تھی۔

''میں نے سیف بھائی کو ان گزرے ماہ و سال میں شاذ و نادر ہی خوش دیکھا ہو گا۔ وہ بہت بدل گئے ہیں لالہ رخ! وہ پہلے جیسے نہیں رہے۔ صبوحی بھابی اپنی ہر بات ان سے منوا لیتی ہیں، جائز ناجائز اور وہ کسی روبوٹ کی طرح ان کے آگے سر تسلیم خم کرتے رہتے ہیں۔ امی کو یہ بات ناگوار گزرتی ہے۔ وہ بھائی پر چیختی ہیں، تب بھی وہ سر جھکا کر سن لیتے ہیں، امی اور بھابی میں معرکہ آرائی ہوتی رہتی ہے، کبھی صائمہ آپا بھی شامل ہو جاتی ہیں۔ اس طرح گھر میدانِ جنگ کا منظر پیش کرنے لگتا ہے۔ مگر سیفی بھائی خاموش تماشائی بنے ایک طرف کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کبھی استہزائیہ مسکراہٹ ان کے لبوں کا احاطہ کئے ہوتی ہے تو کبھی گہری اداسی جھلکتی دکھائی دیتی ہے۔''

’’بس کرو تانیہ! پلیز چپ کرو۔ آخر تم یہ سب مجھے کیوں بتا رہی ہو؟‘‘ اچانک لالہ رخ اندرونی کرب کو دبا کر چلائی۔ اس کے چہرے سے برہمی جھلک رہی تھی مگر اس کی آنکھوں میں غصے سے زیادہ وحشت اور دُکھ رقم تھا۔ ’’آخر تم یہ سب مجھے کیوں بتا رہی ہو، کیا چاہتی ہو تم؟‘‘

’’آئی ایم سوری۔ مجھے یہ باتیں آپ سے نہیں کرنی چاہئے تھیں۔ مگر...... مگر لالہ رخ جانے کیوں آپ کو دیکھ کر میں یہ بند توڑ بیٹھی۔‘‘

لالہ رخ نے آہستگی سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ ’’ہم سب تقدیر کے تابع ہیں تو پھر کیوں ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہرائیں؟‘‘ اس کی آواز بہت پست تھی، اس میں عجیب طرح کی اداسی اور دل گرفتگی رچی تھی۔

’’مگر انسانوں کے رویئے تو تقدیر کے تابع نہیں۔ یہ تو قدم قدم پر اذیت اور تکلیف کا باعث بنتے ہیں اور تقدیر میں لکھے دُکھوں میں اضافہ کر دیتے ہیں۔‘‘ تانیہ کا لہجہ مغموم تھا۔ پھر ایک افسردہ سانس کھینچ کر اس نے لالہ رخ کی طرف دیکھا۔ ’’میں اسی وقت اپنے جرم کا اعتراف کر لینا چاہتی تھی مگر اماں اور صائمہ آپا نے مجھے بے دست و پا کر دیا۔ میں چاہتے ہوئے بھی سیف بھائی کو اس اقدام سے نہ روک سکی...... کیا آپ سیفی بھائی کو قصور وار نہیں سمجھتیں؟ آپ کو ان سے کوئی شکوہ نہیں ہے، چہ جائیکہ انہوں نے......‘‘

’’بس کرو تانیہ!‘‘ اس نے تڑپ کر اسے ٹوک دیا۔

’’اگر بھائی کو خبر ہو کہ آپ انہیں قصور وار نہیں سمجھتیں تو وہ کتنے خوش ہوں گے۔‘‘ تانیہ اپنے ہی دھیان کی رو میں بولی۔

’’تو تم اپنے بھائی کی خوشی کا سامان کرنے نکلی ہو۔‘‘ وہ کرب آمیز نظروں سے تانیہ کو دیکھ کر رہ گئی، پھر پرس اٹھا کر اٹھنے لگی کہ تانیہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

’’ہاں، اگر میرے بس میں ہو تو میں انہیں وہ ساری خوشیاں لوٹا دوں جو ان سے چھن چکی ہیں۔‘‘ پھر حمزہ کی طرف دیکھ کر بولی۔ ’’کیا میں حمزہ سے ملنے کبھی کبھی آ سکتی ہوں آپ کے گھر؟‘‘

’’میری شادی ہو رہی ہے تانیہ!‘‘ وہ ایک کرب سے گزرتے ہوئے آہستگی سے بولی۔

یقیناً تانیہ کے لئے یہ انکشاف اعصاب پر پڑنے والے پتھر کی طرح تھا۔ وہ کتنی دیر گم صم سی اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

’’میں مردان جاؤں گی۔ اور حمزہ بھی میرے ساتھ جائے گا۔‘‘

’’یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔ کون ہے وہ خوش نصیب جس نے آپ کا ہاتھ تھاما ہے؟‘‘ خود کو سنبھال کر ہلکے سے مسکرائی تھی۔ اس کے دل کے کسی گوشے سے افسردگی سی پھوٹتی تھی۔

لالہ رخ نے سوچا، وہ کہہ دے کہ وہ تو ایک بدنصیب شخص ہے جو اپنی محبت ایک خالی ویران گھر پر لٹا رہا ہے مگر ظالم بھی اتنا ہے کہ اس سے سب کچھ چھین رہا ہے۔ اس کا ماضی، اس کی یادیں، اس کے روز و شب کی عادتیں اور شاید اس کا بیٹا بھی۔

ایک دم ہڑبڑا کر اس نے حمزہ کی انگلی پکڑ لی اور تانیہ کی طرف فقط مسکراہٹ اچھالی۔

’’کب ہے شادی؟‘‘ تانیہ پوچھ رہی تھی۔ اسی دم حنا اور روبی کیفے میں داخل ہوئیں۔ روبی کا سانس کسی حد تک پھولا ہوا تھا۔

’’تھینکس گاڈ، تم ہمیں اس شیشے میں نظر آ گئیں۔ ورنہ میں اور حنا تو پریشان ہو گئے تھے۔‘‘ وہ دونوں تانیہ کو دیکھ چکی تھیں مگر نظر انداز کئے لالہ رخ کے قریب چلی آئیں گویا تانیہ کو پہچانا ہی نہ ہو۔

’’اوکے، میں چلتی ہوں۔‘‘ تانیہ ٹیبل سے اپنا شاپر اور بیگ اٹھا کر چلی گئی۔

’’یہ تانیہ تھی۔ پہچانا تم دونوں نے؟‘‘ لالہ رخ نے جاتی ہوئی تانیہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

’’ہاں، غالباً شادی ہو گئی ہے اس کی۔‘‘ روبی کی تجربہ کار نظریں تانیہ کے سراپے میں الجھی تھیں۔ پھر خفیف سے انداز میں سر جھٹک کر حمزہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ’’چلو گھر چلیں۔‘‘

لالہ رخ نے محسوس کیا وہ دونوں تانیہ کو دیکھ کر بدمزہ ہو گئی تھیں اور شاید اس کے ذکر سے بھی گریز کر رہی تھیں۔

وہ تینوں گاڑی میں آ کر بیٹھیں تو لالہ رخ کے ذہن و دل پر ماضی کسی ہتھوڑے کی طرح لگ رہا تھا۔ تانیہ کا غمزدہ چہرہ اور اس کے لہجے کا کرب اسے عجیب احساسات سے دوچار کر گیا تھا۔

⁂☆⁂

سامنے اِک فاصلہ ہے سلسلہ در سلسلہ
اِک سفر کی ابتدا ہے اِک سفر کی انتہا
آسماں خاک پر ہے چاند تاروں کا شمار
بے جہت سے راستے ہیں اور صدیوں کا غبار
دُھند بن کر چھا رہے ہیں سب سسکتے واقعات

منقطع ہیں رابطے سب اور ہے تاریک رات
اِک سکوتِ برف پر ہے چند کرنوں کی پکار
بے جہت سے راستے ہیں اور صدیوں کا غبار
نقش اِک جو روح پر ہے وہ کسی کا راز ہے
ان سنا جو رکھ لیا ہے وہ کمالِ ساز ہے
پیش منظر میں خزاں ہے اور پس منظر بہار
بے جہت سے راستے ہیں اور صدیوں کا غبار

تانیہ اسے جھنجوڑ گئی تھی۔ اس کی ذہنی پراگندگی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ ماضی کسی جال کی طرح اسے جکڑتا جا رہا تھا۔

''سیف بھائی خوش نہیں ہیں لالہ رخ! وہ بہت بدل گئے ہیں، پہلے جیسے نہیں رہے۔ ملا نے انہیں شاذ و نادر ہی خوش دیکھا ہے۔ اگر انہیں پتہ چلے کہ آپ انہیں قصوروار نہیں سمجھتیں تو وہ بہت خوش ہوں گے۔''

''اُف......'' اُس نے آنکھیں زور سے میچ کر کروٹ بدلی مگر تانیہ کے جملے اس کے ذہن پر ضرب لگاتے رہے۔

''اگر میرے بس میں ہو تو میں انہیں وہ ساری خوشیاں لوٹا دوں جو ان سے چھن چکی ہیں۔ جو لمحے چرا کر لے گئے ہیں۔'' اسے لگا تانیہ کا نہیں، سیف الرحمٰن کا لہجہ بھیگ رہا ہو۔ اس کی نگاہوں کے سامنے تانیہ کی بجائے سیف الرحمٰن آ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ آنکھیں کھول کر ایک وحشت کے عالم میں اٹھ بیٹھی۔

''کیا...... کیا ہوا لالی؟'' روشانہ نے گھبرا کر سائیڈ لیمپ روشن کرتے ہوئے لالہ رخ کو دیکھا۔

''کک...... کچھ نہیں، پیاس لگ رہی ہے۔'' اس نے سر جھٹک کر بالوں میں ہاتھ پھیرا اور بیڈ سے اتر کر فریج کی طرف بڑھی۔

''آپ کو نیند نہیں آ رہی ہے۔'' روشانہ نے نرمی سے اس کے کندھے کو تھاما تو وہ رک کر پلٹی۔ وہ بیڈ سے اتر کر اس کے نزدیک چلی آئی۔ پھر فریج سے بوتل نکال کر پانی کا گلاس انڈیل کر اسے دیا۔ وہ قریبی کرسی پر بیٹھ کر دھیرے دھیرے پانی کے گھونٹ بھرنے لگی۔

''کیا بات ہے، آپ بہت ڈپریسڈ ہیں؟'' روشانہ اس کے نزدیک دو زانو ہو کر بیٹھ گئی۔ لالہ رخ نے لبوں سے گلاس ہٹا کر اس کا معصوم موہنا چہرہ دیکھا جہاں آنکھوں میں

اس کے لئے محبت کا جہاں آباد کئے بیٹھی تھی۔ اس کے لئے فکرمند اور پریشان دکھائی دے رہی تھی اس نے گلاس تپائی پر رکھ کر نرمی سے اس کے بکھرے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

''نہیں، میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بس نیند جانے کیوں نہیں آ رہی ہے۔ مگر تم کیوں جاگ رہی تھیں؟''

''مجھے بھی نیند نہیں آ رہی ہے۔'' اس نے ایک گہری سانس کھینچی۔ ''لالی! مصطفیٰ بھائی بہت اچھے ہیں۔ وہ آپ کو بہت سکھی رکھیں گے۔ ان سے آپ کو بہت محبت ملے گی۔'' وہ اس کا ہاتھ اپنے سر سے ہٹا کر اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر دبانے لگی۔ لالہ رخ کے چہرے پر ایک کرب سا بکھر گیا۔

''میرے دل میں نہ اب ایسی خواہش ہے نہ تقاضے۔ اور یہ رشتہ یوں بھی ان بنیادوں پر قائم ہی نہیں ہو رہا کہ میں اس طرح کی توقعات باندھ کر جاؤں۔'' وہ ملول سے انداز میں ہنس دی۔ ''محبت مانگنے اور توقع رکھنے سے بھی کب ملتی ہے۔'' اس نے کرسی کی گداز پشت سے سر ٹکا لیا۔ پھر اچانک روشانہ کی طرف بغور دیکھنے لگی۔ اس کا دل اندر ہی اندر بکھرنے لگا۔

''روشی! زندگی میں کبھی بھی خود کو محبت کے حوالے مت کرنا۔ یہ تو سمندر کی اٹھنے والی لہروں کی طرح کبھی تو ہمیں بہت اوپر اٹھا دے گی اور کبھی جا کر ساحل کی ریت پر پٹخ دے گی کہ ہمارا وجود ریت میں جذب ہونے لگتا ہے اور فنا ہو جاتا ہے۔ یہ محبت فنا کر دیتی ہے، تباہ کر دیتی ہے۔ روح کا رشتہ محبت سے مت جوڑنا، اسے صرف اوڑھے رکھنا، جسم کی کھال مت بنانا۔''

''نہیں لالی! محبت تو ہوتی ہی روح کا آزار ہے۔ اس میں انسان غیر محسوس طور پر فنا ہو جاتا ہے، خود کو مٹا کر ہی تو وہ محبت حاصل کر پاتا ہے۔'' روشانہ ہلکے سے مسکرائی۔

''مگر روشی! کچھ بدنصیب ایسے بھی تو ہوتے ہیں جو خود کو فنا کرنے کے باوجود محبت سے محروم رہتے ہیں اور غلط فہمی میں مارے جاتے ہیں۔'' اس کا لہجہ بکھری ہوئی دھول کی طرح تھا، غیر متوازن تھا۔

''نہیں، محبت کا سفر دشوار گزار ضرور ہے مگر ناکام نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ جسے پورے خلوص سے چاہیں، وہ آپ کی بالکل پرواہ نہ کر رہا ہو۔'' وہ اپنے موقف پر ڈٹی رہی۔ لالہ رخ اس کی معصومیت اور نادانی پر افسردگی سے ہنس دی۔

''اور اگر کوئی پورے خلوص سے چاہ رہا ہو مگر ہم ہی پرواہ نہ کر رہے ہوں، اس خلوص کے

جواب میں کچھ نہ دے سکنے پر مجبور ہوں تو پھر؟'' وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

''یہ سراسر ظلم اور سفا کی ہوگی۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولی۔ لالہ رخ شدتِ کرب سے اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ پھر جیسے اندرونی خلفشار سے گھبرا کر اس کا ہاتھ تھاما۔

''اتنی شدت سے سوچتی ہو تم۔ اس طرح نہ سوچا کرو۔ زندگی کو بہت سادہ سے انداز میں دیکھو۔ پاگل نہ بنو۔'' اس نے لب دانتوں میں جکڑ کر آنکھیں میچ لیں۔ اس کی آنکھوں کے آگے طلال کا چہرہ بننے اور مٹنے لگا۔

''خلوص سے بڑھے ہوئے ہاتھ کو تھام لینا عقل مندی ہے لالی!'' وہ اس کے دل میں آنے والے خیال سے بے خبر پس پردہ اسے مصطفیٰ خان کے حق میں دلائل دے رہی تھی۔

لالہ رخ کے لبوں پر پھیکی سی ہنسی بکھر گئی۔

(چاہے ہمارے پاس اس خلوص کے جواب میں صرف ہاتھ بڑھا دینے کا ہی اختیار ہو اور کچھ نہ ہو۔ خالی دل، خالی دامن، خالی ہاتھ تھام کر بہل جاتے ہیں کیا یہ محبت کرنے والے! کیا صرف چاہنے کی دھن میں ہی عمر بسر کر سکتے ہیں یہ چاہنے والے؟ کبھی انہیں چاہے جانے کی طلب نہ ہوگی کیا؟)

یکدم وہ اپنے ہی خیالات سے گھبرا کر کرسی سے اٹھ گئی اور بیڈ پر آ کر لیٹ گئی۔

ذہنی تھکن نے جسم کو بھی تھکا ڈالا تھا۔ اسے اپنا جوڑ جوڑ دکھتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

(میرے پاس اس ''چاہنے والے'' کو جواب میں دینے کو کچھ نہیں ہے۔ میری طرح وہ بھی عمر بھر نامکمل رہے گا، چاہے جانے کی آرزو کے اس سفر میں لا حاصلی ہی اس کا مقدر رہے گی۔)

اس کا دل مصطفیٰ خان کے لئے ہنوز سکڑا ہوا تھا۔

☆☆☆

دوسرے روز تانیہ چلی آئی۔ اس کی غیر متوقع آمد نے سب کو ہی دھچکا پہنچایا تھا مگر لالہ رخ چاہنے کے باوجود بے مروتی نہ برت سکی۔ لونگ روم میں اس کے آتے ہی سب ایک ایک کر کے اٹھ کر چلی گئیں۔ فقط لالہ رخ رہ گئی اور حمزہ جسے تانیہ نے پیار سے اپنے قریب بٹھا لیا۔

''میں شرمندہ ہوں۔ مجھے یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔ مگر پتہ نہیں کیوں میں دل کو نہ روک سکی۔'' وہ شرمندگی سے کہہ رہی تھی۔

''تمہارا آنا دراصل سب کے لئے غیر متوقع تھا۔ یوں بھی ہم جتنے بھی آزاد خیال ہو جائیں، اندر سے وہی روایت پرست لوگ ہی رہتے ہیں۔ تمہارا ادھر آنا ہماری روایت کے خلاف ضرور ہے مگر شریعت کے خلاف نہیں۔ بہرحال تم یہ شربت پیو۔'' لالہ رخ نے ایک ہلکی سی سانس کھینچ کر تانیہ کو دیکھا۔

''دراصل میں حمزہ کو دیکھنے چلی آئی۔'' تانیہ اپنے آنے کی وضاحت پھر پیش کرنے لگی تو لالہ رخ نے اسے ٹوک دیا۔

''میں تمہیں حمزہ سے ملنے سے نہیں روکوں گی۔ مگر پلیز تانیہ! آج کے بعد تم ادھر مت آنا۔ میں ماضی کے حوالے سے روز جینا مرنا نہیں چاہتی۔'' وہ صوفے سے کھڑی ہوگئی اور لونگ روم سے نکل گئی۔

تانیہ کچھ دیر بیٹھ کر چلی گئی۔ وہ حمزہ کے لئے کافی تحائف لائی تھی جو ٹیبل پر رکھ گئی تھی۔

اس کے بعد شام کو اس نے لالہ رخ کو فون کیا اور معذرت کرنے لگی۔

''میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا لالہ رخ! آپ کو شاپنگ سینٹر میں دیکھ کر دل بے قرار ہو گیا، پرانے زخم تازہ ہو گئے اور بس دل خواہش کر بیٹھا ملنے اور دیکھنے کی۔'' وہ افسردگی سے کہنے لگی۔ لالہ رخ چپ رہی۔ یوں بھی اس کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا۔

''میں نے امی کو بتایا کہ حمزہ بہت پیارا ہو گیا ہے اور لالہ رخ اب بھی ویسی ہی ہیں۔ آپ کی شادی کا بھی بتایا اور یہ گفٹس سارے سیف بھائی نے بھیجے ہیں حمزہ کے لئے۔'' آخری جملہ اس نے آہستگی سے ادا کیا۔ لالہ رخ نے بے اختیار چہرہ موڑ کر قالین پر جا بجا بکھرے کھلونوں کو دیکھا جن سے حمزہ کھیلنے میں منہمک تھا۔ اس کے دل میں تیر سا پیوست ہو گیا۔ ''میں آپ کو ڈسٹرب کرنے پر معذرت خواہ ہوں، مگر پلیز آپ شادی سے پہلے ایک بار مجھ سے بات ضرور کر لیجئے گا اور حمزہ سے بھی اگر بات کرا دیں تو......'' وہ التجا آمیز لہجے میں بولی۔

لالہ رخ نے کوئی جواب نہیں دیا اور ریسیور رکھ دیا۔ کچھ دیر یونہی فون اسٹینڈ کے پاس بوجھل دل سے کھڑی رہی پھر مڑی تو نظریں طلال پر پڑیں جو سرخ چہرہ لئے اس کے وارڈروب کے پاس کھڑا تھا۔

''تانیہ کا فون تھا؟'' اس کے متوجہ ہونے پر طلال نے ابرو اچکا کر اسے برہمی سے دیکھا۔

''ہاں۔'' وہ سر جھکا کر قالین پر بیٹھ گئی اور کھلونے سمیٹنے لگی۔

''وہ خود بھی آئی تھی صبح۔'' وہ چلتا ہوا اس کے قریب آیا، پھر بکھرے کھلونوں اور اِدھر اُدھر بکھرے رنگین خالی ڈبوں اور پیکنگ ریپرز کو دیکھ کر اپنے اندر سے اٹھتے غصے کے ابال کو

بمشکل دباتے ہوئے بولا۔ ''یہ سب کچھ بھی وہی دے گئی ہے؟''

''ہاں، وہی لے کر آئی تھی۔ اور یہ سب سیف الرحمٰن نے بھیجے ہیں حمزہ کے لئے۔'' وہ
ایک ایک لفظ چبا کر بولی اور کھلونا اٹھاتے ہوئے کھڑی ہوئی کہ طلال نے مارے غصے کے
اس کے سمیٹے ہوئے کھلونوں پر ٹھوکر ماری۔ چابی سے متحرک ہو جانے والے نفیس کھلونے کچھ
ہی اچھل کر دیوار سے جا لگے، کچھ صوفوں کے نیچے لڑھک کر چلے گئے۔

''بڑی جلدی خیال آیا اس کو یہ سب کچھ بھیجنے گا۔'' وہ استہزائیہ ہنسا پھر جھک کر حمزہ کو اٹھا
کر بیڈ پر بٹھایا جو اس کے جارحانہ انداز پر خوفزدہ ہو گیا تھا۔

''خیالات پر کسی کا زور نہیں ہوتا۔ جب اس پر ضرب پڑے یہ بیدار ہو جاتے ہیں۔
احساسات اور محسوسات ہر لمحے ایک سے رہتے ہیں، نہ ان پر جمود طاری ہو سکتا ہے۔'' وہ بہت
سپاٹ اور سرد لہجے میں کہہ کر ایک بار پھر کھلونے سمیٹنے لگی۔

''اس کی حمایت کرنے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں۔ اونہہ...... خیال پر ضرب پڑے تو
بیدار ہو ہی جاتے ہیں۔'' وہ گویا انگارے چبا رہا تھا۔ پھر جھک کر حمزہ کو اٹھاتے ہوئے بولا۔
''کل کلاں کو وہ یہ فرمائش کرے گا کہ وہ حمزہ سے ملنا چاہتا ہے تو کیا تم اسے ملنے کی اجازت
دے دو گی؟'' وہ بولا تو لالہ رخ کا ہاتھ ان کھلونوں پر کانپ کر رہ گیا مگر دوسرے پل وہ سر
اٹھا کر طلال کی آنکھوں میں براہِ راست جھانکتے ہوئے سر اثبات میں ہلا گئی۔

''ہاں، اس میں حرج ہی کیا ہے۔ یوں بھی وہ میرا کچھ نہ سہی، حمزہ کا تو باپ رہے گا نا۔''

''دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔'' طلال نے اسے فہمائشی نظروں سے گھورا۔

''اس میں دماغ خراب ہونے کی کیا بات ہے۔ شرعاً وہ یہ حق رکھتا بھی ہے۔'' وہ عجیب
سے مسکرائی جیسے طلال کو یہ تکلیف دے کر دل کے کسی گوشے سے طمانیت اٹھتی محسوس ہوئی
ہو۔ اپنے اندر کی تپش پر چند بوندیں پڑی ہوں ٹھنڈی پھوار کی۔

''باپ تھا تو اسے اولاد کی خاطر اتنا گھٹیا اسٹیپ لینے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ حمزہ کا
احساس کر کے ہی وہ یہ رشتہ قائم رکھ لیتا۔ خیر، تم آئندہ نہ تانیہ کا کوئی فون ریسیو کرو گی نہ
وہ آئندہ حمزہ کے لئے کوئی گفٹ لے کر آئے گی۔'' وہ فیصلہ کن لہجے میں کہہ کر پلٹنے لگا تو وہ
بھاگ کر اس کے پیچھے آئی، پھر حمزہ کو اس کے ہاتھ سے چھینتے ہوئے بولی۔

''میری اور حمزہ کی زندگی میں تم نے جبراً مصطفیٰ خان کو داخل کر ہی دیا ہے تو اب اس
سے زیادہ میں تمہارے کسی بھی فیصلے کی پابند نہیں ہوں۔'' وہ نفرت سے چلائی۔ ''تانیہ یہاں
ہزار بار آئے گی، اور حمزہ کے لئے اگر وہ کچھ بھی لاتی ہے تو اسے میں قبول کروں گی۔ تم

اس گھر کا کوئی فرد مجھے روکنے ٹوکنے کا حق نہیں رکھتا۔ اور رہی سیف الرحمٰن کی گھٹیا حرکت تو تم
نے مجھ پر روشانہ کے حوالے سے جس گھٹیا طریقے سے دباؤ ڈالا ہے اس پر ذرا غور کر لو۔ اگر
میں نے خاموشی سے سر جھکا دیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں دلی طور پر آمادہ
ہوں۔ یہ میری مجبوری اور بے بسی کی انتہا ہے۔ میں روشانہ کا گھر ٹوٹتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی،
نہ ہی میں اسے تمہارا یہ اصلی روپ دکھا سکتی ہوں کہ تم نے صرف اور صرف مصطفیٰ خان کی
محبت میں مجھے اور روشانہ کو ٹریپ کیا ہے، اس موڑ پر لا کر مجھے بے بس کیا ہے۔ اور کان کھول
کر سن لو، میں صرف اور صرف روشانہ کی وجہ سے خاموش ہو گئی ہوں۔ وہ نادان لڑکی تمہاری
محبت میں اتنا آگے جا چکی ہے کہ واپسی کا کوئی راستہ ہی نہیں چھوڑا اس نے۔'' لالی کی آواز
غصے اور شدت کرب سے بھرا گئی۔ پھر دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر رو پڑی۔

''لالی......'' طلال تڑپ کر اس کی طرف بڑھا، اسے تھامنا چاہا مگر وہ نفرت سے اس کا
ہاتھ جھٹک کر پیچھے ہٹی۔

''چلے جاؤ یہاں سے۔ اور خدا کے لئے جب تک میں یہاں ہوں، میرے سامنے مت
آیا کرو۔ نہیں دیکھنا چاہتی میں تمہارا چہرہ بھی۔'' وہ حمزہ کو گود میں لئے کمرے سے ملحقہ ٹیرس
میں چلی گئی۔

طلال رنج و غم سے لب بھینچے کچھ دیر کھڑا رہا۔ پھر پردہ اٹھا کر باہر نکل گیا۔ وہ اس قدر
ذہنی طور پر منتشر تھا کہ باہر نکلتے ہوئے سرعت سے ایک طرف ہو جانے والی روشانہ کو بھی نہ
دیکھ سکا تھا جو اس اندوہ ناک انکشاف پر ایسی بری طرح ٹوٹی تھی جیسے کسی ہوا کے دوش پر
لہراتی بدمست پتنگ کی ڈور کو کھٹ سے کاٹ دیا گیا ہو اور وہ آنِ واحد میں نیچے ہی نیچے اور
بہت نیچے کی طرف گرتی چلی جا رہی ہو۔

دریا سمجھ رہے تھے جسے وہ سراب تھا
ظاہر ہوا کہ تشنہ لبی کا عذاب تھا
کس کربِ آگہی سے گزاری ہے زندگی
لمحہ بھی میرے واسطے یومِ حساب تھا

لالہ رخ کے لبوں سے ادا ہونے والا حرف حرف آتشیں گولیوں کی طرح روشانہ اسد کے دل کو چھید گیا تھا۔

تو یہ تھی اس رشتے کی حقیقت جو محض سراب تھا۔ جسے وہ محبت کا آب جو سمجھ کر مسرور، شاد اور مغرور ہوئی جا رہی تھی۔

لالہ رخ کی سسکیوں کے ساتھ اسے اپنے دل کی سسکیاں بھی شامل ہوتی محسوس ہونے لگیں۔ وہ بمشکل خود کو گھسیٹ کر کمرے تک لائی۔

اسے لگا صور پھونک دیا گیا ہو اور ہر شے منتشر ہوگئی ہو۔ کائنات کا نظام درہم برہم ہوگیا ہو، ہر شے دھنکی ہوئی اون کی طرح اس کی آنکھوں کے آگے تیرتی بکھرتی جا رہی ہو۔ اس نے زور سے آنکھیں میچ کر کھولیں مگر ہر شے وہیں تھی، اپنے مقام پر، اپنی اپنی جگہ پر۔ یہ تو صرف اس کے اعصاب ٹوٹے، بکھرے تھے۔ ہاں فقط اس کے دل کی بستی میں طوفان آیا تھا جو ساری خوش فہمیوں کو اپنے ساتھ بہا لے گیا تھا۔

اس کا دل چاہا وہ اپنے اس طرح لٹ جانے کا چیخ چیخ کر ماتم کرے، جاہل عورتوں کی طرح مچل مچل کر بین کرے مگر اس کے سارے آنسو اس کے سینے میں گھٹ کر رہ گئے۔

''روشی! اے روشی۔'' حسنہ آپا نے اسے پکارتے ہوئے کمرے میں جھانکا تو وہ ان کی آواز سن کر رخ پھیر کر باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔

''روشی! جلدی سے ادھر آؤ۔'' حسنہ آپا اس کی طرف بڑھیں اور آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔ ''ارے کیا ہوا؟'' اس کا لال بھبوکا چہرہ اور متورم آنکھیں دیکھ کر انہیں جھٹکا لگا۔

''رو رہی ہو پگلی؟'' انہوں نے نہایت شفقت سے اسے یکدم اپنے سینے سے لگا لیا۔ ان کا یہ

مشفق رویہ اس کے سینے میں مچلتے آنسوؤں میں طغیانی لے آیا۔

''میں جانتی ہوں تمہیں لالی سے بہت محبت ہے۔ اس کی جدائی ہم سب کے لئے ہی بھاری ہے۔ مگر یہ سوچ کر دل کو ڈھارس بھی تو مل جاتی ہے کہ اسے اتنا پیارا ہم سفر مل رہا ہے جو اس کے سارے دکھ درد سمیٹ لے گا۔ اس کے لئے ٹھنڈی چھاؤں ہوگا۔'' حسنہ آپا اسے پچکارنے لگیں۔ ان کے خیال میں اس کا رونا لالہ رخ کی دل جوئی پر تھا۔

''اب تم بہت جلد اس گھر میں آ کر اس کی کمی پوری کر دینا، چلو شاباش آنسو پونچھو اور میرے ساتھ آؤ۔ دادی جان تمہیں سیٹ پسند کروا رہی ہیں۔''

''آپ جائیں، میں منہ دھو کر آتی ہوں۔'' وہ بمشکل آنسوؤں کی یورش میں آواز بھینچ کر بولی۔

''بھئی تم نے تو تھوڑی دیر میں دریا بہا دیئے۔ طلال تو بیچارہ اس سیلاب میں بہہ ہی جائے گا۔ پگلی، اتنا روتے ہیں بھلا؟'' انہوں نے اس کا چہرہ اٹھا کر گیلی لٹوں کو نرمی سے اس کے آگ کی طرح دہکتے رخساروں سے ہٹایا، پھر اس کا سر تھپک کر چلی گئیں۔

اس نے منہ دھو کر بالوں میں برش پھیرا اور باہر آ گئی۔

لونگ روم میں رونق لگی ہوئی تھی۔ روشانہ کو دیکھ کر خرم کو شرارت سوجھی۔ ''میں تو سمجھا، تم بھی لالی کے ساتھ آج ہی سے اوجھل ہو کر بیٹھ گئی ہو پریکٹس کے لئے۔''

''خرم! بدتمیزی نہیں کرو، بچی پہلے ہی رو رو کر ہلکان ہوگئی ہے۔'' حسنہ آپا، خرم کے نزدیک ہی تھیں، اپنا بھاری بھرکم ہاتھ اسے جڑ دیا۔

''ایں، رو کیوں رہی تھیں؟'' رفیعہ بیگم نے زیورات کے ڈبوں سے سر اٹھا کر روشانہ کو دیکھا، وہ سب کی نگاہوں کو اپنی طرف یک بیک اٹھتا دیکھ کر جھینپ گئی۔

''لالی کی جدائی میں آٹھ آٹھ آنسو بہائے جا رہے تھے۔'' حسنہ آپا نے وضاحت کی۔

''بڑے افسوس کی بات ہے آپی بجائے اس کے آنسو پونچھنے کے آپ اس کے آنسو گن رہی تھیں۔ آہ، کیا ستمگر لوگ ہوگئے ہیں۔''

''روشانہ! تم ادھر آ جاؤ، ان بدتمیزوں کی باتوں پر کان مت دھرو۔'' رفیعہ بیگم نے خرم پر ایک خفگی بھری نگاہ ڈال کر روشانہ کے لئے اپنے قریب بیٹھنے کو جگہ بنائی۔

وہ سعدیہ بھابی اور رفیعہ بیگم کے درمیان آ کر بیٹھ گئی۔

''بھئی لوگوں کو بڑی وی آئی پی ٹریٹ مل رہی ہے۔'' جاذب بھائی وہیں چلے آئے۔ ''بلکہ انہوں نے روبی بھابی کو پکڑایا۔ ''طلال دکھائی نہیں دے رہا، کم از کم آج تو اسے

یہیں ہونا چاہئے۔ خصوصاً اس وقت تو۔'' انہوں نے روشانہ پر ایک مسکراتی نگاہ ڈال کر انہوں سے سر ہلایا۔ ''اس شخص کو ہمیشہ خوبصورت لمحے مس کرنے کی عادت سی ہوگئی ہے۔'' وہ ہلکے سے بڑبڑا کر رہ گئے۔

''تو پکڑ کر لے آئیں نا، ہوسکتا ہے وہ منتظر ہی ہوں۔ بس مارے انا کے نہ آ رہے ہوں۔''

''انا ہے جذبات میں بہے گا نہیں
وہ ملنے آئے گا منہ سے مگر کہے گا نہیں''

خرم نے یہ کہتے ہوئے روشانہ کی طرف دیکھا۔ سب کی ہنسی بکھر گئی۔

روشانہ نے اپنے تاثرات چھپانے کو چہرہ جھکا لیا اور ان خوبصورت زیورات کی طرف متوجہ ہوگئی جو رفیعہ بیگم اس کے آگے رکھ رہی تھیں۔ وہ تین سیٹ تھے جو بے حد خوبصورت تھے۔ ان میں سے ایک چوائس کرنا ذرا مشکل تھا اور وہ بھی ان حالات میں جب قلبی کیفیت خود اپنے قابو میں نہ تھی۔

جذبات اور احساسات کو ایسی ٹھیس پہنچی تھی کہ کائنات کے ہر رنگ اور حسن سے دل اچاٹ ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔ سب ہی اس کی مدد کر رہے تھے۔ کوئی کہہ رہا تھا۔ ''یہ اچھا ہے۔'' کوئی دوسرے پر ہاتھ رکھ کر اپنی پسند بتاتا۔

''یہ والا بہت پیارا ہے۔ ہر فنکشن میں اِن رہے گا۔'' حسنہ آپا نیلے رنگ کے نگوں والے سیٹ پر زور دے رہی تھیں۔

''آخر اس کی بھی کوئی پسند ہے یا نہیں۔ تم ہٹو۔ روشی! تم اپنی مرضی بتاؤ۔'' رفیعہ بیگم نے سب کو گھر کا۔

''اس کی پسند طلال کی پسند ہے دادی حضور! آخر آپ سمجھتی کیوں نہیں ہیں؟'' روبی بھابی شرارت سے بولیں۔

''تم سب لوگ اس بیچاری کو بوکھلائے دے رہے ہو۔ اس حالت میں کیسے پسند کرے گی وہ؟'' سعدیہ بھابی بولیں۔

''میرا خیال ہے چاچو کو لے آیئے، وہ پسند کر لیں گے۔'' خرم نے مشورے سے نوازا جو خاصا معقول لگا مگر ادھر روشانہ کا دل پھر اسی گہرائی میں ڈوبنے لگا۔

''میرا خیال ہے یہ اچھا ہے۔'' اس نے جلدی سے سفید نگوں والے سیٹ پر ہاتھ رکھا جس پر سب کی ہنسی بے ساختہ امڈی تھی۔

''چلو، یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ اب ذرا چاچو کی پسند بھی معلوم کر لیں۔ ہوسکتا ہے

بھی اسی سیٹ پر انگلی رکھ دیں۔'' خرم صوفے سے اتر کر باہر نکل گیا۔ طلال اتفاق سے کی بورڈ سے گاڑی کی چابی اٹھا کر لونگ روم کی طرف ہی آ رہا تھا۔ خرم نے اسے جا لیا اور اسے لئے لونگ روم میں آ گیا۔

''لیڈیز! چاچو کہہ رہے ہیں کہ روشانہ جس حرف پر انگلی رکھ دے وہ روشن ہو جائے اور خزینہ یہ کہ وہ جس سیٹ پر نگاہ ڈال دے، وہی ان کے دل کو بھی گوارا ہے۔'' خرم بلند آواز میں ترنم سے گویا ہوا۔

''میں نے اس طرح کی کوئی فضول بکواس نہیں کی۔ یہ سب اپنی طرف سے کہہ رہا ہے۔'' طلال نے فوراً اس کی بات کاٹ دی اور خرم کو ایک طرف ہٹا کر اندر آ گیا۔

''کسی کا دل رکھنے میں کوئی خرچ نہیں آتا چاچو!'' خرم نے اسے ملامت بھری نظروں سے دیکھا۔

''یہاں خرچ کی نہیں، بات حرف کی ہے اور جھوٹ بولنے سے حرف آتا ہے۔''

''جی ہاں! جیسے آپ سے زیادہ سچ بولنے والا تو اس روئے زمین پر آج تک پیدا ہی نہیں ہوا۔'' جواباً خرم نے ٹھنڈی سانس کھینچی۔

روشانہ نے بے اختیار طلال کی طرف دیکھا تھا۔ بادامی رنگ کے شلوار سوٹ میں اس کا کھلتا ہوا رنگ سنہرا سنہرا دکھائی دے رہا تھا۔ پیروں میں لیدر کی سیاہ چپلیں اور ہاتھ میں گاڑی کی چابی۔ وہ شاید کہیں جانے کے لئے تیار تھا۔ سادہ سے حلیے میں بھی وہ بے حد خاص لگ رہا تھا۔

روشانہ کے دل میں کوئی چیز ٹوٹنے لگی۔

سعدیہ بھابی طلال کو سونے کے تینوں سیٹ دکھا رہی تھیں اور اس کی پسند معلوم کر رہی تھیں۔

''بھئی جسے پہننا ہے، اسی سے پوچھ لیں، مجھے تو ان چیزوں کا کوئی آئیڈیا نہیں۔'' اس نے اچٹتی نظریں زیورات پر ڈال کر ہٹا لیں۔

''اس نے تو پسند کر ہی لیا ہے، یہ سب شرارت کے موڈ میں ہیں کہ طلال کی پسند معلوم کریں۔'' رفیعہ بیگم نے ہنس کر سارے ڈبے ایک طرف کئے پھر سفید نگوں والا سیٹ اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا۔ ''یہ دیکھو، روشانہ کو یہ پسند آیا ہے۔''

طلال نے ذرا سا جھک کر اس سیٹ پر نگاہیں ڈالیں اور دل ہی دل میں اس کی پسند کو سراہا۔ حقیقتاً اسے بھی یہی پسند آیا تھا، تاہم بس ایک ہلکی سی سانس کھینچ کر سر ہلا دیا۔ ''ہوں،

اچھا ہے۔"

"روشی! اسے پہن کر تو دکھانا۔" حسنہ آپا نے رفیعہ بیگم کے ہاتھ سے سیٹ لے لیا اور روشانہ سے بولیں۔ "اس کے بُندے بہت پیارے ہیں، تمہارے چہرے کا جو کٹ ہے اس پر یہ بہت جچیں گے۔" انہوں نے بُندے اٹھائے اور روشانہ کی طرف بڑھائے تو وہ گھبرا گئی۔

"بس ٹھیک ہے، پہن کر کیا دیکھنا۔" وہ جلدی سے اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی، مبادا حسنہ آپا زیادہ اصرار کرنے لگ جائیں۔

"اچھا، یہ بُندے ہی پہن کر دکھا دو۔"

"آپی پلیز۔" اُس نے آہستگی سے ملتجی لہجے میں کہا تو حسنہ آپا مسکرا دیں اور بُندے بکس میں رکھنے لگیں۔

وہ موقع پا کر لونگ روم سے باہر نکل آئی۔ باہر آ کر اسے فضا عجیب خنک محسوس ہوئی جیسے اتنی دیر تک وہ کسی گھٹن زدہ کمرے میں بیٹھی رہی ہو جہاں سانس لینا بھی دشوار ہو رہا ہو۔ وہ ٹیرس کی گرل کھول کر کھڑی ہو گئی۔

اچانک اسے طلال لابی کا دروازہ کھول کر پورچ کی طرف جاتا دکھائی دیا۔ اپنے اسی اعتماد کے ساتھ چلتا ہوا، اردگرد سے بے نیاز۔

ایک ٹیس سی اس کے اندر اٹھنے لگی۔

جھک کر اپنی گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے بالکل اچانک سیدھا ہوا تو نگاہیں ٹیرس کی طرف اٹھ گئیں۔ تصادم بے حد گہرا تھا۔ اس نے سٹپٹا کر نگاہوں کا رخ پھیر لیا۔ اس کے گداز لبوں کی تراش میں مدھم مسکراہٹ جھلکی تھی مگر وہ نہ دیکھ پائی۔

کچھ لمحے توقف کے بعد اس نے دزدیدہ نظروں سے پھر پورچ کی طرف دیکھا تو وہ آنکھوں پر گلاسز چڑھائے سیٹ پر بیٹھ چکا تھا اور کھلے گیٹ سے گاڑی باہر نکالتے ہوئے زور سے تین چار ہارن دیئے تو روشانہ کو لگا اس نے ایسا جان کر کیا تھا اسے یہ احساس دلانے، یہ جتانے کے لئے کہ وہ اسے دیکھ چکا ہے۔ پھر بڑے متوازن انداز میں گاڑی پورچ سے باہر نکال لے گیا۔

چوکیدار گیٹ بند کر رہا تھا۔ وہ عجیب شرمندگی سے دوچار ہو گئی۔ پھر گرل کی کھڑکی زور سے بند کر کے بے بسی اور بے اختیاری سے چیخ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

اس کا دل چاہ رہا تھا وہ یہاں سے بھاگ جائے اور لوٹ کر پھر کبھی اس فضا میں نہ آئے۔ اس شخص کا چہرہ نہ دیکھے۔ اسے اپنے دل سے نوچ کر پھینک دے جس نے آن واحد میں اس کے سارے خوبصورت روپہلے خواب بکھیر کر رکھ دیئے تھے۔

☆

اندھیری رات میں رہتے تو کتنا اچھا تھا
ہم اپنی ذات میں رہتے تو کتنا اچھا تھا
غموں نے بانٹ لیا ہے تمہارے بعد ہمیں
تمہارے ہاتھ میں رہتے تو کتنا اچھا تھا

صبح سے انیکسی کی صفائی ہو رہی تھی۔ گھر کی دونوں بہوئیں سعدیہ اور عفت بھابی اپنی نگرانی میں وہاں کی صفائی اور سیٹنگ کروا رہی تھیں۔

کل مردان سے بارات آنی تھی۔ گو کہ مصطفیٰ خان کی والدہ نے کہا بھی تھا کہ مردوں کے ساتھ ان کی طرف سے آنے والی خواتین بھی ہوٹلوں میں ہی قیام کر لیں گی مگر ادھر یہ لوگ نہ مانے۔ رفیعہ بیگم کے خیال میں جب گھر میں جگہ کی کمی نہیں ہے تو پھر خواتین کا ہوٹل میں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ وہ سب انہی کے گھر میں ٹھہریں گی۔ اور مورے ان کی محبت کے آگے انکار نہ کر سکیں۔ یوں بارات میں آنے والی خواتین کے لئے انیکسی کے تمام کمروں کی صفائی ستھرائی ہو رہی تھی۔

لالہ رخ کے اندر ہر گزرنے والے لمحے کے ساتھ جتنی وحشت اتر رہی تھی، اتنا ہی ہر کوئی آنے والے لمحات پر مسرور دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی ناراضگی کی گویا کسی کو پرواہ ہی نہ تھی۔ اسے تو ایسا ہی کچھ لگ رہا تھا۔ ہر کسی کے چہرے پر خوشی کا رنگ دکھائی دے رہا تھا جیسے سب اس کی شادی مصطفیٰ خان سے کرانے کے لئے ہی پیدا ہوئے تھے اور یہی اہم کام رہ گیا تھا کرنے کو۔

اس نے اپنے اندر غصے کا ابال سا اٹھتا محسوس کیا۔ پھر کھڑکی سے ہٹ کر فون اسٹینڈ کی طرف آئی اور فون اٹھا کر صوفے پر بیٹھ کر تانیہ کے نمبر ڈائل کرنے لگی تانیہ سے باتیں کرنے کی یہ شدید خواہش اس کے اندر دبے غصے کے باعث ردِعمل کے طور پر ابھری تھی۔ عجیب باغیانہ سے خیالات ہو رہے تھے اس کے۔

تانیہ لالہ رخ کی آواز سن کر بے پناہ خوش ہوئی۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا کہ آپ خود مجھے فون کریں گی۔ چلیں اچھا ہوا، میں اس وقت بالکل اکیلی تھی ہوں، ہارون بھی گھر پر نہیں ہیں اور گڑیا بھی سو رہی ہے۔" وہ بے حد ایکسائیٹڈ ہو رہی تھی جو اس کی آواز کی کھنک سے نمایاں تھا۔

وہ کتنی دیر تانیہ سے باتیں کرتی رہی۔ گو کہ تانیہ ہی زیادہ بولتی رہی جس میں زیادہ ماضی کی باتیں اور سیف الرحمٰن کا ذکر رہا۔ لالہ رخ چاہنے کے باوجود اسے اس موضوع سے نہ ہٹا سکی۔

سیف الرحمٰن کے ذکر سے تکلیف بھی ہو رہی تھی۔ مگر یہ ایک لذت آمیز تکلیف تھی۔ اس خود اذیتی میں مزا آ رہا تھا۔ مگر جب فون رکھا تو اسے لگا اس کے اندر بجائے سکون اترنے کے بے کلی سی بھر گئی ہے۔ اس وحشت میں اضافہ ہو گیا ہے جسے وہ کاٹنا چاہتی تھی۔

ندامت کا احساس روح پر الگ کچوکے لگا رہا تھا۔ وہ اندر کے حبس سے گھبرا کر کمرے سے باہر آ گئی اور چادر اوڑھ کر گاڑی کی چابی لینے کے لئے کی بورڈ کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ طلال نے پیچھے سے لالی کا ہاتھ پکڑ لیا اور چابی اچک لی۔

"کہاں جانے کا ارادہ ہے؟" اس نے اسے خاصی مشکوک نظروں سے دیکھا۔

"میرا دل گھبرا رہا ہے، میں باہر جانا چاہتی ہوں۔" وہ تنک کر بولی۔ "لاؤ چابی ادھر دو۔"

"تمہاری ڈرائیونگ پہلے ہی اتنی اچھی نہیں ہے۔ اور جب دل گھبرایا ہو تو یوں بھی گاڑی لے کر نکلنا خطرے والی بات ہے۔ اپنے ساتھ کسی دوسرے کا بھی بیڑا غرق کر دو گی۔ آؤ میرے ساتھ آؤ۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں تنہا جانا چاہتی ہوں۔" وہ سلگ کر بولی۔ مگر طلال نے چابی اسے دینے کی بجائے اپنی جیب میں ڈال لی۔

"کل تو تمہیں رخصت ہو جانا ہے، کچھ وقت میرے ساتھ بھی گزار لو۔" وہ ہلکے سے مسکرایا۔ "آؤ ہم لنچ آج باہر کرتے ہیں۔"

"تمہارے ساتھ جانے سے بہتر ہے میں یہیں پڑی سڑتی رہوں۔" وہ اس پر ایک کڑی نگاہ ڈال کر وہاں سے چلی گئی۔

طلال نے ابرو اچکا کر اسے جاتے دیکھا پھر ایک ٹھنڈی سانس کھینچ کر کچن کی طرف دیکھا جہاں روشانہ کافی بنا رہی تھی۔

"اسے کہتے ہیں ناقدر شناس لوگ۔" وہ کچن کی طرف آ گیا اور دروازے کے فریم پر ہاتھ جما کر افسوس سے سر ہلایا۔ روشانہ ملامت آمیز نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔ "بڑے افسوس کی بات ہے کہ لوگ اچھی نگاہ رکھنے کے باوجود اچھے لوگوں کو نہیں پہچان پاتے۔"

"زبردستی قائم ہونے والے رشتوں میں اچھے برے کی پہچان کوئی معنی نہیں رکھتی۔" وہ رخ پھیر کر کیبنٹ سے مگ نکالتے ہوئے بولی۔

طلال نے چونک کر اسے دیکھا۔ "کیا مطلب؟ مصطفیٰ خان میں کیا کمی ہے؟" وہ اندر آ گیا اور اس کیبنٹ پر ایک ہاتھ ٹکا کر اسے دیکھنے لگا۔

"ضروری تو نہیں کہ جس میں کوئی کمی یا خامی نہ ہو، اس سے محبت کی جائے یا تعلق قائم کر لیا جائے۔ کبھی کچھ لوگ بظاہر اچھے اور باوقار نظر آتے ہیں مگر اندر سے ایسے ہوتے نہیں ہیں جیسے دکھائی دیتے ہیں۔ اس کے باوجود ان سے تعلق قائم ہو جاتا ہے دل کا بھی۔" وہ آخری جملہ آہستگی سے بولی جس میں ایک طرح کی دل گرفتگی چیخ رہی تھی۔

طلال نے خاصی جانچتی نظروں سے اسے دیکھا۔ اس کے رخساروں پر دبی دبی سرخی تھی جو کسی اندرونی خلفشار کی تھی یا پھر آگ کی تپش کے باعث تھی۔ وہ جان نہ پایا۔

"ہمارے تعلق کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے، یہ کیا معنی رکھتا ہے تمہاری نظر میں؟" اس نے پرخیال انداز میں اسے دیکھا۔ یونہی وہم سا ہوا کہ کہیں لالہ رخ یا حنا نے اسے کچھ بتا تو نہیں دیا۔ جبکہ وہ سٹپٹاتے ہوئے بولی۔

"میں ہمارے تعلق کی بات نہیں کر رہی ہوں۔ میں تو لالہ رخ کی بات کر رہی ہوں۔ وہ خوش نہیں ہیں شاید اس رشتے سے۔" وہ نظریں جھکا کر سارے مگ ٹرے میں ترتیب سے رکھنے لگی پھر کافی کا کیتل اٹھا کر مگ میں کافی انڈیلنے لگی۔

طلال ایک گہری سانس کھینچ کر رہ گیا۔

"لالی دراصل مصطفیٰ کو ابھی جانتی نہیں ہے اور بہت سی بدگمانیاں اور واہمے نہ جاننے کے باعث پیدا ہوتے ہیں جو خوف کی صورت ذہن و دل پر چپک جاتے ہیں۔ وہ لالہ رخ کے لئے بہت فیئر اور سنسیئر ہے۔ جو ازدواجی تعلق، خلوص اور سچائی کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے وہ مضبوط ہوتا ہے، زندگی سہل گزرتی ہے۔" اس نے جھک کر کافی بھرا مگ اٹھا لیا۔

روشانہ کے دل پر ضرب سی پڑی۔ اس نے بڑے بے ساختہ پن سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ ایک مہکتا ہوا تصادم ہوا جس نے روشانہ کے اندر دھیمے دھیمے ہونے والے درد کو بڑھا دیا جبکہ وہ محظوظ ہو کر ہلکے سے مسکرا دیا۔

اس کا دل چاہا، وہ کہہ دے۔ "تمہارے اور میرے تعلق میں نہ تو خلوص ہے نہ سچائی۔ یہ تو بظاہر دھوکے اور غرض کے لئے قائم کیا ہے تم نے۔ پھر زندگی سہل اور آسودہ کیونکر ہوئی۔ ٹھیک کہتی ہے لالی کہ محض مصطفیٰ خان کی محبت میں اسے ٹریپ کیا گیا ہے، ورنہ اسے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ لالہ رخ کو اس طرح پریشرائز کرے اور اسے یوں زندہ درگور کر دے۔"

عجیب سی تھکن اس کی رگ رگ سے لپٹنے لگی۔ بے بسی اس درد کو اور صیقل کر رہی تھی۔

اس کی جیب میں رکھے موبائل کی بیپ ہو رہی تھی۔ وہ کافی کا مگ اٹھائے جیب سے
موبائل نکالتا لابی میں چلا گیا جبکہ وہ ٹرے اٹھائے رفیعہ بیگم کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

رشتوں ناتوں کی زنجیروں میں جڑا انسان کس قدر کمزور ہوتا ہے، اس کا احساس اسے پہلی
بار ہو رہا تھا، خصوصاً جب اتنے چاہنے والوں کی نظریں آپ پر جمی ہوں۔

اور وہ بھی ایک شخص کی سفاکانہ، ظالمانہ اور خودغرضانہ فطرت کو محض انہی چاہنے والوں کی
خاطر سہہ جانے پر مجبور ہوگئی تھی۔ اتنی بہت سی محبتوں سے دامن جھٹکا بھی تو نہیں جاسکتا۔

وہ رفیعہ بیگم کے کمرے میں چلی آئی جہاں جلال اور کمال چچا بھی موجود تھے اور کل کے
فنکشن کا پروگرام مرتب کر رہے تھے۔

وہ انہیں کافی دے کر لالہ رخ کے کمرے میں چلی آئی مگر لالہ رخ آنکھوں پر بازو
دھرے صوفے پر لیٹی تھی۔ کہیں سے نہیں لگ رہا تھا وہ کل دلہن بننے والی ہے۔ نہ ہاتھوں میں
مہندی، نہ چہرے پر کوئی خوشی کی رمق، نہ آنے والے لمحات کا انتظار، نہ رخصت ہو جانے کا
غم۔ عجیب سرد صحرا کی مانند اس کا وجود دکھائی دے رہا تھا۔

کیا مصطفیٰ خان اس صحرا میں پھول کھلانے میں کامیاب ہو جائے گا؟

کیا ان کا ویران دل وہ اپنی پُرخلوص محبت سے جیت لے گا؟

اس کا دل اندر ہی اندر رونے لگا۔ وہ بے آواز کمرے سے باہر نکل آئی۔

***

مردان سے مہمان آ چکے تھے۔ یوں صبح سے ہونے والی افراتفری اور گہما گہمی میں یکلخت
اضافہ ہوگیا تھا۔ لڑکیوں کی تیاریاں تھیں کہ ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھیں۔ بزرگوں کی فکریں
تھیں کہ ہر لمحہ بڑھتی جا رہی تھیں۔ کہیں کوئی کام نہ رہ جائے، کوئی کمی نہ رہ جائے۔ مہمانوں
کی آمد تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔

لالہ رخ کو کسی گوشہ تنہائی کی ضرورت تھی مگر ایسا لگ رہا تھا آج اسے کوئی ایسا گوشہ، کنج،
کونا نہیں ملے گا۔ اسے لگ رہا تھا اس کے اعصاب بکھر جائیں گے، دماغ کی طنابیں ٹوٹ
جائیں گی۔ دل اس وحشت سے پھٹ جائے گا۔ مگر ایسا کچھ نہ ہوا۔ لمحے سرکتے ہوئے اسے
منزل سے قریب کرتے رہے۔ وہ منزل جو اس کی اپنی چنی ہوئی نہ تھی۔

نکاح کی رسم بھی ہوگئی اور سب میرج ہال کی طرف روانہ ہوگئے۔

کب اس کے پہلو میں مصطفیٰ خان آ کر بیٹھا، کب اٹھا، کس کس نے آ کے مبارکباد دی
اور کب کھانا شروع ہوا، اسے کچھ خبر نہ تھی۔ وہ سر جھکائے خالی ذہن بیٹھی رہی۔ حسنہ آپا

کر گھر لوٹیں۔ رخصتی میرج ہال کی بجائے گھر سے ہونا تھی۔ چونکہ انہیں مردان آج ہی
روانہ ہونا تھا۔

سب کی آنکھیں رخصتی کے وقت اشکبار تھیں۔ خرم بھی بڑا سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا۔ بار
مصطفیٰ خان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہتا رہا۔ ''طفیلی بھائی! لالی کو خوش رکھیے گا، انہیں کبھی
کوئی تکلیف نہ دیجیے گا۔''

وہ سیاہ چادر میں خود کو ڈھانپے ایک جامد چپ چہرے پر سجائے رخصت ہوگئی۔

وہ پنڈی پہنچے پھر پنڈی سے بائی کار مردان آئے تھے۔ اس کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔
جسمانی تھکن سے زیادہ ذہنی تھکن تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے برسوں کی مسافت پیدل طے کر
کے پہنچی ہو۔

حویلی میں اس کا شاندار استقبال کیا گیا تھا۔ پٹاخے، پھلجھڑیاں، مہتابے چھوڑے گئے اور
روایتی رقص کیا گیا۔ پھولوں کے گلدستوں کا ڈھیر لگ گیا تھا۔

''بہت تھک گئی ہو؟'' مورے نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما۔

''ہاں، بہت زیادہ۔'' اس نے سر جھکا لیا۔ ''یہ رسمیں کب تک چلیں گی؟''

''یہ رسمیں اور رونق تو ساری رات رہے گی۔ مگر تمہیں یا طفیلی کو اس میں شامل ہونے کی
ضرورت نہیں ہے۔'' مورے ایک کمرے کی طرف رکتے ہوئے بولیں۔ ''تم اندر جاؤ، میں
لڑکیوں کو تمہارے پاس بھیجتی ہوں، وہ تمہیں تیار ہونے میں مدد دیں گی۔ اور ہاں، کھانا
بھی بھیجتی ہوں۔''

''نہیں مورے، کھانا مت بھیجئے گا۔ مجھے بھوک بالکل نہیں ہے۔ میں اب کچھ دیر آرام کرنا
چاہتی ہوں۔ اور پلیز کسی لڑکی کو نہ بھیجئے گا۔'' اس کا لہجہ ملتجیانہ تھا۔ مورے نے دیکھا وہ تھکن
سے بے حال دکھائی دے رہی تھی۔ انہوں نے پیار سے اسے خود سے لپٹا لیا پھر اسے کمرے
میں لے آئیں۔

یہ مصطفیٰ خان کی خواب گاہ تھی جو بے حد خوبصورت اور باوقار انداز میں آراستہ کی گئی تھی۔
تازہ پھولوں اور ایئر فریشنر کی مدھر خوشبو ماحول کو بے حد معطر اور خوابناک بنا رہی تھی۔ مگر لالہ
رخ کے لئے اس ماحول میں کوئی کشش نہ تھی۔ وہ تو لیٹ کر آنکھیں بند کر کے اس ماحول اور
آنے والے لمحات سے فرار چاہ رہی تھی۔ اسے غصہ تھا کہ طلال نے حمزہ کو روک لیا تھا اپنے
پاس یہ کہہ کر کہ وہ ولیمے کے دن اسے اپنے ساتھ لے آئے گا۔ وہ مفلوج پرندے کی طرح
پھڑپھڑا کر رہ گئی۔

وہ کتنا بے اختیار ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ اپنی بے بسی پر جتنا ماتم کرتی کم تھا۔

مورے کے کمرے سے جاتے ہی اس نے چادر اتار کر پھینکی اور اپنے کپڑوں پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ بہت ہیوی کپڑے تو اس نے پہنے ہی نہ تھے۔ نہ میک اپ کیا تھا۔ بس ہلکے پھلکے زیورات تھے جو اس نے اتار کر سنگھار میز پر رکھ دیئے۔ مورے نے کہا تھا، وہ گرم پانی کا شاور لینا چاہے تو لے کر کپڑے بدل لے۔ وہ اس کا ایک خوبصورت جوڑا بھی نکال کر رکھ گئی تھیں مگر اس نے نہ شاور لیا نہ کپڑے بدلے۔ یونہی صوفے پر جا کر لیٹ گئی۔

☆☆☆

تمہیں کتنا چاہتے ہیں
کبھی تم نے یہ بھی سوچا
کہ تمہارے دل گرفتہ
تمہیں کتنا چاہتے ہیں
تمہیں زندگی سے بڑھ کر
جو عزیز ہم نے جانا
تو کوئی سبب تو ہو گا
کبھی تم نے یہ بھی جانا
سرِ شام منتظر تھے
کہیں نیلمیں اجالے
کہیں تتلیاں لبوں کی
کہیں پھول جیسے عارض
کہیں قمقموں سی آنکھیں
یہ جو چارہ گر ہمارے
کوئی ساعت رفاقت
سرِ شام مانگتے تھے
انہیں کیا خبر کہ ہم نے
تمہیں سونپ دی ہیں راتیں

مصطفیٰ خان اپنی ساری شرارتی رشتے دار لڑکیوں اور لڑکوں کے گھیرے سے بمشکل نکل کر جب کمرے میں آیا تو اسے اپنے دل پر ایسی مسرت ہمکتی محسوس ہو رہی تھی جیسے کسی ننھے

جرنیل کو اپنے مفتوحہ علاقے میں قدم رکھتے ہوئے ہوتی ہو گی۔

اس نے آرزوؤں، چاہتوں اور خواہشات سے بھرے دل کے ساتھ کمرے میں قدم رکھا تھا۔ وہ صوفے پر نیم دراز تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں وہ اس پر ایک محبت بھری نگاہ ڈال کر کھڑکیوں پر پڑے پردے کھولنے لگا۔ پھر گلاس وال کی سلائڈ کو ذرا سا کھینچا۔ ہوائی فائرنگ اور پٹاخوں کی آوازیں ابھی بھی آ رہی تھیں۔ کمرے میں اس کی موجودگی محسوس کر کے لالہ رخ نے آنکھیں کھول دیں اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"کیسا محسوس کر رہی ہیں آپ؟" وہ چلتا ہوا اس کے قریب آیا۔

"حمزہ کو بہت مس کر رہی ہوں۔" وہ اس کی پُر شوق نگاہوں سے نظریں چرا کر سپاٹ لہجے میں بولی۔

"ہاں، میں نے طلال کو بہت کہا تھا کہ حمزہ کو میرے ساتھ آنے دے مگر وہ نہ مانا۔ تم فکر مت کرو۔ کل وہ ان سب کے ہمراہ آ جائے گا، پھر کبھی نہ جانے کے لئے۔" اس کے لہجے میں اپنائیت آمیز نرمی تھی۔ پھر یاد آنے پر وہ بیڈ کی طرف گیا اور اس کی سائیڈ دراز سے کنگن کا بکس اٹھا کر اس کی طرف آیا۔

"یہ مورے نے خصوصی طور پر آپ کے لئے بنوائے ہیں اور مجھے حکم ہے کہ آپ کو پیش کروں۔ میرے نزدیک یہ محبت کے اظہار کا بڑا روایتی سا انداز ہے۔" یہ کہہ کر اس نے بھرپور نگاہ اس پر ڈالی اور اس کے قریب بیٹھ کر اس کا ہاتھ تھام کر کنگن ڈالنے لگا۔ لالہ رخ کی سانس گویا سینے میں اٹک کر رہ گئی۔ اور تب تک اٹکی رہی جب تک وہ اس کا ہاتھ تھامے اسے کنگن پہناتا رہا۔ سفید اور سرخ نگوں والے بے حد قیمتی اور خوش نما چار کنگن تھے جن سے اس کی بے داغ سفید کلائیاں چمکنے لگیں۔ مصطفیٰ خان کی نگاہوں کی تپش آگ کی طرح اسے محسوس ہونے لگی تو اس نے آہستگی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اسے لگا، جیسے کوئی طوفان اس کے وجود کو چھوتا ہوا گزر گیا ہو۔

اس نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا، جن میں خفیف سی لرزش تھی۔

"میں سونا چاہتی ہوں۔ کیا مجھے کچھ دیر کے لئے تنہائی میسر آ سکتی ہے؟" وہ یکایک صوفے سے کھڑی ہو گئی۔ اس کا انداز عجیب بے مہر سا تھا۔

مصطفیٰ خان نے حد درجے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے کے خوش نما نقوش وائلن کے تاروں کی طرح تنے ہوئے دکھائی دیئے، رخساروں پر دبی دبی سرخی تھی جو کہ اندرونی خلفشار کی غماز تھی۔

''میرا خیال ہے تم شاور لے لو تو فریش ہو جاؤ گی۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا اور ایک نظر بیڈ پر رکھے ان کپڑوں پر ڈالی جو مورے رکھ گئی تھیں۔ اسے لالہ رخ کا سادہ سا لباس اور بے زاری ناگوار گزرا، تاہم اس کی تھکن کا خیال کر کے وہ اس ناگواری کو پی گیا۔

''نہیں، میں بہت تھکن محسوس کر رہی ہوں اور صرف سونا چاہتی ہوں۔'' اس کا انداز بے حد بے مہر تھا۔

''مگر میں تم سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہوں لالہ رخ! اور ہو سکتا ہے میری باتوں سے تمہاری ساری تھکن اتر جائے۔'' وہ اس کے نزدیک آیا۔

لالہ رخ نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اس کی سرمئی آنکھوں کے کانچ پر محبت کا ایک بحر بیکراں موجزن تھا۔ اس نے گھبرا کر پلکوں کی باڑھ جھکا دی۔ ان آنکھوں میں ایسی گہرائی تھی کہ اسے میں ڈوب جانے کا خوف ابھرتا محسوس ہونے لگا اور وہ ڈوبنا نہیں چاہ رہی تھی۔ اسے اب محبت کے کسی بحر بیکراں کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اپنے ہی ساحل پر رہنا چاہتی تھی۔

''باتیں صبح بھی کی جا سکتی ہیں۔ اور یوں بھی میری تھکن آپ کی باتوں سے کم نہیں ہو گی۔ یہ تھکن اب ختم ہونے والی نہیں ہے، شاید اس کا احساس میں نے آپ کو بار بار دلایا تھا، ہر بار آپ کو اپنی راہ میں آنے سے روکا تھا مصطفیٰ خان! مگر آپ...... آپ یہ جوا کھیلنے پر بضد رہے۔ مگر میں آپ کی جیت بن کر یہاں نہیں آئی ہوں۔'' وہ اپنے اندر کا لاوا بہا بیٹھی۔

وہ اس کے بڑھتے قدموں کو یہیں روک دینا چاہتی تھی۔ اس کی محبت کی موجوں کے لئے وہ کوئی ساحل نہیں بننا چاہتی تھی جس میں وہ اٹد کر جذب ہو سکتی۔

''تم میری جیت بن کر آئی ہو یا ہار، اس کا فیصلہ تم از خود کیسے کر سکتی ہو؟'' وہ دھیمے سے مسکرایا، جیسے کوئی بڑا کسی کمسن ناراض بچے کی بات سن کر مسکرا دے۔

''محبت بہت طاقتور جذبہ ہے، یہ فاصلوں سے اگر اتنی شدت اختیار کر سکتا ہے تو قربت کی آمیزش اسے یقیناً بلندیوں تک لے جا سکتی ہے۔'' اس نے نرمی سے لالی کا ہاتھ تھامنا چاہا تو وہ بدک کر پیچھے ہٹ گئی۔

''یہ خوش فہمی ہے آپ کی۔ آپ کسی کے نزدیک تو آ سکتے ہیں، اسے چھو تو سکتے ہیں، اس کے دل میں نہیں اتر سکتے۔ اس کے دل میں اپنے لمس سے کوئی پھول نہیں کھلا سکتے۔ مصطفیٰ خان! دل میں اترنے کے لئے قربت نہیں، طلب کی ضرورت ہوتی ہے اور جو طلب بن کر ملا ہی نہ ہو، اس کا کیا ملنا، کیا نہ ملنا۔'' ناگواری اور کشیدگی کے جذبات اس کے لہجے سے ہی نہیں اس کے چہرے سے بھی عیاں تھے جو مصطفیٰ خان کو ادھیڑ گئے۔

اس نے مجروح نگاہوں سے لالی کو دیکھا۔ لالی کے خوبصورت چہرے پر پھیلا عزم، بے حسی اور بے لچک رویہ اسے بری طرح دُکھ دے گیا۔

اس نے کچھ کہنا چاہا، مگر دوسرے پل لب بھینچ گیا۔ تذلیل کا احساس دل کے گوشے سے اٹھا اور رگوں میں آگ بن کر دوڑنے لگا۔ مٹھیاں بھینچ کر اس نے بمشکل اپنے اندر سے اٹھنے والے اشتعال کو دبایا پھر جھٹکے سے پلٹ کر کمرے سے ملحقہ اسٹڈی روم میں چلا گیا۔

اتنی ذلت، اتنی تضحیک، اس قدر بے اعتباری اور بے مروتی کا تو تصور بھی نہ تھا اس کے پاس۔ وہ تو اسے محض اس کا وقتی غصہ سمجھ رہا تھا۔ مگر وہ دل سے اس حد تک اس سے متنفر تھی، اتنی سنگ دل تھی کہ اس کی بے لوث محبت کی شدت نے بھی اس کے دل میں کوئی نرم گوشہ پیدا نہ کیا تھا۔ یہ احساس، ذلت کی انی بن کر اس کے دل کو چھیدنے لگا۔

تذلیل کے احساس سے سلگتا وہ کچھ دیر کمرے میں چکر کاٹتا رہا۔

ملن کے یہ خوبصورت لمحے یوں بے اعتنائی کی نذر ہو جائیں گے اس کا تصور بھی نہ تھا اس کے پاس۔ اس کا سارا جوش جیسے ماند پڑ گیا۔ یکدم وہ ایک خالی پن کے ساتھ گداز صوفے پر جا کر بیٹھ گیا۔

یہ داغ داغ اجالا یہ شب گزیدہ سحر
وہ انتظار تھا جس کا، یہ وہ سحر تو نہیں
یہ وہ سحر تو نہیں، جس کی آرزو لے کر
چلے تھے یار کہ مل جائے گی کہیں نہ کہیں
فلک کے دشت میں تاروں کی آخری منزل
کہیں تو ہو گا شب بست موج کا ساحل
کہیں تو جا کے رُکے گا سفینۂ غمِ دل

اس کی سوچوں کی طنابیں یونہی تنی پڑی تھیں اور یہ سوچ کر اس کی روح مزید سلگ رہی تھی کہ اسے اپنی اس زیادتی کا بالکل احساس نہ تھا۔

⁕☆⁕

ولیمے کے روز وہ سب مردان پہنچے تو لالہ رخ نے بے حد نارمل انداز میں ان سب کا استقبال کیا۔ حمزہ کو دیکھ کر وہ لپک کر اس کی طرف بڑھی مگر درمیان سے مصطفیٰ خان نے اسے اچک کر گود میں اٹھا لیا اور وہ بھی مصطفیٰ خان کے مضبوط سینے سے یوں لپٹ گیا گویا ماں کی اسے طلب محسوس ہی نہ ہوئی ہو۔

مصطفیٰ خان کی اٹھنے والی نگاہوں میں ایک تمسخر محسوس کر کے اس کی پیشانی جل اٹھی۔ اتنے لوگوں کی موجودگی میں حمزہ کی اس بے مہری نے اسے عجیب سی سبکی کا احساس دلایا تو اس کا دل چاہا، وہ حمزہ کو گود سے کھینچ کر، کس کر دو تھپڑ مارے۔

''ارے آپ ابھی تک تیار ہی نہیں ہوئیں؟ ہم تو سمجھے تھے کہ آپ بیوٹی پارلر گئی ہوں گی۔'' حنا اندر آ کر پورے تپاک سے اس سے لپٹ گئی تو وہ سنبھل گئی اور اس گوشے سے نظریں ہٹا لیں۔

''لالی! روشانہ ہمارے ساتھ نہیں آئی۔ وہ آج صبح ہی اسلام آباد چلی گئی ہے۔'' وہ سرگوشی میں اس سے بولی تو اس نے چونک کر اسے دیکھا۔

''کہہ رہی تھی کہ ایگزام ہونے والے ہیں، پہلے ہی پڑھائی کا اتنا حرج ہو گیا ہے۔ لالی سے میری طرف سے معذرت کر دینا تم۔ ویسے اس کی طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی تھی مجھے۔'' حنا کا لہجہ مدھم تھا۔

''کہیں اسے کچھ خبر تو نہیں ہو گئی، میرا مطلب ہے طلال نے اس سے کچھ الٹی سیدھی بکواس تو نہیں کر دی؟'' اس نے یونہی ایک اچٹتی نظر طلال پر ڈالی، پھر تشویش سے حنا کو دیکھنے لگی۔

''نہیں۔ میرا خیال ہے ایسا کچھ ہوا تو نہیں ہے۔ چاچو سے اس کی کوئی زیادہ بات چیت ہی نہیں ہوئی۔ سارا وقت تو وہ میرے ساتھ ساتھ ہی رہتی تھی۔ ہو سکتا ہے جو وجہ اس نے بتائی ہو، یہی وجہ ہو۔'' حنا تسلی دینے والے انداز میں بولی، پھر سر جھٹکتے ہوئے بولی۔

''چھوڑیں، یہ بتائیں کہ آپ ابھی تک تیار کیوں نہیں ہوئیں؟ اور یہ لطیفی بھائی بھی یونہی منہ جھاڑ منہ پہاڑ آ گئے ہم کو ریسیو کرنے۔ بھئی آخر دولہا ہیں تو دولہا تو دکھائی دینے کی کوشش کرتے۔'' اس نے ہنستے ہوئے مصطفیٰ خان پر ایک نظر ڈالی۔

''یعنی سر پر بارہ سینگ لگا کر ایک صوفے پر بیٹھ جاتے؟'' خرم کا ٹپکنا ضروری تھا۔ حنا کی بات پر وہ خاصا جاندار قہقہہ لگا کر بولا تھا۔ حنا نے تپ کر اسے دیکھا۔

''ایسے بارہ سینگوں والے دولہا تو تم ہی دکھائی دو گے۔ میرا کہنے کا مطلب تھا کہ فارملیٹی ہی نبھا لیتے۔''

''بھئی اس طرح کی فارملیٹیز خواتین ہی نبھاتی اچھی لگتی ہیں، مرد نہیں۔'' مصطفیٰ خان، حمزہ کو اٹھائے اسی طرف آ گیا اور خرم کے برابر صوفے پر بیٹھ گیا۔ ''اور یہاں تو خواتین بھی ایسی فارملیٹی نہیں نبھا پاتیں، تم مردوں کا کہہ رہی ہو۔'' اس نے بظاہر عام سے انداز میں کہا مگر

اچٹتی نگاہ لالہ رخ پر ڈالی جس میں طنز کی عجیب سی تپش تھی۔

''ناحق ہم ''مردوں'' پر تہمت ہے مختاری کی۔'' خرم نے بھی اس کا ہمنوا ہو کر ایک ٹھنڈی سانس کھینچی۔

''کیا بات ہے، خیریت تو ہے؟ یہ اتنی ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں اس گوشے سے کیوں آ رہی ہیں؟'' جاذب بھائی سامان سے فارغ ہو کر اسی طرف چلے آئے۔ ''کیا مختاری چھن گئی ابھی سے؟'' اس نے شرارت بھری نگاہوں سے مصطفیٰ خان کو دیکھا۔

''نہیں یہ غم نہیں کہ مختاری چھن گئی بلکہ اس بات کا غم منا رہے ہیں کہ اتنی دیر سے کیوں چھنی گئی۔'' خرم کی بات پر زبردست قہقہہ پڑا۔

لالہ رخ کلس کر اندر کمرے کی طرف پلٹ گئی۔ وہ سب کے درمیان بیٹھا اونچے اونچے قہقہے لگاتا اسے سخت کوفت میں مبتلا کر رہا تھا۔

صبح ہی سے اس پر ایک طرح کی وحشت سوار تھی۔ یہ سوچ سوچ کر ہی اس کا دم گھٹنے لگا تھا کہ اب شام کو سج سنور کر دنیا والوں کو دھوکا دینے کے لئے پھر وہی ڈرامہ رچانا پڑے گا۔

مورے کی محبت کے آگے وہ کتنی بے بس ہو گئی تھی، اس کا احساس شدت سے اسے ویسے کے دن ہو رہا تھا۔ انہوں نے اس کے لئے بے حد قیمتی جوڑا بنوایا تھا اور ماہر بیوٹیشن سے اسے تیار کروایا تھا۔ اس کی پیشانی پر بوسہ دے کر اسے ڈھیروں دعائیں دیں۔ ان کا بس چلتا تو وہ لالہ رخ کو ہتھیلی پر اٹھائے اٹھائے پھرتیں۔ ان کی نگاہیں بلائیں لیتیں، اس کے گرد طواف کرتی رہیں اور مصطفیٰ خان کے پہلو میں بیٹھی لالہ رخ سارا وقت اپنی بے زاری، بے دلی اور اضطراب چھپائے لبوں پر مصنوعی مسکراہٹ سجائے ہر آنے والے کی مبارکباد وصول کرتی رہی۔ مصطفیٰ خان اس کا ہاتھ تھامتا تو اسے اپنے دل کی رگیں سکڑتی محسوس ہونے لگتیں۔ وہ ہاتھ کھینچنا چاہتی مگر گرفت بے حد مضبوط ہوتی اور وہ اندر ہی اندر جزبز ہو کر رہ جاتی۔ اسے لگتا وہ جان کر ایسا کر کے حظ اٹھا رہا ہے، اس کی بے بسی کا مذاق اڑا رہا ہے۔

عجیب غصے کی لہریں اندر سے اٹھ کر اندر ہی دم توڑ رہی تھیں۔

آنکھوں سے ہم رنگ سرمئی شلوار سوٹ اور گہری سرمئی واسکٹ میں اس کا اونچا لمبا سراپا بے حد نمایاں اور دلکش دکھائی دے رہا تھا۔ ہر آنے جانے والوں کی مبارک باد اور دعائیں وصول کرتے کرتے کوئی نہ کوئی ایسا فقرہ اس کی جانب ضرور اچھال دیتا کہ اس کے دل کی ساکن جھیل پر ہزار دائرے بن کر ایک قیامت برپا کر جاتے۔ وہ یہ پتھر پھینک کر بے نیاز بن جاتا مگر وہ کتنی دیر تک منتشر ذہن رہتی۔

اسے لگ رہا تھا اس کا ضبط جواب دے رہا تھا۔ وہ مزید اس شخص کے پہلو میں بیٹھی رہی تو اس کے اعصاب چیخ جائیں گے۔ وہ اندر سے ریزہ ریزہ ہو جائے گی۔ زندگی میں پہلی بار اپنی بے بسی پر اسے بھر بھر کر رونا آ رہا تھا۔

☆

کچھ دن تو بسو میری آنکھوں میں
پھر خواب اگر ہو جاؤ تو کیا
کچھ دن تو بسو میری آنکھوں میں

وہ باتھ روم کے بیسن پر کھڑا منہ دھوتے ہوئے بے حد ترنگ میں گنگنا رہا تھا اور وہ ولیمے کا جوڑا چینج کر کے صوفے پر بیٹھی اندر ہی اندر جھلس رہی تھی۔

کچھ رنگ تو دو میرے چہرے کو
پھر زخم اگر مہکاؤ تو کیا

اس کی بھاری آواز کمرے میں عجیب گونج پیدا کر رہی تھی اور کسی دھمک کی طرح اس کے ذہن و دل پر اثر انداز ہو رہی تھی۔

''میں کل ان سب کے ساتھ ہی ملتان جانا چاہتی ہوں کچھ دن رہنے کے لئے۔'' وہ قدرے اونچی آواز میں بولی۔ اس کی گنگناہٹ یوں بند ہوگئی جیسے کسی نے کھٹ سے بٹن بند کر دیا ہو۔

''اجازت مانگ رہی ہو یا محض اطلاع دے رہی ہو؟'' وہ اسٹینڈ سے تولیہ اٹھا کر منہ پونچھتا ہوا باتھ روم سے باہر آیا۔

''اطلاع ہی سمجھ لیجئے۔'' وہ کلائیوں میں پڑی سنہری چوڑیوں پر انگلی پھیرنے لگی اور دانستہ اس کی طرف دیکھنے سے گریز کیا۔

سادے نیلے رنگ کے سوٹ اور ہلکی جیولری میں وہ بے حد مختلف نظر آ رہی تھی۔ مصنوعی روشنیوں اور مصنوعی رنگوں سے ہٹ کر اس وقت اس کا اپنا فطری روپ بے حد دلفریب دکھائی دے رہا تھا۔

''یہ اطلاع تم مورے کو دے دینا۔ یوں بھی صبح میں حمزہ کو لے کر جاؤں گا اسے اسکول میں ایڈمیشن کے لئے۔'' اس نے تولیہ ایک طرف پھینکا اور بیڈ پر بیٹھ کر کلائی گھڑی اتارنے لگا۔

''کیا میری اجازت کے بغیر آپ حمزہ کا ایڈمیشن کروا رہے ہیں؟'' اس خبر پر اسے

جھٹکا لگا۔ وہ ناگواری سے اپنی جگہ سے اٹھی۔

''اجازت لینے کی ضرورت وہاں پیش آتی ہے جہاں رشتوں، ناتوں میں رواداری ہو۔ کیا ہمارے مابین ایسا کوئی تعلق ہے؟'' اس نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا، پھر ہلکے سے ہنس دیا اور مزید گویا ہوا۔ ''تم بھی مجھے محض اطلاع دے رہی تھیں تو میں نے بھی سوچا اطلاع ہی دے دوں... ورنہ میں تو اس کی بھی ضرورت محسوس نہیں کر رہا تھا۔''

''مگر حمزہ میرا بیٹا ہے، آپ کا نہیں۔ اس کے کسی بھی معاملے میں انٹرفیئر کرنے کا حق آپ کو حاصل نہیں ہے۔ میری مرضی اور اجازت کے بغیر آپ اس کا کوئی معاملہ ڈیل نہیں کر سکتے، کوئی شرعاً حق نہیں رکھتے ہیں آپ اس پر۔'' وہ تنک گئی۔

''تو پھر اسے وہیں چھوڑ آؤ جو اس پر پورا حق رکھتا ہے۔ جو اس کا شرعاً اور قانونی باپ ہے۔'' لالہ رخ کے دل میں تیر سا پیوست ہو گیا۔ اس نے تڑپ کر مصطفیٰ خان کو دیکھا مگر دوسرے پل نگاہیں جھکا لیں۔ وہ اسے نفرت اور غصے سے نہیں، گھائل نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

وہ اضطرابی انداز میں رخ پھیر کر سنگھار میز کی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''مگر میں حمزہ کے بغیر اتنے دن وہاں کیسے رہ سکوں گی؟'' اس کی آواز پست تھی۔

''اور میرے بغیر تم اتنے دن وہاں رہ لو گی؟'' وہ بیڈ سے اتر کر اس کی طرف آیا، پھر ایک ہاتھ آئینے کے فریم پر ٹکا کر اس کی طرف قدرے جھکا۔ ''میں نے حمزہ کو پُل بنانے کی بھی کوشش نہیں کی لالہ رخ! میں تو اپنی محبت کی جنوں خیزی میں بہتا ہوا تم تک آیا ہوں اور آنا چاہتا ہوں۔ مجھے اپنی محبت اور جذبوں پر اتنا اعتماد ہے۔ چنانچہ اتنے معصوم سہارے کی میں نے کبھی ضرورت محسوس نہیں کی۔ کیا تم تک آنے کے لئے مجھے ایسا کوئی بھونڈا طریقہ یا سہارا تلاش کرنا پڑے گا؟'' اس کی آواز دھیمی اور لو دیتی ہوئی تھی۔ لالہ رخ کو اپنے بدن میں سنسناہٹ سی دوڑتی محسوس ہونے لگی۔ ایک عجیب سی وحشت روح پر چھانے لگی۔

''میں آپ کو پہلے ہی کہہ چکی تھی کہ میں آپ کی اس بے لوث محبت کے قابل نہیں ہوں، مجھے اب کسی محبت کی طلب ہی نہیں۔ یوں بھی محبت کے سمندر میں ہر اترنے والا ساحل پر نہیں پہنچ پاتا۔ میں نے آپ کو ڈوبنے سے بارہا روکا مگر آپ نہ مانے۔'' وہ پلکیں جھپک کر عجب بجھے بجھے لہجے میں بولی۔

مصطفیٰ خان کی آنکھوں کے زیریں کناروں پر جمی سرخی تیز ہونے لگی۔

''مگر اب تو یہ کشتی میں نے سمندر میں ڈال ہی دی ہے۔ ڈوب جاؤں یا پار لگوں، میرا نصیب۔ ہاں تم اگر چاہو تو اسے ڈوبنے سے بچا سکتی ہو، ساحل پر لا سکتی ہو۔ بصورت دیگر

ساحل پر کھڑی تماشا دیکھتی رہو۔" اس نے آخری جملہ کہتے ہوئے ایک افسردہ سی سانس کھینچی
پھر ہلکے سے ہنس دیا۔ عجیب خود آزار قسم کی ہنسی تھی۔ لالہ رخ نے لب دانتوں میں دبا کر
پلکیں جھکا لیں۔

☆☆☆

صبح عجیب افراتفری تھی۔ وہ سب ملتان واپس جا رہے تھے۔ لڑکیاں اپنی پیکنگ میں لگی
ہوئی تھیں۔ طلال اور مصطفیٰ خان فجر کی نماز پڑھ کر لوٹے نہیں تھے، سیر کو نکل گئے تھے۔
لالہ رخ پر عجیب بے کلی طاری تھی۔ وہ ان سب کے ساتھ ملتان جانا چاہتی تھی۔ مگر رات
مصطفیٰ خان کا رویہ اور اب مورے کی محبت لٹاتی نگاہیں اسے اجازت مانگنے کی ہمت نہ دے
رہی تھیں۔ وہ رفیعہ بیگم سے کہہ رہی تھیں۔

"جب سے لالہ رخ کا قدم اس گھر میں آیا ہے، اس در و دیوار میں جیسے جان پڑ گئی ہے
اور میں پھر سے جی اٹھی ہوں جیسے میرے اندر نئی روح پھونک دی گئی ہو۔ آپ نے دیکھا
آغا جان کو، وہ کتنے خوش دکھائی دیتے ہیں؟ یہ ساری رونق، روشنی لالہ رخ کے دم سے ہے
آپ نے ہمیں مالا مال کر دیا ہے آپا۔"

"بس خدا آپ کی خوشیوں کو سلامت رکھے۔ اب یہ بتایئے کہ لالی کو کب بھیجیں گی
ملتان؟" رفیعہ بیگم کی بات پر مورے نے بے ساختہ لالہ رخ کی طرف دیکھا پھر اس کے گرد
اپنا بازو حمائل کر دیا۔

"ابھی نہیں۔ ابھی تو میں نے اسے جی بھر کر دیکھا بھی نہیں ہے۔ آپ فکر نہ کریں، کچھ
دنوں بعد میں خود اسے طفیلی کے ساتھ ملتان بھیجوں گی۔"

"ارے نہیں، فکر کا ہے کی۔ آپ نے اسے بہو سے زیادہ بیٹی سمجھا ہے، میری تو ساری
فکریں، پریشانیاں دور ہو گئی ہیں۔ اب یہ آپ کی ہی بیٹی ہے جب مرضی بھیجیں نہ بھیجیں۔"
رفیعہ بیگم ہنس دیں اور لالہ رخ کو محبت بھری نظروں سے دیکھا۔ لالہ رخ کو ان آنکھوں میں
ایسی طمانیت دکھائی دے رہی تھی جیسے کسی تکلیف دہ سفر کو ختم کر کے گھر لوٹ آنے والے
مسافر کے چہرے اور آنکھوں میں اتر آتی ہے۔ وہ حقیقتاً اپنا بوجھ شانوں سے اتار کر ہوا میں
تیرتے بادلوں کی طرح اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھیں۔

ان سب کو الوداع کہتے ہوئے لالہ رخ بے حد آزردہ ہو رہی تھی۔ بہت سے آنسو پلکوں
کی باڑھ توڑ کر بہہ نکلنے کو بے چین تھے مگر وہ اپنی کمزوری کو بڑی مشکل سے سنبھالے ہوئے
تھی۔ وہ کسی کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی پہلے بھی کون سی اس کے آنسوؤں کی پرواہ کی گئی

تھی۔ طلال سے تو وہ اب بھی کھنچی کھنچی تھی۔

وہ سب کتنے خوش تھے۔ شاید وہ مورے جیسی ساس اور مصطفیٰ خان جیسے شوہر کو پا کر اسے
خوش قسمت ترین لڑکی خیال کر کے مطمئن تھے۔ ہاں، انہیں مطمئن ہونا ہی چاہئے۔ یہ سب تو
قسمت والوں کو ملتا ہے۔

مگر وہ خوش کیوں نہیں؟ کون سی بے قراری ہے جو اسے بے چین رکھتی ہے؟
آخر وہ حالات کے دھارے پر خود کو چھوڑ کیوں نہیں دیتی؟

مصطفیٰ خان کے بھاری ہاتھ کا لمس اپنے کندھے پر محسوس کر کے وہ چونک سی گئی۔
آنسوؤں کی لہر پلکوں کی باڑھ توڑ کر بہہ ہی جانا چاہتی تھی کہ اس گداز لمس نے اسے ٹھہرا دیا۔
ساری گاڑیاں جا چکی تھیں۔ وہ تنہا پورچ میں کھڑی تھی۔

"آئی ایم سوری، میرا مقصد تمہیں تکلیف دینا نہیں تھا۔ دراصل میں چاہتا ہوں کہ تم زیادہ
سے زیادہ یہاں رہو اور مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔" اس کا لہجہ بے حد شائستہ تھا، اس میں رات
والی خفگی نہ تھی۔ "اور ایک دوسرے کو سمجھنے کے لئے ایک دوسرے کے قریب تو رہنا ہی پڑتا
ہے نا۔" اس کی اٹھنے والی آنکھوں میں وہ براہِ راست جھانکا تھا۔ پھر ہلکے سے مسکرایا۔ "ایم
آئی رائٹ؟"

"سمجھ کر کیا کرنا ہے۔ اہمیت تو اس بات کی ہے کہ کوئی کسی کے دل کے کتنا قریب
ہے۔" وہ آہستگی سے اس کا ہاتھ ہٹا کر پیچھے ہٹ گئی۔

"دلوں کا تعلق قربت یا فاصلوں کا متقاضی نہیں ہے۔ محبت ہو تو فاصلے بھی اسے مزید جلا
بخشتے ہیں اور کوئی قلبی جذبہ نہ ہو تو قربت بھی کوئی رنگ نہیں بخش سکتی۔" وہ جانے کیوں
اتنی بے مہری سے کہہ گئی۔

مصطفیٰ خان کا خوبصورت چہرہ ایک پل کو متغیر ہوا اور لالہ رخ نظریں چرا گئی۔ بس لحظہ بھر
اسے اپنے کہے ہوئے لفظوں کی سفاکی کا احساس ہوا تھا، مگر دوسرے پل وہ پلٹ کر اندر کی
طرف جا رہی تھی۔

"حمزہ کو تیار کر دینا، اسے ایڈمیشن کے لئے لے جانا ہے۔" اس کی آواز ابھری جس
میں چند لمحے پہلے والی نرماہٹ اور لوچ نہ تھا۔ چوٹ بھی تو گہری تھی۔ پتہ نہیں وہ کیسے ضبط
کر گیا تھا۔

وہ اندر چلی گئی جبکہ وہ لان میں رکھی کرسیوں کی طرف آ گیا اور اخبار اٹھا کر اس کی ورق
گردانی کرنے لگا۔ اس کے دماغ میں عجیب سی کھولن ہو رہی تھی جسے دبانے کے لئے وہ اندر

جانے کی بجائے وہیں بیٹھا رہا۔ ورنہ دل چاہ رہا تھا اس بے حس، بے مہر لڑکی کو جھنجھوڑ کر رکھ دے۔ وہ کس بری طرح سے اس کا دل توڑ گئی تھی اور ملال تک نہ تھا۔

اس نے اخبار لپیٹ کر کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں اور اپنے آپ سے نجات پانے کی شعوری کوشش کرنے لگا۔

⁂☆⁂

میں گیا تھا اس گلی میں کئی خواہشیں پہن کر
وہ جو تھیں بہت شناسا
انہی کھڑکیوں سے اب کے
کسی رخ کی روشنی سے نہ چراغ کوئی لرزا
نہ کوئی ستارا چمکا، نہ ہی پھول کوئی آیا
دلِ منتظر کی جانب
نہ اٹھائی کوئی چلمن کسی دست پر حنا نے
نہ صبا کی دستکوں سے کوئی پردہ سرسرایا
کسی خواب سے الجھ کر نہ تو چوڑیاں ہی چھنکیں
کسی آنکھ میں سمٹ کر
نہ ہی چاند مسکرایا
میں گیا تھا اس گلی میں
کئی خواہشیں پہن کر

سیف الرحمٰن عجیب اضمحلال کے ساتھ گھر آیا تو تانیہ آئی بیٹھی تھی۔ اس پر ایک نظر ڈال کر وہ بالوں پر ہاتھ پھیرتا ہوا اندر آ گیا۔

''کب آئیں تم؟'' پتہ نہیں تانیہ کی نگاہ میں کچھ ایسا تھا یا پھر اس کے اپنے دل کا چور تھا۔ وہ نظریں جھکا کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

''خاصی دیر ہو گئی ہے۔ بس آپ ہی کا انتظار کر رہی تھی۔ کہاں گئے تھے آپ؟ صبوحی بتا رہی تھیں، آپ آفس سے آ کر پھر دوبارہ کہیں گئے ہیں۔''

''ہوں۔'' اس نے فقط ہنکارا بھرا اور تانیہ کی بیٹی گڑیا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''میں آپ کی امانت دینے آئی تھی سیفی بھائی!'' تانیہ اٹھ کر اس کے ساتھ والے سنگل صوفے پر آ کر بیٹھ گئی اور ایک طرف رکھے شاپر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ ''لالہ رخ

مردان جا چکی ہے رخصت ہو کر۔ اور ظاہر ہے یہ تحائف اس کے گھر والوں میں سے کوئی بھی وصول نہیں کرے گا، بلکہ میرا وہاں جانا ہی کسی کو پسند نہیں ہے اور ظاہر ہے ہو بھی کیسے۔''
تانیہ ایک ہلکی سانس بھر کر رہ گئی۔

سیف الرحمٰن نے شاپر کو خالی خالی نظروں سے دیکھا۔ تاہم بولا کچھ نہیں۔

''آپ حمزہ کے باپ ہونے کے ناتے خود جا کر دے آئیے نا۔'' تانیہ ایک لمحے توقف کے بعد بولی۔

''مم...... میں...... مگر میرا جانا کیسے ممکن ہے؟'' سیف الرحمٰن کے بدن میں پہلی بار ہلکی سی جنبش ہوئی۔ اس نے تانیہ کو دیکھا۔ صبوحی اندر داخل ہوئی تو وہ چپ سا ہو گیا۔ وہ شربت کا گلاس تانیہ کو پکڑا کر واپس ہو لی۔ تب وہ بولا۔ ''تم کہتی ہو اس کے گھر والے تمہارا قدم رکھنا وہاں ناپسند کرتے ہیں تو پھر میری موجودگی کو دیکھ کر وہ......''

''حمزہ پر آپ کا حق تو ختم نہیں ہو گیا، بلکہ یہ حق تا عمر ختم نہیں ہو سکتا۔ آپ تاحیات حمزہ کے باپ کہلائیں گے۔'' تانیہ نے کہا تو سیف الرحمٰن اسے ٹکر ٹکر دیکھنے لگا۔ اس کے دماغ میں عجب سا چھناکا ہوا۔ کوئی روشنی کا جھماکا ہوا تھا، جیسے کوئی نئی سوچ بجلی کی طرح کوندی ہو۔ اس نے لب بھینچ لئے اور نظریں تانیہ کے چہرے سے ہٹا کر سامنے دیوار پر مرکوز کر لیں، پھر ایک ہنکارا بھرتے ہوئے آہستگی سے بولا۔

''تم ایک کام کرو تانیہ، فقط ایک کام۔ وہ یہ کہ یہ معلوم کرو کہ لالہ رخ ملتان کب آتی ہے۔'' اس کی آواز عجیب سرسراتی سی تھی۔

''اس سے کیا ہو گا؟'' تانیہ نے قدرے تعجب سے اسے دیکھا۔

''یہ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔'' وہ صوفے کے ہتھے پر ہتھیلی کا دباؤ ڈال کر کھڑا ہو گیا۔ پھر شاپر پر ایک نظر ڈال کر بولا۔ ''یہ تم ابھی اپنے پاس ہی رکھو، لالہ رخ ملتان آئے تو اسے دے دینا۔'' یہ کہہ کر وہ کمرے سے چلا گیا۔

تانیہ شربت کا گلاس تھامے عجیب سے احساسات میں گھری بیٹھی تھی۔ کہیں میں نے کوئی غلطی تو نہیں کر دی، سیفی بھائی کو لالہ رخ کی شادی کا بتا کر؟ وہ اپنے دل پر یکلخت ایک گرداب منڈلاتا محسوس کرتے ہوئے شربت کا فقط ایک گھونٹ بھر کر کھڑی ہو گئی۔

⁂☆⁂

اِک ایسے شخص سے بھی راہ و رسم ہے اپنی
جو بے رخی سے ملے اور اجنبی نہ لگے

وہ حمزہ کے ایڈمیشن سے فارغ ہو کر گھر آیا تو وہ کچن میں دکھائی دی کباب فرائی کرتی ہوئی۔ مجتبیٰ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھا کھانے کا منتظر تھا مگر اس کی زبان مسلسل چل رہی تھی۔

''آیئے طفیی بھائی! آج آپ اپنی زوجہ محترمہ کے ہاتھوں کا لنچ نوش فرمایئے۔ ان کے خیال میں وہ بہترین کک ہیں، میں نے کہا تجربہ ہو جائے، دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ ہو جائے گا'' وہ اسے دیکھتے ہی بولا۔ پھر حمزہ کو دیکھ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ ''کہو پارٹنر! ہو گیا اسکول میں ایڈمیشن؟''

لالہ رخ اس کے قدموں کی چاپ پر کانشس ہو گئی تھی، پھر آہستگی سے کچن کی جالی سے دیکھا، وہ اسی کی طرف آ رہا تھا۔ مجتبیٰ کی بات پر مدھم سی مسکراہٹ اس کے چہرے کا احاطہ کر گئی۔

کچن کے دروازے پر آ کر رکا تو اس نے سٹپٹا کر جلدی سے نظریں دوبارہ برنر کی طرف کر لیں اور تلے ہوئے کباب پلیٹ میں نکالنے لگی۔

مصطفیٰ خان کو اس کے سبک ہاتھوں میں خفیف سی لرزش بہت واضح طور پر دکھائی دی۔

''آپ کھانا کھائیں گے؟'' اس کی موجودگی اور مسلسل خاموشی سے اپنی جانب تکتے پا کر وہ جزبز سی ہو کر بولی تا کہ یہ محویت ٹوٹے۔

''آپ کھلائیں گی تو ضرور کھائیں گے۔'' اس نے دل آویز نگاہ اس کے تپتے ہوئے چہرے پر ڈالی۔ اس لمحے وہ اپنی اپنی سی محسوس ہونے لگی۔ اسے لگا، باورچی خانے میں رنگ سے بھر گئے ہوں۔ ''اتنی اپنائیت سے زہر بھی کھلاؤ گی تو کھا لیں گے جناب!'' وہ ذرا سا اس کی جانب جھکا، پھر چہرہ اٹھا کر یوں گہری سانس کھینچی جیسے اس کے وجود کی مہک اپنے اندر تک اتار رہا ہو۔

''باہر آ جایئے طفیی بھائی! کبابوں کی خوشبو باہر بھی آ رہی ہے۔'' مجتبیٰ کی شرارت آمیز آواز پر وہ بے ساختہ ہنسا تھا، جبکہ لالہ رخ عجیب سی وحشت کا شکار ہونے لگی تھی۔

''تمہیں کیا تکلیف ہے اگر میں نزدیک سے کبابوں کی خوشبو سونگھوں تو؟''

''ہاں، اگر صرف خوشبو سونگھنے تک ہے تو فکر کی بات نہیں ہے۔ بس چٹ نہ کر جایئے کہ یہاں تک آتے آتے پلیٹ خالی ہو جائے۔'' اس کی بات پر مصطفیٰ خان نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا۔ اس کا بھاری گمبھیر قہقہہ صرف باورچی خانے کی چہار دیواری میں نہیں لالہ رخ کو اپنے دل میں بھی گونجتا محسوس ہوا۔ وہ ملازمہ کے ہاتھ سے پلیٹیں لے کر خود ہی کر اس بہانے باہر نکل آئی۔

''واہ، خوشبو تو بڑی اچھی ہے۔'' مجتبیٰ نے کبابوں کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے ایک گہری سانس کھینچی۔

''صرف خوشبو پر مت جاؤ، کھا کر دیکھو۔ اصل چیز برتنے پر کھلتی ہے۔'' وہ بھی آستین فولڈ کرتا ہوا ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

لالہ رخ اس کے لہجے میں چھپے طنز کو محسوس کر کے اپنی جگہ پہلو بدل کر رہ گئی۔ پھر حمزہ کو اپنے اور مصطفیٰ خان کے درمیان والی کرسی پر بٹھا کر نیپکن باندھنے لگی۔

''ہو گیا ایڈمیشن اس کا؟'' مورے بیٹھتے ہی بولیں۔

''بالکل۔ اتنا جینئس بچہ ہے یہ، ایڈمیشن کیسے نہ ہوگا۔'' اس نے کٹی ہوئی سلاد سے کھیرا اٹھا کر منہ میں ڈالا پھر ابرو اچکا کر لالہ رخ پر ایک نظر پھینکی۔ ''بس تھوڑا سا ضدی ہے، پرنسپل کو آخر تک سلام کر کے نہیں دیا۔ پورا ماں پر گیا ہے۔'' آخری جملہ اس نے آہستگی سے کہا۔

وہ بلاوجہ حمزہ کے نیپکن کو جھاڑنے لگی۔

''چلو پرنسپل ہمارے شہزادے کو پسند نہیں آئی ہوگی۔ مگر اسکول کیسا لگا پارٹنر؟'' مجتبیٰ، حمزہ سے پھر باتیں کرنے لگا۔ وہ اس کی توتلی زبان کو سن کر محظوظ ہوتا تھا۔ مورے بھی ہنس رہی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس گھر والوں کے لئے حمزہ ایک جیتا جاگتا پیارا سا کھلونا ہو۔

''تم نے کھانا ابھی تک شروع نہیں کیا؟'' مورے کا دھیان اچانک اس کی طرف گیا۔

''جی، وہ بس میں حمزہ کو کھلا دوں پہلے۔'' وہ کسی خیال میں گم تھی کہ مورے کی آواز پر جلدی سے بولی اور حمزہ کی پلیٹ میں چاول نکالنے لگی۔

''اسے میری طرف دے دو، میں کھلا دیتی ہوں۔ تم نے تو صبح ناشتہ بھی ڈھنگ سے نہیں کیا تھا۔ اسی طرح شرماتی رہو گی تو بیمار پڑ جاؤ گی۔ طفیی! تم ہی ذرا دھیان دے دیا کرو۔'' ان کا رخ یکدم مصطفیٰ خان کی طرف ہو گیا۔ اب وہ اسے گھرکنے لگی تھیں۔ وہ گڑبڑا گیا۔

''اب نوالے بنا بنا کر تو کھلانے سے رہا مورے۔'' وہ آہستگی سے بولا۔ مجتبیٰ بے ساختہ مسکراہٹ چھپانے کو سر جھکا گیا تھا، پھر کرسی دھکیل کر دبی دبی مسکراہٹ کے ساتھ فریج سے سوفٹ ڈرنک نکال کر لابی کے صوفے پر بیٹھ گیا۔

''نوالے بنا بنا کر کھلانے کو کون کہہ رہا ہے۔ مگر ذرا دھیان دے دیا کرو، ساتھ ہی بیٹھی ہے تمہارے مگر ابھی تک اس کی پلیٹ خالی ہے، ایک نوالہ نہیں توڑا اس نے اور تم ہو کہ اچھے سے زیادہ کھا چکے ہو۔''

لالہ رخ، مصطفیٰ خان پر پڑنے والی اس کھلی پھٹکار پر اندر ہی اندر شرمسار ہو گئی۔

"میں شرما نہیں رہی ہوں مورے، بس وہ صبح کچھ بھوک نہیں تھی۔" وہ وضاحت دینے کی
کوشش کرنے لگی۔ ادھر حمزہ ضد کر رہا تھا کہ وہ مصطفیٰ خان کے ہاتھ سے کھانا کھائے گا، مورے
کا ہاتھ بار بار جھٹک رہا تھا۔

"کھا لو جلدی سے۔" وہ اسے دبی زبان سے گھرکنے لگی ساتھ میں آنکھیں بھی دکھائیں۔
یہ لڑکا الگ اس کی ہر وقت سبکی کرانے پر تلا رہتا تھا اور یہ سارا کیا دھرا اسے مصطفیٰ خان کا لگ
رہا تھا۔ جانے کیا جادو کر دیا تھا اس پر کہ اسے ماں کا وجود دکھائی ہی نہ دیتا تھا۔

"پاپا سے کھاؤں گا، پاپا سے کھاؤں گا۔" وہ اچانک چلا کر پلیٹ دھکیلنے لگا۔

"کیا بات ہے؟ کیا ہوا؟" وہ سب ہی اس کی طرف متوجہ ہو گئے جبکہ لالہ رخ سناٹے
میں رہ گئی تھی۔

"پاپا۔"

اُس کے وجود پر کوئی برق سی گری تھی اور اسے اپنا وجود جلتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔

※☆※

حفظ ہیں نقش مجھے سارے ترے چہرے کے
ترے چہرے کی بہت کی ہے تلاوت جاناں
ایک عرصے سے ہے موجود یہ فرقت جاناں
پھر بھی تازہ ہے مرے پیار کی رنگت جاناں

اُسے اپنے منتشر اعصاب سمیٹنے کے لئے مضبوط قوتِ ارادی کی ضرورت تھی۔ اس نے
پلکیں اٹھا کر مصطفیٰ خان کی طرف دیکھا۔ وہ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا اور اس کے چہرے کے
بدلتے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔ نظریں ملنے پر اس کے لبوں پر عجیب فاتحانہ مسکراہٹ
رینگ گئی یا لالہ رخ کو ہی کچھ ایسا محسوس ہوا۔

مورے، حمزہ کو بہلا کر اپنے ساتھ والی کرسی پر بٹھا رہی تھیں۔ وہ آہستگی سے کرسی دھکیل
کر کھڑی ہو گئی۔ کمرے میں جانے کی بجائے وہ ٹیرس میں آئی اور گلاس وال دھکیل کر یوں
گہری گہری سانس کھینچی جیسے اندر کی گھٹن اور حبس کم کرنے کے لئے تازہ ہوا کی اشد ضرورت
محسوس کر رہی ہو۔

"اندر اگر بہت حدت اور حبس جمع ہو جائے تو بیرونی ہوا چاہے کتنی ٹھنڈی اور تازہ ہو، وہ
اس حدت کو کم نہیں کر سکتی۔" مصطفیٰ خان کی آواز پشت سے ابھری۔ وہ اس کے پیچھے ہی چلا
آیا تھا۔ "یہ حبس اور گھٹن صرف منفی سوچ سے جنم لیتی ہے، منفی سوچوں سے مشروط ہے، اس کا
توڑ بیرونی ہوا نہیں کر سکتی۔ ویسے بہت آسان علاج ہے اس کا۔" اس نے اپنائیت کے
احساس سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس میں عجیب نرماہٹ اور گداز پن تھا مگر لالہ
رخ کو اپنا کندھا یوں سلگتا محسوس ہونے لگا گویا اس پر دہکتا ہوا انگارہ رکھ دیا گیا ہو۔ چاہنے
کے باوجود وہ اس کا ہاتھ نہ جھٹک سکی۔

"صرف مثبت انداز میں سوچو، روشن پہلو کو دیکھو، روشنی کو اندر آنے کا راستہ دو، پھر دیکھو
یہ اندھیرے خود بخود دم توڑ دیں گے۔" اس نے آگے ہو کر گلاس وال کی سلائیڈ کھول دی۔
فرحت بخش ہوا صرف ایک سلائیڈ کھلنے کی منتظر ہے لالہ! صرف ایک ذرا سی دیوار ہٹانے

کی منتظر ہے۔ یہ تمہیں سیراب کر دے گی، تمہارا سارا حبس چوس لے گی، ساری گھٹن نکال دے گی۔"

وہ اسے نرم نگاہوں سے دیکھ رہا تھا، پھر اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ لالہ رخ کو اپنا پورا وجود ان دیکھی آگ میں جلتا محسوس ہونے لگا۔ اسے لگا وہ سلگتے ہوئے شعلوں میں گھر گئی ہو۔ کوئی راستہ نہ سجھائی دے رہا تھا۔ صرف آگ کی لپیٹیں اٹھتی محسوس ہو رہی تھیں۔

اس نے مصطفیٰ خان کی طرف بس بے فیض نگاہوں سے دیکھا اور آہستگی سے پیچھے ہٹتے ہوئے کرسی پر ڈھے سی گئی۔

"مجھے تنہا چھوڑ دیں، پلیز لیو می الون۔"

مصطفیٰ خان کا چہرہ ایک پل کے لئے متغیر ہوا، اس کا بڑھا ہوا ہاتھ آہستگی سے اپنے پہلو میں گر گیا۔

"اگر تنہا رہ کر تم خوش ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں، میری موجودگی اگر تمہیں اذیت دیتی ہے تو میں کوشش کروں گا تمہارے سامنے نہ آؤں۔" اس نے ایک گہری سانس کھینچ کر دونوں ہاتھ ٹراؤزر کی جیب میں ڈال لئے اور اس کے سرخ تپتے چہرے پر ایک نگاہ ڈال کر بولا۔ "اگر تم ملتان جانا چاہتی ہو تو چلی جاؤ۔ مگر پلیز واپس ضرور آنا، اس گھر میں صرف میں ہی نہیں اور بھی بہت سے لوگ تمہیں چاہتے ہیں، ان کے لئے ہی سہی۔"

وہ پلٹ کر نکل گیا۔ لالہ رخ نے تڑپ کر ٹیرس سے لگے موتیوں کی کرٹین (Curtain) کو دیکھا جو لمحہ بھر کے لئے منتشر ہوئی تھی۔

وہ دانستہ اس شخص کو دکھی نہیں کرنا چاہتی تھی، مگر ایسا بالکل غیر اختیاری طور پر ہو جاتا تھا اور پھر جس طرح حمزہ نے مصطفیٰ خان کو "پاپا" کہا تھا، اس بات نے اسے مزید اعصابی شاک پہنچایا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ یہ شخص کوئی جادوگر ہے اور حمزہ کو اپنے اس جادو سے چھین لینا چاہتا ہے۔

ایسی اور اس طرح کی بہت سی سوچیں اس کے اندر جڑ پکڑ لیتیں، کبھی اکھڑنے لگتیں۔ اسی کشمکش میں وہ نڈھال ہو کر رہ جاتی۔

اس کا دل چاہتا وہ اس شخص کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑے، اس سے کہے، کیوں وہ اس کی زندگی کی پُرسکون جھیل میں پتھر مارنے چلا آیا ہے؟ اسے ٹھہری ہوئی ندی کی طرح رہنے کیوں نہیں دیتا؟ کیوں تلاطم پیدا کر دیتا ہے؟"

وہ زندگی تھی یا نہیں۔ جی تو رہی تھی۔

زندگی گزار رہی تھی یا زندگی اسے گزار رہی تھی۔ مگر گزر تو رہی تھی۔

محبت کے بغیر بھی تو کتنوں کی زندگی گزری ہے اور گزر رہی ہے، ایک اس کی بھی گزر جاتی۔ محبت کا سکھ تو ایک آزاد پنچھی کی طرح ہے، کوئی اسے پکڑ کر اپنے دل کی منڈیر پر نہیں بٹھا سکتا۔ یہ تو خود اڑ کر کسی منڈیر پر جا بیٹھے اور کسی منڈیر پر عمر بھر نہ بیٹھے۔

اس نے آہٹ پر آنکھیں کھول دیں۔ مجتبیٰ، حمزہ کو اٹھائے اندر آتے ہوئے بولا۔

"بھابی! میں حمزہ کو لے کر جا رہا ہوں ذرا۔ اور ہاں، آپ کو مورے بلا رہی ہیں، آپ نے لنچ بھی نہیں کیا۔"

وہ کرسی سے کھڑی ہوگئی اور پلٹی۔ حمزہ، مجتبیٰ کی گود میں تھا اور بڑا خوش دکھائی دے رہا تھا۔ کاش، وہ بھی حمزہ کی طرح بچہ ہوتی، ہر کسی سے مانوس ہو جانے والا بچہ۔ ذرا سی توجہ اور محبت پر بہل جانے والا بچہ۔

مجتبیٰ کو جاتے ہوئے اس نے دیکھا اور بس سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

عجیب سی تھکن روح کو کاٹتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ دوپٹہ اچھی طرح سر پر ڈال کر ٹیرس سے باہر آ گئی۔ مورے ڈائننگ ٹیبل پر اس کی منتظر تھیں۔ وہ شرمندہ سی ہوگئی۔

کتنے بہت سے لوگوں کی توجہ اور محبت سے یوں یکلخت دامن چھڑا لینا بھی کتنا مشکل ہوتا ہے۔

وہ چپ چاپ کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ اس کے علاوہ چارہ نہ تھا۔

***

اُسی ایک نقش کے عکس ہیں
یہ زمین بھی، یہ زمان بھی
جواں آرزو کے صنم کدے
تھکی جستجو کے جہان بھی
وہی ایک موج نمود ہے
کبھی دشت میں، کبھی باغ میں
اُسی ایک ڈال کے پھول ہیں
یہ یقین بھی، یہ گمان بھی

جس دن سے ملتان سے آئی تھی، کسی پل اسے قرار نہیں تھا۔ ایسا لگ رہا تھا بالکل نئی داستان ہو کر رہ گئی ہو۔

کچھ پا لینے کے احساس کی خوشی اب کانٹا بن کر وجود میں گڑ کر رہ گئی تھی۔

اس طرح تو نہیں سوچا تھا۔ یہ تو نہیں چاہا تھا کہ طلال اس کی زندگی میں آئے اور اسے اس طرح ملے کہ خوشی کا احساس آگ بن کر دل سے چمٹ جائے اور روح کو جھلساتا رہے۔

اس نے بوگن ویلیا کے سوکھے پھولوں کے ڈھیر پر ہاتھ پھیرا۔

اسے لگا اس کا دل بھی اس طرح شاخِ نہاں سے ٹوٹ کر اداسی کی کیاری میں جا گرا ہو اور سوکھتا جا رہا ہو۔

پلوشہ نے اسے بتایا تھا کہ لالہ رخ ان دنوں ملتان آئی ہوئی ہے۔ یہ خبر اسے مہ وش نے دی تھی۔ وہ مہ وش اور نازش سے فون پر ہونے والی باتیں اسے بتاتی اور کبھی طلال کے نام پر اسے چھیڑتی۔ مگر اس کے دل کے ساز سے کوئی موسیقی نہیں نکلتی تھی۔

طلال نے ایسا مضراب مارا تھا کہ سارے تار ہی ٹوٹ گئے تھے، تاہم اس کا دل کئی بار چاہا کہ وہ لالہ رخ کو فون کرے، اس سے باتیں کرے۔ اسے ایک بار دیکھنے اور ملنے کی خواہش جاگی مگر چاہنے کے باوجود وہ اسے فون نہ کر پائی۔

وہ کرسی سے اٹھ کر لان میں بے قرار روح کی مانند چک پھیریاں کھانے لگی۔ اب تو جیسے ایک یہی شغل ہو کر رہ گیا تھا۔

کمپیوٹر پر گرد چڑھ گئی تھی۔ کتابیں یونہی شیلف میں پڑی رہتیں۔ وہ اسٹڈی روم میں آتی اور شیلف سے کتاب اٹھاتی مگر پھر واپس رکھ دیتی۔ کمپیوٹر کے سامنے بیٹھتی مگر کی بورڈ پر یوں ہی انگلیاں مار کر کھڑی ہو جاتی۔

زندگی سے اس طرح سکون خارج ہو جائے گا اس کا تصور بھی نہ تھا اس کے پاس۔

کتنا سچ کہا تھا لالہ رخ نے کہ ”عورت جتنا محبت کے پیچھے بھاگتی ہے، اتنا ہی اسے بے مہری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حقیقی زندگی میں محبت کی صورت سالم نہیں رہتی، وہاں ہمیں حالات کے تابع ہو کر زندگی گزارنا پڑتی ہے۔ وقت، حالات اور تقدیر کے مطابق زندگی بتانی پڑتی ہے۔“

اور وہ سوچ رہی تھی کہ وہ طلال کے اس خودغرضانہ فیصلے کی بھینٹ چڑھنے پر مجبور تھی۔ یہ طوق پہنے رہنے پر مجبور تھی۔ لالہ رخ نے اسے طلال سے منسوب کرنے کے لئے مصطفی خان سے شادی پر ہامی بھری تو وہ لالہ رخ کی خاطر یہ زہر پینے پر مجبور تھی۔

رات پلوشہ سے اسے پتہ چلا کہ اس کی ساس یعنی رفیعہ بیگم نے فون پر امی سے بات کی ہے۔ وہ روشانہ کو رخصت کرانا چاہتی تھیں اور اسلام آباد آ کر باقاعدہ تاریخ طے کرنا

چاہتی تھیں۔

اس کا دل اس خبر پر بکھرنے لگا۔

جب امی نے یہی خبر اسے دی تو اس نے اچھا خاصا ہنگامہ کھڑا کر دیا۔

”کم از کم ایک سال تک میں رخصت ہونے کے موڈ میں نہیں ہوں۔“ یہ اس کا کہنا تھا جس پر امی کے ساتھ حسب عادت دادی کا پارہ بھی ہائی ہو گیا۔

”یہ سال کی بیخ میری تو سمجھ میں نہیں آئی۔ آج نہیں تو کل، جب رخصت ہونا ہے تو ابھی کیوں نہیں؟“

”شاید آپی کی عقل داڑھ نکل رہی ہو گی دادی۔ اسی لئے ایک سال رکنے کو کہہ رہی ہیں۔“ چھوٹی ہما شرارت سے بولی۔ جواباً اسے روشانہ کی تیز نگاہوں کا سامنا کرنا پڑا۔

”لو دیکھو ذرا، وجہ بھی بیان کی تو ایسی۔ اب کیا میں ساری زندگی تمہیں اپنے پہلو میں بٹھائے رکھوں گی؟ بس زیادہ ہڑکا مچانے کی ضرورت نہیں ہے۔ نکاح اتنا عرصہ یونہی رہے تو ہزار وسوسے اٹھتے رہتے ہیں۔ عجیب طرح کے ہول آتے ہیں۔“ امی کو اس کا احتجاج ذرا نہ بھایا تھا۔

مگر رات ابو کے آنے پر وہی ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ اس نے ان کے سامنے احتجاج بلند کیا۔ اس کا ردعمل اس قدر شدید تھا کہ امی کے ساتھ دادی کو بھی غصے کے ساتھ حیرت ہوئی۔

”آخر وجہ بھی تو کوئی معقول ہو۔“

”کوئی وجہ نہیں ہے۔ بس میں ذہنی طور پر ابھی تیار نہیں ہوں۔“ اس نے پاپا کے برابر کرسی کھینچی اور بیٹھ گئی۔ پاپا نے اس کی طرف دیکھا، وہ سخت پریشان دکھائی دے رہی تھی۔

”یہ ایک نیا فیشن نکل آیا ہے، ذہنی طور پر تیار نہیں ہوں۔ جب نکاح ہو، تبھی لڑکی کو ذہنی طور پر تیار ہو جانا چاہئے، منگنی کی رسم بھی اسی لئے ہوتی ہے کہ لڑکی خود کو نئے گھر، نئے ماحول میں ڈھالنے کو تیار ہو جائے۔ ٹھیک ہے خوف، گھبراہٹ فطری ہے مگر بی بی! ہم کون سا تمہیں کل ہی کو رخصت کر رہے ہیں۔ آنے والی عید کے ہفتہ بھر بعد کی تاریخ دیں گے۔ یوں تین ماہ تو مل جائیں گے تمہیں ذہنی طور پر تیار ہونے کے لئے۔“

دادی کی بات پر اس کی آنکھیں یکدم گیلی ہو کر چمکنے لگیں۔ اس نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

”آخر میری بھی کوئی حیثیت ہے اس گھر میں یا نہیں؟“ اس نے زور سے چیخنا چاہا مگر آواز آنسوؤں کی یورش سے بھاری ہو گئی اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ تم جو چاہو گی وہی ہو گا۔" پاپا جو کب سے سب کی سن رہے تھے بیٹی کے آنسوؤں پر یکلخت پگھل گئے۔ گو کہ دل سے وہ بھی یہی چاہ رہے تھے کہ رخصتی کے فرض سے سبکدوش ہو جائیں مگر روشانہ کا احتجاج بھی نظرانداز نہیں کر سکتے تھے۔

وہ اٹھ کر اس کی کرسی کی طرف چلے آئے اور اسے نرمی سے کندھوں سے تھاما۔

"تم جو چاہو گی، ویسا ہی ہو گا، کوئی زبردستی نہیں ہو گی تم پر۔" انہوں نے تسلی آمیز انداز میں اسے تھپکا تو اس نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔ وہ ہلکے سے اس کا سر تھپک کر مسکرا دیئے۔ امی نے لب بھینچ کر سر جھکا لیا مگر دادی سے رہا نہ گیا، وہ بیٹے پر الٹ پڑیں۔

"بس تمہاری اسی بے جا لاڈ پیار کی عادت نے اسے خودسر بنا دیا ہے۔ اے میاں! عقل کے ناخن لو، نکاح شدہ بیٹی کو گھر بٹھائے رکھنا کوئی دانش مندی نہیں ہے۔ میں تو نکاح کے بعد رکھنے کے حق ہی میں نہیں تھی۔ ادھر نکاح ہو ادھر وہ اپنی امانت لے جائیں۔

"اماں! اب وقت بہت بدل گیا ہے۔ معاشرے میں بہت سی تبدیلیاں آ چکی ہیں۔ اب سوچوں میں بھی تبدیلیاں لائیے۔" پاپا یہ کہہ کر دوبارہ اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔

"تم نئی نسل کو ہم تجربے کار لوگوں کے مقابلے میں فوقیت دے کر اچھا نہیں کر رہے اسد! یہ کل کی بچیاں، انہیں کیا خبر۔ انہوں نے کون سی دنیا دیکھ رکھی ہے۔ ان کے تو بس سارے فیصلے موڈ کے تابع ہوتے ہیں۔ اور بھلا شادیاں کوئی کھیل ہیں کہ موا موڈ ہوا تو کر لی ورنہ نہیں۔" دادی بکتی جھکتی بیٹے سے خفا ہو کر ڈائننگ روم سے چلی گئیں۔

روشانہ ندامت کا شکار ہو گئی۔ ایک عجیب سی بے بسی اور رنج محسوس کر کے رہ گئی۔

☆☆☆

حمزہ نے لالہ رخ کو رات بھر پریشان کیا تھا۔ نہ خود سو پایا تھا، نہ اسے سونے دیا تھا۔ نہیں چند دنوں میں ہی مصطفیٰ خان نے اس کی ایسی عادت بنا دی تھی کہ وہ اسی کے پاس جانے کی ضد کرتا رہا کہ پاپا کے پاس جا کر سوؤں گا۔

جھنجلا کر اس نے کئی تھپڑ اسے دے مارے، تب کہیں جا کر وہ روتے روتے سو گیا۔ مگر صبح پھر اس کی وہی ضد شروع ہو گئی۔

وہ اسے بہلانے کی غرض سے قریبی پارک میں لے آئی۔ کوئی گھنٹہ بھر اس کے ساتھ بے مقصد کھیلتی رہی۔ بہرحال اسے اپنا بیٹا بے حد عزیز تھا اور اس کے خیال میں اس کے پاس بس وہی تو اس کی کل متاع تھی جسے وہ کسی قیمت پر خود سے جدا نہیں کر سکتی تھی۔ اگر وہ اس سے دور ہو گیا تو وہ بھلا کیسے جی پائے گی؟

"نہیں مصطفیٰ خان! میں تمہیں حمزہ کو خود سے نہیں چھیننے دوں گی۔ میں جانتی ہوں یہ تمہاری سازش ہے۔ تم اسے اپنی جادوئی محبت سے اپنا اسیر کر کے مجھ سے چھین لینا چاہتے ہو۔ جس طرح میرے گھر والوں کو اسیر کر لیا تھا۔ تم جادوگر ہو۔" غصے، تھکن اور جھنجلاہٹ کے غلبے کے باعث سوچ کا دھارا پھر منفی رخ کی طرف بہنے لگا۔

کوئی مغرب سے ذرا پہلے وہ حمزہ کو لئے گاڑی کی طرف بڑھی کہ تانیہ سے ملاقات ہو گئی۔ وہ اپنی بیٹی کے ہمراہ تھی۔ اسے دیکھ کر لالہ رخ کو جانے کیوں بے نام سی خوشی ہوئی۔

"ارے آپ مردان سے کب آئیں؟ میں تو دن گن رہی تھی اور دعا مانگ رہی تھی کہ ایک بار اور ملاقات ہو جائے۔" وہ سفید چادر کی بکل مارے بیٹی کی انگلی تھامے مسرور سی لالہ رخ کے نزدیک چلی آئی۔

وہ بہت بدل گئی تھی، پہلے جیسی تانیہ نہیں رہی تھی جو دوپٹے سے بے نیاز، تیز میک اپ کی دلدادہ، جو خود کو نمایاں کرنے کے جتن کرتی رہتی تھی۔ مگر اب سادہ کپڑوں اور صاف ستھرے دھلے چہرے کے ساتھ بڑی سی چادر میں وہ خاصی سلجھی ہوئی اور باوقار دکھائی دیتی تھی۔

"کل ہی آئی ہوں۔ کچھ دن رہوں گی۔ یہ تمہاری بیٹی ہے؟" اس نے اس کی انگلی تھامے کھڑی بچی کو دیکھا جو حمزہ کے ہاتھ سے چپس کا پیکٹ چھیننے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ہاں، طوبیٰ نام ہے۔" اس نے ایک نظر اپنی بچی پر ڈالی پھر حمزہ کو جھک کر پیار کیا۔

"اس سے ملنے کو بہت دل کر رہا تھا۔ اس کا دل لگ گیا کیا وہاں؟ میرا مطلب ہے اس کے لئے تو وہاں کا ماحول بالکل نیا ہو گا۔" تانیہ کی بات پر لالہ رخ کے دل پر مانوس سا درد پھیل گیا۔ (یہی تو سارا فساد تھا کہ وہ اس ماحول کا حصہ بن کر رہ گیا تھا)

اس نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔

"میرا گھر بے حد نزدیک ہے۔ میں یہاں اکثر و بیشتر واک کرنے آ جاتی ہوں۔ ہارون کہتے ہیں، میں بہت موٹی ہو گئی ہوں، اپنا وزن گھٹاؤں۔ اب کیا کروں، اتنا چلتی ہوں مگر ایک انچ بھی کم نہیں ہوتی۔ آپ کو دیکھ کر رشک آنے لگتا ہے۔ آپ کے فگر میں تو معمولی سا رد و بدل بھی نظر نہیں آتا۔" تانیہ نے اس کے سراپے پر توصیفی نگاہ ڈالی۔ "شاید میں سوتی بہت ہوں، اسی وجہ سے گھٹتی نہیں ہوں۔" یہ کہہ کر ہنس پڑی، پھر دوسرے پل ہنسی سمیٹ کر بولی۔ "نزدیک ہی ہے میرا گھر۔ کیا آپ میرے ساتھ چلنا پسند کریں گی؟ پرانی شناسا سمجھ کر نہیں بلکہ ایک نئی فرینڈ سمجھ کر ہی سہی۔" وہ اس کے چہرے پر پھیلنے والے تاثرات کا جائزہ لے کر جلدی سے بولی تو لالہ رخ تذبذب میں پڑ گئی۔

ایک طرف دل چاہ رہا تھا گھر جانے کی بجائے باہر ہی وقت گزارے، دوسری طرف را
کچھ خلاف ہو رہا تھا۔

''کچھ دیر کے لئے ہی سہی، اس وقت میں گھر پر یوں بھی اکیلی ہی ہوں۔ ہارون تو پنڈی
گئے ہیں اور میری ساس اپنی بہن کی طرف گئی ہیں۔ وہ رات سے پہلے نہیں لوٹیں گی۔ میں
بور ہو رہی تھی۔ آپ مل گئیں تو بے انتہا خوشی ہو رہی ہے۔ کچھ دیر یوں ہی اِدھر اُدھر کی باتیں
کر لیں گے۔'' تانیہ اسے تذبذب میں دیکھ کر اصرار کرنے لگی۔ وہ بادل نخواستہ اس کے ہمراہ
چلی آئی۔

وہ اسے اپنے ساتھ لئے اپنے بیڈ روم میں ہی چلی آئی۔ حمزہ، طوبیٰ کے ساتھ کھیلنے کی
بجائے لالہ رخ کی قمیض کا دامن پکڑے چپکا کھڑا تھا۔

''لگتا ہے یہ جلد کسی سے مانوس نہیں ہوتا۔'' تانیہ اسے پیار سے اپنے پاس بلانے کی
کوشش میں ناکام ہو کر بولی۔

''دراصل اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ رات ٹمپریچر بھی تھا۔'' وہ خواہ مخواہ وضاحت
کرنے لگی۔

''جاؤ حمزہ! دیکھو طوبیٰ کتنی پیاری سی، گڑیا سی بچی ہے، اس کے ساتھ کھیلو۔'' وہ اسے
پچکارنے لگی۔ مگر اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں خفگی اور ناراضگی تھی جیسے یہاں آ کر سخت
بے آرامی محسوس کر رہا ہو، ساتھ اصرار کرنے پر اور چڑ گیا۔

''نہیں، میں طلال ماموں کے پاس جاؤں گا۔ مجھے پاپا کے پاس جانا ہے۔'' وہ لالہ رخ
کی چادر کھینچنے لگا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑے چپس کے پیکٹ اور ٹافیاں احتجاجاً قالین پر پھینک
دیں۔

''میرا خیال ہے، میں پھر آؤں گی تانی۔'' وہ سٹپٹا کر کھڑی ہو گئی۔ تانیہ بہت غور سے حمزہ
کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے لفظ ''پاپا'' کہنے پر اس کے چہرے پر ایک پل کو تغیر رونما ہوا تھا جو
لالہ رخ نے دزدیدہ نگاہوں سے دیکھا۔

''کب...... پھر کب ملاقات ہو گی؟'' تانیہ کو مایوسی سی ہو گئی۔

''میں جتنے دن یہاں ہوں، اس پارک میں آتی رہوں گی۔ وہیں ملاقات ہو جائے گی۔''

''اس کا مطلب ہے کل آئیں گی آپ؟'' تانیہ کا چہرہ کھل اٹھا۔ لالہ رخ نے سر ہلا دیا اور
بکھرے ہوئے حمزہ کو سنبھال کر اس کے گھر سے نکل آئی۔

''کہاں چلی گئی تھیں تم؟ ہم تو پریشان ہو گئے تھے۔ اسے گھر میں داخل ہوتے دیکھ کر

رفیعہ بیگم کی اٹکی سانسیں گویا بحال ہوئیں۔ جاذب اور طلال بھی پریشانی سے ٹہلتے ہوئے
دکھائی دیئے۔

''کہاں جانا تھا، مرنا ہوتا تو بہت پہلے مر چکی ہوتی۔'' وہ کٹیلے لہجے میں بولی اور حمزہ کی
انگلی چھوڑ کر لابی سے گزر کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

''مصطفیٰ کا فون آیا تھا۔'' رفیعہ بیگم بولیں تو وہ ایک پل کو ٹھٹکی۔ ''پریشان تھا وہ کہ تم نے
اسے اپنے خیریت سے پہنچ جانے کی اطلاع تک نہیں دی اور حمزہ کا پوچھ رہا تھا، اس سے
بات کرنا چاہ رہا تھا۔ چلو خیر پھر کر لے گا۔'' رفیعہ بیگم نے دیکھا، وہ ان کی بات پوری ہونے
سے پہلے ہی دروازہ کھول کر کمرے میں جا چکی تھی۔

طلال بڑی جانچتی نظروں سے اس کا معائنہ کر رہا تھا۔ حقیقتاً وہ اس کے رویوں سے الجھ
گیا تھا۔ مصطفیٰ خان سے جتنی بار اس کی بات ہوئی، ملاقات ہوئی اس سے وہ کچھ بھی اندازہ
نہیں لگا سکا تھا کہ آیا لالہ رخ کا رویہ اس کے ساتھ کیسا ہے؟ مگر اب لالہ رخ کے تیور دیکھ کر
اسے لگتا تھا مصطفیٰ خان اس سے بہت کچھ چھپا رہا ہے۔ بہرحال وہ از خود کسی کے معاملات
میں مداخلت نہیں کرنا چاہتا تھا۔

رات کو رفیعہ بیگم اس کے کمرے میں آئیں تو وہ اپنی وارڈ روب کھولے پرانے کپڑوں کا
جائزہ لے رہی تھی اور ان میں سادہ سوٹ نکال نکال کر ایک جگہ ڈھیر کر رہی تھی۔ کپڑوں کا
اسے ہمیشہ ہی سے جنون تھا۔ مورے نے بھی وہاں کپڑوں کے ڈھیر لگا دیئے تھے۔ ہر فیشن
اور تقریباً ہر رنگ کا جوڑا اس کی وارڈ روب میں تھا، مگر ان میں کم ہی بالکل سادہ جوڑا ہوتا۔
اور وہ اپنے پرانے کپڑوں میں سارے سادہ جوڑے نکال کر لے جانے کی نیت سے ایک
طرف رکھ رہی تھی۔ رفیعہ بیگم کو کمرے میں آتے دیکھ کر ذرا سا سر اٹھایا، دوسرے پل اپنے
کام میں منہمک ہو گئی۔

''تم فارغ ہو لو تو پھر میرے کمرے میں آ جانا، کچھ باتیں کرنی ہیں تم سے۔'' وہ خود کو
مصروف ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ رفیعہ بیگم مایوس سی ہو کر بولیں اور پلٹ کر جانے
لگیں۔

''نہیں، ایسی خاص مصروف بھی نہیں ہوں۔ آپ کہئے۔'' وہ جلدی سے بولی، پھر قدرے
نادم سی ہو کر قالین سے اٹھ کر ان کی طرف آ گئی۔ ''یہ کام تو ہوتا ہی رہے گا، آپ بیٹھیں۔''
اس نے نرمی سے ان کا ہاتھ تھام لیا تو رفیعہ بیگم ایک دو پل اس کا چہرہ دیکھتی رہ گئیں۔

''تم خوش تو ہو نا لالی وہاں؟'' وہ اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں دباتے ہوئے بولیں۔

''خوشی کا احساس دل سے اٹھتا ہے۔ خوش ہونے اور رہنے کے لئے کسی جگہ یا علاقے کی قید نہیں ہے۔ میں یہاں بھی ناخوش تو نہیں تھی۔'' وہ ان کے ہاتھوں کے درمیان سے اپنا ہاتھ آہستگی سے کھینچ کر اور ایک ہلکی سی مسکراہٹ اچھالتے ہوئے بولی۔ ''چھوڑیں، آپ کچھ ضروری بات کرنے آئی تھیں۔''

رفیعہ بیگم کو اس کے ہونٹوں پر پھیلنے والی مسکراہٹ سے ذرا تقویت ملی۔ وہ اس کے بیڈ کے کنارے تک گئیں اور اسے بھی اپنے ساتھ بٹھا لیا۔

''میں نے سوچا ہے، تم آئی ہو تو اب طلال کی رخصتی کی بات روشانہ کے والدین سے کر جائے۔ اسد تو انکار کر رہا ہے ابھی۔ مگر میں چاہ رہی ہوں تم زور دو گی تو شاید مان جائے۔ دیکھو نا، پھر نازش کے سسرال والے بھی تاریخ مانگ رہے ہیں اسی سال کے آخر تک۔ ادھر حنا کا میاں بھی کمپنی کی طرف سے تین سال کے لئے جرمنی جا رہا ہے۔ حنا بھی اس کے ہمراہ جا رہی ہے۔ میں چاہ رہی ہوں، ان سب کاموں سے پہلے طلال کی رخصتی خیر سے ہو جائے تو روشانہ اس گھر میں آ جائے۔'' رفیعہ بیگم اسے ساری تفصیل اور حالات سے آگاہ کرنے لگیں۔

اسے اپنی بے خبری اور گھر والوں سے لاتعلق ہو جانے پر دل ہی دل میں ندامت محسوس ہوئی۔ اس نے ملتان آ کر نہ حسنہ سے رابطہ کیا تھا، نہ حنا سے اور نہ ہی روشانہ سے۔ بلکہ گھر میں جو افراد تھے، ان سے بھی جیسے کتراتی پھر رہی تھی اور وہ سب اس کے رویئے کے باعث خود اسے مخاطب کرنے سے جیسے گھبرا رہے تھے۔

''آپ فکر نہ کریں، میں خود بات کروں گی صبیحہ آپا اور اسد بھائی سے۔'' اس نے ندامت کے احساس سے خود کو پگھلتا محسوس کیا۔ ماں کے کندھے پر نرمی سے تھپکی دی، پھر چونکتے ہوئے بولی۔

''مگر اسد بھائی انکار کیوں کر رہے ہیں؟ ہماری تو یوں بھی بات ہو چکی تھی کہ چھ ماہ کے اندر ہی ہم رخصتی کرالیں گے۔''

''یہ بات تو خود میری بھی سمجھ میں نہیں آئی۔ سعد یہ کہہ رہی ہے کہ اماں اور بھابی کو تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بس اسد بھائی ہی ابھی نہیں چاہ رہے۔''

''چلو، میں بات کرتی ہوں۔'' وہ جلدی سے کھڑی ہو گئی۔

اسی پل فون کی بیل ہونے لگی۔ رفیعہ بیگم نے چونک کر فون سیٹ کو دیکھا۔ ''میرا خیال ہے، مصطفیٰ کا ہو گا۔ تم بات کر لو، میں حمزہ کو بھی بھیجتی ہوں۔ وہ خرم کے کمرے میں ہے۔''

رفیعہ بیگم بھی گھنٹی کی آواز پر چونک گئیں۔ پھر اس کے بیڈ سے اٹھ کر کمرے سے چلی گئیں۔ مسلسل بجنے والی گھنٹیاں لالہ رخ کو اپنے دل پر ضرب کی طرح لگنے لگیں۔

''ہیلو۔'' ناچار اس نے فون ریسیور اٹھا لیا اور لہجے کو حتیٰ الامکان نارمل رکھا۔

''مجھے یقین تھا، تم کمرے میں ہی موجود ہو۔ مگر فون ریسیو کرنے سے خوفزدہ ہو۔'' دوسری طرف مصطفیٰ خان کی گمبھیر اور زندگی سے بھرپور آواز ابھری۔

''خوفزدہ کیوں ہونے لگی میں؟'' وہ اس چوٹ پر بلبلا سی گئی۔ خفت کا ہلکا سا احساس چہرے پر آیا اور اس نے شکر کیا کہ اچھا ہے کہ فون پر انسان اپنے مقابل کے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھ پاتا۔

''یہ تو تم خود اپنے دل سے پوچھو۔ میرا خیال ہے کچھ لوگ اپنی شکست کے ڈر سے خوفزدہ رہتے ہیں۔'' اس کا جملہ پتھر کی طرح لالہ رخ کے دل پر لگا۔ وہ تڑپ کر رہ گئی مگر فوری طور پر کچھ نہ کہہ سکی۔ تاہم ردعمل کے طور پر فون پٹخ دیا۔

مگر دوسرے لمحے ہی بیل پھر ہونے لگی۔ اس کا دل تو چاہا کہ وہ کمرے سے چلی جائے مگر بادل ناخواستہ ریسیور اٹھا لیا۔

''میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ تم اپنی شکست کا اعتراف کر لو۔'' وہاں انتہائی اطمینان اور سکون تھا۔ پتہ نہیں وہ اسے گھائل کر کے حظ اٹھا رہا تھا یا اس کے دل کو جھنجوڑ کر کوئی جذبہ پیدا کرنا چاہ رہا تھا۔

''میں نہ خوفزدہ ہوں نہ مجھے شکست کا اعتراف کرنے کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ میری آپ سے کوئی جنگ نہیں ہے۔'' وہ بگڑ کر بولی۔

''یہ تو اور بھی اچھی بات ہے، میں ناحق اپنے ہتھیار تیز کرنے کے جتن کر رہا تھا۔'' وہ یوں ہنسا کہ لالہ رخ کو عجیب سی سبکی کا احساس ہونے لگا۔

''ویسے محبت بھی ایک جنگ ہی ہے، جس میں مقابل کو زیر کرنے کے لئے ذرا جذباتی قسم کے ہتھیاروں کی ضرورت رہتی ہے۔ مگر افسوس کہ مجھے یہاں اس مرحلے پر اپنی نالائقی کا شدت سے احساس ہونے لگا ہے۔ میرے پاس الفاظ کے وہ ہتھیار نہیں ہیں شاید جن سے تم زیر ہو جاتیں۔ دوسرے معنوں میں، میں تمہیں اسیر کر سکتا، اپنی محبتوں کی سچائی کا یقین دلا سکتا۔''

وہ گنگ سی بیٹھی رہ گئی۔ اس کا لہجہ دھیما اور عجیب آنچ دیتا ہوا ہو گیا۔ پھر ایک گہری سانس کھینچ کر وہ ہلکے سے ہنس دیا۔

''یوں بھی میں محبت میں زور و جبر کا قائل نہیں ہوں، محبت کو قید کیا بھی نہیں جا سکتا۔ یہ

آزاد ہے اور آزاد فضا میں ہی پرورش پا سکتی ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے نا کہ محبتوں کو پرندوں کی طرح ہم پنجروں میں بند رکھیں یا قید کر لیں، محبتیں قید ہو ہی نہیں سکتیں۔ محبت کو اپنانا ہو تو پرواز کی تمام تر صلاحیتوں کے باوجود وہ کہیں اور نہیں جائے گی۔ اور نہیں اپنانا ہو گا تو پنجرے بھی بڑے کمزور ہو جاتے ہیں۔"

ایک اذیت آمیزی سی تھی لہجے میں۔ پھر وہ اپنی ہی بات پر ہنس رہا تھا، استہزائیہ ہنسی تھی۔ اچانک وہ اپنے اس سحر سے نکلا اور اس گہری جامد چپ کو محسوس کرتے ہوئے ریسیور پر ہلکے سے انگلیاں بجائیں۔

"ہیلو۔ کہیں پھر ریسیور پٹخنے کا ارادہ تو نہیں ہے؟"

کتنی آسانی سے وہ ساکن جھیل میں پتھر پھینک کر خود ایک طرف کھڑا ہو جاتا تھا اور تماشہ دیکھنے لگتا تھا۔ پتہ نہیں یہ فن اسے ہمیشہ سے آتا تھا یا محض اسے جلانے، سلگانے میں اسے مزا آنے لگا تھا۔

وہی اضمحلال اس کی روح پر ٹپکنے لگا۔ وہ اس کے لفظوں کی شعبدہ بازی سے متاثر نہیں ہونا چاہتی تھی مگر ہو رہی تھی۔ شاید اس لئے کہ متاثر ہو۔ ز کا احساس شعوری نہیں لاشعوری ہوتا ہے اور ایسے وقت انسان اپنی بے بسی پر صرف کڑھ سکتا ہے اور لالہ رخ بھی کڑھ رہی تھی۔

"مورے اور آکا جان کیسے ہیں؟" مسلسل خاموش رہ کر وہ اسے اپنی بے بسی کا احساس دلانا نہیں چاہ رہی تھی۔

"بالکل خیریت سے ہیں مورے۔ مگر صبح ہوتے ہی تمہاری یاد کی تسبیح پڑھنا شروع کر دیتی ہیں۔ ان کے خیال میں یہ لمبا چوڑا گھر انہیں اب تمہارے بنا کاٹنے کو دوڑتا ہے۔ ویسے میرا بھی کچھ ایسا ہی حال ہے۔" وہ آخری جملہ قدرے شگفتگی سے بولا تھا۔ "بلکہ کچھ ایسا حال ہے کہ۔

پھر ساون رُت کی پون چلی تم یاد آئے
پھر پتوں کی پازیب بجی تم یاد آئے
پھر کاگا بولا گھر کے سونے آنگن میں
پھر امرت رُت کی بوند پڑی تم یاد آئے
پہلے تو میں چیخ کے رویا اور پھر ہنسنے لگا
بادل گرجا، بجلی چمکی تم یاد آئے
دن بھر تو میں دنیا کے دھندوں میں کھویا رہا

جب دیواروں سے دھوپ ڈھلی تم یاد آئے"

وہ زچ ہونے کے باوجود فون نہ پٹخ سکی۔ پتہ نہیں کیوں کانوں کو بھلا سا لگا۔

یہ احساس بڑا ہی خوش کن ہوتا ہے کہ آپ اپنی غیر موجودگی کے باوجود وہاں موجود ہیں۔ لاشعوری طور پر مصطفیٰ خان کے گھر میں اپنی کوئی اہمیت، کوئی حقیقت قائم کرنے کی خواہشمند تھی۔ اس کے باوجود یہ احساس کہ وہ اتنی اہم ہے، دل کو عجیب سی طمانیت بخش گیا۔ ایک تھکی تھکی سانس لبوں سے آزاد کرتے ہوئے اس نے ریسیور کان سے ٹکائے ٹکائے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا لی۔

"سچ تو یہ ہے لالہ! کہ حمزہ مجھے رات بھر یاد آیا۔ میں پوری رات جاگتا رہا ہوں۔" وہ بڑی سادگی اور معصومیت سے کہہ رہا تھا۔

"ہاں، حمزہ نے مجھے بھی بہت پریشان کیا۔" وہ بے ساختہ کہہ گئی۔ ادھر وہ یوں کھل اٹھا گویا بجھتے دیے میں یکدم کسی نے بہت سا تیل ڈال دیا ہو۔

"کیا وہ مجھے یاد کرتا رہا؟" اس کے لہجے میں ایسی معصومانہ بے تابی کی لپک تھی کہ وہ جھوٹ نہ بول سکی۔

"ہاں، آپ نے اس کی عادتیں بہت خراب کر دی ہیں۔"

"چلیں، یہ الزام تو آپ ہم پر پہلے بھی کئی بار لگا چکی ہیں۔ بس اب تو منتظر ہوں کہ تم یہ کہو کہ میری عادتیں بھی تم نے بگاڑ دی ہیں طیفی!" وہ اپنے جون میں واپس آ گیا۔ وہ لب بھینچ کر رہ گئی۔ شرم اور خفت نے اس کے چہرے پر ایک رنگ بھر دیا جو مصطفیٰ خان نہیں دیکھ سکا۔

"آپ بات کریں گے حمزہ سے؟" اس نے ریسیور جلدی سے حمزہ کو پکڑا دیا جسے رفیعہ بیگم ابھی چھوڑ کر گئی تھیں...... وہ اس کی مزید کوئی بات نہیں سننا چاہتی تھی۔ عجیب شخص تھا، موجوں میں دھکیل کر ساحل پر لے آتا تھا اور پھر تند موجوں کے حوالے کر دیتا تھا۔

وہ حمزہ سے جانے کیا باتیں کر رہا تھا۔ حمزہ اپنی توتلی زبان میں مسلسل بول رہا تھا۔ اس کے معصوم چہرے پر ہیروں جیسی خوشی دمکتی دکھائی دے رہی تھی جیسے وہ مصطفیٰ خان کی آواز سن کر بے حد مسرور ہو رہا ہو۔ جانے کتنی دیر ہو گئی تھی اسے باتیں کرتے ہوئے۔ پھر اس نے ریسیور اس کے ہاتھ سے لے کر رکھنا چاہا تو وہ رونے لگا۔

"رہنے دو، کیوں رقیب بن رہی ہو؟" مصطفیٰ خان نے اسے ٹوکا۔

"مگر کب تک فون بزی رکھیں گے؟ یہ تو بچہ ہے، رات بھر یہی چاہے گا کہ باتیں کرتے رہیں۔" اسے تشویش ہونے لگی۔ اتنی مشکل سے تو مصطفیٰ خان کا بھوت اتارا تھا اس کے سر

"تم اسد بھائی سے ذرا بات تو کر کے دیکھنا لالی! مجھے تو ان کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی ہے۔ کبھی کہتے ہیں سال بھر کے لئے ٹھہر جاؤ، کبھی کہتے ہیں ہاں بچیوں کے فرض سے سبکدوش ہو جانا چاہئے۔ اب روشانہ کے معاملے میں بھی پتہ نہیں کیا سوچ رکھا ہے۔ بھابی اور اماں ان کی اس دوہری سوچ پر پریشان ہیں۔"

"دراصل اسد بھائی بیٹیوں کو بہت چاہتے ہیں اور ان کی ذہنی آسودگی کا خیال ہر وقت ان کے ذہن میں رہتا ہے جو ایک قابل تحسین بات ہے۔ ہمارے یہاں ماں باپ عموماً بچوں کو اہمیت نہیں دیتے۔ ان کے ذہنوں کو سمجھ کر ان کے مسائل حل کرنے کی بجائے اپنے تجربات کو ہی اولیت دیتے ہیں۔ غلط یہ بھی نہیں۔ مگر فیصلہ کرتے وقت اپنے تجربات اور اولاد کی ذہنی آسودگی دونوں کو ہی مدنظر رکھنا چاہئے۔" لالہ رخ کے لہجے میں غیر محسوس طور پر ایک چبھن سی اتر آئی۔ سعدیہ بھابی نے اس کی طرف دیکھا پھر نظریں چرا گئیں۔

"حنا کہہ رہی تھی، لالی آئیں تو مجھے ضرور بتایئے گا۔ میں ان سے ملنے آؤں گی۔" انہوں نے بات بدلنی چاہی۔

"ہاں، میری فون پر اس سے بات ہوئی تھی کل رات کو۔ وہ بھی جرمنی جا رہی ہے، آفاق بتا رہا تھا۔" اس نے مگ ایک طرف رکھ دیا۔ بے اختیار لب مسکراہٹ سے وا ہو گئے۔ حنا کی بھیگی رندھی ہوئی آواز اور آفاق کی گفتگو اس کے ذہن میں تازہ ہو گئی۔

"وہ تو ہے ہی باؤلی، اب بھلا آفاق تین سال کے لئے اکیلا جائے گا؟ اس کی ساس نے بھی بہتیرا سمجھایا بجھایا ہے، تب کہیں جا کر جانے پر تیار ہوئی ہے۔ میں نے کہا اس سے آفاق چلا جائے گا پھر پیچھے بیٹھی روتی رہنا اور اسے یاد کر کے سلگتی رہنا۔" سعدیہ بھابی۔ آخری جملے پر لالہ رخ کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

"لگتا ہے آپ کے اس جملے پر وہ ٹریپ ہو گئی ہو گی۔"

سعدیہ بھابی بھی ہنس دیں۔

"کہہ رہی تھی لالی کا میاں کتنا اچھا ہے کہ اسے اپنی مرضی سے اتنے دن رہنے کے لئے بھیج دیا ہے۔" سعدیہ بھابی، حنا کی باتیں کرتے ہوئے بولیں۔ وہ اپنی ہی دھن میں تھیں جبکہ لالہ رخ یکدم چپ سی ہو گئی۔

"میں نے کہا کمبخت، تمہیں کون سا آفاق بے جا روک ٹوک کرتا ہے۔ اور جائز روک ٹوک تو اس کا فرض ہے۔ عجیب ہی دیوانی لڑکی ہے۔"

لالہ رخ بس خاموشی سے چائے کے گھونٹ بھرتی رہی۔

⁂☆⁂

رات کھانے کے بعد سب لونگ روم میں ہی جمع تھے۔ لالہ رخ کے میکے میں آ جانے سے رونق بڑھ گئی تھی۔ حسنہ بھی آئی ہوئی تھی۔ عفت چچی کی پوری فیملی بھی نیچے کے پورشن میں ہی تھی۔

رفیعہ بیگم کو بس ایک ہی فکر تھی، روشانہ کی رخصتی کرا لی جائے۔ بقول ان کے انہیں اب گھر کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔

"میں چاہ رہی ہوں، لالہ رخ آئی ہے تو سعدیہ اور اسے لے کر خود اسلام آباد جاؤں اور اسد سے بات کروں۔"

"سوچنے کی بات ہے امی! اسد ماموں اس رخصتی میں ٹال مٹول سے کام لے رہے ہیں۔ کہیں چاچو کی نئے سرے سے انکوائری تو نہیں کروا لی انہوں نے؟" خرم، حمزہ کے ساتھ کارپٹ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"ہمارے چاچو میں کیا کمی ہے، وہ ہزار بار انکوائری کرائیں۔" نازش نے اسے گھور کر دیکھا۔

"تم تو چپکی ہی رہو، چاچو کی چمچی۔" خرم نے جواباً اسے آنکھیں دکھائیں۔

"اچھا بس، اب تم دونوں لڑنے بھڑنے نہ بیٹھ جانا، ادھر ذرا کام کی باتیں کرنے بیٹھے، اُدھر تم لوگوں کی بے تکی باتیں شروع ہو جاتی ہیں۔" رفیعہ بیگم نے خرم کو جھڑکا پھر لالہ رخ سے بولیں۔ "تم کتنے دن یہاں رہو گی یا جاؤ گی؟"

"جی ابھی تو رہوں گی۔ آپ اسلام آباد جانے کا پروگرام بنا لیجئے۔" لالہ رخ نے سادہ سے لہجے میں جواب دیا۔ طلال نے خاصی جائزہ لیتی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ اس کے چہرے پر کچھ کھوجنا چاہا مگر وہ بہت اطمینان سے بیٹھی تھی جیسے جانے کی کوئی جلدی نہ ہو اور یہی اطمینان اس کے لئے پریشان کن تھا۔

"میں چاہ رہی ہوں، جلد از جلد روشانہ کو رخصت کرا لوں۔ تمہارے جانے کے بعد تو گھر بالکل خالی ہو گیا ہے۔ اور اب نازش کی بھی شادی ہو جائے گی۔ روشانہ آ جائے تو کچھ رونق ہو جائے۔"

"صرف روشانہ ہی کیوں دادی جان، اس کی بہن کو بھی بلوا لیں تو اور زیادہ رونق ہو جائے گی۔" خرم نے دبی زبان میں کہا جسے سعدیہ بھابی اور روبی ہی سن سکی تھیں۔

"نہیں، ابھی زیادہ رونق کی ضرورت نہیں ہے، ہمارے لئے روشانہ ہی بہت ہو گی۔"

روبی بھابی عادت کے مطابق بولے بنا نہ رہ سکیں۔

"آپ تو ہیں ہی ظالم سماج۔ ادھر جاذب بھائی سے پوچھیے، آپ کے نہ ہونے پر کیسے اجاڑ ویران پھرتے ہیں۔ جیسے صحرائی عاشق۔"

"ہائے سچ، یہ بات تم نے مجھے پہلے کیوں نہ بتائی؟" روبی بھابی کا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔

جاذب نے ادھر خرم کو آنکھیں دکھائیں۔ "کس نے تمہیں یہ ڈس انفارمیشن دی ہے؟ میں تو ایسے لمحات کا انتظار کرتا ہوں، جب یہ اپنے میکے سدھاریں۔ مگر حسرت ہی رہی کہ تنہائی کے ایسے حسین لمحات کبھی مجھ بدنصیب کو میسر آسکیں۔"

خرم کا قہقہہ خاصا برجستہ اور روبی بھابی کا دل ادھیڑنے والا تھا۔ وہ جاذب کو شاکی نظروں سے دیکھ کر رہ گئی تھیں۔

"سچ کہہ رہا ہوں۔" جاذب نے انتہائی مسکین صورت بنا لی۔

"سن رہی ہیں، کیسے نادر جذبات رکھتے ہیں آپ کے شوہر نامدار آپ کے بارے میں۔ اب کب ان کی دلی مراد پوری کر رہی ہیں میکے جا کر؟"

"بکواس مت کرو۔ مرد تو ہوتے ہی ناشکرے ہیں۔" سعدیہ بھابی نے خرم کو ایک ہاتھ جڑ دیا، پھر جاذب کو گھورتے ہوئے بولیں۔ "اچھی طرح یاد ہے مجھے وہ دن جب ایک ملاقات کے لئے ہمارے گھر کے آگے پیچھے پھرا کرتے تھے۔ سو سو منتیں کرتے تھے اور ایک جھلک دیکھنے کو کئی کئی گھنٹے کھڑکی میں کھڑے رہتے تھے۔"

"خدا کے لئے چاچی! اب اتنا سچ تو بے دھڑک نہ بولیں۔ وہ تو بچپنے کی باتیں تھیں نا سمجھی کا دور تھا۔ عقل تو آتے آتے ہی آتی ہے نا۔"

جاذب کی بات پر سعدیہ بھابی بھی اپنی ہنسی نہ روک سکی تھیں۔ روبی کا دل جھلس کر رہ گیا وہ جاذب کی طرف سے جھٹکے سے رخ موڑ کر لالہ رخ کے ساتھ والے صوفے پر جا گھسیں۔

"ہاں تو جاذب! پھر کب کی سیٹیں کنفرم کروا رہے ہو؟" رفیعہ بیگم کی سوئی تو وہیں اٹکی ہوئی تھی۔ ان دنوں اس گھر میں سب سے اہم مسئلہ روشانہ کی رخصتی کا تھا اور موضوع بھی یہی بنا رہتا تھا۔

"جب آپ حکم کریں دادی جان! کہیں تو کل کی کروا لوں؟" جاذب، رفیعہ بیگم کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ہاں، جو جانے تو کروا لو۔" انہوں نے پُرخیال انداز میں کہتے ہوئے کمال چچا کی طرف دیکھا۔ "ٹھیک ہے۔"

"دادی، میری بھی کروا لیں۔ بغیر محرم کے خواتین سفر نہیں کر سکتیں۔" خرم جھٹ سے اس شرعی حوالے پر تقریباً سبھی نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔ وہ مسکین سی صورت بنا گیا۔

"ارے، ہاں! یہ تو مجھے خیال ہی نہیں رہا۔ سفر میں کوئی مرد تو ہمراہ ہونا چاہیے، سو کام پڑ سکتے ہیں۔" رفیعہ بیگم کی اس سادگی پر اور خرم کی چالاکی پر سب کے لبوں پر دبی دبی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"بے فکر رہیے دادی جان! آپ کو مرد ہی ساتھ چاہیے تو میں چلا چلوں گا۔ ناحق خرم کو پریشان کریں گی۔ بچہ گھر میں بیٹھ کر ہمارے لئے خیر و عافیت کی دعا مانگ لے یہی کافی ہے۔" جاذب شرارت سے بولا۔ خرم نے اسے کینہ توز نگاہوں سے دیکھا اور نگاہوں ہی نگاہوں میں للکارتے ہوئے بولا۔

"خدا کا خوف کیجئے جاذب بھائی! اب اتنے بھی ظالم سماج نہ بنئے۔ اپنا وقت یاد کر کے تھوڑا دل نرم ہی کر لیجئے۔" پھر قالین سے اٹھتے ہوئے طلال کی طرف دیکھتے ہوئے پیچھے سے آنکھ دبائی۔ "آپ کے بھی پیغامات لے جاؤں گا۔"

اسی دم فون کی بیل ہوئی۔ طلال اسے کچھ کہنے کا ارادہ باندھتے ہوئے رک گیا اور پلٹ کر فون اسٹینڈ کی طرف بڑھ گیا۔

⁂

روشانہ کو خبر ہوئی کہ اس کے سسرال سے یعنی سعدیہ پھوپھو کے ساتھ ان کی ساس اور لالہ رخ بھی اسلام آباد آنا چاہ رہی ہیں اس کی رخصتی کے سلسلے میں اس کے باپ پر دباؤ ڈالنے کو۔ اس خبر نے اسے بے چین کر دیا۔ سارا دن وہ جلے پاؤں کی بلی بنی ادھر اُدھر پھرتی رہی۔ وحشت ناکی میں یکدم اضافہ ہو گیا تھا۔ آنے والے لمحات کا خوف بڑی طرح حاوی ہو گیا تھا۔ رات ہمت کر کے اس نے لالہ رخ سے بات کر لینے کی ٹھان لی۔ وہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ وہ یہاں آئیں اور مایوس لوٹیں۔

دوسری طرف فون لالہ رخ نے ہی ریسیو کیا تھا۔ وہ حمزہ کو بمشکل سلا کر اٹھی تھی کہ کمرے میں رکھے فون پر بیل ہوئی تھی۔

روشانہ کی آواز سن کر اسے حیرت آمیز مسرت ہوئی۔

"کیا بات ہے، اب ہماری یاد بھی کم آنے لگی ہے؟" اس نے شگفتگی سے شکوہ کیا۔

''میں شرمندہ ہوں لالی! مجھے آپ کی ملتان آنے کی خبر اسی روز ہوگئی تھی جب آپ ملتان پہنچی تھیں۔ مگر فون نہ کر سکی۔ پتہ نہیں کیوں۔ حمزہ کیسا ہے؟ وہ خوش تو ہے نا وہاں؟''

''ہاں، وہ تو خوش ہے۔'' لالہ رخ نے ہلکی سی سانس بھری اور سوئے ہوئے حمزہ پر ایک نگاہ ڈالی۔ مصطفیٰ خان کو یاد کرتے کرتے وہ بمشکل نیند کی وادی میں اترا تھا۔ ایسا لگتا تھا ابھی جھٹکے سے اٹھ کر پاپا، پاپا کر کے رونے بیٹھ جائے گا۔ احتیاطاً اس نے فون اس کے بڑے قریب سے اٹھایا اور دیوار سے لگے صوفے کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔

''آپ خوش ہیں؟'' روشانہ نے پوچھا تو وہ کچھ دیر خاموش سی رہ گئی۔ اس کی یہ خاموشی روشانہ کے دل پر مضراب مارنے لگی۔

''میں جانتی ہوں، آپ خوش نہیں ہیں۔ بھلا زبردستی کے سودے میں خوشی کا کیا وجود۔ یہ تو ذہنی آمادگی، باہمی ربط اور قلبی تعلق سے جڑی ہوتی ہے۔ جب تعلقات میں قلبی لگاؤ نہ ہو یہ صرف ایسی ڈوریاں ہوتی ہیں جن کا بندھا رہنا کیا اور نہ بندھا رہنا کیا۔ یکطرفہ تعلق کب پائیدار ہوتے ہیں لالی؟'' اس کی آواز ٹوٹ کر بکھر گئی۔

''یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو؟ خدانخواستہ تمہارے اور طلال کے.....'' لالہ رخ کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

''پلیز لالی! اب مزید مجھے کسی دھوکے میں مت رکھئے گا۔'' وہ کرب سے اس کی بات کاٹ گئی۔ ''ہو سکے تو آپ اسلام آباد مت آیئے گا پھوپھو کے ساتھ۔ بلکہ انہیں بھی مت آنے دیجئے گا۔ میں ابھی کسی قسم کی تبدیلی کے لئے تیار نہیں ہوں۔ یہ میرا ذاتی فیصلہ ہے۔ پاپا تو میرے بس سپورٹر ہیں۔'' وہ بالآخر اپنا اصل مدعا کہہ گئی۔

اس جھٹکے نے لالہ رخ کو کتنی دیر کسی بھی ردعمل سے باز رکھا۔ روشانہ کے لہجے کا یہ بکھراؤ اس کے دل میں ترازو ہوگیا۔ وہ تڑپ سی گئی۔

''پاگل ہوگئی ہو تم۔ ہوش ہے کہ تم کیا کہہ رہی ہو یہ؟'' اس نے یکدم اسے جھڑکا۔ ''طلال نے کچھ کہہ دیا ہے تو مجھے بتاؤ۔ کیا کہا ہے اس نے؟''

''کاش وہ، وہ سب کچھ مجھ سے بھی کہہ دیتے جو آپ سے کہا تھا۔'' وہ افسردگی اور دلگرفتگی سے ہنس دی۔ پھر لب بھینچ کر آنسو پینے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ ''آپ مصطفیٰ خان سے شادی پر راضی نہیں تھیں تو ہامی کیوں بھر لی؟ کیوں شادی کی آپ نے ان سے؟''

''روشی! کیا ہوگیا ہے تمہیں؟ یہ کیسی باتیں کر رہی ہو؟ کیوں پوچھ رہی ہو یہ سب۔ ان باتوں کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہ بتاؤ کہ.....''

''نہیں، آپ پہلے میری بات کا جواب دیجئے۔ کیوں آپ نے طلال کے پریشر کو قبول کر لیا؟ زیادہ سے زیادہ آپ کے انکار پر طلال مجھ سے ہر تعلق توڑ دیتے نا۔ اور اچھا ہی ہوتا لالی کہ غرض پر مبنی یہ تعلق ٹوٹ جاتا۔ یہ زنجیر جو کسی خوشی کی ضمانت نہیں ہے میرے لئے، محض طوق کی طرح میری گردن میں پہنا دی گئی ہے، اس سے چھٹکارا مل جاتا۔ کیا یہ احساس مار دینے کو کافی نہیں ہے لالی کہ طلال کے لئے کوئی خوشنما خواب، دمکتا احساس یا حسین تمنا نہیں ہوں بلکہ محض وہ آلہ کار تھی جس سے وہ آپ پر دباؤ ڈال سکتا، آپ کو مصطفیٰ خان سے شادی پر مجبور کر سکتا۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

لالہ رخ نے اذیت آمیز کرب سے سر صوفے کی پشت پر ٹکا کر زور سے آنکھیں میچ لیں۔ جس کا دھڑکا تھا، جو خوف دامن گیر تھا، وہی ہوا۔ وہ اس بات سے ڈر رہی تھیں کہ کہیں روشانہ کو خبر نہ ہو جائے، طلال کے رویئے سے کچھ ظاہر نہ ہو جائے۔ مگر وہ تو خود اپنے کانوں سے سب سن چکی تھی اور وہ اسے جھٹلا بھی نہیں سکتی تھی۔

محبت میں دھوکا کھانے کا احساس بہت ذلت آمیز ہوتا ہے اور لالہ رخ کو لگ رہا تھا روشانہ اس احساس سے مر رہی ہے۔

وہ طلال کا دفاع کرنے کی پوزیشن میں بھی نہ تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ طلال کے دل میں روشانہ کے لئے کوئی نرم گوشہ ہے یا نہیں۔ جتنی سفاکی کا اس نے مظاہرہ کیا تھا، کیا درحقیقت وہ اندر سے اتنا ہی سفاک ہوگیا ہے؟ اتنا سفاک تو اسے طلال کبھی نہ لگا تھا۔ اس کا یہ روپ تو اس کے لئے بالکل انوکھا اور اذیت ناک تھا۔

اس کی آنکھوں کے نرم گوشے نم ہو گئے۔

''روشانہ! میں نے زندگی کو اتنے رنگ میں برتا ہے کہ محبت سے میرا ایمان اٹھ گیا ہے۔ پتہ نہیں محبت کا وجود بھی ہے یا ختم ہو چکا ہے اور ہم سب محبت کے نام پر بس یوں ہی دھوکا دیتے رہتے ہیں خود کو بھی اور دوسروں کو بھی۔'' اس نے افسردہ سی سانس کھینچی۔ ''میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا، خود کو کبھی محبت کے حوالے مت کرنا۔ یہ سمندر کی امڈنے والی تند موجوں کی طرح کبھی اوپر اٹھا دے گی تو دوسرے پل ساحل کی ریت پر پٹخ دے گی کہ ہمارا وجود ریت میں جذب ہونے لگتا ہے اور فنا ہو جاتا ہے۔ یہ محبت فنا کر دیتی ہے، تباہ کر دیتی ہے۔ روح کا رشتہ محبت سے مت جوڑنا۔ اسے صرف اوڑھے رکھنا، جسم کی کھال مت بنانا۔ مگر تم نے.....تم نے خود کو فنا کر ڈالا۔ محبت کو روح میں اتار لیا جائے تو یہ ایک دن روح کا آزار بن جاتی ہے۔''

ہاں ٹھیک ہے لالی! مگر اس وقت میں نے آپ کی باتوں کی مخالفت کی تھی۔ اس لیے کہ اس وقت میرے سامنے خوش فہمیوں نے ایک خوشنما چادر تان رکھی تھی اور آج اس چادر کا تانکا تانکا اُدھڑ گیا ہے۔'' روشانہ اس طرح ہنسی کہ اس کی یہ ہنسی لالہ رخ کے دل میں برچھی کی طرح اتر گئی۔ اس کے آنسوؤں کی تپش کا احساس اسے اپنے دل پر ٹپکتا محسوس ہو رہا تھا۔

''بس کرو روشانہ!''

''نہیں لالی! مجھے بولنے دیں۔ مجھے بولنے دیں۔ میرے اندر بہت گھٹن ہے، بہت حبس ہے۔ ایسا لگتا ہے کوئی کھڑکی نہ کھلی تو میرا وجود پھٹ جائے گا، ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائے گا۔'' وہ مسلسل رو رہی تھی۔ ایک اذیت میں تڑپ رہی تھی۔

لالہ رخ کو اپنا پورا وجود اس کے آنسوؤں میں سلگتا محسوس ہو رہا تھا۔

اس نے فون رکھ دیا مگر کتنی دیر اس کی سسکیاں لالہ رخ کو اپنے دل پر ضرب کی طرح محسوس ہوتی رہیں۔

☆☆☆

پتہ نہیں اس نے یہ سب کہہ کر اچھا کیا تھا یا غلط۔ بس ایک طرح کی بے اختیاری تھی جس کی لپیٹ میں آ کر وہ اپنا درد عیاں کر بیٹھی لالہ رخ کے آگے۔ یوں بھی زخم اندر ہی اندر رستا رہے اور اسے بہنے کو جگہ نہ ملے تو ناسور بن جاتا ہے۔ اسے لگ رہا تھا وہ اس اسٹیج پر آ گئی ہے جہاں اسے کسی غمگسار کی شدت سے طلب ہونے لگی تھی جس کے کندھے پر سر رکھ کر وہ خوب روئے، جی کا غبار نکالے اور طلال کے خلاف اتنا زہر اگلے کہ اس گھٹن سے کچھ تو نجات ملے۔

مگر آنسوؤں کی روانی نے اسے مزید بولنے نہ دیا۔ وہ ریسیور کریڈل پر ڈال کر دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

کتنے دنوں سے یہ آنسو دل کے آتش فشاں میں پک رہے تھے، آج لالہ رخ کی آواز نے اس کا ڈھکن جیسے کھول دیا تھا۔

وہ کتنی دیر روتی رہی، یہ لاوا بہاتی رہی کہ اچانک فون کی بیل ہوئی۔ اس نے سر اٹھا کر فون سیٹ کو خالی خالی نظروں سے دیکھا۔ اسے یقین تھا دوسری طرف لالہ رخ ہو گی۔ اسے یکلخت ندامت ہونے لگی۔ کچھ دیر پہلے کے بے اختیارانہ فعل نے اسے مضطرب کر دیا مگر اب تو تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ اس نے اضمحلال کے ساتھ ریسیور اٹھایا۔

''آئی ایم سوری لالی! مجھے جانے کیا ہو گیا تھا، میں نے ناحق آپ کو پریشان کر دیا۔''

''نہیں، دکھ درد کہہ دینے سے کم ہو جاتا ہے۔ اسے کبھی آنسوؤں اور کبھی لفظوں میں بہا دینا چاہئے۔'' لالہ رخ کے لہجے میں سارے جہاں کی نرمی تھی مگر ایسی نرمی میں افسردگی کی جھلک بہت واضح تھی۔ ''میں تمہارا اعتبار نہیں لوٹا سکتی روشانہ جو طلال نے توڑا ہے، مگر تمہارے آنسو پونچھ سکتی ہوں مگر پھر بھی خودغرضانہ سی التجا ہے روشی کہ تم امی ابو رحمدیہ بھابی کو آنے سے مت روکو۔ تمہارا وجود ان کے لئے بہت اہم ہو گیا ہے۔ تم ان کی تمام خوشیوں کا مرکز ہو۔ طلال نے ان کی مدتوں کی آرزو پوری کی ہے، ان کا سکون لوٹایا ہے اور یہ آرزو، یہ سکون تم ہو روشی!''

''لالی!'' روشانہ کرب سے رو پڑی۔

''پلیز روشانہ! میں بہت خودغرض ہوں۔ یا شاید ہم انسان ہوتے ہی خودغرض، مطلب پرست ہیں، اپنی غرض میں لپٹے دوسروں کے آگے دامن پھیلا کر انہیں خالی کر ڈالتے ہیں۔ میں جانتی ہوں تمہارے ہاتھوں میں کچھ نہیں ہے ہمارے دامن میں ڈالنے کو۔ سمجھوتا اسی کو کہتے ہیں، اسی کا نام سمجھوتا ہے، بنجر صحرا جیسا۔''

''یہ تو سراسر جھوٹی اور منافقانہ زندگی ہے لالی!'' روشانہ کرب سے چیخ پڑی۔ ''نہیں لالی! میرے اندر آپ جتنا ضبط اور برداشت نہیں ہے، آپ کے راستوں پر تو مصطفیٰ خان اپنی بے لوث محبت کے پھول بچھائے کھڑا ہے، یہ تسلی تو ہے کہ آپ کسی کے لئے ''خاص'' ہیں، کسی کے دل میں بس رہی ہیں، کسی کے دل میں جی رہی ہیں۔ یہ احساس زندہ رہنے کو بہت ہے لالی! مگر میرے پاس ایسا کوئی فخر نہیں ہے۔'' اس کی آواز میں اس کے دل کی شکستگی در آئی تھی۔

لالہ رخ نے اذیت آمیزی سے لب بھینچ لئے۔

(پتہ نہیں یہ انسان کسی کے دل میں زندہ رہنے، جیتے رہنے میں کیوں آسودگی محسوس کرتا ہے۔ جیسے اپنے آپ میں زندہ ہونا کافی نہیں ہوتا۔ کیوں وہ دوسروں کے دل میں جی کر ہی جی سکتا ہے؟

روشانہ کے الفاظ اس کے دل میں عجیب بے اطمینانی پیدا کر رہے تھے۔

پتہ نہیں وہ کس فخر کی بات کر رہی تھی؟ اسے خوش بختی کے کس معیار پر رکھ رہی تھی۔

وہ تو خود کو بے ٹھکانہ آنسو کی طرح مضطرب خیال کر رہی تھی جو وحشت ناکی میں خود کوئی مقام ڈھونڈ رہا ہو۔

کیا مصطفیٰ خان ہی اس کا نجات دہندہ ہے؟

کیا یہ چاہے جانے کا احساس اسے مطمئن کر سکتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو عورت صرف چاہے

جانے کے احساس سے شانت کیوں نہیں ہو جاتی؟
سارا فساد کیوں ہے یہ۔ چاہنے کا روگ کیوں لگاتی ہے؟
پانے اور سب کچھ نچھاور کرنے کے غم میں کیوں مری جاتی ہے؟
اس کے اندر کا ٹھاٹھیں مارتا دریا سکون کیوں نہیں پاتا؟

روشانہ نے رابطہ منقطع کر دیا تھا۔ وہ سمجھوتا نہیں کر سکتی تھی۔
ہاں، محبت میں سمجھوتا نہیں ہوتا، محبت میں صرف محبت ہوتی ہے، تیسرا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔ وہ چاہنے اور چاہے جانے کے احساس سے زندہ رہنا چاہتی تھی اور یکطرفہ سفر تو یوں بھی جلد یا بدیر تھکا ڈالتا ہے۔ اس نے بھی ڈھیلے ہاتھوں سے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

***

طلال کے آگے چند لمحوں کے لئے پوری کائنات ڈول گئی تھی۔ وہ اتفاق سے ایکسٹینشن پر ان دونوں کی گفتگو سن چکا تھا۔ جب وہ لابی میں آیا تو فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس کے اٹھانے کے ساتھ ہی اپنے کمرے میں لالہ رخ نے بھی ریسیور اٹھا لیا تھا۔ دوسری طرف روشانہ کی آواز سن کر چاہنے کے باوجود وہ فون نہ رکھ سکا۔ اس کے اندر کا چور، وحشت اور کئی دنوں کا اضطراب اسے ان دونوں کی گفتگو سننے پر مجبور کر گیا تھا۔ روشانہ کی سسکیاں، اس کے جملے اس کے حواس کو ٹھٹھرا کر رکھ گئے تھے، اسے اپنا دماغ ماؤف ہوتا محسوس ہونے لگا۔

اس صورت حال کا تو اس کے پاس تصور بھی نہ تھا کہ روشانہ اسد اس کے اور لالہ رخ کے درمیان ہونے والی ساری گفتگو سن چکی ہے اور اس سے اس حد تک بدگمان ہو گئی ہے۔ اس کا اعتبار بری طرح کرچی کرچی ہوا ہے۔

وہ یکدم خود کو اس سارے منظر میں انتہائی بے بس اور لاچار محسوس کرنے لگا۔ ریسیور کریڈل پر ڈال کر اذیت کے عالم میں ہونٹ باہم بھینچ کر سامنے دیوار کو گھورنے لگا۔

سچ کہتے ہیں کہنے والے کہ ”کچھ لوگوں کی خوشیاں پیڑ پر بیٹھے پرندوں کی مانند ہوتی ہیں۔ نہیں معلوم پرندہ کب اڑ جائے اور پیڑ کو داغ جدائی دے جائے۔“

کیا وہ اس سفر میں خالی ہاتھ رہ جائے گا؟ اس کے جذبے صادق تھے، اتنے ہی جتنا آفتاب کا مشرق سے نکلنا اور مغرب میں غروب ہونا۔ صبح کو پو کا پھٹنا اور رات کا اندھیری ہونا۔ مگر حالات اسے اس موڑ پر لے آئے تھے کہ وہ کیسے اس کی صداقت پر یقین لائے گی۔ یقین جو اس کی ایک غلطی سے کسی کانچ کے گلدان کی طرح اس کے ہاتھ سے یوں پھسلا تھا کہ کرچی کرچی ہو کر رہ گیا تھا۔

اس نے دروازہ کھولا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ اسے شدید حبس کا احساس ہونے لگا تھا۔

زندگی کی راہوں میں
بارہا یہ دیکھا ہے
صرف سن نہیں رکھا

خود بھی آزمایا ہے
اس طرح کی باتوں سے
منزلوں سے پہلے بھی
لوگ روٹھ جاتے ہیں
یہ تمہیں بتا دوں میں
چاہتوں کے رشتے میں
پھر گرہ نہیں لگتی
لگ بھی جائے تو اس میں
وہ کشش نہیں ہوتی
ایک پھیکا پھیکا سا
رابطہ تو ہوتا ہے
تازگی نہیں رہتی
روح کے تعلق میں
زندگی نہیں رہتی
بات وہ نہیں رہتی

اس کے اندر ایک وحشت ناک شور بپا تھا اور وہ اس شور کو دبانے کی شعوری کوشش کرنے لگا۔

***

ناشتے کی میز پر لالہ رخ نے رفیعہ بیگم کو اسلام آباد جانے سے منع کر دیا۔

''کیوں؟'' رفیعہ بیگم کے اس سوال میں سب کی حیرت اور سوال چھپا تھا، سوائے طلال کے۔ وہ نظریں چرا کر چائے کی چسکیاں بھرنے لگا۔

''کل میری روشانہ سے فون پر تفصیل سے بات ہو چکی ہے۔'' وہ چائے کا مگ پرچ رکھتے ہوئے بولی، پھر ایک گہری سانس کھینچ کر رفیعہ بیگم کی سوالیہ نگاہوں کو دیکھا۔

''امی! آخر لڑکیاں بھیڑ بکریاں تو نہیں ہیں ناں کہ جہاں اور جب دل چاہے، ان کی مرضی کھونٹے سے چاہے انہیں باندھ دیں۔ آخر ان کی اپنی تسلی و تشفی بھی ہونی چاہیے، ان کی مرضی اور خواہش کا بھی دخل ہونا چاہیے۔ وہ اگر ذہنی طور پر ابھی تیار نہیں ہے تو ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اس پر دباؤ ڈالیں۔'' تلخی سے کہتے ہوئے اس نے طلال کی طرف دیکھا جو جھٹکے سے

کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''امی! لالی ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اگر وہ ذہنی طور پر تیار نہیں ہے تو اسے مجبور نہ کیا جائے۔ اس کی تسلی اگر یونہی ہو رہی ہے تو اس خیال کو چھوڑ ہی دیجئے۔'' وہ یہ کہہ کر پلٹا اور کی بورڈ سے اپنی گاڑی کی چابی نکالنے لگا۔

لالہ رخ شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔ ایک رنج کی لہر اندر سے اٹھی اور اندر ہی دم توڑ گئی۔ حالات اس نہج پر آ جائیں گے، اس کا تو گمان بھی نہ تھا۔

وہ اٹھ کر اس کے پیچھے چلی آئی۔ وہ اپنے کمرے میں جا کر بریف کیس کھولے جانے کیا تلاش کر رہا تھا۔ پھر اٹھ کر ٹیبل سے رسٹ واچ اٹھا کر کلائی میں باندھتے ہوئے یونہی لالہ رخ پر نظر ڈالی جو دروازے پر کھڑی اسے شکایتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ''پوچھو گے نہیں کہ وہ کیوں ذہنی طور پر اپ سیٹ ہے اور اس رخصتی سے کیوں فرار چاہ رہی ہے؟'' وہ اس کی اٹھنے والی نگاہوں کو گرفت میں لیتے ہوئے قدرے ناراضگی سے گویا ہوئی۔

''پوچھنے کا کوئی فائدہ اس لئے نہیں ہے کہ اس کی ذہنی پریشانی اور ڈسٹربینس کا میرے پاس کوئی حل نہیں ہے۔''

''طلال! خدا کے لئے اتنے ظالم تو مت بنو کہ مجھے ماضی کے اس طلال پر رشک ہونے لگے کہ جو کبھی ایک حساس اور نرم دل شخص رہا تھا، جس کے سینے میں پتھر نہیں، دل تھا۔''

وہ کھٹاک سے بریف کیس بند کرتا ہوا بیڈ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''کیا ظلم کیا ہے میں نے؟ کون سے مظالم ڈھا دیئے میں نے؟ صرف ایک ہی خطا کی ہے، جس کا سلسلہ اب تک چلتا رہا ہے اور وہ خطا ہے تانیہ سے شادی نہ کرنے کی۔ یہیں میں نے غلطی کی اور اب سارے کردہ، ناکردہ قصور میری جھولی میں ڈالتی آ رہی ہو تم۔'' وہ آخری جملہ کہتے ہوئے افسردگی سے ہنس دیا۔ لالہ رخ کے دل میں تیر سا اتر گیا تھا۔

''تانیہ کا یہاں کیا ذکر، میں روشانہ کی بات کر رہی ہوں۔ جانتے ہو وہ جیسے جی مر رہی ہے۔ تمہارے لفظوں کے کوڑے اس کی روح پر کس بری طرح برسے ہیں کہ وہ بکھر گئی ہے بڑی بری طرح سے بکھر گئی ہے طلال!'' شدت کرب سے وہ رو دی۔

طلال لب بھینچ کر اسے دیکھ کر رہ گیا۔

''اس کا اعتبار ریزہ ریزہ ہو گیا ہے طلال! اس نے تم سے دل کا رشتہ جوڑا ہے، محبت کی ہے اس سے۔ اور جانتے ہو محبت میں دھوکا کھانے کا احساس کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے۔''

''میں نے اسے کوئی دھوکا نہیں دیا لالی!'' وہ آہستگی سے کہتے ہوئے رخ موڑ کر بریف

کیس اٹھانے لگا۔

''دھوکا نہیں دیا تو پھر یہ سب کیا ہے جو تم نے اس کے ساتھ کیا ہے۔ میرے ساتھ کیا ہے؟'' لالہ رخ نے سلگ کر اس کے بریف کیس پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ کر اسے تیکھی نگاہوں سے دیکھا۔ ''اس کے سارے کونپل کونپل خوابوں کو نوچ کر کہتے ہو، میں نے کوئی دھوکا نہیں کیا؟ پھر دھوکا دینا کسے کہتے ہیں؟ اسے اتنی آسانی سے چھوڑنے کو تیار تھے۔ اسے محض اس لئے اس رشتے میں باندھا کہ مجھ پر دباؤ ڈال سکو۔ یہ سب دھوکا دہی نہیں ہے تو کیا ہے؟ تمہاری لغت میں اسے کیا کہتے ہیں؟'' وہ طنز سے ہنسی۔ طلال شدید ترین بے بسی محسوس کر کے رہ گیا۔

''مجھے شاید محبت کرنا آتی ہی نہیں ہے۔ مجھ جیسا شخص شاید محبت کے لئے پیدا ہی نہیں ہوا۔'' وہ خود آزاری کی سی کیفیت میں آ گیا۔ اس کی آنکھوں کے ویران دریچوں میں سرد سرد سی خاموشی سمٹ آئی۔ لالہ رخ نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا۔

''بہر حال، اگر وہ آزاد ہونا چاہتی ہے تو میں اس کو اس رشتے میں بندھے رہنے پر مجبور نہیں کروں گا۔ اسے کہہ دینا وہ جو فیصلہ کرنا چاہے کر لے، میں اس کے کسی بھی فیصلے کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنوں گا۔'' ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے وہ اسی سرد سی کیفیت میں بولا اور نرمی سے بریف کیس اس کے ہاتھ کی گرفت سے نکال کر دروازے سے باہر نکل گیا۔

لالہ رخ رنج سے شق دل لئے کھڑی رہ گئی۔ اسے اپنے دماغ کے سب راستے بند ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔ اعصاب کھنچے ہوئے لگ رہے تھے، ایسا لگ رہا تھا کسی بھی پل یہ اکڑے ہوئے تاروں کی طرح کھٹ سے ٹوٹ جائیں گے۔ (عورت کے لئے نجات کی کوئی راہ بھی ہوتی ہے یا نہیں اے خدا! کبھی کبھی تو پنجرے سے زیادہ سخت اور پتھریلی قید کا احساس ہونے لگتا ہے) اس کی آنکھیں گیلی ہونے لگیں۔

☆☆☆

آج بھی شہر میں پاگل دل کو
گہری دید کی آس رہی
مدت کی گم صم تنہائی
آج بھی میرے پاس رہی
آج بھی شام اُداس رہی۔

فضا میں پھیلی خنکی سے بے نیاز وہ کین کی کرسی پر بدن ڈھیلا چھوڑے بیٹھا تھا

مورے کا نرم ہاتھ اپنے کندھے پر محسوس کر کے چونک گیا۔

''اتنی ٹھنڈ میں باہر بیٹھے ہو اور کوئی گرم کپڑا بھی نہیں پہنا۔'' ان کے لہجے میں تشویش تھی جو فطری تھی۔ وہ رات کی اتنی بڑھ جانے والی خنکی سے قطعی بے نیاز وائل کے سفید شلوار سوٹ میں ملبوس تھا۔

''اچھا؟ مجھے تو ٹھنڈ کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ آپ کہہ رہی ہیں تو ٹھیک ہی ہے۔ خنکی شاید بڑھ ہی گئی ہے۔'' وہ یونہی بے مقصد مسکرا دیا۔

''ایک بات پوچھوں طفی! برا تو نہیں مانو گے؟'' وہ اس کے سامنے خالی کرسی پر بیٹھ گئیں۔

''ضرور پوچھئے۔ برا کیوں ماننے لگا۔ مگر ٹھہریں، اتنی ٹھنڈ میں آپ کو یہاں ہرگز نہیں بیٹھنا چاہئے۔ چلیں اندر چلتے ہیں۔'' وہ ان کے ہمراہ اندر آ گیا۔

''لالہ رخ تم سے خفا ہو کر تو میکے نہیں گئی ہے؟ میرا مطلب ہے تم سے اس کی کوئی ناراضگی تو نہیں ہو گئی؟'' کل سے جو اضطراب مورے کو پریشان کر رہا تھا، وہ بالآخر عیاں کر گئیں۔

مصطفیٰ خان نے بڑی سرعت سے نگاہوں کا زاویہ بدلا تھا۔ ''کیسی ناراضگی؟''

''تو پھر وہ اب تک آئی کیوں نہیں؟ اتنے دن میکے میں رہنے کی وجہ سمجھ نہیں آئی مجھے۔''

''آ جائے گی وہ چند دنوں میں۔ دراصل طلال کی رخصتی کے سلسلے میں اسے طلال کے سسرال اسلام آباد جانا تھا۔ اب ایک دو دن تو ان کاموں میں لگ ہی جاتے ہیں نا۔''

''اچھا، اچھا.....'' مورے یکدم ہی جیسے خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر کے مسکرا دیں۔ ''میں تو ڈر ہی گئی تھی کہ خدانخواستہ تم نے تو اسے ناراض نہیں کر دیا۔ کب ہے طلال کی رخصتی؟''

''وہ تو اب آپ کی بہو صاحبہ آئیں گی تو پتہ چلے گا۔ آپ خود ہی پوچھ لیجئے گا ان سے۔'' وہ نظریں چراتا ان کے سامنے سے کھڑا ہو گیا۔

''لو، یہ اچھی رہی۔ تمہاری فون پر طلال سے بات تو ہوتی ہی ہو گی۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تم خوش تو ہو نا؟'' وہ اٹھ کر اس کے نزدیک چلی آئیں۔

''آپ کو ناخوش دکھائی دیتا ہوں؟'' جواباً وہ ہلکے سے مسکرایا، پھر ان کے ہاتھ تھام کر تسلی بھرے انداز میں دباتے ہوئے بولا۔ ''بہت خوش ہوں۔ آپ اور آ کا جان کو خوش اور مطمئن دیکھ کر یہ خوشی بڑھ جاتی ہے۔''

''پگلے! ہم دونوں تو تجھے خوش اور آباد دیکھ کر پھر سے زندہ ہو گئے ہیں۔'' مورے نے اس کا ہاتھ اپنے لبوں سے لگا کر ممتا بھرے احساس سے چوم لیا۔ مصطفیٰ کے لبوں سے بے

ساختہ ایک گہری سانس آزاد ہو گئی۔ ایک ضرب پڑی تھی دل پہ۔ تاہم وہ یونہی دھیرے سے
مسکرا دیا۔
"چلیں اب جا کر سو جائیں۔"
"سونے کی ہی کوشش کر رہی تھی۔ بس حمزہ اور لالہ رخ کی بڑی یاد ستانے لگی۔ سنو! میری ان دونوں سے ٹیلی فون پہ بات کرا دینا۔ اور ہاں، تم ابھی جا کر فوراً اپنے آغا جان کی طبیعت پوچھ لو، صبح سے تمہیں یاد کر رہے تھے۔ ان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی تھی مجھے۔"
"کیوں کیا ہوا انہیں؟" وہ پریشان ہو گیا۔
"تمہیں تو پتہ ہے وہ اپنی کسی بھی بیماری کا بتاتے نہیں ہیں۔ شہباز کو فون پر کچھ کہہ تو رہے تھے، میں گئی تو بات بدل گئے۔ تم ذرا ان کی طرف جاؤ اور اگر وہ تمہارے ساتھ ادھر آ جائیں تو انہیں راضی کر کے اسی پورشن میں لے آنا۔ ایک تو ضدی بڑے ہیں بھائی صاحب۔"
مصطفیٰ خان اسی وقت آغا جان کے پورشن کی طرف چلا گیا جبکہ مورے مصطفیٰ کے کمرے میں آ گئیں اور لالہ رخ اور اس کی شادی کی تصویریں دیکھنے لگیں۔ کوئی گھنٹہ بھر بعد مصطفیٰ لوٹا تو مورے کو تصویروں میں منہمک پا کر چونکا۔
"کیا دیکھ رہی ہیں؟" چپل اتار کر وہ خود بھی بیڈ پہ بیٹھ گیا۔
"آ گئے تم؟ کیسی طبیعت ہیں ان کی؟" انہوں نے چونک کر تصویروں سے سر اٹھایا۔
"کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے ہیں مجھے تو۔ ایسا لگتا ہے جیسے وہ ہم سے کچھ چھپا رہے ہیں۔"
"ہاں، مجھے بھی ٹال گئے۔ اب کیا کریں؟"
"میں صبح ڈاکٹر بخاری کے پاس لے جاتا ہوں انہیں۔ اب زبردستی ہی کرنا پڑے گی۔ شہباز سے بھی صبح رابطہ کرتا ہوں۔ بہرحال آپ پریشان نہ ہوں۔ اس عمر میں طبیعت اونچ نیچ ہو ہی جاتی ہے۔" اس نے کسی خیال سے سر جھٹکا اور بیڈ پر بکھری تصویروں کو دیکھ
ہر تصویر اس کے دل کا گویا خون کرنے لگی تھی۔
"یہ کیا بکھیڑا لے بیٹھی ہیں آپ؟" وہ تصویریں سمیٹنے لگا۔ "بہت رات ہو گئی ہے۔ اب سو جائیے، میں صبح آپ کی حمزہ سے بات کرا دوں گا۔" اس نے دانستہ لالہ رخ کا نام نہیں لیا اور ساری تصویریں سمیٹ کر دراز میں ڈال دیں۔
مورے کے کمرے سے جانے کے بعد اس نے لائٹ بند کی اور بیڈ پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں مگر نیند کہاں آنی تھی۔ آنکھوں کے پار جیسے کانٹے بچھے محسوس ہو رہے تھے۔

یہ کیوں ہمیشہ مری طلب ہی تمہیں صدا دے
کبھی تو خود بھی سپردگی کی تھکن میں آؤ

اسے لگ رہا تھا کہ اس نے لالہ رخ کو پا کر کھو دیا ہے۔ جب تک وہ اسے نہیں ملی تھی، دل کے اندر اسے پانے کی جستجو، طلب اور امید اسے تھکنے نہیں دیتی تھی۔ مگر اب ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ تھک رہا ہو، اسے پا کر کھو رہا ہو اور ٹوٹ رہا ہو۔ حوصلے کی دیوار ریت کی طرح بھربھری ہو رہی ہو۔

شگفتہ گل کی صدا میں، رنگِ چمن میں آؤ
کوئی بھی رُت ہو، بہار کے پیرہن میں آؤ
کوئی سفر ہو تمہی کو منزل سمجھ کے جاؤں
کوئی مسافت ہو تم مری ہی لگن میں آؤ

وہ اٹھ کر کھڑکی کی سلائیڈ کھول کر باہر اندھیرے کو گھورنے لگا۔

کبھی تو ایسا بھی ہو کہ لوگوں کی بات سن کر
میری طرف تم رقابتوں کی جلن میں آؤ
کبھی تو خود بھی سپردگی کی تھکن میں آؤ

اس کے دل کی فضا پر حبس یکدم بڑھ گیا، یوں لگا جیسے وہ کسی ڈھیر سارے اٹھتے دھوئیں کے پاس کھڑا ہو، سلگتا ہوا، سیاہ دبیز دھواں اس کی رگوں میں اترتا جا رہا ہو۔

☆

لالہ رخ سو کر اٹھی تو حمزہ نے گھر میں ایک ہنگامہ مچا رکھا تھا۔ پتہ چلا مصطفیٰ خان سے اس کا فون پر بات ہوئی ہے اور تب سے وہ مردان جانے کے لئے مچل رہا ہے۔
"کیوں بات کراتے ہیں آپ لوگ اس کی فون پر؟" وہ سلگ کر رہ گئی۔
"لو، یہ کیا بات ہوئی؟ باپ ہے وہ اس کا۔ بات کر لی تو کون سی معیوب بات ہو گئی؟"
نیر بیگم کو اس کا بے وجہ چڑنا سخت کھلا تھا، بلکہ انہیں تو اس کا یوں میکے میں پڑا رہنا بھی اب تشویش میں مبتلا کر رہا تھا۔
"باپ؟" وہ لب بھینچ کر رہ گئی اور کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر کے حمزہ کی طرف بڑھی، جسے جاذب بہلا رہا تھا۔
"اس کے اتنے لاڈ اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ دو جھانپڑ مارو، تب یہ سدھرے گا۔"
"پاگل مت بنو لالی! نا سمجھ بچہ ہے، اسے ابھی پہچان نہیں ہے۔" جاذب نے اس کا ہاتھ

پکڑ کر نیچے کر دیا جو حمزہ کو مارنے کو اٹھا تھا۔

''یہی تو ساری مصیبت ہے کہ اسے پہچان نہیں ہے ابھی۔ اور رونا اسی بات کا ہے کہ اسے غلط پہچان کرائی جا رہی ہے۔'' وہ ناگواری سے بولی۔

''تم اس کی بات کرتی ہو غلط اور صحیح کی۔ مگر تمہیں بھی خود ابھی پہچان نہیں ہوئی۔'' طلال طنز سے ہنسا۔ ''اور ایسا نہ ہو کہ جب پہچان ہو جائے تو صرف پچھتاوے ہی ملیں تمہیں۔''

''خدا نہ کرے۔ کیسی بد فال منہ سے نکال رہے ہو۔'' سعدیہ بھابی نے تڑپ کر طلال کو گھورا مگر وہ وہاں رکا ہی کب تھا۔

لالہ رخ اسے فقط ناگواری سے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ خرم، حمزہ کو اٹھائے باہر نکل گیا تھا۔

''لو چائے پی لو۔ ٹھنڈی ہو رہی ہے۔'' سعدیہ بھابی نے نرمی سے اس کے کندھے کو تھپکا۔ ''بچہ ہے۔ اور بچے ہی ضد کرتے ہیں۔ تم اتنا ٹینشن مت لو۔ اور یہ تو خوشی اور طمانیت کی بات ہے کہ وہ مصطفیٰ سے اتنا اٹیچ ہو گیا ہے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم اس بات پر اتنی ناخوش کیوں ہوتی ہو۔''

''جس کے ذہن و دل میں صرف حبس اور گھٹن ہو اور اس گھٹن کو نکلنے کا راستہ نہ مل رہا ہو تو ذہن بند ہو جاتا ہے اور یوں سمجھ لیں کہ میرا ذہن بھی بند ہو چکا ہے۔ میری سمجھ میں ابھی بھی نہیں آ رہا کہ مجھے زندگی کس انداز اور کس ڈھب سے گزارنی چاہئے۔'' وہ چائے کا مگ لبوں سے ہٹا کر تلخی سے بولی۔

''تو حبس کو نکل جانے دو۔ کیوں اس کے آگے دیوار کھڑی کر رکھی ہے؟'' سعدیہ بھابی کی بات ادھوری رہ گئی۔ فون کی بیل ہونے لگی۔

''اگر مصطفیٰ خان کا ہو تو کہہ دیجئے گا میں ابھی تک سو رہی ہوں۔'' لالہ رخ جلدی سے بولی۔

مگر فون مصطفیٰ خان کا نہیں تھا۔ سعدیہ بھابی کہہ رہی تھیں، اس کی کسی فرینڈ کا ہے۔ انہوں نے ریسیور اسی کی طرف بڑھا دیا اور اپنا مگ اٹھا کر وہاں سے چلی گئیں۔

لالہ رخ نے ریسیور سنبھالا۔ دوسری طرف تانیہ تھی جو اسے پارک میں آنے پر اصرار کر رہی تھی۔ پہلے تو لالہ رخ نے انکار کا سوچا مگر یہ سوچ کر انکار نہ کر سکی کہ ذہن اس کا پراگندہ ہو رہا ہے، شاید باہر کی ہوا اور تانیہ سے اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے کچھ آرام مل جائے۔ یوں بھی آج کل وہ اپنی سوچوں سے فرار چاہ رہی تھی۔ وہ سوچیں جو اسے تنہائی میں گھیر لیتی تھیں۔

''ٹھیک ہے، تم پہنچو، میں آتی ہوں۔''

''جناب! میں پارک میں ہی ہوں اور اپنے موبائل پر آپ سے بات کر رہی ہوں۔ پتہ نہیں آج میرا دل کیوں گھبرا رہا تھا، اس لئے پارک میں چلی آئی۔''

اس نے صرف ہنکارا بھرا اور فون رکھ دیا۔

حمزہ کو تو خرم لے ہی گیا تھا، وہ جلال بھائی کی گاڑی کی چابی اٹھائے باہر نکل آئی۔

پارک کے انٹرینس پر تانیہ دکھائی دی۔

''مجھے یقین تھا آپ ضرور آئیں گی۔ حمزہ ساتھ نہیں آیا، کیوں؟'' تانیہ نے گاڑی میں ایک سرسری نظر ڈال کر پوچھا۔

''نہیں، اسے تو خرم اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ صبح سے تنگ کیا ہوا تھا اس نے سب کو۔'' وہ گاڑی لاک کر کے اس کے ہمراہ چلنے لگی۔

''کیوں، کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں، بس اپنے پاپا کے پاس جانے کی رٹ لگا رہا تھا۔'' وہ بے دھیانی میں کہہ گئی۔ دوسرے پل ایک سراسیمگی محسوس کرتے ہوئے تانیہ کی طرف دیکھا۔ وہ بھی لفظ ''پاپا'' پر چونکی ضرور تھی، تاہم ہلکی مسکراہٹ اچھالتے ہوئے بولی۔ ''کون سے والے پاپا، کیا سیف بھائی؟'' بظاہر اس کا انداز شگفتہ سا تھا مگر تیر کی طرح لالہ رخ کے سینے میں ترازو ہو گیا۔ ''اصل پاپا تو اس کے بہرحال وہی ہیں۔ خیر، میں سنڈوچ بنا کر ساتھ لائی ہوں۔ سوچا آپ میرے گھر تو آنا پسند نہیں کرتیں، یہیں بیٹھ کر میزبانی کے فرائض انجام دے لوں۔'' وہ بات کو بڑے قرینے سے گھما گئی تھی مگر لالہ رخ کے دل پر ایک بے آرامی کی کیفیت چھا گئی۔

تانیہ بینچ پر بیٹھ گئی اور بیگ سے سینڈوچ نکالنے لگی۔ پھر اسے سینڈوچ بے حد اصرار سے دے کر چند اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد بولی۔ ''اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک بات کہوں؟''

''لالہ رخ اس رازدارانہ انداز سے غیر محسوس طور پر چونک سی گئیں۔

''ہوں، کہو، اس میں اجازت مانگنے کی کیا بات ہے؟''

''سیف بھائی آپ سے ایک بار ملنا چاہتے ہیں۔ مم...... میرا مطلب ہے......'' تانیہ اس کے چہرے پر پھیلنے والی سنجیدگی سے ٹپٹا سی گئی۔

''کیوں؟'' لالہ رخ اس کا چہرہ تکنے لگی۔ اس کے ذہن کے گوشے میں کہیں بھی یہ بات نہیں تھی کہ تانیہ، سیف الرحمٰن کے حوالے سے کوئی اس طرح کی بات کرے گی۔

''میرا مطلب تھا، وہ حمزہ سے ملنا چاہتے ہیں۔'' وہ جلدی سے بولی۔

"جانتی ہو حمزہ کتنے سال کا ہو گیا ہے؟" لالہ رخ کے چہرے کے نقوش میں ناگواری اور عجیب سی تلخی لہجے میں سمٹ آئی۔ "اتنے سالوں میں تو انہیں کبھی حمزہ سے ملنے کا خیال نہ آیا۔ مگر آج کیوں؟"

"خیال نہ آنے سے رشتہ تو ختم نہیں ہو جاتا۔" تانیہ اپنا اعتماد سنبھال چکی تھی۔ یوں بھی اسے کبھی لالہ رخ سے کوئی ڈر خوف محسوس نہ ہوا تھا۔ وہ جیسے پہلے تھی، نرم ریشم جیسی، لچکدار شاخ جیسی، ویسی ہی اتنے سالوں بعد بھی محسوس ہوئی تھی۔ تاہم اب سنجیدگی اس کے وجود کا حصہ بن چکی تھی۔

"رشتے سوچ سے جنم لیتے ہیں۔ انہیں محسوس کیا جائے تب ہی زندہ رہتے ہیں، انہیں اہمیت دی جائے، تبھی یہ قائم رہتے ہیں اور اہمیت نہ دی جائے، انہیں محسوس نہ کیا جائے تو یہ اس کھردرے پودے کی مانند ہوتے ہیں جن کا ہونا محض کانٹے کی طرح آپ کو چھلنی کر سکتا ہے، آپ کے کسی کام نہیں آ سکتا۔" لالہ رخ کی آواز اندرونی کرب سے نم ہو گئی۔

"اور تمہارے بھائی نے رشتے کی وہ ڈور ہی کاٹ دی، وہ احساس ہی بجھا ڈالا۔ پھر کس برتے پر وہ ملنا چاہتا ہے؟ اور رہا حمزہ کا سوال تو وہ اس کا شرعی باپ ضرور ہے مگر صرف شرعی باپ ہونے سے رشتے کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔ یہ حوالہ اس وقت مضبوط نظر آتا ہے جب اس میں پوری سچائی، دیانت داری اور خلوص ہو، اس کے تقاضے پورے کیے گئے ہوں۔" وہ بینچ سے کھڑی ہو گئی۔

"میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا لالہ رخ!" تانیہ بھی جلدی سے کھڑی ہو کر اس کی طرف لپکی۔

"میرا بیٹا اسے جانتا تک نہیں ہے، کیسے یقین دلا سکے گا وہ شخص اسے کہ وہ اس کا باپ ہے؟" وہ طنز سے ہنسی۔ تانیہ ایک لمحے بے عنوان سی شرمندگی محسوس کرتے ہوئے خاموش رہی، پھر اپنی جھینپ مٹانے کی غرض سے بولی۔

"تمہاری باتیں اپنی جگہ سچ ہیں۔ مگر تم یقین کرو میں حمزہ کی بات کسی بھی شرعی حوالے سے نہیں کر رہی ہوں۔ میں نے تو بس یونہی ان کی خواہش تمہارے گوش گزار کی ہے۔ کیا انہوں نے پہلے بھی حمزہ کے لئے گفٹس نہیں بھیجے تھے؟ اب بھی وہ مجھے دے گئے ہیں جو آج میں ساتھ لائی ہوں۔"

"پلیز تانیہ، میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔ مجھے وضاحتوں کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ اس کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹا کر پلٹ کر جانے لگی کہ سامنے سے آتے سیف الرحمٰن نے گویا اس

کے قدموں کو جکڑ لیا۔

"کیسی ہو؟" وہ اس کے سامنے کچھ فاصلے پر رک گیا کہ وہ یکلخت منہ موڑ بھی نہ سکی۔ اس کی آنکھوں کے آگے تو ایک پل میں پورا آسمان گھوم گیا تھا۔ اس کے گمان میں بھی نہ تھا کہ زندگی کے کسی موڑ پر وہ یوں یکدم اس کے سامنے آ کھڑا ہو گا۔ تاہم اپنے اعصاب سنبھال کر وہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی اور رخ موڑ کر تانیہ کو شکایتی اور قدرے متاسفانہ نگاہوں سے دیکھا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ اسے پارک میں فون کر کے بلانے کا مقصد یہی تھا۔ یہ ان دونوں بھائی بہن کی ملی بھگت تھی۔ ناگواری کے باوجود سیف الرحمٰن کو دیکھ کر اس کے ٹھٹھرے اعصاب میں کوئی چنگاری سی گری تھی مگر اس سے پہلے کہ یہ بھڑک کر شعلہ بنتی۔ اس نے اسے بجھانے کے لئے بے حد غیر شائستگی سے اس کی طرف سے رخ پھیر لیا اور جانے کو قدم اٹھانے لگی۔

"میں تمہارا زیادہ وقت نہیں لوں گا لالہ رخ!" سیف الرحمٰن اس کے نزدیک آ گیا اور اسے یوں دیکھنے لگا گویا نگاہوں سے دل میں جذب کر رہا ہو۔ وہ آج بھی ایسی ہی تر و تازہ کلی کی مانند دکھائی دیتی تھی جو پھول بننے کی خواہش میں شاخ میں مہک رہا ہو۔ مگر وہ جانتا تھا کہ اب وہ اس کے لئے پھول نہیں تھی، دہکتا ہوا انگارہ تھی جسے چھونے کی خواہش اسے بھسم کر دے گی۔ تاہم ایک موہوم سی امید کے سہارے وہ دو قدم مزید اس کے نزدیک ہوا۔

"ایک اجنبی سمجھ کر ہی بات کر لو۔" اس کے لہجے میں ہزار بے تابیاں اور التجائیں چیخ رہی تھیں۔

لالہ رخ نے شدت کرب سے آنکھیں میچ کر کھولیں مگر وہ خواب نہیں تھا کہ آنکھیں کھلنے پر دھوئیں کی طرح گم ہو جاتا۔ وہ مجسم حقیقت بنا اس کے سامنے کھڑا تھا جو کبھی اس کی زندگی کے ہر لمحے کا ساتھی تھا مگر اب اجنبی سے بھی زیادہ اجنبی تھا۔

"میں اجنبیوں سے بات کرنا پسند نہیں کرتی۔ شاید آپ میری اس عادت سے واقف نہیں رہے ہیں۔" وہ روکھائی سے بولی۔

"دو اجنبی جب ملتے ہیں، پھر اجنبی نہیں رہتے۔" وہ جلدی سے بولا۔

"پلیز سیف صاحب! میرے راستے سے ہٹ جائیے، آپ میرے لئے صرف اجنبی ہی نہیں، نامحرم بھی ہیں۔ ہمارے درمیان صرف اجنبیت کا ہی نہیں شاید بے زاری اور نفرت کا بھی رشتہ ہے۔" چاہنے کے باوجود وہ اپنے لہجے میں اترتی کپکپاہٹ پر قابو نہ رکھ سکی۔ آنکھوں میں نمکین پانی کا چشمہ سا پھوٹ نکلا تھا۔

''پلیز! صرف ایک بار تم رک کر میری بات سن لو۔ تانیہ گواہ ہے میں تمہیں چھوڑ کر کس اذیت سے گزرا ہوں اور روز گزرتا ہوں۔ میں اب بھی تمہارا ہوں لالہ رخ! صرف ایک نظر...... ایک نظر تم مجھ پر ڈال کر دیکھو۔'' وہ گاڑی تک اس کے پیچھے آیا تھا مگر وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر بے حد رش انداز میں گاڑی آگے بڑھا گئی تھی۔ سیف الرحمٰن اپنی جگہ کھڑا اڑنے والی دھول کو دیکھتا رہ گیا تھا۔

☀☆☀

آج جو واقعہ اس کے ساتھ پیش آیا تھا اس کا تصور و گمان بھی نہ تھا لالہ رخ کے پاس۔ سیف الرحمٰن کا سامنا وہ بھی اس طریقے سے کہ وہ اس کی ایک نظر التفات کا متمنی، اس کے سامنے اپنے تمام تر اعترافات کے ساتھ۔ ماضی کے اس رعونت بھرے لہجے کا شائبہ تک نہ تھا۔ موت اتنی تکلیف دہ نہیں ہوتی شاید جتنا شکستگی کا عذاب ہوتا ہے۔ پچھتاوے انگارے بن جاتے ہیں اور تاعمر سلگتے رہتے ہیں اور روح کو سلگائے رکھتے ہیں۔

تو کیا سیف الرحمٰن بھی سلگ رہا تھا، پچھتاووں کے انگاروں سے؟''

وہ بھی بکھر گیا تھا اسی کی طرح یا یہ محض اس کا اپنا وہم تھا؟ یوں بھی بہت سی وہم انسان کے اپنے ذہن و دل کے احساسات اور محسوسات کی پیداوار ہوتے ہیں۔

عجیب سی وحشت تھی جو اسے اپنی روح اور دل پر چھاتی محسوس ہونے لگی۔

وہ گھبرا کر کھلی چھت پر چلی آئی۔ رہ رہ کر افسوس ہونے لگا کہ وہ تانیہ کے بلانے پر پارک میں کیوں چلی گئی؟ اور جب چلی ہی گئی تھی تو رُک کر اس شخص کی بات ہی سن لیتی۔ اسے کوئی سخت بات کہہ کر آتی، اسے جتا دیتی کہ اب وہ ایک شادی شدہ عورت ہے جس کے لئے اس کا گھر اور شوہر ہی محترم ہے۔ مگر وہ ایسا کچھ کیوں نہ کہہ سکی؟

یہ اس کی بزدلی تھی یا بد دیانتی؟

وہ سیمنٹ کی میز پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

ساری رات اسی ادھیڑ بن میں گزری کہ صبح ہی صبح وہ تانیہ کو فون کر کے اسے برا بھلا کہے گی اور صاف لفظوں میں اسے کہہ دے گی کہ آئندہ وہ اس سے ملنے یا فون کرنے کی کوشش نہ کرے۔ مگر صبح اسے موقع نہ ملا۔ اس کا دیور مجتبیٰ اسے لینے کی غرض سے چلا آیا تھا۔ پتہ چلا آکا جان کی طبیعت خراب ہو گئی ہے اور وہ ہسپتال میں داخل ہو گئے ہیں اور لالہ رخ سے ملنے کی انہوں نے خواہش ظاہر کی ہے۔

''کیا کرو گی، جاؤ گی؟'' طلال نے اس سے پوچھا تھا۔

''ہاں، تمہارے جتنی سفاک اور بے رحم تو بہرحال نہیں ہوں، رشتوں کی بندھی ڈور میں کو لاکھ قید اور بے آرام محسوس کروں مگر انہیں جھٹکے سے توڑ نہیں سکتی۔'' اس کے لہجے میں ژداہٹ گھل گئی تھی۔

طلال ایک متاسفانہ نظر سے دیکھ کر رہ گیا۔

''سچ کہتے ہیں دانا، آپ لاکھ پاک ہوں، تہمت سے بچ نہیں سکتے۔'' وہ دل گرفتگی سے کرا دیا۔

''پاک صاف، تم مرد لوگ عمر بھر پاک صاف ہی رہتے ہو، چاہے کسی عورت کی پوری ری سے کھیل جاؤ، اس کی ساری حیات بے ثمر کر دو۔ اچھی پاکبازی ہوتی ہے تم لوگوں ا۔'' وہ افسردگی اور دل گرفتگی سے ہنس دی اور کپڑے بیگ میں ٹھونسنے لگی۔

آکا جان کی بیماری نے اسے دلی طور پر شاک پہنچایا تھا اور وہ انکار کرنے کی پوزیشن میں ری تھی۔ یوں بھی اس کے پاس نہ جانے کا کوئی جواز بھی نہ تھا۔

''مجھے فون کر دیتے تو میں طلال کے ساتھ ہی آ جاتی۔ تم نے ناحق تکلیف اٹھائی۔'' وہ ڑی پہنچے تو وہ پہلی بار مجتبیٰ سے مخاطب ہوئی۔ اس کے لہجے میں ایک بے عنوان شرمندگی تھی۔

''تکلیف کی کیا بات ہے بھابی! آپ ہماری اپنی ہیں، کوئی غیر تو نہیں ہیں۔'' وہ ایک دھے پر لالہ رخ کا بیگ اٹھائے دوسرے ہاتھ سے حمزہ کو پکڑے ٹیکسی کی طرف بڑھ گیا۔ آپ کے بغیر مورے بہت اداس ہو گئی ہیں اور حمزہ کے بغیر تو پورا گھر خالی لگ رہا تھا۔ میں اسے بہت مس کرتا رہا ہوں۔''

ان نے ہم دونوں میں سے کسی کو یاد کیا یا نہیں؟ مگر وہ چاہنے کے باوجود نہ پوچھ سکی، لا ایک سانس بھر کر ٹیکسی کی آرام دہ سیٹ سے سر ٹکا لیا۔

''میں جب آ رہی تھی، تب تو آکا جان بالکل ٹھیک تھے۔ یہ ایک دم انہیں کیا ہو گیا؟'' ں کا دھیان آکا جان کی طرف گیا۔

''کہاں ٹھیک تھے، بس ان کی عادت ہے، اپنی بیماری، اپنا دکھ سب سے چھپاتے پھرتے ۔ جب حالت زیادہ بگڑی تب پتہ چلا۔ شہباز لالہ کو رات کو فون پر بتا رہے تھے کہ سینے ان کے اکثر درد رہتا ہے، یہ تو طفیلی بھائی سے شہباز لالہ کی بات ہوئی تب پتہ چلا کہ آکا ان کو ہارٹ اٹیک کی شکایت رہتی ہے۔ مورے کو تو گیسٹرک پین کہہ کر ٹال دیتے تھے۔ اچانک تیز درد اٹھا تو ہسپتال لے گئے۔ پتہ چلا تین نالیاں بلاک ہو چکی ہیں اور فوری آپریشن کی ضرورت ہے۔ مگر وہ مان کر نہیں دے رہے ہیں۔ طفیلی بھائی نے سرجن سے بات

تو کی ہے۔ اب دیکھیں کیا ہوتا ہے۔'' مجتبیٰ اسے پوری تفصیل سے آگاہ کرنے لگا۔

اسے انتہائی دکھ ہوا، اور یہ سوچ کر سخت ندامت محسوس ہونے لگی کہ اس گھر کی بڑی بہو ہونے کے باوجود، ان کی اتنی محبتوں کے ہوتے ہوئے وہ ان کے دُکھ کو شیئر نہ کر پائی تھی، یوں لاتعلق بن کر بیٹھ گئی تھی۔ جانے وہ سب لوگ کیا سوچ رہے ہوں گے۔ گو کہ مجتبیٰ کے لہجے یا رویئے میں آج بھی اتنی ہی اپنائیت اور شائستگی تھی مگر بہرحال ان لوگوں کو محسوس تو ہوا ہی ہوگا کہ وہ میکے جا کر وہیں کی ہو کر رہ گئی۔

اُف، کتنا برا تاثر قائم کر چکی تھی وہ۔ راستے بھر وہ اس ندامت اور خفت کا شکار رہی۔

''آپ پہلے گھر چلی جایئے، وہاں سے فریش ہولیں، پھر ہسپتال چلیں گے۔'' مجتبیٰ نے پلٹ کر اس کی رائے لیتے ہوئے اپنا بھی خیال ظاہر کیا۔

''مورے کہاں ہیں، گھر پر یا ہسپتال میں؟'' وہ اپنے خیالات سے چونک کر نکلی۔

''وہ تو ہسپتال میں ہی ہیں۔ طفی بھائی اور شہباز لالہ بھی صبح تو ادھر ہی تھے، اب پتہ نہیں۔ ٹھہریں، میں معلوم کرتا ہوں۔'' وہ جیب سے موبائل نکال کر مصطفیٰ خان کے موبائل پر رابطہ کرنے لگا۔ پھر پلٹ کر لالہ رخ سے بولا۔ ''مورے ابھی ہسپتال میں ہی ہیں۔''

''ہاں تو بس مجھے بھی وہیں لے چلو۔ مجھے ڈراپ کر کے تم حمزہ کو لے کر گھر چلے جانا۔''

اس نے بھی ہسپتال جانا ہی مناسب خیال کیا تھا۔ کچھ تو ازالہ اسے بھی کرنا تھا۔

ہسپتال کی لمبی سی راہداری میں اسے مصطفیٰ خان ٹہلتا ہوا دکھائی دے گیا۔ براؤن رنگ کے شلوار سوٹ اور براؤن لیدر کی چپلوں میں ملبوس وہ کسی حد تک مضمحل سا محسوس ہو رہا تھا۔ موبائل پر کسی سے بات کرتے ہوئے لالہ رخ کو دیکھ کر ذرا سا چونکا، پھر گفتگو کا سلسلہ منقطع کر کے موبائل جیب میں ڈالتے ہوئے ریلنگ کے پاس ہی رک گیا۔

حمزہ، مجتبیٰ کی انگلی چھوڑ کر جس بے تابانہ انداز میں اس کی طرف دوڑا تھا، مصطفیٰ خان کو لگا اس کی رگوں میں دوڑنے والا خون ڈھیروں کے حساب سے بڑھ گیا ہو۔ اس نے اس کی معصومانہ سپردگی کو اپنی پناہوں میں سمیٹ لیا اور فرط جذبات سے اس کے رخسار کو چوم لیا۔ ایک ٹھنڈک کا احساس گویا سینے کی دیوار پر پھیل کر سمٹتا تھا۔

تھکے تھکے قدم اٹھاتی لالہ رخ اس سے چند قدموں کے فاصلے پر رک گئی۔

''سفر خیریت سے گزرا، کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی؟'' وہ بے حد رسمی سے انداز میں پوچھنے لگا۔

''نہیں، مگر مجھے ٹیلی فون کر دیا ہوتا آپ نے تو میں طلال کے ہمراہ آ جاتی۔ مجتبیٰ کو ناحق

نی زحمت اٹھانا پڑی۔''

''فون پر تم سے بات تو اس وقت ہوتی نا جب تم جاگ رہی ہوتیں۔ شاید میں نے چند ڈوں میں تمہیں اتنے رت جگے دیئے تھے کہ وہاں تم نیند ہی پوری کرتی رہیں۔'' مصطفیٰ نے حمزہ کو گود سے اتارتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور ہلکے سے مسکرایا۔ ''کچھ غلط کہا میں نے؟''

اس کے جملے کی کاٹ لالہ رخ کے اندر تک اتر گئی۔

''مورے کہاں ہیں؟'' وہ بات کا رخ موڑ گئی۔

''آؤ۔'' وہ حمزہ کو تھامے قدم اٹھانے لگا۔ وہ اس کے پیچھے چلنے لگی۔

اس کے دراز کسرتی بدن کے پیچھے لالہ رخ کا نازک سراپا جیسے چھپ سا گیا تھا۔ وہ اس کی ورزشی پشت کو تکتے تکتے بے خیالی میں چل رہی تھی کہ اچانک وہ ایک دروازے پر رُک گیا، ہلکا سا جھٹکا اسے بھی لگا۔ وہ سٹپٹا کر پیچھے ہٹ گئی۔ مصطفیٰ خان نے گھوم کر اس کی طرف دیکھا، وہ جھینپ سی گئی تھی۔

''آدھے گھنٹے پہلے ہی انہیں آئی سی یو سے یہاں منتقل کیا گیا ہے۔ مورے اندر ہی ہیں، تم جاؤ۔'' وہ کمرے کا دروازہ بے آواز انداز میں کھولتا ہوا اس سے مخاطب ہوا۔

وہ اندر آئی تو مورے کرسی پر بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔

شہباز کمرے کے ملحقہ برآمدے کی ریلنگ سے لگا کھڑا تھا۔ ایک اداس کر دینے والی مضمحل فضا کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس کا دل گداز ہو گیا۔

مورے اسے سینے سے لگانے اپنی جگہ سے اٹھیں تو وہ لپک کر ان سے لگ کر رو پڑی۔

''نہ میری بچی، نہ رو۔ خدا سب خیر کرے گا۔'' مورے اسے خود سے لپٹائے تھپکنے لگیں۔

''میں نے طفی سے کہا بھی تھا کہ وہ تمہیں نہ پریشان کرے مگر اس کے آکا جان نے تم سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی اور حمزہ کو دیکھنا چاہتے تھے۔''

''نہیں مورے! اچھا کیا کہ انہوں نے مجھے بلوا لیا۔ میں خود بھی آنا ہی چاہ رہی تھی۔ بس کچھ مصروفیت کچھ ایسی ہوگئی تھی کہ آ نہ سکی۔'' وہ ان سے الگ ہوئی اور نظریں چراتے ہوئے نارمل رکھنے کی کوشش کی۔ مورے کے مہربان وجود کے سامنے اسے اپنا آپ بے حد حقیر محسوس ہو رہا تھا۔

''ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں؟'' وہ آکا جان پر ایک نظر ڈال کر دل گرفتگی سے بولی۔

''آپریشن ضروری ہے۔ اب دیکھو، طفی نے کل کی ڈیٹ تو لے رکھی ہے سرجن بخاری سے بس تمہارے آکا جان مان جائیں تو اچھا ہے۔''

''مورے! میں گھر جا رہا ہوں کچھ دیر کے لئے۔ کوئی کام ہو تو بتا دیں؟'' مصطفیٰ خان نے اندر جھانکا۔ مورے نے اس کی گود میں چڑھے حمزہ کو محبت سے اٹھا لیا اور اس کی پیشانی چومتے ہوئے بولیں۔

''ہاں اسے بھی گھر لے جاؤ، تھک گیا ہو گا یہ بھی۔ اور ہاں، لالہ رخ کو بھی اپنے ساتھ ہی لے جاؤ، اسے بھی سفر کی تھکان ہو گی۔''

''نن...... نہیں مورے، میں یہیں ہوں، آپ کے پاس۔'' وہ ہٹپٹا کر جلدی سے بولی۔

''آ کا جان کو ہوش آ جائے گا تو چلی جاؤں گی۔''

''انہیں تو اب تین چار گھنٹے بعد ہی ہوش آئے گا۔ تم کہاں تھکی ہاری یہاں بیٹھی رہو گی۔ ابھی طیفی کے ساتھ چلی جاؤ، پھر واپس آ جانا۔ جاؤ شاباش۔''

وہ بمشکل چادر لپیٹ کر مصطفیٰ خان کے پیچھے چل پڑی۔

''تم سے شکوہ کرنے کا حق تو رکھتا ہوں مگر سوچتا ہوں شکوے کی اہمیت بھی وہیں ہوتی ہے جہاں رشتوں کی اہمیت ہو۔ جبر کے رشتوں میں شکوہ بڑا بے معنی اور فضول سا لگتا ہے۔'' وہ گاڑی ہسپتال کے پارکنگ لاٹ سے نکال کر سڑک پر مناسب رفتار سے چلاتے ہوئے اس سے مخاطب ہوا۔

''آپ ہر طرح کے طنز کرنے میں بھی خود کو حق بجانب ہی سمجھتے ہیں، کیا یہ بے معنی نہیں ہے؟'' وہ جیسے پھٹ پڑی۔

''طنز؟ مگر میں نے تو کوئی طنز نہیں کیا۔'' وہاں معصومیت کی انتہا تھی۔ لالہ رخ کا دل چاہا اس کا خوبصورت چہرہ نوچ لے۔ وہ جھلس کر رہ گئی۔

''آپ کی لغت میں پھر ان رویوں کو کیا کہتے ہیں؟''

''میری لغت چھوڑو، تم اپنی کہو، تمہارے ان رویوں کو، اس بے اعتنائی اور اجنبیت کو میں کن معنوں میں لوں؟'' اس نے سگنل پر گاڑی روکتے ہوئے اس کی طرف متاسفانہ نگاہ ڈالی۔ ''ان پر میرا ردعمل کیا بہت حسین اور رنگین ہونا چاہئے؟'' وہ ضبط کرنے کے باوجود ہو گیا۔ دوسرے پل اپنے لہجے کی تلخی کی حدت کا احساس کرتے ہوئے قدرے دھیمے لہجے میں بولا۔ ''میں تمہاری طلب نہیں تھا اور میری بھی یہ خوش فہمی ختم ہو چکی ہے کہ تم میری جیت کر آئی ہو اور خوش فہمی تو یہ بھی ختم ہو گئی ہے کہ میں سمجھتا رہا کہ جیسے چاہوں گا، اپنی محبت ک رخ موڑ دوں گا۔ جذبے صادق ہوں تو فاصلے پاٹے جا سکتے ہیں۔ قربت سے محبت بلندیوں تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ مگر جو قربت کا ہی خواہاں نہ ہو تو کیا، کیا جائے؟'' وہ اس کے

سر پر ایک افسردہ سی نگاہ ڈال کر بولا۔ ''مجھے صرف تم سے یہ کہنا ہے کہ اس کھیل میں تو نہیں تھکا۔ ہاں تم تھک گئی ہو تو یہ کھیل بند کر دو۔ یہ منافقت تم پر سوٹ نہیں کرتی۔''

''کیسی منافقت؟'' لالہ رخ نے تڑپ کر سر اٹھایا۔

ایسے آگ بھرے جملے تھے۔ اس کا رواں رواں سلگ کر رہ گیا۔ جسمانی تھکان سے کہیں زیادہ ذہنی تھکان حاوی ہونے لگی۔

''میرے گھر والوں کی محبت وصول کرنے کے جتن کرنا، مورے کی محبت کا جواب ایک بناوٹی محبت کی صورت میں دینا۔''

''یہ منافقت نہیں ہے، بیڑیاں ہیں مجبوری کی۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی وہ کہہ گئی۔ دھواں تو بہرحال اسے بھی کہیں نکالنا تھا۔ مصطفیٰ خان مجروح نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔

''کہو تو آزاد کر دوں ان بیڑیوں سے؟''

اُف...... لالہ رخ کو لگا، اعصاب پر ایسا اثر ہوا ہو جیسے وائلن کے تنے ہوئے تاروں پر ت سے کوئی ہاتھ مار دے۔ ایک تکلیف دہ احساس اس کے چہرے کو چھو گیا۔

''میرے پیش نظر صرف میری اپنی ذات نہیں ہے۔ عورت تو یوں بھی ہزار رشتوں کی زنجیروں میں جکڑی ہوتی ہے جہاں اسے ایک عمر تک یہ مغالطہ ہی رہتا ہے کہ یہ زنجیریں اسے سنبھالے ہوئے ہیں۔ مگر ایک وقت آتا ہے جب یہ سفاک حقیقت اس پر آشکارا ہوتی ہے کہ اس کا کمزور وجود ہی دراصل ان زنجیروں کو باہم جکڑے ہوئے ہیں۔ اس کی ایک کڑی ے تو باقی پوری زنجیر بکھرتی ٹوٹتی چلی جائے گی۔ یہ عورت ذات کو تنہا، معتوب اور رُسوا کر کے چھوڑتی ہے۔'' وہ سخت آزردگی کی لپیٹ میں آ گئی۔ اس کے خوشنما ہونٹوں سے نے والی ہنسی استہزائیہ سی تھی۔

مصطفیٰ خان نے بے اختیار اپنا ہاتھ اسٹیئرنگ سے ہٹا کر اس کے کندھے پر رکھ دیا۔ ہاتھ کا اپنائیت آمیز لمس لالہ رخ کی رگوں میں ایک پل کے لئے طوفان لے آیا۔

''لالہ! ہماری یہ شادی تمہاری کسی مجبوری کا سودا نہیں ہے اور نہ میں نے یہ شادی تمہیں ر کرنے کے لئے کی ہے۔ نہ تم سے ہمدردی کے طور پر کی ہے۔ تم میرا خواب تھیں، طلب تھیں۔'' وہ گاڑی کی رفتار دھیمی کرتے ہوئے اس کی طرف جھکا۔ ''اور ہو اور رہو طلب کے راستے تبدیل نہیں ہوتے۔ یہ کسی کھلنڈرے بچے کی چاہت نہیں تھی جو والے چاند کو دیکھ کر مچل اٹھا ہو۔ نہیں، یہ ایک میچورڈ مرد کی خواہش اور طلب ہے جو کے ابھرنے اور ڈھلنے سے مشروط نہیں ہے۔'' اس کا دھیما لہجہ آنچ دیتا ہوا تھا۔ ایک دو

پل لالہ رخ نظریں نہ جھکا سکی۔ اس کی سرمئی آنکھوں کے کانچ پر پھیلی مقناطیسی کشش نے اسے جکڑے رکھا۔ معاً لالہ کے تصور میں سیف الرحمٰن آ کھڑا ہوا۔ ایسے ہی جملے کبھی اس نے بھی کہے تھے کیف و جذبات سے بوجھل اوقات میں اور اس نے یقین کر لیا تھا۔ اس نے اس تصور سے گھبرا کر پلکیں جھپکیں اور ایک گہری سانس کھینچ کر رخ موڑ کر پچھلی نشست پر سوئے ہوئے حمزہ پر ایک نگاہ ڈالی، پھر نظریں مصطفیٰ خان سے چرا کر کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔

ایسا کیا ہے بھلا مجھ میں مصطفیٰ خان! کہ تم اپنی زندگی کو اتنی مشکل میں ڈال رہے ہو؟ میں تو بہت عام سی لڑکی ہوں، بہت عام سی۔ جس کے سامنے سے لوگ یقیناً بغیر چونکے گزر جاتے ہوں گے۔ جس کے پاس محض ایک بکھرا دل اور منتشر ذہن ہے۔ جس کے ہاتھ خالی ہیں۔

وہ ایک دم یاسیت کی زد میں آ گئی تھی۔

کوئی اس دیوانے کو سمجھائے کہ وہ لوگ بھلا کب جڑ پاتے ہیں جن کا یقین ٹوٹ گیا ہو منزل کے پاس پہنچ کر......

اس نے رخ موڑ کر دزدیدہ نظروں سے مصطفیٰ خان کی طرف دیکھا، وہ لب بھینچے ونڈ اسکرین پر نظریں جمائے گاڑی بے حد رش انداز میں بھگا رہا تھا۔ شاید اس کی خاموشی نے اسے مایوس کیا تھا۔ بے اعتنائی کی آنچ نے زخمی کر دیا تھا۔ اس کے خوبصورت چہرے کے نقوش میں گہری سنجیدگی مستور ہو گئی تھی۔

گھر آ کر وہ سیدھا اسٹڈی روم میں چلا گیا جبکہ وہ حمزہ کو اٹھائے بیڈ روم میں چلی آئی۔

ہر شے اپنی جگہ قرینے سے رکھی تھی۔ بس ایک اس کا دل تھا جو منتشر اور پراگندہ تھا۔ اس حمزہ کو بیڈ پر لٹا کر یونہی ہر شے کو خالی خالی نظروں سے تکنے لگی۔

آخر وہ ان سب سے مانوس کیوں نہیں ہو جاتی؟ جب یہی مقدر ہے تو اسے شکست سمجھ کر قبول کیوں نہیں کر لیتی؟ اس نے گلدان میں سجے سوکھے پھولوں کے بنچ کو آہستگی سے نکالا اور ڈسٹ بن میں ڈال دیا۔ یہ واحد شے تھی جو اس کی غیر موجودگی کا اسے احساس دلا گئی تھی اس کی شادی کی پہلی رات یہ گلدستہ کسی نے اس گلدان میں رکھا تھا۔ اس نے بکھر جانے والے پتوں پر نرمی سے ہاتھ پھیرا۔

کیا اس نے مصطفیٰ خان کے تازہ و پُربہار دل کو اسی طرح بکھیر دیا ہے؟ مگر جو خود بکھرا ہو، دوسرے کو کیسے جوڑے اور کہاں سے جوڑنا شروع کرے؟

اس نے سوئے ہوئے حمزہ پر نگاہ ڈالی۔ اس کے معصوم فرشتہ صفت چہرے پر گہری نیند میں ایک طمانیت اور آسودگی ہلکورے لیتی محسوس ہوئی جیسے وہ اتنے دنوں کے بعد ایک گہری

اور پُرسکون نیند لے رہا ہو۔ ماں سے زیادہ باپ کے محبت آمیز لمس نے اس کے اندر تک طمانیت اتار دی ہو۔

ایک ممتا بھری مسکراہٹ بے اختیار اس کے لبوں پر بکھر آئی۔ وہ اس کے قریب بیٹھ کر اس کی پیشانی سے بال ہٹانے لگی۔

اچانک اسے احساس ہونے لگا کہ اس نے مصطفیٰ خان کے ساتھ کچھ زیادتی کر دی ہے۔ ایک بے عنوان سی شرمندگی اور ندامت محسوس کرتے ہوئے وہ کمرے سے باہر آ گئی۔ باورچی خانے میں آئی تو ملازمہ جنت بی بی نے اسے دیکھ کر جھٹ دانت کھول کر خوشی کا اظہار کیا اور اس کی خیر خیریت پوچھنے لگی۔

”آپ کے بغیر تو پوری حویلی ویران ہو گئی تھی بی بی!“

”حیرت ہے، میں تو ایسی باغ و بہار شخصیت نہیں ہوں۔“ وہ ہلکے سے بڑبڑائی اور جنت بی بی کا کندھا پیار سے تھپک کر بولی۔ ”یہ تو تم سب کی محبت ہے کہ میری کمی محسوس کرتے ہے۔“

”آپ ہیں بھی تو اتنی اچھی۔ ارے، یہ آپ کیا کر رہی ہیں، لائیں میں بنا لاتی ہوں نا۔“ جنت بی بی نے اسے الیکٹرک کیتلی اٹھاتے دیکھ کر جلدی سے اپنی خدمات پیش کیں۔

”نہیں رہنے دو، تم اپنا کام کرو۔ بس دو کپ ہی بنانے ہیں۔“

”چھوٹے خان تو آپ کی آمد پر بڑے ہی خوش ہوں گے۔ حمزہ کو تو وہ بڑا ہی یاد کرتے تھے۔ رات رات بھر جاگتے رہتے اور چائے پیتے رہتے، پھر آدھی رات کو کمرے میں جاتے ہوئے مجھ سے کہتے کہ مورے سے مت کہنا کہ میں رات بھر یہاں بیٹھا چائے پیتا رہا ہوں۔“ جنت بی بی کے انداز میں گویا چھیڑ تھی۔ وہ اسے مصطفیٰ خان کی قلبی حالت سے آگاہ کر رہی تھیں جبکہ وہ سر جھکائے خاموشی سے چائے بناتی رہی۔ اس کے پاس بھلا ان باتوں کا جواب تھا۔

چائے کے دونوں مگ ٹرے میں سلیقے سے رکھ کر وہ اسٹڈی روم میں چلی آئی۔

مصطفیٰ خان نے قدرے چونک کر اسے دیکھا تھا۔ یہ عنایت اس کے لئے یقیناً غیر متوقع تھی۔ ایک پل کو تو اس کی متجبانہ نگاہوں نے لالہ رخ کو بھی سراسیمہ کر دیا۔

”کیا آپ کو چائے کی طلب نہیں تھی؟“ وہ لہجے میں شائستگی کا تاثر سموتے ہوئے بولی۔

اس نے کتاب ایک طرف رکھی، نیم وا آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔

”طلب صرف چائے کی ہی تو نہیں تھی۔ خیر، بہت شکریہ۔ مگر اس عنایت کی وجہ پوچھ سکتا

ہوں؟'' وہ ہلکے سے مسکرایا لیکن اس کی آنکھوں میں پہلی سرد سی کیفیت برقرار رہی۔ لالہ رخ نے دانتوں میں لب جکڑ کر نظریں چرالیں۔

''آپ آکا جان کی طرف کب جائیں گے، میرا مطلب ہے ہسپتال؟''

''ہوں، میں نے شہباز سے کہا ہے، جوں ہی آکا جان کو ہوش آجائے، مجھے اطلاع کر دے۔ حمزہ سوگیا ہے کیا؟''

''جی، بہت گہری نیند میں ہے۔''

''ہوں...... سفر کی تھکان جو تھی۔'' وہ بے حد شائستگی سے بات کررہا تھا مگر اس شائستگی میں عجیب طرح کی اجنبیت بھی تھی جو لالہ رخ کو محسوس ہوئے بنا نہ رہ سکی۔

''نہیں، سفر کی نہیں، وہ آپ کے بغیر بہت ڈسٹرب رہا ہے۔ آپ نے اس کی عادتیں جو بگاڑ دی ہیں۔'' وہی شکوہ تھا جو وہ اکثر و بیشتر اس سے کرتی رہی تھی۔

''کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ وہ یہاں خوش اور مطمئن رہتا ہے اور مجھ سے مانوس ہوگیا ہے۔'' اس نے بڑا سا گھونٹ بھرتے ہوئے ابرو اچکا کر اس کے چہرے پر جانچتی نگاہ ڈالی۔ ایک پل کو لالہ رخ سٹپٹا گئی۔

''اس میں ناخوشی کی کیا بات ہے؟''

''کبھی یہ بات تمہیں ناگوار گزرتی تھی، تمہارے خیال میں، میں اسے سیڑھی کے طور پر استعمال کررہا تھا۔ اب یہ یکایک احسان مندی کیسے جھلکنے لگی تمہارے لہجے میں؟'' وہ بے ارادہ یہ وار کر گیا تھا۔

لالہ رخ نے کرب سے ایک لحظہ آنکھیں بھینچ کر کھولیں پھر مگ ایک طرف رکھ دیا۔

''میں بہت پریشان ہوں مصطفیٰ خان! بے حد پریشان۔'' لالہ کی آواز بھرا گئی۔ دوسرے پل وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر رو پڑی۔ مصطفیٰ خان اس طرح کے ردعمل کے لئے قطعی تیار نہیں تھا، سٹپٹا کر رہ گیا اور اپنا مگ ایک طرف رکھ کر اس کے نزدیک آیا۔

''آئی ایم سوری، میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا ہرگز نہیں تھا، بس یونہی میں ذرا تلخ ہوگیا حالانکہ میں جانتا ہوں تمہاری اس ساری ڈسٹربنس کا ذمہ دار میں ہوں اور صرف میرا وجود۔'' وہ قدرے ندامت سے گویا ہوا۔

''نہیں، میں طلال کی وجہ سے بے حد پریشان ہوں۔'' اس نے روتے ہوئے سر اٹھایا۔

''طلال کی وجہ سے؟ کیوں، کیا ہوا طلال کو؟'' اسے گویا کرنٹ سا لگا۔

تب لالہ رخ اسے طلال اور روشانہ کے مابین جو کشیدگی پیدا ہوچکی تھی، اس کے متعلق

بتانے لگی کہ کس طرح طلال نے اسے محض سیڑھی کے طور پر استعمال کیا ہے۔

مصطفیٰ خان کے لئے یہ انکشاف بھی کسی دھچکے سے کم نہ تھا۔ اس کے لئے یہ بات بھی کسی نشتر سے کم نہ تھی کہ لالہ رخ پر اس شادی کے لئے طلال نے باقاعدہ دباؤ ڈالا ہے۔

تو ساری آگ گویا اسی پر گری ہے۔ وقفے وقفے سے نکلنے والا دھواں اسی آگ کی پیداوار ہے۔ اس تکلیف دہ انکشاف پر وہ کتنی دیر بالکل بے ارادہ چپ سا رہ گیا۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ طلال کے دل میں روشانہ کے لئے کوئی گداز جذبہ نہیں ہے۔'' لالہ رخ دل گرفتگی سے بولی۔

مصطفیٰ خان نے بے اختیار اسے متاسفانہ نگاہوں سے دیکھا...... سوچ تو میں بھی نہیں سکتا تھا کہ تمہارے دل میں بھی میرے لئے کوئی نرم گوشہ نہیں ہے......

افسردگی تھی کہ روح میں اترتی محسوس ہورہی تھی۔

''اگر طلال کے دل میں ایسا کوئی جذبہ ہے ہی نہیں تو تمہارے خیال میں اس تعلق کے بندھے رہنے کا کیا فائدہ ہے؟'' وہ افسردگی کے اس سحر سے نکلتے ہوئے دھیرے سے بولا۔

لالہ رخ ایک طرح کی بے آرامی محسوس کرکے نظریں جھکا گئی۔

''کیا زبردستی محبت کی جاسکتی ہے؟ کیا جذبے کاشت کئے جاسکتے ہیں؟ اگر ایسا کوئی طریقہ تمہارے ذہن میں ہے تو مجھے بتاؤ۔ میں اپنی سی کوشش کرکے دیکھ لیتا ہوں۔'' وہ بظاہر سادگی سے کہہ رہا تھا مگر اس کا لہجہ استہزائیہ تھا جیسے وہ اپنے حالات پر ہنس رہا ہو۔

''مگر روشانہ کے جذبے تو صادق تھے۔ اس نے طلال سے محبت کی ہے۔ اس طرح تو وہ مرجائے گی۔''

''ارے کوئی نہیں مرتا، سب زندہ رہتے ہیں۔ رہا دل کے بکھرنے اور ٹوٹنے کا سوال تو اس کی پرواہ دل توڑنے والے کو نہیں ہوتی۔ بہرحال!'' وہ سر کو خفیف سی جنبش دے کر کرسی سے اٹھ گیا۔

''اب کیا چاہتی ہو تم؟'' اس کے جھکے سر پر نگاہیں جماتے ہوئے وہ پرخیال انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

''صرف اور صرف طلال اور روشانہ کی خوشیاں۔'' ایک افسردہ سی سانس اس کے لبوں سے نکل گئی۔

''اور اپنے لئے؟'' وہ بڑے بے ساختہ پن سے پوچھ بیٹھا۔ لالہ رخ نے ذرا سی نگاہیں اٹھائیں مگر دوسرے پل ان نگاہوں کی حدت سے نظریں چرا گئی۔

"مجھے اپنے حصے کے غم اور خوشیاں مل چکی ہیں مگر میں روشانہ کو ٹوٹتے بکھرتے نہیں دیکھ سکتی۔" وہ آہستگی سے اٹھی اور اپنا اعتماد سنبھال کر اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ "میں جانتی ہوں، محبت کا پودا کسی کے اندر زبردستی نہیں اُگ سکتا جب تک دوسرا اسے اپنے اندر اُگنے نہ دے۔ مگر کسی کی زمین دل ہی بنجر ہوگئی ہو تو وہاں کوئی پودا کس طرح اُگ سکتا ہے؟" مصطفیٰ خان نے بے اختیار اس کے کندھوں کو چھوا تو وہ پوری جان سے کانپ کر رہ گئی۔

"ہاں، کوئی کسی کے دل میں کیونکر اتر سکتا ہے، جب مقابل اترنے ہی نہ دے۔ بنجر زمین سیراب تو اس وقت ہوسکتی ہے نا جب وہاں کسی کو خیمے لگانے کی اجازت ہو، کاشت کرنے کے جتن کرنے کی اجازت ہو، بے آب میدان بھی نخلستان بن جاتے ہیں، جب موسم بدلتے ہیں، خوشگوار ہواؤں کے جھکڑ چلتے ہیں۔ مگر ان ہواؤں کو رخ دیا جائے تو۔"

اس کا لہجہ خود فراموشی کی لپیٹ میں آ گیا۔ لالہ رخ کو اپنے پہلو سے ایک آنچ اٹھتی محسوس ہونے لگی۔ اس نے تڑپ کر پیچھے ہٹنے کی کوشش کی مگر اس کے کندھے پر مصطفیٰ کی گرفت بے حد مضبوط تھی۔ وہ ایک بے بسی محسوس کر کے رہ گئی اور اپنی لرزیدہ پلکیں اوپر اٹھائیں۔

"کوئی بھی انسان صرف اپنے اندر ہی جینا نہیں چاہتا۔ وہ کسی اور کے دل میں بھی زندہ رہنا چاہتا ہے۔ یہ خواہش بہت فطری ہوتی ہے لالہ۔ اس سے منہ نہیں موڑا جا سکتا۔ چاہے تم ہو، میں ہوں یا طلال جیسا آدمی ہو۔"

لالہ رخ یکدم جھٹکے سے پیچھے ہٹی تھی۔ ایک خوف اس کی رگ رگ کو چھو گیا تھا جیسے سورج ڈوبنے کے بعد کا منظر اس میں آ کر ٹھہر سا گیا ہو۔ مگر دوسرے پل وہ اپنے سرخ ہونٹوں کو باہم دبا گیا تھا اور ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے اس کی آہو چشم میں جھانکا اور بے اختیار ہلکے سے ہنس دیا۔

"کیا تم سمجھتی ہو تمہارے اس طرح بدک جانے سے یا اتنی خفیف سی مزاحمت میرے لئے رُکاوٹ ثابت ہو رہی ہے؟ ہرگز نہیں، یہ خوش فہمی یا غلط فہمی دل سے نکال دو لالہ رخ صاحبہ! میں ان فاصلوں کو خود نہیں پاٹنا چاہتا۔ ورنہ تمہاری یہ کوشش محض ریت کی دیوار ثابت ہوگی۔"

اسے شاید اس کی حالت پر رحم آ گیا تھا۔ وہ حقیقتاً اس وقت بے حد قابل رحم حالت میں تھی۔

"میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ طلال بھی فطری خواہش سے الگ نہیں ہے۔ ایک نارمل آدمی کی طرح اس کے اندر بھی یقیناً چاہنے اور چاہے جانے کی فطری خواہش مچلتی ہوگی، وہ بھی محبت کرنے اور پانے کی طلب رکھتا ہوگا اور طلال جیسا آدمی محض تم پر دباؤ ڈالنے کے لئے ایک لڑکی کی زندگی سے کھیلے، یہ ناممکن سی بات ہے۔ وہ ایک تیر سے دو شکار کر رہا ہے

بلکہ یقیناً اس نے ڈبل گیم ہی کھیلا تھا۔ میرے حصے میں تو خیر جو آنا تھا، وہ آیا مگر اپنا حصہ بھی وہ خوبصورتی کے ساتھ تقدیر سے حاصل کر چکا ہے۔"

"کیا مطلب؟" وہ قطعی نہ سمجھ سکی۔

"مطلب یہ مائی وائف! کہ اگر اس کے دل میں روشانہ کے لئے رتی بھر گنجائش نہ ہوتی تو وہ نکاح کا جھنجٹ ہرگز نہ پالتا، محض منگنی تک بات رکھتا۔ مگر چونکہ وہ روشانہ اسد کو بھی کھونا نہیں چاہتا، سو اس نے سارے کارڈز اپنے ہاتھ میں ہی رکھ لئے ہیں۔" وہ بات ختم کر کے ہلکے سے مسکرایا اور نہایت اطمینان سے کرسی کی بیک پر سر ٹکا کر نیم وا آنکھوں سے اس کے چہرے کو تکنے لگا جہاں ایک رنگ آ رہا تھا، ایک جا رہا تھا۔ کچھ سمجھ بھی رہی تھی اور الجھ بھی رہی تھی۔ پھر جیسے تھک کر دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر کرسی پر ڈھے سی گئی۔ مصطفیٰ خان کی باتیں دل پر لگ رہی تھیں۔

"اگر ایسی ہی بات ہے تو طلال کا رویہ پھر اتنا روڈ کیوں ہے؟" وہ کچھ سوچ کر بولی۔

"ایسی کوئی بات ہے یا نہیں، اس کا فیصلہ تو طلال کو ٹٹول کر ہی کیا جا سکتا ہے۔" اس نے کندھے اچکا دیئے۔

لالہ رخ نے ایک گہری سانس یوں کھینچی جیسے کوئی وزنی بوجھ سینے سے سرک گیا ہو۔ اس شخص سے لاکھ وہ برہم تھی مگر اس لمحے اسے بہت بڑا سہارا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی تھکا ہارا مسافر صحرا میں بھٹکتے بھٹکتے کسی نخلستان میں خیمہ زن قافلے سے آ ملا ہو۔ اس نے ممنون نظروں سے مصطفیٰ خان کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ نظریں ملنے پر وہ سٹپٹا کر جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔

"آپ کی چائے تو پڑی پڑی یونہی ٹھنڈی ہوگئی ہے، میں گرم کر لاتی ہوں۔" اس سے پہلے کہ وہ اسے روک دیتا، وہ تپائی سے مگ اٹھا کر کمرے سے نکل گئی۔

مصطفیٰ خان نے ایک عجیب سی بے بسی محسوس کرتے ہوئے ناآسودہ سی سانس کھینچی اور کرسی کی پشت سے سر ٹکا لیا۔

تری بے رخی کے دیار میں، گھنی تیرگی کے حصار میں
جلے کس طرح سے چراغ جاں! کرے کس طرح سے کوئی سفر

اُسے یقین تھا، چائے اب وہ جنت بی بی کے ہاتھ ہی بھیجے گی۔

☆☆☆

فون کی مسلسل ہونے والی بیل نے اس کے خیالات کے تسلسل کو توڑا تھا۔ اس نے گردن

موڑ کر دیکھا، پلوشہ ریسیور اٹھا چکی تھی۔ دوسری طرف جانے کون تھا۔ وہ پہلے حیران ہوئی، پھر شدید ہونے لگی تھی۔ اس کی ہنسی کی جھنکاریں اس کے کانوں سے ٹکرانے لگیں۔ اس نے سوچا کتنی بے فکری کی زندگی ہے وشی کی بھی۔ آزاد اُڑتے پرندے کی طرح۔ کبھی وہ بھی ایک ہی بے فکری سے سانسیں بھرتی تھی۔ اس کا دل بھی ہمہ وقت خوش، مست اور اپنے آپ میں مگن رہتا تھا مگر اب۔

ہے عشق ایک روگ، محبت عذاب ہے
اِک روز یہ خراب کریں گے، کہا نہ تھا

''آپی!'' پلوشہ اس کے نزدیک آئی۔ وہ اسے پکار رہی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ ''طلال بھائی کا فون ہے۔'' اس نے جھکتے ہوئے شرارت بھرے انداز میں سرگوشی کی۔

''کیا بدتمیزی ہے؟'' ریموٹ اس کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا تھا۔ ناگواری سے اس کی پیشانی شکن آلود ہوگئی۔

''جناب، یہ بدتمیزی نہیں ہے، یہ محض اطلاع ہے۔'' پلوشہ جلدی سے بولی۔ وہ دم بخود رہ گئی جیسے وہ اسے کوئی ناآشنا زبان میں بے حد مشکل بات سمجھا رہی ہو۔

''لیجیے، صرف فون کا سن کر ہی آپ عالم مدہوشی میں چلی گئیں، ہوش میں آ جاؤ، اگر وہ روبرو آ گئے تو کیا ہوگا؟ آپ تو عالم بالا میں پہنچ جائیں گی۔'' پلوشہ نے اس کے آگے ہاتھ نچایا۔ وہ جھینپ کر نظریں جھکا گئی اور ریموٹ سے چینل بدلنے لگی۔

''جائیے بات کریں، اچھا ٹھہریں، میں فون ادھر ہی لے آتی ہوں۔''

''وشی پلیز، انہیں منع کر دو کہ میں......''

''آپی! کمال کرتی ہو، اب ایسی بھی کیا رُکھائی؟'' پلوشہ نے اس کی بات کاٹ کر تادیبی نظروں سے اسے دیکھا اور جا کر فون اٹھا لائی۔ وہ بے چارگی آمیز کرب محسوس کر کے رہ گئی۔ پلوشہ کے جانے کے بعد وہ کچھ دیر تک ریسیور پکڑے یونہی بیٹھی رہی، پھر اپنا اعتماد بحال کرتے ہوئے بولی۔

''اگر میں کہوں کہ میں آپ سے بات کرنا نہیں چاہتی پھر؟''

''یہ تمہیں کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کا مجھے بخوبی اندازہ ہے۔'' دوسری طرف سے برجستہ جواب آیا۔

''اس کے باوجود آپ نے یہ زحمت کی ہے۔'' وہ باوجود ضبط کے، لہجے میں اترنے والی

فی نہ چھپا سکی۔

''ہاں، اس کے باوجود مجھ سے یہ حماقت سرزد ہوگئی ہے۔ اب کیا، کیا جائے؟'' طلال کے لہجے کا یہ اطمینان روشانہ کے دل کو چھید گیا۔

''بات سنو، میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔'' ایک لمحے توقف کے بعد وہ بولا۔

''کیا؟ نہیں، ہرگز نہیں۔'' وہ یہ سن کر پوری جان سے کانپ گئی اور ریسیور کو یوں خوفزدہ نظروں سے دیکھا، گویا طلال کا اونچا لمبا وجود اسی ریسیور سے ابھی باہر نکل آئے گا۔

''میں تم سے اجازت نہیں مانگ رہا ہوں، صرف اطلاع دے رہا ہوں۔'' جواباً وہ کڑے لہجے میں بولا۔

''کیوں ملنا چاہتے ہیں؟'' وہ بگڑی۔

''اس کا جواب تو تم سے ملنے پر ہی بتا سکوں گا۔ میں کل اسلام آباد ایک سیمینار میں شرکت کے لئے آ رہا ہوں، واپسی پر تمہاری طرف آؤں گا۔''

''کوئی ضرورت نہیں ہے میرے گھر آنے کی اور مجھ سے ملنے کی۔ نہ میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں، نہ کچھ سننا چاہتی ہوں، مجھے وضاحتوں یا صراحتوں کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ چیخ کر بولی۔

''چہ، خوب۔ یہ خوش فہمی تمہیں کیسے ہوگئی کہ میں کسی قسم کی وضاحت دینے آ رہا ہوں؟'' وہ استہزا آمیز انداز میں زور سے ہنسا۔ ''اور رہی بات تمہاری اجازت ملنے کی، تو یہ گھر میری خالہ اور خالہ زاد بھائی کا بھی ہے۔ دوسرے رشتے بھی بہت ہیں۔ مگر فی الحال یہ حوالہ کافی ہے۔''

''آپ خود کو سمجھتے کیا ہیں؟ میں لالہ رخ جتنی کمزور ہرگز نہیں ہوں کہ آپ اپنی من مانی کر سکیں گے۔'' وہ بلبلا کر چیخی۔

''اچھی بات ہے، بلکہ بے حد خوش آئند خبر ہے کہ تم بہادر ہو۔ مجھے بھی بہادر لڑکیاں ہی پسند ہیں۔''

وہ سرتا پا جھلس کر رہ گئی۔

''او کے، باقی باتیں روبرو ہوں گی۔ یار زندہ صحبت باقی۔'' اس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

روشانہ کا دل انگاروں پر لوٹ کر رہ گیا۔ اس نے ریسیور پورے غصے سے کریڈل پر پٹخ دیا۔ وہ کسی صورت میں اس شخص کا سامنا کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے سوچا، وہ سمیعہ خالہ کی طرف چلی جائے بلکہ آج ہی چلی جاتی ہے اور کل تک وہ وہیں رہے گی۔ ہاں اسے چلا ہی جانا چاہئے۔

اسی خیال کے ساتھ وہ جھٹکے سے صوفے سے اٹھی اور اپنے کمرے میں آئی مگر وارڈ روب کی طرف بڑھتے ہوئے اسے یاد آیا کہ سمیعہ خالہ تو ان دنوں اپنے سسرال رحیم یار خان گئی ہوئی تھیں اپنی نند کے بیٹے کی شادی اٹینڈ کرنے۔

وہ مارے غصے، جھنجلاہٹ اور وحشت کے عالم میں کمرے میں بے قرار روح کی مانند چک پھیریاں کھانے لگی۔ مگر نہیں، اس کے اس طرح فرار ہو جانے کو وہ اس کی بزدلی سمجھ کر اور شیر ہو جائے گا۔ وہ آخر اِدھر اُدھر کیوں بھاگے، بس اس کا سامنا نہیں کرے گی۔ اور اگر بحالت مجبوری سامنا ہو گیا تو کھل کر اپنی نفرت اور بیزاری کا اظہار کر دے گی۔

وہ خود کو آنے والے لمحات سے نمٹنے کے لئے تیار کرتی رہی مگر دوسرے پل سوچ میں دراڑ پڑنے لگی، حوصلے چٹختے ہوئے محسوس ہونے لگے۔ تھک کر وہ فرش پر بیٹھ گئی اور گھٹنوں میں سر دے کر بے آواز رو پڑی۔

***

اس نے مورے اور شہباز لالہ کے لئے لنچ بنایا۔ آکا جان کے لئے پرہیزی کھانا بنا کر مجتبیٰ کے ہاتھ ہسپتال بھجوا دیا۔ مصطفیٰ خان بہت سویرے ہی چلا گیا تھا۔ رات وہ اسٹڈی روم میں ہی رہا تھا اور اس نے سوچا کہ اچھا ہی ہوا جو صبح اس سے سامنا نہیں ہوا، تاہم وہ صرف اس وجہ سے ٹینشن میں مبتلا ضرور تھی کہ کم از کم طلال کے سلسلے میں وہ اسے کوئی تسلی بخش جواب دے کر نہیں گیا تھا کہ آیا وہ طلال سے رابطہ کرے گا یا نہیں۔

وہ طلال اور روشانہ کا مسئلہ جلد از جلد سلجھانا چاہتی تھی، اس سے پہلے کہ بات رفیعہ بیگم یا دوسرے لوگوں کے علم میں آ جائے۔

جو چنگاری طلال نے سلگائی تھی وہ اسے شعلہ بننے سے پہلے ہی بجھا دینا چاہتی تھی اور اس میں اسے مصطفیٰ خان کی مدد اور تعاون کی ضرورت تھی۔

وہ انہی سوچوں اور تفکرات میں الجھی کمرے میں آ کر یونہی قرینے سے رکھی ہر شے کو نئے سرے سے ترتیب دینے لگی۔

پالش شدہ رائٹنگ ٹیبل پر مصطفیٰ خان کی کتابیں اور ضروری فائلیں ترتیب وار رکھتے ہوئے یونہی وہ ایک فائل اٹھا کر دیکھنے لگی۔

انگریزی کی طرح اس کی اُردو کی رائٹنگ بھی بے حد خوبصورت تھی، لفظ لفظ جیسے صفحے پر موتی کی طرح بکھرے محسوس ہوتے تھے۔ وہ بکھرے پرچے پیک اپ کرنے لگی کہ ایک پرچے پر اس کی نظر پڑی، جس پر یہ نظم لکھی ہوئی تھی۔

محبت تم نے کب کی ہے!
محبت میں نے کی
تم نے تو بس اِک خامشی کی اوٹ میں رکھ کر
کچھ اپنے لمس کے مصرعے میرے دل میں اتارے ہیں
لب نم، ساز کے نم، میں کئی نظمیں بھگو کر میرے شانوں
پر بکھیری ہیں
محبت تم نے کب کی ہے
محبت میں نے کی ہے
تم نے اپنی آنکھوں میں دور تک اسرار میں ڈوبی ہوئی
اِک شام جیسی سرد آنکھوں میں مجھے تحلیل کرنا تھا
سو میں بھی ایک بے وقعت سے لمحے کی طرح اب تک
تمہارے پاؤں کی مٹی سے لپٹا ہوں
نہ تم نے پاؤں کی مٹی کو جھٹکا ہے
نہ اس بے وقعت و بے مایہ لمحے کو
اٹھا کر اپنی پیشانی پہ رکھا ہے
تمہاری خامشی کی روک میں
میرے لئے کیا ہے
سبھی کچھ ہے مگر اقرار کی جھلمل نہیں ہے
سمندر موجزن ہے اور کوئی ساحل نہیں ہے
محبت تم نے کب کی ہے!

ایک مانوس سا کرب وہ اپنی روح میں اترتا محسوس کرنے لگی، کوئی احساس اس کا دل کوٹنے لگا۔

زور و جبر سے بیرونی زمین پر تسلط قائم کیا جا سکتا ہے مگر دل کی زمین کو کسی بھی استبداد سے حاصل نہیں کیا جا سکتا اور مصطفیٰ خان اس پر کاربند تھا، یہ احساس اس کے دل پر ندامت کی طرح ہلکورے لینے لگا۔

اچانک فون کی گھنٹی چیخ اٹھی تو وہ زور سے چونکی اور ایک گہری سانس کھینچ کر کاغذ تہہ کر کے فائل میں رکھ دیا۔

مسلسل بجنے والی گھنٹیاں اس کے دل کے سناٹے پر کسی ہتھوڑے کی طرح لگ رہی
تھیں۔ اس نے افسردگی کے سحر سے خود کو آزاد کرتے ہوئے ریسیور اٹھایا۔

''ہیلو!''

''ہیلو لالہ رخ! میں سیف الرحمٰن بول رہا ہوں۔'' ایئر پیس سے سیف الرحمٰن کی مانوس
آواز گونجی۔

لالہ رخ دم بخود رہ گئی۔

دوسرے پل اسے اپنے سینے میں گویا برف کی سی یخ بستگی پھیلتی محسوس ہونے لگی جس سے
اعصاب ٹھٹھر کر رہ گئے......!

☆

''ہیلو، دیکھو فون مت رکھنا۔'' لالہ رخ کی آواز پہچان کر وہ لجاجت سے بولا۔

''تت......تم، یہاں...... یہاں کا نمبر کیسے ملا تمہیں؟'' وہ خشک ہوتے حلق سے بمشکل
آواز نکال پائی۔

''طلب سچی ہو تو ایک نمبر ہی کیا، پورے انسان کو ڈھونڈا جا سکتا ہے۔ بہرحال یہ نمبر ثانیہ
نے تمہاری فرینڈ بن کر غالباً حنا سے حاصل کیا ہے۔''

''کیوں؟ کیوں آخر، اس کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟'' اُسے اپنا دماغ ماؤف ہوتا
محسوس ہونے لگا۔ مارے خوف کے اِدھر اُدھر دیکھا، حالانکہ اسے خبر تھی اس وقت گھر میں
ملازموں کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ مگر اندر کی وحشت نے اسے خوفزدہ کر دیا تھا جیسے سیف
الرحمٰن فون پر نہ ہو، اس کمرے کی چھت سے کود پڑا ہو، یا دیواروں سے نکل کر کمرے میں آ
گیا ہو۔

''دیکھو پلیز، فون بند مت کرنا۔'' وہ جلدی سے بولا۔ ''تم اس روز بھی میری بات سنے
بغیر چلی گئی تھیں اور یقین کرو اس دن سے میں ایک مسلسل آگ میں تپ رہا ہوں، تمہارا
تصور مجھے نہ سونے دیتا ہے، نہ جینے دیتا ہے، مجھے لگ رہا ہے میں تمہاری محبت میں نئے
سرے سے گرفتار ہو گیا ہوں۔ آئی مس یو لالہ رخ، آئی مس یو۔'' وہاں بے تابیاں چیخ رہی
تھیں۔ بے قراریاں ہلکورے لے رہی تھیں۔

لالہ رخ کے وجود پر ایسا سناٹا چھا گیا گویا وہ بیٹھے بیٹھے کسی خلا میں اترتی چلی جا رہی ہو۔
ایسے خلا میں جہاں گہری دلدوز تاریکی کے سوا کچھ نہ ہو۔

''مجھے اپنی تمام تر غلطیوں کا اعتراف ہے۔ میں نے تمہیں چھوڑ کر بہت شدید غلطی کی ہے
جس کا خمیازہ میں مسلسل تین سال سے بھگت رہا ہوں۔''

''کیسا خمیازہ؟ کیا کمی ہے تمہارے پاس؟ صبوحی اور ایک بیٹی کے باپ بن کر اب کس
کمی کی بات کر رہے ہو تم؟ اور تم نے خمیازہ کیا بھگتا ہے، ساری اذیت، رسوائی اور ذلت تو
عورت کے حصے میں آتی ہے۔'' وہ یوں چیخی جیسے شیشے پر پتھر پڑا ہو۔ اس کی آنکھوں کے

آگے ماضی کا ایک ایک لمحہ بدنما دراڑ کی طرح دکھائی دینے لگا۔

''تم نے کیا دکھ اٹھائے ہیں سیف الرحمٰن، تم نے تو محبت ہی کب کی تھی۔ ہاں تم نے محبت کب کی تھی؟ یہ جرم تو میں نے کیا تھا۔ تم نے تو رشتے کے تقاضے بھی پورے نہیں کیے۔ یہ وہ شکوہ نہیں کرنا چاہتی تھی مگر کر گئی۔ ایک طرح کی بے اختیاری تھی جس کی لپیٹ میں آ کر وہ رو پڑی۔

سیف الرحمٰن ان رویوں کو غنیمت جانتے ہوئے بولا۔ ''تم چاہو تو میں ازالہ کرنے کو تیار ہوں۔ ہاں لالہ رخ! میں اب بھی تلافی کرنے کو تیار ہوں۔''

''کیا...... کیا تلافی کرو گے تم؟ کیا ازالہ کر سکتے ہو میرے ان زخموں کا؟ ان اذیت اور ذلت آمیز لمحوں کا تمہارے پاس کون سا مرہم ہے؟'' وہ غم و غصے سے پھٹ پڑی۔

''تم چاہو تو اب بھی ہے۔'' اس کی آواز دھیمی، سرسراتی سی ہو گئی۔ ''انسان اگر سمجھدار ہو، عقلمند ہو اور قوتِ فیصلہ کی صلاحیت ہو تو تلافی اور ازالے کا امکان کبھی بھی ختم نہیں ہوتا۔ خوشیوں کے در کھولے بھی جا سکتے ہیں، نئی راہیں بھی سجھائی جا سکتی ہیں۔ بس تھوڑی ہمت اور حوصلے کی ضرورت ہے۔ اینی وے، یہ باتیں ہم ملاقات پر کریں گے۔ میں ملنا چاہتا ہوں تم سے لالہ رخ! اور بار بار ملنا چاہتا ہوں۔ بہت سی باتیں ہیں میرے دل میں جو میں تم سے کرنا چاہتا ہوں۔ بولو، کیا تم بھی یہی چاہتی ہو؟''

لالہ رخ پوری قوت سے چلانا چاہ رہی تھی مگر آواز سینے میں گھٹ کر رہ گئی۔

''میں حمزہ سے ملنا چاہتا ہوں۔ کیا فون پر تم میری اس سے بات کرا سکتی ہو؟'' وہ بولا۔

''نہیں۔ وہ اسکول گیا ہے۔''

''کون سے اسکول جاتا ہے وہ؟'' وہ بڑی چابکدستی سے پوچھ گیا اور بے خیالی میں وہ اس کے اسکول کا نام بتا گئی۔

''لالی! کیا تم خوش ہو مصطفیٰ خان کے ساتھ؟'' ایک لمحے توقف کے بعد وہ لگاوٹ اور اپنائیت آمیز نرمی سے پوچھنے لگا۔

لالہ رخ کو عجیب سا جھٹکا لگا۔ وہ یکدم کسی ٹرانس سے باہر نکل آئی۔ لالہ کی رگوں میں دوڑتے لہو میں عجیب سی تندی آ گئی۔ اسے لگا جیسے کوئی طوفان اسے چھو گیا ہو۔

''سیف الرحمٰن! تم اب یہاں فون نہیں کرو گے۔ میں تم سے کوئی رابطہ نہیں رکھنا چاہتی نہ مجھے کسی ازالے اور تلافی کی خواہش ہے نہ طلب۔'' اس نے یہ کہہ کر ریسیور یوں کریڈل پر پھینک دیا جیسے مزید اگر کوئی تاخیر ہو گئی تو کوئی قیامت آ جائے گی۔

مگر قیامت تو آ چکی تھی اس کے ذہن و دل پر۔ سیف الرحمٰن کا اس حویلی میں فون آنا کسی قیامت سے کم نہ تھا۔ اس کی باتیں سرسراتے سانپ کی مانند اسے اپنے وجود سے لپٹی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ وہ وحشت زدہ سی کمرے سے باہر نکل آئی۔ مگر اسے لگا ہر جگہ سیف الرحمٰن ہی دکھائی دے رہا ہو۔ ہر دیوار سے وہی جھانک رہا ہو۔

''جنت بی بی......'' وہ پورے زور سے چیخی۔ حویلی کا سناٹا اسے اپنی روح میں اترتا محسوس ہونے لگا۔

''جج...... جی...... جی چھوٹی بی بی، کیا ہوا؟'' جنت بھاگ کر آئی۔ ''کیا ہوا بی بی جی؟'' وہ اس کے چہرے پر غیر معمولی پن دیکھ کر گھبرا گئی۔ ''آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی ہے جی۔ میں چھوٹے خان کو فون کرتی ہوں۔'' وہ گھبرا کر فون کی طرف دوڑ گئی۔ دوسرے پل مصطفیٰ خان کے موبائل پر رابطہ کیے لالہ رخ کی حالت بتانے لگی۔

''جنت بی بی...... جنت......'' وہ زور زور سے چیخنا چاہ رہی تھی مگر ایسا لگ رہا تھا آواز سینے میں گھٹتی جا رہی ہو۔ کوئی اس کا دل اندر ہی اندر کوٹ رہا ہو۔ وہ چیخ چیخ کر رونا چاہ رہی تھی مگر آنسو اس طرح ٹھٹھر گئے تھے جیسے کسی برف پوش علاقے میں کوئی مسلسل آگ جلانے کی کوشش کرتے ہوئے ناکام ہو رہا ہو۔

جنت بی بی نے اسے تھام کر صوفے پر بٹھا دیا اور اس کے تلوے سہلانے لگیں۔

''پانی۔'' وہ خشک حلق مسوستے ہوئے آہستگی سے بولی۔ جنت بی بی پانی کی بجائے گلوکوز لانے دوڑ گئی۔

وہ آنکھیں بند کیے صوفے کی گداز پشت پر نڈھال سی پڑی رہی۔ اسے اپنا ذہن خلا میں کسی کی طرح معلق محسوس ہو رہا تھا اور اردگرد ہر شے دھنکی ہوئی روئی کی طرح بکھرتی، تیرتی محسوس ہو رہی تھی۔ اسے خود اپنا آپ بھی ایک بے وزن تنکے کی طرح فضا میں ادھر اُدھر ڈولتا محسوس ہو رہا تھا۔

رات بھر کی بے خوابی اور سوچوں کی یلغار نے پہلے ہی مضمحل کر ڈالا تھا، اس پر سیف الرحمٰن کے فون نے رہی سہی کسر نکال دی۔

''کیا ہوا لالی؟'' مصطفیٰ خان کی پُرتشویش آواز اور ہاتھ کا مہربان لمس اپنے شانے پر محسوس کر کے لالہ نے بمشکل آنکھیں کھولیں۔ ایک دھند تھی جس کے پار اس کا چہرہ بہت غیر واضح سا لگ رہا تھا۔ پھر اس کی آنکھیں ڈبڈبانے لگیں اور مصطفیٰ خان کا چہرہ پانیوں میں ڈوبنے لگا۔ کسی ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح اس کے شانے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے

لگی۔ وہ کہنا چاہ رہی تھی، مجھے ڈر لگ رہا ہے سیف الرحمٰن سے، حالات سے اور خود اپنے آپ سے۔ مگر وہ بس چپ چاپ روتی رہی۔ آنسو لڑیوں کی صورت گر کر اس کے کندھے کو بھگوتے رہے۔

اچانک وہ اس سے الگ ہوئی اور اپنے اس بے اختیارانہ سرزد ہونے والے فعل پر نادم نظر آنے لگی۔ آنسو آنکھوں سے بہنا رک گئے تھے، اب آنکھوں میں نمی کے ساتھ خفت اور بے عنوان شرمندگی ہلکورے لینے لگی تھی۔

''میں آکا جان کے لئے پریشان ہو گئی تھی۔ پتہ نہیں کیوں مجھے عجیب سے وہم ستا رہے ہیں۔'' وہ خواہ مخواہ وضاحت کرنے لگی۔

مصطفیٰ خان کے سینے سے ایک افسردہ سانس نکل گئی۔

''وہ اب پہلے سے بہتر ہیں۔ بہت جلد صحت یاب ہو کر گھر آ جائیں گے۔'' اس نے نرمی سے اس کا ہاتھ دبایا۔ وہ کوئی ناسمجھ یا کمسن بچہ نہ تھا کہ سمجھ نہ سکتا کہ آکا جان کو اس نے محض ڈھال کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اپنے اندر کا غبار آنسوؤں کے ذریعے باہر نکالنے کی کوشش کی تھی۔ بہرحال وہ اسے کریدنا نہیں چاہتا تھا۔ یوں بھی اُس کی ذہنی ابتری سے وہ بخوبی آگاہ تھا۔

''جنت نے آپ کو ناحق پریشان کر دیا۔'' وہ جھینپی جھینپی کہہ رہی تھی۔ وہ جواب میں کچھ نہ بولا اور صوفے سے اٹھتے ہوئے کہنے لگا۔

''آؤ، کہیں باہر چلتے ہیں۔''

لالہ رخ نے بے اختیار سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ تسلی آمیز انداز میں ہلکے سے مسکرا دیا اور وہ اس پل اسے ایک ہمدرد رفیق محسوس ہوا۔ ایسا رفیق جو اس کی ذہنی اور قلبی کیفیت سے بخوبی آگاہ ہو۔ جو دل کا حال آنکھوں سے جان لیتا ہو۔ اس نے گھبرا کر پلکوں کی باڑھ جھکا لی۔

مصطفیٰ خان نے تمام تر اپنائیت اور نرمی سے اس کا ہاتھ تھام کر اسے صوفے سے کھڑا کر دیا تو بادل ناخواستہ وہ اٹھ گئی اور اس کے ہمراہ چل پڑی۔

گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ کر بدن کو ڈھیلا چھوڑتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ گاڑی اسٹارٹ ہوئی اور رواں پانی کی طرح حویلی کے پورٹیکو سے نکل کر سڑک پر دوڑنے لگی۔

''میرے پاس ایسا کوئی جادو نہیں ہے جسے استعمال کر کے میں تمہاری سوچوں کو پڑھ سکوں۔ تمہارے دل میں جھانک کر تمہارے احساسات کو سمجھ سکوں۔ اگر تم خود ہی میری

مشکل حل کر دو تو مہربانی ہو گی۔'' ونڈ اسکرین سے نظر ہٹا کر مصطفیٰ خان نے اس کے ستے چہرے پر ایک نظر ڈالی۔ ''کسی کے دل میں جھانکنے کا ایک ہی راستہ ہوتا ہے آنکھیں، مگر تم تو مجھ سے نظریں بھی ملانے سے خوفزدہ ہو۔'' وہ ہلکے سے ہنسا۔

لالہ رخ یوں ہی آنکھیں بند کئے بیٹھی رہی جیسے سن نہ رہی ہو، نہ دیکھ رہی ہو۔ اس کے ذہن میں ایک انتشار برپا تھا، اسے اس پل کچھ بجھائی نہ دے رہا تھا، بس ایک گہری تاریکی کا تاریکی کا گمان ہو رہا تھا اور اس تاریکی میں عجیب و غریب ہیولے بن اور مٹ رہے تھے۔

''جانتی ہو، شکستگی کا عذاب موت سے زیادہ اذیت ناک اور تکلیف دہ ہوتا ہے، ایک بار مرنا آسان ہے لالی! بار بار بکھرنے اور ٹوٹنے کا عمل ناقابل برداشت ہوتا ہے۔'' اس نے گاڑی ایک جھٹکے سے روک کر اس کا بازو پکڑ کر جھنجوڑا۔

لالہ رخ نے اپنی متورم آنکھیں بمشکل اٹھا کر اس کی طرف دیکھا، پھر کھڑکی کی طرف چہرہ موڑتے ہوئے بولی۔ ''اس تکلیف کو، اس اذیت کو مجھ سے زیادہ اور کون جان سکتا ہے۔ میری طرح کون بکھر بکھر کر جڑا ہو گا اور جڑ جڑ کر بکھرا ہو گا۔''

مصطفیٰ خان نے اسے دیکھا، پھر اس کا ہاتھ جھٹک کر اپنے دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ پر رکھ کر بیزارگی کی سی کیفیت میں سر کو خفیف سی جنبش دی۔ بہت کچھ کہنے کی خواہش مچل کر اندر ہی اندر ٹوٹ گئی جیسے کوئی بپھری ہوئی موج سطح سمندر پر آنے سے پہلے ہی دم توڑ جائے۔ وہ فقط تاسفانہ سانس بھر کر رہ گیا اور گاڑی اسٹارٹ کر کے ایک خوبصورت کیفے کے پارکنگ لاٹ میں لا کر روک دی۔ لالہ رخ نے اپنے منتشر خیالات کو سمیٹتے ہوئے چونک کر دیکھا، پھر اس کی طرف دیکھا۔ وہ اگنیشن سے چابی نکالتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر ہلکے سے مسکرایا۔

''مجھے سو فیصد یقین ہے کہ تم نے صبح سے کچھ نہیں کھایا پیا ہو گا۔'' میرا اندازہ ہے۔

وہ جواباً کچھ نہ بول سکی۔

''چلو آؤ۔'' وہ نیچے اتر گیا۔ وہ خاموشی سے اس کے ہمراہ اس خوبصورت کیفے میں داخل ہوئی۔ ملگجے اجالے میں دبیز قالین پر چلتے ہوئے اس کے محسوسات عجیب ہو رہے تھے۔

بڑے بڑے شیشوں کی کھڑکی کے پاس والی میز منتخب کر کے مصطفیٰ خان نے اس کے لئے کرسی کھینچی اور اس کے مقابل دوسری کرسی پر خود بیٹھ گیا۔

''بہت کچھ نہ منگوا لیجیئے گا۔'' وہ اسے مینیو کارڈ پر نظریں دوڑاتے ہوئے دیکھ کر جلدی سے بولی۔ صبح سے کچھ نہ کھانے کے باوجود بھی بھوک کا احساس جیسے مر سا گیا تھا۔ بس دل چاہ رہا تھا اس مدھم مدھم اجالے میں کرسی پر آنکھیں بند کر کے پڑی رہے۔ کچھ نہ بولے، کچھ نہ

سنے اور وقت گزرتا چلا جائے۔

''بہت زیادہ نہ سہی، کچھ تو منگواؤں گا۔'' وہ مینیو کارڈ پر ٹک مارک کرتے ہوئے مسکرایا اور کارڈ مودب کھڑے ویٹر کے سپرد کر دیا۔

''ایک طویل عرصے بعد میں اس کیفے میں آیا ہوں۔ جب کبھی بہت زیادہ اداس ہوتا تو عموماً یہاں آ جایا کرتا تھا اور اسی میز کا انتخاب کرتا تھا۔'' جیب سے موبائل نکال کر میز پر ڈالتے ہوئے اس پر ایک اچٹتی نظر ڈالی اور دونوں ہاتھ گردن کے پیچھے جماتے ہوئے ماضی کے تصور میں ڈوبتے ہوئے بولا۔

''عجیب زمانہ تھا وہ بھی۔ بے معنی سی باتیں اداس کر دیا کرتی تھیں۔ لگتا تھا جیسے مجھ سے زیادہ اداس اور دل گرفتہ اس روئے زمین پر اور کوئی نہ ہو گا۔ چھوٹی چھوٹی باتیں ڈسٹرب کر دیا کرتی تھیں۔ مگر اب سوچتا ہوں تو ہنسی آتی ہے کہ بھلا وہ باتیں بھی کوئی اہمیت رکھتی تھیں؟''

''کیا اب کوئی بات اداس نہیں کرتی؟'' وہ جانے کس خیال کے تحت پوچھ بیٹھی۔ اس نے ابرو اچکا کر اس کی طرف دیکھا اور مبہم سے انداز میں مسکرایا۔

''وقت کے ساتھ ترجیحات بدل جایا کرتی ہیں۔ جو باتیں پہلے بے حد خوش اور مسرور کیا کرتی تھیں، وہ اب کوئی معنی نہیں رکھتیں۔ اسی طرح جو باتیں بہت اداس اور دل گرفتہ کر دینے والی تھیں وہ اب بے حد عام سی لگنے لگی ہیں۔ شاید اس لئے کہ انسان جب تک خنجر سے زخمی نہ ہوا ہو۔ اسے ایک کانٹے کا چبھنا بھی تکلیف دے جاتا ہے۔ مگر جب زخموں سے چور ہو تو ان معمولی خراشوں کی اذیت بے معنی سی ہو کر رہ جاتی ہے۔'' وہ بہت عام سے انداز میں کہہ رہا تھا مگر اس کی سرمئی آنکھوں کے پاس ایک گہری اداسی رقم تھی دوسرے پل وہ ہلکے سے ہنس دیا۔

''ہے نا عجیب بات۔ یہ وقت بھی بڑی ... سے ... نت نئے تجربات ہماری جھولی میں ڈالتا چلا جاتا ہے۔ گزرے واقعات کو بے معنی کر ... جاتا ہے۔'' اس نے اس کا چہرہ دیکھا جہاں ایک اضطراب ہلکورے لیتا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی باتیں لالہ کو ایک بے عنوان سی شرمندگی میں دھکیل رہی تھیں۔ اس نے مصطفیٰ خان کی ذات کے کئی رنگ دیکھے تھے۔ مہکتے، کبھی ... مسکراتے، کھنکتے، مسحور کن۔ مگر اب تو جیسے ایک ہی موسم اس پر آ کر ٹھہر سا گیا تھا۔ اور ... تو اسے لگتا وہ اس کے ساتھ شدید قسم کی زیادتی کی مرتکب ہو رہی ہے اور خود اپنے ہاتھوں سے ایک اچھا دوست کھو رہی ہے۔ وہ ایسا کسی شعوری کوشش کے تحت نہیں کر رہی تھی، ... خود ہو رہا تھا۔ بہت کچھ چاہنے کے باوجود اور بہت کچھ نہ چاہنے کے باوجود ہوتا چلا جا رہا تھا۔

وہ ٹھہر کر سوچنا چاہ رہی تھی، سنبھلنا چاہ رہی تھی کہ سیف الرحمٰن کے فون نے اسے پھر اسی اضطراب میں دھکیل دیا جیسے ساحل پر آتے آتے پھر کوئی تند لہر طوفان کے سپرد کر دے۔ وہ ماضی کو بھلا دینے کے جتن کر رہی تھی مگر وہ مجسم ماضی بنا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

''مورے کو مجھ سے شکایت ہے کہ میں تمہارا خیال نہیں رکھتا، تمہیں وقت نہیں دیتا، تمہاری کیئر نہیں کر رہا ہوں۔ اب تم بتاؤ میں انہیں کیسے مطمئن کروں؟'' وہ مسلسل اسے کھیرے کے ٹکڑے سے کھیلتے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں اس کی خالی پلیٹ پر تھیں۔

''میں ٹھیک تو ہوں۔ مورے تو یوں ہی پریشان ہو جاتی ہیں۔'' وہ جھینپ کر پلیٹ میں سلاد کے ساتھ چکن رول ڈالنے لگی۔ پھر اسے سگریٹ سلگاتے دیکھ کر بولی۔ ''آپ بھی تو کچھ نہیں کھا رہے ہیں۔''

''ایکچوئلی میں نے گھنٹہ بھر پہلے ہی لنچ کیا تھا۔''

''تو کیا یہ اتنا سارا صرف میرے لئے منگوایا ہے؟'' وہ بھری ہوئی ٹیبل دیکھ کر حیران ہوئی۔

''اتنا سارا کہاں ہے؟'' اس نے اپنے کسی خیال سے چونک کر اچٹتی نظر ٹیبل پر ڈالی۔

''لگتا ہے مورے نے آپ کو کچھ زیادہ ہی جھاڑ پلا دی ہے۔'' وہ بڑے بے ساختہ پن سے ہنسی تھی۔

مصطفیٰ خان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور دیکھتا رہ گیا۔ خوشنما ہونٹوں کی تراش سے پھوٹنے والی ہنسی اسے بڑی مانوس محسوس ہوئی۔ وہ کھو سا گیا۔ ماضی کی وہ خوشگوار شام اسے یاد آ گئی۔ سیاہ شنیل کی چادر اوڑھے طلال کی کسی بات پر کھل کر ہنسی کے سُر بکھیرتی۔

''میں اتنا کچھ نہیں کھا سکوں گی۔'' وہ کہہ رہی تھی۔

وہ ایک گہری سانس بھرتے ہوئے ہولے سے مسکرا دیا۔ ''اب تو مجبوری ہے، کھانا ہی پڑے گا ورنہ پیسے برباد ہو جائیں گے۔ اور میرا نہیں خیال کہ تم ایسی ظالم بیوی ہو گی جو شوہر کے پیسے برباد ہوتے دیکھ کر بھی دل نہ جلائے۔''

وہ کچھ نہ کہہ سکی، فقط اس پر ایک نگاہ ڈال کر رہ گئی۔ یہ تو بہت چھوٹی چھوٹی توقعات تھیں جو ایک چھت تلے رہنے والے ایک دوسرے سے وابستہ کر لیتے ہیں یا ازخود وابستہ ہو جاتی ہیں۔ کچھ بھی تھا وہ ان لمحات میں اس کا ساتھ چاہ رہی تھی، اس کی ہمراہی اسے تقویت دے رہی تھی۔ اس کا منتشر ذہن معمول پر آیا تھا۔ ورنہ لگ رہا تھا اس کے اعصاب چیخ جائیں گے۔ اسے بھی تعجب ہوا کہ وہ غیر محسوس طور پر سنبھل گئی تھی۔

وہ کیفے سے باہر آئے تو لالہ رخ کو اپنے تپتے ہوئے رخساروں پر ہوا عجیب خنک خنک

سی محسوس ہونے لگی۔

وہ گاڑی بے مقصد سڑکوں پر بھگاتا رہا۔ جبکہ وہ شیشے کے باہر جھانکتی رہی۔ سڑکوں کے اطراف دلکش پہاڑوں کے اونچے نیچے سلسلے دور تک پھیلے ہوئے تھے جن کے دامن میں کہیں کہیں کھردرے پودے اُگے تھے تو کہیں چمکتی بیلیں جھوم رہی تھیں جن پر ننھے ننھے دیدہ زیب پھول کھل کھلا رہے تھے۔

اس نے ایک گہری سانس یوں کھینچی جیسے فضا میں پھیلی خوشبو کو اپنے پھیپھڑوں میں بھر لینا چاہ رہی ہو۔ پھر سیٹ کی پشت سے سر ٹکا لیا اور یوں ہی دزدیدہ نگاہوں سے مصطفیٰ خان کی طرف دیکھا۔ وہ اپنے عنابی لبوں کو باہم دبائے جانے کیا سوچ رہا تھا اور کیوں اسے سڑکوں پر لئے پھر رہا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی یا جاننے کے باوجود جاننا نہیں چاہتی تھی۔

اس کی آنکھوں کے زیریں کنارے ہمیشہ کی طرح سرخ ہو رہے تھے، جبکہ ناک کے اطراف یہ سرخی چہرے کے دوسرے حصوں کی نسبت زیادہ گہری تھی۔ وہ نہیں جان سکی کہ یہ سرخی موسم کے باعث تھی یا اس کے کسی اندرونی خلفشار سے جنم لینے والی سرخی تھی۔ اس کی پیشانی پر لکیروں کا جال بھی پھیلا ہوا تھا۔

اچانک اس نے نظروں کا زاویہ بدلا تھا اور لالہ رخ کی طرف دیکھا۔ نظروں کا ہلکا سا تصادم ہوا۔ لالہ رخ نے عجیب سی شرمندگی اور خفت محسوس کرتے ہوئے نظریں کترا لیں اور رخ موڑ لیا۔ وہ یوں جھینپ گئی گویا کوئی نو آموز چور چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہو۔

''کبھی کبھی خاموشی بھی اثر انگیز اور دلکش ہوتی ہے۔ مگر جب یہ طویل تر ہو جائے تو وحشت بھی ہونے لگتی ہے۔ آخر کب تک آدمی خاموشی میں معنی مفہوم تلاش کرتا پھرے۔ اور ضروری تو نہیں کہ مقابل بھی اس خاموشی سے وہی معنی تلاش کر رہا ہو یا اس خاموشی سے فیس نیٹ ہو رہا ہو۔'' وہ اس کے چہرے پر پھیلنے والی خفت کو قطعی نظر انداز کر گیا تھا اور خاصی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ پھر ذرا سا جھک کر ڈیش بورڈ میں کوئی کیسٹ تلاش کرنے لگا۔

''مگر خاموشی کا اپنا ایک حسن تو ہے ہی۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''ہاں، اگر اسے محض فرار کے لئے نہ اوڑھا گیا ہو۔ ایسی خاموشی چبھنے لگتی ہے۔ اور میرا خیال ہے اس وقت ہم دونوں کے مابین کچھ ایسی ہی خاموشی ہے۔'' وہ ابرو اچکا کر ہلکے سے مسکراتے ہوئے بولا اور مطلوبہ کیسٹ نکال کر اسے کیسٹ پلیئر میں لگانے لگا۔

''میرا خیال ہے اب گھر چلنا چاہئے۔ ہو سکتا ہے مورے ہاسپٹل سے آ چکی ہوں۔'' اس

...کی بات کے جواب میں عجیب مضطربانہ لہجے میں بولی۔ مصطفیٰ خان فقط ہنکارا بھر کر رہ گیا ...گاڑی ریورس کر کے موڑنے لگا۔

واپسی میں وہی خاموشی طاری رہی مگر اس میں اس لگائی ہوئی کیسٹ سے ابھرنے والی ...کی آواز ایک ردھم کے ساتھ بجتی رہی۔

تمہارے شہر کا موسم بڑا سہانا لگے
میں ایک شام چرا لوں اگر برا نہ لگے
نہ جانے کیا ہے کسی کی اداس آنکھوں میں
وہ منہ چھپا کے بھی جائے تو بے وفا نہ لگے
جو ڈوبنا ہے تو اتنے سکون سے ڈوبو
کہ آس پاس کی لہروں کو بھی پتہ نہ لگے

لالہ رخ نے آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر کیسٹ پلیئر کا بٹن بند کر دیا۔ یکلخت خاموشی چھا ...مصطفیٰ خان جیسے کسی گہری نیند سے چونک کر لالہ رخ کو دیکھنے لگا۔

''ابھی گاڑی آپ کچے میں اتار دیتے۔'' وہ اس کی توجہ دلانے لگی اور ڈھلوان کی طرف ...گیا۔ اس کا انداز تادیبی تھا۔ مصطفیٰ خان نے ایک گہری سانس بھرتے ہوئے اپنے ...طرف سڑک کو دیکھا۔ اچھا خاصا ڈھلوان تھا۔ اس کی معمولی کوتاہی سے بڑا نقصان ہو ...تھا۔

''سوری۔'' وہ نادم سا ہو گیا۔ پھر کسی خیال کے تحت اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ...اپنے ساتھ تمہیں بھی ناحق مروا دیتا۔ کیا خیال ہے، ابھی زندگی سے اتنی نفرت تو نہیں ...کہ موت عزیز لگنے لگے۔'' اس کے لہجے میں ایک طرح کی کاٹ تھی۔ لالہ رخ کو اپنے ...ملامت ترازو ہوتی محسوس ہوئی۔

''بہرکیف، میں حادثاتی موت یا خودکشی کی موت کو زندگی پر ترجیح نہیں دوں گی۔'' ...کہتی وہ رخ موڑ گئی۔

''چلو، اتنی بھی تسلی بہت ہے میرے لئے۔'' وہ ایک گہری سانس کھینچ کر یوں ہنسا گویا ...کسی طرح کی تسلی ہو گئی ہو۔

...دل ہی دل میں جھلس کر رہ گئی۔

...حویلی کے پورٹیکو میں گاڑی آئی تو جنت بی بی دوڑتی ہوئی آئیں اور لابی کا دروازہ ...کھولیں۔ ''آپ کے جاتے ہی آپ کی کسی سہیلی کا فون آیا تھا، تانیہ نام بتا رہی ...زاویوں میں

اپنا۔" وہ ایک طرف ہو کر اسے اندر جانے کا راستہ دیتے ہوئے بولیں۔

لالہ رخ اندر داخل ہوتے ہوئے ذرا سی لڑکھڑا گئی، جیسے پیر میں ٹھوکر لگی ہو۔ مصطفیٰ خان نے جلدی سے اس کا بازو تھام لیا۔ تانیہ کے نام پر اس کا دل سوکھے پتے کی طرح کانپ کر رہ گیا۔

"آپ نے بتا نہیں دیا، بیگم صاحبہ کی طبیعت ناساز ہے، وہ باہر گئی ہیں۔" اسے تھام کر وہ اندر داخل ہوتے ہوئے بولا۔

"میں نے تو یہی بتا دیا تھا۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے، میں پھر کرلوں گی۔"

"یہ تانیہ کون ہے؟ فرینڈ ہے کوئی تمہاری؟" وہ سرسری انداز میں پوچھنے لگا۔ وہ سر اثبات میں ہلا کر نظریں چرا گئی۔

"چلو اب تم آرام کرو۔ جنت بی بی! انہیں اندر لے جائیں۔ اور ہاں ان کے آرام کا پورا پورا خیال رکھا کریں، یہ بہت قیمتی ہیں۔" اس نے جنت بی بی کو تاکید کرتے ہوئے اس پر ایک اچٹتی نگاہ ڈالی اور فریج کھول کر سوفٹ ڈرنک کا ٹن نکالنے لگا۔

"میں تو جی اپنی طرف سے پورا پورا خیال رکھتی ہوں۔ مگر یہ اپنی طرف سے بہت ہی لاپرواہیں جی۔" جنت بی بی اسے تھام کر کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"میں ٹھیک ہوں بی بی! بس ایک کپ چائے بنا کر دے دیجئے گا۔ اور ہاں، حمزہ آئے تو اسے میرے پاس بھیج دیجئے گا۔" وہ بدن پر پڑی چادر اتارنے لگی۔

جنت بی بی کی اس اطلاع نے اس کے ذہن کو پھر منتشر کر دیا تھا۔ ایک نادیدہ خوف اس کے اعصاب پر سوار ہونے لگا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے کنپٹیاں دباتی کمرے سے ملحق بالکنی میں آ کر کھڑی ہوگئی۔ بالکنی کی خوشنما گرل سے باغیچے کا اگلا حصہ دکھائی دیتا تھا۔ مخملی گھاس دور تک پھیلی ہوئی تھی، ہوا کے جھونکوں سے خوشگوار سی لہریں بن رہی تھیں۔ اس نے ایک گہری سانس کھینچی۔ یکایک اسے حبس اور گھٹن کا احساس بڑھنے لگا۔ مگر وہ جانتی تھی یہ گھٹن کی فضا یا خنکی سے ختم ہونے والی نہیں تھی، بلکہ یہ گھٹن تو اس کے اپنے واہموں، خوف، سوچوں سے جنم لینے والی گھٹن تھی جس کا تدارک بیرونی ہوا نہیں کر سکتی تھی۔

مصطفیٰ خان کی گاڑی کا مخصوص ہارن سنائی دیا تو اس نے دائیں طرف خوبصورت سلراتے کی طرف دیکھا جہاں وہ اپنی گاڑی میں بیٹھا چوکیدار سے گیٹ کھلوا رہا تھا۔ دوسرے پل میرا بی بہتے پانی کی طرح اس چکنے فرش پر پھسلتی چلی گئی اور نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ کا دل جانے کیوں بے حد اداس ہوگیا۔ آنکھوں کے گوشوں سے بے آواز دو نظر

پل پڑے۔ یکایک اسے اپنے دل پر کوئی بوجھ رکھا محسوس ہونے لگا۔

⁂☆⁂

روشانہ نے ٹیرس سے ہی اسے اندر آتے دیکھ لیا تھا۔ سرجن کی جیکٹ اس کے کندھے پر جھول رہی تھی اور آنکھوں پر لگانے والا سیاہ گلاسز اس کے ہاتھ میں جھول رہا تھا۔ وہ اپنے تمام تر اعتماد کے ساتھ روش پر چلتا ہوا اندر جا رہا تھا۔ پلوشہ اس کے ہمراہ تھی گویا وہ اس کا استقبال کرنے نکلی تھی۔ آخر کو وہ اس گھر میں پہلی بار داماد کے رشتے سے آیا تھا۔ پلوشہ کوئی شرارتی جملہ کہہ کر ہنس رہی تھی، وہ بھی ہلکے سے مسکرایا تھا۔ روش عبور کر کے دونوں اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

اسے دیکھ کر اس کی بے قراری و اضطراب عروج پر جا پہنچا تھا۔ "یہ تو سچ مچ آگیا، اب کیا ہوگا؟ اس کا سامنا کس طرح ہو سکے گا؟" وہ بے قرار روح کی مانند ٹیرس کے شفاف فرش پر چکر کاٹنے لگی۔

ناحق اپنی بہادری کے زعم میں یہاں رہ گئی۔ کل ہی کہیں چلی جاتی۔ خالہ کی طرف نہ سہی، ماجد بھائی کی طرف ہی چلی جاتی۔ ناہید بھابی یوں بھی اسے آنے پر اصرار کرتی رہتی تھیں۔ اسے ایک ایک کر کے اپنے سارے ہی رشتے داروں کے گھر یاد آنے لگے اور کفِ افسوس ملتے ہوئے وہ خود کو سرزنش کرنے لگی۔ ساری ہوا یوں نکل گئی تھی جیسے بھرے ہوئے غبارے میں کوئی پن چبھو دے۔

طلال کا بااعتماد سراپا ہی اس کے دو دن سے مجتمع کئے اعتماد کو لحظہ بھر میں ہی ڈھیر کر کے رکھ گیا۔

"کہاں پھنسوا دیا لالی آپ نے مجھے؟" اسے اس پل شدت سے لالہ رخ کی یاد آنے لگی۔ ٹہل ٹہل کر ٹانگوں میں درد ہونے لگا تو کرسی پر بیٹھ گئی۔ مزید دس منٹ گزرے ہوں گے کہ ہما زینہ چڑھتی اوپر آتی دکھائی دی۔

"آپی! آپ کو دادو نیچے بلا رہی ہیں۔" وہ اس کے سر پر نازل ہوگئی۔

"کیوں؟" وہ گویا کاٹ کھانے کو دوڑی۔

"آپ کے "وہ" آئے ہیں آپی۔" وہ دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے معنی خیز تبسم اچھالتے ہوئے بولی مگر دوسرے پل شپٹا کر دور ہٹ گئی۔ "مم...... میرا مطلب ہے کہ طلال بھائی آئے ہیں۔" شرارت کرنے کی خواہش اس کے اندر ہی دم توڑ گئی۔

وہ پورے غصے سے کرسی دھکیل کر کھڑی ہوگئی تھی۔ اس کے چہرے کے زاویوں میں

ناگواری سمٹ آئی تھی۔

''تو میں کیا کروں، اتنے لوگ تو نیچے ہیں ان کی خاطر مدارت کرنے والے۔''

''تو مجھے کیوں ڈانٹ رہی ہیں، وہ تو دادو بلا رہی ہیں آپ کو۔'' ہما اس کے ان رویوں پر حیران پریشان ہوگئی۔

''جاؤ، دادو کو کہہ دو میرا کل پیپر ہے، میں تیاری کر رہی ہوں۔ نیچے نہیں آ سکتی۔ یوں بھی وہ کافی ہیں اپنے بھانجے اور داماد کو پروٹوکول دینے کے لئے۔'' وہ رکھائی سے کہہ کر ریلنگ سے نیچے جھانکنے لگی۔ ہما اس کے رویئے پر متعجب ہوئی، تاہم اس کے غصے سے ڈر کر بھاگ لی۔

یقیناً اس نے اس کی ساری باتیں من وعن دادی کے گوش گزار کر دی تھیں۔ کچھ دیر بعد پلوشہ آتی دکھائی دی۔

یا اللہ، اسی ٹیرس سے نیچے کود جاؤں۔ خس کم جہاں پاک۔ اس کا پارہ اسے دیکھ کر مزید ہائی ہوگیا۔

''تم لوگ مجھے پڑھنے دو گے یا نہیں؟'' اس نے ایک طرف رکھا جرنل اٹھالیا۔

''سارا سال پڑھ لیتیں تو اس ایک دن میں اتنا سارا نہ پڑھنا پڑتا۔'' جواب پلوشہ کی بجائے مردانہ آواز میں ملا تو وہ جھٹکے سے مڑی۔

''آئی ایم سوری آپی! انہوں نے مجھ سے پوچھا اوپر جانے کا راستہ کہاں سے جاتا ہے۔'' پلوشہ نے جلدی سے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے اور نہایت مسکین صورت بنا لی۔

''تم کیوں معافی مانگ رہی ہو اس طرح ہاتھ جوڑ جوڑ کر۔ تو تم لوگوں نے اسے سر پر چڑھا رکھا ہے۔'' اس نے پلوشہ کو مصنوعی خفگی سے گھورا۔ وہ مسکراہٹ دباتی پلٹ کر سیڑھیاں اتر گئی۔

''لاؤ، ذرا دکھاؤ صبح سے پڑھائی ہی ہو رہی ہے تو کتنا پڑھ لیا اور سمجھ لیا؟'' وہ دو قدم اس کی جانب بڑھا اور جرنل اس کے ہاتھ سے لینا چاہا۔ اس کا انداز سراسر تضحیک آمیز تھا۔ ا جرنل والا ہاتھ بدقت پیچھے کرگئی۔

''یہ میرا پرسنل مسئلہ ہے۔ آپ کو جانچنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' ناگواری سے کہتی وہ رخ موڑ گئی اور ریلنگ سے لگ کر یوں ہی سامنے دکھائی دیتی سڑک کو گھورنے لگی۔ درحقیقت وہ اپنا اعتماد بحال کر رہی تھی جو اسے اچانک سامنے پا کر بکھر گیا تھا۔

''میں بھی تو تمہارا پرسنل مسئلہ ہی ہوں ان دنوں اور جس کو تم نظر انداز کرنے کے باوجود نہیں کر پا رہی ہو۔ ادھر دیکھو۔''

''برائے مہربانی آپ یہاں سے تشریف لے جائیے، میں پہلے ہی آپ کو باور کرا چکی ہوں کہ میں آپ کی کوئی بات، کوئی وضاحت نہیں سنوں گی۔'' وہ پھٹ پڑی۔

''تو وضاحت دے بھی کون رہا ہے۔'' وہ ریلنگ سے لگ کر استہزائیہ انداز میں اسے تکنے لگا جیسے اس کے سلگنے، کڑھنے پر حظ اٹھا رہا ہو۔ بہرحال اس کا یہ روپ خاصا دلچسپ تھا اس کے لئے اور بالکل انوکھا تجربہ ثابت ہو رہا تھا۔

''تو پھر کیوں آئے ہیں؟'' وہ پھاڑ کھانے والے انداز میں اس کی طرف مڑی۔

''صرف یہ دیکھنے کہ احمق اور عقل سے پیدل لڑکیاں کیسی ہوتی ہیں؟'' ادھر بلا کا اطمینان تھا اور ساتھ ہی گہری سانس یوں کھینچی، جیسے حقیقتاً افسوس کر رہا ہو۔

''تو دیکھ لیجئے، مجھ جیسی ہی ہوتی ہیں احمق لڑکیاں جو آسانی سے مرد کے پھیلائے ہوئے جال میں آ پھنستی ہیں یا جذبات میں آ کر اپنے پیر کاٹ کر از خود اس جال میں ہمیشہ کے لئے بند ہو جاتی ہیں تاعمر سلگنے اور کڑھنے کے لئے۔'' وہ یکدم آزردگی کی لپیٹ میں آ گئی۔ اس کے چہرے پر غصے کی سرخی میں ملال اور دکھ کی آمیزش بھی شامل ہوگئی۔ اس نے طلال کو یوں دیکھا جیسے کوئی ڈوبنے والا ساحل پر کھڑے تماشہ دیکھنے والے کو بے بسی اور کرب آمیز لاچاری سے دیکھتا ہے۔

''دانا ٹھیک ہی کہتے ہیں کہ جہاں محبت کی حکمرانی نہ ہو، وہاں خوف کی حکمرانی ہوتی ہے بلکہ بدگمانی کی۔'' اس نے متاسفانہ سانس بھر کر اسے دیکھا تو وہ تڑپ کر رہ گئی۔

''محبت...... اونہہ، آپ کو کیا پتہ کہ محبت کہتے کسے ہیں، یہ کیا جذبہ ہے اور اسے سینچنے کے لئے کن رویوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ جیسے خود پرست اور مفاد پرست لوگ اس جذبے کے تقدس کو پامال تو کر سکتے ہیں، اسے نمو نہیں بخش سکتے۔'' وہ زہرخند سے سر جھٹک کر زینے کی طرف بڑھی۔ تلخی، غصے اور اداسی نے بیک وقت اس پر غلبہ پا لیا تھا۔ اسے اپنی رگوں میں دوڑنے والا خون بھی کڑوا اور گدلا محسوس ہونے لگا۔ سینے میں کوئی آگ سی بھڑک رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا یہ ساری کی ساری آگ اس پر انڈیل دے۔ اس کا تر و تازہ سراپا یہ احساس دلا کر اسے مارنے کو کافی تھا کہ وہ اتنے دنوں سے جس عذاب سے گزر رہی ہے، وہاں اُس کی آنچ تک نہیں آئی۔

''یہی تو المیہ ہے کہ لوگ سچائی کی آنکھ رکھنے کے باوجود سچائی کو نہیں پہچان پاتے۔'' طلال کے چہرے کے نقوش میں پتھریلا پن سمٹ آیا۔ ''روشانہ اسد! بے اعتباری خود رو پودے کی طرح ہوتی ہے، اسے جتنا سینچو گی اتنا ہی بڑھے گا اور ایک دن جنگل کی طرح چاروں طرف

اُگ آئے گا۔ اور پھر چاہنے کے باوجود کوئی راستہ تلاش نہ کر سکو گی۔'' وہ زینے کی ریلنگ پر ہاتھ ٹکا کر اس کا راستہ روکتے ہوئے بولا۔ جواباً وہ اسے زخمی نظروں سے دیکھ کر رہ گئی اور اس کا ہاتھ جھٹک کر نیچے اتر گئی۔

وہ متاسفانہ سانس بھر کر رہ گیا۔ غصے کی ایک تند لہر وجود کے اندر سے کہیں اٹھی تھی جسے بمشکل دباتا وہ خود بھی نیچے آ گیا۔

☆☆☆

آمنہ بیگم نے اسے کسی ہوٹل میں ٹھہرنے کی ہرگز اجازت نہ دی۔ خود اسد خان اور صبیحہ نے بھی اسے پیار بھری ڈانٹ ڈپٹ سے روک لیا تھا۔ اس کی موجودگی روشانہ کے لئے کسی آزمائش سے کم نہ تھی۔ باپ کی وجہ سے اسے بھی اسی ٹیبل پر رات کا کھانا کھانا پڑا۔ ساتھ ساتھ دادی کی لعن طعن الگ سننا پڑی۔ وہ اسے سخت سست، نافرمان، گستاخ اور بدتہذیب گردان رہی تھیں۔

''یہی طریقے رہے تو بس کر لی تم نے گھر داری اور سنبھال لیا شوہر اور بچوں کو۔ ارے بی بی! یہ کیسی تعلیم ہے جو گھر آئے مہمانوں کی عزت اور احترام کرنا نہ سکھائے، بڑوں سے خودسری اور نافرمانی کرنا سکھائے۔'' وہ بھری بیٹھی تھیں۔ شام سے رات ہونے کو آئی تھی، تب کہیں جا کر روشانہ بی بی کی صورت نظر آئی تھی، وہ بھی اکھڑی اکھڑی۔ طلال کے سامنے جس طرح سے وہ اسے ڈانٹ رہی تھیں اور امی بھی ان کی ہمنوا تھیں، وہ سبکی محسوس کر کے رہ گئی۔ آنکھوں میں مرچیں سی بھرنے لگیں۔

''میرا خیال ہے آج کے لئے اتنا کافی ہے خالہ جان!'' طلال لب دبائے مسکراہٹ روکتے ہوئے بولا تھا۔ گویا اس پر احسان کر رہا ہو۔ پلوشہ نے سر جھکا کر ہنسی چھپائی تھی۔

''اے میاں! تمہیں نہیں پتہ، ایسی پڑھائی کو میں کہوں آگ میں جھونکو۔ لو دیکھو ذرا تم شام سے آئے بیٹھے ہو اور اس نے اپنے سسرال والوں کی خیر خیریت تک نہیں پوچھی آ کر تم سے۔ اور ادھر وہ سب اسی کی محبت میں مرے جا رہے ہیں۔ لالی کے شوہر مصطفیٰ کے تایا ہاسپٹل میں پڑے ہیں مگر اس نے جو خیریت پوچھی ہو۔ یہ طریقے ہوتے ہیں خاندانی لڑکیوں کے؟''

''بہت بری بات ہے یہ تو روشی بیٹا۔'' پاپا نے اسے تادیبی نظروں سے دیکھا۔ اماں کی باتیں سو فیصد سچ تھیں۔ انہوں نے روشانہ کو فہمائشی نظروں سے دیکھا جو پہلے ہی گھائل بیٹھی تھی۔

''میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی پاپا۔ اور پھر آپ سب لوگ تو ہیں نا ان کے آگے پیچھے پھرنے والے۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی وہ تڑخ گئی اور کرسی دھکیل کر کھڑی ہو گئی۔

''روشانہ! یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' پاپا لحظہ بھر کو ساکت ہوئے پھر جھٹکے سے خود بھی کرسی سے اٹھے۔ مگر وہ ٹھہری ہی نہیں، پردہ اٹھا کر ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔

''اور اٹھاؤ اس کے ناز نخرے، اور چڑھاؤ اسے سر پر۔'' آمنہ بیگم کا پارہ تو نقطہ اشتعال تک پہنچ چکا تھا۔

صبیحہ بیگم اس کے اس رویئے پر ندامت محسوس کر کے وہاں سے اٹھ گئیں۔

ٹیبل پر یکلخت کھنچاؤ کی سی فضا طاری ہو گئی۔ پاپا دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئے۔ ان کے چہرے کی سرخی سے ظاہر تھا کہ وہ غصہ دبا رہے تھے۔

''اب کیسی طبیعت ہے مصطفیٰ کے تایا کی؟ ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں؟'' چند اعصاب شکن لمحات گزرنے کے بعد وہ ایک گہری سانس بھرتے ہوئے طلال سے مخاطب ہوئے اور پلیٹ دور کھسکا کر پانی کا گلاس اٹھا لیا۔

''میں اسی سلسلے میں اسلام آباد آیا ہوں۔ سیمینار کے ساتھ کچھ دوسرے ڈاکٹرز سے مشورہ بھی کرنا تھا۔ ڈاکٹر بخاری تو خاصے پُر امید ہیں۔ طفی نے مجھے رپورٹس بھجوائی ہیں مگر مسئلہ خود آغا جان کا ہے۔ وہ آپریشن کرانے کے حق میں نہیں ہیں۔ جبکہ بائی پاس آپریشن اب ان کے لئے ناگزیر ہے۔ ان کے دل کی تین نالیاں بلاک ہیں۔''

''ہائے نوج۔ تو پھر وہ مان کیوں نہیں لیتے؟'' آمنہ بیگم کو حیرت کے ساتھ تشویش ہونے لگی۔

''بس وہ کچھ ضدی سے آدمی ہیں۔ کہتے ہیں موت کا وقت مقرر ہے، آنی ہو گی تو آپریشن کے بعد بھی آ جائے گی اور زندگی ہو گی تو یوں بھی جی لوں گا۔''

پلوشہ وہاں سے اٹھ کر روشانہ کے کمرے کی طرف آئی۔ اسے شدید حیرت ہو رہی تھی کہ یکایک روشانہ کو کیا ہوا ہے۔ کہاں تو طلال کے ذکر پر اس کے خوشنما چہرے پر گلال بکھر جاتے تھے، کتاب ہاتھ میں ہوتی تو وہ اسی کے تصور میں گم رہتی۔ اور اب کہاں وہ کل سے آیا تھا تو وہ اس کی صورت سے بیزار دکھائی دے رہی تھی۔ اسے دکھ اور حیرت اس پر بھی تھی کہ وہ ایسی خودسر اور بد اخلاق تو نہ تھی کہ یوں منہ کو آتی۔ دادی کی ڈانٹ ڈپٹ پر ہمیشہ ہنس دیا کرتی یا پھر سنی ان سنی کرتی اِدھر اُدھر ہو جایا کرتی تھی۔

غصے کا یہ دھواں تو یقیناً دل میں لگی کسی آگ کا تھا۔

⁂☆⁂

آکا جان کو بالآخر آپریشن کے لئے راضی کرلیا گیا تھا۔ اسلام آباد میں ڈاکٹر بخاری کے ہاسپٹل میں منتقل کیا جانا تھا جہاں دو روز بعد ان کا آپریشن ہونا تھا۔

ڈاکٹر بخاری طلال کے سینئر ڈاکٹر اور ایک طرح سے استاد رہے تھے۔ طلال ان کی بے حد عزت کرتا تھا اور طلال کے کہنے پر ہی مصطفیٰ خان نے ڈاکٹر بخاری سے رابطہ کیا تھا۔ وہ نہ صرف ایک ذمہ دار اور ذہین ہارٹ سرجن تھے بلکہ اس پروفیشن کو انہوں نے دولت کمانے کا ذریعہ نہیں بنایا تھا بلکہ حب الوطنی اور انسانی ہمدردی کے جذبے کے تحت اپنائے ہوئے تھے۔ ان کا ذاتی ہاسپٹل گوکہ بہت بڑا اور اعلیٰ پائے کا تھا مگر وہاں غریب مریضوں کے لئے بھی گنجائش رکھی جاتی تھی۔ ہر محب وطن شہری کی طرح ان کا بھی کہنا تھا کہ پاکستانی عوام کینسر، بائی پاس یا دوسری بیماریوں کے علاج کے لئے بیرون ملک جانے کی بجائے اپنے ہی وطن کے ہسپتالوں کی طرف رجوع کریں۔ جتنا پیسہ بیرون ملک علاج پر خرچ ہوتا ہے، اس سے آدھا اپنے وطن میں خرچ کر کے علاج کی بہترین سہولیات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ اور رہا زندگی دینے کا سوال تو اموات تو گوروں کی بھی ہوتی ہیں۔ ان کے بڑے بڑے شاندار ہسپتالوں میں بھی مریض اذیتیں سہہ سہہ کر مر جاتے ہیں اور زندہ رہنے والے ناکافی سہولیات والے ہسپتالوں میں بھی زندگی پا جاتے ہیں۔ محض بڑے بڑے ہسپتالوں میں پیسہ پھینکنے سے زندگی نہیں ملتی اور محض جھوٹی تسلی اور بہلاوے کے لئے اپنے وطن کا پیسہ ضائع کرنا اور ان غیر مسلم گوروں کو دے آنا سراسر نادانی ہے۔

''جب تک ذہنیت نہیں بدلے گی، یہاں کا ماحول اور نظام نہیں بدلے گا۔'' ڈاکٹر بخاری بے حد تاسف سے یہی کہہ رہے تھے۔ وہ طلال کے ہمراہ سیمینار سے فارغ ہو کر ہوٹل کے پارکنگ ایریا میں دھیرے دھیرے چہل قدمی کر رہے تھے۔

''ہاں سر! مگر ذہنیت بدلنے کے لئے میڈیا کا متحرک ہونا ضروری ہے، جبکہ ہمارا الیکٹرانک میڈیا خود دوسرے چینلز اور مغربی کلچر کو فروغ دے رہا ہے۔''

''یہی تو غم ہے کہ ہم اتنے پاورفل میڈیا کو اپنے مفاد، اپنے ملک کی بقا کے لئے استعمال نہیں کر سکے۔ شاید یہ بھی غلامانہ ذہنیت کے باعث ہی ہو رہا ہے۔''

طلال ہنس دیا۔ ''تو سر! بات تو پھر وہیں جا کر ٹھہری ہے یعنی ذہنیت پر۔ اب لوگوں کو پکڑ پکڑ کر تو وعظ اور نصیحتیں نہیں کی جا سکتی نا۔ اور پھر آج کے سیمینار میں ہی دیکھ لیجئے، چار گورے سرجنوں کو بلا کر ان کی تکریم اور توقیر کس طرح کی جارہی تھی۔ ان کی شان میں قصیدہ

اس طرح کی جارہی تھی گویا مسلمان آج جو کچھ ہیں محض انہی کی وجہ سے ہیں، طب اور سائنس ان گوروں نے ہی ہم تک پہنچائی ہے۔''

وہ دونوں پارکنگ ایریا کے کنارے بنے سیمنٹ کے صاف ستھرے ایک بینچ پر بیٹھ گئے۔

ڈاکٹر بخاری اپنی کنپٹیوں پر جمے سفید بالوں پر ہلکے ہلکے انگلیاں پھیرتے ہوئے تاسف سے اس کی بات کی تائید میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔ ''یہی تو المیہ ہے کہ آج ہم شاید کچھ نہیں ہیں، اس لئے کہ ہم اپنے اسلاف کے کارناموں کو بھلا چکے ہیں۔ روسو، نیوٹن، کیمل اور ... سب یاد ہیں مگر یہ بھول گئے ہیں کہ قانون حکمت اور رموز فطرت کے متلاشیوں میں ہم ... زنیوں کا ہی کام سب سے آگے تھا۔ خالد بن ولید، جابر بن حیان، زکریا الرازی، ابن سینا ... ارزمی، ابن اللیث، ابو محمد خوجندی، ابوبکر محمد بن الحسن، عمر خیام، البیرونی، سفیر الدین طوسی، ... حسن علی، محمد بن جابر سیتانی اور کتنے بہت سے ایسے لوگ جنہوں نے سائنس کی بنیاد ڈالی۔ ... نے تاریخ پڑھی ہے کبھی؟'' ڈاکٹر بخاری اپنی بات کے درمیان رک کر سر اٹھا کر اس سے ... پوچھنے لگے۔ اس نے آہستگی سے سرنفی میں ہلا دیا۔

''ہاں، بھلا سائنس کا اسٹوڈنٹ تاریخ کہاں پڑھتا ہے؟'' وہ ہلکے سے مسکرائے۔ ''مگر ... تاریخ کا مطالعہ ہر شعبے کے آدمی کو کرتے رہنا چاہئے۔ اس سے نہ صرف مطالعہ وسیع ... ہے بلکہ ہمیں اپنے اسلاف کے کارناموں کے بارے میں علم حاصل ہوتا ہے جو ہمارے لئے باعث فخر ہے۔ اب دیکھ لو، یہاں بھی تاریخ کے حوالے کی ضرورت ہے۔ امویوں کے ... خلافت میں حصول علم خصوصاً سائنسی علوم کا جو شوق پیدا ہوا، وہ بڑھتا رہا اور عباسیوں کے ... میں علم وفن کا یہ چراغ اتنا روشن ہوا کہ اس کی روشنی سے سارا عالم جگمگانے لگا۔ خود کتنے ... غیر ملکی، عربوں کے ان کارناموں کو سراہنے پر مجبور تھے۔ ''بری فالٹ'' اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ ''ہماری سائنس عربوں کی مرہونِ منت محض اس لئے نہیں ہے کہ انہوں نے انقلاب ... نظریات پیش کئے، بلکہ سائنس اور عربی ثقافت کے احسانات اس سے کہیں زیادہ ہیں، ... کا وجود انہی کے دم سے ہے۔ یورپی دنیا کو سائنسی روح اور نئے نئے طریقوں سے آشنا ... کرنے والے عرب ہی تھے۔'' اب دیکھ لو، گنتی اور اعداد کا لکھنا سکھا کر مسلمانوں نے یورپ ... کو حقیقی ریاضی سے روشناس کرایا۔ آج بھی ایک دو تین اور چار وغیرہ کے مفرد اعداد ... زبانوں میں عربی ہندسوں کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔''

''ویری اسٹرینج۔'' طلال کے چہرے پر حیرت اور مسرت کی چمک بڑھ گئی۔ وہ پوری دلچسپی سے ڈاکٹر بخاری کی فکر انگیز اور مفید باتیں سننے لگا۔

"ہاں، آج بھی تم دیکھو ہندسوں کے سلسلے کو الخوارزمی کے نام پر یورپی زبانوں میں "الگورتھم" کہا جاتا ہے۔ برخوردار! کون سا علم ہے جس پر مسلمانوں کے گہرے نقوش موجود نہیں ہیں۔ ستاروں کو ہی دیکھ لو، درجنوں ایسے ہیں جو مسلمانوں کے ہی دیئے ہوئے نام سے آج بھی پہچانے جاتے ہیں۔" انہوں نے فخریہ انداز میں طلال کو دیکھا۔

"دراصل یہ حاسد اور کینہ پرور مغربی لوگ ہمیشہ اقوامِ مشرق کو پس ماندہ ثابت کرنے پر تلے رہے۔ ایک زمانے میں خود انہی کا ایک پروفیسر ہوم یارڈ غالباً یہی نام تھا، اس نے اپنے مضامین میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ 'جابر بن حیان' نہ صرف عالم اسلام کا بلکہ تمام دنیا کا عظیم ترین کیمیا دان تھا تو یورپی پادریوں اور مغربی نام نہاد سائنس دانوں نے زبردست شور وغل مچایا کہ جابر بن حیان محض ایک فرضی نام ہے۔ دراصل اہل یورپ ہمیشہ اسی کوشش میں لگے رہے ہیں کہ مسلمانوں کے ذہنوں میں یہ نہ سما جائے کہ ہم بھی کبھی کچھ تھے۔ اور آج بدقسمتی سے مسلمان ان کی اس سازش کا شکار ہو چکے ہیں اور ہم نے مسلمانوں کا علم پس پشت ڈال دیا۔ تم کسی بھی طالب علم سے پوچھو تو مسلمان سائنسدانوں کے معاملے میں ان کی معلومات صفر ہو گی۔ وہ نیوٹن کو تو جانتے ہیں مگر یہ نہیں سمجھتے کہ مولانا روم کا زمانہ نیوٹن سے پانچ سو سال پہلے کا زمانہ تھا، جب وہ نظریہ تجاذب کو سمجھ گئے تھے اور اپنے عمدہ اشعار میں فرمایا تھا کہ "اس کائنات کا ہر ذرہ دوسرے ذرے کو اس طرح کھینچتا ہے جس طرح کہ کہربا، گھاس اور تنکوں کو کھینچتا ہے۔ آسمان اور زمین ایک دوسرے کو لوہے اور مقناطیس کی طرح کھینچتے ہیں۔" اور پھر مولانا صاحب اس مسئلے پر بحث کرتے ہیں کہ "یہ زمین فضائے بسیط میں معلق کیوں ہے؟ کسی طرح گر کیوں نہیں پڑتی؟" اتنے احسن طریقے اور عمدگی سے انہوں نے اس مسئلے کی توجیہہ عالم گیر تجاذب کی بنیاد پر کی ہے کہ وہ جدید زمانے کے سائنسدانوں کے لئے بھی قابل رشک ہے۔ یہ پڑھنے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ نیوٹن ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے نظریہ تجاذب دنیا کے سامنے پیش کیا۔" وہ سر کو خفیف سی جنبش دے کر طلال کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے مسکرائے۔ "میں شاید تمہیں بور کر رہا ہوں ینگ مین!"

"ہرگز نہیں سر!" طلال نے پُرزور انداز میں سر نفی میں ہلایا اور بڑی عقیدت مندانہ نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں تو حیران ہوں کہ میں تو آپ کو محض ایک منجھا ہوا سرجن سمجھتا آ رہا تھا۔ آپ تو بہترین اسلام دوست ہیں اور صرف سائنس سے ہی نہیں تاریخ سے بھی آپ کی واقفیت قابل تحسین ہے۔" اس کے لہجے میں حقیقی تعریف تھی۔

سرجن بخاری اس تعریف پر بچوں کی طرح شرما گئے اور سر نفی میں ہلانے لگے۔

"نہیں، نہیں ینگ مین! میں یہ باتیں اپنی دھاک بٹھانے کو نہیں کر رہا تھا۔ وہ تو بس یوں ہی آج دل بھر آیا۔ تم جیسے خالص اچھی سوچ رکھنے والے اور محب وطن نوجوان کو دیکھ کر یہ لاوا پھوٹ نکلا۔" پھر چشمہ اتار کر اسے رومال سے پونچھتے ہوئے بولے۔

"مصطفیٰ سے بات ہوئی تمہاری؟"

"ہاں۔ صبح ہوئی ہے۔ اب تک تو اسے پہنچ جانا چاہئے تھا۔" اس نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔

"تم ایسا کرو، میرا یہ کارڈ رکھ لو۔ اس میں میرا موبائل نمبر بھی ہے۔ وہ اسلام آباد پہنچ جائے تو مجھ سے رابطہ کر لینا۔ دراصل مجھے اس وقت بہت ضروری میٹنگ میں جانا ہے۔" یہ کہتے ہوئے ڈاکٹر بخاری بینچ سے اٹھ گئے۔ طلال بھی ساتھ ہی اٹھ گیا۔

"اوکے ینگ مین! پھر ملاقات ہو گی۔ تم سے باتیں کر کے جی خوش ہو جاتا ہے۔ بہت کم لوگ رہ گئے ہیں اس پیشے کو جذبۂ ہمدردی سے اپنانے والے۔" وہ اس کا کندھا تھپک کر پارک کی ہوئی اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔ طلال ان کے ساتھ گاڑی تک آیا اور جب تک ان کی گاڑی پارکنگ ایریا سے نکل نہ گئی وہ کھڑا رہا۔ اس کی جیب میں رکھے موبائل کی بیپ ہونے لگی تو وہ چونکا۔

سی ایل آئی پر نمبر اسد خان کے گھر کا تھا۔

"ہیلو!"

دوسری طرف سے روشانہ کی مترنم آواز ابھری۔ "ہیلو۔"

"زہے نصیب۔" بے ساختہ ایک سانس اس کے لبوں سے آزاد ہو گئی۔ "فرمائیے۔"

"آپ نے مجھے بتایا تک نہیں کہ طیبی بھائی کے آغا جان ہاسپٹلائز ہیں۔" اس کا لہجہ شاکی تھا۔ وہ ایک پل اپنے ہی موبائل کو گھور کر رہ گیا۔ یعنی یہ بھی قصور اسی کے کھاتے میں ڈالا جا رہا تھا۔

"آپ نے پوچھنے کی کب زحمت گوارا کی۔"

"تو مجھے کیا غیب سے خبر آتی کہ وہ بیمار ہیں؟"

"تو مجھے بھی غیب سے یہ ندا نہیں آئی کہ تمہیں خبر نہیں ہے اور اس بے خبری کا عتاب بھی مجھ پر ہی آئے گا۔" اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"ایسے کون سے عتاب نازل ہو چکے ہیں اس سے پہلے بھلا؟" وہ اس کے چبھتے لہجے اور بظاہر برا مان گئی۔

اس نے اپنی بے ساختہ مسکراہٹ روکی تھی۔

''کیا یہ عتاب کم ہے فی الحال جس کا میں شکار ہوں؟''

''اس عتاب سے آپ نکل بھی سکتے ہیں۔ یوں بھی میں نے کون سا آپ کو اسیر کر رکھا ہے؟ میں تو جبراً مسلط کی گئی ہوں آپ پر۔ آپ تو جب چاہیں دامن جھٹک سکتے ہیں، یہ وبال اپنے سر سے اتار سکتے ہیں۔ مرد جو ٹھہرے۔''

''یہی جلی کٹی سنانے کو کیا تھا فون؟'' وہ بے ساختہ ہنسا تو اس کی ہنسی روشانہ کے دل میں برچھی کی طرح ترازو ہو گئی۔

''میں نے آغا جان کی بیماری کے متعلق جاننے کے لئے فون کیا تھا۔''

''تو پھر انہی کے بارے میں پوچھو بس۔'' اس کا لہجہ دوٹوک تھا۔

''آپ...... آپ اس قابل ہی نہیں ہیں کہ آپ سے بات کی جائے۔'' مارے تذلیل کے وہ چیخ گئی۔

''بات سنو۔'' وہ جلدی سے بولا۔ ''میں کس قابل ہوں، یہ تو تمہیں بہت اچھی طرح کبھی فرصت میں بتاؤں گا۔''

دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہو چکا تھا۔ بہرحال یہ جملہ وہ سن چکی تھی۔ اس نے لب بھینچ کر موبائل کو دیکھا اور موبائل جیب میں ڈال کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

⁂☆⁂

مصطفیٰ خان، آغا جان کو لے کر آج ہی اسلام آباد کے لئے روانہ ہوا تھا۔ مورے نے بہت اصرار کیا ساتھ جانے پر مگر اس نے اور شہباز نے انہیں روک دیا، یہ کہہ کر کہ جس دن آپریشن ہو گا، اس دن مجتبیٰ کے ساتھ آ جایئے گا۔

مصطفیٰ اور شہباز کے جانے کے بعد وہ بہت دیر تک روتی رہی تھیں۔ لالہ رخ نے انہیں سنبھالا، انہیں زبردستی کھانا کھلایا، دوائی پلائی اور سر سہلانے لگی۔ کچھ اس کی تسلی آمیز باتوں اور کچھ حمزہ کے وجود سے وہ بہل گئیں۔ لالہ رخ بہت رات تک ان کے پاس بیٹھی رہی۔ وہ ان کی باتیں سنتی رہی۔ جن میں زیادہ تر آغا جان کی باتیں شامل تھیں۔ مورے کے لہجے میں ان کے لئے بے پناہ عقیدت تھی۔ جب نیند سے ان کی آنکھیں بند ہونے لگیں تو لالہ رخ ان پر اچھی طرح کمبل ڈال کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ حمزہ سو چکا تھا۔ اس نے وضو کیا اور نفل پڑھنے لگی۔ کچھ نوافل پڑھے اور تسبیح لے کر بیڈ پر لیٹ گئی۔ تسبیح پڑھتے پڑھتے جانے کب آنکھ لگ گئی۔ مگر رات کے کسی پہر ایک خوفناک خواب سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ ایک چیخ کے

ہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور ایک وحشت کے عالم میں بیڈ ٹٹولا جو دور تک خالی تھا، بلکہ پورا کمرہ ائیں بھائیں کر رہا تھا......

''اُف......'' اس نے تکیے پر سر رکھ کر آنکھیں زور سے میچ لیں۔ کس قدر ہیبت ناک ب تھا۔ اس کا سانس تیزی سے چل رہا تھا۔ دماغ میں سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ وہ پلکیں کے بغیر چھت کو تکنے لگی۔ یہ کیسا خواب تھا، اس قدر ڈراؤنا، اتنا وحشت ناک۔ زندگی میں ی ڈراؤنی صورت اس نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ کوئی بلا تھی یا...... وہ آنکھیں بند کر کے خواب کا وری طور پر تصور کرنے لگی۔

دور تک ایک گھنا جنگل تھا، جس کی گہری تاریکی میں وہ بھاگ رہی تھی۔ حمزہ بھی اس کے تھا جو بار بار گر رہا تھا جسے وہ کبھی سنبھال لیتی، کبھی اس کے ساتھ خود بھی جھاڑیوں پر گر ی۔ حمزہ رو رہا تھا اور ایک ہی گردان کر رہا تھا۔ ''پاپا کے پاس جانا ہے، پاپا کے پاس جانا ہے'' وہ اسے بہلا رہی تھی۔ ''ہاں جان! بس تھوڑی دیر بعد ہم پاپا کے پاس پہنچ جائیں گے'' مگر وہ بار بار سر نفی میں ہلا کر کہہ رہا تھا۔

''نہیں مما، پاپا اس طرف نہیں ہیں، اس طرف ہیں۔'' وہ دوسری طرف اشارہ کر رہا تھا۔

''مگر اس طرف تو زیادہ تاریکی ہے، ہم وہاں تک کیسے پہنچیں گے؟'' وہ ہانپتے ہوئے رک اس طرف دیکھنے لگی جدھر حمزہ اشارہ کر رہا تھا۔

''نہیں مما، وہاں اندھیرا نہیں ہے، روشنی ہے۔ وہ دیکھیں، وہاں روشنی میں پاپا کھڑے اور ہمیں بلا رہے ہیں۔ چلیں نا مما، چلیں نا پاپا کی طرف۔'' وہ اپنے ننھے منے ہاتھوں اس کا دامن پکڑ کر کھینچنے لگا۔ اس کے قدم اس طرف اٹھنے لگے کہ معاً ایک خوفناک جانور جھاڑی سے نکل کر ان کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس کا دل سینے سے اچھل کر حلق میں آ وہ ہلکی ہلکی غراہٹ کے ساتھ ان کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ بھیڑیئے سے مشابہ جانور تھا یا نے کیا بلا تھی۔ اس کی آنکھوں میں خون چمکتا دکھائی دے رہا تھا، اس کے دانت بے حد لے تھے اور ہاتھ انسانی ہاتھوں کی طرح تھے مگر ان کے سخت ناخن لمبے لمبے کانٹوں کی طرح اس نے حمزہ کی طرف دیکھا بھی نہیں، قدم بہ قدم لالہ رخ کی طرف بڑھتا جا رہا تھا۔ ی آنکھوں میں وحشت پھیلتی جا رہی تھی۔ وہ دہشت زدہ سی پیچھے ہٹنے لگی۔ اس جانور کا لالہ کے سر پر پہنچنے ہی والا تھا کہ ایک زوردار چیخ لالہ کے لبوں سے نکل گئی اور چیخ کے وہ خواب دھوئیں کے مرغولے کی طرح گم ہو گیا...... مگر اس کا ہولناک تصور اس کے کو آکٹوپس کی طرح جکڑے رہا۔ وہ کتنی دیر یوں ہی چت لیٹی اپنی سانسوں کو ہموار کرتی

رہی۔ سامنے کھڑکی سے ستارے جھلملاتے دکھائی دے رہے تھے۔

اسی وقت کسی قریبی مسجد سے فجر کی اذان کی آواز سنائی دینے لگی۔ لالہ رخ نے سر تکیے سے اٹھانے کی کوشش کی مگر اسے لگا سر کی جگہ کوئی وزنی پتھر ہو جو اٹھ نہ رہا ہو۔ تاہم پوری کوشش کر کے وہ جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ پسینے سے اس کے کپڑے یوں بھیگ رہے تھے گویا وہ حقیقت میں تیز دوڑتی رہی ہو۔ پسینے کے باعث بستر کی چادر بھی نم ہو رہی تھی۔ وہ متوحش نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ وہ اپنے بیڈ روم میں تھی۔ نائٹ بلب جل رہا تھا اور اس کی مدھم خوابناک روشنی کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ حمزہ اپنے بستر پر سویا ہوا تھا۔ اس کا ذہن آہستہ آہستہ بیدار ہونے لگا۔ پھر وہ پوری توجہ سے اذان سننے لگی اذان ختم ہوئی تو لالہ نے وضو کیا، فجر کی نماز پڑھی۔ اب نیند تو دوبارہ آنا ناممکن تھی۔ وہ کھلی فضا میں نکل آئی اور لان کی مخملیں گھاس پر چہل قدمی کرنے لگی۔ اس کے ذہن پر ابھی تک رات والے خواب کا خوف چھایا ہوا تھا۔ اس نے سوچا وہ صدقہ دے دے گی۔ امی ہمیشہ کہا کرتی تھیں، برا خواب دیکھو تو تعوذ پڑھ کر کروٹ بدل لیا کرو اور استطاعت ہو تو صدقہ دے دینا بہتر ہوتا ہے۔ آنے والی مصیبت اور بلاٹل جاتی ہے اور برے خواب کے شر سے پناہ مانگ لینی چاہئے۔

اس نے کرسی پر بیٹھ کر دعا مانگی اور مختلف قرآنی آیات کا ورد کرتی رہی۔

سورج طلوع ہوتے ہی ہر شے کو روشنی نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اس نے ایک گہری سانس کھینچی اور اٹھ کر اندر چلی آئی۔ جنت بی بی اور زینت ناشتہ تیار کر رہی تھیں۔ وہ بھی ان کی مدد کرنے لگی۔

''رات میں نے تمہیں ناحق پریشان کیا، میرے ساتھ تم بھی جاگتی رہیں۔'' ناشتے کے دوران مورے، لالہ رخ سے کہہ رہی تھیں۔ لالہ رخ کی آنکھوں کے زیریں کناروں پر چھائی سرخی نے انہیں شاید شرمندہ کر دیا تھا۔

''کیسی بات کر رہی ہیں مورے۔ پریشانی والی بھلا کیا بات تھی؟ کیا ماں بیٹی دیر تک جاگ کر باتیں نہیں کر سکتیں؟''

''ہاں، مگر تمہیں صبح جلدی بھی تو اٹھنا ہوتا ہے حمزہ کے اسکول کے لئے۔''

''کہاں مورے! یہ کام تو بیچاری جنت بی بی ہی انجام دے لیتی ہیں۔ اور آج تو حمزہ کا آف ڈے ہے، بس آپ یوں غیروں والی باتیں نہ کیا کریں۔'' اس نے اپنائیت سے ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ ''آپ کی طبیعت اب کیسی ہے؟ رات نیند تو آ گئی تھی نا؟''

''ہاں۔ تم نے گولی جو کھلا دی تھی۔'' وہ مسکرائیں اور اس کا ہاتھ تھپکنے لگیں۔ ''مصطفیٰ کا فون آیا تھا، بہت سویرے۔ وہ کہہ رہا تھا ہم پہنچ گئے ہیں خیریت سے۔ اور طلال نے ہی انہیں ریسیو کیا تھا۔ وہ وہیں پر ہے۔'' وہ اسے بتانے لگیں۔ ''طلال ماشاء اللہ بڑا پیارا اور نیک دل بچہ ہے۔ طفی کو اس کی موجودگی سے یقیناً ڈھارس ملی ہوگی۔ اس کے آکا جان کو بھی روز وہ فون پر گھنٹہ گھنٹہ بھر تسلیاں دیتا رہتا تھا۔ خدا اسے شاد و آباد رکھے۔ اس کی رخصتی کب ہو رہی ہے؟'' انہوں نے پوچھا تو وہ اپنے خیال سے چونک کر نکلی۔ طلال کے ذکر کے ساتھ اسے روشانہ بڑی شدت سے یاد آ گئی۔ اسے اب تک اس بات کا قلق تھا کہ وہ اس کے آنسو بھی نہ پونچھ سکی تھی۔ یقیناً وہ بہت اداس ہوگی اور شاید اس سے شاکی بھی ہو۔

''ابھی روشانہ کے کچھ پیپرز رہتے ہیں، اس کے بعد ہی......'' وہ ٹال گئی۔

''چلو خوش رکھے خدا اسے۔ روشی بھی بڑی پیاری بچی ہے۔ بہوؤں کے معاملے میں تمہاری ماں بڑی خوش نصیب ہیں میری طرح۔'' یہ کہتے ہوئے انہوں نے ایک پیار بھری نظر اس پر ڈالی تو وہ نظریں جھکا گئی۔

☆

ڈھلتی شام وہ حمزہ کو ہوم ورک کروا رہی تھی جب فون کی بیل ہونے لگی۔ حمزہ پاپا، پاپا کہہ کر اس طرف لپکا مگر اس نے نرمی سے اسے ایک طرف ہٹایا اور ریسیور اٹھا لیا۔ مگر دوسری طرف سیف الرحمٰن کی آواز سن کر اس کا دل یکلخت ڈوب سا گیا۔

''تم......؟''

''چلو اتنا تو ہوا کہ تم نے مجھے پہچان لیا۔'' دوسری طرف طمانیت آمیز سانس بھرتے ہوئے وہ بولا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کیا چاہتے ہو اور کیوں میری زندگی میں زہر گھول رہے ہو؟'' اس نے خوفزدہ نظروں سے بند دروازے کی طرف دیکھا۔

''زہر؟ تمہاری زندگی میں ایسی کون سی شہد اور دودھ کی نہریں بہہ رہی ہیں کہ میں زہر گھولوں گا؟ مجھے تو تمہاری ناآسودگی بے چین کئے ہوئے ہے۔''

''کک...... کیا؟ تمہیں کس نے کہہ دیا کہ میں ناآسودہ ہوں؟'' لالہ رخ کو لحظہ بھر کو اپنا دل بیٹھتا محسوس ہوا۔ چاہنے کے باوجود وہ اپنی آواز میں اعتماد پیدا نہ کر سکی۔

''یہ باتیں سمجھنے کی ہوتی ہیں۔ آنکھیں دل کا آئینہ ہوتی ہیں لالی! اور یہ آئینہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔''

وہ چیخ کر اس کی بات جھٹلانا چاہتی تھی مگر چپ سی رہ گئی۔ پھر ایک گہری سانس کھینچ کر بولی۔ ''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں......''

''میں تم سے ملنا چاہتا ہوں لالہ رخ! آج ہی۔ بلکہ اسی وقت۔'' وہ اس کی بات ان سنی کرتے ہوئے عجیب آنچ دیتے لہجے میں بولا۔

''ہوش میں ہو تم؟'' وہ گھٹے گھٹے انداز میں چیخی۔

''بالکل ہوش میں ہوں۔ بلکہ اب ہی تو ہوش میں آیا ہوں۔ اور بات سنو، میں مصطفیٰ خان کی حویلی سے ایک کلومیٹر دور ہوں۔ ایک مقامی پارک سے بات کر رہا ہوں۔ تم اسی وقت وہاں آ جاؤ۔''

لالہ رخ کو لگا وہ چکرا کر گر جائے گی۔ اس نے جلدی سے بیڈ کراؤن پر ہاتھ رکھ کر خود کو سنبھالا دیا تھا مگر اس کے اعصاب بری طرح منتشر ہو گئے تھے۔

''ہیلو ......تم سن رہی ہو نا میری بات؟ ہیلو لالی!'' وہ ماؤتھ پیس پر انگلیاں بجانے لگا۔ پھر اس کی سانسوں کی آواز سے اس کی موجودگی محسوس کرتے ہوئے بولا۔ ''اگر تم نہیں آتیں تو میں خود تمہارے پاس آ جاتا ہوں۔ جب تک تم مجھ سے بات نہیں کرو گی، ملو گی نہیں، میں مردان سے واپس نہیں جاؤں گا۔''

''کیوں......مگر کیوں ملنا چاہتے ہو مجھ سے؟'' وہ گھٹے گھٹے لہجے میں بولی جیسے ابھی رو دے گی۔ اس کی آواز ڈوبتے تارے کی مانند لرز کر رہ گئی۔ ''میں بھلا کیسے اور کیونکر تم سے مل سکتی ہوں۔ تمہارا اور میرا تعلق کیا ہے اب؟ جو تعلق تھا وہ تم ختم کر چکے ہو۔'' وہ اسی لرزتے ڈوبتے لہجے میں بولی۔

''رشتے نئے سرے سے استوار بھی تو ہو سکتے ہیں۔''

''میں ایک شادی شدہ عورت ہوں سیف الرحمٰن!'' وہ اذیت کے عالم میں بلبلائی۔ پھر گھبرا کر اپنی آواز کو قابو میں رکھتے ہوئے دبے لہجے میں بولی۔ ''اس گھر میں میری ایک عزت ہے۔ خدا کے لئے اسے یوں رسوا کرنے کی کوشش مت کرو۔ میرے غموں اور پریشانیوں میں تمہاری آمد سوائے اضافہ کرنے کے کچھ نہیں کر سکتی۔'' اس کی آواز بھیگ گئی۔ مگر ادھر اس کی بس ایک ہی رٹ تھی۔

''تم وہاں پارک میں پہنچو۔ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ اور دیکھو، اس وقت عالم دیوانگی میں ہوں۔ اگر تم نہیں آئیں تو میں خود تمہارے پاس آ جاؤں گا۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے لائن ڈس کنیکٹ کر دی۔

لالہ رخ چیختی رہ گئی، اسے پکارتی رہ گئی، پھر احساسِ شکست سے بیڈ کے کنارے ڈھے سی گئی۔ حویلی سے باہر نکلنا اس کے لئے کوئی مشکل نہ تھا مگر سیف الرحمٰن سے قریبی پارک میں ملنے جانا اس کے لئے کسی عذاب سے کم نہ تھا۔ ایسا سوچ کر ہی اسے اپنے بدن میں چیونٹیاں سی رینگتی محسوس ہونے لگیں۔ اس نے خالی خالی نظریں حمزہ کی جانب اٹھائیں جو سہما سا ایک کونے میں جا کر بیٹھ گیا تھا۔ شاید وہ مصطفیٰ خان کے فون کا منتظر تھا۔

اچانک اس کی نظر وال کلاک پر پڑی تو اس کا دل بیٹھنے لگا۔ اسے اس کی وارننگ یاد آ گئی۔ اور اس سے پہلے کہ وہ یہاں پہنچ جائے، اسے ہی جانا تھا۔ اس کے ٹھٹھرے اعصاب میں شعلہ سا بھڑک اٹھا۔ وہ اپنے تمتماتے چہرے پر ہاتھ پھیر کر جلدی سے اٹھی، چادر نکال کر اوڑھی اور حمزہ کا ہاتھ پکڑ کر باہر کی طرف دوڑ گئی۔

مورے باغیچے میں بیٹھی قرآن شریف پڑھ رہی تھیں۔ اس نے ان سے قریبی پارک جانے کی اجازت لی کہ حمزہ بہت ضد کر رہا ہے باہر جانے کی۔ وہ اسے نزدیکی پارک میں یوں ہی گھما پھرا کر لاتی ہے۔ اور ان کی طرف کا جواب سنے بنا سرعت سے حویلی کے داخلی دروازے کی طرف دوڑ گئی۔

اس کے دل میں ایک قیامت برپا تھی۔ سیف الرحمٰن کا مردان پہنچ جانا اور اب حویلی کے قریب ہی اس کی موجودگی اس کے حواسوں پر بم کی طرح بلاسٹ ہوئی تھی۔ اس نے سوچا، آج وہ صاف لفظوں میں اسے بتا دے گی کہ وہ اس سے کسی طور تعلق رکھنا نہیں چاہتی بلکہ اس کی صورت تک دیکھنے کی روادار نہیں۔ وہ اپنی زندگی میں نا آسودہ ہے تب بھی اس کی مدد اور تعاون کی خواہش مند نہیں ہے۔ وہ اسی زندگی سے سمجھوتہ کر لے گی مگر عزت پر حرف نہ آنے دے گی۔ وہ سوچوں کے انتشار میں ڈوبی پارک تک پہنچی تو اس کا تنفس یوں تیز تھا جیسے ایک کلومیٹر کا فاصلہ نہیں بلکہ میلوں کا فاصلہ طے کر کے وہاں پہنچی ہو۔

اس کے سرخ سرخ چہرے پر پسینہ شبنم کی طرح دمک رہا تھا۔ اس نے پارک پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ دور دور اکا دکا لوگ دکھائی دے رہے تھے، کہیں کہیں بچے بھی کھیلتے نظر آ رہے تھے...... اس نے حمزہ کے ہاتھ پر گرفت مضبوط کر لی۔ معاً اس کا دل سینے میں پھیلا، سکڑا اور خون رگوں میں پوری روانی سے دوڑنے لگا...... وہ کسی گوشے سے نکلا تھا اور قدم اٹھاتا پارک کے داخلی حصے کی طرف آ رہا تھا۔ اس نے بھی لالہ رخ کو دیکھ لیا تھا......!

***

ایک پل کے لئے لالہ رخ کا دل چاہا پلٹ کر بھاگ جائے۔ اسے احساس ہوا کہ وہ یہاں آنے کی شدید ترین غلطی کر چکی ہے۔ مگر کسی نادیدہ خوف اور وحشت نے اس کے قدموں کو جکڑ رکھا تھا۔

''تجھے بھول جانے کی کوششیں کبھی کامیاب نہ ہوسکیں
تیری یاد شاخِ گلاب ہے جو ہوا چلی تو مچل اٹھی''

وہ اس سے چند قدموں کے فاصلے پر رک گیا اور بھرپور نگاہ اس پر ڈالی۔

لالہ رخ کو اپنی پیشانی یوں جلتی محسوس ہونے لگی جیسے اس کے بے حد قریب سلگتی انگیٹھی رکھ دی گئی ہو۔ اذیت کے عالم میں اس نے پلکیں میچ کر کھولیں۔

''چھو کر اطمینان کر لو۔ میں خواب نہیں، حقیقت ہوں۔'' وہ محظوظ ہو کر مسکرایا۔ جواباً وہ ایک متاسفانہ سانس بھر کر رہ گئی۔ ایک دبی دبی تھکن اس کے وجود سے اڈنے لگی تھی۔

''کاش اس وقت تم خواب ہی ہوتے اور آنکھ کھلنے پر میں مطمئن ہو جاتی۔'' وہ ایک طرف چلنے لگی۔ پھر حمزہ کا دھیان آیا تو رک کر اس کی طرف پلٹتے ہوئے بولی۔

''اس سے ملو، یہ حمزہ ہے۔ میرا بیٹا۔'' اس نے میرا بیٹا پر زور دیا مگر سیف الرحمٰن نے غور ہی نہیں کیا یا نظر انداز کر گیا اور نظریں اٹھا کر حمزہ کو دیکھا، پھر اسے پچکارتا ہوا مسکرانے لگا۔

''ہیلو بوائے، مجھے پہچانا؟'' وہ جھک کر اس کے گال تھپتھپانے لگا۔ مگر اس کی آنکھوں میں وہ وارفتانہ چمک نہیں تھی۔ گویا وہ لالہ رخ کا ہی بیٹا ہو۔

''کیسے پہچانے گا۔ تم نے کب اسے پہچان کرائی تھی؟'' ایک سانس بھرتے ہوئے وہ طنز سے ہنسی۔

سیف الرحمٰن کے چہرے پر ایک خفت کا رنگ آ کر گزر گیا۔ تاہم وہ ہنوز حمزہ کو پچکارتے ہوئے اسے اپنے بازوؤں میں بھرنے کو آگے بڑھا تو وہ بدک کر لالہ رخ کی اوٹ میں ہو گیا اور اجنبی نظروں سے سیف الرحمٰن کو دیکھنے لگا۔

''چلو، ہو جائے گا مانوس بھی۔'' وہ کھسیا کر سر کو جنبش دے کر سیدھا ہو گیا اور لالہ رخ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''تم نے کبھی اسے بتایا بھی نہیں ہو گا کہ کوئی اس کا باپ بھی ہے۔''

''ہاں، اگر بتاتی تو وہ مجھ سے ضرور سوال پوچھتا کہ کہاں ہے؟ جبکہ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہوتا۔''

''تو تم نے مصطفیٰ خان کو باپ سمجھنے دیا؟'' وہ طنز سے ہنس دیا۔

''ظاہر ہے، جو باپ بن کر اپنی پہچان اسے کرائے گا، بچہ تو اسی سے مانوس ہو گا نا۔'' وہ پورے اعتماد سے اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہہ گئی۔ لحظہ بھر وہ خود پر حیران ہوئی تھی کہ کہاں وہ خوف کی اتھاہ میں سانس لیتی یہاں تک پہنچی تھی اور اب کہاں پورے اعتماد سے اس کے سامنے کھڑی تھی۔

''لالی! تم پوچھو گی نہیں کہ میں نے ملتان سے مردان کا سفر کیوں کیا ہے؟ یہاں تک تمہیں ڈھونڈتا ہوا کیوں آیا ہوں؟ کس جذبے کے تحت؟'' وہ بات بدل گیا۔ اس کی نگاہیں لالہ رخ کے چہرے پر یوں بھٹکنے لگیں جیسے کسی پیاسے کی آنکھیں کسی چشمے کو کھوج رہی ہوں۔

''میں تمہیں پہلے بھی کہہ چکی ہوں، ہمارے درمیان ایسا کوئی تعلق نہیں رہا جس میں ان جذبوں کی گنجائش ہو۔ یوں بھی ہر جذبہ اپنے رشتے کے محور میں گھومتا اچھا لگتا ہے، محور سے ہٹ کر اس کا کوئی وجود نہیں رہتا۔''

سیف الرحمٰن نے اسے گھائل نظروں سے دیکھا اور ایک بڑی سانس کھینچ کر ایک طرف چلنے لگا۔

''کیوں بلایا ہے مجھے یہاں تم نے؟'' وہ بے چارگی سے اسے دیکھنے لگی۔

''بیٹھو۔'' اس نے بینچ کی طرف اشارہ کیا۔

''سیف الرحمٰن صاحب! آپ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں اب ایک شادی شدہ عورت ہوں۔''

''ہاں، اور یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ شادی معاشرتی طور پر تمہاری ضرورت تھی۔ تم نے محض مجبوری کے تحت مصطفیٰ خان کا ہاتھ تھاما ہے۔''

''اس سے تمہیں کوئی غرض نہیں ہونی چاہئے کہ یہ شادی کیوں اور کس لئے کی ہے میں نے۔ بس یہ یاد رکھو کہ میں اب ایک شادی شدہ عورت ہوں۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔

''کیا تم اس شادی سے سو فیصد خوش ہو؟'' وہ اس کے مقابل آ کر اسے جانچتی نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس کا سوال ہی کچھ غیر متوقع تھا یا اس کی نگاہوں میں کچھ تھا۔ لالہ رخ پلکوں کی لرزتی باڑھ جھکا گئی۔

"میں تمہارے کسی سوال کا جواب دینے کی پابند نہیں ہوں۔" وہ پلٹنے لگی۔

"مگر اس سوال کا جواب تمہیں دینا ہوگا لالی!" وہ اس کی راہ میں آ گیا اور ہاتھ بڑھا کر اس کا راستہ روکا۔ "تم خوش ہوتیں تو تمہاری زبان سے لفظ "ہاں" ضرور نکل جاتا۔ مگر تم خوش نہیں ہو۔ ہے نا؟"

"بکواس مت کرو۔" وہ اس کا آگے پھیلا ہوا ہاتھ جھٹک گئی۔ مگر اس کا دل ایک بے نام وحشت کی اتھاہ میں ڈوبا تھا۔

وہ فاتحانہ انداز میں مسکرایا اور اس کی آنکھوں میں یوں جھانکنے لگا گویا وہ یہیں سے اس کے دل کا حال جان لینا چاہتا ہو۔

"عورت کھلونا نہیں ہوتی سیف الرحمٰن صاحب! کہ جب دل چاہا کھیل کر پھینک دیا، جب دل چاہا حاصل کرنے کو مچل اٹھو۔" اس کے اندر مانوس کرب کروٹیں لینے لگا۔ وہ حمزہ کا ہاتھ چھوڑ کر بینچ پر بیٹھ گئی اور سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"صرف ایک بار اعتبار کر کے دیکھ لو لالی! صرف ایک بار۔" وہ بھی اس کے سامنے گھاس کے فرش پر بیٹھ گیا۔ اسے ہلکے سے چھوا تو وہ یوں بدکی جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو اور قدرے رکھائی سے اس کا ہاتھ جھٹکا۔

"اعتبار کیا تھا میں نے۔ اعتبار ہی تو کیا تھا میں نے تم پر۔ بلکہ آخری لمحوں تک یہ اعتبار رہا کہ تم مجھے سمیٹ لو گے۔ ایسا کوئی قدم اٹھانے سے پہلے میری عزت کا، محبت کا ضرور خیال کرو گے۔ ایک بار میرے اور اپنے بچے کے لئے ضرور سوچو گے مگر......" اس کی آواز بھرا گئی۔ وہ دکھ کے احساس سے سیف الرحمٰن کو دیکھتے ہوئے رو پڑی۔ "مگر میرا اعتبار تم نے اپنے آپ سے تو کیا، اس دنیا کے سارے مردوں سے ہی اٹھا دیا۔ مجھے تو مردوں کے ہر روپ، ان کے ہر لفظ سے بے اعتباری کی بو آنے لگتی ہے۔" اس کی آنسوؤں سے بھیگی آنکھوں میں مصطفیٰ خان کا ہیولا ایک پل کے لئے لرزا اور آنسو کی طرح ٹوٹ کر بکھر گیا۔ حمزہ اسے یوں روتے دیکھ کر خوف اور وحشت سے اس سے لپٹ گیا اور رونے لگا۔

"میں تمہارا اعتبار لوٹا دوں گا۔ تم مجھے ایک بار آزما تو لو۔" سیف الرحمٰن جلدی سے بولا۔

وہ حمزہ کو خود سے لپٹا کر آنسو پونچھتی بینچ سے اٹھ گئی۔

"تم کیا چاہتے ہو میں اتنے بہت سے لوگوں کا اعتبار و اعتماد اور عزتوں کو مجروح کر کے تمہاری طرف بڑھ آؤں تاکہ تم اپنی محبت کے دو سکے میرے خالی کشکول میں ڈال کر مجھ پر احسان فرما لو۔" وہ دکھ سے بولی۔ "ان سب کا اعتبار توڑ ڈالوں۔ اتنے بہت سے لوگوں کی

نظروں میں گر جاؤں۔ نہیں، یہ ناممکن ہے۔"

"ہمیں اپنے لئے جینا ہے لالی! صرف اپنے لئے سوچو۔" وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ اس کا انداز اسے حوصلہ دینے اور اکسانے والا تھا۔ "لوگوں کی فکر کرنا چھوڑ دو۔ یہ چار دن باتیں کر کے پھر بھول بھال جائیں گے۔"

"خدا کے لئے چپ ہو جاؤ۔" وہ کرب سے چلائی۔ پھر اسے فہمائشی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔ "مگر ایسا سبق مت پڑھاؤ، ایسی منزل مت دکھاؤ جو ذلت کے راستوں سے گزر کر آتی ہو۔ میں مر جانا پسند کروں گی مگر ایسی ذلت آمیز زندگی گزارنے کا سوچوں گی بھی نہیں۔"

"یہ راستہ ہم دونوں کے مفاد کا راستہ ہے۔ تم سوچو، صرف ایک بار سوچو۔ تمہیں یقیناً میرا ہر لفظ سچ لگے گا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے ہی بنے ہیں لالی! صبوحی یا مصطفیٰ خان ہماری راہ کی دیوار نہیں بن سکتے۔"

"اتنا مت گراؤ خود کو سیف الرحمٰن! اتنا مت گراؤ۔" اس نے شدید ترین تاسف کے احساس سے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں رنج کی کیفیت بکھر گئی۔ اسے اپنے سامنے کھڑا شخص انتہائی پستی میں دکھائی دینے لگا۔ بہت سطحی سا۔ چھوٹا سا۔ "تم ایک دوسری عورت کا اعتبار توڑ رہے ہو، جو تمہارے گھر میں بیٹھی تمہارا بچہ پال رہی ہے۔ تمہارے آنگن میں تمہارے نام سے اتری ہے، اس چھاؤں کی خواہش میں جو اس کا حق ہے۔ اس کے بھی کچھ خواب ہیں سیف الرحمٰن، اس کی آنکھوں نے بھی سپنے بُنے ہوں گے، اس کا دل بھی تمناؤں کے سیل شوق میں بہتا ہوگا۔ جاؤ، اسے محبت دو۔ اسے اس کا حق دو اور میری راہ میں مت آؤ۔ میرے لئے میرے گھر والوں نے جو راستہ چن دیا ہے مجھے اسی پر چلنے دو۔" وہ یہ کہہ کر جانے لگی۔

"کیسے نہ روکوں؟ کیسے ہٹ جاؤں تمہاری راہ سے؟ میں تمہارے راستے سے ہٹنے نہیں دوں گا۔" وہ اس کے سامنے پھیل کر کھڑا ہو گیا۔ یکلخت اس کا لہجہ بدل گیا۔ اس کی آنکھوں اور چہرے کے تاثرات میں بھی کچھ دیر پہلے دکھائی دینے والی نرمی گم ہو چکی تھی۔ اس کی نظریں بدلی ہوئی تھیں۔

"تو...... تو...... کیا چاہتے ہو تم؟" لالہ رخ کو اپنا دل سینے میں ڈوبتا محسوس ہونے لگا۔ حمزہ کی گرفت غیر محسوس طور پر مضبوط ہو گئی۔

"فی الحال تو کچھ نہیں چاہتا۔ اس وقت تم غصے میں ہو اور غصے میں یوں بھی عقل ناکارہ ہو

جاتی ہے۔کل بات ہوگی۔ ابھی میں چند دن یہیں پر ہوں۔‘‘ ایک گہری سانس بھر کر اس نے اپنے لہجے اور چہرے کے تاثرات کو سنبھال لیا اور پلٹ کر پارک سے نکل گیا۔

لالہ رخ دم سادھے اسے جاتا دیکھتی رہ گئی۔

’’مما...... مما، گھر چلیں۔‘‘ حمزہ روہانسا ہو کر اس کی چادر کا کونا کھینچ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر آنسوؤں سے لکیریں بن گئی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ مسلسل ایک خوف اور وحشت کی فضا میں سانس لے رہا ہو۔ اس نے بے اختیار اسے خود سے لپٹا لیا۔

سیف الرحمٰن کی حمزہ کی طرف اٹھنے والی نگاہ میں جانے کیا تھا کہ لالہ رخ کو اپنی رگوں میں دوڑنے والا خون نادیدہ خوف سے جمتا محسوس ہونے لگا۔

☆☆☆

یہ پہلی رات تھی جس میں اسے مصطفیٰ خان کی کمی شدت سے محسوس ہونے لگی۔ وہ لاکھ اس سے بیگانہ رہتی تھی مگر اس کی موجودگی ایک عجیب سی تقویت دیتی تھی جیسے کوئی درخت دور ہونے کے باوجود اپنی گھنی شاخوں سے دھوپ کا احساس کم کر رہا ہو۔

دوسری صبح حمزہ کو شدید بخار نے آ گھیرا۔ مجتبیٰ اسے ڈاکٹر کے پاس لے گیا اور آ کر بتایا کہ یہ کسی چیز سے ڈر گیا ہے۔ خوفزدہ ہو گیا ہے۔

مورے تو اسی وقت قرآنی آیتیں پڑھ کر اس پر دم کرنے لگیں۔ ان کے خیال میں اسے نظر لگ گئی تھی۔ وہ مجتبیٰ سے اس طرح لپٹ گیا تھا کہ کسی طور اس کی گود سے اترنے کو تیار دکھائی نہ دے رہا تھا۔ لالہ رخ کے پاس بھی نہیں جا رہا تھا۔ وہ اسے پیار سے بہلا رہی تھی مگر وہ مجتبیٰ کو چھوڑنے کو تیار نہیں تھا۔

’’میں طغیٰ کو فون کرتی ہوں۔ وہ اس سے بات کرے گا تو شاید بہل جائے۔‘‘ مورے نے تجویز دی مگر لالہ رخ نے انہیں روک دیا۔

’’انہیں پریشان نہ کریں، وہ پہلے ہی آکا جان کی وجہ سے پریشان ہیں۔ جانے وہاں کیا حالات ہوں۔‘‘

’’ہاں امی، حمزہ کی بیماری کا سن کر وہ الگ ڈسٹرب ہو جائیں گے۔ میں حمزہ کو اپنے کمرے میں لے جاتا ہوں۔ بخار ابھی اس کا بہت تیز ہے، اتر جائے گا تو یقیناً سنبھل جائے گا۔‘‘ مجتبیٰ یہ کہتا اسے اٹھائے اٹھائے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ لالہ رخ وہیں بیٹھی اذیت کے احساس سے دوچار ہو گئی۔

ایک ہی دن میں حمزہ کے سرخ سیب جیسے گال مرجھا کر رہ گئے تھے۔ اس کی ہنسی

کھلکھلاہٹیں دم توڑ گئی تھیں۔ بخار کی شدت میں وہ مجتبیٰ سے لپٹ کر پاپا، پاپا کہنے لگتا اور ادھر مجتبیٰ کے کمرے کے باہر لالہ رخ اذیت کے عالم میں چکر کاٹ کر رہ گئی۔

’’پلیز، خود کو ریلیکس رکھیں۔ بچہ ہے اور بچے اس طرح بیمار ہو ہی جاتے ہیں۔‘‘ مجتبیٰ باہر آیا تو وہ راہداری کے ستون سے لگ کر کھڑی تھی۔

’’اس سے پہلے بھی اسے بخار آیا ہے مگر اس طرح کا رویہ تو اس کا کبھی نہیں رہا ہے۔‘‘ وہ رو دینے کو تھی۔ ’’وہ بھلا کس چیز سے ڈر گیا ہے، کیسا خوف ہے اسے؟‘‘ لالہ کی آنکھوں کی پتلیاں گیلی ہو گئیں۔ پھر ٹپ ٹپ آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔

’’ارے رے، آپ تو بالکل کمزور دل ہیں۔‘‘ مجتبیٰ حیرت سے بولا۔ پھر شفیق بھائی کی طرح اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ ’’ہم سب لوگ ہیں نا۔ آپ اتنا ڈر کیوں رہی ہیں؟ دراصل وہ مصطفیٰ بھائی کو مس کر رہا ہے۔ یوں بھی آکا جان کی بیماری کی وجہ سے ہم سب اس قدر مصروف ہو گئے کہ وہ نظر انداز ہوتا رہا اور اب دو دنوں سے تو اس نے طغیٰ بھائی کو دیکھا تک نہیں ہے، اسی وجہ سے وہ ایسا کر رہا ہے۔ آپ تسلی رکھئے، میں صبح ہی اس کی بات کروا دیتا ہوں ان سے اور میرا تو خیال ہے آپ بھی ان سے بات کر لیں، بہت ڈسٹرب لگ رہی ہیں کل سے۔‘‘ مجتبیٰ نے اس پر ایک سرسری نگاہ ڈالی تھی۔ وہ پلکوں کی باڑھ جھکا گئی اور مضطربانہ انداز میں دوسری طرف دیکھنے لگی۔

’’دیکھ رہی ہیں اپنی حالت، کل سے نہ کھایا ہے نہ پیا ہے۔ لگتا ہے منہ تک نہیں دھویا آپ نے۔‘‘ پھر ہلکی ہنسی کے ساتھ بولا۔ ’’طغیٰ بھائی کی ایک دن کی جدائی نے آپ دونوں کا بے حال کر دیا ہے۔ جو کبھی وہ لمبے عرصے کے لئے کہیں گئے تو آپ کیا کریں گی؟‘‘

’’خدا نہ کرے جو وہ کہیں جائیں۔‘‘ وہ بے اختیار دہل کر بول گئی۔ دوسرے پل جھینپ کر بالوں کی لٹوں کو کانوں کے پیچھے ڈالتے ہوئے پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔

’’خیر میں بھی مذاقاً ہی کہہ رہا ہوں۔ خدا ان کا سایہ آپ پر سلامت رکھے۔‘‘

’’میں تو حمزہ کی وجہ سے پریشان تھی۔‘‘ وہ جلدی سے بولی۔ مگر جانے کیوں اسے لگا اس کی وضاحت بڑی کھوکھلی سی ہے اس کے لہجے کی طرح۔ اور اپنے لہجے کے اس کھوکھلے پن کو محسوس کر کے وہ مزید کچھ نہ بول سکی اور کمرے میں جا کر سوئے ہوئے حمزہ کو دیکھنے لگی۔

’’ابھی کچھ دیر پہلے ہی آنکھ لگی ہے۔ دوائی کا اثر ہے غالباً۔‘‘ مجتبیٰ کی آواز نے اس کا حمزہ کی پیشانی پر بڑھنے والا ہاتھ ٹھٹھرا دیا۔ وہ ایک گہری سانس کھینچ کر سیدھی ہو گئی اور کمرے سے باہر چلی گئی۔

***

تھا نہ مسئلہ کسی جیت کا نہ ہی کوئی ہار کی بات تھی
میرے اعتبار کا معاملہ تیرے اختیار کی بات تھی
کوئی جستجو بھی نہیں رہی مگر اب سکوں بھی نہ رہا
وہ جو بے قراریاں دے گئی، وہی تو قرار کی بات تھی

طلال سے روشانہ کے اس قدر تلخ اور ناروا رویے نے پلوشہ کو نہ صرف چونکایا تھا بلکہ فکر
بھی کر دیا تھا۔ اس نے دیکھا وہ جب تک گھر پر رہا وہ اپنے کمرے میں مقید رہی۔ اس کے
گھر سے باہر جاتے ہی کمرے سے نکلی تھی اور ٹرے میں اپنا ناشتہ رکھ کر دوبارہ کمرے میں ہو
لی۔ یہ احتیاط اس لئے تھی کہ دادی کی نگاہ میں نہ آ جائے۔ وہ ان دنوں طلال سے ہی نہیں،
دادی سے بھی حتیٰ الامکان بچتی نظر آ رہی تھی۔

پلوشہ اس کے کمرے میں آئی تو وہ کمپیوٹر پر مصروف نظر آئی، مگر خاصی دیر دروازے پر
کھڑے رہ کر اسے مسلسل جانچنے پر پلوشہ نے محسوس کیا وہ کوئی کام نہیں کر رہی ہے، بس خالی
الذہن ماؤس کو اِدھر اُدھر گردش دے رہی ہے۔

"میرا خیال ہے اب اسے شٹ ڈاؤن کر دیجئے اور اس چیئر سے اٹھ جائیے۔" پلوشہ نے
کمپیوٹر ٹیبل کے نزدیک آ کر نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ اپنے کسی خیال سے
چونک کر نکلی پھر پلکیں جھپک کر نگاہیں مانیٹر پر جما دیں۔

"میں اپنا کام کر رہی ہوں۔"

"وہ تو مجھے بھی دکھائی دے رہا ہے کہ آپ کیا کام کر رہی ہیں؟" وہ ہنسی۔

"کیا مطلب؟" اس نے انجان بننے کی کوشش کی مگر پلوشہ کی نگاہوں میں اس کے لئے
خفگی، افسوس، ترحم سب کچھ ہی تھا۔ وہ نظریں جھکا گئی۔

"دراصل کئی دنوں کے بعد آ کر بیٹھی ہوں نا تو سمجھ نہیں آ رہا ہے کہ کہاں سے کام شروع
کروں۔"

"جب دل اداس ہو، ذہن کہیں کا کہیں بھٹک رہا ہو تو کبھی سمجھ میں نہیں آئے گا کہ کام
کہاں سے شروع کیا جائے؟ اور جب ایسا ہو تو عقل مندی یہ ہے کہ خاموشی سے کمپیوٹر کے
گا۔" مجتبیٰ یہ کہتا اسائے۔"
کے احساس سے دوچار کچھ کہنا چاہا مگر پھر لب بھینچ گئی۔
ایک ہی دن میں حمز کر بیٹھو۔" وہ اسے زبردستی بازو سے پکڑ کر کرسی سے کھڑا کرنے

لی۔ وہ بادل ناخواستہ اٹھ گئی اور صوفے پر جا کر بیٹھ گئی۔

"ہاں، اب بتائیے کہ کیا بات ہے، کیا مسئلہ ہے؟" پلوشہ کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کر کے اس
کے نزدیک قالین پر کشن گود میں دبا کر بیٹھ گئی اور اسے جانچتی نظروں سے دیکھنے لگی۔

"مسئلہ؟ کیا مطلب؟ کیسا مسئلہ؟" اس کا رنگ لحظہ بھر کو پھیکا پڑا تھا۔

"طلال بھائی سے آپ کی کوئی ناراضگی چل رہی ہے؟" اس نے بلا تمہید پوچھ ڈالا۔
روشانہ اس کی پُراعتماد نگاہوں سے نظریں نہ چرا سکی۔

"یہ وہی طلال بھائی ہیں جن کے ذکر سے تمہارا چہرہ چاند کی طرح چمکنے لگتا تھا اور آنکھیں
تاروں کی مانند دمکنے لگتی تھیں۔ اور اب میں دیکھ رہی ہوں کہ ان کے آنے سے نہ صرف تم
مضطرب ہو گئی ہو بلکہ تلخ بھی۔ پلیز آپی، میں بہن ہی نہیں فرینڈ بھی تو ہوں نا تمہاری۔" پلوشہ
نے اس کے گھٹنے پر تسلی آمیز دباؤ ڈالا۔

وہ پہلے ہی بھری ہوئی تھی۔ شدت سے کسی غمگسار کی طلب ہو رہی تھی۔ پلوشہ نے گویا اس
آتش فشاں کا منہ ہی کھول دیا تھا۔ پہلے آنکھوں سے لاوا بہنے لگا پھر کہیں جا کر اس کی روانی
میں سستی آئی تو وہ اسے ساری کتھا سنانے لگی۔

پلوشہ کے لئے یہ انکشاف کسی حیرت اور صدمے سے کم نہ تھا۔ ایسے حالات کا تو اس کو
گمان بھی نہ تھا۔ اس کے ذہن کے کسی بھی گوشے میں یہ بات، یہ خیال نہیں آ سکتا تھا۔

بہت دیر بعد وہ سنبھلی اور اٹھ کر اس کے نزدیک بیٹھ کر اس کا سر اپنے شانے سے لگا لیا۔

"بالکل احمق ہیں آپ۔ اتنے دنوں سے تنہا یہ دُکھ سہتی آ رہی ہیں مجھے تو بتایا ہوتا۔ دادو
اور پاپا کی ناراضگی الگ مول لے رہی تھیں۔ مجھے کیا خبر تھی کہ طلال بھائی ہی سراسر قصور وار
تھا۔" پلوشہ کی آنکھیں اس کے غم میں آبدیدہ ہو گئیں۔ وہ اس کا سر سہلانے لگی۔

"مرد کب قصور وار ہوتے ہیں۔ سارے قصور، ساری غلطیاں تو عورت کی جھولی میں گرتی
ہیں۔ مرد چاہے انا پرست ہو، خود پسند ہو، مفاد پرست ہو، اس کا دامن تو یونہی پاک صاف
رہتا ہے۔" وہ کرب سے بولی۔ "یہ ساری عادتیں عورت میں ہوں تو خامی بن جاتی ہیں اور
مرد میں ہوں تو خوبیاں کہلانے لگتی ہیں۔" وہ ساتھ ہی ساتھ غصہ بھی نکالتی رہی۔

پلوشہ سے یہ سب کہہ کر دل پر پڑا بوجھ سرک سا گیا تھا۔ اندر ہی اندر سلگتے آنسوؤں سے
جلنے والے زخموں پر مرہم سا لگا تھا۔

"فکر مت کرو آپی! اب یہ سارے رنج و غم طلال بھائی کی جھولی میں گریں گے۔ وہی
ہوں گے۔ سارے قصور انہی کے کھاتے میں جائیں گے۔ ایسا سبق دیں گے کہ

موصوف عمر بھر یاد رکھیں گے۔'' پلوشہ اسے پچکارتے ہوئے بولی۔

''کیا مطلب؟ کیا کرو گی تم؟'' اس نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا، پھر پریشانی سے بولی۔ ''نہیں وشی، تم یہ بات پاپا یا دادو کسی سے بھی نہیں کرو گی۔ بس اسے اسی طرح دبا رہنے دو۔''

''کمال ہے، کہاں اتنا غصہ اور نفرت ہے ان سے اور کہاں ان کے لئے دل دُکھا جا رہا ہے۔'' پلوشہ کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔

''یہ دل کی بات نہیں ہے وشی۔ میں نہیں چاہتی کہ بات کھل جائے۔ اور چھوڑو، تم نہیں سمجھو گی۔'' وہ ایک گہری سانس کھینچ کر مضطربانہ انداز میں کمرے میں چکر کاٹنے لگی۔

پلوشہ کچھ دیر تو اسے بے قرار روح کی مانند چکر کاٹتے دیکھتی رہی، پھر برداشت جواب دے گئی تو اٹھ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے بولی۔ ''پاپا اور دادو سے نہ سہی مگر کسی اور سے تو یہ مسئلہ ڈسکس کرنا ہی پڑے گا ناں۔ اچھا طلال بھائی سے تو بات کر سکتی ہوں ناں؟'' وہ اس کی اندیشوں سے اٹھنے والی نگاہ پر جلدی سے بولی۔

''اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔'' وہ آزردگی سے ہنس دی۔

''تو اب تک جو خاموشی سے آپ سہتی آ رہی ہیں اس کا بھلا کتنا فائدہ اٹھا لیا آپ نے؟ قسم سے روشی آپی، تم اتنی احمق، نادان ہو گی مجھے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا۔ بنتی تو آپ تیس مار خان ہیں۔ ساری عقلمندی بس ایک جھٹکے میں ہی نکل گئی۔''

وہ پلوشہ کو گھورتی رہ گئی۔

''چلو، کچھ کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کوئی حل تو ہونا چاہئے۔'' پلوشہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے بھی اپنے ساتھ لئے کمرے سے باہر آ گئی۔

''کیا جس طرح گزر رہی ہے، ٹھیک نہیں ہے؟'' اس نے دبا دبا احتجاج کرنا چاہا مگر پلوشہ کی اٹھنے والی فہمائشی نگاہوں پر پلکیں جھکا گئی۔

''کچھ عقل سے کام لو۔ تم اور طلال بھائی تو شاید فرار کا راستہ اپنائے ہوئے ہو۔ سو گزار دیں گے اسی طرح۔ مگر باقی سب لوگ اندھے، بہرے، گونگے بنے آپ دونوں کا یہ ڈرامہ دیکھتے رہیں گے۔ بات ایک نہ ایک دن کھل کر رہے گی۔ اس سے پہلے اسے احسن طریقے سے سلجھانا ضروری ہے۔ تسلی رکھئے، میں ابھی فوری کوئی قدم نہیں اٹھا رہی ہوں کہ آپ کا دل ہولا جا رہا ہے۔'' اسے اس کی حالت پر رحم آ گیا تھا وہ اسے نرمی سے تھپک کر بولی اور کچن میں آ کر اس کے لئے چائے بنانے لگی۔

☆☆☆

ے تسلی دینے کے باوجود خود پلوشہ کی تسلی کسی طور نہ ہو رہی تھی۔ اس انکشاف کے ے نے اس کا دماغ یکسر ماؤف کر کے رکھ دیا تھا۔ اس نے سوچا، بڑوں سے اس سلسلے ات کرنا گویا اچھا خاصا بھونچال لانا تھا اور عتاب یقیناً روشانہ اور طلال دونوں پر اترتا یوں معاملہ غصہ اور جذبات کی نذر ہو کر مزید خراب ہو جاتا۔

س نے سوچا وہ یہ مسئلہ کسی ایسے شخص سے ڈسکس کرے جو طلال کو سمجھا سکے۔ مصطفیٰ یا لالہ رخ سے ان حالات میں جبکہ آغا جان ہاسپٹل میں تھے، بات کرنا یا یہ مسئلہ چھیڑنا مناسب معلوم ہو رہا تھا۔ جاذب بھائی سے وہ اتنی خود بے تکلف نہ تھی جبکہ گھر کی ں سے کہنا بے کار ہی تھا، سوائے پریشان اور حواس باختہ ہونے کے ان کے پاس اس کا کوئی حل نہیں ہو سکتا تھا۔ اب لے دے کر ایک خرم ہی رہ جاتا تھا جو اس کے خیال ہترین معاون ثابت ہو سکتا تھا۔ مگر خرم سے بات کرنے کے لئے اسے خود اپنے آپ کو ے پہلے تیار کرنا تھا۔ جب سے سعدیہ بھابی کی پاپا سے بات ہوئی تھی اور ایک طرح یہ رشتہ طے پا چکا تھا، اس دن سے خرم تو گویا سارے ہی تکلفات مٹانے کے درپے نظر تا۔ اس کی نگاہوں اور جملوں کو سہنا کم از کم پلوشہ کو تو بڑا ہی دوبھر لگتا تھا۔ مگر چونکہ اس دھیرے میں ایک وہی روشنی کی کرن نظر آتا تھا، تو اس سے بات کرنے کی ٹھان لی۔

☆☆☆

لال، مصطفیٰ خان کو ہاسپٹل سے ہوٹل میں لے آیا جہاں اس نے کمرہ بک کرا کے رکھا ن کی حالت ایسی دل گرفتہ ہو رہی تھی کہ ایک پل کے لئے تو طلال کو لگا کہ وہ اس سے ر بچوں کی طرح رو دے گا۔ خود اسے بھی کچھ یوں ہی لگ رہا تھا۔ مسلسل دو گھنٹے سے کا دہشت محسوس کر رہا تھا جو اسے کسی پل چین نہیں لینے دے رہی تھی۔ اسلام آباد ایئر تک پہنچتے پہنچتے وہ حد سے زیادہ نڈھال ہو چکا تھا۔ پینجر لاؤنج میں بیٹھ کر اسے شدت کا ہمدرد، غمگسار کے کندھے کی طلب ہوئی تھی۔ طلال کو دیکھ کر اسے ایسی ڈھارس ملی گویا یاسے کو صحرا میں گھومتے گھومتے چک پھیریاں کھاتے چشمہ دکھائی دے جائے۔

تم دیکھ رہے ہو نا طلال! آغا جان ایک فیصد بھی پُرامید نہیں ہیں۔ تم نے سنی ہیں نا اتیں؟''

و جاتا ہے ایسا۔ مسلسل بیماری مریض کو چڑچڑا اور یاسیت کا شکار کر دیتی ہے۔ ہمیں کی باتوں پر توجہ دینے کی ضرورت نہیں ہے، ہم سب پُرامید ہیں اور خود ڈاکٹر

سے میری تفصیلی بات چیت ہوئی ہے۔ وہ بے حد مطمئن ہیں، تم مطمئن رہو۔" وہ اس کا کندھا تھپک کر بولا اور انٹرکام پر جوس کا آرڈر دیا، پھر کرسی کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

"چلو چھوڑو۔ یہ بتاؤ گھر میں باقی سب خیریت ہے، مورے اور لالی ٹھیک ہیں؟ حمزہ تو تم سے بڑا اٹیچ ہو گیا ہے۔ یہ بڑی خوش آئند بات ہے میرے لئے۔" وہ کرسی اٹھا کر اس کے مقابل رکھ کر بیٹھ گیا۔

"ہاں، سب خیریت ہے۔" اس نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچ کر صوفے کی پشت سے ٹیک لگا لی۔ پھر یاد آنے پر سر کو خفیف سی جنبش دے کر سیدھا ہوتے ہوئے بولا۔ "تمہاری طرف سے البتہ کچھ خیر خیریت مشکوک ہے۔ یہ کیا مسئلہ کھڑا کیا ہوا ہے تم نے آج کل؟"

"کیسا مسئلہ؟" وہ قطعی انجان بننے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ مصطفیٰ خان آزردگی سے ہنس دیا۔

"مجھے تو ایک خوش فہمی نے باندھ رکھا تھا اب تک۔ مگر وہ بھی اس روز دور ہو گئی جب لالہ رخ نے بتایا کہ تم نے روشانہ سے نکاح صرف اس وجہ سے کیا ہے کہ لالہ رخ پر اس شادی کے لئے دباؤ ڈال سکو۔"

طلال کو اپنا دل رکتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ چاہنے کے باوجود مصطفیٰ خان کے سرمئی نگینوں سے نگاہیں نہ چرا سکا۔ کچھ دیر تک وہ کسی بھی ردعمل کے قابل نہ رہا، بس چپ چاپ اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر ایک گہری سانس کھینچ کر بیڈ کے کنارے سے اٹھتے ہوئے بولا۔

"یہ ساری باتیں تم سے لالی نے کی ہیں؟ خدایا کس قدر احمق عورت ہے وہ۔"

"تمہارے خیال میں مجھے بتا کر اس نے بے وقوفی کی ہے؟" مصطفیٰ خان نے اسے متاسفانہ نظروں سے دیکھا، ایک عجیب سا درد اس کی آنکھوں کی سطح پر پھیل گیا۔

طلال نے مضطربانہ انداز میں نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا پھر رخ بدل کر کھڑکی سے پردے ہٹانے لگا۔

"اس سے کوئی حماقت سرزد نہیں ہوئی۔ اس نے مجھ سے کوئی منافقت نہیں کی۔ وہ اپنے کردار کی طرح شفاف زندگی ہی گزارنا چاہتی ہے اور مجھے اس نے قطعی کسی خوش فہمی میں نہیں رکھا، یہ اس کی بڑائی ہے۔" مصطفیٰ خان کی آواز ابھری۔ وہ ہلکے سے ہنسا تھا۔ عجیب تو استہزائیہ ہنسی تھی جو فضا میں پھیلے تکدر کو بڑھا گئی۔

طلال نے اس کی طرف رخ کیا۔ وہ سر جھکائے فرش کو گھور رہا تھا۔ پھر سر کو خفیف جنبش دے کر اٹھتے ہوئے بولا۔

"ہاں۔ وہ خوش فہمی جو برسوں سے میرے ساتھ چلی آ رہی تھی، جس نے مجھے بڑے خوشنما خواب دکھائے اور جس کی انگلی تھامے میں نے کتنے موسموں کو گزار دیا، جو دل کے چراغ کو بجھنے نہیں دیتی، حوصلوں کو بکھرنے نہیں دیتی، مدھم سی روشنی کا احساس مرنے نہیں دیتی۔"

اس کا ہاتھ طلال کے کندھے پر ٹھہر گیا۔ وہ کھل کر مسکرانے کی کوشش کرنے لگا مگر اپنی اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا۔ طلال کے اعصاب پر جیسے کوئی ٹوٹا ہوا کانچ سا گرا تھا۔ وہ اندر ہی اندر تڑپ کر رہ گیا۔

وہ تو سمجھ رہا تھا آغا جان کی بیماری نے اسے اس قدر کمزور، مضمحل اور یاسیت زدہ کر دیا ہے۔ کیا خبر تھی کہ وہ اپنی جنگ میں پسپا ہوتے ہوئے اس قدر بکھر گیا ہے اور اس کی بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اسے کیسے اور کس طرح سمیٹے۔

"آئی ایم سوری۔" طلال نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ مصطفیٰ خان فقط اسے دیکھ کر رہ گیا۔ "غلطی میری تھی، اس سارے معاملے میں سراسر قصور وار میں ہوں۔ مجھے تم سے ساری بات کلیئر کر دینی چاہئے تھی، ہر بات واضح کرنی چاہئے تھی۔ یہ سچ ہے میں نے ہی اسے پریشرائز کیا تھا۔ مگر یہ بھی سچ ہے طیلی کہ اس میں میرا مقصد صرف اور صرف تم دونوں کی بھلائی اور خیر خواہی تھی۔" وہ اضطراری انداز میں بولا۔

اداسی کی کوئی لہر مصطفیٰ خان کے پہلو سے اٹھی تھی اور اس کے چہرے پر بکھر گئی۔ اس کی سرمئی آنکھوں کے بادل کچھ اور گہرے دکھائی دینے لگے۔

"میری چھوڑو، یہ بتاؤ کہ روشانہ کے لئے تم کتنے مخلص، خیر خواہ ہو؟ کیا اسے تم نے محض شکار بنایا تھا؟"

"طیلی، تم..... کیا تمہیں بھی مجھے وضاحتیں دینا پڑیں گی؟" وہ یوں تڑپا تھا گویا مصطفیٰ خان نے اس کے گلے پر چھری کی نوک رکھ دی ہو۔ اس کے چہرے پر خون بکھر گیا۔ "میں وضاحتوں، صراحتوں سے تنگ آ گیا ہوں۔ کتنا المیہ ہے کہ برسوں کی رفاقت اور محبت کے رشتے دار بننے کے باوجود ہم ایک دوسرے سے وضاحتیں مانگتے پھرتے ہیں۔ یقین مانگتے ہیں۔" اس نے بپھرے ہوئے انداز میں تپائی پر لات ماری اور بیڈ کے کنارے بیٹھ کر اذیت کے عالم میں سر تھام لیا۔ "اتنا دکھ مجھے صرف روشانہ کے رویئے اور اس کی نگاہوں سے جھلکتی بے اعتباری پر نہیں ہوا جتنا مجھے لالہ رخ کی بد اعتقادی پر آیا۔ اور تم..... تم طیلی، تم بھی مجھ سے اس طرح پوچھ رہے ہو، ایسے بایقین لہجے میں جیسے میں تمہیں وضاحتیں دے کر قائل کروں گا۔" وہ شدید ترین ملال سے ہنس دیا۔ مصطفیٰ ندامت محسوس کر کے رہ گیا۔

"آئی ایم سوری۔ میرا مقصد تمہاری دل آزاری نہیں تھا۔ میں تو صرف تحقیق کر رہا تھا، وضاحت نہیں مانگ رہا تھا۔" وہ جلدی سے بولا اور اس کا کندھا تھپکتے ہوئے بولا۔ "اچھا چلو چھوڑو، ہم بھی کن باتوں میں الجھ گئے ہیں۔ عورتیں دراصل ناقص العقل یوں ہی نہیں کہلائی جاتیں، معمولی باتوں کو بھی جی کا روگ بنا لیتی ہیں۔ لالی دراصل روشانہ کے لئے بے حد پریشان تھی، سو مجھ سے ذکر کر بیٹھی۔ اس کا مقصد مجھے بتانے کا بھی یہی تھا کہ میں اس مسئلے کو سلجھانے کی کوشش کروں، یعنی تمہارے دل میں روشانہ کے لئے کیا جذبے ہیں، اس سے اسے آگاہ کروں۔"

"اسے میرے جذبوں کی آگہی کی فکر ہے۔ اور خود تمہارے دل میں اس کے لئے کیا ہے، کیسے جذبے ہیں، اس کی اسے چنداں فکر نہیں ہے۔" طلال زہر خندی سے ہنس دیا۔

مصطفیٰ خان ایک گہری سانس بھر کر پلٹ کر واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

"تم نے اس سے کہا نہیں کہ پہلے اپنا مسئلہ سلجھاؤ، طلال کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے؟" وہ چٹخے لہجے میں بولا۔

"اچھا، اب کہہ دوں گا۔" وہ جواباً اطمینان سے بولا۔

"طفی...... طفی، تمہاری یہی نرمی یہ رنگ دکھا رہی ہے اور مسائل کو اور بڑھا رہی ہے۔" وہ کھول کر رہ گیا۔

"جبکہ میرا خیال ہے تمہارے دماغ کی گرمی ہی تمہارا کیس خراب کر رہی ہے۔" وہ دو بدو بولا اور بیسن کے اوپر سے آئینے میں اس کا چہرہ دیکھ کر بے ساختہ ہنس دیا۔

ویٹر کے آجانے پر وہ چپ ہو کر محض اسے گھورنے پر اکتفا کر گیا تھا۔ ویٹر جوس کے گلاس درمیانی ٹیبل پر رکھ کر مودب ہو کر پوچھنے لگا۔

"سر! آپ لنچ کمرے میں کریں گے یا نیچے ہال میں؟"

"نہیں، ہم نیچے ہی آ رہے ہیں۔" مصطفیٰ خان نے منہ دھوتے ہوئے اسے جواب دیا تو وہ سر کو اثباتی جنبش دے کر پلٹ گیا۔

"طلال!" ویٹر کے جاتے ہی وہ اس کی طرف آیا۔ "میرا خیال ہے تم جوس پیو۔ اس وقت یہ ٹھنڈا مشروب تمہارے دماغ کی گرمی کے لئے یقیناً مفرح ثابت ہوگا۔" وہ تولیہ اسٹینڈ سے کھینچ کر منہ رگڑتے ہوئے اسے ٹوک گیا۔ پھر تولیہ ایک طرف ڈال کر واش روم سے باہر آیا۔

"سچ ہی کہتے ہیں کہنے والے کہ آدھے مسئلے انسان کے خود ساختہ ہوتے ہیں، اس کے

خیالوں اور سوچ سے جنم لیتے ہیں اور باقی آدھے انہی مسائل سے جنم لیتے ہیں۔" اس نے درمیانی ٹیبل سے جوس کا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگا لیا اور ایک بڑا سا گھونٹ بھر کر بولا۔

"ایک کام کرو میری ایک بار روشانہ سے بات کرا دو۔ چٹکی میں مسئلہ حل ہو جائے گا۔ بلکہ اس کا کنٹیکٹ نمبر دے دو مجھے، میں ابھی بات کر لیتا ہوں اس سے۔"

"میں نیچے جا رہا ہوں۔ اور تم بھی فارغ ہو تو آ جانا۔" وہ بھنویں اچکا کر اسے گھورا اور پھر غصے میں دروازہ دھاڑ سے کھول کر باہر نکل گیا۔

مصطفیٰ خان بند دروازے کو دیکھتا رہ گیا۔

***

صرف چہرے ہی نہیں، رویئے بھی انسانی کیفیت کے غماز ہوتے ہیں اور لالہ رخ بستر پر لیٹی سوچ رہی تھی، حمزہ کے اس خوف کے پیچھے سیف الرحمٰن کی ذات کا خوف تھا۔ وہ عمر کے اس حصے میں تھا جہاں بیزاری، غصے اور اجنبیت کے اصولوں کے اظہار کا طریقہ نہیں ہوتا۔ مگر بہرحال محسوس ضرور کرتا ہے اور وہ بھی ایسا ہی محسوس کر کے ایک نادیدہ خوف کی گرفت میں آ گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں گزری شام کا واقعہ کسی فلم کی طرح پھرنے لگا۔

"تم بھلا کس طرح شکوہ کرنے کا حق رکھتے ہو سیف الرحمٰن! جبکہ تم باپ ہو کر بھی باپ کا پیار نہ دکھا سکے، چھاؤں ہونے کے باوجود چھاؤں کا احساس نہ دے سکے۔ تم تو مرد تھے، ہمارے پتے ہی تو تمہارے ہاتھ میں تھے۔ میں اور حمزہ کب تمہاری دسترس سے دور تھے۔ ہم تمہاری ذرا سی چھاؤں اور سائبانی کے احساس سے بہل جانے والی کمزور روحیں تھیں۔ مگر تم نے کس بے دردی اور تنفر سے سائبانی کا احساس تک چھین لیا۔ شرعی باپ کا حوالہ دیتے ہو... الہی شریعتیں تو تم جیسے مردوں کو ازبر ہیں۔ اس وقت تم دین میں اپنے لئے گنجائش نکالنے کی تدبیریں کرنے لگتے ہو۔ مگر جو خلاف شرع باتیں ہیں، ان کاموں کو کر گزرتے ہوئے تمہارا مذہب، دین، شریعت تمہارے حافظوں سے نکل جاتا ہے۔

دین کھیل نہیں ہے سیف الرحمٰن! نہ ہی کوئی انسانی تخلیقی کہانی ہے کہ تم رد و بدل کر لو۔ جہاں سے دل چاہے پڑھنا شروع کر دو، جہاں دل چاہے پرچے آگے بڑھا دو یا صرف عنوان پر نظر ڈال لو۔"

اس نے پلکوں کے گوشوں سے بہنے والے آنسوؤں کی ٹھنڈک محسوس کر کے آنکھیں تھوڑی دیر کے لئے بند کر لیں۔

حمزہ سو چکا تھا اور مجتبیٰ کے کمرے میں ہی تھا۔ اس نے مصطفیٰ سے فون پر اس کی بات

کرائی تھی تب کہیں جا کر وہ سویا تھا۔ مورے اس پر کتنی دیر تک قرآنی آیات کا دم کرتی رہی تھیں۔ صدقے دیئے تھے۔ دوسرے دن وہ کسی حد تک بہل چکا تھا۔ اسے اسکول مجتبیٰ خود ہی چھوڑنے گیا تھا اور اس کی ٹیچر سے اس کا خیال رکھنے کی تاکید کر آیا تھا۔

وہ اس حویلی کے مکینوں کی محبتوں میں خود کو عجیب احساس میں جکڑا ہوا محسوس کرنے لگی تھی۔ ہر گزرتے لمحے ان سب کی عنایتوں کا بار اس پر بڑھتا ہی جا رہا تھا اور اس بوجھ تلے اس کی روح مطمئن ہونے کی بجائے بے کل ہوئی جا رہی تھی۔ اسے اپنا وجود بہت پست دکھائی دینے لگا تھا۔

”ابھی تک کیا دیا تھا اس نے اس گھر کو اور ان مکینوں کو؟ مورے کے بیٹے کی خوشیاں اس کی مٹھی میں تھیں اور اب تک وہ یہ مٹھی کھول ہی نہ پائی تھی۔ مگر ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کی مٹھی کی گرفت ڈھیلی پڑتی جا رہی ہے۔ دانستہ اور نادانستہ وہ مصطفیٰ خان کو سوچنے اور محسوس کرنے لگی ہے۔

اور آج تو شدت سے اس شخص کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی ٹھنڈی، نرم چھاؤں کا احساس رلا رہا تھا۔ دھوپ کی سی چبھن محسوس ہو رہی تھی۔

آج مورے، مجتبیٰ کے ساتھ اسلام آباد جا رہی تھیں۔ آغا جان کا آپریشن ہونے والا تھا۔ خود اس کا دل چاہ رہا تھا، وہ بھی ان کے ہمراہ چلی جائے۔ ایک وحشت اسے اپنی روح میں اترتی محسوس ہو رہی تھی۔ مگر حمزہ کے اسکول کی وجہ سے اور دوسرے حویلی یوں خالی ملازموں کے حوالے چھوڑنا بھی کچھ مناسب نہ تھا۔ اسے اپنی ذمہ داریوں کا احساس تھا۔

مورے کو رخصت کرنے کے بعد وہ بجھے بجھے دل کے ساتھ کمرے میں آئی تو فون کی بجنے والی بیل سے اس کا دل سوکھے پتے کی طرح لرزا تھا۔ اس نے فون سیٹ کو یوں دیکھا جیسے وہ کوئی سنسناتا، سرسراتا ناگ ہو، قریب جاتے ہی اسے ڈس لے گا۔ گھنٹی مسلسل ہو رہی تھی۔ اس نے لرزتے ہاتھ سے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف ثانیہ تھی جو مسلسل ہیلو ہیلو کر رہی تھی۔ اس نے اپنی اٹکی ہوئی سانس سینے کی تہہ سے کھینچ کر خود کو نزدیکی کرسی پر گرا لیا۔

”تم دونوں بہن بھائی آخر میرا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟ کیوں میری زندگی کو عذاب بنانے پر تل گئے ہو؟ میں نے کیا گناہ کر ڈالا ہے؟ ثانیہ، تم...... تم نے مجھ سے ہر بار دشمنی کرنے کی ٹھان لی ہے۔“ اس کا لہجہ ٹوٹے بکھرے کانچ کی طرح چٹخا ہوا تھا۔

”یقین کرو لالہ رخ! سیفی بھائی کو میں نے بہت روکا کہ وہ مردان نہ جائیں اور تم سے رابطہ نہ کریں۔ مگر......“

”جھوٹ بولتی ہو تم۔ اسے یہاں کا کنٹیکٹ نمبر تم نے ہی حنا سے لے کر دیا ہے۔“ وہ بھڑ

”ہاں، مگر مجھے قطعی اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ وہ مردان آ کر تم سے رابطہ کریں گے۔ منت کر کے انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ملتان سے ہی تم سے بات کریں گے۔“

”میرا اس شخص سے کیا رشتہ ہے ثانیہ کہ میں اس سے ٹیلی فون پر بات کروں گی؟ تم نے یہ سمجھ لیا کہ ملتان میں بیٹھ کر وہ مجھ سے گپیں لڑائے گا اور میں بھی خوشی خوشی اس سے ں لڑاتی رہوں گی۔“

”شاید میں نے یہ سب سوچا ہی نہیں۔“ وہ ندامت سے بولی۔

”تم ہمیشہ بہت دیر کے بعد سوچتی اور نادم ہوتی ہو۔“ وہ چبھتے انداز میں ہنس دی۔

”مگر اس بار میں تمہارا گھر برباد نہیں کروں گی۔ تم بے فکر رہو۔“ وہ دل گرفتگی سے بولی۔

”تم کیا، اب میں بھی ایسا نہیں ہونے دوں گی...... اب مجھے احساس ہونے لگا ہے گھر نے اور بگاڑنے میں انسان کے اپنے فعل و عمل کا بھی بڑا دخل ہوتا ہے۔ تقدیر کبھی کبھار ہمارے ہاتھوں میں دے دیتی ہے اور انسان کبھی نادانی، کم عقلی سے غلط فیصلے کر ڈالتا اور اپنی زندگی برباد کر دیتا ہے۔ اور کبھی دانائی، تدبر سے درست فیصلہ کر کے اپنی زندگی ار بنا لیتا ہے۔ میں شاید ہر بار نادانی اور کم عقلی سے سوچتی رہی اور اپنی بربادی کو تقدیر کا جھتی رہی۔ حالانکہ خدا کی طرف سے ہمیشہ خیر اترتی ہے۔ یہ تو ہمارے اعمال اور افعال ر میں بدل ڈالتے ہیں۔“

”کیا سیفی بھائی سے تمہاری ملاقات ہو چکی ہے؟“ ثانیہ آہستگی سے ایک مجرمانہ سے لہجے پوچھنے لگی۔

”ہاں۔“

”اوہ......“ ثانیہ ندامت سے کچھ دیر چپ رہ گئی، پھر بولی۔ ”میں مانتی ہوں مجھ سے ایک ہو گئی کہ میں نے تمہارا ذکر گھر میں چھیڑ دیا تھا۔ سیفی بھائی تو پہلے ہی تمہیں یاد کرتے تے، تمہارا ذکر سجھو بجھی چنگاری کو ہوا دے گیا۔ ادھر امی نے بھی حمزہ کا مطالبہ شروع کر وہ ہمارا خون ہے اور اس پر ہمارا حق ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کی باتیں ان کے ت کو اور ہوا دینے لگیں۔“

”حمزہ پر وہ کوئی حق نہیں رکھتا، یہ بات اسے بھی سمجھ لینا چاہئے اور تمہاری ماں کو بھی۔“ خ اس کی بات کاٹ کر درشت لہجے میں بولی۔ مگر وہیں کہیں دل خوف کی ایک اندھی

کھائی میں اترا تھا۔ ''کیا حق ادا کیا ہے اس نے اب تک حمزہ کا؟''

''لالی! میں تمہاری ہی خیر خواہ ہوں، تم یقین کرو یا نہ کرو مگر میرا آج تمہیں فون کرنے کا مقصد یہی تھا کہ تمہیں پہلے سے خبردار کر دوں کہ سیفی بھائی ہر صورت میں تم پر دباؤ ڈالیں گے، آخری حربہ حمزہ کا استعمال کریں گے۔ ہو سکتا ہے وہ حمزہ کو کڈنیپ کرنے کی بھی کوشش کریں۔''

تانیہ کی بات نے لالہ رخ کو لرزا کے رکھ دیا۔

''کیا وہ میرے بیٹے کو مجھ سے چھیننے آیا ہے؟'' وہ خوف سے چلائی۔

''ہو سکتا ہے۔ دراصل ان دنوں ان پر عجیب سی وحشت سوار ہے۔ ادھر صبوحی بھابی الگ ان کے اور اماں کے رویوں کے درمیان پس رہی ہے۔ اور ظاہر ہے اس کا اثر تو میری زندگی پر ہی پڑے گا۔'' تانیہ کے لبوں سے ایک سرد سانس آہ کی طرح نکل گئی۔

لالہ رخ ایک دم چونک پڑی۔ تانیہ کی ہمدردی اور خیر خواہی کے پیچھے دراصل اس کا اپنا مفاد، اپنی غرض پوشیدہ تھی۔

اس نے تاسف سے ایک سانس کھینچی اور ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔ سیف الرحمٰن کے ناپاک ارادے جان کر اس کا دل پریشان ہو گیا تھا۔ خوف کی آہٹیں اسے اپنے بے حد قریب محسوس ہو رہی تھیں۔

گھر پر ان دنوں کوئی تھا بھی نہیں۔ ایک مورے کا آسرا بھی بہت ہوتا تھا۔ مگر وہ بھی اسلام آباد جا چکی تھیں۔ وہ خوف سے بھری باہر دوڑی۔

''جنت...... جنت بی بی۔''

جنت بی بی اس کی آواز سن کر دوڑی آئیں۔

''جنت بی بی! حمزہ کدھر ہے؟ اسے پورٹیکو یا لان میں مت جانے دیجئے گا۔ اسے میرے کمرے میں لے آئیے۔''

''جی بہتر، ابھی دیکھتی ہوں۔'' جنت بی بی اپنی چادر کے کنارے سے گیلے ہاتھ پونچھتی چلی گئیں پھر لوٹ کر آ کر بتانے لگیں کہ وہ مجتبیٰ کے کمرے میں اس کے ٹی وی پر کارٹون فلم دیکھ رہا ہے۔ ''آپ کہیں تو میں اسے لے آؤں؟''

''نہیں ٹھیک ہے، مگر خیال رکھئے گا وہ کہیں باہر نہ نکل جائے۔'' وہ اطمینان بھرا سانس کھینچتے ہوئے بولی۔

''کیا بات ہے؟ آپ کچھ پریشان دکھائی دے رہی ہیں؟'' جنت بی بی اس کے چہرے پر پھیلی پریشانی محسوس کرتے ہوئے بولیں۔

''ہاں...... آں، نہیں۔ بس حمزہ کی فکر ہے، اس کے پاپا بھی تو یہاں نہیں ہیں ناں۔'' وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتی صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

''ہاں، ان چند دنوں میں تو اس نے خان کو بہت یاد کیا ہے۔ خدا انہیں آغا جان کے ساتھ خیریت سے لائے۔'' جنت بی بی باورچی خانے کی طرف ہو لیں۔

''آمین۔'' اس کے لبوں سے صدقِ دل سے صدا نکلی، پھر عجیب مضطربانہ انداز میں اس نے آنکھیں بند کر لیں اور صوفے کے ہتھے پر سر رکھ لیا۔ تانیہ کی باتوں نے اسے اندر سے ہلا کر رکھ دیا تھا۔

☆☆☆

مصطفیٰ خان کا فجر کے وقت فون آیا تھا۔ اس نے آغا جان کے کامیاب آپریشن کی خوشخبری اسے سنائی تو وہ یکدم رو پڑی۔ اس کے آنسو آنکھوں سے کسی چشمے کی طرح پھوٹ نکلے۔

''لالی! آر یو اوکے؟'' وہ پریشان لہجے میں پوچھنے لگا۔

اس کا دل چیخ چیخ کر صدا لگانے لگا۔ 'آئی ایم ناٹ اوکے، تم جلدی سے لوٹ آؤ طفی! میں تمہیں بے حد مس کر رہی ہوں، تمہاری چھاؤں جیسا وجود، تمہاری پناہوں کی طلب مجھے شدت سے ہونے لگی ہے، میں بہت اکیلی ہوں، بہت اکیلی۔' مگر وہ بس روتی رہی، کہہ نہ سکی۔

''اچھا یہ بتاؤ، حمزہ سو رہا ہے یا جاگ رہا ہے؟'' وہ پوچھنے لگا۔

''میں اسے اٹھاتی ہوں۔'' وہ آنسو پیتے ہوئے بمشکل آواز کھینچ لائی۔

''نہ، نہ۔ اسے مت اٹھانا، میں پھر کر لوں گا۔''

''اور آغا جان کیسے ہیں؟'' وہ سنبھل کر بولی۔

''بس ابھی پندرہ منٹ پہلے ہی انہیں ہوش آیا ہے، ہوش میں آتے ہی انہوں نے سب سے پہلے حمزہ کو اور تمہیں یاد کیا۔ بھئی ہم تو ثانوی حیثیت کے ہو گئے ہیں۔'' وہ شگفتگی سے بولا۔ اس کا مقصد اسے نارمل کرنا تھا۔

''مورے کب آئیں گی واپس؟'' وہ آہستگی سے بولی۔ حالانکہ وہ پوچھنا چاہ رہی تھی۔ 'تم کب آؤ گے، میرا ہر لمحہ تمہیں یاد کرتے ہوئے گزر رہا ہے۔ لگتا ہے ساری گھڑیاں رک گئی ہیں، وقت کی گردش تھم گئی ہے، کائنات ٹھہر سی گئی ہے۔'

اس کی آنکھوں سے اب بھی آنسو بے آواز بہہ رہے تھے۔

''مورے بھی آ جائیں گی اور میں بھی۔ مگر شاید تمہیں صرف مورے کا انتظار ہے۔'' وہ ایک ٹھنڈی سانس کھینچ کر رہ گیا تھا۔

وہ بے اختیار لب دانتوں میں دبا گئی۔

لوگ سچ ہی کہتے ہیں۔ زندگی میں اس سے زیادہ دشوار کوئی بات نہیں ہے کہ اپنی ذات سے کہا جائے، تم شکست کھا چکی ہو۔ اور وہ اپنی شکست کا اعتراف خود سے بھی کرنے سے خوفزدہ تھی۔ کہاں وہ اتنی جرأت کر پاتی اور اس شخص کے سامنے یہ اعتراف کر ڈالتی جو اتنی دور تھا، برقی تاروں سے اس کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ مگر وہ بھی شاید نہیں جانتا تھا کہ وہ جتنا دور ہے اس سے کہیں زیادہ قریب آ چکا ہے۔

قربتیں، فاصلے بے معنی ہو کر رہ گئے ہیں، قلبی تعلق شاید یوں ہی اپنے راستے بنا لیتا ہے۔ قربت کا بیج، محبت کی مسلسل بارش، اس خوبصورت پودے کو تخلیق کرتی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے تناور درخت بنتا چلا جاتا ہے۔

''ہیلو، ہیلو لالی...... لالہ رخ!'' مصطفیٰ خان نے ماؤتھ پیس پر انگلی بجائی۔

اس نے ایک گہری سانس کھینچ کر تکیے سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا دل چاہا وہ اسے پکارتا رہے، اسی طرح۔ اور وہ سماعتوں کو بھی بصارتوں کا روپ دیئے اس کی گمبھیر آواز، اس کی بے تابانہ پکار کو سماعت سے دل میں اتارتی رہے۔

''نیند آ رہی ہے کیا؟ چلو سو جاؤ۔'' وہ اس کی مسلسل خاموشی سے شاید اس کا وہی گریز خیال کرتے ہوئے مایوس سا ہو گیا۔ ''حمزہ اٹھ جائے گا تو میں پھر فون کر لوں گا۔'' وہ لائن ڈس کنیکٹ کر گیا اور وہ ریسیور کو دیکھتی رہ گئی۔ پتہ نہیں یہ کم ہمتی تھی، بزدلی تھی یا انا پرستی تھی۔ ایک بار پھر وہ یہ فاصلے چاہتے ہوئے بھی نہ سمیٹ پائی تھی۔

اب نیند کہاں آنی تھی۔ فجر کی نماز پڑھ کر وہ لان کی کھلی ٹھنڈی فضا میں نکل آئی۔

ہمارا المیہ یہ ہے
کہ ہم اِک دوسرے کے قرب سے سرشار ہو کر بھی
انا اور خوف کے سائے میں عمریں کاٹ دیتے ہیں
حجابِ بے سبب
یوں زندگی بھر کی پشیمانی میں ڈھلتا ہے
کہ اپنے آپ سے نفرت سی ہو جائے
تلاشِ لمحۂ اظہار میں

کتنے زمانے بیت جاتے ہیں
مگر اقرار کا موسم نہیں آتا
سو جب اقرار کا موسم نہیں آتا
تو پھر امید خوابوں کے دریچوں پر کوئی دستک نہیں دیتی
نہ دشتِ آرزو میں آس کی بارش برستی ہے
بدن کی راکھ میں کوئی شرر باقی نہیں بچتا
فقط
اِک رائیگاں احساس کی صورت گری تشکیل پاتی ہے
یہ احساسِ زیاں
چاہے رگِ جاں میں اتر جائے
کہ آنکھوں میں بکھر جائے
مگر ہم پھر بھی
اپنی بزدلی اور بے یقینی کے سبب اِک دوسرے
سے کہہ نہیں سکتے
''مجھے تم سے محبت ہے''
''مجھے تم سے محبت ہے''

❋☆❋

طلال، ملتان جانے سے پہلے روشانہ کے گھر آیا تھا تا کہ گھر والوں سے مل لے۔ اس کی شام کو فلائٹ تھی۔

"پاپا، امی اور دادی جان تو مصطفیٰ بھائی کے آغا جان کی عیادت کو ہاسپٹل گئے ہیں۔" ہما نے اسے یہ اطلاع دی۔ گھر میں پھیلا سناٹا اسے پہلے ہی چونکا گیا تھا۔

وہ لابی میں ہی رک گیا۔ لابی کے دائیں طرف باورچی خانے کا دروازہ دکھائی دے رہا تھا جہاں روشانہ موجود تھی۔ اسے غیر متوقع گھر میں دیکھ کر شپٹا کر جلدی سے باورچی خانے کے اندر ہو گئی۔

"وہ آپ کو ملے نہیں ہاسپٹل میں؟" ہما نے پوچھا۔

"میں تو ہوٹل سے آ رہا ہوں ابھی۔" اس نے بریف کیس ٹیبل پر رکھ دیا۔

"آپ کے ہوٹل میں رہنے پر پاپا بڑے خفا ہوئے تھے۔ امی بھی کہہ رہی تھیں ہمارا گھر ہوتے ہوئے آپ کو وہاں نہیں رہنا چاہیے۔ بلکہ مصطفیٰ بھائی اور ان کی والدہ کو بھی ہمارے گھر ہی لانا چاہیے تھا۔ آپ تو بالکل غیریت برتتے ہیں طلال بھائی!" ہما بڑی بوڑھیوں کی طرح بولی۔ وہ مسکرا دیا۔

"گڑیا! میں دراصل ان فارمیلٹیز کا قائل نہیں ہوں۔ تم لوگ ناحق اس بات کو اہمیت دے رہے ہو۔" اس نے اس کے سر پر ہلکے سے چپت لگائی۔ "اچھا یہ بتاؤ اس وقت گھر میں تمہارے علاوہ اور کون ہے؟" یہ کہتے ہوئے اس نے کن انکھیوں سے لابی کا جائزہ لیا اور کچن کے دروازے پر نگاہ ڈالی۔ اس کا گہرے سبز دوپٹے کا پلو دکھائی دے رہا تھا۔

"بس میں اور روشی آپا ہیں۔"

"اور پلوشہ کہاں ہے؟"

"ان کے کالج میں آج فنکشن ہے۔ وہ دیر سے آئیں گی۔ آپ بیٹھیں، میں آپ کے لئے چائے لاتی ہوں۔" وہ کسی ذمہ دار خاتون کی طرح اپنا فرض نبھانے لگی۔ طلال کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ رینگ گئی۔

"تم ایسا کرو، ادھر آؤ۔" اس نے جھک کر بریف کیس کھولا۔ "یہ کچھ گفٹس ہیں جو سعدیہ بھابی نے پلوشہ کے لئے بھیجے ہیں۔ میں ہوٹل میں ہی رکھ کر بھول گیا تھا۔ یہ تم پلوشہ کو دے دینا۔" اس نے خوش نما ریپر میں پیک گفٹس ہما کی طرف بڑھا دیئے جنہیں وہ تھام کر بولی۔

"اور چائے؟"

"ہاں، چائے تو میں ضرور پیوں گا۔" اس نے بریف کیس بند کرتے ہوئے ایک گہری سانس کھینچی۔ "تم ایسا کرو یہ چیزیں حفاظت سے رکھ آؤ اور چائے کا انتظام میری زوجہ محترمہ کر لیں گی۔ وہ کس مرض کی دوا ہے آخر؟"

ہما نے اس کی بات پر یکدم مسکراہٹ دبائی تھی اور باورچی خانے کے دروازے کی طرف دیکھا۔ "اچھا میں آپی سے کہہ دیتی ہوں۔" وہ جانے کو پلٹی۔

"بات سنو! تمہاری آپی خدانخواستہ نہ گونگی ہیں، نہ اندھی، بہری۔ انہیں میرے آنے کی اطلاع مل چکی ہے اور میرا خیال ہے انہیں اپنے فرائض اور ذمہ داری کا خود احساس ہونا چاہیے۔" اس نے دانستہ اونچی آواز میں کہا۔ "تم جاؤ۔" اور ہاتھ اٹھا کر اسے جانے کا اشارہ کر دیا۔

ہما شرارتی، شرمیلی مسکراہٹ کو دباتی بھاگ لی۔ جبکہ وہ اپنے کرتے کی آستین فولڈ کرتا ہوا باورچی خانے کی طرف آ گیا۔ وہ وہاں سے نکلنے کو پر تول رہی تھی۔ ادھر وہ پورا دروازے کے درمیان فٹ ہو گیا۔

"میرا خیال ہے گھر آئے مہمانوں کو ایک کپ چائے کا تو بنا کر پلا ہی سکتی ہو تم۔ مہمان دل کا نہ سہی گھر کا تو سہی۔"

"آپ بیٹھیے، میں دیتی ہوں۔" فوری طور پر وہ یہی کہہ سکی اور رخ موڑ کر کیبنٹ کھول کے بے مقصد پلیٹیں اِدھر اُدھر کرنے لگی۔

"کہاں بیٹھوں؟" وہ نہایت اطمینان سے پوچھنے لگا۔ اس کی جائزہ لیتی نظریں روشانہ کے لئے کسی عذاب سے کم نہیں تھیں۔

"سر پر بیٹھیں گے کیا؟" وہ تڑپ ہی گئی۔ عجیب بے تکے سوال پر اسے تاؤ آ گیا۔ خاص طور پر یہ جان کر کہ یہ سوال اس نے محض اسے سلگانے کے لئے کیا تھا۔

"اس سر میں اگر عقل نام کی کوئی چیز ہوتی تو پھر اس پر بیٹھنے میں قطعی عار نہ ہوتا۔" اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔

پہلے تو بنی ہوئی تھی، وہ کپ نکالنے لگی۔ کسی بات پر سارا غصہ کپ پر نکلا اور چینی کی

چمکتی سفید بگلے جیسی پیالی چھناکے سے زمین بوس ہوئی تھی۔ وہ خود بھی لحظہ بھر کے لئے جھینپ کر رہ گئی۔ کپ کے ٹکڑے اِدھر اُدھر اڑے۔ وہ ذرا سا پیچھے ہٹا اور خاصی گرم نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

''یہ ستم شاید میرے سر پر ہونا تھا۔ تمہارا دل یقیناً اس وقت چاہ رہا ہوگا کہ یہ کپ میرے اکلوتے سر پر مار کر توڑتیں۔''

''اگر کہوں کہ ہاں، تو؟'' وہ کانچ کے ٹکڑے اٹھانے کو جھکتے جھکتے سیدھی ہو کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سلگ کر کہہ گئی۔

''تو یہ ظاہر ہے میں اس کی اجازت تمہیں ہرگز نہیں دے سکتا تھا۔'' وہ استہزا آمیز انداز میں ہنسا۔ اس کا چہرہ احساسِ تذلیل سے لال ہوگیا۔

''مسئلہ یہ ہے کہ میں ابھی تمہاری محبت میں گھٹنوں گھٹنوں نہیں ڈوبا کہ سرِتسلیم خم کر دیتا اور تم اپنی خواہش پوری کر سکتیں۔''

''مجھے آپ کی طرف سے ایسی کوئی خوش فہمی ہے بھی نہیں۔'' وہ چبھتے لہجے میں بولی اور بربڑ آہستہ کرتے ہوئے اس کی طرف ایک نظر دیکھا۔ ''اور جو تھی، وہ بھی ختم ہو چکی ہے۔''

طلال نے بڑے بے ساختہ پن سے اس کی طرف دیکھا تھا، اس کے خوشنما چہرے پر حزن کی ایک لہر اتری تھی اور فضا میں گھل کر رہ گئی۔

وہ اندر آ گیا اور کیبنٹ سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ ایک ناآسودہ سا احساس اس کے دل سے بھی ٹکرایا تھا۔ تاہم وہ محض اسے سلگانے کو بولا۔

''اچھی بات ہے، محبت میں خوش فہمی نہیں یقین ہونا چاہیے۔ کم از کم اپنے جذبوں پر تو اعتماد ہو کہ مقابل کی......''

''میرے جذبوں کی بات نہیں کریں، اعتماد وہاں قائم رہتا ہے جہاں اسے تھوڑا سا یقین مل رہا ہو۔ مسلسل بے اعتمادی اور بے یقینی کی فضا میں جذبے مر جاتے ہیں اور صرف انا زندہ رہتی ہے۔'' وہ ترشی سے اس کی بات کاٹ گئی۔ اس کی آنکھوں میں دھندلاہٹ پھیلنے لگی۔ آنکھوں کی سطح پر ٹھنڈک کا احساس ہونے لگا۔ وہ پلکیں جھپک کر وہاں سے جانے لگی۔

''بہت سطحی سوچ رکھنے والی لڑکی ہو تم روشانہ اسد!'' اس نے اس کی کلائی پکڑ کر اسے جھٹکا دیا۔ اس غیر متوقع جھٹکے پر وہ لہرا کر دروازے سے لگ گئی۔ ''لفظوں پر ایمان لانے والی عام سی لڑکی۔ اگر اسی طرح تمہارا اعتبار قائم ہوتو میں ابھی کھڑے کھڑے لفظوں کا ڈھیر لگا دیتا ہوں۔ تم کہو تو تمہاری شان میں پورا قصیدہ پڑھ دوں؟'' اس کی آنکھوں میں جھانکتے

ہوئے وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا۔

روشانہ کو اپنی پیشانی پر آگ دہکتی محسوس ہونے لگی۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر الفاظ سینے میں گھٹتے محسوس ہونے لگے۔ آنسو کا پھندا حلق میں پڑ گیا۔

''تمہاری آنکھوں، تمہارے بالوں، تمہاری ناک، ہونٹ، پورے سراپے کی تعریف میں الفاظ استعمال کرنا ایک مرد کے لئے کیا مشکل ہے۔'' اس کا انداز ہنوز زہر میں بجھا، طنز میں ڈوبا ہوا تھا اور وہ اس کی آنکھوں، لہجے اور جملوں کی اس نشتر زنی پر کٹ کر رہ گئی۔ اتنی ذلت کا تصور بھی نہ تھا اس کے پاس۔

''اگر تم ایسے ہی بازاری جملوں پر بہل سکتی ہو تو......'' اس کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ تذلیل کے احساس سے بھبھک کر اس کا ہاتھ بے اختیار طلال کے چہرے پر جا پڑا۔

کانپتے ہاتھ کا یہ تھپڑ گو کہ اتنا زوردار نہیں تھا، مگر طلال کے وجود پر سناٹا طاری کر گیا۔

''سطحی سوچ میری نہیں، آپ کی ہے۔ ایک انا پرست، مفاد پرست اور ذہنی بیمار انسان جو جذبہ محبت اور اس کے اظہار کو لڑکی کی تسکین سمجھتا ہے۔ مسٹر طلال! اگر میں بازاری جملوں پر بہل جانے والی عورت ہوتی تو یہ روح کا کھڑاک ہی کیوں پالتی۔ چاہنے اور چاہے جانے کی بے چینی کا درد کیوں پالتی۔ ایسے بہلاووں میں ایک بدکردار اور محبت کو جز وقتی کھیل سمجھنے والی عورت ضرور بہل سکتی ہے، روشانہ اسد نہیں۔''

اسے یوں ہی سناٹے میں چھوڑ کر وہ بھاگتی ہوئی لابی سے نکل گئی۔ طلال نے زور سے آنکھیں میچ کر کھولیں، ایک بھینچی بھینچی سانس کھینچتے ہوئے لابی کے ہلتے پردے کو دیکھنے لگا۔

اس طرح کے شدید ردعمل کا اس کے پاس تصور بھی نہ تھا۔ یکلخت اسے اپنے لفظوں کی سفاکی کا احساس ہونے لگا۔ دل پر جمی ناآسودگی کی فضا میں یکدم ڈھیر سارا اضافہ ہو گیا۔ ایسا لگا جیسے دھوئیں کے سیاہ دبیز بادل اٹھ رہے ہوں، اس کی روح کو اپنی لپیٹ میں لے رہے ہوں۔ اس کا دم گھٹنے لگا۔ وہ لابی میں آیا اور ٹیبل سے بریف کیس اٹھا کر باہر نکل گیا۔

⁂☆⁂

رات کو پلوشہ کو ہما نے طلال کے ہاتھوں سعدیہ پھوپھو کی طرف سے بھیجے گئے گفٹس دیے۔ پلوشہ نے اس پیک کئے پیکٹ کو ہما کے ہاتھ سے لیتے ہوئے بے اختیار روشانہ کی طرف دیکھا۔

شام سے وہ ایک بات نوٹ کر رہی تھی، ایک کھٹک جو محسوس کر رہی تھی اس کا سرا بالآخر مل گیا۔ اس کے متورم پپوٹے اور کمرے میں بند رہنے کا سبب مل گیا۔ اس نے ہما کو

وہاں سے چلتا گیا۔

''کھول کر دکھا تو دیں، پھوپھو نے کیا بھیجا ہے؟'' ہما کا دل تو ان پیک شدہ پیکٹوں میں اٹکا ہوا تھا۔

''دیکھ لینا بعد میں۔ ابھی میں نہیں کھول رہی ہوں۔'' پلوشہ نے اسے ڈپٹ دیا۔

''خواہ مخواہ نخرے کر رہی ہیں۔ نہیں تو نہ سہی۔'' وہ برا مان کر وہاں سے چلی گئی اور یہی پلوشہ چاہتی تھی۔ اس کے جاتے ہی ان پیکٹوں کو اس نے بیڈ پر ڈالا اور روشانہ کے نزدیک چلی آئی جو اپنی وارڈ روب کھولے جانے کیا تلاش کر رہی تھی جو مل کر نہ دے رہا تھا۔

''مجھ سے کیوں چھپایا کہ طلال بھائی آئے تھے؟'' وہ وارڈ روب پر ہاتھ رکھ کر اس کا ستا ہوا چہرا دیکھتے ہوئے بولی۔

''مجھے خود نہیں پتہ چلا کہ وہ کب آئے اور کب چلے گئے۔'' اس نے منہ وارڈ روب کے مزید اندر کرتے ہوئے پلوشہ کی کھوجتی نظروں سے بچنے کی کوشش کی۔ ''شاید ممی پاپا سے ملنے آئے تھے۔ وہ تھے ہی نہیں۔ سو چلے گئے۔''

''آپ سے ملنے نہیں آئے تھے؟''

''مجھ سے کیوں ملنے لگے؟'' وہ عجیب بے تکے پن سے بولی اور ذرا سا چہرہ موڑا۔ پلوشہ کی استہزائیہ ہنسی ابھری۔

''ہاں، آپ سے کیوں ملنے لگے بھلا؟ آپ سے ان کا تعلق ہی کیا ہے؟''

''وشی، مجھے کام کرنے دو۔''

''کیا کام کر رہی ہیں؟ آدھے گھنٹے سے اسی وارڈ روب میں گھسی کھڑی ہیں۔ کیا کھو گیا ہے آخر؟ اور بات سنیں، جو کھو گیا ہے وہ اس وارڈ روب کے اندر نہیں ہے۔''

اس نے اذیت کے عالم میں پلوشہ کو دیکھا، پھر جھٹکے سے وارڈ روب کا دروازہ بند کر دیا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ انہیں اگر اپنے رویوں پر افسوس، ملال نہیں ہے تو آپ کیوں سلگ سلگ کر ختم ہو رہی ہیں؟''

''میں ہرگز نہیں سلگ رہی ہوں۔'' وہ اپنے لہجے میں اعتماد پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ مگر پلوشہ کی ہنسی نے اسے یکدم بکھیر کر رکھ دیا۔ وہ بیڈ کے کنارے تھک کر بیٹھ گئی۔

''کیا اس شخص کا ذکر ضروری ہے؟ تم یا میں اسے فراموش کیوں نہیں کر سکتے؟'' وہ کرب سے چلائی۔

''کبوتر کے آنکھ بند کر لینے سے بلی چلی نہیں جاتی۔ مسائل سے نظریں چرا لینے سے مسائل ختم نہیں ہو جاتے، انہیں فیس کرنا پڑتا ہے، ان کو ڈیل کرنا پڑتا ہے اور اُلجھی ڈوریوں کو سلجھانا پڑتا ہے۔''

''اور اُلجھی ڈوریاں اگر سلجھ نہ پائیں تو؟'' وہ آزردگی سے پلوشہ کو دیکھنے لگی۔

''تو کاٹ دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔'' اس کا دل سینے میں دب کر رہ گیا۔ کتنی سفاکی سے پلوشہ نے کہہ دیا تھا۔

وہ تڑپ کر بیڈ کے کنارے سے اٹھی اور اضطراری انداز میں بالوں پر ہاتھ پھیرتی دیوار سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ پلوشہ کی نظریں اس کا جائزہ لیتی اس کے چہرے پر ٹک گئیں۔

''کیا تم چاہتی ہو آپی کہ اس ڈوری کو سلجھانے کی بجائے کاٹ دینا چاہئے؟''

''وشی! خدا کے لئے چپ ہو جاؤ۔ چلی جاؤ یہاں سے اور پلیز مجھے اکیلا چھوڑ دو۔'' وہ کرب سے چلائی۔

''آپی! میں اس معاملے کو سلجھانا چاہتی ہوں۔'' اس نے نرمی سے اس کا کندھا چھوا۔ وہ کرب اور آزردگی سے ہنسی۔

''سلجھانا چاہتی ہو...... کیا سلجھانا چاہتی ہو؟ کیا زبردستی اس کے دل میں میرے لئے محبت ڈالو گی؟ وہ جذبے پستول کی زد پر پیدا کرنے کی کوشش کرو گی جو دل کی زمین سے خود پھوٹتے ہیں، جبر و استبداد سے نہیں۔ بتاؤ معاملہ کیسے سلجھ سکتا ہے؟ میں کشکول لے کر اس سے محبت کی بھیک مانگنے لگوں؟ اپنی تمام تر محبت، عزتِ نفس لٹا کر اس کا دل جیتنے کی کوشش شروع کر دوں؟ نہیں وشی، جبر کے رشتوں میں محبت نہیں ہوتی۔ یہ ایک معاہدہ ہوتا ہے دونوں فریقوں کے درمیان۔ ایسا معاہدہ جو دنیا والوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے کیا جاتا ہے۔'' اس کے آزردہ لہجے میں زہر بھر آیا۔ پلوشہ فرطِ رنج سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ اتنی نفرتیں، اتنے فاصلے کیسے آ گئے درمیان میں؟

''خدایا!'' اُس کا دل وحشت سے بیٹھنے لگا۔

''آپی! طلال بھائی کیا کہہ گئے ہیں آج؟ تمہاری ملاقات تو ضرور ہوئی ہو گی ان سے۔ بتائیں پلیز۔'' وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''کوئی فائدہ نہیں ہے ان باتوں کا۔'' وہ اس کا ہاتھ اپنے کندھے سے جھٹک گئی اور سوئچ کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولی۔ ''جاؤ تم، مجھے نیند آ رہی ہے۔ میں سونا چاہتی ہوں۔''

کمرے میں یکلخت اندھیرا چھا گیا۔ وہ اپنے بستر پر جا کر لیٹ گئی اور چادر سر سے پیر

تک تان لی۔

پلوشہ کچھ دیر اندھیرے میں کھڑی بستر کی طرف گھورتی رہی، پھر آہستگی سے کمرے سے باہر چلی گئی۔ اس کا رخ لابی کی طرف تھا۔ وہ سکندر ولا فون کرنے کی غرض سے آئی تھی۔ اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی اگر فون خرم کے علاوہ کسی اور نے اٹھایا تو وہ کیا کہے گی، کس طرح کہے گی کہ خرم کو بلا دیں۔ اچانک اسے خیال آیا، خرم کے کمرے کا نمبر تو خرم نے اسے گفٹ کی ہوئی ڈائری میں خصوصی طور پر لکھ دیا تھا۔ مگر ان تین ماہ میں ایک بار بھی اس نمبر کو ڈائل کرنے کی ضرورت اس نے محسوس نہیں کی۔ وہ بھاگ کر اسٹڈی روم سے وہ ڈائری اٹھا لائی اور نمبر ڈھونڈ ڈھانڈ کر ڈائل کرنے لگی۔

اس کی انگلیاں نمبر ڈائل کرتے ہوئے کانپ رہی تھیں۔ کوئی تیسری بیل پر ریسیور اٹھا لیا گیا۔

''ہیلو'' خرم کی ہشاش بشاش آواز ابھری۔ اس نے بے اختیار وال کلاک کی طرف دیکھا۔ بارہ بج کر بیس منٹ ہوئے تھے۔ کس قدر غلط اور معیوب وقت تھا۔ مگر یہ سوچنے کا اسے ہوش نہیں تھا۔ اس نے بکھرتے حوصلے مجتمع کرتے ہوئے جواباً ہیلو کہا۔ اور اس ایک 'ہیلو' کے بعد ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔

''جی ہیلو، کون صاحبہ ہیں؟ ہیلو، ہیلو۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی رات ایک شریف بندے کو تنگ کر کے آپ لوگوں کو کیا مل جاتا ہے؟'' وہ جھنجلا کر ریسیور پٹخ ہی دیتا، وہ جلدی سے بولی۔

''میں ہوں، پلوشہ۔''

''اوہ...... ہو...... زہے نصیب۔'' اس کی تحیر آمیز آواز دوسرے پل بے نام سی خوشی میں ڈھل گئی۔

''وہ کریں فون میرے نمبر پر خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم خود کو کبھی ٹیلی فون سیٹ کو دیکھتے ہیں''

''مم...... میں بہت ٹینشن میں ہوں خرم بھائی!'' وہ ریسیور پر انگلیاں مضبوطی سے جماتے ہوئے دل گرفتگی سے بولی۔

ادھر خرم سر سے پیر تک تڑپ کر رہ گیا۔

''بھائی...... تمہیں اتنا معتبر رشتہ جوڑنا ضروری تھا مجھ سے؟''

''مم...... میرا مطلب ہے خرم صاحب!'' وہ اس فہمائش پر ٹپٹا گئی۔ خرم اپنے بے ساختہ

کو نہ روک سکا تھا۔

''میں بہت پریشان ہوں۔ بحالت مجبوری آپ کو فون کرنا پڑا ہے۔'' وہ تنک سی گئی۔

''کیسی پریشانی؟'' وہ چونکا۔

''آپ سنیں گے تو بتاؤں گی نا۔''

''بحالت مجبوری، اگر یہ جملہ نہ کہتیں تو تمہارا کیا بگڑ جاتا؟ مگر ادھر میرا ایکا یک بڑھ جانے
فون سکڑ تو نہ جاتا۔ خیر ایک منٹ ہولڈ کرو۔ میں کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کر دوں۔''

''کمپیوٹر پر تھے اس وقت آپ؟''

''تمہارا کیا خیال ہے، میں تمہارے خواب و خیال میں جاگ رہا تھا؟'' وہ کہتا ہوا ریسیور رکھ کر چلا گیا۔ وہ بے ساختہ لب دانتوں میں دبا گئی۔

''ہاں، اب بتاؤ بحالت مجبوری مجھے فون کرنے کی وجہ؟'' اس کی آواز ریسیور میں گونجی میں ہلکی سی چبھن بہت واضح تھی۔ گویا نادانستگی میں اس کا کہا ہوا جملہ کسی تیر کی طرح اس ل میں ترازو ہو گیا تھا۔ وہ بے عنوان سی شرمندگی محسوس کر کے رہ گئی۔

ھر بھی خاموشی رہی۔ وہ اس کے بولنے کا انتظار کرتا رہا۔

موشی کا وقفہ طویل ہونے لگا۔ تب خرم بولا۔

''شی!'' مگر دوسرے پل وہ گہری سانس کھینچ کر رہ گیا۔ وہ دھیرے دھیرے رو رہی تھی ور رونا دبا بھی رہی تھی۔ خرم کو کچھ ایسا ہی محسوس ہوا۔ وہ کسی سنگینی کا احساس کرتے ئے بے چین ہو گیا۔

ھ سے اپنی پریشانی شیئر کرو پلوشہ۔ میں سن رہا ہوں۔ شاباش، کمپوز کرو خود کو۔'' وہ نرم ے اسے کہنے لگا۔ اس کا یہ اپنائیت آمیز انداز اس کے آنسوؤں میں زیادہ روانی لے ہ کھل کر رو پڑی...... خرم نے اسے رونے دیا تا کہ جی کا غبار نکل جائے اور وہ بات نے قابل ہو سکے۔

ب بہت رو چکی تو سنبھل کر اسے آہستہ آہستہ ساری بات بتاتی چلی گئی۔

ہ ساری باتیں، حالات خرم کے لئے کسی انکشاف سے کم نہ تھے۔ وہ شاک کی کیفیت ول ہی نہ سکا۔ وہ اپنی بات کہہ کر چپ ہوئی تب وہ دھیرے سے بولا۔

ال ہے، لالی نے کبھی بھی ایسا تاثر نہیں دیا۔'' اپنے منتشر اعصاب کو سنبھال کر اس ا سانس کھینچی۔ اس کے لہجے میں بے یقینی اور حیرت تھی۔

ارا قصور تو طلال بھائی کا ہی ہے۔ انہیں کیا حق پہنچتا تھا وہ ان کی شادی زبردستی

کرتے، انہیں پریشرائز کرتے۔"

"مگر طیبی بھائی تو......" خرم پُرسوچ انداز میں خاموش ہو گیا۔ اسے اپنے دماغ کی رگیں کھنچتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ لالہ رخ کی شادی اور روشانہ اور طلال کے نکاح کے پیچھے یہ کہانی چھپی تھی۔ اس کا تو تصور بھی نہ تھا اس کے پاس۔

"سب کچھ ٹھیک لگ رہا تھا، یہ اتنے الجھاؤ کہاں سے نکل آئے، مائی گاڈ۔" وہ خود سے ہمکلام تھا۔

اچانک لابی کے باہر راہداری میں کھٹر پٹر ہونے لگی تو پلوشہ جلدی سے بولی۔ "میں فون رکھ رہی ہوں، گھر میں اس بات کا علم ابھی کسی کو نہیں ہے۔ روشی آپی نے مجھے سخت تاکید کی ہے کہ میں یہ باتیں کسی کو بھی نہ بتاؤں۔ آپ بھی انہیں کچھ مت بتایئے گا۔"

"حالات جس تیزی سے بگڑ رہے ہیں، بات کہاں تک چھپ سکتی ہے؟" خرم متعجب ہوا۔ "اس کا حل کوئی نہ کوئی تو نکالے گا۔"

"مگر یہ بات آپی کی عقل میں نہیں آتی۔ اسی لئے تو میں نے آپ کو بتا دیا ہے سب کچھ۔ ادھر دادو اور پاپا بھی آپی سے کھنچ گئے ہیں۔ ان کے خیال میں آپی گستاخ، خودسر ہوتی جا رہی ہیں۔"

"ظاہر ہے، طلال چاچو کے رویوں پر پردہ پڑا رہے گا تو وہ بیچاری ہی مشق ستم بنتی رہے گی۔" خرم شدید تاسف کی زد میں تھا۔ اول تو اس کا ذہن قبول کر ہی نہیں پا رہا تھا کہ طلال جیسا شخص دوغلا منافق بھی ہو سکتا ہے۔ وہ تو بچپن سے اسے آئیڈیلائز کرتا رہا تھا، اس کی خوبیوں کا معترف رہا تھا۔ اس کی ذات کا یہ رخ اس کے لئے حیرت انگیز اور کسی حد تک صدمے سے کم نہ تھا۔ مگر یقین بھی نہیں کر پا رہا تھا۔ یقین اور بے یقینی کی کیفیت میں الجھ کر رہ گیا تھا۔

***

آکا جان کے کامیاب آپریشن نے لالہ رخ کو دلی طور پر مسرور کیا تھا۔ مصطفیٰ خان آج صبح ہی مردان پہنچا تھا اور آتے ہی کسی ضروری کام سے چلا گیا تھا۔ وہ زینت اور جنت بی بی کے ساتھ لنچ کی تیاری میں لگی ہوئی تھی۔

"آج آپ بہت خوش ہیں بی بی!" جنت بی بی نے کہا تو وہ مسرور انداز میں ہنس دی۔

"خوشی کی تو بات ہے نا جنت۔ کل آکا جان آ رہے ہیں۔ حویلی کی رونق پھر سے لوٹ آئے گی۔"

"نہ بی بی! جنت کا مطلب ہے خان کے آ جانے سے آپ آج بہت خوش نظر آ رہی ہیں۔" زینت اس کی کسی دیرینہ سکھی کی طرح بولی تو وہ جھینپ گئی۔ جبکہ جنت بی بی زینت کو آنکھیں دکھانے لگی۔

"تو اپنا کام کر، میرا کیا مطلب تھا، تجھے بڑی خبر ہو جاتی ہے۔ بی بی! آپ برا مت مانیے گا۔ اس کی تو یوں ہی بکنے کی عادت ہے۔" جنت بی بی جلدی سے بولی۔ زینت کھسیا کر اپنے کام میں لگ گئی۔

وہ دہی کا پیالہ فریج میں رکھ کر کچن سے نکل آئی۔

حمزہ کو مصطفیٰ خان اپنے ساتھ لے گیا تھا بلکہ وہ کیا ساتھ لے جاتا، حمزہ اسے ایک پل چھوڑنے کو تیار نہیں تھا۔ اتنے دنوں بعد دیکھنے پر وہ حد سے زیادہ حساس ہو رہا تھا۔

وہ بیڈ روم میں آئی۔ اسے ہر شے میں ایک نیا پن محسوس ہو رہا تھا۔

زینت کی بات سچ ہی لگی تھی کہ آج وہ زیادہ ہی خوش تھی اور اس کی وجہ اس کے "خان" کی آمد ہی تھی شاید...... صبح اس کی آمد بہار کے معطر جھونکے کی مانند ہی تو لگی تھی۔

وہ لابی میں حمزہ کے بکھرے ہوئے کھلونے سمیٹ رہی تھی جب مجتبیٰ نے پیچھے سے آ کر اسے "ہاؤ" کیا تھا۔ وہ اچھل کر رہ گئی۔ پھر پلٹ کر جو دیکھا تو دل سینے میں بالکل نئے انداز میں دھڑک کر رہ گیا۔

طیبی سیاہ ٹراؤزر اور سفید شرٹ میں تھکے تھکے قدم اٹھاتا اندر داخل ہوا اور لابی کے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"خوش ہو جایئے بھابی۔ آپ کے شوہر با مراد کو پکڑ کر لے آیا ہوں۔" مجتبیٰ کے انداز میں شرارت تھی۔

"تم لوگ اطلاع تو آنے کی دے دیتے۔ آکا جان اور مورے؟" اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔

"وہ کل آئیں گے انشاء اللہ۔ آکا جان کو کل ہی ڈسچارج کیا جائے گا۔ میری چونکہ پریکٹیکل کی پڑھائی کا معاملہ تھا، سو آنا پڑا۔ اور انہیں اپنے کاروبار کی فکر تھی۔" اس نے مصطفیٰ خان پر اچٹتی نگاہ ڈالی اور ٹھنڈی سانس کھینچتے ہوئے بولا۔ "مجھ سے تو کاروبار کا ہی بہانہ بنایا گیا تھا۔"

"مجتبیٰ، فضول باتیں مت کرو۔ جمشید کو فون کر کے کہہ دو وہ مجھ سے فوری رابطہ کرے۔" درشت لہجے میں اسے ٹوک گیا اور وہاں سے اٹھ کر اپنے بیڈ روم میں چلا گیا۔

لالہ رخ چاہنے کے باوجود اس کمرے میں قدم نہ رکھ سکی۔ دل کی دھڑکن معمول پر آ نہیں رہی تھی۔ عجیب سی وحشت دل کو پکڑ رہی تھی، روح سے لپٹ رہی تھی۔

کوئی آدھے گھنٹے کے بعد وہ کمرے سے باہر نکلا تو تازہ تازہ شیو اور ٹھنڈے پانی کی تازگی اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی تھی۔ وہ کپڑے بدل کر شلوار سوٹ میں ملبوس تھا، پیروں میں آرام دہ سیاہ لیدر کی چپلیں تھیں۔ کی بورڈ سے گاڑی کی چابی اٹھا کر وہ کچن کی طرف آیا جہاں وہ جنت بی بی کو لنچ کی ہدایتیں دے رہی تھی۔

وہ ذرا دیر ٹھہرا۔ اس کا انداز بالکل نیا اور انوکھا سا تھا۔ سادہ سے نیلے لان کا خوش نما شلوار قمیض اور بڑے سے ہم رنگ دوپٹے میں بالوں کا گردن میں جوڑا سا بنائے وہ مکمل گھریلو اور ایک ذمہ دار عورت دکھائی دے رہی تھی جیسے اس گھر کی ہر چیز کی نگران رہی ہو۔ اس کا متناسب سراپا بے حد دلفریب دکھائی دے رہا تھا۔ شفاف گردن میں سنہری زنجیر نمایاں ہو کر گردن کو چمکا رہی تھی۔ وہ اس کی پشت پر آ کھڑا ہوا تو وہ چونکی۔ پرفیوم کی مہک نے اسے شاید متوجہ کیا تھا۔

''میں ایک آدھ گھنٹے میں آتا ہوں۔'' ایک گہری سانس کھینچ کر وہ اس کے سراپے سے نظریں ہٹا کر بولا۔ ''حمزہ کو ساتھ لے جا رہا ہوں۔ مورے کا فون آئے گا، وہ تمہارے لئے خصوصی فون کریں گی۔ انہیں بتا دینا ہم پہنچ چکے ہیں۔'' وہ جھک کر حمزہ کو اٹھا کر پلٹ گیا۔

اور اب دو گھنٹے سے اوپر ہونے کو آئے تھے، وہ ابھی لوٹا نہیں تھا۔ اس دوران اس نے لنچ تیار کروا لیا تھا۔ اپنے بیڈ روم کی صفائی ستھرائی کرا لی۔ تازہ پھولوں کے گلدستے تینوں گلدانوں میں ڈالے۔ پورے کمرے میں ایئر فریشنر کیا۔ اس کام سے مطمئن ہو کر نہانے چل دی۔

وہ جب گیلے بال سلجھا رہی تھی، فون کی گھنٹی بجی۔ اسے خود بھی شدت سے مورے کے فون کا انتظار تھا۔ لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔ مگر دوسری طرف سے سیف الرحمٰن کی آواز اس کا دل نچوڑ کر رکھ گئی۔

''کتنی ظالم ہو، پلٹ کر خبر تک نہ لی کہ اتنے دن کہاں اور کس حال میں رہا ہوں۔'' چھوٹتے ہی بولا۔ گویا آج بھی اسی تعلق کو نبھا رہا ہو۔ اس کا یہ استحقاق بھرا انداز اسے سلگانے کو کافی تھا۔

''میری بلا سے اتنے دن کسی جہنم میں بھی رہے ہو، اس سے مجھے کیا واسطہ۔'' اس نے خوفزدہ نظروں سے دروازے کی طرف دیکھا، پھر دبی زبان میں چیخی۔ ''کیوں کیا ہے فون؟''

''میں اگر جہنم میں رہوں گا تو تمہیں بھی میرے ساتھ جہنم میں ہی رہنا پڑے گا۔ تو پھر

کیوں نہ اپنی زندگی کو جنت بنانے کی کوشش کریں؟'' وہ بلا تامل بولا۔

''خدا کے لئے میرا پیچھا چھوڑ دو تم دونوں بہن بھائی۔ آخر ایسا کون سا گناہ کر ڈالا ہے میں نے، جس کی پاداش میں یہ سزا مل رہی ہے مجھے؟'' وہ دبی زبان میں چیخی۔

''پاگل پن کی باتیں مت کرو لالی! میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں۔''

''ہاں، تمہاری خیر خواہی سے میں خوب فیض اٹھا چکی ہوں۔'' وہ جل کر بولی۔

''میں نے کہا نا، میں تلافی کرنے کو تیار ہوں۔''

''تم کوئی تلافی نہیں کر سکتے سیف الرحمٰن! تمہارے پاس میرے زخموں کا کوئی علاج نہیں۔'' وہ آزردگی سے ہنسی۔ ''یہ اور بات ہے کہ تم میرے دکھوں میں اضافہ کر سکتے ہو۔''

''جذباتی ہو کر مت سوچو۔ ٹھنڈے دل سے سوچو لالہ رخ!'' وہ سرزنش کرتے ہوئے بولا۔

''تمہیں پتہ ہے اب میں مصطفیٰ خان کی بیوی ہوں اور اس حویلی کی بہو ہوں۔'' وہ چیختے ہوئے لہجے میں بولی۔ جواباً وہ ہنسنے لگا۔

''ہاں، بہت اچھی طرح پتہ ہے۔'' دوسرے پل سرسراتے لہجے میں بولا۔ ''تم کبھی میری بیوی رہ چکی ہو، یہ بھی تمہیں یاد ہے۔''

رنج، دکھ اور وحشت کے مشترکہ احساس سے اس کا دل بیٹھنے لگا۔

''بات سنو۔ میں شام کو اسی پارک میں تمہارا انتظار کروں گا اور مجھے یقین ہے تم ضرور آؤ گی۔''

''ہرگز نہیں۔'' وہ رو دینے کو تھی، پھر سنبھل کر بولی۔ ''ثانیہ نے ٹھیک کہا تھا، تم پر وحشت طاری ہو گئی ہے۔ میں بھلا کیسے بار بار آ سکتی ہوں تم سے ملنے؟ میرے لئے یہاں سے نکلنا بہت مشکل ہے۔ تم سمجھتے کیوں......'' بقیہ الفاظ اس کے لبوں پر پھڑپھڑا کر رہ گئے۔ پیچھے سے کسی نے اس کے ہاتھ سے ریسیور اچک لیا تھا۔ وہ مصطفیٰ خان تھا، جس نے اس پر ایک سرد نگاہ ڈال کر ریسیور کان سے لگا لیا۔ دوسری طرف اس کی موجودگی سے بے خبر سیف الرحمٰن بولے جا رہا تھا۔

''کوئی مشکل نہیں ہو گی۔ آخر اس سے پہلے بھی تو تم حمزہ کا بہانہ کر کے آئی تھیں۔ آج حمزہ کو ساتھ لے آؤ اور ٹہلانے کا بہانہ کر کے آ جاؤ۔ میں جانتا ہوں تم پر کسی کو کوئی شک نہیں ہو جائے گا۔ یقین کرو لالہ رخ! اس روز کی تشنہ ملاقات نے مجھے ایک پل قرار سے سونے نہیں دیا۔ میں ملتان جانے سے پہلے تم سے ضرور مل کر جاؤں گا۔ ہیلو لالی! میری بات سن رہی ہو نا؟ بس ایک بار مجھ پر اعتماد کر کے دیکھو، تمہارے اگلے پچھلے سارے غم دھو دوں گا، ہر

دکھ کا ازالہ کر دوں گا۔ میں جانتا ہوں تم مصطفیٰ خان کے ساتھ کبھی بھی خوش نہیں رہ سکو گی۔
ہیلو، ہیلو......"

وہ پکارتا رہ گیا۔ مصطفیٰ خان نے ریسیور کریڈل پر پھینکنے کے انداز میں ڈالا اور فون سیٹ پر مضبوطی سے ہاتھ ٹکا کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی نظروں میں ایسی کیفیت تھی کہ لالہ رخ کو اپنی روح میں کوئی گرم سلاخ سی گھستی محسوس ہونے لگی......!

***

وہ یوں ساکت بیٹھی تھی گویا بیٹھے بیٹھے پتھرا گئی ہو۔ اس کے اعصاب پر صحرا جیسا سناٹا اری تھا، جیسے کسی نے جسم سے روح کھینچ لی ہو۔ اسے لگ رہا تھا رگوں میں خون رک رک کر ڑ رہا ہو۔ سانس جیسے ٹھہر ٹھہر کر چل رہی ہو۔

"ہمارے یہاں غیرت کے نام پر قتل شاید اتنے غلط بھی نہیں ہوتے۔" وہ بولا تو اس کی از میں لپکتے شعلوں کی سی آنچ آ رہی تھی۔ مگر اس سے کہیں زیادہ آگ اس کے چہرے پر ک رہی تھی۔ اس کی سرمئی آنکھوں میں آگ اور خون کا ایک طوفان اترا ہوا تھا۔

ایک زوردار جھٹکے کے ساتھ اس کی کلائی پکڑ کر اسے بیڈ سے اٹھایا اور پوری قوت سے ار کی طرف دھکیل دیا۔ ایک تکلیف، وحشت اور خوف سے وہ تھرا اٹھی۔ اپنی مدافعت میں نے والے الفاظ اس کے سینے میں گھٹ کر رہ گئے۔

"اس جرم کی کیا سزا ہونی چاہئے لالہ رخ؟ اتنے قبیح، اتنے بڑے جرم کی سزا کوئی معمولی ہرگز نہیں ہو سکتی۔" وہ ایک ہاتھ دیوار پر جما کر اس کے چہرے کی طرف جھکا اور اپنی تپتی ل آنکھیں اس کی وحشت سے کھلی آنکھوں میں گاڑ دیں۔

لالہ رخ کو لگا وہ کھڑے کھڑے ہی ان دہکتے شعلوں سے بھسم ہو جائے گی۔

"اتنا بڑا دھوکا، اتنا بڑا فریب تم نے مجھے دیا اور دیتی رہی ہو۔" حیرت، دکھ اور صدمے ہ پاگل ہونے لگا تھا۔ اسے بازو سے پکڑا اور کھینچتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔

"مصطفیٰ! میری بات تو سنو۔" وہ کہنا چاہتی تھی مگر خوف سے اس کے ہونٹ فقط کپکپا کر ئے۔ سسکیاں اس کے حلق میں گھٹ رہی تھیں۔

وہ دروازے تک پہنچا تھا کہ اچانک باہر سے دروازہ پوری طاقت سے دھڑ دھڑایا گیا۔

"مصطفیٰ بھائی! مصطفیٰ، طیفی بھائی۔" دروازہ دھڑ دھڑانے والا مجتبیٰ تھا۔ اس کی آواز اور از میں ایک وحشت تھی۔

مصطفیٰ خان نے پل بھر رک کر لالہ رخ کی طرف دیکھا، پھر نفرت اور حقارت سے اس کا تنے زور سے جھٹک کر خود دروازے کی طرف بڑھ گیا کہ وہ لڑکھڑا کر وارڈ روب سے

ٹکرائی اور جلدی سے اسی کا سہارا لے لیا ورنہ یقیناً گر جاتی۔ اس کے اوسان یوں خطا تھے جیسے اب کبھی بحال نہ ہو سکیں گے۔ خوف اور دہشت سے آنسو بھی پلکوں پر ہی ٹھہر گئے تھے۔

''طفیٰ بھائی! وہ آکا جان...... آکا جان۔'' دروازہ کھلتے ہی مجتبیٰ کسی ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح مصطفیٰ کے سینے سے لگ کر بلک پڑا۔

''کک...... کیا ہوا آکا جان کو؟'' خوف کی لہر مصطفیٰ خان کے دل سے اٹھی اور اس کے وجود کو جکڑنے لگی۔ اس نے ایک جھٹکے سے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے اس کا چہرہ دیکھا۔

''شہباز کا فون آیا تھا۔ آکا جان کی حالت اچانک بگڑ گئی۔ انہیں آئی سی یو میں لے جایا گیا۔ مگر وہ......'' مجتبیٰ کے الفاظ آنسوؤں میں بکھر کر ٹوٹ گئے۔ وہ دم سادھے اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

''آکا جان ہمیں چھوڑ کر چلے گئے طفیٰ بھائی۔ وہ ہمیں ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر چلے گئے۔'' وہ ایک بار پھر اس سے لپٹ کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ مگر وہ ساکت تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ بے دم ہو کر پہلو میں گرے ہوئے تھے۔ حیرت اور صدمے سے اس کا دل شق ہو رہا تھا۔

یہ کیسے ہو گیا؟ آخر وقت تک تو وہ انہیں بہت ٹھیک حالت میں بستر پر چھوڑ آیا تھا۔ وہ اس کا ہاتھ تھپک کر مسکرائے تھے۔ اس کے حافظے میں ان کی وہ مدھم مسکراہٹ ابھی تک نقش تھی۔ اس کی آنکھوں میں کھلنے والی زندگی ابھی محفوظ تھی۔ وہ کیسے...... کس طرح اس بات پر یقین کر لیتا۔

اچانک اس نے مجتبیٰ کو ایک طرف ہٹایا اور بھاگتا ہوا باہر نکل گیا۔ مجتبیٰ بھی اس کے پیچھے لپکا۔ جبکہ اعصاب شکن احساس کے ساتھ لالہ رخ وارڈروب سے لگی کھڑی رہ گئی۔ چاہتے ہوئے بھی ایک قدم نہ ہلا سکی۔ پہلے ہی وہ صدمے، وحشت اور خوف سے نڈھال تھی۔ اس اندوہ ناک خبر نے اسے بالکل ہی بکھیر کر رکھ دیا۔

اچانک اس کی سسکیاں چیخ کی صورت میں نکلیں اور وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر فرش پر بیٹھتی چلی گئی۔

✻☆✻

حویلی میں صف ماتم بچھی ہوئی تھی۔ دور قریب کے رشتے دار، عزیز، جانے کون کون لوگ آ جا رہے تھے۔ سوئم کے دن تک یہی سلسلہ رہا۔

مورے تو ایک جگہ غم سے نڈھال پڑی تھیں۔ کون آ رہا ہے، کون جا رہا ہے، کون ان

کیا کہہ رہا تھا، وہ بے نیاز تھیں۔ انہیں بس لگ رہا تھا حویلی کی مضبوط چھت ان کے اوپر سے ہٹ گئی ہو اور وہ جھلستی دھوپ میں آ بیٹھی ہوں۔

باپ اور بھائی جیسا جیٹھ، جس نے زندگی کے طویل سفر میں ان کے چھوٹے بڑے ہر دکھ سکھ میں ساتھ دیا۔ زندگی کے کانٹے سمیٹتا رہا۔ انہیں لگا گویا وہ آج ہی یتیم ہوئی ہوں۔

لالہ رخ ہی آنے جانے والوں سے نمٹ رہی تھی۔ کبھی مورے کو سنبھالتی، کبھی مجتبیٰ اور شہباز کو زبردستی کھانا کھلاتی، پانی پلاتی، کبھی آنے والی خواتین کے پاس دو گھڑی بیٹھ کر اضافی ذمہ داری پوری کرتی۔ وہ دانستہ خود کو گم کر دینا چاہتی تھی۔ وہ مصطفیٰ خان سے سامنا ہونے سے کترا رہی تھی۔ اسے اس کی نگاہوں سے خوف آنے لگا تھا۔ وہ تکلیف دہ لمحہ اس کے سینے میں اب بھی نقش تھا، وہ آنکھیں بند کر کے دیوار سے لگ کر بیٹھنا چاہتی تھی۔ دو گھڑی کمر ٹیکنا چاہتی تو وہ منظر فلم کی طرح اس کی آنکھوں میں پھرنے لگتا اور وحشت زدہ ہو کر وہ آنکھیں کھول کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگتی۔ مگر مصطفیٰ خان ہوتا تو دکھائی دیتا۔ وہ تو جانے کس کھوہ میں چھپ گیا تھا۔

اور سچ ہی تھا۔ وہ حویلی سے بھاگنے لگا تھا۔ اس کی نظریں لالہ رخ پر اٹھتیں تو حبس اور گھٹن کا احساس شدید ہونے لگتا۔ اپنے اوپر سے اسے اختیار اٹھتا محسوس ہونے لگتا اور لگتا وہ کسی بھی لمحے بارود کی طرح پھٹ جائے گا۔

آج بھی وہ طلال کے ساتھ حویلی سے نکل گیا تھا۔

مسلسل ذہنی آزار نے اسے نڈھال اور مضمحل کر دیا تھا۔ اس کا خیال تھا زندگی جیسے اس کے لئے بے معنی، بے کار سی شے ہو کر رہ گئی ہو اور وہ اس دنیا کا بے حقیقت ذرہ ہو کر رہ گیا ہو۔ زندگی برف کی مانند جم گئی ہو، امیدیں دم توڑ جائیں۔ ولولے، امنگیں، خواب بکھر جائیں تو زندہ رہنا بے کار شغل ہی نہیں، تکلیف دہ بھی لگنے لگتا ہے۔ اسے بھی کچھ یونہی لگ رہا تھا کہ بھاگتی دوڑتی زندگی کا بے کار پرزہ ہے اور مارے باندھے جینے پر مجبور ہے۔

خواب جو برسوں میں بنتے ہیں مگر پل بھر میں چکنا چور ہو جائیں تو اذیت ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔ روح میں ٹوٹے خوابوں کی کرچیں گھستی محسوس ہوتی ہیں۔

امید کھیل نہیں ہوتی۔

ایک موہوم سی کرن آدمی کو زندہ رکھنے کو کافی ہوتی ہے مگر جب موہوم سی اس کرن کا بھی ٹوٹ جائے تو آدمی یاسیت، بے حسی کے خلا میں اترتا چلا جاتا ہے۔ ایسی خلا میں جہاں گرد اور غبار کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ جہاں کوئی راستہ نہیں ہوتا، کوئی منزل نہیں آتی۔

غبار اور دُھند میں اٹی ان راہوں پر چلنا دوبھر لگنے لگتا ہے پتہ نہیں یہ کیفیات عارضی ہوتی ہیں یا دائمی۔

بہر حال مصطفیٰ خان کو تو کچھ یونہی لگ رہا تھا کہ وہ اس کیفیت سے اب شاید کبھی نہ نکل پائے گا۔

خوابوں کا کوئی محل کبھی تعمیر نہ ہو سکے گا۔ امید کی کوئی کرن نہ پھوٹ سکے گی۔ شاید اسی کو یاس کی آخری اسٹیج کہا جاتا ہے۔ جب آدمی کو خود سے بھی نفرت ہونے لگتی ہے۔ اپنے اوپر سے اعتماد اٹھتا محسوس ہونے لگتا ہے۔

تم نے میرے ساتھ بہت بڑا دھوکا کیا ہے...... بہت بڑا دھوکا دیا ہے طلال۔

طلال نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اس کا دل چاہا وہ اس کا ہاتھ جھٹک دے۔ اس کا منہ تھپڑوں سے سرخ کر دے، اسے دھکے دے کر یہاں سے نکال دے، اسے کہے تم نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے۔ بہت بڑا دھوکا۔

غصے، نفرت اور جھنجلاہٹ کو اس نے بیک وقت دبایا۔

لالہ رخ کو پانے کی خواہش تو اس کی اپنی تھی بلکہ خواہش کے اس سفر میں وہ تو تہی داماں رہ ہی گیا، طلال کی زندگی بھی آزمائش میں گھر کر رہ گئی۔

اس نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ اسے غم خوار نگاہوں سے تک رہا تھا۔

''موت سے کسی کو رستگاری نہیں ہے طفی! ہم سب کو ہی چلے جانا ہے ایک دن۔'' وہ نرمی سے اس کا کندھا تھپکنے لگا۔ ''بس ایک ملال سا آکا جان چھوڑ کر چلے گئے دل میں کہ ان کی بات سنی نہیں گئی، مانی نہیں گئی۔'' ایک افسردہ سانس طلال کے سینے سے آزاد ہو گئی۔

''وہ سچ کہتے تھے۔ زندگی ہو گی تو یوں بھی جی لوں گا۔ اگر زندگی نہیں ہے تو تم لوگ لاکھ کوشش کر کے بھی میرے لئے چند لمحے نہیں چرا سکتے۔''

''ہاں، کس کس ملال پر ماتم کریں۔ ہزار ملال ہیں۔'' مصطفیٰ خان کے سینے میں طوفان اُمڈ آیا۔

آکا جان کی جدائی پر۔

اپنی ذات کی نفی پر۔

جذبوں کی تضحیک پر۔

اپنی سادہ لوحی کے ہاتھوں لٹ جانے پر۔

کس کس کا ماتم کریں۔ وہ سیمنٹ کے بینچ پر سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

''گھر چلو طفی۔ مورے انتظار کر رہی ہوں گی۔'' وہ نرمی سے اسے تھپک کر اٹھانے لگا۔

''گھر؟'' اس کے سینے میں ایک تیر پیوست ہو گیا۔

گھر کے نام سے ہی اسے وحشت ہونے لگتی تھی۔ حویلی کے در و دیوار اسے خود پر ہنستے محسوس ہوتے۔ اسے لگتا ہر دیوار، ہر گوشہ لالہ رخ کے اس فریب میں ساتھ رہا تھا۔ ایک بس وہی بے خبری میں لٹتا رہا۔ سادہ لوحی میں مارا گیا۔

''نہیں، ابھی میں کچھ دیر اس کھلی فضا میں بیٹھنا چاہتا ہوں۔'' وہ بینچ کی کھردری سطح سے لگ کر آنکھیں موند گیا۔

''یہ سراسر فرار ہے، بزدلی ہے طفی۔ اور ایک مرد کو بزدلی نہیں جچتی۔'' طلال نے کہا۔

''مرد؟'' وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا۔ ''کیا مرد انسان نہیں ہوتا؟ گوشت پوست کا نہیں ہوتا؟ اس کے سینے میں دل نہیں ہوتا؟ نہیں طلال، وہ بھی انسان ہے۔ چٹان نہیں ہے۔ سیمنٹ اور گارے کا ایک بے روح آدمی نہیں ہوتا۔ اس کے احساسات اور جذبات بھی ہوتے ہیں۔ وہ بھی اپنا غم رونا چاہتا ہے۔ وہ بھی ٹوٹتا ہے اور بہت بری طرح ٹوٹتا ہے۔''

طلال کے چہرے کو ایک تکلیف دہ رنگ چھو گیا۔

''تم تو بہت مضبوط تھے طفی! بہت بہادر۔'' اس کے لہجے میں حیرت، دُکھ، تاسف سبھی کچھ تھا۔

مصطفیٰ خان کے اندر آگ سی بھڑک اٹھی۔ آنکھوں کی پتلیوں پر آگ جلتی محسوس ہونے لگی۔ کبھی کبھی ذات کا دکھ مار ڈالتا ہے۔ انفرادی دکھ سارے حوصلے پچھاڑ ڈالتا ہے۔

''تم ٹھیک کہتے ہو۔ مورے شاید انتظار کر رہی ہوں گی۔'' ایک گہری سانس کھینچ کر وہ بینچ سے کھڑا ہو گیا اور ٹراؤزر کی جیبوں میں ہاتھ پھنسا کر ڈھیلے ڈھیلے قدم اٹھاتا ہوا گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

ابھی کچھ دن لگیں گے
دل ایسے شہر کے پامال ہو جانے کا منظر بھولنے میں
ابھی کچھ دن لگیں گے
جہان رنگ کے سارے خس و خاشاک، سب صنوبر
بھولنے میں ابھی کچھ دن لگیں گے
تھکے ہارے ہوئے خوابوں کے ساحل پر

کہیں امید کا چھوٹا سا اِک گھر
بنتے بنتے رہ گیا ہے
وہ اِک گھر بھولنے میں
ابھی کچھ دن لگیں گے
مگر اب دن ہی کتنے رہ گئے ہیں
بس اِک دن کی لوحِ محفوظ پر
اچانک
رات اترے گی

اس نے ڈرتے ڈرتے بیڈ روم میں قدم رکھا۔ وہ سامنے بیڈ پر نیم دراز تھا اور کسی کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی اس کے چہرے کے زاویوں میں کھنچاؤ آ گیا۔ کتاب بند کی اور تکیہ اٹھائے بیڈ سے اترا اور ملحقہ اسٹڈی روم میں چلا گیا۔

لالہ کے دل میں تیر پیوست ہو گیا۔

یہ سرد جنگ مسلسل کئی دنوں سے جاری تھی۔ آکا جان کی موت کو پندرہ یوم ہو چکے تھے۔ کچھ روز تو وہ خود بھی اس سے نظریں بچائے مورے کے کمرے میں بند رہنے لگی تھی مگر آخر کب تک وہ اس طرح فرار حاصل کر سکتی تھی؟

وہ دن بھر جانے کہاں رہتا۔ رات اس کے کمرے میں قدم رکھتے ہی اسٹڈی روم میں جا کر بند ہو جاتا اور صبح سویرے نکل جاتا۔ وہ اسے صفائی کا موقع نہیں دے رہا تھا۔ اس کی کوئی بات سننے کا روادار نہیں تھا بلکہ اس کی صورت دیکھنے کا روادار نہیں تھا۔

اسٹڈی روم کے بند دروازے کو تکتے تکتے اس کی آنکھیں سوج جاتی تھیں مگر دروازہ اس کی تقدیر کی خوشیوں کی طرح بند ہوا تھا کہ شاید اب کبھی کھل سکتا۔

وہ اپنا غم کس سے کہتی، کس سے روتی۔ یہ سب اس کی اپنی کوتاہیوں، غلطیوں کا خمیازہ تھا کہ اس نے اعتبار، اعتماد کا رشتہ قائم کرنے کی کوشش ہی نہ کی تھی۔ پھر کیونکر وہ متنفر نہ ہو جاتا۔

رشتے کی ڈور کو مضبوط کرنے کی کبھی کوشش ہی نہ کی تھی۔ پھر کیونکر وہ کسی رشتے کے زعم میں اس کو قصور وار ٹھہراتی۔

اس نے تو اس کی سچی، پُرخلوص اور بے غرض محبت ہی کی اس قدر ناقدری کی تھی کہ وہ اس سے بھی سخت اور ناگوار رویہ اختیار کرنے کا حق رکھتا تھا۔

سچ ہی کہتے ہیں رشتے اس وقت تک اہم ہوتے ہیں جب تک ہم انہیں اہم سمجھیں،

ہیں اہمیت دیں۔

ایک ایک کر کے اسے اپنی ساری کوتاہیاں، بے مہریاں اور تلخ نوائیاں یاد آ آ کر شرمسار رتی رہیں۔ اس کے باوجود مزاحمت اور اپنی مدافعت کی لہریں اس کے اندر سے اٹھتی تھیں وجھاگ کی طرح اندر ہی بیٹھ جاتیں۔

وہ قالین سے اٹھی اور اسٹڈی روم کی طرف بڑھی۔

دروازے کے ہینڈل کو چھوا تو دروازہ چر کی آواز کے ساتھ کھل گیا۔ اس کا مطلب تھا وہ رے لاک کرنا بھول گیا تھا آج یا دانستہ اس نے ایسی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

دروازے کا کھلا ہونا اس کے لئے خوشگوار تھا۔ مگر دوسرے پل اس کا ہاتھ ہینڈل سے ہٹ گیا۔ اسے اپنے پیر من من بھر کے محسوس ہونے لگے۔ اس کی سرمئی آنکھوں میں بھری نفرت اور نفرت کی چنگاریاں تصور میں ہی اسے اپنے وجود پر اڑتی، گرتی محسوس ہونے لیں۔ اپنی صفائی میں کہنے والے سارے الفاظ اسے بہت کھوکھلے لگنے لگے۔

اور مدافعت کا سلیقہ اسے آتا نہیں تھا۔

سیف الرحمٰن اس کے اردگرد ایسی آگ دہکا گیا تھا کہ جس سے نکلنے کا کوئی راستہ اسے ائی نہیں دے رہا تھا اور وہ اس آگ میں دھڑ دھڑ جلنے اور جلتے رہنے پر مجبور تھی۔

آنسو پیتی وہ بوجھل قدموں سے بیڈ پر گر سی گئی۔

❋☆❋

خرم کے لئے یہ چند دن بے حد اضطراب کے گزرے تھے۔ وہ طلال سے بات کرنے کا قع ڈھونڈتا پھر رہا تھا مگر مصطفیٰ خان کے آکا کی بیماری سے ان کی موت کے بعد تک اسے ائی مناسب موقع نہ ملا تھا۔ وہ ہر روز بستر پر لیٹے لیٹے اسی موضوع کو اٹھانے کے لئے الفاظ اں کرتا رہا، کوئی سرا ڈھونڈتا رہا۔

آج اتفاق سے اسے وہ موقع مل گیا۔ طلال، جلال بھائی کے اسٹڈی روم میں بیٹھا کوئی ب پڑھ رہا تھا۔ سادے سے شلوار سوٹ اور گھر کی سادی چپلوں سے ظاہر تھا وہ بالکل ت کے ساتھ گھر میں ہی رہنے کے موڈ میں ہے۔

"کہتے ہیں اہل دل حضرات ذرے ذرے میں دھڑکنیں محسوس کرتے ہیں اور پتھر دل نانوں کو احساس کی دولت سے محروم ہونے کا بھی احساس نہیں ہوتا۔" خرم نے شیلف پر گی ٹکائے ایک ٹھنڈی قدرے متاسفانہ سانس کھینچی جیسے حقیقتاً کسی کی بے حسی پر افسوس منا اہو۔

اس نے کتاب سے توجہ ہٹائی اور ابرو اچکا کر اس کی طرف دیکھا۔

''مریضوں کی دھڑکنیں معمول پر رکھنے کے جتن کرنے والے حضرات سے ایسی بے حسی کی امید نہیں تھی۔''

''سیدھے سادے طریقے سے بات کرو۔ یہ گھما پھرا کر بات کرنے کی زحمت کیوں اٹھا رہے ہو؟'' اس نے کتاب بند کر دی۔

وہ غیر محسوس طور پر چونکا تھا تاہم ایسا کوئی تاثر چہرے پر نہیں آنے دیا۔

خرم نے پہلے سے بھی کہیں زیادہ ٹھنڈی اور طویل سانس بھرلی۔

''میں تو سیدھی سادی ہی بات کر رہا ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ آپ سمجھ کر بھی پہلو تہی کر رہے ہیں۔''

''یہ پہلو تہی کیا ہوتا ہے؟ مجھے اس کا مطلب نہیں پتہ؟'' وہ کچھ اس معصومیت سے بولا کہ خرم کو پتنگے لگ گئے۔

''اس سے زیادہ موٹے موٹے اردو کے الفاظ استعمال کر لیتے ہیں اور پہلو تہی کا مطلب نہیں پتہ۔ پہلو تہی کا مطلب ہے کترانا، کنارہ کش ہونا، اجتناب کرنا۔'' وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہر لفظ پر زور دیتا ہوا بولا۔

''ارے واہ، پوری لغت پڑھ ڈالی ہے کیا؟'' وہ استہزائیہ انداز میں بے ساختہ ہنس دیا پھر ہنکارا بھرتے ہوئے بولا۔ ''چلو خیر، ہو گا یہ مطلب۔ مگر تمہارا ان سب باتوں سے کیا مطلب ہے؟''

''اُف، اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا۔'' خرم کے سینے سے ایک آہ پُرسوز نکل گئی۔ اس نے بڑے افسوس سے سر ہلایا اور اسے دیکھنے لگا۔

وہ بڑے پُرسکون انداز میں ٹانگ پر ٹانگ رکھے اس کے بولنے کا منتظر تھا۔ اس کا یہ اعتماد خرم کو الجھانے لگا۔

''کچھ روز پہلے مجھے پلوشہ کا فون آیا تھا۔'' خرم نے کہنا شروع کیا۔ ''آپ کے اور روشانہ کے درمیان جو کشیدگی ہو گئی ہے اس پر وہ بہت پریشان ہے۔ اس کے خیال میں یہ مسئلہ بزرگوں میں اٹھانے کی بجائے اگر خود دونوں فریقین آپس میں مل کر افہام و تفہیم سے حل کر لیں تو زیادہ اچھا رہے گا۔''

طلال جھٹکے سے کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اسے اپنے اعصاب اس لاسٹک کی طرح کھنچے محسوس ہونے لگے جسے کوئی دونوں کناروں سے کھینچ کر چھوڑ دے۔ اس کے چہرے کے نقوش

میں بھی کھنچاؤ تھا۔

''میں آپ کے پرسنل افیئر میں مداخلت کا مرتکب ہو رہا ہوں اس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ مگر یہ بہت ضروری تھا چاچو! پلوشہ نے مجھ پر ٹرسٹ کیا ہے۔'' وہ اس کی ناگواری محسوس کرتے ہوئے جلدی سے بولا۔

''ظاہر ہے وہ تو تم پر ٹرسٹ کرے گی۔'' اس نے طنز سے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔

''کیا آپ کی خوشی، آپ کا غم، آپ کی پریشانیاں ہم سے الگ ہیں؟'' خرم کے لہجے میں آزردگی اتر آئی۔ طلال ایک اضطراب محسوس کر کے رہ گیا۔

کچھ دیر کمرے کی فضا میں بوجھل خاموشی طاری رہی۔ وہ کھڑکی سے باہر جھانکنے لگا، پھر دھیرے سے بولا۔ ''بداعتمادی، انتہا کو پہنچ چکی ہو تو وہاں مفاہمت کا کوئی راستہ نہیں رہتا۔'' اس کی آواز بے حد سرد تھی، جذبات سے یکسر عاری۔

''بداعتمادی ختم بھی تو کی جا سکتی ہے، اعتماد بحال بھی تو کیا جا سکتا ہے۔'' خرم کے لہجے میں عجیب سی تڑپ تھی۔

طلال اس کی بات سن کر استہزائیہ انداز میں ہنس دیا اور اس کی طرف دیکھا۔

''کیسے؟ کیسے کیا جا سکتا ہے؟ معافیاں مانگ کر، ہاتھ جوڑ کر، پاؤں پکڑ کر، وضاحتیں دے کر؟ نہیں خرم! وضاحتوں کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب آپ ہمیشہ بے یقینی کی فضا میں سانس لیتے رہے ہوں، جب آپ کا ذہن اور دل بے اعتباری کی آلودگی کو قبول کر لینے کا عادی ہو۔ جب محبت رویوں اور جملوں میں تلاش کی جا رہی ہو، جہاں محبت کمزور ہوتی ہے، وہیں عیب توانا نظر آتے ہیں۔'' اس کے لہجے میں تلخی کا دریا امڈ آیا۔

''نہیں چاچو! میں یہاں آپ سے متفق نہیں ہوں۔'' خرم نے نفی میں سر ہلایا۔ ''محبت کا پودا بہت حساس ہوتا ہے۔ یہ توجہ چاہتا ہے، اس کی نمو کے لئے اظہار، رویوں میں لچک ضروری ہے اور مقابل کو بھرپور اعتماد دینا بھی ضروری ہے۔ جب یہ پودا نمو پا جائے، اس کی جڑیں مضبوط ہو جائیں، پھر آپ بے شک کہہ سکتے ہیں کہ وہاں جملوں، وضاحتوں اور رویوں کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ وہاں قربتیں اور فاصلے تک بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ مگر ہر تعلق، ہر جذبہ ابتدا میں کچھ باتوں کا متقاضی ہوتا ہے۔ ہر تعلق اور جذبہ جواباً اتنی شدت چاہتا ہے جتنی شدت سے وہ کسی دوسرے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ انہیں ان کی طلب کے مطابق نہ سہی، کچھ کم ہی، ملے تو سہی۔''

خرم کی باتوں نے اسے یکلخت گم صم کر دیا۔

وہ غلط نہیں کہہ رہا تھا بلکہ اس کا حرف حرف درست تھا۔ اور اس کا دل مضطرب ہو رہا تھا۔ اس کی رگ رگ میں اضطراب بھر گیا۔

''میں آپ سے یہ نہیں کہوں گا کہ آپ جا کر روشانہ کے پیر پکڑ لیں یا معافی مانگتے یا وضاحتیں دیتے پھریں۔ مگر فقط اتنا کہوں گا کہ اپنے رویوں میں تھوڑی سی گنجائش رکھتے ہوئے مقابل کے جذبوں کو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ ہوسکتا ہے کوئی بہتر حل نکل آئے۔'' خرم کا لہجہ کسی شفیق بزرگ کی طرح مدبرانہ اور مربیانہ تھا۔

وہ ایک گہری سانس کھینچ کر اسے دیکھتا رہ گیا۔

حیرت تھی کہ اسے خرم کی باتیں سن کر نہ غصہ آ رہا تھا نہ جھنجلاہٹ ہوئی تھی۔ ایک عجیب سی خاموشی روح میں اترتی محسوس ہو رہی تھی۔ ایک گہرا سناٹا وجود پر طاری ہوتا لگ رہا تھا۔

خرم اس کے چہرے کے تاثرات سے کوئی نتیجہ اخذ نہ کر پا رہا تھا۔

''چاچو! اگر آپ کہیں تو میں......''

''خرم! اگر میں کہوں کہ تمہاری باتیں غلط نہیں ہیں بلکہ بالکل بجا ہیں۔ اس کے باوجود تم مجھے اس وقت اکیلا چھوڑ دو اور یہاں سے چلے جاؤ؟'' وہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔

خرم اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔ تاہم آخری کوشش کرتے ہوئے بولا۔

''میں روشانہ سے خود بات کروں چاچو! اور اُسے......''

''خرم پلیز، لیو می الون۔'' اب کے اس کا لہجہ ملتجی نہیں بلکہ حکمیہ اور قدرے درشت تھا۔

خرم ایک گہری سانس کھینچ کر رہ گیا اور ایک نظر اس کے سرخ چہرے پر ڈال کر کمرے سے نکل گیا مگر جانے کیوں اسے یقین تھا وہ اس کی باتوں پر ضرور غور کرے گا۔ اس کے چہرے کی رنگت سے یہ ظاہر تھا یہ باتیں اس کے دل پر ضرور لگی تھیں۔

اپنے کمرے میں جاتے ہوئے خرم سوچ رہا تھا کہ اسے خود بھی روشانہ سے بات کرنی چاہئے۔ یوں بھی اس کے خیال میں لڑکیاں حد سے زیادہ جذباتی بلکہ بے وقوفانہ حد تک جذباتی ہوتی ہیں۔

※☆※

فیصلوں کی ندامت سے
تکلیف وہ کوئی دُکھ نہیں ہوتا
وقت کے دشتِ بے برگ میں
واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہوتا

کہتے ہیں ادراک کا ایک لمحہ پوری زندگی پر بھاری ہوتا ہے مگر اپنے ساتھ یا تو زندگی کی ری رعنائی و دلکشی سمیٹ کر لے جاتا ہے یا پھر رنگ، روشنی خیرات کر جاتا ہے۔

لالہ رخ پر ادراک کا یہ لمحہ اس وقت وا ہوا جب سارے پتے اس کے ہاتھ سے نکل گئے اس کی زندگی میں داخل ہونے والی خوشیاں طوفان کی نذر ہو کر ساحل کے اس پار کہیں رہ گئیں۔

چاہے جانے کی خواہش کب بیدار ہوئی، چاہنے کی تمنا کب جاگی۔ شاید ان لمحات میں وہ بظاہر اس سے دور ہوا تھا۔ ایسے میں تنہائی کا عفریت اسے خوفزدہ کرنے کی بجائے کے خوش کن تصورات سے بہلانے لگا۔

دوری قربت کا باعث بنی اور وہ اس کے احساسات اور سوچوں پر چھاتا چلا گیا۔

دوری کے ان لمحات میں وہ اس کے قریب تر آتا چلا گیا حتیٰ کہ اس کی اپنی ذات، اپنا کہیں گم ہو گیا۔

مگر جذبے اظہار کی حدود میں ابھی بھی داخل نہ ہوئے تھے کہ اس کے سارے خوشنما ل کا پتا پتا بکھر کر رہ گیا۔

سیف الرحمٰن ایسی ہی آندھی بن کر ایک بار پھر اسے اجاڑنے چلا آیا تھا۔

بے بسی کی انتہا پر تھی وہ...... وہ پاگلوں کی طرح اسے یقین دلانے کے جتن کر رہی تھی، اعتباری کی فضا کو کاٹنے کی سعی کر رہی تھی مگر اس نے تو یوں دامن سمیٹ لیا تھا گویا کبھی کا سایہ بن کر اس پر تنا ہی نہ تھا۔

اس کا دل جیتنا چاہتی تھی، اس کی خوشنودی حاصل کرنے کو بے قرار تھی مگر اس کا سخت ٹ نہیں رہا تھا۔

روز بھی وہ اسے اپنے کپڑوں پر آئرن پھیرتے دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا۔

بند کرو یہ ناٹک، یہ مکر و فریب دینا۔'' اس نے اسٹینڈ پر پھیلا ہوا شرٹ کڑے تیوروں کر اس کا گولا سا بنا کر دیوار پر دے مارا۔ ''یہ ناٹک مجھے متاثر نہیں کرے گا۔'' یہ لہجہ امان کا لہجہ تو نہ تھا بلکہ ایک ایسے شخص کا لہجہ تھا جو مسلسل بد اعتمادی کی فضا میں سانس رہا ہو۔ جس کی برداشت آخری نہج پر پہنچ کر چیخ گئی ہو۔

رخ کا ہر عمل اسے بجائے بہلانے کے، اس کے غصے کو بڑھا جاتا تھا۔ اس کے سینے میں جلتی آگ پر تیل کا کام کر رہا تھا۔

مجھے صرف ایک بار اپنی صفائی کا موقع دو مصطفیٰ۔'' وہ رندھی آواز میں بولی۔

"ہاں، تاکہ تم اپنے مکر و فریب پر لفظوں کا ملمع چڑھا لو۔ اتنا احمق سمجھ رہی ہو مجھے؟" وہ زہرخندی سے بولا اور اس کی آنکھوں میں اپنی تپتی آنکھیں ڈال کر غرایا۔ "ایک عرصے سے بے وقوف بنتا آ رہا ہوں۔ تمہارے اس معصوم چہرے کے فریب میں رُلتا رہا۔ اب تو مجھے سوچ کر ہی اذیت ہوتی ہے کہ میں نے ایک ایسی عورت کو چاہا جو چاہے جانے کے قابل ہی نہ تھی۔ جس کا ظاہر جس قدر حسین ہے، اس کا باطن اتنا ہی بدصورت۔"

"یہ جھوٹ ہے۔" وہ کرب سے چلائی۔

"کیا جھوٹ ہے؟" اس نے آنکھیں نکالیں۔ پھر یکدم تنفر سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے دروازے کی طرف دھکیلا۔ "چلی جاؤ یہاں سے۔ مجھے تمہاری کوئی جھوٹی سچی کہانی نہیں سننی۔ جو کچھ سننا تھا وہ میں اپنے کانوں سے سن چکا ہوں۔ بس افسوس رہ گیا کہ یہ سب سننے میں، میں نے دیر کر دی اور وہ سب نہ دیکھ سکا جو میری غیر موجودگی میں یہاں کھیلا جاتا رہا۔"

"یہ بہتان ہے مجھ پر...... جھوٹ ہے یہ۔ میں نے کوئی کھیل نہیں کھیلا۔" وہ چلائی مگر اس کی آواز گھٹ کر رہ گئی۔ دُکھ، بے بسی، بے اختیاری نے اس کی قوت گویائی کمزور کر دی۔

"اس سے پہلے کہ میرا ہاتھ تم پر اٹھنے لگے، میں وحشی بن جاؤں تم حویلی سے چلی جاؤ۔ چلی جاؤ، میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔" وہ غصے سے پاگل ہو رہا تھا اور انتہا سے زیادہ سفاک دکھائی دے رہا تھا۔ اسے بازو سے پکڑ کر پوری طاقت سے دروازے سے باہر دھکیل کر دروازہ کھٹاک سے بند کر دیا۔

اس ذلت اور اہانت پر وہ کٹ کر رہ گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو ٹھہر گئے۔ وہ بے یقینی اور ذلت کی شدت سے گنگ دروازے کو تکتی رہ گئی۔

لمبی راہداری میں گہرا اندھیرا اور پھیلا ہوا سناٹا، لالہ رخ کو اپنی روح میں اترتا محسوس ہونے لگا۔ لالہ رخ کو لگا یہ طویل اندھیری راہداری نہ ہو، ایک تاریک اندھی کھائی ہو جس میں مصطفیٰ خان نے اسے دھکیل دیا ہو اور اب اسے کوئی راستہ نہ سجھائی دے رہا ہو۔ روشنی کی کوئی کرن نہ دکھائی دے رہی ہو۔

وہ دیوار سے لگ کر اپنے دل کے ٹوٹنے کی صدائیں سننے لگی اور ماربل کے ٹھنڈے فرش پر بیٹھ کر سر گھٹنوں میں دے لیا۔ اس حد تک ذلت کا تو تصور بھی نہ تھا اس کے پاس۔

ملازم سب اپنے اپنے کوارٹرز میں تھے۔ مورے نیند کی گولی کھا کر کب کی سو چکی تھیں۔ مجتبیٰ کا کمرا لابی کے آخری کنارے پر تھا۔ اس وقت اس کی ذلت کا تماشہ دیکھنے والا کوئی نہ تھا۔ نہ مورے اپنے بیٹے کا یہ وحشیانہ پن دیکھنے کو موجود تھیں۔ وہ دوپٹے سے بے نیاز

جارجٹ کے پتلے سوٹ میں سنسناتی ہواؤں سے بے نیاز ٹھنڈے فرش پر گھٹنوں میں سر دیئے خود اپنی اہانت اور ذلت کا تماشہ دیکھنے کو زندہ تھی۔

گرم گرم آنسو اس کا سینہ دُکھائے دے رہے تھے۔ آنکھوں میں قیامت سی آگ بھری تھی۔

"اب یہاں بیٹھ کر اپنا اور میرا تماشہ بنانا چاہ رہی ہو؟" کوئی گھنٹہ بھر بعد وہ جھلتا ہوا کمرے سے نکلا تھا اور اس کے سر پر کھڑا کھول رہا تھا۔

"یہاں تماشا دیکھنے والا کون ہے سوائے آپ کے۔" وہ کہہ گئی۔

"تماشا میں کیا دیکھوں گا تمہارا، تماشا تو تم نے میرا بنایا ہے اور دیکھا ہے خوب۔ میری محبت کا، میرے پاک سچے جذبوں کا۔" وہ طنز اور دل گرفتگی سے ہنسا۔ پھر اسے یونہی بیٹھے آنسو بہاتے دیکھ کر چڑ کر بولا۔ "یہاں سے اٹھو اور جا کر کسی بھی کمرے میں بیٹھ کر سوگ مناؤ۔" اس کا لہجہ درشت تھا۔ مگر وہ یونہی بیٹھی رہی۔

"میں تم سے کہہ رہا ہوں لالہ رخ! بات سنو، کسی خوش فہمی میں مت رہنا کہ اس طرح سارے گھر والوں کے سامنے رو دھو کر تم ان کی ہمدردیاں سمیٹ لو گی اور اپنا مقصد پورا کر لو گی۔"

"خدا کے لئے چپ ہو جاؤ۔ چپ ہو جاؤ۔ کچھ تو اپنا بھرم رہنے دو۔" وہ سر اٹھا کر فرط کرب سے چلائی۔

"کیا میں، میرا بھرم؟" مصطفیٰ خان کے اعصاب پر کرنٹ دوڑ گیا۔ "تم...... تم نے اپنا بھرم قائم رہنے دیا ہے؟ کس منہ سے مجھے الزام دینے چلی ہو؟" اس نے جارحانہ انداز میں اس کا بازو پکڑ کر اسے اٹھایا۔ "بولو، میں اپنا بھرم قائم نہیں رکھ سکا یا تم؟ میں نے تو تمہارا بھرم بھی سنبھالے رکھا تھا۔ ورنہ تم وہ عورت تھیں جسے مجھے پہلے روز ہی حویلی سے نکال دینا چاہئے تھا۔" وہ مارے غصے کے پاگل ہو رہا تھا۔

وہ کسی شکستہ لکڑی کی طرح یکلخت اٹھی اور اس کے شانے سے لگ کر بکھر گئی۔

"مجھے اپنی صفائی کا موقع دو مصطفیٰ! صرف ایک بار مجھے معاف کر دو۔ مجھے اعتراف ہے میں نے تمہاری محبت کو روندا ہے۔ تمہارے جذبوں کی قدر نہیں کی۔ میں ایک ناقدر شناس رہی ہوں مگر ایک بدکردار عورت نہیں ہوں۔ تم جو سمجھ رہے ہو، ایسا کچھ نہیں ہے۔ پلیز مجھ پر اعتبار کرو، مجھے اپنی صفائی میں کچھ کہنے کا موقع دو۔" وہ تڑپ تڑپ کر رونے لگی۔

مگر وہ دونوں ہاتھ پہلو میں گرائے لب بھینچے کھڑا رہا۔ اس کی شرٹ کا گریبان لالہ کے

سلگتے آنسوؤں سے بھیگتا رہا۔ مگر وہ گلیشیر بن گیا تھا، جسے کوئی شعلہ بھی پگھلا نہ رہا تھا۔

وہ اسے کوئی رعایت دینے کو تیار نظر نہیں آ رہا تھا۔ عموماً ایسا ہی ہوتا ہے۔ بداعتمادی اور بے اعتباری، بے اعتنائی کی مسلسل فضا جذبوں کا گلا گھونٹ دیتی ہے یا جذبوں کو سخت خول میں سمیٹنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

مصطفیٰ خان نے بھی اپنے جذبات کو سخت خول میں سمیٹ لیا تھا، احساسات کی لو نیچے کر لی تھی۔ اب وہاں صرف صحرا جیسا سناٹا اترا ہوا تھا۔

لالہ رخ کے آنسو، اس کے ماتم، اس صحرا کی پیاس نہیں بجھا سکتا تھا۔ وہاں کوئی پھول نہیں کھلا سکتے تھے۔ اس نے بے مہری سے اسے خود سے الگ کیا اور پلٹ کر بیڈ روم میں جانے کے لئے وہ لابی کی طرف چلا گیا۔

سوچ کی زمینوں پر راستے جدا ہوں تو
دور جا نکلنے میں دیر کتنی لگتی ہے
یہ تو ...... کے بس میں ہے کہ کتنی مہلت دے
ورنہ بخت ڈھلنے میں دیر کتنی لگتی ہے

☆☆☆

صبح ناشتے کی میز پر وہ مورے سے کہہ رہا تھا۔

''لالہ رخ کچھ عرصہ میکے رہنے جانا چاہ رہی ہے۔ میں نے اسے اجازت دے دی ہے۔ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں؟'' اس کا لہجہ معمول کے مطابق تھا جیسے کوئی شوہر اپنی بیوی کو میکے جانے اور کچھ دن ٹھہرنے کی اجازت دے رہا ہو۔

لالہ رخ نے تڑپ کر نظریں اٹھائیں۔

''لو بھلا مجھے کیا اعتراض ہوگا؟ یہ تو اس کا حق ہے۔ شادی کے بعد عورت کا رشتہ ماں باپ، بہن بھائیوں سے کوئی ختم تھوڑی ہو جاتا ہے؟ بلکہ میکے سے رشتہ اور مضبوط ہو جاتا ہے۔'' مورے اپنائیت، نرمی اور محبت سے لالہ رخ کو دیکھ کر بولیں۔ ''ضرور جاؤ بیٹی! میں تو خود تمہیں کہنے والی تھی۔ بس آ کا جان کی بیماری اور پھر ان کی موت نے میرا دماغ ٹھکانے پر نہیں رہنے دیا۔ سارا بوجھ تم اکیلی پر ڈال کر میں تو اٹوانٹی کھٹوانٹی لے کر پڑ گئی۔ چلو شکر ہے کہ اس لاپرواہ لڑکے کو ہی تمہارا خیال آ گیا۔''

اس کا حلق آنسوؤں کے غبار سے بھر رہا تھا۔ آنکھوں میں مرچیں سی لگتی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس شخص کی سفاکی، بے مہری اور مورے کی سادگی پر اسے ٹوٹ کر رونا آیا۔ وہ کرسی

دھکیل کر وہاں سے اٹھ گئی۔

''تم خود جاؤ گے اسے چھوڑنے؟'' مورے اس کے دل کی حالت سے بے خبر مصطفیٰ سے مخاطب تھیں۔

''میں؟'' وہ یکدم کسی خیال سے چونکا اور چائے کا مگ لبوں سے لگا کر سر نفی میں ہلایا۔ ''نہیں، میرا خیال ہے اس کی ضرورت نہیں ہے۔''

''لو، یہ کیا بات ہوئی؟ ضرورت کیوں نہیں ہے؟ کیا اسے اکیلے بھیج دو گے؟'' مورے خفا ہونے لگیں۔

''پوچھ لیجئے آپ اپنی بہو سے، کیا اسے ضرورت ہے؟'' یہ کہتے ہوئے وہ ہلکے سے ہنسا تھا۔ مورے کی پیشانی شکن آلود ہوگئی۔

''مصطفیٰ! کبھی کبھی مجھے لگتا ہے تم روایتی مرد بنتے جا رہے ہو۔ تمہارے انداز، لہجے میں اب، تکریم اور احترام ختم ہوتا جا رہا ہے جو عورت ذات کے حوالے سے ہونا چاہئے تھا۔''

''میں نے ایسا کیا کہہ دیا؟'' اس کے لب باہم سکڑ گئے۔

''اپنے لہجے اور انداز پر غور کرنا شاید تم نے چھوڑ دیا ہے۔'' مورے کے انداز میں ہنوز خفگی اور تاسف تھا۔ پھر وہ لالہ رخ سے بولیں۔ ''ادھر آؤ لالہ رخ۔''

لالہ رخ کو اب پلٹ کر میز تک آنا دوبھر لگنے لگا۔ وہ بے آواز بہتے آنسوؤں کو جلدی سے ہتھیلی سے رگڑ کر بولی۔ ''ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں مورے! مجھے کون سا دوسرے ملک جانا ہے۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے کا ہی تو سفر ہے۔''

مورے چپ سی رہ گئیں۔ پھر چند لمحے توقف کے بعد بولیں۔ ''جیسی تمہاری مرضی۔ مگر کوئی ساتھ ہوتا تو مجھے تسلی رہتی۔ حمزہ بھی ساتھ جائے گا تمہارے؟''

حمزہ کے نام پر مصطفیٰ خان کے چہرے پر یک بیک ایک تغیر رونما ہوا۔ کرسی سے اٹھتے ہوئے اس نے بے ساختہ لالہ رخ کو دیکھا۔ نظروں کا خفیف سا تصادم ہوا۔ دوسرے پل وہ نگاہوں کا زاویہ بدل کر مورے سے بولی۔

''ہاں، ساتھ ہی لے جاؤں گی۔''

مصطفیٰ خان نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹالیں اور وہاں سے چلا گیا۔

''رہ لے گا وہ اتنے دن وہاں؟'' مورے کے لہجے میں تشویش تھی۔ مگر دوسرے پل وہ سر خفیف سی جنبش دے کر ہنسیں۔ ''چلو، وہاں بھی تو سب اس کو بڑا یاد کرتے رہتے ہیں۔ ارے میکے والے یہ نہ کہیں کہ حمزہ پر تو تمہارے سسرال والوں نے قبضہ ہی جما لیا ہے۔''

"کہتے ہیں تو کہنے دیں۔ ہم نے قبضہ ہی جمالیا ہے۔" مجتبیٰ رسٹ واچ باندھتا ہوا میز تک آیا اور مورے کے جملے کے جواب میں بولا۔ "ویسے بائی دی وے حمزہ جا کہاں رہا ہے خدانخواستہ؟" اس نے چونک کر مورے کو، پھر لالہ رخ کی طرف دیکھا مگر لالہ رخ پلٹ کر باورچی خانے میں چلی گئی۔

"اسے کہاں جانا ہے، لالہ رخ کے ساتھ اپنی نانی کے یہاں جا رہا ہے۔ خیر سے واپس بھی آ جائے گا۔"

"خیر سے کتنے دن بعد واپس آئے گا؟" وہ کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"اوہو لڑکے، تم تو سچ مچ میں ہی اس بچے پر قبضہ جما بیٹھے ہو۔" مورے نے ہنسی کے ساتھ اسے ڈانٹا۔

"بھئی جہاں محبت ہوگی وہاں حق تو جتایا جا سکتا ہے۔ کیوں بھابی! یہ حق جتانا آپ کو برا تو نہیں لگتا؟" وہ فریج میں دودھ کا پوٹ رکھتے ہوئے مجتبیٰ کی بات پر فقط مسکرا دی۔

اس کا دل اندر سے سلگتا ہوا پھوڑا بنا ہوا تھا۔

کون کس پر کتنا حق رکھتا تھا، اب یہ ساری باتیں بے معنی ہو کر رہ گئی تھیں۔ وہ جس عذاب سے گزر رہی تھی، جس ذہنی آزار میں سلگ رہی تھی، وہ ماں بیٹا اس سے بے خبر تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے اس نے کس طرح جیتی ہوئی بازی ہاری ہے اور اب حمزہ کو یہاں رکھنے کا کیا جواز رہ جاتا تھا۔

☼☆☼

سکندر ولا میں مہ وش کی شادی کی تاریاں ہو رہی تھیں۔ دعوتی کارڈز آگے رکھے تھے۔ ادھر عفت چچی جاذب اور خرم کے پیچھے بھاگ بھاگ کر تھک گئیں۔ سارے کارڈز جلد از جلد لکھ کر تقسیم کر دو۔ آخر تھک ہار کر رفیعہ بیگم (ساس) کو سونپ گئیں کہ وہ جانیں اور ان کے بیٹے اور پوتے جانیں۔

"یہ لڑکا جاذب تو بہت نکما ہو گیا ہے۔ روبی نے اس کی عادتیں بگاڑ دی ہیں۔ ہل کر پانی نہیں پیتا۔ اور ادھر یہ سارا سارا دن گھر سے غائب۔ اور جو گھر میں آئے تو ایسی سنجیدہ شکل بنا کے بیٹھا ہوتا ہے گویا سارے جہان کی ذمے داری انہی کے کندھوں پر آ پڑی ہو۔ مسکرانے کی فرصت نہ مل رہی ہو۔" رفیعہ بیگم کے ہاتھوں گویا آج سب کی کلاس لگی تھی۔ انہوں نے صوفے پر لیٹے خرم کو گھورا۔

"تمہاری شان میں قصیدہ نہیں پڑھ رہی ہوں جو دانت نکال رہے ہو۔"

"ہنس کہاں رہا ہوں۔ بقول آپ کے مجھے تو مسکرانے کی بھی فرصت نہیں مل رہی ہے۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے قالین پر آلتی پالتی مارے بیٹھی حنا کو دیکھ کر ہلکے سے آنکھ دبائی۔

عشق نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

"کچھ سن رہی ہیں دادی؟" حنا اسے گھورتے ہوئے رفیعہ بیگم کا گھٹنا ہلانے لگی۔

"خرم کو یہ قلق ہے کہ مہ وش کی شادی کے ساتھ اس کی شادی وادی کا کوئی سلسلہ کیوں نہیں ہو رہا ہے؟"

"کیا..... کیا، یہ میں نے کب کہا تم سے؟" وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ رفیعہ بیگم کی اٹھنے والی نگاہوں میں تمسخر اور غصہ دونوں ہی تھے۔

"بس یہی کام رہ گیا ہے۔ پہلے ذمے دار تو بن جائے۔ یہ سارے کام پڑے ہیں۔ ہل کر ایک کام کیا نہیں جاتا اور شادی کا شوق چرا رہا ہے۔"

"خدا کا خوف کرو حنا!" وہ بلبلا کر رفیعہ بیگم کے تخت پر آ کر بیٹھ گیا۔ "یہ سراسر جھوٹ بول رہی ہے دادی۔"

"بھئی میں سمجھی تمہاری ٹھنڈی سانسوں کا یہی مطلب ہو گا۔" حنا نے ہنسی دباتے ہوئے کندھے اچکائے۔

"صد آفرین۔ تمہیں بھی سانسوں کا مطلب سمجھ میں آنے لگا ہے۔" وہ استہزائیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ حنا کھسیانی ہنسی ہنس دی۔

"نہیں، میں نے فقط قیاس کیا تھا۔ ویسے یہ کام تو ہمارے سرجن چاچو کو ہی آتا ہو گا۔" حنا نے کمرے میں داخل ہوتے طلال کی طرف دیکھ کر ازراہ مذاق کہا۔

"مائنڈ اٹ سسٹر۔ اس پر دو تین چرکے لگا کر دوبارہ اس سینے میں فٹ کر دینا ہے۔ یہ جذبات اور احساسات کی زبان نہیں سمجھتے، یہ صرف میڈیکل کی زبان سمجھتے ہیں اور میڈیکل پوائنٹ آف ویو سے ہی سارے مسئلے حل کرنا چاہتے ہیں۔"

طلال ابرو اچکا کر اسے گھور کر رہ گیا۔ اس کا انداز تادیبی تھا مگر خرم بے پروائی سے نگاہوں کا زاویہ بدل گیا۔

"دیکھو چاچو کی انسلٹ کر رہے ہو تم۔ اس گھر میں ان سے زیادہ حساس کوئی نہیں ہے۔" حنا کو طلال پر خرم کی طرف سے کی گئی چوٹ گراں گزری۔

''اللہ رے۔'' خرم کو بے ساختہ ہنسی آئی تھی مگر سراسر استہزائیہ ہنسی تھی جو حنا کی بے خبری پر زیادہ آئی تھی۔

''شاید ایسے ہی حساس ہوں گے بقول شاعر۔

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ

ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا''

طلال کے چہرے پر یک بیک سرخی اتر آئی۔ وہ اپنی کرسی پر پہلو بدل کر رہ گیا۔

خرم کے لہجے میں ہی نہیں، آنکھوں میں بھی بڑی کاٹ تھی اور وہ اس کے جملوں کے بیک گراؤنڈ کو بخوبی سمجھ رہا تھا تاہم خاموش رہنے میں ہی عافیت جانی۔

''اماں! کارڈز طلال سے ہی لکھوا لیجئے۔ یہ سارے تو صرف باتیں بنائیں گے۔'' عفت چچی، رفیعہ بیگم کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولیں۔

''خدا کا خوف کیجئے چچی حضور! آپ کی صاحبزادی کو شاپنگ کرا کر میرے انجر پنجر ڈھیلے ہو گئے ہیں اور آپ کہہ رہی ہیں میں صرف باتیں بنا رہا ہوں۔ کس قدر افسوس کی بات ہے۔'' خرم مصنوعی کرب سے کراہا۔ عفت چچی اسے گھورنے لگیں۔

''پوچھ لیجئے۔ پندرہ دنوں سے آپ کی بہو بیٹیوں کا ڈرائیور بنا ہوا ہوں۔ مجال ہے سر اٹھانے کی جو فرصت بھی ملی ہو۔''

''ہائے اللہ، شاپنگ پر تو مجھے بھی جانا ہے۔'' شاپنگ کے نام پر حنا کو اپنی لمبی لسٹ یاد آ گئی۔

''ہائے اللہ، مجھے شاپنگ کرنا ہے۔ آرام سے بیٹھو، لمبی لمبی لسٹیں لے کر یہیں پر آ جاتی ہو۔'' خرم نے اس کی نقل اتارتے ہوئے اسے گھورا، پھر تخت سے اٹھتے ہوئے تنبیہی لہجے میں بولا۔ ''میرے سر لگنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آفاق کے ساتھ جانا، وہ کس مرض کی دوا ہے۔''

''ان کے پاس کہاں ٹائم ہے؟'' حنا بسوری۔ خرم کا یہ صاف انکار اس کے دل میں ترازو ہو گیا تھا۔

''جی ہاں، بادشاہت مل گئی ہے نا جو ٹائم ہی نہیں ہے اس کے پاس۔ شادی کا ٹائم مل گیا، اب ٹائم نہیں مل رہا ہے ذمے داریاں اٹھانے کا۔'' خرم کے اس طرح دل کی بھڑاس نکالنے پر روبی بھابی اور حنا ہنسنے لگیں۔ طلال بھی بے ساختہ مسکراہٹ کو نہ روک سکا تھا البتہ رفیعہ بیگم اسے خشمگیں نظروں سے دیکھنے لگیں۔

''زبان سنبھال کر بول لڑکے۔ آخر وہ اس گھر کا داماد ہے۔''

''اگر انہیں بادشاہت مل جاتی تو وہ فارغ ہی فارغ ہوتے بلکہ میں بھی ملکہ ہوتے ہوئے سارے کام کنیزوں سے کروا لیتی۔ خود کیوں خوار ہوتی۔'' حنا نے اسے چڑایا۔

''ملکہ......؟''

لفظ ''ملکہ'' پر اس نے کچھ یوں استہزائیہ سانس کھینچی کہ حنا کھسیا کر رہ گئی۔

''خیر مجھے کوئی شوق ہے بھی نہیں ملکہ بننے کا۔'' وہ جلدی سے بولی۔

''شوق ہو، تب بھی کون بنا رہا ہے۔''

''خرم! خدا کے لئے یہ فضول باتیں چھوڑو اور ادھر آ کر بیٹھو۔ حنا! تمہیں سوائے باتیں بگھارنے کے کوئی کام نہیں ہے۔ جاؤ جا کر مہ وش اور نازش کا ہاتھ بٹاؤ۔ ڈیرہ جما کر بیٹھ جاتی ہے۔'' رفیعہ بیگم نے تنگ آ کر اسے جھڑکا۔

خرم شرافت سے جا کر ان کے پہلو میں بیٹھ گیا اور سعادت مندی سے سر جھکا لیا۔

''ایکٹنگ دیکھو اس کی۔'' حنا نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور جھلا کر کمرے سے نکل گئی۔

''طلال اور لالی کے سسرال میں یہ کارڈز تمہیں پہنچانے ہیں۔ اب دن زیادہ رہتے نہیں ہیں۔ کل یا پرسوں کوئی دن جانے کا رکھ لو۔'' وہ بے حد سنجیدگی سے خرم سے کہہ رہی تھیں۔

خرم نے ایک ہلکی سی سانس بھر کر طلال کی طرف بے ساختہ دیکھا۔

''چاچو کی بھی ساتھ ہی رخصتی ہو جاتی تو اچھا ہوتا۔ ذرا ہم بھی موج اڑا لیتے۔''

''اس کی رخصتی سے تمہیں کیا موج ہو گی؟ ذرا ہمیں بھی تو پتہ چلے۔'' روبی بھابی، حسنہ کے چھوٹے بچے کو دلیہ کھلا رہی تھیں اس کی بات پر کھلکھلائیں۔

''اسے بس یونہی فضول بولنے کی عادت ہے۔'' طلال نے اسے ترش نظروں سے گھورا۔

خرم کی بات پر رفیعہ بیگم کا دل یکلخت اداس ہو گیا۔ ایک افسردہ سانس ان کے سینے کی تہہ سے نکلی تھی۔

طلال اخبار سمیٹ کر کمرے سے نکل گیا۔

''ہماری طرف سے تو ساری تیاریاں مکمل تھیں۔ خدا جانے اسد کی عقل کو کیا ہو گیا ہے۔ خیر، دیر میں خیر ہے۔'' انہوں نے بات ختم کر دی۔ پھر کارڈز پر نظر ڈال کر بولیں۔ ''لڑکے! تم مجھے دوسری باتوں میں نہ الجھاؤ۔ پہلے ہی میرا دماغ الجھا ہوا ہے۔ یہ کارڈ اٹھاؤ اور لے جاؤ۔ ایک ہفتے کے اندر اندر انہیں تقسیم کرنا تمہاری اور جاذب کی ذمے داری ہے۔ اب میں کوئی تاخیر نہ دیکھوں۔'' ان کا لہجہ حکمیہ تھا۔

خرم نے سعادت مندی سے سر کو خم دے کر کارڈز سمیت کر اٹھا لئے اور کمرے سے نکلتے نکلتے رکا اور روبی بھابی کی دبی دبی ہنسی پر انہیں گھورتا ہوا باہر نکل گیا۔

❋☆❋

وہ دوسرے دن ہی اسلام آباد جا رہا تھا۔ حنا بھی اس کے سر ہو گئی۔

"میں بھی آؤں گی تمہارے ساتھ خرم۔"

اس کا ارادہ تھا روشانہ کو وہ اپنے ساتھ زبردستی پکڑ کر لے آئے گی تاکہ مہ وش کی شادی میں کچھ رونق ہو سکے۔ کچھ نہیں تو طلال کے دل کی رونق بڑھ جاتی۔

"تم جا کر کیا کرو گی؟"

"روشانہ کو زبردستی پکڑ کر لے آؤں گی۔ میرے کہنے پر وہ ضرور آ جائے گی میرے ہمراہ۔"

"پلوشہ تمہاری سوتیلی ہے کہ اسے ساتھ نہیں لاؤ گی؟" خرم نے اس پر آنکھیں نکالیں۔

"پلوشہ کو اسد انکل نے منع کر رکھا ہے۔ وہ بارات کے دن ہی آئے گی ان کے ہمراہ۔"

حنا نے صاف جھوٹ بولا تھا جو خرم کے سینے میں تیر بن کر پیوست ہو گیا۔ حنا، مہ وش کو تائیدی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"کیوں مہ وش، کہا تھا نا ہم سے پلوشہ نے کہ اس کے پاپا نے اسے منع کر رکھا ہے؟"

"ہاں، دراصل انہیں خرم پر اعتبار نہیں ہے۔" مہ وش چپس چباتے ہوئے اطمینان سے بولی۔

"ارے جائیں، ادھر میں بھی ان کی بیٹی کے دیدار کو ترس نہیں رہا ہوں۔ آئے تو آئے، نہ آئے تو میری بلا سے۔ اونہہ، اعتبار نہیں ہے۔ ایسے کیا سرخاب کے پر لگے ہیں ان کی دختر نیک اختر میں؟" خرم جھلس کر وہاں سے چلا گیا۔ وہ دونوں ہاتھ مار کر کھلکھلا پڑیں۔

"سیدھا دل پر لگا ہے۔"

"اب خیر نہیں وشی کی۔ جاتے ہی بے چاری کے سر ہو جائے گا۔" حنا کو بے تحاشا ہنسی آ رہی تھی۔ خرم کا جھلسنا، کڑھنا اسے خوب لطف دے گیا تھا۔

"میں نے سوچا ہے مہ وش! اب کہ روشانہ اور طلال چاچو کو بھی بخشنا نہیں ہے۔ ان دونوں کے خوب ٹاکرے کروائیں گے۔" حنا کشن گود میں دبا کر اس کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی اور چپس پر خود بھی ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولی۔

"سدھر جاؤ حنا! چاچو تمہاری پٹائی کر دیں گے۔"

"ارے جاؤ، خوامخواہ پٹائی کریں گے۔ بلکہ وہ تو دل سے مجھے دعائیں دیں گے کہ ان کی

بھی ان کی راہیں آسان کر رہی ہے۔ ویسے بھی یہ روشی بنتی بہت ہے۔ اب کے مجھے اسے چھوڑنا نہیں ہے۔ ساری شرم تو گویا اسی پر ختم ہو گئی ہے۔"

"ہاں تو شرم کوئی بری چیز نہیں ہے۔ تم ہی ہو گئی ہو شادی کے بعد بے ہودہ۔" مہ وش نے اسے شرم دلائی۔

"بھئی اس میں بے ہودگی کی کیا بات ہے؟ آخر وہ روشانہ کے محرم ہیں، کوئی غیر شرعی رشتہ تو ہے نہیں نا۔" حنا بے پروائی سے بولی۔ پھر اس کی طرف بیٹھے بیٹھے رخ کر کے آنکھیں پھیلا کر اسے گھورتے ہوئے بولی۔ "تمہیں تو میں بعد میں پوچھوں گی۔ بس ذرا یہ شادی خانہ آبادی ہو لینے دو۔"

"چل ہٹ، تیری جیسی نہیں ہوں۔" مہ وش کے چہرے پر یک بیک شرم کی سرخی پھیل گئی۔ اس نے اسے کشن دے مارا۔ حنا کھلکھلانے لگی۔ اچانک مہ وش سنجیدگی کی لپیٹ میں آتے ہوئے بولی۔

"حنا! لالی کی کمی کتنی محسوس ہو رہی ہے۔ ان کے بنا گھر سونا سونا لگ رہا ہے۔ ساری خوشیاں ادھوری سی لگ رہی ہیں۔"

"ہاں، مجھے تو حمزہ بھی بہت یاد آ رہا ہے۔ مگر اب تو وہ بدتمیز لڑکا وہیں کا ہو کر رہ گیا ہے۔ پتہ نہیں مصطفیٰ بھائی نے کیا جادو کر دیا ہے۔" حنا نے ایک گہری سانس کھینچی، پھر مسکراتے ہوئے بولی۔ "مصطفیٰ بھائی ہیں بہت زبردست انسان۔ مجھے تو کبھی کبھی وہ بالکل انگریزی فلموں کے ہیرو جیسے لگتے ہیں۔"

"تو کیا ہماری لالی کم ہیں کسی سے؟" مہ وش بولی تو حنا بے ساختہ ہنس دی۔

"ہاں، وہ بالکل مشرقی ہیروئن جیسی ہیں۔" وہ لالہ رخ کے نازک سراپے کا تصور کرتے ہوئے بولی۔

"واہ، کیا جوڑ بنا رہی ہو مشرق اور مغرب کا۔ انگریزی فلم کا ہیرو اور مشرقی ہیروئن۔" مہ وش کو اس کی اوٹ پٹانگ باتوں پر ہنسی آ رہی تھی۔

وہ بھی اپنی ہی باتوں پر محظوظ ہو کر ہنس پڑی۔

❋☆❋

خرم کی مردان آمد، لالہ رخ کے لئے بالکل غیر متوقع تھی۔ زینت نے جب اس کے آنے کی اطلاع دی تو اس کا دل خوشی کے ساتھ خوف کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبا۔ اس نے بے ساختہ مصطفیٰ خان کی طرف دیکھا جو لاؤنج کے صوفے پر بیٹھا ریموٹ سے چینل بدلتا اس کی

طرف سے قطعی غافل تھا۔

اس کے دل میں پہلا یہی خیال آیا کہ کہیں اسی نے تو فون کر کے خرم کو نہیں بلوایا؟ یہ خیال خوف کا آکٹوپس بن کر اس کے دل کو جکڑنے لگا۔

خرم اندر آ چکا تھا۔ مصطفیٰ خان اس سے بے حد تپاک سے ملا، اسے سینے سے لگا کر تھپکی دی۔ وہ حمزہ کو ہوم ورک کرا رہی تھی۔ لرزیدہ ہاتھوں سے کتاب ایک طرف رکھ دی۔

''آپ تو ہم کو بھول ہی گئیں لالی! معلوم ہوتا ہے حویلی والوں کے طلسم میں جکڑ گئی ہیں آپ۔'' وہ حمزہ کے گال کو پیار سے سہلاتے ہوئے بولا اور اس کی طرف جھکا۔ ''کچھ غلط کہہ رہا ہوں؟'' اس کے انداز میں شرارت تھی۔

لالہ رخ نے شفقت بھرے انداز میں اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور دھیمے سے مسکرائی مگر اس کی مسکراہٹ سے کہیں زیادہ خوشنما آنکھوں کی سطح پر پھیلنے والی کرسٹل جیسی نمی لالہ کے چہرے کو دلکش بنا رہی تھی۔ حزن کی عجیب سی آمیزش مسکراہٹ میں تھی۔ اپنے کسی کو دیکھ کر دل بے اختیار ہی گداز ہو رہا تھا۔

''تم لوگ بھی تو پلٹ کر خبر نہیں لیتے۔'' وہ شکوہ کیے بنا نہ رہ سکی۔ ''یہ اچانک کیسے آنا ہو گیا، کوئی خوشی کی خبر لائے ہو؟'' وہ اس کا ہاتھ دبا کر کھل کر مسکرائی۔

''خوشی کی خبر تو بس ایک ہی ہو گی، میری شادی کی۔ مگر وہ ابھی بہت دور ہے، شاید بادلوں کے اس پار۔'' اس نے ایک پُرسوز مصنوعی آہ کھینچی، پھر زور سے ہنس پڑا اور مصطفیٰ خان کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔

''خوشیاں ہمیشہ بادلوں کے اس پار ہی رہ جاتی ہیں۔ انسان صرف تصور سے بہلتا رہے تو ہی اچھا ہے۔ یہ ہتم آ بھی جائیں گی تو بڑی بے رنگ، بے خوشبو ہو جائیں گی۔'' مصطفیٰ خان بظاہر مسکرا کر بولا مگر اس کی سرد سرد نگاہوں کی کاٹ لالہ رخ کے اندر تک اتر گئی۔

''یہ اچھی رہی۔ خود تو اپنے حصے کی خوشیاں وصول کر لیں، ہمارے لیے بادلوں کے اس پار ہی رہ جائیں تو اچھا ہے۔'' خرم اس کی بات کی گہرائی میں اتر ہی نہ سکا تھا۔ یوں بھی جسے سنانا مقصود تھا، وہ سن چکی تھی۔

وہ خرم کے بسورنے پر ہنس دیا۔ ''چلو خیر، یہ بتاؤ یہ اچانک دھماکہ کرنے کی خاص وجہ؟ ابھی کل ہی میری طلال سے بات ہوئی ہے۔ تمہارے آنے کا تو اس نے کوئی پروگرام نہیں بتایا تھا۔''

گے۔ بات یہ ہے کہ میں اسلام آباد سے ڈائریکٹ آ رہا ہوں مہ وش کی شادی کا دعوت لے کر۔ ہماری دادی حضور بڑی روایتی قسم کی بزرگ ہیں۔ ان کے خیال میں سسرال سات سمندر پار بھی ہوں تو ان کی خدمت میں دعوت نامے پہنچانے ضروری ہیں۔ آگ کا دریا ہی عبور کر کے پہنچا جائے۔''

مہ وش کی شادی کا سن کر لالہ رخ کا ٹھہر ٹھہر کر دھڑکتا ہوا دل یکلخت معمول پر آ گیا۔

''مہ وش کی شادی ہو رہی ہے، کب...... کب ہے؟''

خرم نے کارڈز اس کی طرف بڑھا دیئے۔

''طلال اور روشانہ کی کیوں نہیں ہو رہی ہے؟'' وہ کارڈ اس کے ہاتھ سے لے کر دیکھنے لگی۔

''ان کی گاڑی تو ہنوز رکی ہوئی ہے۔ چاچو سگنل ملنے کا انتظار کر رہے ہیں۔'' خرم نے یہ کہتے ہوئے لالہ رخ کی طرف بڑے غور سے دیکھا تھا۔ پلوشہ کی باتوں کے پس منظر میں اس کو کھوجنے لگا مگر وہ نظریں چرا گئی تھی۔

''چلو، پہلے ایک سے تو خیر سے نمٹ لیں، ان کی بھی ہوتی رہے گی۔ روشانہ کی ابھی تعلیم بھی تو مکمل نہیں ہوئی ناں۔ اچھا تم بیٹھو، میں مورے کو تمہارے آنے کی اطلاع دے آؤں۔'' وہ سرعت سے ٹی وی لاؤنج سے نکل گئی۔

خرم ہونٹ بھینچے ہلتے پردے کو دیکھنے لگا، پھر سر کو خفیف سی جنبش دے کر مصطفیٰ خان سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا۔

شام تک مجتبیٰ اور شہباز بھی آ گئے تو ان کی محفل خوب جم گئی۔ خرم کی دلچسپ اور بذلہ سنج باتوں نے ایک عرصے بعد حویلی کے در و دیوار کو ہنسایا تھا۔ مصطفیٰ خان کے لبوں پر بھی مچلنے والی مسکراہٹ بڑی بے ساختہ ہوتی تھی۔

رات کے کھانے کے بعد بھی وہ سب لاؤنج میں ہی ڈیرہ جمائے بیٹھے رہے۔ لالہ رخ سلانے کے بہانے وہاں سے اٹھ کر چلی آئی۔ مہ وش کی شادی کا سن کر اسے عجیب سی راحت ملی تھی۔ اسے لگا جیسے اس کا بھرم خدا نے رکھ لیا ہو۔

میکے آ کر غیر معینہ مدت تک ٹھہرنے کا جواز تلاش کرتے کرتے تھک سی گئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی زندگی آگے کون سا رخ اختیار کرے گی، مصطفیٰ خان کا یہ اشتعال کیا جا کر تھمے گا اور اسے کتنے دن میکے رہنا پڑے گا؟ وہ تو اسے منانے کے تمام جتن کر لیتا مگر وہ اسے حویلی سے نکالنے کے درپے تھا۔ ایسے میں وہ میکے آ کر خصوصاً رفیعہ بیگم کو

کیا جواز دیتی؟ وہ تو ہفتہ بھر بعد ہی اس کے سر ہو جاتی تھیں۔ کتنے دنوں کے لئے آئی ہو؟ کب جاؤ گی؟ کوئی مسئلہ تو نہیں کھڑا ہو گیا؟ شوہر کو کیوں اکیلا چھوڑ کر آئی ہو؟ وہ خود کیوں نہیں آتا؟ تمہاری ساس بوڑھی ہیں انہیں تمہاری ضرورت رہتی ہو گی وغیرہ وغیرہ۔

ان کے خیال میں بیاہی عورت کا اتنے دنوں بے وجہ میکے پڑا رہنا اچھی بات نہیں ہے۔

اسی طرح کی بہت سی باتیں اسے پریشان کئے رکھتیں۔ اب جبکہ مہ وش کی شادی کا ہنگامہ جاگ اٹھا تھا، وہ ایسے میں کتنے دن بھی رہ لیتی کوئی کچھ نہ کہتا نہ کسی کو شک گزرتا۔ اپنی ہی سوچوں سے لڑتے لڑتے یکایک اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ عورت کا شاید کوئی گھر نہیں ہوتا، اس کے اپنے پیروں کے نیچے کوئی زمین نہیں ہوتی جہاں وہ اپنے پیر جما کر کھڑی رہ سکے، جس خطے پر مکمل اس کا تسلط ہو۔

وہ تو شاید پانیوں میں تیرتی رہتی ہے۔ کون سی لہر اسے ڈبو دے، کون سی لہر اسے ساحل پر پھینک دے۔

اس نے حمزہ کے بال سہلاتے ہوئے اس کے سر پر اپنے لب رکھ دیئے۔ اچانک فون کی بیل چیخ اٹھی۔

حمزہ سو چکا تھا۔ وہ اس پر چادر پھیلا کر اٹھی مگر کمرے میں داخل ہوتے مصطفیٰ خان کو دیکھ کر اس کے قدم ٹھٹک گئے۔ وہ اس پر ایک کاٹ دار نظر ڈال کر ریسیور اٹھا چکا تھا۔

''ہیلو، ہیلو'' کہنے پر دوسری طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا تھا۔ غالباً تبھی اس کی کشادہ پیشانی شکن آلود ہو گئی تھی۔

''لگتا ہے اسے میری آواز پسند نہیں آئی۔ شاید وہ کسی اور کی آواز سننے کا متمنی ہو گا۔''

ریسیور کریڈل پر ڈالتے ہوئے وہ استہزائیہ ہنسا مگر اس استہزائیہ مسکراہٹ میں کھولن زیادہ تھی۔

وہ اپنی جگہ پتھر کی طرح کھڑی رہ گئی۔ اس کا دل سینے میں شق ہو رہا تھا۔ اب تو اسے فون کی گھنٹیوں سے ہی وحشت ہونے لگی تھی۔ ہر بجنے والی گھنٹی پر اسے سیف الرحمٰن کا گمان گزرتا۔

ایک خوف کی تلوار مسلسل اسے اپنے سر پر لٹکتی محسوس ہونے لگی تھی۔

''خرم تمہارے میکے سے آیا ہے اتنی دور سے اور تم اندر آ کر بیٹھ گئی ہو۔ اب کیا اخلاقیات بھی میں ہی تمہیں سکھاؤں گا؟'' وہ اسے مشکوک نظروں سے دیکھ رہا تھا یا لالہ رخ کو ہی ایسا لگا۔

''مم...... میں حمزہ کو سلانے آئی تھی۔'' وہ مزاحمتی لہجے میں بولی۔

''کل سنڈے ہے، اسے کون سا سکول جانا ہے۔'' اس پر ایک گرم نگاہ ڈال کر وہ رخ

موڑ گیا اور کلائی سے رسٹ واچ اتار کر بیڈ پر پھینکی اور وارڈ روب کھول کر اپنا شلوار سوٹ نکالنے لگا۔

''میں نے آپ کے کپڑے باتھ روم میں رکھ دیئے ہیں۔''

اس کا ہاتھ ٹھٹھک گیا۔ دوسرے پل ہاتھ میں آئے سوٹ کا اس نے گولا بنا کر دوبارہ وارڈ روب میں ہی پھینکا۔ ''کتنی بار کہا ہے تمہیں، ایسی مہربانیاں مت کرو میرے ساتھ۔ میں عادی نہیں ہوں تمہاری ان عنایتوں اور مہربانیوں کا۔'' سلگ کر وارڈ روب کا دروازہ پوری طاقت سے بند کیا۔

''یہ مہربانیاں نہیں، میرا فرض ہے۔''

''خوب، بڑی جلدی تمہیں اپنے فرائض کی ادائیگی کا خیال آ گیا۔'' وہ باتھ روم کی طرف بڑھتے ہوئے بے ساختہ ہنسا تھا۔

لالہ رخ اہانت کے احساس سے کٹ کر رہ گئی۔

کتنا بدل گیا تھا وہ۔ کہاں تو اس کی تلخ باتوں کو مسکراہٹ سے سہہ جاتا تھا، اس کی انکاری اور بے مہری کو نظر انداز کرتا رہا تھا مگر یہ شخص تو کوئی اور ہی تھا۔ یہ تو ایسا چٹخا ہوا کانچ ہو رہا تھا جو چھو لینے پر زخم ڈال دیتا تھا، لہولہو کر ڈالتا تھا۔ وہ باتھ روم کے بند دروازے کو اداس نظروں سے تکتی رہ گئی۔

***

ہر سمندر کا ایک ساحل ہے
ہجر کی رات کا کنارا نہیں
وہ نہیں ملتا ایک بار ہمیں
اور یہ زندگی دوبارہ نہیں

''تم کل خرم کے ساتھ ہی چلی جانا۔'' رات وہ اپنا تکیہ اٹھائے اسٹڈی روم کی طرف جاتے ہوئے اس سے کہہ رہا تھا۔ وہ بیڈ کے کنارے مجرمانہ انداز میں سر جھکائے بیٹھی تھی۔ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''میں خرم سے کہہ دوں گا۔ شام کی فلائٹ ہے اس کی۔ میں تمہاری سیٹ بھی کنفرم کرا ہوں۔'' اس کا سرد سرد لہجہ لالہ رخ کے دل میں شگاف ڈالنے لگا۔

''ابھی مہ وش کی شادی میں بہت دن ہیں، میں کچھ ٹھہر کر جانا چاہتی ہوں۔'' اس کا لہجہ تھا۔

"جب جانا ہی ٹھہرا تو دیر سویر کیا۔" وہ رکھائی سے رخ پھیر گیا۔

"پلیز مصطفیٰ، کیا آپ یہ سب بھول نہیں سکتے؟ مجھے ایک بار معافی نہیں دے سکتے؟" پتہ نہیں اس کی انا جانے کہاں جا سوئی تھی۔ اب تو پیش نظر صرف اور صرف اس رشتے کی بقا کا خیال تھا۔

جواباً وہ گھائل انداز میں ہنسا۔ "کس بات کی معافی دے دوں؟"

"میری تمام کوتاہیوں کی، غلطیوں کی، میری بے مہری کی۔"

"یہ سب تو تمہارا جائز رویہ تھا تم نے جو کچھ میرے ساتھ آج تک کیا۔" وہ ایک سرد سانس کھینچتے ہوئے بولا۔ "ہاں، تم بے قصور ہو۔ قصور وار سراسر میں تھا، طلال تھا۔ جس نے تمہیں زبردستی اس رشتے میں باندھا۔ اور میں قصور وار ہوں کہ تمہیں اس رشتے کے تقاضے پورے کرنے پر جبر کرتا رہا حالانکہ رشتے زور و جبر کی بنیادوں پر نہیں جوڑے جاتے اور اگر جوڑ بھی دیئے جائیں تو یہ زیادہ عرصے تک قائم نہیں رہ سکتے۔ جن کی بنیاد میں ناپسندیدگی، رنجش اور نفرت کی مٹی ہو وہاں یہ ریت کی دیوار سے بھی زیادہ ناپائیدار ثابت ہوتے ہیں۔"

اس کے لہجے میں نفرت یا کاٹ نہیں تھی بلکہ صحرا جیسی ویرانی تھی۔ ایسی اجنبیت تھی جو لالہ رخ کا دل خون کیئے دے رہی تھی۔ وہ تڑپ کر رہ گئی۔

"یکطرفہ محبت کا سفر محض پاگل پن ہوتا ہے، وہاں کوئی منزل نہیں آتی۔ ایسے رشتے تتلیوں کی مانند خوشنما تو دکھائی دیتے ہیں مگر بہت جلد ہاتھوں میں آئی تتلیوں کی طرح بکھر کر فقط رنگ چھوڑ جاتے ہیں۔ پتہ نہیں یہ رنگ پھر چھٹتے بھی ہیں یا نہیں۔" اس نے ایک ہلکی سی سانس کھینچی، یوں جیسے اسے شدید حبس کا احساس ہو رہا ہو۔ اس کی سرمئی آنکھوں کے زیریں کنارے پر سرخی بہت گہری تھی جو اس کے کئی راتوں کے جاگتے رہنے کی غماز تھی۔

اس کا لہجہ اتنا سرد تھا جیسے اس نے ڈھیر ساری برف چبا ڈالی ہو۔ کوئی احساس، کوئی جذبہ اس گلیشئر میں شعلہ نہیں جگا رہا تھا۔

لالہ رخ کا وجود، اس کی قربت، اس کے پہلو میں آنچ بن کر نہیں لگ رہی تھی۔

لالہ رخ کو وہ بہت دور، صدیوں کے فاصلے پر کھڑا دکھائی دینے لگا۔ ایک کانٹوں سے بھری فصیل کھڑی تھی۔ اس تک جانے کا کوئی راستے اسے دکھائی نہ دے رہا تھا۔

اس کے حوصلوں کی سبھی چٹانیں تڑخنے لگیں۔

وہ غلط نہیں کہہ رہا تھا۔ وہ خود اسے کئی بار جتا چکی تھی، وہ اس کی چاہ کبھی نہیں تھا اور نہ بن سکے گا۔ اس کی قربت اس کے دل میں محبت کا کوئی پھول نہیں کھلا سکے گی۔ اس کے دل کی

ین اس کے لئے بنجر ہے اور رہے گی۔ وہاں اس کی محبت بھی سیرابی نہیں لا سکتی۔

قدم قدم پر اس نے اس کی اہانت کی تھی، اس کے جذبوں کے لعل و گہر کو بے اعتنائی کی ل سے جھلسایا تھا اور آج وہ وہی کچھ لوٹا رہا تھا تو سفاک دکھائی دے رہا تھا۔

اس کے وجود پر اترا ہوا سرد مہری کا یہ صحرا خود اس کا بخشا ہوا ہی تو تھا۔

وہ اپنی ہی نظروں میں گرتی جا رہی تھی۔ مزاحمت کے الفاظ اس کے سینے میں گھٹ کر رہ ے۔ وہ آنسو پیتی پلٹ کر جانے لگی کہ اس کی آواز کڑکتی بجلی کی طرح اس کے پیروں سے ٹ گئی۔

"میں بہت جلد تمہیں اس اذیت سے آزاد کر دوں گا۔ بس مجھے تھوڑا سا وقت چاہئے۔ ا جان کی موت کا صدمہ ابھی مورے کے لئے تازہ ہی ہے۔ اتنی جلدی وہ دوسرا صدمہ شت نہیں کر سکیں گی۔ انہیں سمجھانے اور قائل کرنے کے لئے مجھے کچھ وقت لگے گا۔"

وہ یہ کہتا پلٹ کر کمرے سے نکل گیا۔ یہ دیکھنا بھی گوارا نہ کیا کہ اس کے جملوں نے کیسی ل اس کے اردگرد دہکا دی تھی۔

✵☆✵

زندگی کے رستوں میں
اتنی گرد اٹھتی ہے
فاصلے سے دیکھیں تو
کچھ نظر نہیں آتا
منزلوں کے چہرے بھی
راہ کی نشانی بھی
سب ہی ڈوب جاتے ہیں
گرد کے سمندر میں
درد کے سمندر میں
راستہ نہیں ملتا
فاصلہ نہیں گھٹتا
جس جگہ سے نکلے تھے
ہم سفر کے رستوں پر
واں پہنچ کے دیکھیں تو
ہر طرف اداسی ہے
ہر طرف اندھیرا ہے
کچھ نظر نہیں آتا
بے نشان رستوں میں
واہمے تو آتے ہیں
اپنا گھر نہیں آتا

وہ خرم کے ہمراہ سکندر ولا آئی تو سب نے اس کا پُرتپاک خیر مقدم کیا۔ رفیعہ بیگم اتنے عرصے بعد بیٹی کو دیکھ کر نہال ہو گئیں۔ حنا نے بھی سنا کہ لالی آئی ہے تو وہ شام کو ہی دوڑی

چلی آئی۔ حمزہ اسے ہر گھڑی یاد آتا رہا تھا۔

لالہ رخ سب سے اس طرح ملی گویا وہ اپنے سسرال میں بے حد خوش و خرم زندگی گزار رہی ہو اور شوہر کی خوشی سے میکے رہنے آئی ہو۔

''چلو اچھا ہوا، تم چلی آئیں۔ کچھ رونق رہے گی۔ ورنہ میں تو سوچ رہی تھی تمہارے میاں تمہیں اپنے ساتھ ہی عین برات والے دن ہی لے کر آئیں گے۔'' عفت بھابی نے اسے چھیڑا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے بھابی! مہ وش کی شادی ہو اور میں غیروں کی طرح آؤں؟ وہ تو مجھے بھیجنے پر تامل کر رہے تھے مگر میری ساس کو مجھ پر شاید رحم آ گیا۔'' وہ بھی شگفتگی کا تاثر لہجے میں سموتے ہوئے جواباً بولی۔

''آں، یار کاش ہمارے میاں کو بھی ہمارے میکے بھیجنے میں تامل ہوتا۔'' روبی نے مصنوعی ٹھنڈی سانس کھینچی۔ ''وہ تو مجھے بہانے بہانے سے میکے بھیجنے کی کوشش میں رہتے ہیں۔''

جاذب نے اسے گھور کر دیکھا۔

''اب سال سال بھر تک بھی میکے جانے کا نام نہ لو گی تو مجھے ہی منہ سے کہنا پڑے گا نا کہ میکے جاؤ۔'' وہ ادھار رکھنے والا کب تھا۔

''کس قدر جھوٹ بول رہے ہیں وہ بھی منہ پر۔ ہر ماہ تو میکے کا چکر لگا آتی ہوں۔'' روبی اس الزام پر تڑپ گئی۔

''صرف چکر لگانے سے کیا ہوتا ہے۔ جاذب بھائی کی تسکین نہیں ہوتی۔'' خرم کا جملہ اور جاذب کا قہقہہ دونوں برجستہ تھے۔

''تمہیں تو بس موقع چاہئے، فوراً ہی میری دشمنی میں نکل پڑو گے۔'' روبی نے خرم کو حسنہ کے بچے کا کھلونا کھینچ مارا مگر وہ جھکاؤ دے گیا۔

محفل گرما گرم ہو گئی تھی۔

جملے بازی، ہنسی مذاق جو سکندر ولا کی زندگی کا ایک خوبصورت حصہ تھا، اسی طرح آب و تاب سے جگمگا رہا تھا۔

یہ رونقیں، محبتیں، اسی طرح جاری و ساری تھیں۔ ہر کوئی زندگی سے اپنے حصے کی خوشیاں کشید کر رہا تھا، ہر کوئی شاد اور مطمئن تھا۔

لالہ رخ کے دل کی فضا میں نم آلود ہوائیں سرسرانے لگیں۔

ایک اس کا دل ہی تو لہو ہوا تھا۔

زندگی سے ایک وہی اپنا حصہ وصول نہ کر پائی تھی۔ باقی تو سب دنیا کا کاروبار اسی طرح جاری و ساری تھا۔

یکایک وہ خود کو اس پُر رونق محفل میں مس فٹ محسوس کرتے ہوئے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی...... دل کھنڈر ہو رہا تھا۔

آنے والے دنوں کا خوف سینے میں گرم گرم سلاخوں کی طرح گھستا جا رہا تھا۔ کوئی شور، ہنگامہ، کوئی ہنسی، کوئی محبت آمیز جملہ بھی نشاطِ روح کا سامان نہ بن رہا تھا۔ ٹھیک کہتے ہیں لوگ، جدائی تو عفریت ہے۔ خونخوار عفریت۔

کسی کا بدل جانا بھی تو جدائی ہے۔ اور مصطفیٰ خان کا سفاک بے مہر لہجہ اس کے سینے میں انی کی طرح گڑ کر رہ گیا تھا۔

☆

سیف الرحمٰن نے گھر میں قدم رکھا تو روتی ہوئی ثانیہ پر نظر پڑی جسے صائمہ آپا دلاسا دے رہی تھیں جبکہ اماں ایک کونے میں سر پکڑے چپ چاپ بیٹھی تھیں۔ اسے اندر آتے دیکھ کر ثانیہ کے آنسو اور تواتر سے بہنے لگے۔

اس نے رکھائی سے منہ پھیر لیا اور اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھ گیا۔

''آپ کے سینے میں دل ہے یا نہیں؟ یاد رکھیں، آپ لالہ رخ کا ہی نہیں، میرا گھر بھی تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔'' اس کا منہ پھیر لینا ثانیہ کے کلیجے میں تیر کی طرح ترازو ہو گیا تھا۔

وہ دروازے کے ہینڈل سے ہاتھ ہٹا کر جھٹکے سے پلٹا۔ ''میری زندگی سے تمہارا کیا تعلق؟ اور لالہ رخ کی بات مت کرو۔ کوئی میں اس کا گھر ور نہیں توڑ رہا ہوں، وہ خود وہاں خوش نہیں ہے۔''

''ہاں، تمہیں سب خبر ہوتی ہے کہ وہ خوش نہیں ہے۔ کس نے کہہ دیا تم سے یہ کہ وہ خوش نہیں ہے؟'' اماں نے آنکھیں نکالیں۔ بیٹی کے آنسو کلیجہ چیرے دے رہے تھے۔ اس پر اس کی بے مہری اور یہ روکھا رویہ انہیں غصہ دلا گیا۔

''وہ اس شادی سے بہت خوش ہے۔ وہ کوئی بد چلن عورت نہیں تھی کہ ادھر شادی کی، ادھر تم نے ذرا بہلایا، سبز باغ دکھائے، ادھر وہ شوہر کو چھوڑ کر تم نکاح کو دوڑ گئی۔ شریف اور عزت دار گھرانے کی نیک بچی ہے، کسی ننگ اور بے غیرت خاندان کی نہیں ہے کہ بنا بنایا گھر تباہ کر دے گی۔''

''بہت خوب...... اس کی ساری خوبیاں اب دکھائی دینے لگی ہیں آپ کو۔ پہلے تو اس میں سو کیڑے دکھائی دیتے تھے، اس کے گھرانے کو گالیوں سے نوازا جاتا رہا تھا۔'' وہ زہر بھرے انداز میں ہنسا۔

اماں نے ایک پل کھسیاہٹ محسوس کرتے ہوئے نظریں چرا لیں۔ صائمہ آپا نے اونہہ کر کے اس کی طرف سے رخ بدل لیا۔ دراصل وہ بھی نظریں نہیں ملا پا رہی تھیں۔ سارا کیا دھرا انہی کا تو تھا۔

لالہ رخ کو طلاق دلانا، صبوحی سے سیف الرحمٰن کی شادی کرانا اور اب صبوحی، سیف الرحمٰن کے رویوں سے عاجز آ کر اپنے میکے چلی گئی تھی، ادھر ہارون کا رویہ ثانیہ سے کھنچا کھنچا رہنے لگا تھا اور سب کو فکر لاحق ہو گئی تھی کہ ثانیہ کا گھر نہ اجڑ جائے۔ ہارون اسے ہمیشہ کے لئے میکے ہی نہ بھیج دے۔ چونکہ صبوحی نے اس کے سامنے سیف الرحمٰن کی خوب باتیں کی تھیں، واویلا مچایا تھا اور روئی دھوئی تھی۔

جبکہ ثانیہ ادھر شدید پچھتاوے کا شکار تھی کہ اسی نے لالہ رخ کا ذکر نئے سرے سے اس گھر میں چھیڑا تھا اور سیف الرحمٰن کے جذبات کو ہوا دی تھی۔ مگر اب وہ جتنا اپنی عقل کو کوستی اور اپنے کردہ گناہوں پر ماتم کرتی، کم تھا۔

سیف الرحمٰن تو چٹخا ہوا کانچ ہو رہا تھا۔ زخم ڈال دینے کے درپے تھا۔

''تب وہ بے غیرت خاندان کی لڑکی تھی، اس کا پہننا، اوڑھنا، سنورنا آپ کو بد چلنی لگتا تھا، سارے زمانے کی خامیاں نظر آتی تھیں۔ اور اب بیٹی پر آئی ہے تو وہ غیرت مند خاندان کی نیک بچی ہو گئی۔''

''خدا کے لئے سیف! کچھ تو بہن کا سوچو۔ عقل کے ناخن لو، اس کا تمہارا کیا واسطہ اب؟ کچھ بہن کے لئے تو سوچو، اس کا گھر اجڑ جائے گا، یہ تباہ و برباد ہو جائے گی۔ چھوٹے بچے کو لے کر کہیں کی نہ رہے گی۔'' اماں یکلخت رونے لگیں۔

''اس بہن کا سوچوں؟'' وہ تلخی سے ہنسا اور ثانیہ کے پاس جا رُکا، وہ سر جھکائے آنسو بہا رہی تھی۔ مگر اس کا دل ذرا بھی نہ پسیجا۔ اس وقت اس کے دماغ میں صرف کھولن تھی جیسے اس سے یہاں آتش فشاں پک رہا ہو اور اب پھٹنے پر ہو۔ گرم گرم لاوا، جو ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے کر تباہ کر دینا چاہ رہا ہو، خاکستر کر دینا چاہ رہا ہو۔ وہ یوں ہی سب کو خاکستر کر دینا چاہتا تھا، برباد کر دینا چاہتا تھا جس طرح خود ہوا تھا، خود جلا تھا، سلگا تھا اور سلگ سلگ کر اٹھا۔

''اس بہن کا سوچوں، جس نے میری زندگی میں زہر گھولا، جس نے میرا گھر، میرا دل،

میرے ارمان اجاڑ دیئے، اس کا میں سوچوں؟ بہت خوب، آج اسے اپنا گھر بچانے کی فکر پڑ گئی ہے، اپنی اولاد کی محرومی کا احساس ستانے لگا ہے۔ مگر اس وقت میرا نہیں سوچا اس نے، میری اولاد محرومی کا شکار ہوئی، یہ کسی نے بھی نہیں سوچا، میری عقل تو اس وقت بھی جا سوئی تھی اماں۔ مگر آپ نے مجھے تب تو یہ نہیں کہا کہ عقل کے ناخن لو اور اپنا گھر مت اجاڑو، اپنے بچے کو یتیم مت کرو۔'' وہ نفرت، غصے اور تلخی کی انتہا کو چھو رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ گھر کی دیواریں تک بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دے۔

''اس وقت میرے ساتھ کسی کو بھی ہمدردی نہیں تھی۔ آپ سب سوتیلے بن گئے تھے میرے لئے اور تم...... تم صائمہ! تم نے بھی اس وقت صرف تانیہ کے مفاد کا سوچا، میرے لئے نہیں سوچا۔ کیا میں سوتیلا تھا تمہارا، خون نہیں تھا تمہارا؟''

''صائمہ آپا اس کے تیور سے سہم کر چپ چاپ مجرمانہ انداز میں اٹھ کر کمرے سے نکل گئیں۔

''کیا دنیا بھر کی خوشیاں، آسودگیاں صرف اپنی بیٹی کے لئے ہونی چاہئیں؟ دوسروں کی بیٹی کے لئے کچھ نہ ہو؟ ارمان، خواہشات، خواب صرف اپنی سگی بیٹی کے ہوتے ہیں جو پورے ہونے چاہئیں؟ دوسری لڑکیاں خواب نہیں دیکھتیں؟ ان کے سینے میں خواہشات، تمنائیں اور گھر بنانے، سنوارنے کی آرزو نہیں ہوتی؟ ان کا دل نہیں ہوتا؟ یا انہیں خواب دیکھنے کا حق نہیں ہوتا؟ خوشیوں اور سکھوں پر ان کا حق نہیں ہوتا؟ آج ہارون کے تیور بگڑے ہیں تو آپ کا دل خون کے آنسو رو رہا ہے، مگر میرے تیور بگڑے تھے تو آپ کا دل لالہ رخ کے لئے نہیں روتا تھا، تب آپ خوش ہوتی تھیں۔''

''بس کرو سیفی! خدا کے لئے چپ ہو جاؤ۔ مجھے میری ہی نظروں میں اتنا مت گراؤ۔'' اماں تڑپ تڑپ کر رونے لگیں۔

تانیہ اپنا رونا بھول کر اماں کے کندھے کو تھپکنے لگی۔ ''سیفی بھائی! اماں یا میں اور صائمہ آپا اپنا قصور مانتے ہیں، ہم گناہ گار ہیں، مجرم ہیں آپ کے اور لالہ رخ کے۔ مگر خدارا، یہ وقت حساب کتاب کا تو نہیں ہے۔''

''یہ وقت حساب کتاب کرنے کا نہیں ہے، یہ وقت تو صرف بیٹھ کر تمہارے لئے رونے کا ہے، ہے نا۔'' اس نے اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے تانیہ کو گھورا تو وہ نظریں چرا گئی۔

''وہ لمحات واپس تو نہیں آ سکتے نا۔ گزرا ہوا کل اگر مل سکتا تو میں آپ کے لئے اپنی جان کی بازی لگا کر بھی لے آتی۔'' اس کے لہجے میں دل گرفتگی اتر آئی۔ ''صبوحی کا کیا قصور ہے

اس معاملے میں؟ وہ تو بلا تقصیر کے سزا سہہ رہی ہے۔ اور جبکہ......''

''اس سے زیادہ ہمدردی جتانے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں۔'' وہ ترشی سے اس کی بات کاٹ گیا۔ ''اونہہ، جان کی بازی لگا کر لے آتیں۔'' اس کے لہجے کا زہر تانیہ کی روح تک میں اتر گیا۔ وہ رونے لگی۔ وہ اس پر ایک نظر ڈال کر لب بھینچ گیا اور غصے سے تپائی پر لات مارتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

اماں نے بے بسی اور دل گرفتگی سے کانچ کی لڑھکتی ہوئی تپائی کو دیکھا، اس پر رکھا ہوا گلاس ایک چھناکے سے زمین بوس ہو کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں اور کرچیوں میں بدل گیا تھا۔

سیف الرحمٰن کا دل بھی انہیں اسی گلاس کی مانند محسوس ہونے لگا۔ اس کے خون آلود ٹکڑے اِدھر اُدھر بکھرے نظر آنے لگے۔

''سارا کیا دھرا اس منحوس کمبخت صائمہ کا ہے، جس نے مجھے ہمیشہ غلط مشورے دیئے۔ بغض، نفرت نے تو اسے اندھا کر ہی دیا تھا، میری بھی بینائی چھین لی۔ آج یہ دن اسی کے کارن دیکھنا پڑ رہا ہے۔'' اماں دوپٹہ منہ پر ڈال کر بلک بلک کر رونے لگیں۔ ''اور تو...... تیری آنکھوں پر پٹی بندھ گئی تھی کیا کہ دیکھتے بوجھتے بھی مجھے کبھی صحیح عقل نہ دی؟'' وہ اچانک تانیہ پر الٹ پڑیں اور قہر برساتی نظروں سے اسے گھورتے ہوئے ایک دوہتڑ رسید کیا۔ ''لے کے لالہ رخ کا ذکر چھیڑ دیا، اس سے میل ملاقاتیں کرنے لگی۔ حمزہ کو تو وہ بھلا بیٹھا تھا۔ سب تیری وجہ سے ہوا ہے نکمی، خود تو نے اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری ہے، اب بیٹھ کر روتی رہنا ساری عمر اور میرے سینے پر مونگ دلتی رہنا۔''

''میری وجہ سے کیوں...... صائمہ آپا کی وجہ سے ہوا ہے۔ لالہ رخ کو طلاق کیا میری وجہ سے ہوئی ہے؟'' وہ تڑپ کر بولی۔

''دیکھو، دیکھو مجھ پر الزام مت رکھو۔ کیا طلال کے ساتھ وہ ڈرامہ میں نے رچایا تھا کہ تم نے؟'' صائمہ آپا سیف الرحمٰن کے جاتے ہی پھر اسی تیور سے کمرے میں آ گھسیں اور تانیہ پر آنکھیں نکالیں۔

''مگر اس آگ پر تیل تو مسلسل آپ چھڑکتی رہی تھیں نا۔ میں نے تو کئی بار چاہا کہ سیفی بھائی کو حقیقت بتا دوں اور لالہ رخ سے معافی مانگ لوں۔ مگر آپ اور اماں نے مجھے ڈرا دھمکا کر روکے رکھا۔ اس وقت اماں صرف اور صرف آپ کی عقل سے سوچتی اور آپ کی آنکھوں سے دیکھ رہی تھیں، میری حقیقت تو نہ تین میں تھی نہ تیرہ میں۔'' وہ سلگ کر اپنی جگہ سے اٹھی اور صائمہ آپا پر ایک نفرت بھری نگاہ ڈال کر کمرے سے چلی گئی۔

اماں نے تخت پر لیٹ کر منہ پر دوپٹہ ڈال لیا تھا۔ انہیں نہ اب کچھ بولنے کا یارا تھا نہ کچھ سننے کا۔ صائمہ آپا کچھ دیر چور سی بنی کھڑی رہیں، پھر خود بھی بے آواز بوجھل قدموں سے باہر نکل گئیں۔

☆☆☆

''لالی! تمہارے سسرال والوں کا کیا پروگرام ہے شادی میں شرکت کا۔ کچھ دن پہلے آئیں گے یا صرف برات میں شرکت کریں گے؟'' رفیعہ بیگم اس کے کمرے میں چلی آئیں۔

وہ ان کی آواز پر اپنے دھیان سے نکلی اور حمزہ کے دُھلے ہوئے کپڑے تہ کرتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔ ''مجھے تو کچھ علم نہیں ہے۔ میری ساس نے ایسا کوئی پروگرام مجھے بتایا تو نہیں ہے۔ میرا خیال ہے برات والے روز ہی آئیں گی وہ۔'' لالی یہ کہہ کر تہ کیے ہوئے کپڑے اٹھا کر وارڈ روب میں رکھنے لگی۔

''اور تمہارے میاں کا؟''

''امی! میری اس سلسلے میں کوئی بات نہیں ہوئی۔ خرم سے پوچھ لیجیے گا، ہوسکتا ہے انہوں نے اس کو کچھ بتایا ہو۔'' وہ ایک بے بسی اور دل گرفتگی محسوس کر کے رہ گئی تھی۔

ابھی تو جانے کہاں کہاں اور کتنا بھرم رکھنے کے لئے جھوٹ بولنا پڑے گا۔ اسے جھوٹ اور منافقت سے جتنی نفرت تھی، اتنا ہی اب منافقت سے جینا پڑ رہا تھا۔

دکھاوے کی مسکراہٹ، دکھاوے کی لگاوٹ۔ سب کچھ سوہانِ روح تھا۔ ایک عذاب تھا۔

''لو، یہ کیا بات ہوئی۔ اتنی تو عقل ہوتی کہ آتے وقت ان کے آنے کا معلوم کرآتیں۔ لیکن تم نے تو اصرار تک نہیں کیا ہوگا کہ کچھ دن پہلے ہی رہنے آجائیں۔'' رفیعہ بیگم نے اسے ناراض نظروں سے دیکھا۔

''مورے کہاں نکلتی ہیں امی! آکا جان کی موت کے بعد تو وہ بالکل ہی حجرے میں بند ہو کر رہ گئی ہیں۔ ہوسکتا ہے مجتبیٰ کے ساتھ آجائیں ایک آدھ روز پہلے۔''

''اور مصطفیٰ؟''

''نہیں...... میرا خیال ہے وہ نہیں آسکیں گے۔ ان کی مصروفیت بہت بڑھی ہوئی ہے ان دنوں۔'' وہ نظریں چرائے چرائے بولی۔ اسے اس موضوع سے وحشت ہو رہی تھی۔

''تمہاری فون پر بات ہو تو اس سے کہہ دینا کہ آنے کی کوشش کرے اور اپنی ساس سے بھی کہنا۔ بلکہ میری بات بھی کرا دینا۔'' وہ مزید کچھ کہتیں کہ عفت بھابی دروازہ کھول کر اندر جھانکتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''اماں! مہ وش کے دونوں سیٹ بن کر آگئے ہیں۔ آکر دیکھ لیں۔ کمال کہہ رہے ہیں کوئی کمی بیشی ہو تو ابھی بتا دیں، جیولر ساتھ آیا ہے۔ کوئی تبدیلی کرنی ہو تو بتا دیں۔''

رفیعہ بیگم بیڈ سے اتر کر پیروں میں چپل ڈالتی باہر نکل گئیں۔

''تم بھی آجانا لالی!'' عفت بھابی ساس کے پیچھے نکلتے ہوئے لالہ رخ سے کہتی گئیں۔ اس نے سر ہلا دیا۔

وہ نہا کر باہر نکلی تو سعدیہ بھابی نے لاؤنج میں گرم گرم چائے دیتے ہوئے اسے مورے کے فون کی اطلاع دی۔

''تم نہا رہی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ بعد میں فون کرلیں گی۔ اماں سے ان کی البتہ بات ہوگئی ہے۔''

''کیا کہہ رہی تھیں، کوئی ضروری کام تھا؟'' لحظہ بھر اس کا دل مانوس سے خوف کی اتھاہ گہرائی میں ڈوبا تھا۔

''نہیں، بس خیر خیریت کے لئے کیا تھا۔ حمزہ سے بات کرنا تھی مگر حمزہ بھی نہیں تھا۔ حنا اور آفاق جا رہے تھے شاپنگ پر۔ اسے بھی اپنے ساتھ ہی لے گئے ہیں۔ تمہاری ساس بیچاری بڑی اداس ہوگئی ہیں، لگتا ہے۔ کہہ رہی تھیں، ان دونوں کے جانے سے میرا گھر تو بالکل سونا ہو کر رہ گیا ہے۔ میں نے کہا، آپ کا گھر سونا ہوگیا مگر ہمارے گھر میں تو رونق ہو گئی ہے۔'' سعدیہ بھابی یہ کہہ کر ہنس دیں اور اسے محبت سے تکنے لگیں۔ ''میں نے کہا بہرحال رونق تو عارضی ہے۔ یہ تو وہ حویلی کی مستقل رونق۔''

وہ سر جھکا کر رفیعہ بیگم کے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے ایک آزردگی سے مسکرا دی۔

جو خود کسی اُجڑے مزار کے بجھے ہوئے دیئے کی مانند ہو، وہ کیا کسی کے گھر کی رونق ہو سکتا ہے۔ بجھا ہوا دیا اور اُجڑا ہوا دل...... دونوں میں کچھ بھی فرق نہیں۔ دونوں کو محض ایک ناموافق پھونک بجھا کر رکھ دیتی ہے۔ دیے کے لئے ناموافق ہوا زہر ہے۔

دل کے لئے ناموافق رویے کا ایک جھلسا ہوا تھپیڑا۔

وہ رفیعہ بیگم کے کمرے میں آئی تو طلال بھی وہاں موجود تھا اور قدرے غصے اور جھنجلاہٹ میں دکھائی دے رہا تھا۔ رفیعہ بیگم اس سے الجھ رہی تھیں، اسے کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر بولیں۔

''تم ہی اسے سمجھاؤ لالی۔ یہ کل اسلام آباد جا رہا ہے تو واپسی پر روشانہ اور پلوشہ کو لیتا آئے۔ آمنہ کے پیر میں چوٹ لگی ہوئی ہے، وہ ٹھہر کر آئے گی صبیحہ کے ساتھ۔ یوں بھی وہ

ہوائی جہاز کا سفر کہاں کرتی ہے۔ ناحق اس کے ساتھ بچیاں بھی خوار ہوں گی ریل میں..... مگر دیکھو ذرا، یہ مان کر نہیں دے رہا ہے۔'' آخری جملہ انہوں نے کہتے ہوئے طلال پر ایک خفگی بھری نظر ڈالی۔

''خرم ایک دو روز میں چلا جائے گا، آخر اتنی جلدی کیا ہے انہیں یہاں بلانے کی؟ کون سی کل مہ وش کی بارات آنی ہے؟''

''خرم کو بھیجوں گی تو وہ بیچارا ابھی اٹھ کر چل دے گا، میرا بڑا سعادت مند بچہ ہے۔ مگر کیا تمہارا اس گھرانے سے کوئی تعلق، رشتہ نہیں ہے اور پھر تم جب جا ہی رہے ہو اسلام آباد تو۔''

''میں وہاں اپنے کام سے جا رہا ہوں، کھیل تماشے کے لئے نہیں جا رہا ہوں۔'' وہ صوفے سے کھڑا ہو گیا۔

''ہاں، میرا حکم، میرے کام کھیل تماشے ہیں تمہاری نظر میں۔ کام تو سارے بس تم لوگوں کو انجام دینے ہیں۔ میری حکم برداری تو وقت کا زیاں اور فضول کھیل تماشے ہیں۔ جاؤ میاں جاؤ، اپنے ضروری کام نمٹاؤ۔ رشتہ داریاں اور رواداریاں نمٹانے کے لئے میں ہی کافی ہوں۔ تم سب آزاد ہو، اپنی مرضی اور منشا سے جیتے پھرو۔'' انہوں نے سخت آزردہ خاطر ہو کر زیورات کے ڈبے اٹھا کر ایک طرف پٹخے اور تخت سے نیچے اتر کر چپل پہننے لگیں۔

طلال سخت قسم کی دل گرفتگی اور بے بسی محسوس کر کے رہ گیا۔

''آپ سمجھتی کیوں نہیں ہیں امی۔ وہاں سے واپسی پر بھی مجھے ہزاروں کام نمٹاتے ہوئے آنا ہے۔'' اس نے کمرے سے باہر نکلتی رفیعہ بیگم کا راستہ روکا۔

لالہ رخ چپ چاپ بغیر کوئی مداخلت کئے کرسی پر جا کر بیٹھ گئی۔

''تو جاؤ پھر، نمٹاتے پھرو۔ میں نے کہا نا میرے فضول کاموں کے لئے تمہیں وقت نکالنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔'' وہ رکھائی سے اس کا ہاتھ جھٹک گئیں۔

''اچھا نا، ادھر تو آ کر بیٹھیے، بچوں کی طرح خفا ہو کر بھاگے جا رہی ہیں۔'' اس نے انہیں تھام کر تخت پر بٹھا دیا۔

لالہ رخ کے لبوں کی تراش میں بے ساختہ مسکراہٹ جھلکی تھی اونچا لمبا مرد بالکل بچوں کی طرح کوفت زدہ ہو کر جھنجلایا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ اسے مسکراتے دیکھ کر اس کی بھنویں ناگواری سے تن گئیں۔

''تم نہیں سمجھا سکتیں انہیں، کیسی بچوں کی سی ضد پکڑ کر بیٹھی ہیں۔ اب یہ لانے لے جانے کے لئے ہی رہ گیا ہوں میں؟''

''حرج ہی کیا ہے، واپس تو تمہیں آنا ہی ہے۔ اکیلے نہ سہی، دوکیلے ہی سہی۔'' وہ مسکرائی۔

''دوکیلے ہی سہی۔'' وہ ابرو اچکا کر اسے گھورتا رہ گیا۔

''میں دراصل خرم کو بھیجنا نہیں چاہ رہی ہوں، سچی بات تو یہی ہے۔ تم تو جانتے ہو خرم کی زبان کے آگے خندق ہے، موقع بے موقع اس کی زبان چل پڑتی ہے اور اسد ذرا دوسرے مزاج کا ہے۔ ناحق ماموں بھانجے میں کوئی ایسی ویسی بات ہوگئی، وہ برا مان گیا، اس کے کسی مذاق کا تو...... اور پھر پلوشہ کو اس کے ہمراہ بھیجنے میں تامل ہوگا اسے۔ اب شادیاں روز روز تو نہیں ہوتیں، بچیاں کچھ دن پہلے آ جائیں تو جی بھر کر ارمان نکال لیں۔''

''سارے ارمان یہیں آ کر نکالنے ضروری ہیں؟'' وہ چڑ کر رہ گیا اور دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

''چھوڑیں امی۔ اسے دوسروں کے ارمانوں کی پرواہ کب ہے، چاہے وہ خاک میں مل رہے ہوں۔'' لالہ رخ کو اس کا گریز بہت گراں گزر رہا تھا۔ بڑی بے اختیاری میں وہ یہ چوٹ کر گئی...... وہ جھلس کر پلٹا۔

''دوسروں کے ارمانوں کے خاک ہونے کی فکر ہے تمہیں اور خود سے وابستہ رشتوں کے دل کے جذبوں کی پرواہ ہی نہیں ہے، وہ چاہے خاک میں مل رہے ہوں یا خون ہو رہے ہوں۔'' اس نے ترچھی نگاہ اس پر ڈالی۔ اس کا لہجہ سراسر استہزائیہ اور جتانے والا تھا۔ پھر ایک متاسفانہ سانس بھر کر اس کے چہرے سے نظریں ہٹا کر رفیعہ بیگم سے بولا۔

''وہاں فون کر کے بتا دیجئے گا، ایسا نہ ہو میری آمد ان کو ناگوار خاطر گزرے۔'' تپے تپے لہجے میں کہتا وہ پردہ اٹھا کر باہر نکل گیا۔

رفیعہ بیگم کا چہرہ کھل اٹھا۔

''چلو شکر خدا کا، اونٹ کسی کروٹ تو بیٹھا۔ اس لڑکے سے جب تک سر نہ کھپا لیں، یہ مان کر نہیں دیتا۔'' وہ زیورات کے ڈبے اٹھا کر الماری کی طرف بڑھ گئیں۔

لالہ رخ یکلخت بالکل گم صم ہو کر قالین کے ڈیزائن کو گھورتی رہ گئی تھی۔ طلال نے جو چوٹ جواباً کی تھی، وہ اس کی روح کو چھید گئی تھی۔

''ارے ہاں، تم نے زیورات تو دیکھے ہی نہیں۔'' رفیعہ بیگم کو اچانک اس کا دھیان آیا۔

''میں پھر دیکھ لوں گی۔'' وہ انہیں اپنی طرف پلٹتے دیکھ کر جلدی سے بولی اور کرسی سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ طلال کے جملوں نے اس کے اعصاب کو بری طرح منتشر کیا تھا۔

"تو کیا مصطفیٰ خان نے طلال کو یہ سب بتا دیا تھا کہ وہ کس عذاب سے گزر رہا ہے اور گزرتا رہا ہے...... یقیناً بتایا ہوگا۔ اسے کسی غمگسار کی طلب محسوس ہوئی ہوگی اور اس کے لئے طلال سے زیادہ غمگسار، ہمدرد اور کون ہو سکتا تھا بھلا...... اس شخص کی ساری ہمدردیاں تو اسی دوست کے نام رقم تھیں۔ اچانک اس کے اندر غصے، تلخی اور بے بسی کا طوفان کروٹ لینے لگا۔ بہت سا رونے کو دل چاہنے لگا مگر وہ ضبط کئے بیٹھی رہی۔ اسے ڈر تھا اگر وہ ایک بار آنسوؤں کا یہ بندھ توڑ دے گی تو اس سیلاب میں خود بھی بہہ جائے گی۔ بالکل بکھر جائے گی، ٹوٹ جائے گی۔ اس کا میکے میں بنا ہوا سارا مان اس سیلاب کی نذر ہو جائے گا۔ وہ اپنی ہی نظروں میں گر جائے گی۔ معتوب و رُسوا ہو جائے گی۔

وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔

اس نے سوچا اگر طلال نے اس سے باز پرس بھی کی تو وہ بالکل مکر جائے گی۔

یہ خالص اس کا مسئلہ تھا۔ اس کے دُکھ تھے اور وہ اسے قیمتی متاع کی طرح اپنے سینے میں سمیٹ کر رکھنا چاہتی تھی۔ اپنی جنگ اب خود ہی لڑنا چاہتی تھی۔ اسے ہر حال میں اپنا گھر بچانا تھا۔ اسے مصطفیٰ خان کو منانا تھا، چاہے اس کے لئے اسے اپنی انا قربان کرنا پڑتی۔ محبت اور انا ایک گھر میں نہیں رہ سکتی اور وہ محبت کے عوض ہر شے قربان کرنے کو تیار تھی۔

اسے صرف اور صرف مصطفیٰ خان کی تمنا تھی، اس کی خواہش تھی۔ وہ اپنی ہارٹ بیٹ میں اسی کو رکھنا، دیکھنا اور محسوس کرنا چاہتی تھی۔

چاہت میں مر جاؤں لیکن نام سلامت رکھنا
میری جھولی میں مولا اِک شام سلامت رکھنا
اس کو منانے کی کوشش میں جیون سارا بیتے
مشکل ہے لیکن بس ایک یہ کام سلامت رکھنا

وہ آنکھوں سے بے آواز بہتے آنسو پونچھتے ہوئے دل گرفتگی سے ہنس دی اور کرسی کی پشت پر سر ڈال کر ڈھیلے انداز میں بیٹھ کر آنکھیں موندے مصطفیٰ خان کو سوچنے لگی اور جانے کب تک وہ سوچوں میں کتنی دور نکل گئی کہ حمزہ کی آواز نے اسے جھنجوڑا۔

"ممی! پاپا سے بات کرنی ہے۔" وہ اس کی کرسی کے پاس کھڑا اس کا دوپٹہ کھینچ رہا تھا۔ اس نے آہستگی سے موندی آنکھیں کھول دیں۔ اس کے معصوم لہجے اور آنکھوں میں بھی مصطفیٰ خان کا ہر رنگ بھرا ہوا تھا۔

"پاپا سے تو مجھے بھی بات کرنی ہے بیٹا۔ مگر تمہارے پاپا ہم سے بات کریں گے تب نا۔"

اس نے بے اختیار اسے خود سے لگا لیا۔ "تمہارے پاپا کا دل توڑا ہے ہم نے۔ وہ روٹھ گئے ہیں ہم سے۔ بہت زیادہ، بہت زیادہ روٹھ گئے ہیں ہم سے۔" وہ اس کا ننھا منا گداز ہاتھ چومنے لگی۔ "تمہارے پاپا کو اب منانا ہے۔ اگر وہ اسی طرح ناراض رہے ہم سے، روٹھے رہے تو تمہاری مما ٹوٹ جائے گی، بکھر جائے گی، زندہ نہ رہ پائے گی۔" وہ اس کا ہاتھ اپنی بھیگی بھیگی آنکھوں سے لگانے لگی۔

***

مہ وش کی شادی، روشانہ کو ایک مخمصے میں ڈال گئی تھی۔ دادی تو وہاں جانے کی تیاریاں کر رہی تھیں۔ اس بار تو امی بھی ساتھ جا رہی تھیں۔ رفیعہ بیگم نے روشانہ کو خصوصی آنے پر اصرار کیا تھا بلکہ انہوں نے تو یہ تک کہا تھا کہ وہ طلال کو بھیج دیں گی تمہیں لینے۔ تم دن بتا دو، کس دن آنا ہے۔ مگر اس نے تب یہ کہہ کر ٹال دیا تھا کہ اس کے کمپیوٹر کے ٹیسٹ ابھی باقی ہیں، ان سے فارغ ہو کر خود ہی دادی اور امی کے ہمراہ آ جائے گی یا پھر خرم کو بلوا لے گی اور اب دن تیزی سے گزر رہے تھے۔ مہ وش کی شادی میں جانا اس کے لئے ناگزیر تھا۔

پلوشہ کا کہنا تھا۔

"اگر تم چاہتی ہو کہ اس مسئلے پر برف ہی پڑی رہے تو تمہیں اس شادی کو نارمل انداز میں اٹینڈ کرنا ہوگا۔"

بات اس کی بھی ٹھیک ہی تھی۔ مگر یہ نارمل رویہ رکھنا اس کے لئے بے حد کٹھن مرحلہ تھا جبکہ وہ سامنے آئے اور سب اسی کے حوالے سے اسے چھیڑیں۔ وہ کیسے لاتعلق بن کر رہ سکتی تھی، یا ہنسی مذاق اور چھیڑ کو انجوائے کر سکتی تھی؟ کوئی پتھر تو نہیں تھی، گوشت پوست کی انسان تھی۔ جذبات، احساسات سے بھرا دل تھا۔ چوٹ پڑے تو کیسے محسوس نہ ہو۔ خوشی ملے تو کیوں مسرور نہ ہو۔

تاہم اس کے پاس اس مسئلے کا کوئی حل نہ تھا۔ تھک کر اس نے خود کو حالات کے حوالے کر دیا۔ یوں بھی نہ جانے کا کوئی جواز تھا بھی نہیں۔ مہ وش اس کی بے حد اچھی سہیلی تھی اور اس کی شدت سے منتظر تھی۔ حنا نے بھی فون کر کر کے اس کا ناک میں دم کیا ہوا تھا، روز ایک ہی رٹ ہوتی۔

"اب آ بھی جاؤ، مل کر رونق لگائیں گے۔"

اس روز بھی حنا کا فون آیا تھا اور اس نے اسے لالہ رخ کی آمد کی اطلاع دی۔ لالہ رخ سے ملے اسے ایک عرصہ ہو گیا تھا، اس کی صورت دیکھنے کو ترس گئی تھی۔ اس خبر نے اسے بے

چین کر دیا۔ اس کا دل چاہا اڑ کر اس کے پاس جا پہنچے۔ ہزار گلے ہیں، مگر ایک اسی ہی کی گود میں سر رکھ کر گلے شکووں کے سارے جھلتے آنسو بہانے کی خواہش تھی۔

"لالی پورے ایک ماہ رہنے آئی ہے۔" حنا کی اس بات پر وہ حیران رہ گئی۔

"کیا؟ ایک ماہ رہے گی وہ؟ مہ وش کی شادی کے بعد تک؟" اس کی حیرت بجا تھی۔

کہاں وہ چار پانچ روز سے زیادہ نہ آتی تھی اور اس میں بھی حمزہ ناک میں دم کئے رکھتا اور مصطفیٰ خان کے فون الگ آتے رہتے۔

"ایک ماہ؟"

اُس کا دل خوش ہونے کی بجائے بے نام سے اندیشے سے سہم گیا۔ مگر ادھر حنا اس کی سوچوں سے بے خبر چہک کر کہہ رہی تھی۔

"اب تم بھی جلدی سے آ جاؤ اور ان خوبصورت لمحات کو ہمارے ساتھ انجوائے کرو۔ آج کل تو آنی بھی مجھ پر مہربان ہوئے ہوئے ہیں، شاید لالی کے طفیل ہی۔"

وہ غائب دماغی سے "ہاں، آ جاؤں گی۔" کہہ گئی۔

"آ جاؤں گی نہیں، آ جاؤ۔ خرم ایک دو روز میں آ رہا ہے تمہیں اور پلوشہ کو لینے۔ اس بدتمیز کو میں نے اتنا کہا کہ مجھے بھی ساتھ لے جانا مگر وہ خرم ہی کیا جو مان کے دے۔ دیکھو، فٹافٹ پیکنگ کر لو۔ اور ہاں، زیادہ کپڑے مت بنانا۔ یہاں دادی نے تمہارے لئے برات اور ولیمے کو پہننے کے لئے خصوصی جوڑے بنوائے ہیں، دیکھو گی تو غش کھا جاؤ گی۔ اور راز کی بات یہ ہے کہ یہ ریڈی میڈ جوڑے وہ طلال چاچو کے ہمراہ جا کر لے آئی ہیں، دونوں جوڑے چاچو ہی کی چوائس ہیں۔ ایمان سے روشی، ان کی چوائس زبردست ہے۔ میرا دل لٹو ہو گیا ہے، دل چاہتا ہے میں ہی پہن لوں۔" وہ ہنستی ہوئی بولی۔

"تمہیں تو یوں بھی کپڑوں کا کریز ہے، ہر جوڑا تمہیں اتنا ہی زبردست لگتا ہے۔" وہ یکسر بے کیف لہجے میں بولی۔ پھر پلوشہ کے آنے پر اسے ریسیور تھما دیا۔ وہ اس سے باتیں کرتی رہی جبکہ وہ ٹیرس میں چلی آئی۔

یہ چھوٹی چھوٹی باتیں کبھی اسے بے حد مسرور کر جایا کرتی تھیں۔ اس شخص کا ذکر، اس کے دل میں پھول کھلا دیا کرتا تھا۔

اس کا مسکرانا، اس کا نظر اٹھا کر بس ذرا سا اسے دیکھ لینا، اس کا مخاطب کر لینا، اس کے ہمراہ گاڑی میں بیٹھ جانا، ایسا لگتا گویا ہفت اقلیم کی دولت مل گئی ہو۔

مگر اب دل اس بری طرح سے ٹوٹا تھا، جذبے راکھ ہوئے تھے کہ دل خوش ہونے کا

مفہوم بھول رہا تھا۔

ساری باتیں جھوٹی، بے معنی بلکہ از حد تکلیف دہ لگنے لگی تھیں۔ اس شخص کے ذکر سے دل بھرنے لگتا تھا۔

ٹیرس کی ریلنگ سے لگ کر وہ باہر جھانکنے لگی۔ اس کا ذہن یکدم لالہ رخ کی طرف چلا گیا۔ اس کی طویل آمد اسے نہ جانے کیوں اندیشوں میں مبتلا کر رہی تھی۔ ایک تو وہ اپنا دکھ، اپنے مسائل کسی سے شیئر بھی تو نہیں کرتی تھی۔ قیمتی متاع کی طرح دل کی دنیا میں سمیٹ کر رکھتی تھی۔ اس نے سوچا۔ ایک گہری سانس کھینچ کر وہ ریلنگ کے نیچے جھانکنے لگی۔ ملازمہ پروین دکھائی دی تو وہ جلدی سے بولی۔

"پینو، پلیز ایک کپ چائے کا دے جاؤ۔" اسے اپنا سر درد کی شدت سے پھٹتا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ ریلنگ سے ہٹ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

لالہ رخ، طلال، مصطفیٰ خان...... سب کا تصور آپس میں گڈمڈ ہونے لگا۔

تھک کر اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ پروین اسے گرم گرم بھاپ اڑاتی چائے دے گئی تو اس نے بے حد تشکر سے پروین کو دیکھا اور مگ لبوں سے لگا لیا۔

***

طلال اپنے تمام کاموں سے فارغ ہو کر رات کو روشانہ کے یہاں پہنچا تھا۔ آمنہ بیگم اسے دیکھ کر کھل اٹھیں۔

"چلو تم خود آ گئے، مجھے بہت خوشی ہوئی۔ میں تو یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی کہ بچیوں کو اکیلے کیسے بھیج دوں، اسد کو تو بالکل بھی پرواہ نہیں ہے۔ کہتا ہے اماں، آپ پرانے خیالات کی ہیں۔ اب لڑکیاں بہت مضبوط ہو گئی ہیں، پہلے جیسی بزدل اور کم ہمت نہیں رہیں۔ دیکھو ذرا، لڑکیاں چاہے جتنی بہادر ہو جائیں، پر عورت ذات کمزور ہی رہے گی، ارے یہ تو امانت پردوں میں چھپا کے رکھنے کی چیز ہے۔ پر اب کہاں ان باتوں پر کوئی کان دھرتا ہے۔"

"اماں! آپ کی باتیں اپنی جگہ مگر اب سفر بہت آسان ہو گئے ہیں۔ ان میں سکیورٹی بھی ملتی ہے، اتنی پریشانی والی بات نہیں رہی۔" صبیحہ ساس کی بات سن کر بولیں اور طلال کی طرف دیکھ کر مسکرائیں۔

"اے ہٹو، خاک سکیورٹی ہوتی ہے، موئے اچھے برے ہزاروں قسم کے لوگ سفر میں ہوتے ہیں۔ اور مجھے تو جہاز سے ہی ڈر لگتا ہے۔ نہ موا یہ زمین پر ہوتا ہے، نہ آسمان پر۔ بیچ میں لٹکتے پھرتے ہیں۔" طلال کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ وہ اپنا بیگ ایک طرف رکھ کر صوفے

پر بیٹھتا ہوا صبیحہ کے ہاتھ سے ٹھنڈے پانی کا گلاس لیتا ہوا بولا۔
"جہاز کی بھی مجبوری ہے خالہ جان کہ یہ ہوا میں اڑتا ہے۔ اور یوں بھی جہاز اگر زمین پر گرا بھی تو مرد عورت سارے ہی اکٹھے مرتے ہیں، عورتوں کو مرد بچا تو نہیں لیتے۔"
"اے ہائے، خدا نہ کرے۔ کیسی بات منہ سے نکال رہے ہو۔" آمنہ بیگم جہاز کے گرنے کا سن کر دہل گئیں۔ ان کے تصور میں ایک ڈاکومنٹری فلم میں دکھائے جانے والے جہاز کریش کا منظر جیسے روشن ہو گیا۔
"توبہ، توبہ...... خدا ایسی موت کسی دشمن کو بھی نہ دے۔" پھر اسد کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر بولیں۔ "طلال بچیوں کو لینے آیا ہے۔ میری تو فکر ختم ہو گئی۔"
"چلیں، اچھا ہوا۔ آپ کی فکر تو ختم ہو گئی۔" وہ مسکرائے اور طلال کی طرف بڑھے۔ طلال سے مصافحہ کرنے کے بعد وہ اس کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئے۔
"طلال! یہ ہماری اماں جان جو ہیں نا، یہ کچھ زیادہ ہی پرانے خیالات کی ہیں۔"
"پرانے خیالات کی نہیں، اچھے خیالات کی کہیے۔" طلال زیر لب مسکرایا۔ پھر قدرے سنجیدگی سے بولا۔ "ان کی فکر بھی غلط نہیں تھی۔ ایک تو محرم کے بغیر سفر کرنا ہماری شریعت کے خلاف ہے اور دوسرا عورت چاہے جتنی بہادر بن جائے یا دکھائی دے، اندر سے کمزور ہی رہتی ہے۔ اور کہتے ہیں نا کہ عقاب عالم سکرات میں بھی گردن فراز رکھتا ہے اور چڑیا اڑتے ہوئے بھی بزدل ہوتی ہے۔" اس نے لاؤنج میں داخل ہوتی روشانہ کو دیکھا۔
اس کی بات پر اسد خان بے ساختہ محظوظ ہو کر قہقہہ لگا بیٹھے جبکہ روشانہ جھلس کر الٹے پیر کمرے سے نکل گئی۔
اس کا تفاخر آمیز لہجہ اور جتانے والا یہ انداز کسی خنجر کی نوک کی طرح اس کے دل میں کھب کر رہ گیا۔ خرم کی بجائے اس کی آمد نے اسے ٹینشن میں مبتلا کر دیا تھا جبکہ پلوشہ حد سے زیادہ خوش دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے خیال میں خرم نے ضرور ان کے کان کھینچے ہوں گے، تبھی وہ اپنی منکوحہ کو لینے دوڑے چلے آئے ہیں۔
خدا کرے ایسا ہی ہو۔ انہیں اپنے رویوں کا احساس ہو گیا ہو۔ اس نے دل ہی دل میں ڈھیروں دعائیں مانگ لیں۔
"طلال آیا ہوا ہے، تم لوگ رات ہی اپنی پیکنگ مکمل کر لینا۔ کل صبح جانا ہے تم دونوں کو۔" صبیحہ ان کے کمرے میں جھانک کر کہہ گئی تھیں۔
"ہم کیا بچے ہیں کہ خود نہیں جا سکتے کہ وہ چلے آئے ہیں لینے کو۔" اس نے ہاتھ رکھ

...ازہ دھاڑ سے بند کر کے تولیہ ایک طرف پھینکا۔
"اوہوں...... دیکھ نہیں رہی تھیں، کتنی فکر تھی اماں کو۔ شکر کرو انہیں اطمینان ہو گیا اس کے ...نے سے۔ اور پھر میرا ابھی دل سہار رہتا۔" صبیحہ نے اس پر آنکھیں نکالیں۔
"شکر کرو۔ اونہہ۔" اس نے بیڈ پر لیٹ کر سر سے پیر تک چادر کھینچ لی۔
"تم تو بچی ہی ہو آپی۔ دادی کو بالکل ٹھیک بے اطمینانی رہتی ہے۔" صبیحہ کے جاتے ہی ...اس کی چادر کھینچتے ہوئے ہنسی۔ "اب منہ کیوں چھپا رہی ہو، کیا دل میں لڈو پھوٹ رہے ...ہا؟"
"آگ جل رہی ہے دل میں۔" اس نے چادر منہ سے ہٹا کر اسے کھا جانے والی نظروں ...ے دیکھا۔ "خرم آ رہا تھا، یہ کیوں چلے آئے؟ میں ان کے ساتھ ہرگز نہیں جاؤں گی۔ یہ ...ت تم دادی کو صاف لفظوں میں کہہ دو۔" وہ گویا پھنکاری۔
"بچگانہ باتیں مت کرو آپی! ہو سکتا ہے انہیں اپنے رویوں پر ندامت ہو رہی ہو اور یوں ...ازالہ کرنا چاہ رہے ہوں۔"
"اونہہ، ازالہ کرنا چاہ رہے ہوں۔" وہ چادر ایک طرف پھینک کر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ "یہ شخص ...زالہ کرے گا؟ دیکھا نہیں تم نے، آتے ہی تو دادی کو جتا دیا تھا کہ وہ اپنے کام کے سلسلے میں ...ئے تھے اور یہ کہ ان کی امی حضور نے انہیں ڈانٹ ڈپٹ کر بھیجا ہے۔"
"اوہو آپی، اب ہر بات کو اتنی گہرائی سے لو گی تو کبھی کمپوز نہیں کر سکو گی خود کو۔ بہت سی ...ں کو نظر انداز کرنا چاہیے۔"
"باتیں وہاں نظر انداز کی جاتی ہیں جہاں محبت ہو، انسیت ہو، نفرت اور بے زاری نہ ...ہ" وہ دل گرفتگی سے ہنسی۔ "اور جب علم ہو کہ مقابل کے دل میں آپ کے لئے سوائے ...زاری کے کچھ نہیں، وہاں بے معنی باتیں بھی گرم سلاخ کی طرح روح کو داغ جاتی ہیں، ...ان میں کہی بات بھی دل کو چھیدنے لگتی ہے۔" اس کی آواز بھیگ گئی۔
پلوشہ تسلی آمیز انداز میں اس کا ہاتھ دبا کر رہ گئی۔
"وشی! میں اس شخص کو دیکھتی ہوں تو مجھے لگتا ہے میں کس قدر بے مایہ اور حقیر سی شے ...ل، کتنی ان واننڈ سی شے۔" وہ ایک وحشت کے عالم میں بیڈ سے اتر گئی۔ محبت میں انسان ...ہ نہیں دوسروں کے دل میں جیتا ہے اور جیتے رہنا چاہتا ہے۔ وہ محبت میں اپنی ذات میں ...ا طرح تنہا ہو جاتا ہے کہ اگر مقابل اسے اپنے دل میں نہ سمیٹ سکا تو وہ بکھر جاتا ہے۔ ...لت کی یہ اذیت اسے مارے ڈالتی ہے۔ اور وہ بھی ایسی ہی اذیت سے دوچار تھی۔

ایسی ہی ذلت سے کٹ رہی تھی۔
طلال کو دیکھ کر اس کے اس احساس میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا تھا۔

☆☆☆

صبح پلوشہ کے پیٹ میں شدید درد اٹھا تھا۔ اس نے طلال اور روشانہ کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور پیٹ پکڑ کر خوب روئی دھوئی۔ آمنہ بیگم اور صبیحہ پریشان ہو کر رہ گئیں جبکہ روشانہ اسے مشکوک نظروں سے گھورتی رہ گئی۔ اور اس کا اس سے نظریں کترانا اچھی طرح سمجھا گیا کہ وہ یہ سب ڈرامہ رچا رہی ہے۔

"بات سنو! پیٹ میں درد ہو یا ٹانگ میں، تمہیں ساتھ ہی آنا پڑے گا سمجھیں تم؟" وہ غصے کا ابال دبا کر دبی زبان میں پھنکاری اور کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔ "میں جانتی ہوں تم یہ سب ناٹک کر رہی ہو۔"

"میں کوئی ناٹک نہیں کر رہی ہوں۔ سچ اتنا شدید درد ہے کہ لگ رہا ہے مر جاؤں گی۔"

"میرے جانے کے بعد یقیناً زندہ ہو جاؤ گی۔"

"دادو۔ آپی کو دیکھیں ذرا، وہ کہہ رہی ہیں میں ڈھونگ کر رہی ہوں۔" وہ بسور کر آمنہ بیگم سے لگ کر بولی۔

"اے ہے، کیسی بہن ہو۔ بچی درد سے مری جا رہی ہے اور تم اس پر ایسا الزام رکھ رہی ہو۔ کیا ہوتا جا رہا ہے تمہیں روشانہ؟" انہوں نے اسے فہمائشی نظروں سے گھورا اور پلوشہ کے گرد بازو حمائل کر کے اسے تھپکیاں دینے لگیں۔ "تمہیں اس کی باتوں پر کان دھرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس تم لیٹ جاؤ اور آنکھیں بند کر لو، ابھی آرام آ جائے گا۔"

وہ مزے سے صوفے پر لیٹ گئی۔ روشانہ کا دل چاہنے لگا کوئی وزنی سی شے اٹھا کر اس ڈرامہ باز کے سر پر دے مارے۔ مارے کوفت کے وہ وہاں سے اٹھ گئی۔

طلال آیا تو اسے پلوشہ کی طبیعت کی خرابی کا علم ہوا۔ وہ خاصا متعجب ہوا۔ رات کو تو بالکل ٹھیک ٹھاک تھی۔ وہ ہلکے سے دروازہ ناک کرتا ہوا اس کے کمرے میں آیا۔

"آنٹی بتا رہی ہیں تم بالکل اچانک بیمار شیمار ہو گئی ہو۔ میں نے سوچا ڈاکٹر ہونے کے ناتے ذرا چیک کر لوں۔ خدانخواستہ کوئی بڑی بیماری تو نہیں لگ گئی؟" وہ زیر لب مسکرایا۔

پلوشہ اس کی نظروں پر جھینپ کر رہ گئی اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"بس یوں ہی اچانک پیٹ میں درد شروع ہو گیا ہے۔" اس کا لہجہ کھسیایا ہوا تھا۔

"ہاں بالکل۔ پیٹ کا درد اچانک ہی اٹھتا ہے۔ یہ کوئی اتنی بڑی اور خطرناک بیماری نہیں

تم ایک ڈیڑھ گھنٹے کا سفر نہ کر سکو۔" وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"بات یہ ہے طلال بھائی کہ میں ہوائی جہاز کے سفر سے ڈرتی ہوں دادی کی طرح۔" وہ جھینپی بولی۔

"کیا؟" وہ ابرو اچکا کر اسے گھورتا رہ گیا۔ وہ مسکین سی شکل بنا کر سر جھکا گئی۔ "بہانہ بھی ڈھنگ کا بناتیں جس پر لوگ...... خیر۔" وہ ایک ٹھنڈی سانس کھینچ کر رہ گیا۔

"پلوشہ کی بچی! کان کھول کر سن لو، اگر تم ساتھ نہیں آؤ گی تو میں بھی اس شخص کے ساتھ ہرگز اکیلے نہیں جاؤں گی۔ پہلے ہی دادی اور پاپا کی وجہ سے اس شخص کو برداشت کر رہی" روشانہ دروازہ کھول کر اندر آئی تھی۔ اس پر ایسی جھنجلاہٹ سوار تھی کہ اس نے دیکھا ں کہ طلال کمرے میں موجود ہے۔

وشہ نے سٹپٹا کر طلال کی طرف دیکھا جس کے چہرے کے زاویوں میں یکلخت کھنچاؤ آ ا۔

"میرا دل چاہتا ہے خود کو بھی شوٹ کر دوں اور اس شخص کو بھی گولی دے ماروں۔" وہ اسی ہٹ اور جھلسے انداز میں اپنی وارڈ روب کھول کر کپڑے اِدھر اُدھر کرنے لگی۔

"خود کو شوٹ کر دینے کی حد تک تو فیصلہ درست ہی ہے بلکہ دانش مندانہ بھی ہے۔ البتہ قتل عمد کا ارادہ ملتوی کر دو۔ چونکہ میرا ابھی مرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" وہ کرسی سے اٹھتا ہوا بولا۔ وہ دھک سے رہ گئی۔ اس کا ہاتھ ہینگر پر ٹھٹک کر رہ گیا۔ چاہنے کے وہ گردن موڑ کر اس کی طرف نہ دیکھ سکی۔ اس کے تو گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اس ے میں موجود ہے۔

"مجھے ابھی زندہ رہنا ہے اور بہت کچھ کرنا ہے۔" اس کا لہجہ دھیما مگر تپا تپا سا تھا۔

شہ سخت ملول اور افسوس سے روشانہ کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔ اس عقل کی اندھی پر اسے رونا آیا۔

"آپ کے پاس یقیناً بہت کچھ کرنے کو ہے۔ مگر میرے پاس کرنے کو شاید کچھ نہیں رہا۔ کے باز، مکروہ فریبی دنیا میں زندہ رہنا کسی عذاب سے کم نہیں ہے میرے لئے۔" وہ لاہٹ غصے میں بدل کر چیخی اور ہینگر کیا ہوا سوٹ رول بنا کر وارڈ روب کے اندر کر دروازہ بند کر دیا۔ "اور کان کھول کر سن لیں، میں ہرگز ہرگز آپ کے ساتھ کہیں نہیں ؤں۔" تلملاہٹیں عروج پر تھیں۔ وہ لگے ہاتھوں یہ دھواں نکال گئی اور پلٹ کر کی طرف بڑھ گئی۔

"مجبوری ہے۔ میں امی سے وعدہ کر کے آیا ہوں۔ سو تمہیں لے کر جانا ہی پڑے گا۔"
اس نے جھٹکے سے اس کی کلائی پکڑ لی۔ اس جھٹکے پر وہ ذرا سا لڑکھڑائی اور دیوار سے جا لگی۔

"دس پندرہ منٹوں کے اندر اندر سامان کی پیکنگ کر لو۔ میں ٹکٹ لے کر آیا ہوں اور مزید بحث سننے کا میں عادی نہیں ہوں۔" اس نے تپتی نظروں سے گھورتے ہوئے جیب سے ٹکٹ نکال کر اس کے آگے لہرائے۔ "یہ مفت کے نہیں ہیں، ان پر پیسہ خرچ ہوا ہے۔"

روشانہ کا دل چاہا اس ذلت اور سبکی پر اس کا منہ نوچ لے۔ "بہت دکھ ہو رہا ہے روپیہ خرچ کرنے پر تو مجھ سے لے لیں اس کی قیمت۔" اس نے جھلس کر اس کے ہاتھ سے ٹکٹ جھپٹنے کی کوشش کی مگر وہ قطعی چوکنا تھا۔ سرعت کے ساتھ پیچھے کر گیا۔

"قیمت تو میں تم سے ضرور وصول کروں گا، مگر ابھی نہیں۔ وقت آنے پر۔" وہ زیرلب مسکرایا اور بھنوؤں کی ہلکی سی جنبش کے ساتھ اس کی بھیگی آنکھوں کو بہ نظر غور دیکھا۔

وہ اعصاب شکن احساس کے ساتھ دیوار سے لگی کھڑی رہ گئی۔ دل چاہ رہا تھا اس کی حسین مسکراہٹ نوچ لے، کپڑے پھاڑ دے اور دھکے دے کر نکال دے۔

اچانک وہ پلٹی اور بھاگتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

وہ بے ساختہ ایک سانس بھر کر رہ گیا۔

"میرا خیال ہے تمہاری بہن کے دماغ کے سارے اسکرو ڈھیلے ہو گئے ہیں، انہیں ٹائٹ کرنے کی ضرورت ہے۔" وہ پلوشہ کی طرف پلٹا جو ایک عجیب سے اضمحلال کے ساتھ اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی بات پر فوری ردعمل کے طور پر فقط ایک افسردہ سی سانس کھینچ کر رہ گئی۔ اس کے پاس کہنے کو بہت کچھ تھا مگر ایک جھجک مانع رہی۔

وہ کمرے سے باہر نکل گیا اور راہداری سے گزر کر لابی کی طرف جانے لگا کہ وہ اسے لابی کے پردے کے پاس کھڑی سڑ سڑ آنسو بہاتی دکھائی دی۔ رونے سے اس کا تراشیدہ بدن ہولے ہولے ہل رہا تھا۔ وہ بے ساختہ لب بھینچ کر اس کی پشت پر بکھرے سیاہ بالوں کی خوشنما آبشار کو گھورتا رہ گیا۔

آنکھوں میں رہا دل میں اتر کر نہیں دیکھا
کشتی کے مسافر نے سمندر نہیں دیکھا
پتھر مجھے کہتا ہے میرا چاہنے والا
میں موم ہوں اس نے مجھے چھو کر نہیں دیکھا

پر ہاتھ رکھا تو وہ جھٹکے سے پلٹی اور طلال کے دل پر چوٹ سی پڑی۔

سرخ سرخ متورم آنکھیں اس کے دل کو پگھلانے کو کافی تھیں۔ اس کے دل نے اسی پل اسے سمیٹ لینے کو اپنے پر پھیلانا چاہے مگر دوسرے پل وہ اس کمزور لمحے کی گرفت سے نکل آیا۔ جذبوں کی لگامیں کھینچ لیں، احساسات کی لو نیچے کر لی۔

"رونے کا یہ پروگرام رخصتی کے لئے اٹھا رکھو۔ فی الحال میں تمہیں رخصت کرا کے نہیں لے جا رہا ہوں۔" اس کا لہجہ نیم استہزائیہ تھا۔ "اس وقت بے شک جی بھر کر رو لینا۔ بلکہ ہم دونوں اکٹھے روئیں گے۔" وہ یوں ہنسا جیسے بے حد محظوظ ہو رہا ہو۔

روشانہ اسد کا دل اس کی اس بے مہری پر کٹ کٹ کر گرنے لگا۔ یہ شخص اسے اپنی سب سے بڑی شکست محسوس ہوا۔ زندگی میں کبھی خود کو اتنا بے وقعت، بے بس اور بے اختیار محسوس نہیں کیا تھا جتنا آج اور اس وقت کر رہی تھی۔

سچ ہی کہتے ہیں دانا کہ وہ لوگ جو ہمارے بہت قریب ہوتے ہیں، وہی لوگ دراصل ہماری زندگیوں کو الجھا دینے اور منتشر کر دینے کا سب سے زیادہ امکان رکھتے ہیں۔

"سنو، میں پندرہ بیس منٹوں میں آ رہا ہوں، ایک دو کام نمٹا کر۔ تم اس دوران اپنے سامان کی پیکنگ وغیرہ کر لو۔" اس کا لہجہ بظاہر دھیما تھا مگر اس میں ملائمت نام کو نہ تھی۔ ایک عجیب طرح کا تحکم تھا، اس میں سختی اور وارننگ تھی۔ یہ کہتا ہوا وہ اس کے چہرے سے نگاہیں ہٹا کر بڑے بڑے ڈگ بھرتا راہداری عبور کر گیا۔

"کیا سمجھتا ہے یہ شخص خود کو۔ میں ہرگز ہرگز نہیں جاؤں گی اس بے مہر، ظالم، جنگلی اور سفاک انسان کے ساتھ۔" وہ کمرے میں آئی اور دوپٹہ گلے سے کھینچ کر بیڈ پر پھینکا اور وارڈ روب سے کپڑے کھینچ کھینچ کر نکالنے لگی۔

پلوشہ نے دیکھا، وہ روتی جا رہی تھی اور سفری بیگ میں اپنی ضرورت کی چیزیں بھرتی جا رہی تھی۔ اس نے اپنی بے ساختہ مسکراہٹ کو چھپانے کے لئے رخ موڑ لیا۔ تاہم اس کا دل، اس کے آنسو اور طلال کی اس سفاکی پر عجیب طرح کی اداسی اور اضمحلال محسوس کر رہا تھا۔

کاش یہ کام خوشگواری سے ہوتا۔ یہ سفر محبت اور یگانگت کا سفر ہوتا۔

طلال کوئی پندرہ منٹ بعد آیا تو وہ سڑ سڑ کرتی تمام پیکنگ کر چکی تھی۔ کپڑے بدل کر سیاہ چادر اوڑھے لابی کے صوفے پر یوں بیٹھی تھی جیسے قتل گاہ پر جانے کے لئے مجرم تیار بیٹھا ہو۔

وہ اپنی بے ساختہ مسکراہٹ کو نہ روک سکا تھا۔ صبیحہ دبی دبی زبان میں اسے ہدایتوں سے نواز رہی تھیں جسے وہ بے دلی اور بیزاری سے سن رہی تھی۔ اسے دیکھ کر وہ بیگ اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔

"اتنی جلدی بھی نہیں ہے، اطمینان سے بیٹھو۔ چائے وائے پی کر پھر نکلتے ہیں۔" وہ ہاتھ اٹھا کر کہتا صوفے پر اطمینان سے پھیل کر بیٹھ گیا۔ وہ سر سے پیر تک آگ بگولہ ہو کر رہ گئی۔

وہ جانتی تھی یہ شخص اسے جلا جلا کر، سلگا سلگا کر مار دینا چاہتا ہے۔

وہ بیٹھا آمنہ بیگم سے باتوں میں مصروف ہو گیا۔ پروین اسے چائے دے گئی تو وہ اس کی ہلکی ہلکی چسکیاں بھرنے لگا گویا اسے کوئی جلدی نہ تھی۔

☆

چاہتوں کے لئے ہم دعا تو کریں
عین ممکن ہے کہ بات آگے بڑھے
ابتدا تو کریں
وہ جو سنتا نہیں اب کسی بات کو
پیار کی بات شاید وہ سن لے کبھی
سوچتے سوچتے ہم تو مر جائیں گے
بات کہنی ہے جو ہم کہا تو کریں
ابتدا تو کریں

اس نے کوئی چوتھی بار مصطفیٰ خان کے نمبر ڈائل کئے مگر اب کے لائن ڈس کنکٹ نہ کی اور اپنی ساری ہمتیں مجتمع کرنے لگی۔

تیسری بیل پر اس کی خوبصورت گمبھیر آواز ایئر پیس پر ابھری تھی۔ "مصطفیٰ خان اسپیکنگ۔ ہیلو، پلیز کون؟" وہ مسلسل خاموشی پر ذرا سا جھنجلایا۔ تب وہ آہستگی سے بولی۔

"میں لالہ رخ بول رہی ہوں۔ کیسے ہیں آپ؟" فقط یہ چند الفاظ کہنا اسے دنیا کا مشکل ترین کام لگا تھا۔ وہ بے اختیار ایک گہری سانس کھینچ کر رہ گیا۔

"حمزہ دراصل آ...... آپ سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔" اس کی خاموشی پر دل گرفتہ ہو کر اپنے فون کرنے کی وضاحت دینے کی کوشش کرنے لگی۔

"تو بات کراؤ۔" اس کا لہجہ سپاٹ اور بے مہر تھا۔ لالہ رخ دل گرفتگی سے ریسیور کو دیکھ کر رہ گئی۔ پھر بولی۔ "مورے کیسی ہیں؟"

"ویسی ہی ہیں جیسی تم چھوڑ گئی تھیں۔" وہ عام سے لہجے میں بولا۔

"ان کا فون آیا تھا مگر میری بات نہ ہو سکی، میں شاور لے رہی تھی اور حمزہ کو بھی حنا اپنے ساتھ لے گئی تھی۔" وہ محض بات بڑھانے کی غرض سے بولی۔ اس کی آواز سن کر اس کا دل

ہی مانوس خواہش کے تلاطم میں بہنے لگا تھا۔ اس کی بے مہری، بے گانگی کو سہنا اسے ذلت آمیز نہیں لگ رہا تھا بلکہ اس کی کشش اُلفت کو کچھ اور رواں کر رہا تھا۔ اس کے جذبوں میں ...ی اور محبت کے دریا میں روانی لا رہا تھا۔

اس نے سوچا اگر وہ ٹھٹک گئی، حوصلہ توڑ گئی اور اس کی بے مہری سے بکھر گئی تو پھر خود کو کبھی نہ جوڑ پائے گی۔ یہ فاصلے کبھی نہ سمیٹ پائے گی۔

غلط فہمیوں کی یہ خود رو جھاڑیاں ایک دن ان دونوں کے مابین جنگل کھڑا کر دیں گی۔

"کیا مورے مجھے یاد کرتی ہیں؟" وہ اپنا اعتماد قدرے سنبھال چکی تھی۔

"پتہ نہیں، تم خود پوچھ لینا ان سے۔" وہ ہنوز بے مہری سے بولا۔

"اور آپ؟ آپ نے یاد کیا مجھے؟"

وہ بولی تو ایک پل کے لئے دوسری طرف گہری خاموشی چھا گئی مگر خاموشی کا یہ بوجھل لمحہ بے حد مختصر رہا۔

"دیکھو لالہ رخ! نہ تم کوئی نوجوانی کی عمر میں ہو نہ میں کالج بوائے ہوں کہ محض اس طرح کی لایعنی باتیں کر کے ایک دوسرے کی موجودگی کو محسوس کرنے کی کوشش کریں۔" اس کا لہجہ اٹا ہوا تھا جیسے شفاف شیشے پر پتھر پڑا ہو۔

"جذبات کا عمر اور میچورٹی سے کیا تعلق؟ محبت تمام عمر نوخیز ہی رہتی ہے اور محبت میں آدمی ساری عمر ناپختہ اور کالج بوائے کی طرح ہی رہتا ہے۔"

"ہاں، اگر محبت ہو تو۔" وہ ترشی سے اس کی بات کاٹ گیا۔ اس کے لہجے کی ترشی سے لالہ رخ کو اپنا اعتماد کٹتا محسوس ہوا۔ وہ چپ سی رہ گئی۔

"محبت کے نام پر دھوکا اور فریب کھا کر آدمی وقت سے پہلے میچورڈ ہو جاتا ہے، محبت میں دھوکے کھانے کی ذلت آدمی کو عمر سے پہلے بڑا کر دیتی ہے اور محتاط بھی۔ پھر خوش گمانیوں کی ...نہیں رہتی۔ سراب میں ایک بار پھنستا ہے، بار بار نہیں۔"

"آپ تو مجھے جاننے کا دعویٰ کرتے تھے مصطفیٰ خان! پھر یہ باتیں، یہ اتنی بدگمانیاں کیسے گھر کر گئیں آپ کے دل میں؟" اس ضرب پر اسے اپنی توانائیاں بکھرتی محسوس ہوئیں۔

"دعویٰ...... ہاں، ایسے تو اور بھی بہت سے دعوے کئے تھے۔ اس وقت شاید میں تمہیں اپنے دل کی آنکھوں سے دیکھتا آیا تھا، میرے اردگرد میری محبت کی روشنی پھیلی ہوئی تھی جس میں تمہارا وجود بہت اجلا اور روشن دکھائی دیتا تھا۔ مگر جب وقت اور حالات کی نظر سے میں نے دیکھنا شروع کیا تو مجھے پتہ چلا کہ میں تو مسلسل اندھیرے کا سفر کر رہا ہوں جہاں روشنی تو

کیا ایک دل دوز تاریک خلا کے سوا کچھ نہیں ہے۔ وہ سب میری اپنی ہی نظر اور دل کا قصور تھا۔" وہ دل گرفتگی سے ہنس رہا تھا۔ خود آزاری سی یہ ہنسی جو خود اس کا دل بھی چھید رہی تھی اور لالہ رخ کو بھی مارے دے رہی تھی۔

"یہ غلط فہمی کی تاریکی ہے۔ بے شک میرا کردار اُجلا نہ سہی مگر اتنا پست اور ہلکا بھی نہیں ہے مصطفیٰ خان! خدارا، مجھے میری نظروں میں اتنا بھی نہ گراؤ کہ میں اٹھ ہی نہ سکوں۔" اس کی آواز شدید کرب سے بھرا گئی۔ وہ چپ سا رہ گیا، پھر شدید ترین بے بسی سے چیختا ہوا بولا۔

"کیوں مجھے سکون سے دو گھڑی جینے نہیں دیتی ہو؟ خود کو جوڑنا چاہتا ہوں، سنبھلنا چاہتا ہوں تو بکھیر دینے پر تل جاتی ہو۔ حمزہ کو فون دو، میں تم سے مزید کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔ میں تمہیں بھول جانا چاہتا ہوں کوئی بھیانک خواب سمجھ کر۔"

وہ اس کی سفاکی پر کٹ کر رہ گئی۔

"میں...... میں آپ کو نہیں بھول سکتی۔ اس لئے کہ آپ میرے لئے خواب نہیں ہیں، حقیقت ہیں۔ ایسی حقیقت جو جسم و روح میں اتر جاتی ہے، جو آنکھیں بند کرنے سے بھی نہیں چھپتی۔ جو بند آنکھوں کے پار بھی اتنی ہی خوشنما دکھائی دیتی ہے جتنی آنکھیں کھولنے پر۔"

اس کی ساری انائیں جانے کہاں سوئی تھیں، کن گزرے وقتوں کی باتیں ہو کر رہ گئی تھیں۔ اس پل تو وہ ایسی تشنہ زمین محسوس ہو رہی تھی جو دریا کو اپنے اندر جذب کر لینا چاہتی ہو۔

"محبت کیا ہے، یہ کسے کہتے ہیں، اسے میں نے آپ کے سائے میں آ کر پایا ہے۔ یہ دل کو کس طرح گھیر لیتی ہے، یہ مجھے اب پتہ چلا ہے۔ میں نے برسوں ایک فریب کا سفر کیا اور راہ میں آنے والے ننھے ننھے بے جڑ پودوں کو ہی اپنا سائبان اور اپنے لئے چھاؤں سمجھ کر بہلتی رہی۔ مگر مجھے اب پتہ چلا کہ وہ سب تو کھردرے پودے تھے، ناموافق ہوا سے بنیادوں تک سے اکھڑ جانے والے بے جڑ پودے۔ چھاؤں تو صرف ایسا درخت دے سکتا ہے، سائبان تو وہ شجر بنتا ہے جس کی جڑوں میں بے غرض محبت کی مٹی ہو۔ جو تن کی نہیں، قلب و روح کی دھوپ مٹانا جانتا ہو۔ اور ایسا شجر میں نے آپ میں پایا ہے۔ آپ...... آپ بلکہ کسی کو بھی محبت کرنے سے روک تو نہیں سکتے نا۔ مجھے بھی آپ نہیں روک سکتے، میں اس چھاؤں سے لاکھ دور سہی مگر اس کے احساس سے اب کبھی نہیں نکل پاؤں گی۔ کبھی نہیں نکل پاؤں گی۔" وہ آنسو پیتی حمزہ کو ریسیور تھما کر خود فرش پر ایک کونے میں بیٹھ کر دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

✲☆✲

مصطفیٰ خان ریسیور تھامے کتنی دیر گم صم بیٹھا رہ گیا۔ اسے اپنے اعصاب پر شدید دباؤ پڑتا محسوس ہو رہا تھا۔ ریسیور پر اس کی انگلیوں کی گرفت اتنی سخت ہو گئی کہ لگنے لگا ابھی ریسیور درمیان سے چیخ کر دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے گا۔

"یہ سارے الفاظ اس کے لئے شدید قسم کے ذہنی آزار کے سوا کچھ نہیں تھے۔ ان جملوں کو سننے کے لئے اس نے انتظار کا ایک طویل سفر کیا تھا۔ ہر لمحہ اس کی سماعت منتظر رہی۔ دل ان جملوں کی آہٹ سننے کے لئے ہمہ تن گوش رہا۔

صبر کے کتنے جام پیے تھے، کتنے کڑے لمحوں کا زہر چپ چاپ پی لیا تھا، صرف ان چند جملوں کو سننے کی خاطر۔ مگر اب جبکہ اس کے لئے یہ اعتراف سوائے اذیت اور تکلیف دہ ہونے کے کچھ نہ رہا تھا۔ وہ یہ ضرب لگا رہی تھی۔ ان چوٹوں سے اسے زخمی کر رہی تھی۔

حقیقت، جب تمام تر سفاکی کے ساتھ اس کی آنکھوں کے سامنے تھی تو وہ کیونکر اس سراب سے بہل جاتا۔ اسے یہ سب اس کا مکر لگ رہا تھا، اپنے بچاؤ کی تدبیر محسوس ہو رہی تھی۔ اب وہ سراب سے بہلنا نہیں چاہتا تھا، کسی دھوکے میں زندگی نہیں گزارنا چاہتا تھا۔

وہ ایک بار ہی مر جانا چاہتا تھا۔ بار بار مرنے کے عمل نے اسے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ شکستگی موت سے کہیں زیادہ تکلیف دہ اور اذیت آمیز ہوتی ہے۔ اسے پہلی بار پتہ چلا کہ مرنا آسان ہے مگر مر مر کے زندہ رہنا اور زندہ رہتے ہوئے بار بار مرنا کتنا مشکل ہے۔ اسے لگا اس کے ذہن کی طنابیں چٹختی جا رہی ہیں۔ مگر دوسرے پل حمزہ کی معصوم، بے تابانہ آواز نے اس کے دل میں اُمڈتی غم و غصے کی لہروں کو جیسے ٹھنڈے میٹھے ساحل پر پٹخا تھا اور وہ ٹھنڈی ریت میں جذب ہو گئیں۔

"پاپا......"

"ہاں پاپا کی جان، کیسے ہو؟" اس کے لہجے میں سارے جہاں کی حلاوت اور محبت سمٹ آئی۔ حمزہ کی معصوم میٹھی آواز کے سحر نے اس کا دل جکڑ لیا۔ وہ اس سے باتیں کرنے لگا، اس کی معصوم معصوم باتوں کو سننے لگا۔

اس شدید حبس اور گھٹن میں ایک ہی دریچہ کھلا معلوم ہوتا تھا جہاں سے زندہ رہنے کے لئے ٹھنڈے جھونکے مل جاتے تھے ورنہ تو اس کا خیال تھا وہ شاید ایک زندان میں قید ہو چکا ہے۔ نہ نکلنے کا کوئی راستہ ہے، نہ پلٹنے کی کوئی راہ...... ہر طرف صرف گھور اندھیرا۔

تقدیر کی اس ستم ظریفی پر اسے کبھی کبھی شدید تاؤ آنے لگتا تھا اور کبھی کبھی اپنی سادہ لوحی پر ماتم کرنے کو دل چاہتا۔

''پاپا! مما رو رہی ہیں۔'' حمزہ ایک کونے میں بیٹھی سسکیاں بھرتی لالہ رخ کو دیکھ کر بولا۔

''انہیں کہو، مت روئیں۔ بھلا رُلانے والے بھی روتے ہیں؟ انا پرور، جفا پیشہ بھی آنسو بہاتے ہیں؟'' وہ زہرخندی سے بولا مگر حمزہ کا معصوم ذہن نہ اس کے لہجے کی تڑپ، اذیت کو محسوس کر سکتا تھا نہ اس کی خود آزاری کو جان سکتا تھا۔

افسردگی تھی کہ روح و جان میں کوڑے کی طرح لگ رہی تھی۔ اس کا دل چاہنے لگا حمزہ کو اپنے سینے سے لگا لے اور خود اس کے ننھے وجود میں چھپ جائے۔ اس فریبی، دھوکے باز دنیا سے نظریں چرا کر اس معصوم، بے غرض، پاکیزہ وجود میں خود کو چھپا لے۔ اس نے شدید بے بسی محسوس کرتے ہوئے ریسیور رکھ دیا اور آفس کی ریوالونگ چیئر پر سر ٹکا کر خود کو ڈھیلا چھوڑ کر آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ دیر یوں ہی آنکھیں موندے رہا اور خود کو پُرسکون کرنے کی کوشش کرنے لگا مگر لگ رہا تھا جیسے اب سکون زندگی سے ہی اٹھ گیا ہو۔ اب وہ کبھی سکون اور آسودگی محسوس نہ کر سکے گا۔

وہ آفس سے نکل آیا اور گاڑی کی بجائے ٹرائزور کی جیبوں میں ہاتھ پھنسائے پیدل چلتا ہوا پارکنگ ایریا سے نکل کر سڑک کے فٹ پاتھ پر چلنے لگا۔ صاف ستھرا فٹ پاتھ سنسان تھا۔ اس کے ایک طرف لامتناہی پہاڑوں کا سلسلہ تھا جو بے حد خوشنما معلوم ہوتا تھا۔ دھوپ چھاؤں کا موسم تھا، ہوا میں بھی تازگی کا احساس تھا مگر اس کے دل میں تو ایک ہی موسم ٹھہر گیا تھا۔ دھوپ کا، شدت حبس کا، کڑکتی تپش کا۔

وہ دھیرے دھیرے ٹہلتا ہوا اپنی سوچوں سے الجھتا ہوا خاصی دور نکل آیا۔ اچانک وہ ٹھٹک گیا۔ چائے کی چھوٹی سی دُکان پر فل والیوم میں ریڈیو بج رہا تھا۔ اس سے نکلتی مغنیہ کی آواز نے اس کے قدم جکڑے تھے۔

سو بار چمن مہکا، سو بار بہار آئی
دنیا کی وہی رونق دل کی وہی تنہائی

دُکان سے باہر چند چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں جہاں دن بھر کے تھکے ہارے گاہک

استراحت کے ساتھ چائے پیتے ہوئے خوش گپیوں میں مصروف تھے اور یہ ریڈیو شاید گاہکوں کے لطف اندوز ہونے کے لئے ہی کھولا گیا تھا۔

اِک لحظہ بہے آنسو، اِک لحظہ ہنسی آئی
سیکھے ہیں نئے دل نے انداز شکیبائی

یکایک تھکن کا احساس بڑھ سا گیا۔ وہ ایک خالی چارپائی پر بیٹھ گیا۔ چائے خانے کا ''چھوٹا'' لپک کر آیا۔

''کڑک چائے، خستہ پراٹھے، آلو پوری، کیا کھاؤ گے صاب؟'' وہ فراٹے سے رٹا ہوا سبق اس کے آگے بھی دہرانے لگا۔ اس نے مدھم مسکراہٹ کے ساتھ صرف اسٹرونگ سی چائے کا آرڈر دے دیا۔

دیکھے ہیں بہت ہم نے ہنگامے محبت کے
آغاز بھی رسوائی، انجام بھی رسوائی

اسے لگا مغنیہ اس کے دل کی حالت سے آگاہ ہو اور اسی کے لئے ڈوب کر گا رہی ہو۔

یہ بزمِ محبت ہے اس بزمِ محبت میں
دیوانے بھی شیدائی، فرزانے بھی شیدائی
سو بار چمن مہکا، سو بار بہار آئی
دنیا کی وہی رونق، دل کی وہی تنہائی

وہ جب واپسی کے لئے اٹھ رہا تھا تو اس کی سوچوں کے انتشار میں سستی آ گئی تھی۔ اعصاب کسی حد تک سنبھل چکے تھے۔

حویلی میں معمول کا سناٹا بکھرا ہوا تھا۔ اس نے یوں ہی لابی میں آ کر باورچی خانے کی طرف دیکھا۔ لاکھ وہ اس سے بے گانہ اور بے اعتنائی برتتی، مگر چھوٹے موٹے کاموں میں مصروف اِدھر اُدھر چلتی پھرتی دکھائی تو دیتی تھی۔

حمزہ کی چہکاریں۔

مجتبیٰ کا حمزہ کو پکڑنے کے لئے بھاگنا اور اس کا پاپا، پاپا کہہ کر اس کے پیروں سے لپٹ جانا، اس کی گود میں دبک جانا۔

مورے کی ہنسی

لالہ رخ کی بے ساختہ مسکراہٹیں۔

یہ سارا کچھ زندگی کا احساس دلاتا تھا۔

ایک مضمحل سی سانس سینے کی تہہ سے کھینچ کر وہ چابی کی بورڈ پر لگا کر اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھ رہا تھا جب مورے اپنے کمرے سے نکلیں۔

"طیفی۔"

وہ رک کر پلٹا۔ "السلام علیکم، کیسی طبیعت ہے آپ کی؟" وہ ان کی طرف چلا آیا۔ "آپ کمرے میں تھیں، میں سمجھا سو رہی ہوں گی، اس لئے آپ کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہ سمجھا۔"

"نیند تو اب رات کو بھی نہیں آتی۔ دن میں کہاں سوؤں گی۔" وہ افسردگی سے ہنس دیں۔ مصطفیٰ خان نے چونک کر ان کی طرف دیکھا مگر زیادہ دیر تک نہ دیکھ سکا۔ وہ ایک ٹک اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

"کیا بات ہے، آپ اس طرح مجھے کیوں دیکھ رہی ہیں؟" وہ بے مقصد مسکرانے کی کوشش کرنے لگا۔

"دیکھ رہی ہوں کہ تم یکدم اتنے بڑے ہو گئے ہو کہ اب تمہیں کوئی بھی فیصلہ کرنے میں میری ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ بڑے بڑے فیصلے خود سے کرنے لگے ہو۔"

اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ مورے کے چہرے پر پھیلے تاثرات اسے نظریں چرانے پر مجبور کر گئے۔

"میں سمجھا نہیں آپ کی بات۔"

"میں سمجھاتی ہوں، آؤ میرے ساتھ۔" وہ اپنے کمرے کی طرف پلٹ گئیں۔

"اس وقت میں بے حد تھکا ہوا ہوں، کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے ٹال کیا۔

"میں واقف ہوں تمہاری تھکن سے۔ مگر یہ تھکن اس طرح نہیں اترے گی بلکہ یہ اور بڑھتی چلی جائے گی۔" مورے کا انداز استہزائیہ ہو گیا، ساتھ ہی دبنگ بھی۔ وہ شدید ترین بے بسی محسوس کرتا ہوا ان کے پیچھے کمرے میں داخل ہو گیا۔

"اس طرح میرے سامنے باادب کھڑے ہو کر تم یہ ثابت کرنا چاہتے ہو کہ تم میرے بہت فرمانبردار اور سعادت مند بیٹے ہو۔" مورے نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اس پر ایک نظر ڈالی۔ وہ الجھ کر انہیں دیکھنے لگا، پھر بے چارگی سے بولا۔

"آپ اس طرح کا بی ہیو کیوں کر رہی ہیں؟ کیا میں آپ کا فرمانبردار نہیں ہوں؟ کیا نافرمانی کر دی ہے میں نے آپ کی؟" وہ ان کے قدموں کے نزدیک بیٹھ گیا۔

"فرمانبرداری کسے کہتے ہیں، پہلے یہ سمجھ تو لو۔"

"مورے پلیز، اس طرح مجھے زچ نہ کریں۔ میں پہلے ہی....." اس نے ناراض نظروں

ے انہیں دیکھا مگر وہ اس کی بات کاٹ کر متاسفانہ لہجے میں بولیں۔

"نافرمانی یہ بھی ہے کہ تم مجھے دکھی کرو، مجھے رنج پہنچاؤ، مجھ سے اپنا دکھ، اپنے مسائل ئر نہ کرو۔ یہ بھی نافرمانی ہے۔"

"کیسا دکھ؟" اس کے اعصاب پر پتھر لگا تھا۔ وہ سناٹے میں رہ گیا۔

"طیفی! لالہ رخ کو حویلی سے نکال کر تم نے مجھے دلی رنج پہنچایا ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو، میں ھیں، کان رکھتے ہوئے بھی اندھی، گونگی، بہری ہوں؟" انہوں نے اس کی اٹھنے والی تفہامیہ نگاہوں کے جواب میں اپنی خفگی آمیز نظریں ڈالیں۔ "یہ جو تم ان حالوں میں پہنچے ے ہو، کیا میں نہیں جانتی، کچھ محسوس نہیں کر رہی ہوں، تمہارے لبوں پر کھلنے والی مسکراہٹ م ہو گئی ہے، تمہارے وجود پر مستقل ایک اضمحلال چھایا رہتا ہے۔ تم ہنسنا بھول ہی گئے ہو لی! بلکہ بولنا بھی بھول گئے ہو۔ تمہارے دم سے تو میں زندہ ہوں، کیوں مجھے جیتے جی مار نا چاہتے ہو؟" وہ یکدم رو پڑیں۔

اس نے اضطراری انداز میں ان کے گھٹنوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے۔

"مورے....." اس کے لب کچھ کہنے کی خواہش میں فقط کھل کر رہ گئے اور اس نے ان کے گھٹنوں پر سر ٹکا دیا۔

"دکھ کہہ دینے سے ہلکا ہو جاتا ہے پاگل! مجھ سے چھپا کر تم خود کو اور مجھے اذیت دے رہے ہو، لالی جیسی پیاری لڑکی تمہیں کوئی دکھ دے سکتی ہے، میں کیسے مان لوں؟ مجھے لگتا ہے تم دونوں کے مابین کوئی غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے اور تم نے جذباتی ہو کر اسے گھر سے نکال دیا۔ ہے نا؟" انہوں نے اس کا سر اونچا کیا۔

"بولو طیفی! ہے نا یہی بات؟" وہ اسے خاموش پا کر جھنجھوڑنے لگیں۔ مصطفیٰ خان کے لبوں سے ایک افسردہ سانس نکل گئی۔

"میں تو اپنی ہی خوش فہمیوں میں مارا گیا مورے، مجھے تو اپنی ہی خوش گمانیاں اور خوش فہمیاں لے ڈوبیں۔" اس نے ایک پھیکی سی ہنسی کے ساتھ ان کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر دبایا۔

"ہاں مورے! وہ بہت اچھی ہے۔ مگر ضروری نہیں کہ ہر اچھی شے ہماری ہی ہو۔ کائنات کی ہر خوبصورت چیز پر ہمارا حق ہو۔ میں جس پر انگلی رکھ دوں، اسے پسند کر لوں وہ میری ہی ہو جائے۔ نہیں مورے! محبت آپ کو اپنی تمام تر کوششیں بروئے کار لانے سے بھی نہیں ملتی۔ نہ کسی تیسرے کی کوشش اور محنت سے مل سکتی ہے، جب تک یہ خود مقابل کے دل میں آپ

کے لئے پیدا نہ ہو۔ یہ زبردستی، زور یا جبر سے حاصل ہو ہی نہیں سکتی، آپ چاہیں جتنا بھی طویل سفر کر آئیں، راستوں کا تعین درست نہیں ہوگا تو وہاں منزل آ ہی نہیں سکتی۔ ہاں منزل کی خواہش میں آپ تا عمر سراب میں بھٹک سکتے ہیں۔''

''یہ کیا کہہ رہے ہو طلعی؟'' وہ ہکا بکا رہ گئیں۔ ان کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو ٹھٹر گئے۔ وہ اس کا چہرہ تکتی رہ گئیں۔ مصطفیٰ خان کی سرمئی آنکھوں میں اتنی دھندلاہٹ انہیں آج سے پہلے کبھی نظر نہ آئی تھی۔ ''یہ اتنے فاصلے کہاں سے آ گئے تم دونوں کے درمیان؟'' وہ تڑپ کر رہ گئیں۔

''فاصلے؟ ہم قریب ہی کہاں تھے کہ فاصلے پیدا ہوتے۔ وہ تو اول روز سے صدیوں کی مسافت پر کھڑی تھی۔ یہ تو میرا پاگل پن تھا کہ میں فاصلوں کی آہنی دیواروں کو قرب کی آنچ سے پگھلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہمارے درمیان عارضی ناراضگی، رنجش یا ضد نہیں تھی مورے کہ یہ ختم ہو جاتی۔ ہمارے درمیان تو اجنبیت، بے گانگی اور بے مہری کی بہت مضبوط دیواریں کھڑی تھیں جو گر ہی نہیں سکتی تھیں، اس لئے کہ کوئی بھی کوشش یکطرفہ ہو تو کامیاب نہیں ہوتی۔ وہ میری ہے ہی نہیں بلکہ میری تھی ہی نہیں کبھی۔ وہ سیف الرحمٰن کی ہے، اسی کی تھی، اسی کی رہے گی۔ اس کا ادراک مجھے اب ہوا ہے۔'' وہ اٹھ کر کرسی پر جا کر بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھوں میں سر گرا لیا۔

کمرے میں ایک وحشت ناک سناٹا چھا گیا۔ ایسا ہی سناٹا مورے کے دل کو بھی آن واحد میں نچوڑ گیا تھا۔

اس دھچکے سے ان کی قوت گویائی سلب ہو گئی تھی۔ وہ ٹکر ٹکر مصطفیٰ خان کو دیکھتی رہ گئیں۔

''یہی سب کچھ جاننا چاہتی تھیں نا آپ، جان لیا......'' اس نے سر اٹھا کر متاسفانہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا اور پھیکی سی ہنسی کے ساتھ سر جھٹکتا ہوا بولا۔ ''شروع سے لے کر آخر تک میں ہی قصوروار ہوں۔ پھر اسے کیا دوش دوں جب رشتہ ہی زور و جبر پر ہوا تھا۔ طلال نے میری خاطر اس پر دباؤ ڈالا تھا اور یوں وہ اس گھر میں آ تو گئی مگر میرے دل کی رونق نہ بڑھا سکی، ان دیواروں میں اُجالے تو بھر گئی مگر میرے اندر کی تاریکی اور بڑھا گئی...... اس میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ محبت کے حصول کے لئے صرف اس کو پا لینا ہی سب کچھ نہیں ہوتا جس سے آپ محبت کرتے ہیں۔ ایسے وجود کی اہمیت تو بے ثمر درخت کی مانند ہوتی ہے۔ محبت میں روح کا تعلق روح سے جڑنا، قلب کا تعلق قلب سے قائم ہونا شرط ہے۔''

''چپ ہو جاؤ طلعی! خدا کے لئے چپ ہو جاؤ ورنہ میرا دل پھٹ جائے گا۔'' وہ کرب

سے چلائیں۔ ان کا چہرہ خطرناک حد تک سپید پڑ گیا تھا۔ انہوں نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیا اور تکیے پر جھک گئیں۔

مصطفیٰ گھبرا کر کرسی سے جھٹکے سے اٹھا اور ان کی طرف لپکا۔ ''مورے...... مورے......''

وہ تکیے پر سر رکھے روئے جا رہی تھیں۔ وہ سخت بے بسی اور لاچاری محسوس کر کے رہ گیا۔

''یہ سب تم مجھے اب بتا رہے ہو۔ مجھے پہلے بتاتے، میں اسے روک لیتی، اسے منا لیتی، سمجھا لیتی مگر جانے نہ دیتی۔ عورت تو ایک نرم شاخ کی طرح ہوتی ہے طلعی۔ اسے پیار سے موڑ دو وہ مڑ جاتی ہے مگر سختی سے ٹوٹ جاتی ہے۔''

''وہ کوئی شو پیس نہیں ہے کہ اسے آپ یا میں زبردستی اپنے شوکیس میں ساری عمر کے لئے سجا کر رکھ دیں۔'' اس نے لب بھینچ لئے اور سخت دل گرفتگی محسوس کرتے ہوئے بولا۔ ''اس طرح مت روئیے، میں اسی لئے آپ کو نہیں بتانا چاہ رہا تھا کہ آپ کو دکھ ہوتا۔ میں آپ کو دکھ دینا نہیں چاہتا تھا۔''

مورے نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا، ان کی آنکھوں میں ہزار شکوے، ملال رقم تھے۔ وہ نظریں چرا گیا۔

''میرے اختیار میں کچھ نہیں ہے مورے! یقین کریں، میں نے زندگی میں اتنا بے بس خود کو کبھی محسوس نہیں کیا۔ اب اس نام نہاد رشتے کو ختم کر دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا ہے۔''

''طلعی!'' وہ کمرے سے نکلنے لگا تو مورے نے تڑپ کر اسے پکارا۔ ''ایسا کوئی قدم اٹھانے سے پہلے میری موت کا انتظار ضرور کر لینا۔'' ان کے لہجے میں ناراضگی، غصہ اور تحکم بھی کچھ تھا۔

اس نے شدید ترین احساسِ بے بسی کے ساتھ چہرہ ذرا سا موڑ کر ان کی طرف دیکھا۔

''میں مر جاؤں تو اپنی مرضی کرتے رہنا، مگر میرے جیتے جی ایسا کوئی قدم نہ اٹھانا جو مجھے زندہ درگور کر دے۔'' وہ ایک بار پھر سسکیاں بھرنے لگیں۔

وہ غم و غصے سے مٹھیاں بھینچے کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

روشانہ کی آمد نے لڑکیوں کو بے حد مسرور کیا تھا، مگر پلوشہ کو ساتھ نہ دیکھ کر تھوڑا بہت افسوس ہوا۔ مگر سب سے زیادہ دُکھ خرم کو ہوا بلکہ غصہ ہی آیا تھا۔

''ظاہر ہے اسے ساتھ لاتے تو یہ رومان پرور اور سحر انگیز سفر، بدمزہ اور بے لطف جو ہو

جاتا۔" وہ طلال کو سنا رہا تھا بلکہ وقفے وقفے سے بہت کچھ سنا چکا تھا۔

"میں تو اسے بھی ساتھ لانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ مگر کیا کروں، مجبوری میں بہت سے کام کرنے پڑتے ہیں۔ ہر کام خوشی سے تو نہیں کیا جاتا نا۔"

وہ اپنا بیگ لابی میں ہی رکھ گئی تھی۔ لینے آئی تو اس کی بات پر اس کا دل سخت برا ہو گیا۔

خرم نے متاسفانہ نگاہ طلال پر ڈالی اور روشانہ کی طرف چلا آیا۔

اس کی روئی روئی آنکھیں اور چہرے پر بکھرا حزن اس بات کا غماز تھا کہ وہ راستے بھر فقط روتی رہی ہے۔ اسے طلال کی اس بے مہری اور سفاکی پر بہت طیش آیا۔

"تم دو دن انتظار کر لیتیں تو میں ہی آ جاتا لینے۔ کیا ضرورت تھی ایسے ناقدروں کے ساتھ آنے کی؟" اس کا اشارہ طلال کی طرف تھا اور لہجے میں کھولن تھی۔

"اس لئے کہ اسی ناقدر شناس کے ساتھ اس نے زندگی کا پورا سفر طے کرنا ہے، سو تھوڑی سی پریکٹس ہو گئی۔"

"چاچو! برائے مہربانی آپ یہاں سے تشریف لے جائیے۔" وہ چڑ کر اس کی طرف پلٹا۔ "افلاطون کے کہنے پر اگر آپ عمل کر لیں تو بڑی مہربانی ہو گی کہ روز صبح آئینے میں اپنا منہ دیکھا کرو۔ اگر بری صورت ہے تو برا کام نہ کرو تاکہ دو برائیاں جمع نہ ہوں۔ اگر صورت اچھی ہے تو اس کو برا کام کر کے خراب نہ کرو اور خوش قسمتی سے آپ کی شکل بہت اچھی ہے، سو اسے خراب نہ کریں تو اچھا ہے۔" خرم شدید تپ کر بولا تھا۔

"تمہیں بہت شوق ہے بیٹھ کر لڑکیوں کے دکھڑے سننے کا۔" طلال نے اسے طنزاً دیکھا اور ایک اچٹتی نظر روشانہ پر ڈالی۔ "اور عورتوں کو تو یوں بھی ہر بات دھو کر اور بڑھا چڑھا کر بتانے کی عادت ہوتی ہے۔ اس سچی جھوٹی کہانی کو تم اگر لکھ کر تختی بنا کر گھر کے انٹرنس پر لٹکا دو تو زیادہ اچھا رہے گا، ہر آئے گئے سے اسے ہمدردیاں مفت میں ملتی رہیں گی۔" وہ اس قدر سلگ کر بولا تھا کہ روشانہ کو لگا وہ کھڑے کھڑے جھلس کر رہ گئی ہو۔

اس سے پہلے وہ یہاں سے چلا جاتا وہ اپنا بیگ اٹھا کر بھاگتی ہوئی باہر نکل آئی۔

خرم متاسف سا کھڑا رہ گیا۔ طلال سے اسے اس حد تک سفاکی کی امید قطعی نہ تھی۔ نہ ہی روشانہ کی دل گرفتگی کی شدت کا اندازہ اس سے پہلے ہوا تھا۔

اس نے بڑی گھائل نظروں سے طلال کو دیکھا مگر وہ اس کی نظریں نظر انداز کرتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

⁂☆⁂

لالہ رخ، عفت بھابی اور سعدیہ بھابی کے ساتھ بازار سے لوٹی تو روشانہ کی آمد کا اسے رفیعہ بیگم سے پتہ چلا۔

"ہے کہاں وہ بدتمیز لڑکی؟" اس نے سارے شاپرز صوفوں پر ڈال کر اِدھر اُدھر دیکھا۔

"وہ سب خرم اور عادل کے ہمراہ گئی ہیں آئس کریم کھانے۔ حنا کا تو تمہیں پتہ ہی ہے، بچوں کی سی حرکتیں اب تک نہیں چھوٹیں اس کی۔ خرم اس سے کوئی شرط ہار گیا تھا، بس اس کی جان کو آ گئی کہ آئس کریم کھلا لاؤ۔"

لالہ رخ ہنسنے لگی۔

"یہی تو فکر رہتی ہے مجھے کہ یہ لڑکی کب عقل مند اور بڑی ہو گی؟ کل کلاں اس کے بچہ ہو جائے گا مگر یہ خود بچہ ہی رہے گی۔" سعدیہ بھابی، رفیعہ بیگم کی بات سن کر قالین پر بیٹھتے ہوئے فکرمندی سے بولیں۔ انہیں حنا کی یہ حرکتیں ایک آنکھ نہ بھاتی تھیں۔

"حسنہ بھی تو تھی۔ اس عمر میں کیسی سمجھدار تھی۔"

"ارے چھوڑیں بھابی، کیا کرنا ہے عقل مند ہو کر۔ لڑکیاں تو بچہ ہی رہیں تو اچھا رہتا ہے۔" وہ ان کے نزدیک ہی کشن لے کر لیٹ گئی۔

(عمر سے پہلے میچورڈ ہو جانے والی لڑکیاں زندگی کی حقیقی مسرتوں سے لطف اندوز نہیں ہو پاتیں۔ ان کے دل، ان کے ذہن، ان کی روح، ان کے ہم رکاب رہتی ہے۔ ان کی آنکھیں دنیا کی رونق کو نہیں، دنیا کی بے آب و رنگی اور بے ثباتی کو دیکھ کر ملول رہتی ہیں۔ یہ زیادہ حساس ہونا صرف دُکھ دیتا ہے) وہ سوچ کر رہ گئی۔

حنا کا یہی بچکانہ پن تو تھا جو آفاق کے ساتھ ایڈجسٹ ہونے میں معاون ثابت ہوا تھا۔ اگر وہ حد سے زیادہ حساس اور عمر سے زیادہ میچورڈ ہوتی تو شاید اس کی اور طلال کی طرح زندگی کی خوشیوں سے محروم ہی رہتی۔

ہم جیسے لوگ نہ خود مسرور اور آسودہ رہتے ہیں، نہ اوروں کو دیکھ سکتے ہیں۔ ہماری ذات سے صرف دُکھ ہی دُکھ ملتے ہیں ہر ایک کو۔

اس کی آنکھوں کے آگے مصطفیٰ خان کا چہرہ آ گیا۔

اچانک وہ چونک کر سیدھی ہو بیٹھی۔

"حمزہ کہاں ہے؟ دکھائی نہیں دے رہا۔ اس کے پاپا کا فون آیا تھا، میرا مطلب ہے مصطفیٰ کا؟" اس نے رفیعہ بیگم کی طرف دیکھا۔

"نہیں، اس کا تو نہیں، البتہ تمہارے دیور مجتبیٰ کا فون تھا۔ حمزہ سے بات ہوئی تھی۔"

''اچھا......'' اس کا دل بجھ سا گیا۔ پتہ نہیں کیوں دل کو موہوم سی خوش گمانی تھی کہ وہ ضرور فون کرے گا۔ شاید اس کا پتھر دل کچھ پگھلا ہو۔ اس کے اعترافِ محبت نے اس کی سوچوں کا رخ بدلا ہو۔

حمزہ کے نام پر ہی وہ فون کر لیتا۔

تھکن کچھ اور بڑھ سی گئی۔ وہ شاپرز وہیں چھوڑ کر اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

حمزہ، جاذب کے بچوں کے ساتھ لان میں کھیل رہا تھا۔ وہ کھڑکی میں کھڑی اسے دیکھنے لگی۔

اُمید وصل بھی امجد ہے کانچ کی چوڑی
کہ پہننے میں کئی بار ٹوٹ جاتی ہے

خرم نے کمرے میں جھانکا تو وہ اپنی وارڈ روب سے کپڑے نکال رہی تھی۔

''آ گئے تم لوگ؟'' اس نے خرم کو دیکھا اور کپڑے بیڈ پر رکھ کر وارڈ روب بند کرنے لگی۔

''لالی! آپ روشانہ سے ملیں؟'' خرم اپنے پیچھے دروازہ بند کرتے ہوئے اندر آ گیا۔

''کہاں، بھابی کے ساتھ مارکیٹ سے ابھی تو لوٹی ہوں۔ تم لوگ مزے اڑانے چلے گئے تھے، یہ اچھی رہی۔ اکیلے اکیلے عیش اڑاتے رہو۔'' وہ لہجے میں شگفتگی کا تاثر سمو کر بولی۔ خرم نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ جب سے یہاں آئی تھی، وہ دیکھتا آیا تھا کہ وہ پہلے سے زیادہ شگفتگی اور بذلہ سنجی سے باتیں کرنے لگی تھی۔ بات بات پر کھلکھلانے لگتی تھی۔ مگر اس کی آنکھیں اس شگفتگی کا ساتھ نہیں دے پاتی تھیں۔ وہ جتنا خود کو مسرور اور خوش باش ظاہر کر رہی تھی، اتنی ہی اسے دل گرفتہ اور ملول محسوس ہوتی تھی۔ شاید حقیقت سے آگاہی کے بعد وہ ایسا سوچنے اور محسوس کرنے لگا تھا۔

''مزے کیا اڑانے ہیں، بس روشانہ کے لئے گیا تھا۔ وہ بے حد ٹینس تھی۔'' وہ ہلکی سی سانس بھر کر اسی وارڈ روب سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔

''کیسی ٹینشن؟''

''کیا آپ کو معلوم نہیں؟'' خرم کو اس کا تجاہل بہت کھلا۔ اس نے کچھ ایسی نظروں سے اس کی طرف دیکھا کہ وہ نظریں چرا گئی۔

''گھر میں تو اس کے سب خیر خیریت ہے نا، آمنہ خالہ اور......''

''لالی پلیز، اس طرح انجان بن کر آپ مجھے زچ نہ کریں۔ اس کے ٹینشن سے آپ اچھی طرح واقف ہیں۔'' وہ تیزی سے ان کی بات کاٹ کر بولا۔ ''طلال چاچو کا یہ اس

کے ساتھ بہت نامناسب ہے لالی! آخر آپ انہیں سمجھاتی کیوں نہیں ہیں؟ وہ اس رشتے پر جب راضی تھے ہی نہیں تو کیوں قبول کیا تھا اسے؟ اور اگر یہ رشتہ ان کی رضا اور خوشی سے جڑا ہے تو پھر اس طرح کیوں کر رہے ہیں وہ؟ پلیز، آپ انہیں سمجھائیے، وہ بے حد حساس لڑکی ہے لالی! مجھے ڈر ہے کوئی دکھ اسے بکھیر نہ دے۔''

''حساس ہونا ہی تو سب سے بڑا دکھ ہے۔'' وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دی اور بیڈ کے کونے پر ٹک گئی۔ ''تمہیں یہ سب کس نے بتایا، خود طلال نے یا روشانہ نے؟'' اب کے اس نے خرم کی طرف بہ نظرِ غور دیکھا۔ اس کے لہجے میں حیرت کے ساتھ تشویش بھی تھی۔

''یہ چھوڑیئے کہ مجھے کس نے بتایا۔ آپ نے تو نہیں بتایا نا؟ آپ کی نظر میں تو میں ناقابلِ بھروسا، بے وقوف اور غیر سنجیدہ اور ایک غیر ذمہ دار سا لڑکا ہوں۔'' وہ کمسن ناراض بچے کی طرح بلبلا کر بولا تھا۔ لالہ رخ کو باوجود افسردگی کے ہنسی آ گئی۔

''وہ تو تم ہو......'' پھر اٹھ کر اس کے نزدیک چلی آئی اور نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔ ''چلو، مت بتاؤ کہ تمہیں یہ سب کیسے خبر ہوئی۔ مگر یہ بتاؤ کہ اس سارے معاملے میں میرا کیا اور کتنا قصور نکلتا ہے؟''

''تو آپ کو کون قصوروار ٹھہرا رہا ہے، آپ تو خود بے قصور بلکہ بے بس رہی ہیں اس سارے معاملے میں۔ بلکہ اپنے ذاتی معاملے میں بھی۔'' خرم کے چہرے کے کھنچے ہوئے نقوش نرم پڑ گئے۔ اس نے محبت اور ترحم آمیز نظروں سے لالہ رخ کا چہرہ دیکھا۔ ''قصوروار تو سراسر طلال چاچو ہیں، جنہوں نے......''

''نہیں خرم! قصوروار کوئی ایک فرد کبھی نہیں ہوتا۔'' وہ تیزی سے اس کی بات کاٹ گئی۔ ایک اضمحلال اس کی روح پر ٹپکنے لگا۔ ''فیصلے تقدیر کے ہوتے ہیں۔ جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں۔ ہاں، ہم انسانوں کے اعمال، افعال ان رشتوں پر ضرور اثر انداز ہوتے ہیں۔ مگر فقط طلال کو قصوروار ٹھہرانا غلط ہے۔ بے شک اس نے کئی غلطیاں کیں اور سب سے بڑی غلطی یہ کر رہا ہے کہ اپنی محبت کو جذبات اور ہٹ دھرمی کی بھینٹ چڑھا رہا ہے۔ وہ بے وقوف محبت کرتا ہے مگر محبت کا اظہار کرنے کا سلیقہ نہیں رکھتا۔ اس معاملے میں تم اسے نادان اور اناڑی کہہ سکتے ہو۔ خود اس کا مزاج اس کی محبت کے درمیان سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ مگر خرم، بلاہم نہیں کہہ سکتے یا اسے الزام نہیں دے سکتے کہ وہ محبت سے عاری اور ایک بے حس انسان ہے۔ بے حس انسان بھلا ایسے ہوتے ہیں، دوسرے کے لئے اپنی زندگی تیاگ دیتے ہیں؟''

''مگر لالی! جو کچھ وہ روشانہ کے ساتھ کر رہے ہیں، یہ بھی تو سراسر ناانصافی ہے اور جو

کچھ آپ کے ساتھ کیا انہوں نے، آپ کی مرضی کے خلاف، وہ سب کچھ بھی تو کسی طرح جائز نہیں تھا۔" خرم اس کی ہر دلیل کو رد کرتا ہوا بولا۔ اس وقت اس کے ذہن میں روشانہ کا معصوم اور پژمردہ چہرہ تھا اور طلال کے لہجے کے انگارے چھائے ہوئے تھے۔ اس کے لہجے کی کاٹ، جس نے روشانہ کو اندر تک کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ وہ کیسے اس دلیل کو مان لیتا؟

"میرے معاملے میں اس نے کچھ غلط نہیں کیا۔" لالہ رخ نے بڑے اعتماد سے اس کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھا۔

"کیا؟ کیا آپ کے ساتھ زبردستی نہیں کی گئی؟ آپ کو پریشرائز کر کے آپ کی شادی نہیں کرائی انہوں نے؟" خرم کا لہجہ جھنجلایا ہوا تھا۔ وہ ہر حال میں طلال کو مورد الزام ٹھہرانا چاہتا تھا۔ یہ اس کا بچکانہ غصہ تھا۔ لالہ رخ بے ساختہ افسردہ سانس بھر کر رہ گئی اور نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"نہیں خرم! وہ تب بھی غلط نہیں تھا۔ غلط شاید میں تھی۔ اس کی محبت کو میں نے اس کی ضد سمجھا۔ اس نے یہ سب میری محبت میں ہی کیا تھا، ہاں طریقہ بے شک کچھ نامناسب تھا۔ مگر اس وقت میں جس ذہنی آزار سے گزر رہی تھی، جذباتی دباؤ کا شکار تھی، وہاں اگر وہ نرمی دکھاتا تو شاید وہ یہ قدم کبھی نہیں اٹھا سکتا تھا اور مجھے مصطفیٰ خان جیسے اچھے رفیق حیات سے محروم رہنا پڑتا۔ میں ہمیشہ مرد ذات کو سیف الرحمٰن کی شخصیت کے تناظر میں ہی دیکھتی رہتی۔ مرد میرے لئے ایک ناقابل بھروسہ اور مکروہ قسم کی شے ہی رہتے۔ مگر اس نے مجھے زندگی کا دوسرا رخ دکھایا۔ یہ سب کچھ اس نے میری بہتری کے لئے ہی کیا تھا، بلکہ میری وجہ سے وہ خود اپنی زندگی کو الجھا بیٹھا ہے۔ پہلے بھی اس کی زندگی میرے ہاتھوں برباد ہوئی جبکہ وہ سمجھتا رہا کہ میرا گھر اس کے ہاتھوں برباد ہوا ہے۔ اسی احساسِ جرم میں اس نے اذیت کے کئی ماہ و سال گزار دیئے۔ تم یا میں کبھی اس کی اذیت کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ وہ بہت حساس ہے خرم! اتنا حساس کہ خود اپنے لئے مسئلہ بن گیا ہے شاید میری طرح۔" اس کی آواز بکھر سی گئی۔ وہ بیڈ کے کنارے یوں ٹک گئی جیسے پیروں میں جان نہ رہی ہو۔

خرم اس کے نزدیک قالین پر بیٹھ گیا اور اس کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھا تو وہ ہلکے سے مسکرائی اور اس کے بال منتشر کرتے ہوئے بولی۔ "پاگل! وہ چاہے تو روشانہ سے رشتہ آن واحد میں توڑ سکتا ہے۔ اس جیسے انا پرست اور جذباتی آدمی کے لئے ایسا فیصلہ کرنا اور فیصلے پر عملدر آمد کرنا کون سا مشکل کام ہے، مگر وہ ایسا نہیں کر رہا تو ضرور اس کے پیچھے کوئی بات ہو گی۔ اس کا کوئی پوزیٹو جذبہ ہو گا۔"

خرم، لالہ رخ کا منہ تکتا رہ گیا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن آمیز حیرت کروٹیں لینے لگی۔

"بہت سی باتوں کا ادراک ہمیں بہت دیر سے ہوتا ہے کہ کبھی تلافی کا امکان نہیں رہتا یا بہت موہوم سا رہتا ہے۔ اور کبھی وقت پر ہو جاتا ہے۔ مگر یہ بھی قسمت کی بات ہے۔ تقدیر ادراک کا یہ در کب ہم پر کھولتی ہے۔" اس کا ہاتھ خرم کے بالوں پر ٹھہر گیا۔ پھر یکدم جیسے اس افسردگی کے سحر کو جھٹکتے ہوئے بولی۔ "میں طلال سے ضرور بات کروں گی۔"

"کاش لالی! چاچو کے دل میں روشانہ کے لئے بہت محبت ہو، اتنی محبت، اتنی محبت ہو......" خرم جذباتی سا ہونے لگا۔

"جتنی؟" لالہ رخ نے براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانک کر شرارت سے پوچھا تو وہ ایک پل نظریں چرا گیا پھر آہستگی سے بولا۔ "جتنی مجھے وشی سے ہے۔"

"اس سے زیادہ بھی تو ہو سکتی ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتی رہی، پھر ہنستے ہوئے بولی۔ "ارے تم طلال کو کیا سمجھتے ہو؟ ایسے لوگ محبت کے معاملے میں بڑے گھنے ہوتے ہیں، بہت چھپے رستم۔ ان کی محبت یوں ظاہر نہیں ہوتی۔"

"کیا فائدہ ایسی محبت کا جو ظاہر نہ ہو۔" خرم منہ بنا کر رہ گیا۔

"بھئی اب تم پر یا سب پر تو ظاہر ہونے سے رہی۔ روشانہ کی بات الگ ہے بدھو۔" لالہ رخ کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ وہ اس کے بال بکھیر کر بیڈ سے اٹھ گئی۔

ادھر دروازے کے باہر کھڑی روشانہ بے چارگی آمیز کرب محسوس کر کے رہ گئی۔ اس کا دل یکلخت کبیدہ ہونے لگا۔ کیسی خوش گمانیاں تھیں لالہ رخ کو اپنے بھائی سے۔

اس جیسا پتھر اور شقی القلب انسان بھی محبت کرنا جانتا ہے۔ اس کے دل میں محبت ہو تو ظاہر بھی ہو نا۔ بھلا یہ جذبے بھی چھپے رہ سکتے ہیں؟ محبت میں آدمی اتنا ظالم بھی ہو سکتا ہے؟

اس کا دل و دماغ لالہ رخ کی ان باتوں کو مسلسل رد کر رہا تھا اور رد کیوں نہ کرتا، جس اذیت سے وہ گزر رہی تھی، گزرتی آئی تھی، جو ستم سہہ رہی تھی، اس کی کڑواہٹ اور نفرت کا قطرہ قطرہ پی رہی تھی۔ وہاں کیسے آبِ حیات اور امرت کا محض تصور اسے بہلا سکتا تھا۔

لالی کتنی بدل گئی ہے، اپنے بھائی کی حمایت کرنے لگی ہے۔

اس کا دل بھر بھر آیا۔ وہ اندر جا کر پورے غصے اور بے تابی سے لالہ رخ سے لپٹ کر رونا چاہتی تھی مگر حنا اور مہ وش کے آ جانے پر بے حد نارمل انداز میں کمرے میں چلی آئی۔ لالہ رخ نے اسے دیکھ کر بے حد تپاک سے اسے خود سے لگا لیا اور اس کے تپتے ہوئے رخسار کو بے حد پیار سے چوما۔

"میں آئی تو پتہ چلا تم سب موجیں اڑانے چلی گئی ہو۔"

"دراصل خرم، پلوشہ کے نہ آنے پر اتنا زیادہ خوش ہو رہا تھا کہ اس خوشی میں ہمیں آئس کریم کھلانے لے گیا۔" حنا نے خرم کے زخموں پر نمک چھڑکا۔

وہ سب ہنسنے لگے۔

"وشی کیوں نہیں آئی؟" حنا کی بات سن کر لالہ رخ کو پلوشہ کا خیال آ گیا۔

"یہ تو آپ طلال چاچو سے ہی پوچھیے۔" خرم کڑے لہجے میں کہتا باہر نکل گیا۔

"دراصل اس کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی۔ پیٹ میں شدید درد ہو رہا تھا۔" روشانہ کی وضاحت پر حنا زور سے ہنس پڑی۔

"بالکل بدھو ہو روشی، بھئی سمجھنا چاہیے کہ وہ بیچاری کباب میں ہڈی نہیں بننا چاہ رہی تھی۔ اتنی عقل تو اس میں ہے ہی۔"

لالہ رخ کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ بکھری مگر روشانہ کے چہرے کی طرف دیکھا تو یہ مسکراہٹ خود بخود بجھ گئی، اس کا ہاتھ بے اختیار اس کی کمر کے گرد حمائل ہو گیا۔

"اگر یہ بات ہے تو اس کا مطلب ہے وشی تو بڑی عقلمند ہو گئی ہے، مگر بیچارے خرم کا کیا، کیا جائے؟" وہ اپنے اور روشانہ کے دل پر چھانے والی گمبھیر اداسی کو کاٹنے کی غرض سے شگفتگی سے بولی۔

"اب صبر ہی کیا جا سکتا ہے۔" مہ وش نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچی تو وہ سب ہنسنے لگیں۔

"اسے دیکھو ذرا، شادی میں چند دن رہ گئے ہیں اور یہ کدکڑے لگاتی پھر رہی ہے۔" روبی بھابی نے اندر جھانکا اور مہ وش کو گھورنے لگیں۔

"اپنی اماں اور دادی کو جا کر جواب دو۔ ان کے خیال میں تو تمہیں اب اوجھل بیٹھ جانا چاہیے۔"

"ہائیں، ابھی سے اوجھل بیٹھ جاؤں؟" مہ وش کا منہ بن گیا۔

"تو روپ کیسے آئے گا؟" حنا نے چھیڑا۔

"تم بیٹھی تھیں اوجھل؟ تم پر تو خوب روپ آیا تھا۔" وہ دوبدو بولی۔ حنا جھینپ کر ہنس پڑی۔

"روپ تو روشی پر بھی خوب آیا ہوا ہے حالانکہ یہ تو اوجھل بھی نہیں بیٹھی۔"

"بھئی اس کا روپ تو اس خوبصورت سفر اور ہمسفر کی ہمراہی کا آیا ہوا ہے۔" روبی بھابی کچھ اس طرح بے ساختہ بولیں کہ لالہ رخ کو اپنی ہنسی روکنا مشکل ہو گیا۔

روشانہ بے بسی اور شرم سے کٹ کر رہ گئی۔ روبی بھابی نے ہنستے ہوئے اسے خود سے لپٹانا چاہا مگر اس نے وہاں سے بھاگ جانے میں ہی عافیت سمجھی۔

روبی اور حنا جہاں مل جاتیں، وہاں کسی کی بھی شامت آنا ضروری ہوتا۔

اس کا دل ان شرارت بھرے جملوں پر کرب آمیز لاچاری محسوس کر کے رہ جاتا تھا۔ اس کے پاس کوئی خوش فہمیاں بھی نہ رہی تھیں کہ وہ اس چھیڑ چھاڑ کا لطف اٹھاتی۔

☆

مصطفیٰ نے فائلوں سے سر اٹھا کر دیکھا۔ مورے جنت کو ہدایتیں دیتی لونگ روم میں داخل ہوئی تھیں۔

"اس لڑکے کا تو تمہیں پتہ ہے، اپنی طرف سے کتنا لاپرواہ رہتا ہے۔ اس کے کھانے کا خیال رکھنا۔ اور ہاں سبزی بالکل مت بنانا، وہ بالکل نہیں کھاتا۔" وہ شہباز کی بابت اسے ہدایتیں دے رہی تھیں جسے جنت بی بی سر ہلا کر گرہ میں باندھتی جا رہی تھیں۔

"تو آپ جا رہی ہیں ملتان؟" اس نے عجیب طرح کی بے آرامی محسوس کرتے ہوئے دیکھا۔

"ہاں۔ اگر تم بھی آ جاتے تو اچھا ہوتا۔ آخر طلال تمہارا دوست ہے بلکہ محسن ہے۔" وہ ہاتھ کا پنکھا جنت کو تھما کر اس کے ساتھ والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس پر چبھتی سی نگاہ ڈال کر بولیں۔

"ٹھیک ہے، آپ جائیے، میں آپ کو روک تو نہیں رہا۔ اور رہی طلال کی بات تو میں اسے معذرت کر چکا ہوں، کہہ دیا ہے میں نے کہ یہاں بہت کام ہے، اکیلا شہباز سنبھال نہیں سکتا۔" وہ تحمل سے کہتا دوبارہ فائلوں میں منہ دے گیا۔

"ٹھیک! میں لالہ رخ کو اپنے ساتھ ہی لیتی آؤں گی۔"

"ہرگز نہیں۔ ایسا کچھ ہرگز نہیں کریں گی آپ۔" اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا، اس کا سارا تنا ہوا ہو گیا۔

مورے اسے سخت ناراض نظروں سے دیکھنے لگیں۔

"میں اسے ضرور لاؤں گی، مجھے اس کی ضرورت ہے۔ دیکھ رہے ہو اس کے اور حمزہ کے بغیر گھر کیسا ویران اور اجڑا اجڑا ہو کر رہ گیا ہے۔"

"اگر وہ یہاں آئی تو میں یہ گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ اس گھر میں وہ رہے گی یا میں رہوں گا۔" اس کا لہجہ سفاکانہ حد تک سرد اور سنجیدہ تھا۔

"عقل کے ناخن لو طیفی! آخر وہ کب تک وہاں پڑی رہے گی، کس کس کو وہاں رہنے کا جواز پیش کرتی رہے گی؟"

"شاید ساری عمر۔" وہ ان کی بات کاٹ گیا۔

مورے نے دہل کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں اتری بے مہری ان کے دل کو کوٹ کر رکھ گئی۔

"تم بھول رہے ہو طیفی، وہ اب اس حویلی کی عزت ہے۔ اس کا مرنا، جینا ہمارے ساتھ ہے۔ اگر وہ قصور وار بھی ہے تو اس کی سزا اسے اسی حویلی میں ملنی چاہئے۔ عورت کو گھر بدر کر دینا غیرت مند مردوں کا شیوہ نہیں ہے۔" وہ غصے سے کھڑی ہو گئیں، ان کے لہجے میں غصہ، تاسف، افسردگی سبھی کچھ تھا۔

"میں نے تو ابھی اس گھر سے بے دخل کیا ہے ورنہ حق دار تو وہ تھی کہ اس رشتے سے ہی بے دخل کر دینا چاہئے۔ مگر آپ کی وجہ سے میں یہ قدم نہیں اٹھا پا رہا ہوں...... بہرحال میرا اس سے کوئی قلبی تعلق نہیں رہا۔" وہ اسی بے مہری سے بولا۔

"تمہارا اس سے تعلق ہے اور رہے گا...... میرے جیتے جی تم اسے اس رشتے سے بے دخل کر بھی نہیں سکتے۔"

"تعلق؟ ہاں، محض دکھاوے کا تعلق ضرور رہ گیا ہے۔" وہ یکسر بے کیف انداز میں ہنس دیا۔

"اتنے سفاک مت بنو طیفی کہ مجھے اپنی تربیت اور اپنے خون پر شرمندگی ہونے لگے۔" انہوں نے انتہائی دل گرفتگی سے اسے دیکھا۔ "اسے اپنی صفائی میں بولنے کا موقع دینا چاہئے، سارا معاملہ کھل کر سامنے آنے تو دو پہلے۔"

"اب چھپا ہی کیا ہے، سب کچھ تو کھل چکا ہے۔" وہ زہر خندی سے کہتا فائلیں پٹخ کر کھڑا ہو گیا۔

"یہ سب تو تم پر پہلے روز سے ہی روشن تھا کہ اس کے دل میں تمہارے لئے کوئی جذبہ نہیں ہے، اس کے باوجود تم اس سے شادی کرنے پر مصر رہے، اسے جبراً اپنی زندگی میں لا کر دم لیا۔ وہ عورت ذات ہونے کی وجہ سے بے بس تھی، تم اور طلال نے کیا اس پر زبردستی نہیں کی تھی؟ اس کی مرضی کے خلاف یہ شادی نہیں کی تھی؟ ساری بات تو پہلے ہی تمہارے سامنے واضح تھی، پھر...... پھر اب کون سی نئی کہانی نے جنم لیا ہے؟"

"مورے! شادی کے بعد کی بات اور ہوتی ہے۔ وہ محض مجھ سے برانگیختہ رہتی، یہ الگ

بات ہے۔ مگر وہ میری بیوی بن کر ایک غیر مرد سے ملتی رہے، اس سے تعلق قائم رکھے رہے، اس کی......"

اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ مورے کا ہاتھ پوری قوت سے اس کے منہ پر پڑا تھا۔

یہ طمانچہ گو کہ ان کے ضعیف ہاتھ کا تھا، اتنا زوردار نہیں تھا، مگر اتنا غیر متوقع اور نفرت انگیز تھا کہ وہ دم بخود رہ گیا۔ اس کی جلن اسے اپنی رگوں میں دوڑتی محسوس ہونے لگی۔

"یاد رکھو، اگر یہ بہتان ہوا تو جانتے ہو بہتان کی سزا کیا ہوتی ہے؟ عرش لرز جاتا ہے اس گناہ سے۔ کیوں مجھے گناہ گار کر رہے ہو طیفی؟ کہاں مجھ سے تمہاری تربیت میں چوک ہو گئی؟" وہ یکلخت آزردگی کی لپیٹ میں آ کر صوفے پر ڈھے گئیں۔ ان کا سارا وجود نڈھال ہو کر رہ گیا تھا، گویا جسم سے کسی نے ساری توانائی چوس لی ہو۔

زندگی میں پہلی بار انہوں نے اس پر ہاتھ اٹھایا تھا، کبھی مذاق میں بھی اسے نہ مارا تھا اور آج غصے اور نفرت، تاسف اور بے چارگی آمیز کرب نے ان کے اندر کی آگ دہکا دی تھی۔

وہ شدید غم اور بے یقینی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"المیہ یہ ہے کہ جب تک بصارت کی روشنی نہ ہو، سورج کی روشنی بھی بے کار ہے۔ تمہیں میں کیسے سمجھاؤں، تمہاری عقل پر غصے کی پٹی بندھ گئی ہے۔"

"آپ کے خیال میں جو کچھ میں نے سنا اپنے کانوں سے وہ محض میرا غصہ ہے؟" وہ چیخ کر رہ گیا۔ "مورے، مورے! اس نے مجھے دھوکہ دیا ہے، میری آنکھوں میں دھول جھونکتی رہی ہے اور آپ کہہ رہی ہیں میری آنکھوں پر غصے کی پٹی بندھ گئی ہے۔ میں...... میں اندر سے ٹوٹ گیا ہوں۔ میرے اعصاب بکھر گئے ہیں، میں سلگ رہا ہوں، مر رہا ہوں اور آپ...... آپ اسے یہاں، اس گھر میں لانا چاہتی ہیں تاکہ میں......" غصے کی شدت سے تپائی پر لات مارتا ہوا وہ پلٹ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

"اسی آگ کو ہی تو بجھانا چاہتی ہوں، تمہیں سمیٹنا چاہتی ہوں پگلے......"

وہ دل گرفتگی، آزردگی سے نم نم آنکھوں سے ہلتے پردے کو دیکھتی رہ گئیں۔ پتہ نہیں کیوں ان کا دل لالہ رخ کی ذات کے اس رخ کو قبول نہیں کر رہا تھا۔ دھوکے کی اس کہانی پر یقین نہیں کر رہا تھا۔ ان کا وجدان کہہ رہا تھا یہ سب محض مصطفیٰ کا وہم ہے، یا غلط فہمی ہے۔ لالہ رخ جیسی عورت بدکردار، بددیانت نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کے باطن کی سچائی کو انہوں نے پہلے روز ہی سے اس کے چہرے اور آنکھوں سے جانچ لیا تھا اور اس کے بعد تو وہ اتنا وقت ان کے ہمراہ رہی۔

بدکردار، بدچلن اور خیانت کرنے والی عورت کا چہرہ اتنا اُجلا، پاکیزہ نہیں ہوسکتا۔ اس کے سراپے میں جو کشش تھی، وہ ایک باکردار عورت کے سراپے میں ہی ہوسکتی ہے۔

یہ کہاں کی عقل مندی ہے کہ بغیر معاملات پر غور وفکر کئے جاہلوں اور کم عقلوں کی طرح قلب میں آگ بھر کر خود بھی اور دوسروں کو بھی جھلساتے رہیں۔

ان کے ملتان جانے کا واحد مقصد یہی تھا کہ وہ از خود معاملات کی چھان بین کرنا چاہ رہی تھیں۔

جذبات میں اٹھایا ہوا غلط قدم عمر بھر کی پشیمانی، پچھتاوہ اور ناقابل تلافی نقصان سے ہمکنار کر جاتا ہے...... اور وہ اب کسی صورت مصطفیٰ کے دامن میں ایسا دُکھ، ایسا کوئی ملال دیکھنا نہیں چاہتی تھیں۔

⁂☆⁂

''سکندر ولا'' میں خوب رونقیں اتری ہوئی تھیں۔ مہندی سے ایک روز پہلے آمنہ بیگم بھی صبیحہ اور پلوشہ کے ساتھ پہنچی تھیں۔ پلوشہ کو دیکھ کر خرم کے چہرے پر روشنی سی اتر آئی تھی۔ اسے لگا سکندر ولا میں پہلی اس رونق اور گہما گہمی کے باوجود جو کمی محسوس ہو رہی تھی، وہ جیسے پوری ہوگئی ہو۔ روشنیوں کی جھلملاہٹوں میں اضافہ ہوگیا ہو۔ ہر شے، خوشی اور خوبصورتی سے مکمل ہوگئی ہو۔

ادھر روشانہ ہر ممکن کوشش کر رہی تھی کہ طلال سے اس کا سامنا کم سے کم ہو۔ وہ جہاں بیٹھا ہوتا، وہ کوشش کر کے وہاں نہ جاتی اور اگر وہ اچانک آ جاتا تو وہ اٹھ کر وہاں سے چلی جاتی۔ مگر اس طرح کہ کوئی محسوس نہ کر سکے۔ طلال بظاہر بیگانہ تھا مگر اس کی طرف سے غافل قطعی نہیں تھا۔ اس کے ایک ایک انداز، رویئے پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ کبھی کبھی اسے لگتا وہ اپنی زندگی کو ایسے موڑ پر لے آیا ہے جہاں دل کی خواہشات اور انا باہم الجھ گئی ہوں، ایک دوسرے پر غالب آ جانے کی کوشش میں ہوں۔

کبھی قلبی خواہش اسے بے کل کرنے لگتی تو دل چاہتا ساری انا پس پشت ڈال کر اسے منا لے۔ مگر کبھی انا کا گھیرا اتنا تنگ ہونے لگتا کہ وہ یکدم بے مہر اور سرد سرد سی کیفیت میں چھپ جاتا۔

اسی مسلسل جنگ میں اس کے اعصاب تھکنے سے لگے تھے۔ خرم کی باتوں کی ضربیں الگ اس سخت خول میں دراڑیں ڈالنے لگتیں تو وہ گھبرا کر تنہائی کی چادر اوڑھ کر خود سے، اپنی سوچوں سے، اپنی قلبی کیفیت سے بھی فرار چاہنے لگتا۔

یہ احساس شدت سے ہونے لگتا کہ وہ اجتماعی اور غیر ذاتی معاملوں اور تعلق میں جتنا پُراُمید رہا ہے اپنے ذاتی معاملوں میں اور مسئلوں کے دائرے میں ایک قنوطی، یاسیت زدہ اور کمزور آدمی ہو کر رہ گیا ہے۔

''جذباتیت کی عمر میں جذبے نہ ہوں یا سرد ہوں تو یہ کوئی لائق تحسین بات نہیں ہے، بلکہ قابل تشویش بات ہوتی ہے۔ بے حس ہونا کوئی فخر کی بات نہیں ہے، جذبات کی حدت دل کی حدت ہے، احساسات کی فنا، آدمی کی فنا ہے، زندہ رہنا ہی ٹھہرا تو زندگی کو گزار کر زندہ رہیں۔ یہ کیا کہ زندگی عضو معطل کی طرح ہمیں گزار دے۔'' خرم کی باتیں اسے بہت بے چین کر دیا کرتی تھیں۔ جیسے کوئی برف پوش علاقے میں مسلسل آگ جلانے کی کوشش کر رہا ہو اور سارا منظر لمحہ بھر کے لئے دھواں دھواں ہو کر رہ جائے۔

برف کا دھواں اور جذبات کے شعلے دونوں مل کر ایک عجیب سی تپش سے اسے جھلسانے لگتے۔

آئی دیکھو مہندی کی رات
ہری ہری مہندی لگاؤ
مہندی لگاؤ، گیت خوشیوں کے گاؤ
آئی ہے مرادوں والی رات
ہری ہری مندی لگاؤ

لڑکیوں نے لونگ روم میں ڈھولکی سنبھالی ہوئی تھی۔ تالیوں کے ساتھ ساتھ گانوں اور قہقہوں کا ملا جلا شور اس کے کمرے تک آ رہا تھا۔ وہ ابھی ہاسپٹل سے لوٹا تھا اور آرام کی غرض سے لیٹا تھا، تھکے ہوئے اعصاب پر یہ آوازیں ہتھوڑے کی طرح لگ رہی تھیں۔ وہ کھڑکی بند کرنے کی غرض سے اٹھا اور کوفت زدہ سا کھڑکی کی طرف آیا۔ وہاں سے لونگ روم کا وہ حصہ صاف دکھائی دے رہا تھا جہاں ساری لڑکیاں ڈیرہ جمائے بیٹھی تھیں۔ لونگ روم کا بڑا سا گلاس وال چوپٹ کھلا تھا جس کی وجہ سے ان کی ہنسی، قہقہوں اور گانوں کی آوازیں پورے گھر میں گونج رہی تھیں۔

اس نے بلائنڈز جھٹکے سے کھولا اور شیشے کی سلائیڈ بند کرنے لگا کہ اس کا ہاتھ ٹھٹک گیا۔ اس کی نظریں بے اختیار روشانہ پر اٹھی تھیں۔

وہ سنگل صوفے پر بیٹھی بظاہر دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ تالیاں بجا رہی تھی مگر اس کے اندر فطری گرمجوشی نہ تھی، خوشی کی کوئی رمق نہ تھی، جیسے وہ حنا اور باقی سب کا ساتھ زبردستی دے

رہی ہو۔

حنا اس کے نزدیک ہی قالین پر بیٹھی دف بجا رہی تھی، کبھی ہاتھ اٹھا کر وہ دف روشانہ کے گھٹنے پر مار کر ہنس دیتی۔ وہ بھی جواباً مسکرا دیتی...... مگر یہ مسکراہٹ اس ڈوبتے سورج سے ملتی جلتی تھی جس میں زردی اور تھکاوٹ نمایاں ہوتی ہے۔

اسے بے ساختہ وہ سارے روپہلے دن یاد آ گئے، وہ خوشگوار یادیں اس کے دل کے آتش دان میں تڑ تڑ جلنے لگیں جب اس نے لالہ رخ کے ساتھ اس کی برتھ ڈے کا اسے سرپرائز دینا چاہا تھا اور جب اس کے رویوں سے ہرٹ ہو کر اسے بے نقط سنا ڈالا تھا۔

تپے تپے اور تیکھے تیکھے لہجے میں فقط غصہ تھا، جھنجلاہٹ تھی، نفرت نہ تھی۔

اور جب وہ اس سے بہت زیادہ ناراض ہونے کے باوجود رات اس کی برتھ ڈے کو سلیبریٹ کرنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

روٹھی روٹھی مگر اپنی سی لگتی ہوئی
دل کے تاروں کو چھیڑتی ہوئی
اس کی بے حسی کے خول کو کاٹتی ہوئی

اور نکاح کے روز جب اس پر ٹوٹ کر روپ آیا تھا، سب کی شرارتوں پر مسکراتی، شرماتی، لجاتی اس کے دل کی بے رنگ زندگی میں رنگ بھر گئی تھی۔

اچانک اسے لگا وہ اس کے کمرے میں آ کر اسے متاسفانہ نظروں سے دیکھ کر کہہ رہی ہو۔

آپ جیسے بے حس انسان کو محبت کرنے کا سلیقہ تو ہے ہی نہیں۔ شاید محبت کی قدر کرنا بھی نہیں آتا۔

دکھ تو اس بات کا ہے کہ آپ کو اپنے رویوں پر کوئی ملال اور تاسف نہیں ہوتا۔

طلال صاحب! دیا ایک پھونک میں بجھ جاتا ہے۔ مگر اسے جلانے کے لئے کتنا وقت اور توانائی اور تیل خرچ ہوتا ہے، یہ بجھانے والا نہیں جان سکتا۔

ہاں، یہ بجھانے والا بھلا کیسے جان سکتا ہے کہ کوئی دیا کتنی محبت، محنت سے جلا رہا ہے، وہ بھی تو ایسا ہی ناقدرا اور بے حس، ظالم تھا۔ اس کی محبت کے دیے کو بجھائے جا رہا تھا۔

اس کے دل کی وحشت کچھ بڑھ سی گئی۔ اس نے سلائیڈ یوں ہی کھلی چھوڑ دی۔ اسی پل روشانہ کی نگاہیں اس جانب اٹھیں اور اس کی نظروں سے آ ملیں۔

تصادم بے حد اچانک، غیر متوقع مگر بھرپور تھا۔ وہ بڑے بے ساختہ انداز میں نگاہوں کو جنبش دے کر مسکرا دیا۔

پتہ نہیں یہ صلح کی ادنیٰ سی کوشش تھی یا اس کا بالکل بے اختیارانہ فعل تھا۔

روشانہ اسد کا دل مانوس اتھاہ میں ڈوبا تھا۔

وہ شپٹا کر نظروں کا زاویہ بدل گئی بلکہ جھٹکے سے اس صوفے سے کھڑی بھی ہو گئی۔

"کیا ہوا؟" حنا نے اس کا ہاتھ پکڑا۔ "ادھر نیچے آ جاؤ میرے پاس۔ اب کوئی بہانہ بنا کر ادھر اُدھر بھاگنے کی ضرورت نہیں ہے۔" حنا نے اس کا ارادہ بھانپ کر جلدی سے اسے نزدیک کھینچ لیا۔

وہ بے بسی محسوس کر کے رہ گئی مگر چاہنے کے باوجود اس گوشے کی طرف اس کی پلکیں نہ اٹھ پا رہی تھیں۔

پتہ نہیں وہ اب بھی وہاں کھڑا تھا اور اسے دیکھ رہا تھا یا چلا گیا تھا؟ مگر دل اس کی موجودگی کو مسلسل ایک بے آرامی کے ساتھ محسوس کر رہا تھا۔

روبی، لالہ رخ کو باورچی خانہ سے پکڑ کر لے آئی تھی۔

"اسے دیکھو ذرا۔ یہ کہتی ہے اب اس عمر میں ڈھول بجاتی، گانے گاتی اچھی لگوں گی کیا؟ ...ں سال کی بڑھیا جو ہو گئی ہے اور تیس سال کا کڑیل بیٹا ہے اس کا۔"

لالہ رخ ہنس پڑی۔ "ضروری نہیں کہ آدمی پچاس سال میں ہی بوڑھا ہو، کچھ لوگ وقت سے پہلے بھی بوڑھے ہو جاتے ہیں۔" اس نے روبی کو گھورا۔

"مگر ہمیں تو نہ ظاہری بڑھاپا نظر آ رہا ہے تم میں نہ باطنی۔" حسنہ برجستہ بولی۔

"دراصل اسے اپنی تعریف سننے کا شوق ہو رہا ہے۔" روبی اسے چھیڑنے لگی۔

"لاؤ ادھر دو یہ ڈھولکی۔ مجھے یاد ہے میری مہندی پر تم نے بڑی زبردست ڈھولکی بجائی تھی۔ ذرا انہی دنوں کی یاد تو تازہ کرو، مجھے بھی وہ سہانے دن کچھ یاد آ کر ڈھارس سی دے ...۔"

"سہانے دنوں کا پورا البم بھرا پڑا ہے، وہی دیکھ لو۔"

"ارے خاک دیکھو، جو ذرا البم نکالتی ہوں، ادھر تمہارے بھتیجے حضور موڈ خاک کر کے رکھ دیتے ہیں۔ ایک ایک تصویر سے ایسی ایسی خامیاں نکالتے ہیں کہ دل کرتا ہے ساری البم اٹھاؤں اور آگ میں جھونک دوں۔" اس نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچی۔

"جھونک ہی دینی چاہئے۔ تصویریں یوں بھی ہمارے اسلام میں حرام ہیں۔" حنا بولی۔

"تم تو چپکی ہی رہو۔ آ لینے دو آفاق کو ذرا۔ کہتی ہوں اسے کہ بڑا کھلا چھوڑ رکھا ہے ...۔"

حنا کی قل قل ہنسی بکھر گئی۔ ''وہ کیا کھلا چھوڑیں گے، میں نے انہیں کھلا چھوڑ رکھا ہے۔ دیکھ نہیں رہی ہیں، میکے چھوڑ کر پلٹ کر خبر تک نہیں لی۔''

''کیوں اس غریب پر الزام رکھ رہی ہو۔ فون پر اسے منع کر دیتی ہو آنے سے۔'' حسنہ نے اس پر آنکھیں نکالیں۔ ''کل کہہ رہا تھا مجھ سے کہ حنا تو میکے جا کر آنکھیں پھیر لیتی ہے، آپ لوگ کیا مجھ سے زیادہ محبت دیتے ہیں۔'' حسنہ کی اس بات پر زبردست قہقہہ پڑا۔ حنا بری طرح جھینپ گئی۔

''جھوٹے ہیں پورے۔ لالی! آپ بتایئے نا، اس روز آپ سے کیا کہہ رہے تھے کہ حنا آرام سے ہفتہ بھر رہ لے۔ مجھے فکر نہیں ہے۔''

''ہاں کہہ تو کچھ یہی رہا تھا۔'' لالہ رخ کو اس پر شاید رحم آ گیا۔ مسکراتے ہوئے تائید میں سر ہلانے لگیں۔ حنا کا شرمایا ہوا تپا تپا چہرہ ہر ایک کو مزا دے رہا تھا۔

روبی ڈھولکی لے کر قالین پر بیٹھ گئی اور اس کی ڈوریاں کستے ہوئے روشانہ سے بولی۔ ''تم ایک کونے میں یوں چپ چاپ بیٹھ کر خود کو ہماری نظروں سے بچا رہی ہو۔ مگر ہم ایسے غافل بھی نہیں۔ وہ کیا کہتے ہیں کہ

چھپ کے وہ بیٹھ رہیں مجھ سے یہ ممکن ہی نہیں
میں سرکنے نہیں دینے کا نظر میں سے انہیں

''بچو! تمہارے نکاح سے دو روز پہلے ہم نے خوب رونق لگائی تھی، اب تم پر پورا پورا فرض ہے کہ ہمارا ساتھ دو۔'' انہوں نے اسے اپنی طرف گھسیٹ لیا۔ سب کو پتہ تھا روبی جس کے پیچھے پڑ جائے، اس کی جان مشکل سے ہی چھٹتی تھی۔

''مم.....مگر مجھے تو گانے وانے نہیں آتے۔'' اس نے کچھ اس طرح لجاجت آمیز گھبراہٹ سے کہا کہ بے ساختہ قہقہہ پڑا۔

''پھر تو بڑی مشکل ہو جائے گی۔ طلال جو کبھی خفا ہو گیا تو تم اسے کس طرح منایا کرو گی۔ کم از کم ایک دو گانے تو آنے چاہئیں۔'' روبی مصنوعی تشویش سے بولی۔ ''مثلاً ناراض ہو تو عرض کروں، دل تم سے محبت کرتا ہے، یا روٹھے ہو تم، تم کو کیسے مناؤں پیا، وغیرہ قسم کے بھئی یہ تو آنے بہت ضروری ہیں۔''

''دیکھتی نہیں ہو تم روبی اس طرح کے گانے گا گا کر بیچارے جاذب کو منانے کے ساتھ اور زیادہ بدمزہ کرتی رہتی ہے۔''

''حسنہ، حسنہ، کچھ تو خدا کا خوف کرو۔ تمہارے بھائی پہلے ہی کم نہیں ہیں جو تم مزید

پاشی کرنے لگو۔'' روبی نے آنکھیں دکھائیں۔

محفل گلزار بن گئی۔

روبی مصر تھی کہ روشانہ گانا سنائے گی اور لالہ رخ ڈھول بجائے گی۔

''طلال چاچو کو بلا لیں، پھر دیکھئے کیسے کیسے سُر نکلنے لگیں گے۔''

''حنا، بہت بولنے لگی ہو تم۔'' سعدیہ بھابی نے اسے ایک ہاتھ جڑ دیا اور روشانہ کے گرد اپنا بازو حمائل کر دیا۔ ''بچی کو پریشان کر کے رکھ چھوڑا ہے تم لوگوں نے۔''

''ارے ابھی پریشان کیا ہی کہاں ہے؟ گانا تو اسے گانا پڑے گا۔ آخر اس گھر کی بہو ہے، ایسی ویسی چیز نہیں ہے۔ دیورانی سے زیادہ ہمدردی جتانے کی ضرورت نہیں ہے آپ کو۔''

اس کے دیورانی کہنے پر سعدیہ بھابی اور روشانہ بیک وقت جھینپ کر ہنس پڑیں۔

لالہ رخ نے ڈھولک سنبھال لی تھی۔

''جیسا بھی بے سُرا بجاؤں گی، گانا تو روشانہ کو ہی ہے نا۔'' وہ اپنی سبک سبک ہتھیلیاں ڈھولکی پر مارنے لگیں۔

روشانہ کا دل وحشت کا شکار ہونے لگا۔ اس نے بے اختیار دزدیدہ نظروں سے اس کھڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ ہنوز وہیں کھڑا تھا۔ اس کی پُرسوچ نظریں اب بھی اس پر جمی تھیں۔ روشانہ کو لگا وہ اس کی ہر جنبش کو دیکھ رہا ہے، محسوس کر رہا ہے۔

اسے الجھن ہونے لگی۔

اس کا دل چاہا وہ ایک لمحہ تاخیر کیے بنا اٹھ کر یہاں سے بھاگ جائے، ان نظروں سے دور۔ اس وحشت سے دور اور کسی کونے کھدرے میں چھپ جائے۔

وہ اس محفل میں بہلنے کی بجائے اور زیادہ بکھرنے لگی تھی۔ ادھر وہ سب اس کے سر ہوئی تھیں۔ پلوشہ اور نازش اسے نئے نئے ٹریک یاد کر کے بتاتی جا رہی تھیں۔ اسی پل عادل نے آ کر لالہ رخ کے سسرال والوں کے آنے کی اطلاع دی تو روشانہ کی خلاصی ہوئی۔ اس نے دل ہی دل میں ڈھیروں شکر ادا کیا۔

سعدیہ بھابی اور روبی ان کی آمد کا سن کر ان کے استقبال کو فوراً ہی اٹھ گئیں جبکہ لالہ رخ اس اطلاع پر حیرت اور خوشی کے ملے جلے احساس کے ہمراہ دم بھر کو گنگ سی رہ گئی تھی۔

☆

تو کیا مصطفیٰ خان آیا ہے......

ہاں، اسے آنا ہی چاہئے تھا۔ اس نے کتنی دعائیں مانگی تھیں۔

اس کا دل فرطِ مسرت سے کہنے لگا۔ ڈھولکی ایک طرف دھکیل کر اس مسرت آمیز احساس کے ساتھ اٹھ کر لونگ روم سے باہر بھاگی۔ کندھے سے گرتا دوپٹہ، پیروں میں الجھا تو وہ گلاس وال کے باہر نکلتے ہی منہ کے بل گرتے گرتے بچی۔ خرم نے جلدی سے اسے تھام لیا تھا۔

''سنبھل کر۔ ایسی کیا افتاد آپڑی ہے؟''

اُس نے جھینپ کر جلدی سے دوپٹہ کھینچ کر کندھے پر ڈالا اور پوچھا۔ ''کون کون آیا ہے؟'' اس کے لہجے میں بے تابیاں چیخ رہی تھیں۔

''میرا خیال ہے آپ کی ساس...... اور آپ کا دیور مجتبیٰ ہے۔'' خرم یہ کہتا اندر داخل ہونے والے مجتبیٰ کی طرف پُرتپاک انداز میں بڑھ گیا۔

لالہ رخ کا سارا جوش جھاگ کی طرح بیٹھتا چلا گیا۔ اس کی آنکھوں میں متحرک ہو جانے والی روشنی ٹھٹھر کر رہ گئی۔

لحظہ بھر دل خوش فہم ہوا تھا۔

خوش گمان ہوا تھا۔ مسرت سے غرقاب ہوا تھا۔

دوسرے پل سارے رنگ بارش میں دیوار سے کچے رنگ کی طرح بہتے چلے گئے۔

بے نور سی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر دروازے کی طرف دیکھا جہاں مورے، سعدیہ بھابی کی ہمراہی میں آتی دکھائی دیں۔

ایسی تیز ہوا میں پیارے
بڑے بڑے منہ زور دیے بھی کم جلتے ہیں
لیکن پھر بھی ہم جلتے ہیں
ہم جلتے ہیں اور ہمارے ساتھ تمہارے غم جلتے ہیں
دل کے آتش دان میں شب بھر

تیری یاد کا ایندھن بن کر
ہم جلتے ہیں

اس نے موہوم سی امید کے سہارے ایک بار پھر دروازے کے پار دیکھا، شاید مجتبیٰ کے علاوہ وہ بھی دکھائی دے جائے۔ خرم کو غلط فہمی ہوگئی ہو، وہ کہیں باہر کھڑا رہ گیا ہو۔

سچ ہی کہتے ہیں، امید ایسا خوشنما پرندہ ہے جس کے پیچھے تا عمر بھاگتے رہنے کو جی چاہتا ہے مگر یہی امید جب ٹوٹتی ہے تو کانچ کی چوڑی کی طرح دل کی کلائی میں زخم ڈال دیتی ہے لہو رسنے لگتا ہے اور مرہم بھی رکھنے کو دل نہیں کرتا۔

مورے نے اسے بے حد پیار سے خود سے لگایا اور اس کی صبیح پیشانی چوم لی۔

''تمہارے بنا تو گھر بالکل سنسان ہو کر رہ گیا ہے۔ ہم تو تم دونوں کے اتنے عادی ہو گئے ہیں، ابھی کل کی بات ہے، صبح ہی صبح ناشتے کی میز پر آتے ہی مجتبیٰ، حمزہ کو آوازیں دینے لگا پھر مجھ سے پوچھنے لگا، بھابی دکھائی نہیں دے رہیں اور مجھے بھی خیال نہیں رہا کہ تم اپنے گھر گئی ہو۔ میں جنت سے کہنے لگی لالہ رخ ناشتہ کیوں نہیں کر رہی ہے۔'' وہ یہ قصہ سنا کر ہنسیں۔

اور لالہ رخ کے دل میں یہ خواہش مچل کر رہ گئی کہ وہ پوچھ لے کہ کیا وہ بھی میری کمی محسوس کر رہا ہے؟ ایسے ہی بے اختیارانہ اس نے مجھے آوازیں دیں؟ مگر فقط مسکرا کر رہ گئی۔

اچھا ہوا تھا ان کی آمد نے اس کے بکھرتے دل پر ہولے سے ہاتھ رکھ دیا تھا۔ وہموں سے بھرے ہر آن خوف سے دھڑکتے دل کو ان کا آنا بھی ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہی لگا تھا۔

مورے اپنے مخصوص محبت آمیز انداز سے سب سے فرداً فرداً مل رہی تھیں۔

مجتبیٰ کو خرم ڈرائنگ روم میں لے کر چلا گیا جبکہ انہیں رفیعہ بیگم اپنے کمرے میں لئے چل دیں۔

سعدیہ بھابی نے گیسٹ روم کی صفائی کروا رکھی تھی۔ شادی والا گھر تھا۔ مہمانوں کی آمد متوقع ہی تھی۔

مصطفیٰ خان کے نہ آنے پر طلال کو حیرت تھی۔ وہ دو روز سے مسلسل اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر نہ آفس کا فون کوئی ریسیو کرتا تھا نہ گھر پر وہ ملتا تھا اور اپنا موبائل بھی اس نے شاید بند کر رکھا تھا۔ اس کی حیرت اس وقت سوا ہوگئی جب پوچھنے پر مورے نے یہ بات اس سے کہی کہ ''طیفی کی تو تم سے دو روز پہلے بات ہو چکی ہے۔ وہ بتا رہا تھا کہ اس کے اپنے نہ آنے کا سبب تمہیں بتا دیا ہے۔''

وہ چپ ہو گیا مگر حیرت اپنی جگہ تھی جو تشویش میں بدل گئی تھی۔

''میری تو اس سے دو روز پہلے کوئی بات نہیں ہوئی کہ وہ اپنے نہ آنے کا سبب مجھے بتاتا۔'' وہ رفیعہ بیگم کے کمرے سے نکلتے ہی لالہ رخ سے بولا۔ ''پھر اس نے آنٹی سے جھوٹ کیوں بولا؟''

''صغریٰ! یہ چادریں لے جاؤ اور سعدیہ بھابی کو دے دو۔ بلکہ ایسا کرو تم خود ہی جا کر گیسٹ روم میں جو دو بیڈ پڑے ہیں ان پر بچھا دو۔ اور ہاں ٹھنڈے پانی کا جگ وہاں ضرور رکھ دینا۔'' وہ طلال کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے صغریٰ سے مخاطب تھی اور اسٹور سے نکالی صاف ستھری چادریں اسے پکڑا دیں۔

''میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں لالی!'' اس کی اس بے نیازی پر اسے تاؤ آ گیا۔

''اب میں کیا کہہ سکتی ہوں کہ انہوں نے مورے سے یہ کیوں کہا؟'' وہ اسٹور کا درواز بند کر کے اس کی طرف ایک اچٹتی نظر ڈال کر اسی بے نیازی سے کندھے اچکا گئی۔

''تمہیں تو علم ہونا چاہئے، وہ تمہارا شوہر ہے۔'' اس نے کھوجتی نظریں اس پر ڈالیں۔

''شوہر تو تم بھی روشانہ کے ہو مگر وہ کتنا جانتی ہے تمہارے بارے میں؟'' وہ طنز سے ہنسی

''کیا فضول بات کر رہی ہو؟ ہمارا ابھی صرف نکاح ہوا ہے۔ کیسی احمقانہ مثال دینے بیٹھ جاتی ہو؟ بات سنو۔'' اس نے جلدی سے اسے روکا۔

''طلال پلیز! میں اس وقت مصروف ہوں، کوئی بات سن نہیں سکتی۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔

''صاف کیوں نہیں کہتی ہو کہ فرار چاہ رہی ہو۔ یاد رکھو لالی! کبوتر کی طرح آنکھ بند کر لی سے، مسائل سے فرار حاصل نہیں ہو جاتا۔'' وہ بڑے بڑے قدم اٹھاتا اس کے سامنے آ گیا

''کون سا مسئلہ؟ میرا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔'' وہ رک کر بے حد اعتماد سے اس آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔ ''وہ نہیں آ سکتے تو ان کی کوئی کاروباری مصروفیت ہو گی، فون کر کے ان سے خود پوچھ لو۔''

''اس سے رابطہ نہیں ہو رہا ہے میرا۔ اس نے اپنا موبائل بھی بند کر رکھا ہے۔''

''ہو سکتا ہے ان کا موبائل خراب ہو۔'' وہ ایک طرف ہو کر آگے بڑھ گئی۔ اس کے اور اٹھتے قدموں میں بھرا اعتماد طلال کو الجھا گیا۔ اچانک وہ رک کر پلٹی اور تنبیہی لہجے بولی۔ ''ہر وقت میری فکر کرنا چھوڑ دو۔ اپنے اردگرد نظر ڈالو۔ اپنی زندگی کی ڈور تم جس سے الجھاتے جا رہے ہو اس پر نظر ثانی کرو۔ اس سے پہلے کہ یہ ڈور تناؤ کا شکار ہو کر

، اسے سلجھانے کی کوشش کرو۔''

وہ یکدم چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

''خدا کے لئے اپنی اور روشانہ کی زندگی کو اپنی انا کی بھینٹ مت چڑھاؤ۔'' وہ اس کے پ چلی آئی۔ ''اگر میں چپ ہوں تو صرف مہ وش کی شادی کی وجہ سے۔ اس کے بعد یہ بہت زور و شور سے اٹھے گا اور میں خود اٹھاؤں گی۔''

''کیا کرو گی تم؟'' وہ ایک ہلکی سی سانس کھینچ کر استہزائیہ انداز میں بھنوؤں کو اچکا کر اسے لگا۔

''کیا کرتی ہوں، یہ تو وقت بتائے گا۔''

''بس بس، زیادہ بڑھکیں مارنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ ہنس دیا۔ ''اس کی کھوپڑی اگر ذرا سی بھی عقل ہوتی تو وہ بات کو سمجھ لیتی، اتنا طوفان نہ اٹھاتی، میری طرف سے وہ بدگمان ہو گئی ہے تو میرا کیا قصور۔'' وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

''کیا؟'' لالہ رخ کرنٹ کھا کر رہ گئی اور لپک کر اس کے کمرے کے دروازے پر ایستادہ ''تمہارا کوئی قصور نہیں؟ یہ ساری بدگمانی تمہاری ہی تو پیدا کردہ ہے اور یہ بدگمانیاں تم تو کیا آسمان سے فرشتے اتر کر دور کریں گے؟ زہر سے بھرے لگ رہے ہو تم یہ بات ہوئے۔'' اس نے تادیبی نظروں سے اسے گھورا۔

''میں تو برا ہوں ہی، یہ نئی بات نہیں ہے۔'' اس نے تائیدی انداز میں کندھے اچکائے ے ایک طرف ہٹا کر دروازہ کھولنے لگا۔

''تمہارے لئے تو وہ تانیہ ہی ٹھیک رہتی، تم اسی کے قابل تھے۔'' وہ جل کر بولی۔ وہ بے قہقہہ لگا کر رہ گیا۔

''اچھا بات تو سنو۔'' اس نے یکدم سنجیدہ ہوتے ہوئے اس کا بازو پکڑ کر اسے دروازے پلٹنے سے پہلے روک دیا۔ ''تمہارا اور طفیلی کا معاملہ تو ٹھیک جا رہا ہے نا؟ میرا مطلب ہے ناراضگی تو نہیں ہے نا؟'' وہ اپنی تسلی کر رہا تھا۔ اس کی نگاہیں لالہ رخ کے چہرے پر جمی ''وہ آیا نہیں ہے۔ نہ ہی رابطہ کر رہا ہے۔ بس اسی وجہ سے مجھے ٹینشن ہے۔''

''ہم تمہاری طرح انا پرور، جفا پیشہ اور انا پرست نہیں ہیں، سمجھے؟'' وہ دل کی حالت ل کر بظاہر چڑ کر اسے گھورے گئی۔

''اوہو، نئی اطلاع ہے کہ لالہ رخ صاحبہ انا پرور، جفا پیشہ نہیں ہیں۔'' وہ بے اختیار ہنسا یہ بھی سراسر اسے چڑانے کو تھی۔ پھر ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے بولا۔ ''چلو عقل دیر

سے ہی سہی، آتو گئی۔"

"مجھے تو آگئی دیر سے ہی سہی مگر تمہیں تو ہنوز نہیں آئی۔"

"یکطرفہ عقل مندی کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ جب تک دوطرفہ دانائی نہ ہو، مسئلے حل نہیں ہوتے۔" وہ دوبدو بولا۔

"بہت خوب...... کس احمق نے تمہیں عقل مند اور دانا ہونے کا سرٹیفکیٹ دے دیا ہے؟" وہ بے ساختہ استہزائیہ ہنسی۔ "جو خود کو عقل مند اور دانا کہتے ہیں وہ سب سے زیادہ احمق اور بیوقوف ہوتے ہیں۔"

جواباً وہ اسے گھور کر رہ گیا، پھر قدرے چڑ کر بولا۔ "تمہیں اس سے اتنی ہمدردی ہو رہی ہے تو اسے سمجھاتی کیوں نہیں ہو؟ معمولی بات کا بتنگڑ بنا کر بیٹھ گئی ہے، اس سے زیادہ حماقت اور کیا ہوسکتی ہے کہ چند بے معنی باتوں کو دل سے لگا کر بیٹھ جاؤ۔" وہ رُکھائی سے کہتا دروازہ کھول کر کمرے میں چلا گیا۔

لالہ رخ کے دل پر ضرب سی پڑی۔ اس کا دل مانوس سا کرب محسوس کر کے رہ گیا۔

"جنہیں تم بے معنی باتیں کہہ رہے ہو، یہ باتیں کسی بھی عورت کے لئے بے معنی نہیں ہو سکتیں۔ خصوصاً محبت کی متقاضی عورت کے لئے۔ مرد کے منہ سے ادا ہونے والے جملوں اور لفظوں کی ڈور سے عورت کا دل بندھا ہوتا ہے۔ بے مہری اور کج ادائی کے چند جملے اس کے لئے زہر ہلاہل ثابت ہوتے ہیں اور محبت کے دو میٹھے لفظ اعتبار بڑھا جاتے ہیں۔ چند محبت کے بولوں سے عورت اپنی ساری انا پس پشت ڈال دیتی ہے۔ یاد رکھنا طلال! عورت نرم لچکتی شاخ کی مانند ہوتی ہے، اسے نرمی سے چھوؤ گے تو یہ تمہاری مرضی سے جس طرف چاہو مڑ جائے گی۔ مگر سخت اور تند تیز ہوا کے جھکڑ اسے توڑ دیتے ہیں۔"

وہ اس کے دروازے پر ہاتھ رکھے مدبرانہ اور دل گرفتگی سے کہہ رہی تھی۔

"مرد کی محبت میں اگر تحمل، حلیمی اور نرماہٹ ہو تو اکھڑی اور متنفر عورت بھی اس کے پیر کی دھول بننے سے نہیں ہچکچاتی۔ اس کی انا ریت کی دیوار کی طرح مرد کے پیروں تلے ڈھیر ہو جاتی ہے۔ وہ اس طرح ہار جاتی ہے کہ اسے اپنی ہار پر دُکھ، افسوس کوئی پچھتاوا نہیں بلکہ ایک طمانیت آمیز مسرت ہوتی ہے۔ اس کا دل اتنا وسیع، اتنا وسیع ہو جاتا ہے کہ مرد کی فتح اسے اپنی شکست سے زیادہ عزیز ہو جاتی ہے۔ عورت کا تقاضا تو فقط اتنا ہے کہ پہل مرد کی جانب سے ہو تا کہ اس کے نسوانی وقار کو دھچکا نہ لگے۔ کیا محبت کرنیوالے مرد کا دل اتنی بھی گنجائش نہیں رکھتا کہ اسے یہ تحفظ دے سکے؟ اسے یہ دھچکا پہنچائے بغیر اسے سمیٹ سکے۔"

وہ گم صم ہو کر رہ گیا۔ وہ اس کے دل کو جھنجھوڑ کر وہاں سے چلی گئی تھی۔ مگر وہ کھڑکی کے پار آسمان کی وسعتوں کو تکتے ہوئے کتنی دیر تک اس کے جملوں کی بازگشت محسوس کرتا رہا اور سوچتا رہا کہ جب نفرت اور غصے سے بھرے دل کو محبت کے دو لفظوں سے جیتا جا سکتا ہے تو پھر وہ روشانہ اسد کا محبت سے بھرا دل کیونکر نہیں جیت سکتا تھا؟ وہ تو ہمیشہ سے اسی کی تھی، اسی کے نام پر ہاری تھی، اس کے جذبوں سے مہکی تھی اور مہکنا چاہتی تھی۔ پھر کیونکر وہ ناکام ہو سکتا تھا؟ ایک گہری سانس اس نے سینے کی تہہ سے یوں کھینچ کر فضا کے سپرد کی گویا اندر کی گھٹن کو نکلنے کا رستہ مل گیا ہو۔ ٹھنڈے اور تازہ جھونکے روح سے براہِ راست ٹکرانے لگے ہوں اور فرحت کا احساس رگ رگ میں دوڑنے لگا ہو۔

دل یکایک ہی تمنا کے سیل شوق میں بہنے لگا تھا۔ ایک بچے کی طرح ہمکنے لگا تھا۔ غبار اتنا دھلا تو اسے بہت روشن راستے دکھائی دینے لگے۔ اب روشانہ کا ہاتھ پکڑ کر اسی راستے پر اسے لے آنا تھا اور اسے یقین تھا محبت سے بڑھے ہوئے ہاتھ کو عورت کبھی نہیں ٹھکراتی، اس کی گرماہٹ اسے دیر بدیر پگھلا دیتی ہے۔

عورت تو موم کی مانند ہوتی ہے۔ اوپر سے فقط نسوانی وقار کا مضبوط خول چڑھائے رکھتی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ وہی خول تو اسے سیپ میں بند موتی کی طرح قیمتی بنائے رکھتا تھا اور اب وہ اتنا ناقدر شناس بھی نہ تھا کہ اس قیمتی متاع کو کھو دیتا۔

✲☆✲

آج مورے اور مجتبیٰ کو گئے دوسرا دن تھا۔ حویلی اسے کوئی آسیب زدہ بوسیدہ کھنڈر معلوم ہو رہی تھی۔ ایسی وحشت تھی جو حویلی کے در و دیوار سے اتر اتر کر اس کے دل کی دیواروں سے لپٹتی جا رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا مزید اگر حویلی میں ایسی ہی تنہائی بکھری رہی تو اس کے اعصاب چٹخ جائیں گے۔ ایک کمرے سے دوسرے کمرے تک چک پھیریاں کھاتے کھاتے وہ تھک جاتا۔ شہباز سے تو اس کی ناشتے پر ملاقات ہوتی یا بہت ہوا تو رات کے کھانے پر۔ مگر وہ خود بھی جانتا تھا اس کے اندر جو وحشت ٹھہری ہوئی ہے، شہباز یا کوئی اور اس کا تریاق نہیں بن سکتا۔

یہ تنہائی تو برسوں سے اس کے ہمراہ چلی آ رہی ہے۔ جب حویلی بھری پری تھی تب بھی تنہائی اس کے ہمرکاب رہی تھی۔

کتنے موسم آئے، وقت کے پُل کے نیچے سے کتنا پانی گزر گیا مگر اس کے دل کی بستی کھنڈر کی کھنڈر رہی۔ اور سارے موسم دل کی بستی کے ہی تو ہوتے ہیں۔ بیرونی عناصر اس

میں ذرا سی ہلچل مچا سکتے ہیں، اس کے موسم کو بدل نہیں سکتے۔

بہاریں اندر ہوں تو خزاں کچھ نہیں بگاڑتی۔ مگر اندر ہی خزاں ٹھہر گئی ہو تو کتنے ہی موسم بہار آ جائیں، دل کے اندر شگوفے نہیں پھوٹ سکتے، جذبات کے درخت پر نئی کونپلیں نہیں پھوٹ سکتیں، خزاں کا زرد سناٹا نہیں کٹ سکتا۔

وہ آج آفس سے جلدی آ گیا تھا۔ دل کا بوجھل پن جسمانی توانائی بھی جیسے کبھی کبھی کھینچ لیتا تھا۔

میرے ہم سفر تجھے کیا خبر
یہ جو وقت ہے کسی دھوپ چھاؤں کے کھیل سا
اسے دیکھتے اسے جھیلتے
میری آنکھ گرد سے اٹ گئی
میرے خواب ریت میں کھو گئے
میرے ہاتھ برف سے ہو گئے
میرے بے خبر تیرے نام پر
وہ جو پھول کھلتے تھے ہونٹ پر
وہ جو دیپ جلتے تھے بام پر
وہ نہیں رہے
وہ نہیں رہے کہ جو ایک ربط تھا درمیاں وہ بکھر گیا
وہ ہوا چلی
کسی شام ایسی ہوا چلی
کہ جو برگ تھے، سر شاخ جاں، وہ گرا دیئے
وہ جو حرف درج تھے ریت پر وہ اڑا دیئے
وہ جو راستوں کا یقین تھے
وہ جو منزلوں کے امین تھے
وہ نشان پا بھی مٹا دیئے!

اس نے چھت کو تکتے ہوئے ایک گہری سانس کھینچی اور کروٹ بدلی تو قریب رکھے فون کی بیل ہونے لگی مگر وہ یونہی کسلمندی سے پڑا رہا۔

اس نے فون ریسیو کرنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ عجیب سی بے حسی طاری ہو گئی تھی، جیسے زندہ رہنا

بھی بے معنی سا شغل لگ رہا تھا۔

بیل مسلسل ہو رہی تھی۔ جو کمرے کے سناٹے میں کسی ہتھوڑے کی طرح اس کے تھکے ہوئے دماغ پر لگ رہی تھی۔ بالآخر اس نے یونہی لیٹے لیٹے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔ اس کا ارادہ تھا ریسیور اٹھا کر سائیڈ پر رکھ دے گا مگر حمزہ کی آواز نے اسے جکڑ لیا۔

''ہیلو پاپا...... پاپا میں حمزہ بول رہا ہوں۔''

وہ جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اتنے دنوں بعد گویا دل کے جھلستے صحرا پر ٹھنڈی پھوار سی برسی تھی۔ بس ایک تم سے دستبردار ہونے کا حوصلہ نہیں ہے میری جان! اس نے سوچا اور نرمی سے ہیلو کہا۔

''پاپا، چاچو آ گئے، دادی بھی آ گئی ہیں۔'' وہ اس کی آواز پہچانتے ہی بولا۔ ''آپ کیوں نہیں آئے؟ آپ فون بھی نہیں کرتے۔''

''تم مجتبیٰ چاچو کے ساتھ میرے پاس چلے آؤ۔ میں وہاں نہیں آ سکتا نا۔'' وہ اسی کے انداز میں تو تلا کر بولا۔

''ممی گندی ہیں، وہ مجھے آپ کے پاس نہیں لے کر آتیں۔'' اس نے بسور کر کہا۔ ''ممی گندی ہیں نا پاپا؟''

''نہیں جان! ممی گندی نہیں ہیں۔ وہ تم سے بہت سا پیار کرتی ہیں۔'' وہ آہستگی سے بولا۔

''ممی گندی بچی ہے پاپا، بہت گندی ہیں۔'' ادھر ایک ہی گردان تھی۔ ''مجھے آنا ہے آپ کے پاس۔''

''میرے پاس تمہیں دینے کو کچھ نہیں ہے بیٹا۔ جو خود خالی ہو وہ دوسرے پر کیا نچھاور کر سکتا ہے؟'' اس نے ریسیور یونہی کان سے لگائے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا لی۔

''تمہاری امی بالکل ٹھیک کرتی ہیں کہ تمہیں میرے پاس نہیں آنے دیتیں۔ یہ عارضی رشتے پائیدار نہیں ہوتے۔ انہیں جلد یا بدیر ٹوٹ جانا ہوتا ہے۔ تو پھر یادوں میں اضافہ کرنے کا فائدہ؟'' وہ اپنی دھن میں بول رہا تھا۔

''آپ کا اور میرا رشتہ عارضی تو نہیں ہے۔'' لالہ رخ کی آواز ماؤتھ پیس سے ابھری تو وہ ٹھٹکا۔ ''رشتوں کو نظر انداز کر دینے سے یہ غیر اہم تو نہیں ہو جاتے۔ ٹوٹ تو نہیں سکتے۔ یہ اور اتنی کمزور بھی نہیں ہوتی جتنی نظر آتی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اب تک ٹوٹ چکی ہوتی۔''

''یقین ٹوٹ جائے تو سب کچھ ٹوٹ جاتا ہے محترمہ لالہ رخ صاحبہ! ہر رشتہ ریت کی دیوار ثابت ہوتا ہے۔ چراغ سے دل بجھ جائیں تو منزل بھی غبار راہ میں کھو جاتی ہے۔ برسوں

کے رشتوں پر بھی گرد جم جاتی ہے اور وہ بھی کمزور اور بودے ہو جاتے ہیں۔ یہ تو پھر بھی کمزور بنیاد پر ہی استوار ہوا تھا۔'' وہ تلخی سے ہنس دیا۔ ''بے یقینی اور بد اعتمادی کے غبار میں منزلیں ہوا برد ہو جاتی ہیں، ان کا نشان تک نہیں رہتا۔''

''نہیں مصطفیٰ خان! کبھی کبھار فقط دیکھنے والی آنکھ کے گرد، گرد جم جاتی ہے بد گمانی کی۔ اس گرد کو جھاڑ دینے سے سارے راستے صاف دکھائی دینے لگتے ہیں۔ ہر راستہ منزل بن جاتا ہے۔ ہر در راستہ بن جاتا ہے۔ مگر کوئی دشت بد گمانی سے نکلے بھی تو۔ فقط اپنی آنکھ اور سماعت کو ہی معتبر نہ سمجھے۔'' وہ بے حد تحمل سے اس کے لہجے اور جملوں کی تلخی کو پی گئی تھی۔

اب تو ایسا ہونے لگا تھا کہ چراغ دل اس کی ہر پھونک مارنے پر بجائے بجھنے کے اور تیز لو دینے لگتا تھا۔

پھر وہ جیسے بات بدل کر جلدی سے بولی۔ ''حمزہ بہت ضد کر رہا ہے آپ کے پاس آنے کی۔ اسے میں مجتبیٰ کے ہمراہ کچھ دنوں کے لئے بھیج دوں؟''

''بچے تو ضد کرتے ہی ہیں، بچوں اور دل کی ضد پر کان نہیں دھرنا چاہئے۔ دونوں ہی نادان ہوتے ہیں۔'' وہ دھیمے لہجے میں بولا مگر اس کے لہجے میں ہلکی سی کاٹ تھی۔

''کبھی کبھی نادانوں کی بات مان لینے میں حرج بھی نہیں ہوتا۔'' وہ جواباً آہستگی سے گویا ہوئی۔

''کبھی بھی کیا، بہت بار مان کر دیکھ لی ہے اور پچھتاوے اسی دلِ نادان کے عنایت کردہ ہیں۔ خیر، تم حمزہ سے میری بات کراؤ۔'' وہ یکسر لہجے میں اجنبیت کا تاثر سمیٹتے ہوئے بولا۔

''وہ آپ کے پاس آنا چاہتا ہے، محض تاروں کے اس رابطے سے کتنا بہل سکتا ہے؟''

''بہل جائے گا، بچہ ہی ہے۔ وقت تو یوں بھی بڑے بڑے غم بانٹ لیتا ہے۔ گہرے زخموں پر بھی کھرنڈ لے آتا ہے۔''

''یہ تو آپ کا خیال ہے نا۔'' وہ شاکی لہجے میں بولی۔ پھر ایک لمحے توقف کے بعد حوصلہ مجتمع کرتے ہوئے بولی۔ ''آپ مہوش کی شادی میں اگر آ جائیں تو مجھے خوشی ہو گی۔''

''خوشی کیا، یہ کہو کہ تمہارا بھرم رہ جائے گا، تمہاری ساکھ قائم رہ جائے گی۔ شادی کے بعد میکے میں عورت شوہر کے حوالے سے ہر پل دیکھی اور برتی جاتی ہے۔ چاہے وہ شوہر اس کا ناپسندیدہ ترین ہی کیوں نہ ہو۔ مگر کہتے ہیں نا کہ مجبوری میں گدھے کو بھی باپ بنا لیا جاتا ہے اور تم بھی بحالت مجبوری مجھے مدعو کر رہی ہو۔'' وہ استہزائیہ انداز میں کہتا ہلکے سے ہنس دیا۔

''مصطفیٰ! خدا کے لئے، مجھے میری نظروں میں یوں تو ذلیل نہ کریں۔'' اس کا ضبط جواب

دینے لگا تھا۔

''میں ذلیل نہیں کر رہا ہوں، میں تو فقط حقیقت بتا رہا ہوں اور حقیقت ہمیشہ اتنی ہی سفاک اور کڑوی ہوتی ہے۔ مگر بہر حال حقیقت کو دیکھنا اور برتنا تو پڑتا ہی ہے، اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔''

''ضروری نہیں جو آپ کو دکھائی اور سنائی دے رہا ہو وہی حقیقت ہو۔ حقیقت وہ بھی ہوتی ہے جو کوئی دوسرا بھی دکھانا بتانا چاہتا ہو۔''

''میری نظر اتنی کمزور نہیں ہے کہ مجھے دوسروں کی وضاحتوں کی ضرورت پڑے۔'' وہ رکھائی سے اس کی بات کاٹ گیا۔

''اونہہ، ہر شخص کو یہی خوش فہمی ہوتی ہے۔''

''تو کیا اب وضاحتوں صراحتوں کی ضرورت باقی ہے؟'' وہ چڑ کر رہ گیا تھا۔

''آپ نے وضاحت کا موقع ہی کب دیا ہے۔'' وہ دل گرفتگی کے ساتھ بولی۔ تھکن سے اعصاب چٹخنے سے لگے تھے۔ روح پر ملال کی تہ دبیز ہونے لگی تھی۔

''میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ مجھے کوئی سچی جھوٹی کہانی نہیں سننا، مجھے اپنی سماعت اور بصارت ہی کافی ہے۔''

''ہاں، مرد جو ٹھہرے۔ کبھی عورت کو اپنی انا کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں، کبھی اپنی بصارت اور سماعت کے زعم میں عورت کو نچوڑ دیتے ہیں۔ فیصلوں کی تلوار تو آپ کے ہاتھ میں ہوتی ہے نا۔ جب چاہا چلا دی اور یہ دیکھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی کہ کسی کو کتنے زخم آئے۔ کوئی کس طرح تڑپا، مچلا اور مر گیا۔ مصطفیٰ خان ہو یا سیف الرحمٰن، سب مرد ہوتے ہیں فقط روایت پرست اور مردانگی کے زعم میں مبتلا۔ جو عورت کو رشتوں کی سولی پر لٹکائے رکھتے ہیں۔ اس کے لمحے لمحے کا حساب مانگتے ہیں۔ دو گھڑی کی محبت کے عوض اس سے عمر بھر کا اعتبار چاہتے ہیں۔ عورت امرت کا چھلکتا پیالہ نہیں ہے مصطفیٰ خان کہ جب دل چاہا اسے تھام کر منہ سے لگا لیا۔ نہ پرفیوم کی بوتل ہے کہ اٹھایا اور خود پر جتنا دل چاہا چھڑکا اور مہکنے لگے۔ وہ بھی ایک انا رکھتی ہے۔ روح رکھتی ہے۔ ایک دل رکھتی ہے۔ جو وقت اور حالات کی آندھی میں گھر کر بھی بکھر سکتا ہے کہ اسے بھی سمٹنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کبھی اس کے پور پور میں بھی آگ لگی ہوتی ہے کہ اسے بھی بجھنے کے لئے پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ شادی محض بے نام لمحوں کا کھیل تو نہیں ہے کہ جس میں عورت کسی لمحے ہاری تو بس ہارتی چلی گئی۔ پھر اس کے لئے بازی جم ہی نہیں سکتی۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔ مزید بولا نہ گیا اور ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

اس کا رواں رواں دل گرفتگی اور شکستگی کی کاٹ سے تڑپ رہا تھا۔ اس کی بے مہری اسے توڑ رہی تھی اور یہ توڑ پھوڑ بڑی اذیت ناک تھی۔

اس کا ادراک تو اسے پہلی بار ہوا تھا۔ سیف الرحمٰن کے ظالم فیصلے نے بھی اسے ایسی اذیت سے دوچار نہ کیا تھا۔ روح پر ایسا کڑا امتحان بن کر نہ گزرا تھا۔

دراصل چاہے جانے کی چاہ میں ہی عورت اس بری طرح ٹوٹتی ہے، بکھرتی ہے اور بکھر بکھر کر جڑتی ہے۔ دل کے تعلق میں ہی جاں کا زیاں ہوتا ہے۔ روح کرب سے آشنا ہوتی ہے۔

تعلق دل سے جڑا ہو تو ایک کج ادائی کا ذرا سا چھینٹا بھی آگ کی طرح جسم و جاں کو جھلسا جاتا ہے۔

ایک غافل دھڑکن بھی خوف و اندیشے سے ہمکنار کر دیتی ہے۔

وہ خود کو سخت بے بس محسوس کر رہی تھی۔ وہ چاہتی تو مصطفیٰ خان سے دستبردار ہو جاتی مگر اب کی بار دل نے ایسا دھوکا دیا تھا کہ اس سے دستبردار ہو جانے کا تصور ہی دل کو بکھرائے دے رہا تھا۔ اس نے بے چارگی آمیز کرب سے ریسیور پر پیشانی ٹکا لی۔

بہار کیا اب خزاں بھی مجھ کو گلے لگائے تو کچھ نہ پائے
میں برگِ صحرا ہوں یوں بھی مجھ کو ہوا اُڑائے تو کچھ نہ پائے
اسے گنوا کر پھر اس کو پانے کا شوق اس دل میں یوں ہے محسن
کہ جیسے پانی پہ دائرہ سا کوئی بنائے تو کچھ نہ پائے

دروازے پر کھٹکا ہوا تو وہ چونک کر سیدھی ہوئی۔ مورے دروازہ ہلکے سے بجا کر اندر داخل ہو رہی تھیں۔ اس نے جلدی سے دوپٹے کا کونا اٹھا کر آنکھوں کو رگڑا اور اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔

''تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں؟ مہوش کے سسرال والے آنے ہی والے ہوں گے۔ حمزہ کو بھی تیار نہیں کیا ابھی تک۔'' وہ اندر آ گئیں۔

''حمزہ ضد کر رہا تھا اپنے پاپا سے بات کرنے کی۔ میں اسے فون پر بات کرا رہی تھی۔ آئیے، آپ بیٹھئے۔'' اس نے بیڈ پر ان کے لئے جگہ بنائی اور حمزہ کے ہاتھ سے کشن لے لیا جنہیں وہ صوفے سے اٹھا اٹھا کر بیڈ پر ڈھیر کر رہا تھا۔

''آپ کو تو پتہ ہے یہ کتنا ضدی ہے، مجتبیٰ کو بھی صبح سے پریشان کئے ہوئے ہے اور اب اپنے پاپا سے بات کرنے کی ضد لئے بیٹھا تھا۔'' وہ نظریں چرائے کشن اٹھا اٹھا کر صوفے پر

ترتیب وار رکھتے ہوئے بولی۔

''پھر بات کی طفیلی نے یا نہیں؟'' مورے اس کا چہرہ بغور دیکھ رہی تھیں۔ آہستگی سے استفسار کیا تو وہ بے ساختہ چہرہ اٹھا کر ان کی طرف دیکھنے لگی مگر دوسرے پل پلکیں جھپک کر نظروں کا زاویہ بدل کر سر اثبات میں ہلاتے ہوئے بولی۔

''ہاں، ابھی انہی سے بات ہو رہی تھی۔''

''کیا کہہ رہا تھا وہ؟ شرکت کرے گا شادی میں؟'' ان کی نظریں اب بھی اس کے چہرے پر جمی تھیں۔

''نہیں۔ کہہ رہے تھے کام بہت ہے، وقت نہیں نکال پائیں گے۔'' وہ وارڈروب کھول کر اپنے اور حمزہ کے کپڑے نکالتے ہوئے بولی۔ وہ دانستہ ان کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہی تھی جس کا احساس مورے کو بخوبی ہو رہا تھا۔

''اسے تو سارے کام انہی دنوں یاد آ گئے ہیں۔''

''کیا کریں، ان کی بھی مجبوری ہے۔ ایک شہباز بھائی ہی بے چارے کتنا کام سنبھال سکتے ہیں۔ آپ اور مجتبیٰ تو آ گئے ہیں نا، یہی بہت ہے میرے لئے۔ حمزہ بھی بہل گیا ہے۔ ورنہ تو بڑا تنگ کئے ہوئے تھا۔''

''ہاں، میں حمزہ کو اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔'' مورے نے یہ کہتے ہوئے حمزہ کو گود میں اٹھا لیا۔

''جی...... مگر......'' اس نے سٹپٹا کر ان کی طرف دیکھا۔

''تمہارا اپنا کیا پروگرام ہے؟ مہوش کی شادی کے بعد ہمارے ساتھ ہی چلو گی یا......''

''نن...... نہیں، میں تو کچھ روز اور رہوں گی۔ مگر حمزہ...... حمزہ آپ کو وہاں تنگ کرے گا۔'' وہ لہجے کو حتیٰ المقدور نارمل رکھتے ہوئے بولی۔

''کتنے دن رہو گی؟'' مورے دل گرفتگی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔

وہ مسکرا کر شگفتگی کا تاثر دے کر انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

وہ کپڑے اٹھائے ان کے نزدیک ہی قالین پر بیٹھ گئی اور حمزہ کو پکڑ کر اس کی ٹی شرٹ بدلتے ہوئے بولی۔ ''دیکھیں، جب تک مجھے یہاں کے لوگ برداشت کرتے ہیں۔'' وہ ہنسی میں بات ٹالنے لگی۔

''ماں باپ تو اولاد کو ساری عمر ہی برداشت کر لیتے ہیں۔ مگر کوئی ساری عمر رہتا ہے میکے میں؟ تم میرے ساتھ ہی چلنا۔ یہ گھر عارضی پناہ گاہ ہے تمہارے لئے۔ تمہارا اصل گھر وہی

ہے جہاں میں تمہیں بہو بنا کر لے گئی ہوں۔"

لالہ رخ نے ان کے لہجے کا غیر معمولی پن محسوس کرتے ہوئے بیٹھے بیٹھے ان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا۔ نظریں ملنے پر انہوں نے متاسفانہ سانس کھینچی۔

"یہاں رہنے کا کیا جواز دیتی رہو گی سب کو۔ کیا کیا بہانے تراشو گی؟"

"جی میں...... میں سمجھی نہیں؟" وہ دھک سے رہ گئی۔ اس کا دل ان کے جملے کے آہنی حصار میں جیسے جکڑا تھا۔

"بہت افسوس کی بات ہے لالی! تم نے بھی مجھے قابل اعتبار نہ جانا۔ تم دونوں نے مجھے بے خبر رکھ کر مجھے یہ احساس دلایا ہے کہ میں قابل بھروسہ نہیں ہوں۔ اور اس بے وقوف جذباتی کی تو چھوڑو، کم از کم تم تو یوں بے زبان جانور کی طرح اس کے کہنے پر گھر چھوڑ کر نہ چلی آتیں۔ مجھ سے تو کہتیں، مجھ پر تو بھروسہ کرتیں۔ اس نے تو میری تربیت پر کالک مل ہی دی ہے، مجھے اپنی تربیت پر جو فخر تھا، جو مان تھا اس نے توڑ کر رکھ دیا۔ مگر تم ہی میرا مان رکھ لیتیں۔ مجھے اس سارے مسئلے سے آگاہ کرتیں۔"

مورے کے لہجے میں متاسفانہ شکوہ تھا۔ لالہ رخ اس غیر متوقع صورت حال پر لحظہ بھر گم صم رہ گئی۔ اس کے تو گمان میں بھی نہ تھا کہ ساری بات ان کے علم میں آ چکی ہو گی۔

خفت اور ندامت کے احساس نے اس کی پلکوں پر بوجھ ڈال دیا۔

"رشتے بہت مرادوں اور محبتوں سے جڑتے ہیں۔ یہ اتنے کچے بظاہر دکھائی دیتے ہیں مگر ہوتے نہیں ہیں۔ انہیں توڑ دینا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ آدمی خود بھی اندر سے ٹوٹ جاتا ہے۔ لمحہ لمحہ اذیت سے گزر کر بھی انہیں توڑنے کی ہمت نہیں رکھ سکتا۔ میں نے دیکھا ہے طیفی کو۔ اس کے لئے تم کبھی بھی بے معنی شے نہیں تھیں۔ مگر ایسا ہوتا تو وہ بہت بے فکری کی زندگی گزار رہا ہوتا ابھی بھی۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ اس کی اذیت کا احساس میں اپنی روح پر بھر کر لائی ہوں یہاں۔" مورے کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑے۔

اس نے تڑپ کر ان کی طرف دیکھا اور اضطراری انداز میں ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ "میں بہت بری ہوں مورے! بہت بری۔ ناقدر شناس، ناشکری اور ظالم۔ مگر باخدا میں بدکردار نہیں ہوں۔ میں نے ان کی محبت کی لاکھ ناقدری کی، منہ موڑے رہی۔ مگر خدا گواہ ہے مورے! میرے دل میں کبھی سیف الرحمٰن کا خیال نہیں آیا۔ اس کی طرف پلٹنے کا سوچا تک نہیں۔ وہ میری زندگی میں جھونکے کی طرح آیا تھا اور گزر گیا۔ میں نے پلٹ کر اسے کبھی آواز نہ دی۔ نہ دل کی گہرائیوں سے پکارا۔ میں تو اپنی انا کی بھینٹ خود ہی چڑھ گئی مورے۔

ں لاکھ ظالم ہوں، مگر بدچلن، بدکردار نہیں ہوں۔" وہ ان کے گھٹنوں پر سر ڈال کر پھوٹ وٹ کر رو پڑی۔

ایک تکلیف دہ احساس سے گزرتے ہوئے مورے نے اس کا سر اونچا کیا۔

"پاگل، میں نہیں جانتی کیا۔ تمہاری شرافت کی گواہی میں دے سکتی ہوں۔ تمہیں بدچلن، دار کیسے سمجھ سکتی ہوں؟"

"مگر وہ ایسے سمجھتے ہیں مورے! انہوں نے اسی الزام کے ساتھ مجھے گھر سے نکالا ہے۔ اپنی انا کو درمیان میں نہیں لانا چاہتی۔ اور یوں بھی انا اور محبت ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ ان سے محبت ہے مورے، میں ان کی محبت سے دستبردار نہیں ہو سکتی۔ میرے سامنے لاکھ ف الرحمٰن سچا وفادار بن کر آ جائے، اپنے تمام کردہ، ناکردہ گناہوں کی معافی مانگ کر تلافی ہے مگر میں ایک نظر بھی اس پر ڈالنا گوارا نہیں کروں گی۔ انہیں کہئے مورے! وہ ایک بار وضاحت کا موقع تو دیں، میرے دل کے اندر جھانک کر تو دیکھیں۔ میری غلطیوں کی کڑی سزا تو نہ سنا دیں کہ میں زندہ ہی نہ رہ پاؤں۔ زندگی موت سے زیادہ بدصورت لگے۔"

وہ اپنا سارا ضبط کھو بیٹھی تھی۔ وہ سارا لاوا بہا بیٹھی جو اس کے دل میں پکتا رہا تھا۔ عرصے د ایسا غمگسار کندھا میسر آیا تھا۔ ان کی نرم آغوش میں اس کے لئے بہت کشادگی تھی اور ت گنجائش تھی۔

"ان کا کوئی قصور نہیں ہے مورے! ان کا غصہ، یہ نفرت ناجائز بھی نہیں ہے۔ میں نے ں بھی اعتبار دیا ہی نہیں۔" وہ ان کی گود سے سر اٹھا کر آہستگی سے بولی۔

"تم دونوں بھی عجیب ہو۔ ایک دوسرے کو قصوروار بھی نہیں کہتے اور ایک دوسرے سے لگ بھی ہو۔ فاصلے سمیٹنے کو تیار نہیں ہو۔ پہلے تم نہیں تھیں، اب وہ ایسا کر رہا ہے۔" مورے متاسفانہ سانس کھینچتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور پیار سے اس کے بال سہلاتے ہوئے ہا۔ "اچھی خاصی سہل زندگی کو کتنا مشکل بنا ڈالا ہے تم دونوں نے۔ ادھر آؤ، بیٹھو میرے س۔" انہوں نے نرمی سے اسے تھپکتے ہوئے اپنے نزدیک جگہ بنائی۔

"اب مجھے بتاؤ، اصل مسئلہ کیا تھا؟ اور یہ سیف الرحمٰن درمیان میں کیونکر آ گیا؟" انہوں اس کی کمر کے گرد بازو حمائل کرتے ہوئے کہا تو وہ ایک بار پھر بکھر گئی۔

انہوں نے اسے کھل کر رونے دیا۔ بہت سا رونے کے بعد وہ بولنے کے قابل ہوئی تو چنے لگی کہ بات کہاں سے شروع کرے۔ ابتدا سے سناتی تو سارے قصور ہی اس کے

نکلتے۔ وہ خود کو ندامت کی ریت میں دھنستا ہوا محسوس کرنے لگی۔

مورے کی شفقت اور محبت اس کے ندامت سے بھرے دل کو تھپک بھی رہی تھی اور بکھیر بھی دیئے رہی تھی۔

''مجھ سے کچھ مت چھپاؤ، دل کا سارا بوجھ نکال کر رکھ دو۔ کہہ دینے سے بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ جس طرح رونا آئے تو رو لینا چاہئے۔ آنسوؤں کو اندر اتارتے اتارتے آدمی کا دل راکھ کا ڈھیر بن جاتا ہے۔ اسی طرح اپنے دُکھوں، پشیمانیوں اور پچھتاووں کو الفاظ دے کر خود کو کسی حد تک آرام پہنچایا جا سکتا ہے۔'' وہ اس کا کندھا تھپکنے لگیں۔

لالہ رخ نے تقدس کے اس پیکر کو بحرِ عقیدت میں ڈوب کر دیکھا۔ انہوں نے اسے دلاسہ دینے کے لئے اس کی نرم ہتھیلی کو اپنے ہاتھ میں لے کر دبایا۔

اس نے کرب سے گزرتے ہوئے شروع سے لے کر آخر تک سب کچھ بتا دیا۔ کہاں کہاں اس سے غلطیاں اور ظلم ہوئے، کب پچھتاوے روح کے ہمسفر ہوئے اور کب وہ یادیں، کہاں کہاں حماقتیں سرزد ہوئیں اور کس طرح خوف اور وحشت ہمرکاب ہوئی، کچھ بھی نہ چھپایا۔ بھرائی ہوئی آواز میں سب کچھ کھول کر رکھ دیا۔ وہ چپ ہوئی تو کمرے کی فضا میں ایک پُر ملال سی خاموشی تا دیر چھائی رہی۔ مورے کا ہاتھ اس کے کندھے پر تھا۔ وہ حد سے زیادہ منتشر ہو گئی تھی۔

''تم نے مجھے پہلے ہی بتا دیا ہوتا تو بات اتنی نہ بڑھتی۔'' انہوں نے تاسف سے سر ہلایا، پھر سر جھٹکتے ہوئے ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے بولیں۔ ''خیر، تم حد سے زیادہ خوفزدہ ہو گئی ہو سیف الرحمٰن سے۔ اور جانتی ہو خوفزدہ عورت ایسے موقعوں پر اور زیادہ تنہا ہو جاتی ہے اور یوں عیار اور مکار مرد کا تر نوالہ ثابت ہوتی ہے۔ تم مجھے اسی دن بتا دیتیں تو میں تمہیں حمزہ کو لے کر اس سے ملنے ہرگز نہ جانے دیتی، بلکہ اسے حویلی میں بلا کر دوٹوک بات کر لیتی۔ بہرحال اب تو کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ تم دل چھوٹا مت کرو، خود کو ہلکان مت کرو۔'' وہ تھپکتے لہجے میں بولیں۔ ''اور ہاں، ظفی کو قطعی تم فون نہیں کرو گی اور مہوش کی شادی ہوتے ہی میرے ساتھ حویلی چلو گی۔'' وہ بیڈ سے اٹھتے ہوئے بولیں۔

''مگر مورے! میں ان کی اجازت کے بغیر وہاں کیسے قدم رکھ سکتی ہوں؟ وہ مجھے دیکھ کر مشتعل ہو جائیں گے۔'' وہ سہمی آواز میں بولی۔ اس کا دل اس کے نفرت آمیز رویئے کا سوچ کر ہی سینے میں سکڑنے لگتا تھا۔

''میں اس سے کہہ آئی ہوں کہ میں لالہ رخ کو اپنے ہمراہ لے کر آؤں گی۔''

''نہیں مورے! اس طرح وہ اور زیادہ مجھ سے نفرت کرنے لگیں گے۔''

''وہ تم سے نفرت کبھی نہیں کر سکتا۔'' مورے کے لبوں پر پہلی بار دھیمی سی مسکراہٹ آئی تھی۔ دوسرے پل یہ مسکراہٹ کسی احساس نے کاٹ دی۔

''محبت کرنے والے، محبت بانٹنے والے جذباتی ضرور ہوتے ہیں مگر انہیں نفرت کرنا نہیں آتی۔ ہاں نفرت کا ناٹک ضرور کرتے ہیں۔ مگر ان کے دل کو یہ جذبہ چھو کر بھی نہیں گزرتا۔ تم گھبراؤ مت۔ میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔ بس یہ شادی سے فارغ ہو لیں پھر کچھ کرتی ہوں۔ تم دونوں کی نادانی اور کم عقلی سے تو اب معاملہ آسانی سے سلجھنے کی امید نہیں ہے۔''

اس نے احساسِ تشکر کے ساتھ ان کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں دبا لیا۔

''وہ مجھے چھوڑ تو نہیں دیں گے نا مورے؟ وہ مجھے معاف تو کر دیں گے نا؟'' اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے انہیں دیکھا۔ اس کا لہجہ امید و بیم سے چٹخا ہوا تھا۔ مورے پگھل سی گئیں۔

''میرے جیتے جی وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ تم تسلی رکھو۔ چلو شاباش، خود کو سنبھالو۔ میں حمزہ کو لے کر جا رہی ہوں۔ تم بھی جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ مہوش کے سسرال والے آتے ہی ہوں گے۔'' وہ حمزہ کو لئے کمرے سے نکل گئیں۔

لالہ رخ باتھ روم میں جا کر منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارنے لگی۔ اندر کی تپش بہت حد تک کم ہو گئی تھی۔ وہ حقیقتاً خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔ تولیہ اسٹینڈ سے کھینچ کر پلٹی تو روشانہ کھڑی دکھائی دی۔ اس کے چہرے پر عجیب ملال رقم تھا۔ اچانک وہ آگے بڑھی اور بے اختیار اس سے لپٹ گئی۔

''آپ بہت بری ہیں لالی! بہت بری۔ اکیلے اکیلے اپنا دکھ اٹھائے پھرتی ہیں، کسی کے ساتھ شیئر نہیں کرتیں۔ اور خود دوسروں کے غموں، دُکھوں کو کم کرنے، ان کے بوجھ اٹھانے کے جتن کرتی رہتی ہیں۔ اتنا کچھ ہو گیا اور آپ نے بتایا تک نہیں۔'' وہ سر اٹھا کر بھیگی پلکوں کو جھپک کر شکایتی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

لالہ رخ نے ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی کمر کے گرد بازو حمائل کر دیا۔

''تم پہلے ہی کم پریشان ہو کہ میں تمہیں اور پریشان کرتی؟''

''تو آپ کے خیال میں، میں آپ کے لئے پریشان نہیں تھی؟ مجھے کچھ خبر نہیں تھی۔ نہیں لالی! میں آپ کے چہرے پر حقیقی خوشی ڈھونڈ ہی نہیں پائی اب تک۔ میرے دل نے مجھے بارہا احساس دلایا تھا کہ آپ کا یہاں آنا محض مہوش کی شادی کا تو بہانہ بنا ہے۔ بہرحال اس وقت یہ قیاس تھا، شبہ تھا۔ مگر اب بات کھل گئی ہے تو دل چاہتا ہے دھاڑیں مار مار کر روؤں۔

آخر ایسا کیوں ہو رہا ہے آپ کے ساتھ۔ کیوں آپ نے میرے لئے خود کو......''

''نہیں روشی، یہ بات مت کرنا۔'' اس نے جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ پھر نرمی سے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ ''ہر شخص کی قسمت اس کی اپنی ہی مٹھی میں بند ہے پگلی۔''

''تو آپ کی مٹھی میں ایسا کیسا چھید ہے کہ قسمت کی خوشیاں نکل جاتی ہیں؟'' وہ آزردگی سے رو پڑی۔

''روشی! نہ میری جان، اس طرح مت کرو۔'' لالہ رخ نے اسے خود سے لپٹا لیا۔ ''میں تو خوش قسمت عورت ہوں کہ اتنے چاہنے والوں کے درمیان رہتی ہوں۔ تم نے سنی نہیں مورے کی باتیں، انہوں نے کس طرح میرے دل پر تسلی بھرا ہاتھ رکھا ہے۔ ان کی تسلی آمیز باتیں میری روح پر رکھے بوجھ کو کھینچ گئی ہیں۔ اور مصطفیٰ خان جیسا شخص قسمت والیوں کو ہی ملتا ہے۔ میں بھلا کہاں سے بدقسمت ہوگئی؟'' وہ زبردستی مسکرانے کی کوشش کرنے لگی اور کسی حد تک کامیاب بھی رہی۔

''چلو شاباش، خود کو کمپوز کرو۔ اتنا پیارا تیار ہو کر رونا اچھی بات نہیں ہے۔ دکھاؤ ذرا، یہ سوٹ تو تم پر بڑا جچ رہا ہے۔'' اس نے اسے کندھوں سے تھام کر اپنے سامنے کھڑا کرتے ہوئے اس کا توصیفی نظروں سے جائزہ لیا۔

سبز اور زرد رنگ کے امتزاج کے ہلکے کام والی قمیض اور چوڑی دار پاجامے میں اس کا نکلتا قد اور متناسب جسم بے حد دلکش لگ رہا تھا۔ بڑا سا چنری کا دوپٹہ کندھے پر پھیلا ہوا تھا۔ دونوں کلائیوں میں میچنگ کی چوڑیاں پہنے وہ لالہ رخ کو بے حد دلربا لگ رہی تھی۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے بالوں سے ہیئر بینڈ نکال لیا۔ ریشمی چمکتے بال ہیئر بینڈ سے آزاد ہوتے ہی پشت پر پھیل گئے۔ اب وہ اور زیادہ اچھی لگ رہی تھی۔ وہ مسکرا دی۔

روشانہ اسے خاموش نظروں سے دیکھنے لگی، پھر حلق میں پڑا آنسوؤں کا گولا نیچے اتار کر چہرے پر ہلکے سے ہاتھ پھیرا۔

''آپ ابھی تک تیار نہیں ہوئیں، کپڑے کدھر ہیں آپ کے؟''

''مجھے تیار ہونے میں فقط دس منٹ لگیں گے۔ تم یہیں بیٹھو، بس میں ابھی کپڑے بدل لیتی ہوں اور یوں تیار ہوتی ہوں۔'' اس نے چٹکی بجائی اور ہنس پڑی۔ روشانہ کے لبوں پر بھی مسکراہٹ رینگ گئی۔

حقیقتاً وہ دس منٹوں میں ہی تیار ہوئی تھی۔ روشانہ نے زبردستی اس کے تراشیدہ ہونٹوں پر

رے رنگ کی لپ اسٹک لگائی اور آنکھوں کے گرد اسی رنگ کی پنسل سے ہلکا سا ٹچ دیا۔

رخ نے خلاف عادت کسی قسم کی مزاحمت نہ کی۔ وہ دونوں کمرے سے نکلیں تو ساری اتین باہر لان میں جا چکی تھیں۔

صغریٰ ہاتھ میں گہنوں کے شاپرز پکڑے حسنہ آپا کو تلاش کر رہی تھی۔

''کیا ہے اس میں؟'' لالہ رخ نے اسے روک کر پوچھا۔

''گہنے ہیں جی۔ حسنہ آپا نے سب باجیوں کے لئے منگوائے تھے۔ مجھے تو عادل باؤ جی رے ہی پکڑا کر چل دیئے کہ حسنہ آپا کو جا کر دے دوں۔ پر وہ دکھائی نہیں دے رہی ۔ باجی! ایک گہنا میں بھی لے لوں؟'' صغریٰ بات کے اختتام پر معطر گہنوں کو للچائی نظروں دیکھتے ہوئے بولی۔

''ایک کیوں بھئی، دو لے لو اور کلائی میں باندھ لو۔ یوں بھی تم پورے سولہ سنگھار کئے ئے ہو۔ اس کی کمی رہ گئی ہے۔'' لالہ رخ اس کے سراپے پر ایک نگاہ ڈال کر ہلکے سے ہنسی۔ زرد اور سرخ رنگ کی بھڑک دار بناری شلوار قمیض میں بھاری زیورات اور خوب میک پ کئے وہ آج کے فنکشن کی سب سے خاص چیز لگ رہی تھی۔

روشانہ نے بھی اس کے سجے سنورے معصوم سراپے پر ایک مسکراتی نگاہ ڈالی۔ لالہ رخ شاپر میں سے ایک مہکتا گہنا نکالا اور روشانہ کی کلائی پر باندھنے لگی۔ وہ نہ نہ کرتی رہ گئی راس نے اس کی دوسری کلائی بھی تھام لی اور گہنا لپیٹنے لگی جب طلال اس طرف چلا آیا۔ وہ رخ کو ہی ڈھونڈ رہا تھا۔ روشانہ پر نگاہ پڑی تو اس کی آنکھوں میں بے ساختہ ایک خوش نما بھر آیا۔ صبح سے وہ اس سے کترائی کترائی پھر رہی تھی۔ دکھائی بھی نہ دی تھی۔ اس نے شاید صبر کا ہی یہ پھل تھا جو اس قدر دل آویز روپ میں وہ اس وقت اس کی نگاہوں کے منے تھی۔

''اگر تم اس فضول کام سے فارغ ہو چکی ہو تو میرا ایک انتہائی ضروری کام کر دو۔'' لالہ کے نزدیک آ کر ہاتھ میں پکڑی اپنی کیمل براؤن شرٹ اس کے آگے لہرائی۔ ''اس پر ن پھیر دو۔ کسی کو ٹائم نہیں ہے کہ مجھ غریب کا کوئی کام کر دے۔''

''ایک عدد بیوی رکھنے کے باوجود تم اِدھر اُدھر خوار ہو رہے ہو۔ بہت عبرت کا مقام ہے'' لالہ رخ نے گہنے کے دھاگے کو سلجھاتے ہوئے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا پھر زیر مسکراتے ہوئے بولی۔ ''یہ روشانہ کس مرض کی دوا ہے؟'' اس کے انداز میں شرارت تھی۔

روشانہ نے اس سے نظریں کترا لیں۔

"میرا خیال ہے یہ نیک کام تم اپنے ہاتھوں سے انجام دو تو زیادہ بہتر ہے۔ اس کا کیا بھروسہ، یہ پرانے سارے بدلے میری اس غریب شرٹ پر نکالنے بیٹھ جائے۔ جلا ولا دی تو۔" وہ جلدی سے بولا۔

"لاؤ، یہ فضول کام میں کیے لیتا ہوں۔" اس نے شرٹ لالہ رخ پر اچھال کر اس کے ہاتھ سے موتیا کا مہکتا ہوا گہنا اچک لیا جس کا الجھا ہوا دھاگہ اس سے سلجھائے نہیں سلجھ رہا تھا۔

لالہ رخ نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ کچھ کہنا چاہا پھر دوسرے پل کچھ سوچ کر لب دانتوں میں دبا کر اس کی شرٹ پکڑ لی۔

"سارے شوق مہوش کی شادی میں ہی پورے کر لو گی یا کچھ اپنی رخصتی کے لئے بھی بچا رکھو گی؟" وہ محض اسے ستانے کو زیر لب مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

"مجھے کوئی شوق نہیں تھا۔ یہ تو لالی زبردستی پہنا رہی تھیں۔" وہ پلٹ کر جانے لگی مگر اس نے جھٹ سے اس کی کلائی پکڑ لی۔

"چلو، دوسرا میں زبردستی پہنا دیتا ہوں۔"

روشانہ نے بے بسی سے لالہ رخ کی طرف دیکھا تھا مگر وہ قریبی کمرے میں جا گھسی تھی۔

اس نے گہنے کو ناک کے نزدیک لے جا کر سونگھا اور ایک گہری سانس یوں کھینچی جیسے اس کی ساری خوشبو پھیپھڑوں میں اتار رہا ہو۔ ایک انوکھی مسرت اس کے دل سے روح تک اتر رہی تھی۔

"محبت بھی گہنا ہوتی تو اسے میں تمہاری کلائی میں لپیٹ دیتا۔ مگر محبت تو خوشبو ہے، اسے محسوس کیا جا سکتا ہے۔" اس نے بڑی نرمی سے وہ گہنا اس کی کلائی میں باندھ دیا اور براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "یہ بہار کے خوش نما جھونکے کی طرح بالکل اچانک ہمارے دل کو چھو لیتی ہے۔ اپنے سحر میں جکڑ لیتی ہے۔ میں تو کم از کم ایسا ہی محسوس کر رہا ہوں۔ جکڑا ہوا، اس سحر میں گرفتار سا۔"

وہ دم بخود بے یقینی سے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ اسے لگا کسی نے یکدم اسے حبس زدہ کمرے سے نکال کر یخ پانی میں دھکیل دیا ہو۔ اسے اپنی دھڑکنیں تک محسوس ہونے لگیں۔

اچانک روشنی کا جھماکا ہوا۔ خرم کے کیمرے کی آنکھ نے اس منظر کو قید کر لیا تھا۔ روشنی کے اس جھماکے پر وہ دونوں سٹپٹا کر چونکے۔ خرم ان دونوں سے قدرے فاصلے پر کھڑا مسرت آمیز حیرت سے طلال کو دیکھ رہا تھا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟"

"اسے بدتمیزی نہیں، چابکدستی کہتے ہیں چاچو! اتنا خوبصورت منظر زندگی میں پہلی بار دیکھنے کو ملا ہے۔ اسے کیسے مس کر دیتا؟ ہم نے پتھروں کو پگھلتے پہلی بار جو دیکھا ہے۔" اس نے ٹھنڈی سانس کھینچی اور کیمرہ سنبھالتے ہوئے بولا۔ "اگر دو تین پوز اور ہو جائیں تو۔"

"بکواس مت کرو۔" وہ جھینپ کر روشانہ سے دور ہٹ گیا۔ ادھر روشانہ مارے خفت کے سرخ پڑ گئی تھی اور آؤ دیکھا نہ تاؤ پلٹ کر رفیعہ بیگم کے ہی کمرے میں جا گھسی۔

"تم بھی مجاز انسان ہو آخر لاکھ چھپاؤ عشق اپنا
یہ بھید مگر کھل جائے گا، یہ راز مگر افشا ہو گا"

خرم نے طلال کی طرف دیکھتے ہوئے دائیں آنکھ دبائی۔ اس کی شرارت آمیز ہنسی بھی بہت بھرپور تھی۔

طلال اسے گھورتا ہوا اپنے کمرے کی طرف ہو لیا۔

روشانہ اس سارے وقت کسی وحشی ہرنی کی طرح خوفزدہ، منتشر ذہن، پریشان اور سراسیمہ سی ایک کونے میں دبکی بیٹھی رہی۔ اس کے دل کی حالت اس کے چہرے سے عیاں تھی مگر خرم اور لالہ رخ کے علاوہ کوئی اس کی طرف متوجہ ہی نہ تھا کہ محسوس کرتا کہ وہ کس انقلاب کی زد میں آئی ہوئی ہے۔

❋☆❋

برات کے روز خواتین کی تیاریاں عروج پر تھیں۔

مہوش دلہن بنی پارلر سے ہو کر آ چکی تھی۔ اب ڈرائنگ روم میں عین اے سی کے سامنے بڑی بیٹھی تھی اور یہ حکم روبی بھابی کا تھا۔ تاکہ میک اپ خراب نہ ہو۔ اس نے آتے ہی بھوک کا شور مچایا تو اسے حسنہ سے لمبی ڈانٹ سننے کو ملی۔

"اب کوئی کھانا دانا نہیں ملے گا۔ سارے میک اپ کا ناس مار دو گی۔"

"تو کیا بھوکی رہوں گی؟"

"کیا، اتنا کچھ کھا پی کر تو پارلر گئی تھیں۔ کیا پارلر میں سب اُگل آئی ہو کہ پھر بھوک لگی ہے؟ کوئی ضرورت نہیں ہے۔ خاموش بیٹھی رہو اور زیادہ باتیں کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔" انہوں نے ڈپٹ دیا۔

"اے ہے، بچی کو بھوکا مارے دے رہی ہو تم تو۔" آمنہ بیگم سے رہا نہ گیا۔ انہوں نے تسبیح کلائی سے لپیٹی اور اٹھ کر مہوش پر پھونک مار کر حسنہ کو آنکھیں دکھائیں۔ "جب بھوک لگی

ہے تبھی کہہ رہی ہے نا۔ اب کیا رات بھر اس موئے میک اپ کی وجہ سے بھوکی بیٹھی رہے گی؟ جہنم میں گیا ایسا میک اپ، لو دیکھو ذرا پیٹ خالی ہو تو چہرے پر کیا خاک نور آئے گا؟''

ان کی بات پر قالین کے ایک کونے میں بیٹھی پلوشہ، مہوش کا چہرہ دیکھ کر مسکرائی اور اپنے دوپٹے کے کناروں پر گھنگھرو لگانے میں مصروف ہوگئی۔

''ایسے ہی، میک اپ جہنم میں جائے۔ اتنے پیسے جھونک کر آئی ہیں محترمہ حسین بننے کے لئے۔'' حسنہ آپا کو ہنسی آگئی۔

''اور بھوکی وو کی نہیں ہے، حسنہ اسے پارلر جانے سے پہلے کھانا کھلا چکی ہے۔''

''اتنا سا کھایا تھا۔ کھایا بھی نہیں جا رہا تھا اس وقت۔ کیوں وشی؟'' اس نے مدد طلب نظروں سے پلوشہ کو دیکھا۔

''مجھے کیا ہے، بھجوا دیتی ہوں۔ مگر میک اپ خراب ہو جائے، چہرے کی یہ پینٹنگ اترنے لگے تو مجھ سے کچھ مت کہنا۔'' وہ ساتھ ہی اسے ڈراوا دے کر کمرے سے چلی گئیں۔

''تم فکر مت کرو، کوئی خراب وراب نہیں ہوتا۔ میں لے آتی ہوں تمہارے سامنے کچھ کھانے کو۔ رج کر کھاؤ۔''

''نن......نہیں آنٹی، رہنے دیں۔ میں بعد میں کھا لوں گی۔'' حسنہ کی بات دل کو لگی تھی۔ پیسے ضائع ہو جانے کا ڈر ہو گیا۔

''اے ہے، اب اس موئے میک اپ کو بچانے کے لئے تم پیٹ پر پتھر باندھو گی؟ مجھے تو آج کل کی لڑکیوں کی سمجھ نہیں آتی۔ عقل نام کو نہیں۔ ہم بھی دلہن بنے تھے، مگر پیٹ پر پتھر تو نہیں باندھے تھے، ان چار رنگوں کے لئے اتنی مشقت اٹھاتے پھرتے۔'' آمنہ بیگم نے گویا اس کی عقل کو کوسا۔

''آپ کے زمانے میں مووی کی مصیبت نہیں ہوتی تھی ناں دادو۔'' پلوشہ سوئی ریل میں گھسیڑ کر اپنا دوپٹہ لپیٹتے ہوئے بولی۔

''ارے خاک ڈالو اس مووی پہ۔ جب سے یہ فوٹو اور فلمیں بننے لگی ہیں دلہنوں کے چہروں سے نور اُڑ گیا ہے۔ مجھے تو ساری ایک سی لگتی ہیں۔ رنگ برنگی پیسٹریوں جیسی۔''

''بالکل بجا فرمایا آپ نے۔ بلکہ میرے دل کی بات کہہ دی۔'' جاذب کلائی میں رسٹ واچ باندھتا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔ آمنہ بیگم کی اس تشبیہ پر اسے بڑے زور کی ہنسی بھی آئی تھی۔

''دراصل یہ انہی رنگوں سے سیدھے سادھے بھولے بھالے معصوم دولہوں کو دھوکا دیتی ہیں۔'' ظاہر ہے بعد میں دولہا کیا کر سکتا ہے سوائے صبر کے؟ ہیں کو اکب کچھ، نظر آتے ہیں

کچھ۔'' اس نے ایک نظر روبی بھابی پر ڈالی۔

''آپ کو تو بس موقع چاہئے خواتین کو رگیدنے کا۔'' روبی نے منہ بنا کر ان کی طرف سے رخ پھیر لیا اور ہاتھ میں پکڑا دودھ کا گلاس مہوش کو تھما دیا۔ دودھ دیکھ کر مہوش نے تشکر سے اپنی اس چہیتی بھابی کو دیکھا تھا۔

''کیوں خالہ جان! میں نے کچھ غلط کہا ہے۔'' جاذب صوفے پر رکھا اپنا موبائل اٹھاتے ہوئے ہنس کر آمنہ بیگم سے بولی۔

''نہیں، آپ کب غلط فرماتے ہیں؟ غلط تو ہم ہیں۔'' جواب روبی بھابی کی طرف سے آیا۔

''تم کیوں دل برا کر رہی ہو؟ تم تو بغیر میک اپ بھی پیسٹری ہی لگتی ہو مجھے۔'' وہ بڑے بے اختیارانہ رومانٹک انداز میں خفا خفا سی روبی بھابی پر جھکا اور بڑے بھرپور انداز میں ہنس کر جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔ روبی یکلخت جھینپ کر رہ گئی اور اسے گھورتے ہوئے بولی۔

''موبائل مل گیا آپ کا؟'' وہ جلدی سے بات بدل گئی۔ تب جاذب کو بھی احساس ہو گیا کہ وہ کچھ غلط موقع پر غلط حرکت کر گیا ہے۔ سر کھجاتے ہوئے بولا۔

''ہاں، اچھا یہ بتاؤ کتنے بجے نکلنا ہے؟ گاڑیاں تیار ہیں۔ آپ خواتین کو تیار ہونے میں مزید کتنی دیر ہے؟'' روبی کے ساتھ وہ بھی ڈرائنگ روم سے باہر نکل آیا۔ اب کے اس کا لہجہ سنجیدہ اور خاصا ذمہ دارانہ تھا۔

''بس آدھا گھنٹہ۔''

''کیا مطلب......اب مزید بھی کچھ رہ گیا ہے کیا؟'' وہ ٹھٹک کر رکا اور اسے گھورا۔

''جی ہاں، ابھی مزید بھی ضرورت ہے۔'' وہ جھلس کر وہاں سے چلی گئی۔ جاذب بے ساختہ مسکرایا اور لونگ روم کا دروازہ دھکیل کر اندر چلا آیا۔

''گاڑیاں تیار ہیں خرم؟'' فون سیٹ کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے خرم سے پوچھا جو کیمرے کے ساز و سامان میں الجھا ہوا تھا۔

''جی ہاں، گاڑیاں تو تیار ہیں۔ بس لالی اور روشانہ کا انتظار ہے۔''

''کیوں...... کہاں گئی ہیں وہ دونوں؟'' اس نے ریسیور اٹھاتے ہوئے چونک کر خرم کو دیکھا۔

''حنا بتا رہی تھی ہار گہنے وغیرہ لینے گئی ہیں۔'' خرم سرسری انداز میں جواب دے کر کیمرے میں ریل ڈالنے لگا۔

"ایسا کرو جو تیار ہیں، انہیں تم اور عادل گاڑیوں میں بھر بھرا کر لے جاؤ۔ وہ دونوں مہوش کے ہمراہ آ جائیں گی یا پھر تم ایک اور ٹرپ کر لینا۔"

"میں کیسے جا سکتا ہوں؟ میں تو مووی میکر کو لے کر جا رہا ہوں اسی کی بائیک پر۔ اس نے میرج ہال دیکھا نہیں ہے۔" عادل نے جلدی سے اپنا سیٹ کیا ہوا پروگرام بتایا۔

"تو ثاقب کیا کر رہا ہے؟"

"وہ نہا رہا ہے۔" عادل یہ کہتا اڑن چھو ہو گیا۔

"کتنے دنوں کا اکٹھا نہا رہا ہے؟ میں آدھے گھنٹے پہلے بھی اس کے کمرے میں گیا تو وہ واش روم میں ہی تھا۔" وہ ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔

خرم ایک گاڑی میں خواتین کو بھر کر روانہ ہو گیا جبکہ جاذب بزرگ خواتین کو لے گیا۔ لالہ رخ اور روشانہ گھر پہنچیں تو سارا گھر بھائیں بھائیں کرتا ملا۔ ثاقب اپنی بائیک کے پیڈ پر پاؤں مار کر اسے اسٹارٹ کرنے کی کوشش میں مصروف تھا۔

"سب جا چکے ہیں کیا؟" لالہ رخ نے حیرت سے استفسار کیا۔

"جی ہاں، ابو بے حد خفا ہو رہے ہیں کہ اتنی دیر ہو گئی ہے۔ کب پہنچیں گی خواتین؟" وہ بائیک اسٹارٹ کرتا ہوا بولا اور کھلے گیٹ سے باہر نکل گیا۔

"یہ تو سراسر زیادتی ہے۔ ہمیں چھوڑ چھاڑ کر چلے گئے۔" وہ پھولوں کے ہار اور گہنے کے دونوں شاپرز اٹھائے اندر چلی آئیں۔

"مہوش کے ساتھ چلے چلیں گے اب۔" روشانہ بولی۔

"نہیں، پھر تو بہت دیر ہو جائے گی۔ مہوش تو بہت دیر سے جائے گی جب اس کے سسرال والے آ جائیں گے۔ ہمیں تو پہنچنا ضروری ہے۔ خیر تم اپنی تیاری مکمل کر لو۔ میں خرم کو فون کیے دیتی ہوں۔ عجیب ہی لڑکا ہے یہ خرم بھی۔ پتہ ہے ہم رہ گئے ہیں تو خود ہی آ جاتا انہیں ڈراپ کر کے۔" وہ بڑبڑاتی فون کی جانب بڑھی۔

"خرم کو فون کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" طلال کی آواز پر وہ دونوں بیک وقت مڑیں۔ وہ لونگ روم کے ایک دیوار گیر سنگل صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھا چائے کی چسکیاں بھر رہا تھا۔ اس کی نظریں روشانہ پر تھیں۔ ایک بے عنوان سی خوشی کا احساس اس کے دل کو چھو رہا تھا۔ اس نے رفیعہ بیگم کا دیا ہوا لباس زیب تن کیا ہوا تھا جو اس نے اپنی پسند سے خریدا تھا۔ اس کا سراپا اس میں یقیناً خیرہ کن لگ رہا تھا۔ جھلملاتے دوپٹے کا عکس اس کے چہرے پر براہ راست پڑ رہا تھا۔ جانے کیوں اسے بے یقینی سی تھی کہ شاید وہ یہ جوڑا نہیں

پہنے گی اور بچکانہ سرکشی دکھائے گی۔ چونکہ وہ کسی حد تک اس کی فطرت سے آگاہ تھا۔ مگر اس پل اس کی نگاہوں میں جو خوشنما تاثر ابھرا تھا وہ روشانہ کی نگاہوں سے مخفی نہ رہ سکا تھا۔ وہ ھٹ سے نظروں کا زاویہ بدل گئی۔

"میں تم دونوں کا ہی ویٹ کر رہا تھا۔" وہ سنبھل کر خود بھی نظروں کا رخ بدل کر لالہ رخ سے بولا۔

لالہ رخ کے لئے یقیناً یہ دھچکا ہی تھا۔ وہ مہوش کے مہندی کے روز سے لے کر اب تک سے حیران ہی کرتا آ رہا تھا۔ تاہم یہ حیرانگی خوشگوار تھی۔

وہ اس کی نگاہوں کی حیرت بھانپ کر انجان بن گیا اور رسٹ واچ پر اچٹتی نظر پھینکتے وئے بولا۔ "تم لوگ تیار ہو تو چلو چلتے ہیں۔"

"بس تیار ہی ہیں۔ بال بنا لوں، پھر چلتے ہیں۔" وہ روشانہ کے ساتھ کمرے میں چلی آئی۔

یہ کمرہ حنا کا سابقہ کمرہ تھا جو ان دنوں خواتین کا ڈریسنگ روم بنا ہوا تھا۔ کمرے کی ابتر الت بتا رہی تھی کہ وہ سب آخری وقتوں تک افراتفری کے عالم میں تیار ہو کر نکلی ہیں۔ اِدھر دھر بکھرے کپڑے، سینڈلیں، سادی چپلیں اور جا بجا سنگھار میز پر بکھرا میک اپ کا سامان۔ وئی بھی چیز اپنی جگہ پر نہیں تھی۔

روشانہ نے ان چیزوں سے ڈھونڈ ڈھانڈ کر برش نکالا اور بال بنانے لگی۔ سارے بال میٹ کر اس نے گردن پر جوڑے کی شکل دے کر خوش نما ہیئر بینڈ لگا دیا تھا۔

"اسے کیوں باندھ رہی ہو؟ کھلے رہنے دو، اچھے لگ رہے ہیں۔" لالہ رخ نے اسے کا۔ کھلے ہوئے بال اس کے دراز قد اور متناسب جسم پر بے حد اچھے لگتے تھے۔

"اُلجھن ہوتی ہے ان کے کھلے رہنے سے۔" اس نے برش سے ٹوٹے بال نکال کر سٹ بن میں پھینکے اور کرسی پر بیٹھ کر سینڈل کی اسٹریپ بند کرنے لگی۔

"یہ یکایک الجھن تمہیں ان بالوں سے ہونے لگی ہے یا طلال کے ہمراہ جانے کا سن کر؟" لالہ رخ بے ساختہ ہنسی۔ وہ اسٹریپ بند کرنے کے بہانے سر اور جھکا گئی۔

"بال کھول لیتیں تو اچھا تھا۔ وہ کون سا غیر ہے، محرم ہی تو ہے تمہارا۔" لالہ رخ کے انداز ں پیار بھری سرزنش تھی۔ یہ تو اچھا ہوا کہ اس کی نظر اس کے ہونٹوں پر بھی نہیں گئی تھی جہاں س نے لگائی ہوئی میچنگ کی لپ اسٹک بھی مٹا دی تھی۔

محرم ہونے کے باوجود غیروں سے بڑھ کر ہے۔ یہی تو رونا ہے۔ غیر ہوتا تو شکایت اور پنا کیسا؟ وہ ملول سی سانس کھینچ کر کھڑی ہو گئی۔

وہ دونوں باہر آئیں تو طلال اپنی گاڑی سے ٹیک لگائے ان کا منتظر تھا۔ کلف لگے بادامی رنگ کے شلوار سوٹ اور سیاہ لیدر کی چپلوں میں وہ ہمیشہ کی طرح سادہ سے انداز میں تھا مگر بہت خاص لگ رہا تھا۔ پرفیوم کی مدھم مہک اس کے بیٹھتے ہی گاڑی کی فضا سے ہم آہنگ ہو کر اس کی موجودگی کا احساس بن کر روشانہ کے حواس پر چھانے لگی۔

''اسے احتیاط سے آگے رکھ دو۔ ذرا سنبھال کر رکھنا، ہال میں پہنچنے تک خراب نہ ہو جائیں۔ لالہ رخ نے پھولوں کے دونوں شاپرز اوپر تلے رکھ کر احتیاط سے طلال کو پکڑائے۔

''مجھ جیسے بد احتیاط کو یہ نازک کام نہ ہی سونپو تو اچھا ہے۔ مجھ سے نہ دل کی حفاظت ہو سکتی ہے نہ پھولوں کی۔'' وہ اگنیشن میں چابی ڈالتے ہوئے معنی خیز انداز میں لب دبا کر بولا اور دونوں شاپرز اس کے ہاتھ سے لے کر فرنٹ سیٹ پر رکھ دیئے۔

''جب حفاظت نہیں ہو سکتی تو پھر بیڑا کیوں اٹھا لیا؟'' لالہ رخ بھی جواباً معنی خیزیت سے بولی۔

''غلطی جو ہو گئی۔ اور اسی کا خمیازہ بھگت رہا ہوں۔ دیکھ نہیں رہی ہو؟'' وہ دوبدو بولا اور ایک ٹھنڈی سانس کھینچ کر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

''چلو اپنی نالائقی کا اعتراف تو کیا تم نے۔'' وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔ طلال نے ویومرر سے اسے گھورا۔ ''کبھی کبھی ایسے اعتراف کر لینے چاہئیں۔ اپنی اور دوسروں کی گھٹن بڑی حد تک کم ہو جاتی ہے اور قدرے سکون ملتا ہے۔'' وہ یہ کہہ کر مسکین سی شکل بنا کر اسے دیکھنے لگی۔

روشانہ کو اس معنی خیز گفتگو سے الجھن ہونے لگی تھی۔ وہ خود کو حتی الامکان دونوں سے بے نیاز ظاہر کرنے کی کوشش میں مصروف تھی اور کھڑکی سے باہر جلتے بجھتے سائن بورڈز کو تک رہی تھی مگر جس طرح کبھی کبھی بے رخی اور بے توجہی برتنے سے تعلق از خود ظاہر ہو جاتا ہے، لاتعلقی بھی تشہیر بن جاتی ہے۔ اس کے ساتھ بھی یہی ہو رہا تھا۔

طلال ویومرر سے اس کی اضطرابی کیفیت کو محسوس کر کے محظوظ ہو رہا تھا۔

''لالی! تم مجھ پر بہت ذاتی حملے کرنے لگی ہو آج کل۔'' وہ مصنوعی خفگی سے کہہ رہا تھا۔ ''اٹس ناٹ فیئر۔ کبھی تصویر کا ایک رخ نہیں دیکھا کرتے۔''

''میں تصویر کا نہ پہلا رخ دیکھ رہی ہوں نہ دوسرا۔ میں تو فقط محرک دیکھ رہی ہوں محرک۔ جس نے یہ ہلچل مچائی ہوئی ہے۔ یوں بھی ہمیشہ پودے کی جڑ پر توجہ دینی چاہئے۔ اس لئے کہ پودے کے سوکھنے اور سڑنے یا نمو پانے کا عمل جڑ سے ہی وابستہ ہوتا ہے۔''

''مائنڈ اِٹ سسٹر۔ پودے کو پنپنے کے لئے فقط اچھی کھاد ہی نہیں، مناسب سازگار آب و

ہوا کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ دھوپ، ہوا اور پانی سبھی مل کر ہی کسی پودے کو نمو بخش سکتے ہیں۔'' وہ بحث کے بھرپور موڈ میں تھا۔ اس کے لہجے میں بھی اس کے سراپے جیسی تازگی اتری ہوئی تھی۔ ''مسلسل پانی کا چھڑکاؤ ایک پودے کے لئے جتنا نقصان دہ ہے، بے اعتنائی اور بدگمانی کی دھوپ بھی اتنی ہی نقصان دہ ہے۔ اپنے برابر بیٹھی اس حسین خاتون سے ذرا پوچھو کہ اس پودے کی آبیاری میں اس کا کیا رول رہا ہے اور مزید کیا ارادے ہیں؟'' اس نے بے حد چابکدستی سے موضوع کو پلٹ کر رکھ دیا تھا۔

لالہ رخ نے اپنا بے ساختہ قہقہہ بڑی مشکل سے دبایا تھا۔ روشانہ کے چہرے پر پھیلی سنجیدگی بلکہ رنجیدگی محسوس کر کے مسکراہٹ کو بھی جلد ہی سمیٹ کر مصنوعی پن سے طلال کو گھورتے ہوئے بولی۔

''مجھے درمیان میں کیوں گھسیٹ رہے ہو؟ میرا کندھا تو یوں بھی ناتواں ہے۔ تم خود براہِ راست اس حسین خاتون سے پوچھ لو۔'' اس نے خوبصورتی سے دامن بچا لیا اور روشانہ کو آگے کر لیا۔

روشانہ اسے گھائل نظروں سے دیکھ کر رہ گئی۔ ایک ہلکا سا معصومانہ شکوہ اس کی آنکھوں میں سمٹا تھا، کچھ برہمی جھلکی تھی جو دوسرے پل اضطراب میں بدل گئی۔

''اچھا اگر یہی بات ہے تو پھر کیوں نہ تمہیں درمیان سے بالکل ہی ہٹا دیا جائے ہڈی کی طرح؟'' اس نے یہ کہتے ہوئے ویومرر سے لالہ رخ کو مسکراتی نظروں سے دیکھتے ہوئے ہلکا سا اشارہ دیا تھا۔

''اگر یہی ارادے ہیں تو میں غریب کہاں کچھ کہہ سکتی ہوں؟ تمہیں کباب میں ہڈی لگتی ہوں تو یونہی سہی۔ نکال پھینکو۔'' اس نے کندھے اچکا کر ٹھنڈی سانس کھینچی۔

اس نے گاڑی میرج ہال کے انٹرنس پر روک دی تھی اور کچھ اس طرح روکی تھی کہ روشانہ کی طرف کا دروازہ میرج ہال کی باؤنڈری وال سے بالکل لگ رہا تھا جہاں برقی قمقمے جگمگا رہے تھے۔ لالہ رخ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گئی اور بے حد سرعت سے دروازہ بند کر دیا۔ اس سے پہلے کہ روشانہ دروازے کے ہینڈل کو چھوتی طلال نے گاڑی فراٹے سے آگے بڑھا دی۔

وہ لحظہ بھر دم سادھے رہ گئی۔ مگر دوسرے پل اسے اپنا دماغ بھک سے اڑتا محسوس ہوا...!

☆☆☆

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟ گاڑی روکیں پلیز۔" اسے بہت دیر بعد احساس ہوا تھا کہ یہ سب اس کے ساتھ جان بوجھ کر ہوا ہے۔

"پلیز، گاڑی روکئے، میں کہہ رہی ہوں۔" اب اس کے لہجے میں گھبراہٹ کے ساتھ غصہ بھی جھلکنے لگا تھا۔

"لیجئے روک دی۔" طلال نے نہایت اطمینان سے بریک لگایا اور اس کی جانب چہرہ موڑا۔ "تم نے کہا گاڑی روکو، میں نے روک دی۔ اور کوئی حکم؟"

وہ کھول کر رہ گئی۔

"میرا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اس انجان سڑک پر گاڑی روک دیں۔ مجھے میرج حال ڈراپ کر دیں۔" وہ اس کی طرف سے نظریں ہٹا کر دوسری طرف دیکھتے ہوئے ناراضگی سے گویا ہوئی۔

"تم نے فقط گاڑی روکنے کا حکم دیا تھا، سو میں نے روک دی۔" وہ اسے زچ کر کے لطف اٹھا رہا تھا۔ اسے تو کم از کم ایسا ہی لگ رہا تھا۔

"آخر آپ میرے ساتھ اس طرح بی ہیو کیوں کر رہے ہیں؟ اگر یہ رشتہ ختم ہی کرنا ہے تو چپ چاپ ختم کر دیجئے، مجھے جلا کر آپ کو کیا تسکین مل جاتی ہے؟" وہ یکدم روہانسی ہو گئی۔

طلال کے مسکراتے لب میکانکی انداز میں سکڑ کر رہ گئے اور چہرے پر یک بیک سنجیدگی پھیل گئی۔

"تمہارے خیال میں تمہیں دکھ دے کر مجھے تسلی ملتی رہی ہے؟"

"ظاہر ہے، جس طرح کا اب تک میرے ساتھ رویہ رہا ہے اس سے میں کیا اخذ کر سکتی ہوں، نفرت یا کسی طرح کی تسکین؟" وہ آزردگی سے بولی۔

"اور جو تمہارا رویہ رہا ہے میرے ساتھ، اسے کس کھاتے میں ڈالو گی؟"

"وہ فقط ردعمل تھا۔" وہ دوبدو بولی تو وہ بے ساختہ پن سے ابرو اچکا کر ہنس دیا۔

"ہوں...... یعنی عمل کا ردعمل۔ اس کا مطلب ہے میرا رویہ اگر محبت بھرا ہوگا تو تم ردعمل

کے طور پر اس سے بھی زیادہ محبت سے پیش آؤ گی مجھ سے۔"

روشانہ نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا مگر دوسرے پل جل کر نظروں کا زاویہ بدل لیا۔ وہ زیر لب مسکراتا ہوا اسے سخت زہر لگا۔ دل چاہا کوئی چیز اٹھا کر اس کے سر پر دے مارے یا اسے گاڑی سے دھکا دے دے یا خود گاڑی سے اتر کر بھاگ جائے۔

"برائے مہربانی! آپ گاڑی چلائیے اور مجھے میرج ہال ڈراپ کر دیں۔ میں آپ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔" وہ لہجے میں تمام تر رکھائی سمونے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

طلال کو اس کا یہ روپ پہلے سے کہیں زیادہ دلفریب لگ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر غصیلے پن کے ساتھ ناراضگی بھی تھی جس میں سنجیدگی اور کسی حد تک بے گانگی جھلک رہی تھی۔ وہ اس سے اغماز برتنے کی کوشش کر رہی تھی مگر اس کوشش میں وہ پوری طرح کامیاب نہیں ہو پا رہی تھی۔ شاید اس لئے کہ اس کی معنی خیز مسکراہٹ اور نگاہوں کی ہر لحظہ بڑھتی تپش اسے بوکھلائے دے رہی تھی۔ اس کے اعتماد میں دراڑیں ڈال رہی تھی۔

طلال نے گاڑی اسٹارٹ کی اور بجائے میرج ہال جانے کے ایک خوبصورت کیفے کے پارکنگ ایریا میں جا کر روک دی اور اگنیشن سے چابی کھینچ کر دروازہ کھول کر باہر نکلتے ہوئے بولا۔ "میرا خیال ہے اب تک لالی سب کو مطمئن کر چکی ہوگی۔"

"کیا...... کیا مطلب ہے آپ کا؟" وہ کیفے کو دیکھ کر پہلے ہی چکرا گئی تھی۔ اس کی بات پر اسے تاؤ آ گیا۔

"تم گاڑی سے باہر تو آؤ، پھر مطلب بھی بتاتا ہوں۔"

"ہرگز نہیں، میں گاڑی سے بالکل نہیں اتروں گی۔ آپ آخر سمجھتے کیا ہیں خود کو؟"

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو، چلو نیچے اترو۔" اب کے اس کے لہجے میں تحکم بھی تھا۔ مگر وہ سنی ان سنی کر کے یونہی جمی رہی۔

"اوکے، میں بھی تمہارے ساتھ بیٹھ جاتا ہوں، ہم یہیں باتیں کر لیتے ہیں۔ کچھ گلے شکوے، کچھ حال دل۔" اس نے اس کی طرف کا دروازہ کھولنا چاہا تو وہ دہل کر رہ گئی۔

"کک...... کیا مطلب ہے آپ کا؟" اس کی آنکھوں میں خوف، وحشت، حیرت سبھی کچھ جمع ہو گیا۔ گھبرا کر اس نے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر اپنی طرف کھینچ لیا تھا مبادا وہ اپنے کہے پر عمل نہ کر بیٹھے۔

"اب ساری باتوں کا مطلب کھڑے کھڑے تو بتانے سے رہا۔ تم اندر چلو یا مجھے یہاں بیٹھنے دو۔" وہ جھنجلا کر رہ گیا اور ایک ہلکے سے جھٹکے سے دروازہ کھولا تو وہ مارے خوف کے خود

ہی جلدی سے نیچے اتر آئی۔

''اب یہ مت سمجھئے گا کہ میں آپ سے ڈر گئی ہوں۔'' وہ بے بسی اور بے اختیاری کے احساس سے چیخ کر رہ گئی تھی۔

''تو پھر کیا سمجھوں؟'' ایک مدھم مسکراہٹ کے ساتھ گاڑی لاک کرتے ہوئے وہ اس کی طرف ایڑیوں کے بل پلٹا۔

''مجھے آپ کی کوئی فضول باتیں نہیں سننی ہیں۔'' وہ جل کر بولی۔

''او کے، تم کان بند کر لینا۔'' اس نے چابی جیب میں ڈال کر اس کا ہاتھ پکڑا اور پارکنگ ایریا سے گزرتا اسے کیفے کے مہکے مہکے ڈائننگ ہال میں لے آیا۔

وہ مارے باندھے اس کے ساتھ گھسٹتی چلی آئی تھی۔ اسے لگ رہا تھا اس کی انگلیاں آہنی سلاخوں کی طرح اس کی کلائی میں گھستی جا رہی ہوں۔

ڈائننگ ہال کی اِکا دُکا میزیں مصروف تھیں۔ اس نے ایک فیملی کیبن منتخب کیا اور اسے اندر لے آیا۔

کرسی پر بیٹھتے ہی وہ یکدم رو پڑی۔ طلال بے اختیار ایک متاسفانہ سانس کھینچ کر رہ گیا۔

وہ میز پر سر لگا کر بچوں کی طرح کتنی دیر روتی رہی۔

''ہر سختی، نفرت اور انانیت کی تسکین کے لئے نہیں ہوتی۔ کچھ بحالت مجبوری بھی کرنا پڑتی ہے۔ خصوصاً جب مقابل احمق، نادان اور جذباتی قسم کا ہو۔'' اس نے ٹشو بکس سے چند ٹشو کھینچ کر نکالے اور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا اور نرمی اور تمام تر اپنائیت سے اس کا سر اونچا کیا۔ ''تم کیا سمجھتی ہو میں یہ سب نفرت میں کرتا آیا ہوں تمہارے ساتھ؟''

''تو بھلا محبت میں کرتا ہے کوئی اس طرح؟'' اس نے چبھتے انداز میں ٹشو اس کے ہاتھ سے لے لیا اور مجروح نظروں سے دیکھتے ہوئے رخ پھیر لیا۔

وہ ہنسا، یوں جیسے اس کی بات پر لطف اٹھایا ہو۔ روشانہ کو اس کا ہنسنا اور آزردہ کر گیا۔

ویٹر کے آ جانے پر کچھ دیر ان دونوں کے مابین خاموشی طاری رہی۔ وہ آئس کریم کا کپ ان دونوں کے آگے رکھ کر چلا گیا تو طلال نے رسٹ واچ پر ایک سرسری نظر پھینکی۔ لمحے تیزی سے گزر رہے تھے۔

وقت کے ساتھ بھی ایک عجیب ہی مسئلہ ہے، جب روکنا چاہو تو لگتا ہے اس کے پر لگ گئے ہوں اور جب چاہیں کہ یہ وقت گزر جائے اس وقت گویا ہر لمحہ، ہر گھڑی، صدیاں بن جاتی ہے۔ اس وقت طلال کے دل میں یہ خواہش مچل کر رہ گئی کہ ہر لمحہ صدی بن جائے۔

گھڑی اسی ساعت پر رک جائے، کائنات کی نبضیں تھم جائیں اور وہ اپنی بکھری منتشر زندگی کی ایک ایک زلف کو سنوار لے۔

اسے پہلی بار احساس ہو رہا تھا کہ زندگی میں توازن کتنا ضروری ہے، خصوصاً محبت میں۔

محبت کو تو پُرسکون ندی کی مانند ہونا چاہئے جس میں آئینے کی طرح اپنا آپ صاف دکھائی دے اور اپنی کوتاہیوں کا گدلا پن دکھائی دے تاکہ اسے بروقت دور کیا جا سکے۔ تند و تیز موجوں جیسی محبت چاہے جتنی بھی شفاف ہو، اس کی منہ زوری مقابل کو وحشت زدہ اور خوف میں مبتلا کئے رکھتی ہے۔

''اگر کسی کو محبت کرنے کا سلیقہ نہ ہو، اس جذبے کی لطافت اور تازگی سے آگاہ نہ ہو، چہ جائیکہ اس کے دل میں محبت کا ایک بحرِ بے کراں ہو اور مقابل کے لئے وہ اپنے دل میں ایسی چاہت محسوس کر رہا ہو کہ اس سے دستبردار ہونے کا تصور بھی اس کے لئے محال ہو تو ایسے شخص کے ساتھ کیا کیا جائے؟ اور جبکہ وہ اپنے ان غیر متوازن رویوں کی سزا خود بھی ایک مسلسل ذہنی اور اعصابی دباؤ کی صورت میں کاٹتا آیا ہو۔ کیا ایسا شخص قابل سزا ہے یا قابل معافی؟ میرا خیال ہے قابل معافی ہے نا؟''

وہ جواب بھی خود ہی دے کر دھیمے سے مسکرا دیا اور اس کی نگاہوں میں اترے شکوے، ناراضگی کو محسوس کرتے ہوئے ایک ہلکی سانس بھرتے ہوئے بولا۔ ''روشانہ اسد! محبت کو رویوں میں تلاش نہیں کرنا چاہئے۔ رویئے تو حالات کے تابع ہوتے ہیں، کبھی محبت کو اظہار کا راستہ نہیں ملتا تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ وہ ختم ہو چکی ہے، اپنا وجود کھو چکی ہے۔ بلکہ وہ زمین دوز ندی کی طرح دھیرے دھیرے اندر ہی اندر اپنا راستہ بناتی بہتی رہتی ہے۔ اسے کھوجنے اور اس سے سیرابی حاصل کرنے کے لئے کبھی وقت کا انتظار کرنا پڑتا ہے، کبھی بہت حساس دلی اور فراخ دلی کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے تمام تر استحقاق کے ساتھ اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

وہ دم سادھے بیٹھی رہ گئی۔ اس نے اس عرصے میں اس کا ایک ہی روپ دیکھا تھا۔ مگر اس وقت اس کی آنکھوں میں جو رنگ تھا، وہ قطعی مختلف تھا۔

التفات اور بھرپور توجہ کا رنگ
مہکا مہکا، روح کو جکڑتا، اجنبیت کی ساری دیوار گراتا ہوا رنگ
ان کے مابین موجود رشتے کی حقیقت کو بہت واضح کرتا اور مستحکم بناتا رنگ
تمام تر توجہ اور دلچسپی سحر انگیزی کا رنگ

یکدم اس کے ہاتھ کے لمس کو محسوس کر کے اس کا چہرہ لال ہو گیا، پلکیں لرز کر جھک گئیں۔

چند لمحے توقف کے بعد وہ ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں اسے ساری حقیقت بتانے لگا کہ لالہ رخ کو کس طرح مجبور کرنے کے لئے اس نے یہ جھوٹ بولا تھا، یہ سفاکانہ جملے ادا کئے تھے جو ان کے مابین بدگمانی کو جنم دے گئے تھے۔

''یقین کرو روشانہ! میں نے زندگی میں کبھی خود کو اتنا بے بس محسوس نہیں کیا جس لمحے میں نے لالہ رخ سے یہ جھوٹ بولتے ہوئے محسوس کیا تھا۔ مجھے اسے زندگی کی طرف لے آنے کا اور کوئی راستہ سجھائی نہیں دے رہا تھا اور اس پل میں نے شدید اذیت محسوس کی جب تمہاری نگاہوں نے مجھے بے اعتبار جانا۔ میں چاہتے ہوئے بھی اپنی پوزیشن کلیئر نہیں کر سکا تھا۔'' وہ انتہائی ندامت اور تاسف کی زد میں آ گیا۔ اس کے چہرے پر پھیلی ندامت اور افسردگی روشانہ کو پگھلانے لگی۔

یہ انکشاف اس کے لئے مسرت آمیز بھی تھا اور تکلیف دہ بھی۔ وہ بری طرح بکھر گئی۔

''محبت کا فقط ایک ہی رنگ ہوتا ہے طلال! اور فریقین کو جکڑے رکھتا ہے، کہیں جانے نہیں دیتا، انہیں آسودہ اور مطمئن رکھتا ہے، عمر بھر ایک دوسرے کا اسیر رکھتا ہے اور وہ ہے اعتبار کا، اعتماد کا رنگ۔ مگر وہی آپ نے مجھے نہیں دیا۔'' آنسو اس کی خوش نما آنکھوں سے موتیوں کی طرح گر کر ٹوٹنے لگے۔

طلال مضطربانہ انداز میں اسے دیکھ کر رہ گیا۔

''اگر آپ مجھے بتا دیتے کہ یہ سب کچھ آپ نے لالہ رخ کے لئے کیا ہے تو میں بھی آپ کا ساتھ دیتی، آپ کی بے مہری، کج ادائی سے یوں جیتے جی مرتی تو نہ رہتی۔ آپ نہیں جانتے میں نے یہ عرصہ کتنی اذیت میں گزارا ہے۔ اور دکھ اس بات کا ہے کہ آپ نے مجھے اعتماد کے قابل نہیں سمجھا۔'' وہ ٹیبل پر سر رکھ کر کھل کر رو پڑی۔ طلال نے اسے رونے دیا۔

قطرہ قطرہ جمع ہو جانے والے آنسو سیلاب کی طرح بند توڑ کر بہہ رہے تھے۔

آئس کریم پگھل چکی تھی۔ وہ اسے گاڑی کی طرف لے آیا۔

''میں نے کہا نا میں اپنے غیر متوازن رویوں کی سزا خود بھی کاٹ چکا ہوں۔ تاہم تم جو سزا دینا چاہو، میں تیار ہوں۔'' وہ ڈرائیونگ سیٹ کی بیک سے سر ٹکا کر آزردگی سے بولا۔

وہ چپ رہی اور سڑ سڑ آنسو بہاتی رہی۔

ایک مضمحل سی خاموشی کچھ دیر دونوں کے مابین طاری رہی۔ پھر روشانہ سیٹ کی پشت سے سر ٹکاتے ہوئے بولی۔

''کاش، یہ ساری باتیں آپ مجھے پہلے ہی بتا دیتے۔''

''بندہ بشر ہوں، دل کے بھید نہیں جانتا۔ شاید میرے لاشعور میں یہ خوف تھا کہ جانے تم کیا ردعمل اختیار کرتیں۔ دل میں جھانکنے کا علم آتا تو نوبت یہاں تک آتی ہی کیوں؟'' وہ ایک خود آزار سی ہنسی ہنس کر رہ گیا۔

''دل میں جھانکنے کا علم نہ سہی، محبت کرنے کا فن آتا تو یقیناً نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔'' وہ دھیرے سے بولی تو طلال نے بے ساختہ گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ جلدی سے نظریں چرا گئی مگر اس کے لبوں کی تراش میں پھیلنے والی مسکراہٹ بڑی آسودہ اور طمانیت خیز تھی۔

سچ کہتے ہیں، بارش کا ایک چھوٹا سا قطرہ یوں تو کچھ نہیں لیکن اس کی قدر و قیمت تپتا ہوا صحرا جان سکتا ہے، بپھرا ہوا سمندر نہیں۔ اس کے تراشیدہ ہونٹوں پر ابھرنے والی یہ مدھم سی مسکراہٹ طلال کو ایسا ہی قطرہ لگی جیسے سات قلزم اس کے محبت کے صحرا میں اتر آئے ہیں۔

اس نے اس کا گداز نرم ہاتھ اپنے ہاتھ کی مضبوط گرفت میں لے کر ہولے سے دبایا۔ وہ پلکیں اٹھا کر اس کی جانب دیکھنے لگی۔

''بے شک محبت کا سفر دشوار گزار ضرور ہے مگر ناکام نہیں ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ جسے پورے خلوص سے چاہیں وہ آپ کی بالکل پرواہ نہ کر رہا ہو۔'' اسے لالہ رخ سے کہی اپنی یہ بات یاد آ کر رہ گئی۔

اچانک اس کی پلکوں پر رکے ہوئے قطرے رخساروں پر بکھر گئے مگر نیچے گرنے سے پہلے طلال کی انگلیوں کے مہربان پوروں نے انہیں کسی قیمتی متاع کی طرح سمیٹ لیا تھا۔

کوئی چاند چہرہ کشا ہوا
وہ جو دھند تھی وہ بکھر گئی
وہ جو حبس تھا وہ ہوا ہوا
کوئی چاند چہرا کشا ہوا
تو سمٹ گئی
وہ جو تیرگی تھی چہار سو
وہ جو برف ٹھہری تھی روبرو
وہ جو بے دلی تھی صدف صدف
وہ جو خاک اڑتی تھی ہر طرف

مگر اِک نگاہ سے جل اٹھے
جو چراغِ جاں تھے بجھے ہوئے
مگر اِک سخن سے مہک اٹھے
میرے گلستاں، میرے آئینے
کسی خوش نظر کے حصار میں
کسی خوش قدم کے جواز میں
کوئی چاند چہرا کشا ہوا
میرا سارا باغ ہرا ہوا

***

اس کا دل چاہ رہا تھا کسی گوشے میں بیٹھ کر اس خوشی کو جی بھر کر اپنے آپ سے شیئر کرے۔ اس حقیقت کو محسوس کرے جو خواب آسا ساعت کی طرح اس کے اردگرد ایک رنگین چادر تان گئی تھی۔

اس نے اپنی شفاف ہتھیلیوں کو دیکھا جو ہلکی ہلکی تپتی محسوس ہو رہی تھیں۔ گویا دل ان میں بھی آ کر ٹھہر گیا ہو۔ اپنا دل، جسم کے ہر حصے میں دھڑکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ میرج ہال کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئی اور وہیں ریلنگ سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔

میرج ہال میں پھیلی رونق اور اپنے دل کی رونق ہم آہنگ ہو کر اسے مسرور کرنے لگی۔

''یہ تم کدھر غائب تھیں گھنٹہ بھر سے؟'' حنا کی اس پر نظر پڑی تو وہ لپک کر آئی۔

''واہ روشی! زبردست لگ رہی ہو آج تو۔ مجھے لگتا ہے آج طلال چاچو کی خیر نہیں۔ انہیں چاروں شانے چت گرانے کا ارادہ باندھ ہی لیا ہے۔'' وہ پہلا سوال بھول کر اس کے سراپے پر نظریں دوڑانے لگی۔

روشانہ بے اختیار لب دانتوں میں دبا کر شرگیں ہنسی ہنس دی۔

''ہمارے اندر کسی کو چت کرنے کی صلاحیتیں کہاں ہیں؟'' اس عرصے میں پہلی بار وہ حنا کی شرارت پر محظوظ ہوئی تھی۔

''بس بس...... زیادہ بنو مت۔ ایسے خشک بندے کو اپنا اسیر کر ڈالا ہے۔'' حنا نے اسے آنکھیں دکھائیں پھر ہنس کر بولی۔ ''یہ بتاؤ چاچو کی چوائس کیسی ہے، ہے نا زبردست؟'' حنا کا اشارہ اس لباس کی طرف تھا جو روشانہ نے زیبِ تن کیا ہوا تھا۔

''لالی! ذرا روشی کو تو دیکھیں، یہ آج کچھ زیادہ لائٹ نہیں مار رہی ہے؟'' حنا نے سامنے

سے گزرتی لالہ رخ کو ہاتھ دے کر روک لیا۔ لالہ رخ ٹھٹکی، پھر روشانہ کو دیکھ کر بے اختیار ایک معنی خیز مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی۔

''آ گئیں تم، چپلیں بدل لیں؟'' وہ بظاہر سنجیدگی سے بولی مگر ایک پیار بھری شرارت اس کی آنکھوں میں چمک رہی تھی۔ وہ روشانہ کے سراپے میں ایک خوشگوار مہکی مہکی طمانیت خیز تبدیلی محسوس کر رہی تھی۔

روشانہ نے تشکر آمیز نظروں سے لالہ رخ کو دیکھا تھا۔ وہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی کہ وہ تمام شرارتی لڑکیوں کو اپنے یوں غائب ہو جانے کا کیا جواز پیش کر کے انہیں مطمئن کرے گی؟

''ارے چپلیں بدلنے کا تو بہانہ ہو گا لالی!'' حنا ہنستی ہوئی بولی۔ ''ہم سب سے پیچھا چھڑا کر چاچو کے ساتھ سیر سپاٹے کو دل چاہ رہا ہو گا۔''

لالہ رخ بے ساختہ امڈنے والی ہنسی کو نہ روک سکی۔ روشانہ شرم سے کٹ کر رہ گئی۔ ایک تو یوں بھی اس کا دل معمول پر نہیں آ رہا تھا، اس پر حنا کے شرارتی جملے۔ لالہ رخ کو اس کی حالت قابلِ رحم لگی۔

''حنا! دیکھنا، عادل اسٹیج کی طرف ہو تو اسے میرے پاس بھیجو، جلدی سے۔'' اس نے حنا کو بہانے سے روانہ کر دیا۔

روشانہ ایک گہری سانس کھینچ کر خوشنما جنگلے سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔

ایک سرخوشی تھی جو روح سے رگ رگ میں اترتی پھیلتی جا رہی تھی۔ وہ یکسر اِردگرد کے ماحول سے کٹ کر رہ گئی تھی۔ اندر اتنا شور بپا تھا جو اسے اپنے کانوں تک میں سنائی دے رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا دل رگ رگ سے الجھا ہوا ہو۔ ایک ایسا راگ الاپ رہا ہو جو اس کے لیے بالکل انوکھا اور مسرور کن ہو۔

'محبت جتنی بھی شدید ہو اگر اس میں اعتماد کا رنگ نہ ہو تو اس کی شدتیں اذیت بن جاتی ہیں اور محبت بالآخر فنا ہو جاتی ہے۔ مگر محبت تھوڑی بھی ہو اگر اس میں باہمی اعتماد کا رنگ ہو تو آسمان کی بلندیوں تک جا پہنچتی ہے۔ باہمی اعتماد ایسا درخت ہے جس کی چھاؤں میں محبت پروان چڑھتی ہے، پھلتی پھولتی ہے۔' لالہ رخ کی نظریں روشانہ کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔ اس کے جھلملاتے حسن میں عجیب تابندگیاں جھلملاتی دکھائی دے رہی تھیں جو اسے طمانیت بخش رہی تھیں۔ روشانہ نے پلکیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور اسے اپنی طرف دیکھتے پا کر ایک بے عنوان سی شرم محسوس کرتے ہوئے پلکوں کی باڑھ جھکا لی۔

"میں بہت خوش ہوں روشی، بے انتہا خوش۔ دل چاہتا ہے تمہیں پکڑ کر خوب چکر دے ڈالوں۔" وہ اس کے گرد اپنا بازو حمائل کرتے ہوئے بولی۔

روشانہ نے سوچا، محبوب کے لبوں سے ادا ہونے والے خلوص اور محبت کے دو جملے جذبوں سے گندھی عورت کی عمر بھر کی ریاضت کا صلہ ہوتے ہیں، اس کی نگاہوں سے ٹپکتی اس کے باطن کی سچائی کی چمک اسے اعتماد بخشتی ہے اور انا پرست سے انا پرست عورت اپنے خول سے اس طرح باہر آ جاتی ہے جیسے سیپ سے نکلا آبدار موتی۔

اس نے ایک گہری سانس کھینچی اور لالہ رخ کے کندھے پر سر ڈال دیا۔

"میں بھی لالی! میں بھی ایسی ہی خوشی محسوس کر رہی ہوں۔" اس کی آواز دھیمی مگر کھنک دار تھی۔

اچانک ہنسی کی چہکار پر وہ دونوں چونکیں۔ مہ وش کو روبی اور حسنہ سنبھال کر میرج ہال میں لا رہی تھیں جبکہ اس کی سسرال والیاں اس کا استقبال پھولوں کی مہکتی پتیوں سے کر رہی تھیں۔

"بہت جلد تمہیں بھی ہم اسی طرح "سکندر ولا" میں لے کر آئیں گے۔" لالہ رخ نے ایک مسکراتی نگاہ روشانہ پر ڈالی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اس طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

سیف الرحمٰن نے اپنا کمرہ لاک کیا اور چابی جیب میں ڈالتے ہوئے ایک بے فیض نگاہ تانیہ پر ڈالی جو کچن کے باہر ہی فرش پر بیٹھی اپنی بیٹی کو دلیہ کھلا رہی تھی۔ اُجڑی اُجڑی نگاہوں کو اٹھا کر اس نے بھی سیف الرحمٰن کی طرف دیکھا مگر اس نے بے نیازی سے نظروں کا رخ موڑ لیا اور بڑے بڑے ڈگ بھرتا باہر نکل آیا۔ کچھ دیر بعد اس کی گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔

اماں لپک کر تانیہ کے نزدیک آئیں۔

"تم کو کچھ بتایا اس نے، کہاں جا رہا ہے؟"

"مجھے کیوں بتانے لگا۔ آپ کو بتا کر نہیں گیا تو میں کس کھیت کی مولی ہوں۔" وہ تلخی سے ہنس پڑی اور نیپکن سے بچی کا منہ پونچھنے لگی۔

"جانے یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔" اماں ایک گہری افسردہ سانس بھر کر تخت پر جا بیٹھیں۔ پھر جیسے پُر خیال لہجے میں بولیں۔ "تم لالہ رخ کو فون کر کے تو دیکھو۔ ایک کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے۔ شاید وہ سمجھا سکے اس لڑکے کو۔"

"اماں!"

"دیکھو تانیہ، مجھے تو اس اندھیرے میں ایک یہی راستہ سجھائی دے رہا ہے۔ اور پھر میں ڈرتی ہوں، ہارون کوئی جذباتی قدم نہ اٹھا لے۔ اس بدبخت صبوحی نے بھی ہڑکا مچا رکھا ہے۔ جانے بھائی کے کس کس طرح کان بھر رہی ہو گی کہ بچی تک کا اسے خیال نہیں آ رہا ہے۔ پلٹ کر خبر نہیں لی۔" ان کی آخر تان صبوحی پر ٹوٹی، کبھی داماد کو کوسنے لگتیں۔

تانیہ نے استہزا آمیز نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔ ایسا لگ رہا تھا وہ ڈرامہ جو کبھی ان کے گھر میں کھیلا جاتا رہا تھا، وہی اب اس کے سسرال میں کھیلا جا رہا ہے۔ ہارون، سیف الرحمٰن اور صبوحی، صائمہ آپا۔ اور وہ خود جیسے لالہ رخ جیسا بے بس، بے اختیار کردار بن کر رہ گئی ہو۔

اسے لالہ رخ پر گزری اذیت کا رہ رہ کر اندازہ ہو رہا تھا۔ وہ بھی آج اسی کرب سے گزر رہی تھی۔ ہر لمحہ اندیشوں اور وہموں کے سبب زہریلے سانپ ڈستے رہتے تھے۔ اپنی بچی پر نگاہ پڑتی تو خوف کا آکٹوپس اسے جکڑ کر اس کا دل نچوڑنے لگتا تھا۔

اسے وہ رات یاد آ گئی جب لالہ رخ تڑپ تڑپ کر روتے ہوئے معافیاں مانگ رہی تھی۔ کبھی اماں سے، کبھی صائمہ آپا سے، کبھی سیف الرحمٰن سے۔ مگر سب اس وقت سفاک ظالم بن گئے تھے کہ کسی کو بھی اس کے آنسو نہیں پگھلا رہے تھے۔ اماں ظالم بیٹے کو مزید ظلم پر اکسا رہی تھیں۔

"سب ڈرامہ بازی ہے، ناٹک کر رہی ہے۔ ارے تمہاری معافیاں ہماری بہن پر لگے ذلیل کے اس داغ کو کیا دھو دیں گی؟ ہمارے کلیجوں میں جو آگ لگی ہے، وہ بجھ جائے گی؟" صائمہ آپا اس آگ میں برابر تیل چھڑک رہی تھیں۔

کون جانتا تھا کلیجوں میں آگ تو اب لگی ہے کو کسی طور بجھنے نہ پا رہی تھی۔

"بند کرو یہ ڈرامہ بازی...... اماں اور صائمہ آپا اور تانیہ جب تک تمہیں معاف نہیں کرتیں، مجھ سے کسی قسم کی معافی اور اچھے رویئے کی امید مت رکھنا۔" وہ شوہر نہیں فرعون بنا ہوا تھا، تھوڑا سا اختیار مل جائے تو انسان کس طرح انسانیت کا لبادہ اتار پھینکتا ہے، اس کی زندہ مثال بنا ہوا تھا سیف الرحمٰن۔

"میں تم سے کہہ رہی ہوں تانیہ! ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹی اپنا گھر اجڑتا دیکھتی رہو گی۔ کیا؟" اماں اپنی ہی کہے جا رہی تھیں، انہیں صبوحی سے ہمدردی نہیں تھی مگر تانیہ کا گھر ٹوٹنے کا خوف تھا۔ صائمہ آپا کے لئے فکر مندی تھی۔

اس کی آنکھوں تلے وہ آخری دن آ گیا جب سیف الرحمٰن طلاق کے کاغذات اماں کو دکھا

رہا تھا۔ اماں کا چہرہ اپنی فتح پر گلاب کی طرح کھلا ہوا تھا۔

صائمہ آپا فخر سے نتھنے پھلائے ہوئے تھیں اور وہ خود بالکل چپ چاپ لاتعلق سی کھڑی تھی۔ ان تین نفوس میں سے کسی کا دل بھی اس لمحے خوفِ خدا سے نہیں کانپا تھا، احساسِ ندامت نے ضرب نہیں لگائی تھی۔ افسوس اور اضطراب کی آنچ تک نہیں پڑی تھی۔

خوفِ خدا سے خالی دل ایسے ہی پتھر ہوتے ہوں گے۔

''یہ مکافاتِ عمل ہے اماں! مکافاتِ عمل۔'' یکدم وہ زور سے چلائی اور دلیے کا پیالہ پھینک کر دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر بھبک بھبک کر رونے لگی۔

''میں نے لالہ رخ کا گھر اجاڑا ہے تو میرا گھر کیسے بس سکتا ہے اماں؟ صبوحی کو مت کوسیے، وہ وہی کر رہی ہے جو آپ نے کیا تھا، صائمہ آپا نے کیا تھا۔''

''ہائے خدا نہ کرے، کیسی بد فال منہ سے نکال رہی ہے۔'' اماں دہل کر اسے خود سے لپٹانے کو بڑھیں۔ ''تمہارا گھر کیوں ٹوٹنے لگا؟''

''ایسا ہی ہوگا۔ اس وقت آپ کا دل کیوں نہیں کانپا تھا؟'' وہ غصے سے انہیں دھکیل کر کھڑی ہوگئی۔ ''لالہ رخ سے بھیک مانگوں اپنا گھر بسنے کی؟ کس منہ سے اس کے سامنے جاؤں؟ اس نے بھی ہمارے آگے رو رو کر بھیک مانگی تھی مگر اس کے کشکول میں ہم نے کیا ڈالا...... بے اعتنائی، بے مروتی، نفرت، کج روی، دنیا میں ہر شخص کو اپنے کیئے کی سزا ملتی ہے اماں۔ اور ہارون یا سیف الرحمٰن کی نہیں، خدا کی پکڑ میں آئے ہیں ہم۔ ہمیں انسانوں کے آگے گڑگڑانے کی بجائے رو رو کر خدا کے آگے گڑگڑا کر اپنے گناہوں، کوتاہیوں اور خطاؤں کی معافی مانگنی چاہیے، تدبیریں مت کریں اماں، استغفار کریں، استغفار۔''

اماں نے اس کے بلکتے وجود پر ایک نگاہ ڈالی اور بے عنوان سی ندامت محسوس کر کے نظریں جھکا لیں۔

وہ اپنی بچی کو اٹھائے ساتھ والے کمرے میں چلی گئی۔ کتنی دیر اس کی سسکیاں انہیں سنائی دیتی رہیں، ان کا نادم وجود ریت کی طرح بیٹھتا چلا گیا۔

بہت دیر بعد وہ کسی خیال کے تحت اٹھ کر اس کے پاس چلی آئیں۔

''تانی! میں لالہ رخ سے خود بات کرتی ہوں، تم میری اس سے بات کرا دو۔ وہ ان دنوں اپنی بھتیجی کی شادی میں ملتان آئی ہوئی ہے نا۔''

تانیہ نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔

''سوچ رہی ہوں، اتنا بوجھ لے کر قبر میں کیسے جاؤں گی؟ کچھ معاف کرانے کی کوشش

کیئے لیتی ہوں۔'' وہ آہستگی سے بولیں۔ بڑا بے بس سا لہجہ تھا۔

تانیہ رنج سے لب دانتوں میں دبا کر رہ گئی، پھر اٹھتے ہوئے بولی۔ ''وہ تو میری آواز سن کر ہی فون بند کر دیتی ہے، میری کوئی بات سننے کو تیار نہیں ہے۔ شاید آپ کی بات سن لے۔'' وہ کارڈلیس اٹھا کر لالہ رخ کا نمبر پش کرنے لگی۔

⁂☆⁂

مہ وش کے ولیمے سے واپسی پر حنا نے اپنے ساتھ روشانہ کو بھی طلال کی گاڑی میں گھسیٹ لیا تھا۔

روشانہ کے دل کی کیفیت عجیب سی ہو رہی تھی۔ کہاں وہ اس کی بے رخی، کج ادائی اور بے نیازی پر سلگ رہی تھی اور اب کہاں اس کی وارفتانہ، والہانہ نگاہوں سے کترا کر اِدھر اُدھر چھپتی پھرتی تھی۔ دل چاہتا اس کے سامنے آتے ہی خود کو کسی جادوئی چھڑی سے گم کر دے۔

''میں خرم کے ساتھ چلی جاتی ہوں۔'' اس نے دبی دبی زبان میں منمناتا احتجاج کیا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی گاڑی میں سب پہلے ہی پھنس پھنسا کر بیٹھی ہوئی ہیں۔ بقول خرم کے سانس لینا بھی دوبھر ہو رہا ہے۔ تمہارے جانے سے تو حقیقتاً ان کا دم ہی گھٹ جائے گا۔'' حنا کی اس فضول بکواس پر وہ فقط اسے گھور کر رہ گئی۔

''لالی کو تو لے لو ساتھ۔'' اس نے اپنی تسلی اور تقویت کے لئے لالہ رخ کا نام لیا۔

''لالی اپنی ساس صاحبہ اور دیور کے ساتھ کب کی روانہ ہو چکی ہیں، انہیں تو ہماری طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی بھی فرصت نہیں ہے۔ طفیلی بھائی آتے تو پھر تو جانے وہ ہمیں دکھائی بھی نہ دیتیں۔''

طلال گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا تھا۔ حنا کی زبان نان اسٹاپ چل رہی تھی اور اس سے پہلے کہ وہ مزید پٹڑی سے اترتی، اس نے ہاتھ دبا کر حنا کو ٹوک دیا۔ حسنہ آپا آل اولاد کے ساتھ طلال کی گاڑی میں آ کر بیٹھیں تو روشانہ کو بڑی تسلی ہوئی مگر جلد ہی اس کی طمانیت اضطراب میں بدل گئی جب وہ اپنے گھر آئیں اور جب حنا نے بھی طلال سے اپنے سسرال کی طرف گاڑی موڑنے کو کہا تو اس کی حالت متغیر ہوگئی۔

''کیا مطلب، تم بھی گھر جاؤ گی اپنے؟''

''مجبوری ہے، میرے میاں کے ضبط کا پیمانہ اب لبریز ہی ہوا چاہتا ہے۔ ہفتہ بھر سے میں مزے اڑا رہی ہوں اور وہ بیچارے ہوٹل کا کھانا کھا کھا کر کمزور ہو گئے ہیں۔ آج انہیں دیکھا تو مجھے بھر بھر کر رحم آ گیا اور بوریا بستر باندھ لینے کا سوچ لیا۔''

"تمہیں یہ نیک خیال آج ہی آنا تھا؟" وہ جل کر رہ گئی، پھر لجاجت سے بولی۔ "ابھی تو گھر چلی چلو۔ رات کو خرم تمہیں چھوڑ آئے گا۔"

"اب کتنی رات؟ رات تو ہو گئی ہے۔ بارہ بج رہے ہیں۔ آدھی رات کو دروازہ بجاؤں گی تو چور اچکا سمجھ کر کوئی دروازہ نہیں کھولے گا۔" ہنستی ہوئی حنا اسے سخت بری لگی۔

طلال نے گاڑی اس کے گھر کے سامنے روک دی اور اتر کر ڈکی سے اس کا سامان اتارنے لگا جو دو عدد بڑے بڑے چرمی بیگ پر مشتمل تھا۔

"ہفتہ بھر کے لئے آئی تھیں تم۔ ساز و سامان سے لگ رہا ہے تمہیں مزید مہینہ بھر رہنا تھا شاید۔" طلال نے بیگ کے سائز کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"رہنے کا پروگرام تو مہینہ بھر ہی کا تھا مگر آپ کے شریف النفس داماد نے مجھے فون پر دھمکیاں دینی شروع کر دی تھیں۔" اس کے آفاق کو داماد کہنے پر طلال کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ ہنستے ہوئے یہ شخص کتنا حسین لگتا ہے۔ روشانہ اسے بے اختیار دیکھتی رہ گئی تھی۔

ڈکی بند کر کے اس پر ہاتھ جمائے، بلیک ٹراؤزر اور لائٹ گرین شرٹ میں اس کا قد کچھ اور نمایاں ہو رہا تھا۔ وہ ٹراؤزر اور شرٹ کم ہی زیب تن کرتا تھا۔ عموماً شلوار قمیض میں ہی دکھائی دیتا تھا۔ شاید وہ خود کو ان کپڑوں میں زیادہ پُرسکون محسوس کرتا تھا۔ بالکل اچانک وہ ٹراؤزر کی جیبوں میں ہاتھ پھنسا کر پلٹا تھا اور روشانہ کو محویت سے اپنا جائزہ لیتا پا کر بے اختیار ایک مسکراہٹ اس کی آنکھوں میں تھرک گئی۔

روشانہ خفت کی سرخی لئے چہرہ جلدی سے جھکا گئی تھی۔ وہ اپنی چوری پکڑے جانے پر کسی نوآموز چور کی طرح سٹپٹا گئی تھی۔

"اپنی جائز ملکیت کو یوں چوری چھپے دیکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ مجھے بہ نظر غور تمام تر استحقاق کے ساتھ دیکھنے کا تمہیں پرمٹ مل چکا ہے۔" وہ حنا کو چھوڑ کر گاڑی میں واپس آتا ہوا بولا۔ وہ پہلے ہی پچھلی سیٹ پر سمٹ سمٹا کر بیٹھی تھی، خفت کے مارے کچھ اور دروازے سے لگ کر رہ گئی۔

"خدانخواستہ میں تمہیں اغوا کر کے تو نہیں لے جا رہا ہوں جو یوں سکڑ کر بیٹھی ہو۔" وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر اس کی طرف رخ موڑ کر دیکھنے لگا۔ "آگے آ کر بیٹھ جاؤ، لوگوں کو ناحق غلط فہمی پیدا ہو جائے گی تو وہ یہی سمجھیں گے میں تمہیں اغوا کر کے لئے جا رہا ہوں۔" اس کے انداز میں شرارت تھی۔

"لوگوں کو اتنی فرصت نہیں ہے کہ وہ اس طرح سوچتے پھریں۔" وہ بے عنوان سی شرمندگی

محسوس کر کے رہ گئی۔

"اب اتنی ظالم بھی نہ بنو، میری اکلوتی گردن پر ہی رحم کر لو جو پلٹ پلٹ کر پیچھے دیکھنے سے دُکھنے لگی ہے۔"

"تو کون کہتا ہے کہ پیچھے دیکھئے، آگے دیکھئے۔ یوں بھی گاڑی چلاتے ہوئے پیچھے دیکھنا خطرناک ہوتا ہے۔" وہ مسکراہٹ دبا گئی۔

"تمہاری موجودگی میں خطرہ تو دونوں ہی صورتوں میں ہے۔" وہ بے اختیار بولا۔ وہ اس کے اس ذو معنی فقرے پر شرم سے کٹ کر رہ گئی اور جلدی سے باہر دیکھنے لگی۔

"میرے ساتھ ایک مسئلہ ہے کہ جب تک میں بے اطمینان رہوں، گاڑی نہیں چلا سکتا۔" اس نے اگنیشن سے چابی کھینچ لی اور سیٹ کی بیک سے اطمینان سے ٹیک لگا لی۔

"افوہ تو آخر کیا بے اطمینانی ہے آپ کو؟" وہ جھنجلا گئی۔

"ایک حسین لڑکی پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہو اور میں اکیلا آگے۔" یہ بے اختیار ایک ٹھنڈی سانس بھر کر اس نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ نیچے اتری اور فرنٹ سیٹ پر دھپ سے بیٹھ کر اسے گھورتے ہوئے بولی۔

"اب ٹھیک؟ چلایئے گاڑی۔"

"شاباش، اگر اسی طرح فرمانبرداری کا مظاہرہ کرتی رہیں تو زندگی اچھی گزرے گی۔" اس نے ایک دل آویز نگاہ اس پر ڈالی اور تمام تر استحقاق سے ہاتھ تھام لیا۔

"عموماً ایسے موقعوں پر کوئی شعر داغا جاتا ہے، سوری پڑھا جاتا ہے مگر مجھ جیسے خشک بندے کو فی البدیہہ شعر نہیں آتے۔"

اس کے رخساروں پر اترنے والی شرم اور گھبراہٹ کی سرخی کا جائزہ لیتے ہوئے مدہم لہجے میں بولا۔

"پھر بھی ایک ٹوٹا پھوٹا شعر یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" اسے ڈیش بورڈ پر رکھ دیا۔

اسے بے اختیار ہنسی آ گئی اور طلال کو لگا گاڑی کی فضا اور اس کے مدھر جھنکار سے مہک اٹھی ہوں۔ بے اختیار وہ اس کی طرف جھکا۔

"آؤ پھولوں سے جھولیاں بھر لیں
لوگ ہنستے ہیں بار بار کہاں"

روشانہ نے پلکیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا مگر زیادہ دیر نہ دیکھ سکی۔ اس خشک بندے کی
سوں میں، محبت کا ایک بحرِ بیکراں موجزن تھا جو اسے ڈبونے کے لئے پیہم یلغار کر رہا تھا۔
گھر پر وہ کیونکر نہ ڈوبتی۔ اسے ساحل کی تمنا کب رہی تھی۔ محبت کے سمندر میں ڈوبنے
"اچھلا ساحل کی تمنا کب رہتی ہے، اس کی تہ میں ساحل سے زیادہ آسودگی جو ہوتی ہے۔
تو چوراہا کراس کر کے گاڑی آئس کریم بار کے پارکنگ لاٹ میں روک دی۔
طلال ۔ ممی یہاں اکثر آتے رہتے تھے۔ یہاں کی آئس کریم طیبی کو بے حد پسند تھی۔"
اتارنے لگا جو آرڈر دے کر روشانہ سے کہنے لگا۔
"ہفتہ بھر کے ذکر پر روشانہ کو لالہ رخ کا خیال آ گیا اس کا دکھ اس کے دل پر کروٹیں
شاید۔" طلال ۔
"رہنے کا پر شادی میں شریک کیوں نہیں ہوئے؟" وہ اندر سے اٹھتی اضطرابی لہروں کو
دھمکیاں دینے شرو ا سے بولی۔
ہنستے ہوئے ری معروفیات کچھ بڑھ سی گئی ہیں اور شہباز اکیلا دیکھ بھال نہیں کر سکتا۔"
ڈکی بند کر کے روشانہ نے اس کی طرف دیکھا، اسے عجیب سا دکھ ہوا کہ وہ لالہ رخ پر
اور نمایاں ہو رہا تھا ، بے خبر ہے یا اسے بے خبر رکھا گیا ہے۔ کبھی کبھی اسے لالہ رخ کی اس
دکھائی دیتا تھا۔ شاید ہر غم، ہر دکھ کسی متاع کی طرح اپنے ہی دل میں سمیٹ کر رکھتی تھی،
ٹراؤزر کی جیبوں میں رکھ نہ لے۔
اختیار ایک مسکراہٹ ہے وہ اسی لئے نہیں آئے؟" وہ آہستگی سے بولی تو آئس کریم کا کپ
روشانہ خفت کی سر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے طلال نے چونک کر اس کی طرف بغور
نوآموز چور کی طرح سہم
"اپنی جائز ملکیت ستفہامیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ پلکوں کے ساتھ سر بھی جھکا
استحقاق کے ساتھ دیکھنے کنارے پر اضطرابی انداز میں انگلی پھیرنے لگی۔
ہوا بولا۔ وہ پہلے ہی چپھ لہ رخ نے ہی بتائی ہو گی۔ میں جانتی ہوں، وہ آپ کو بلکہ کسی کو
سے لگ کر رہ گئی۔ " یہ کہہ کر اس نے ایک افسردہ سی سانس کھینچی اور اس کی طرف
"خدانخواستہ میں تمہیں ان کے درمیان بہت شدید اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ مصطفیٰ بھائی،
ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر ا
ناحق غلط فہمی پیدا ہو جائے؟" طلال کے حلق میں آئسکریم جیسی سیال شے بھی پھنس کر رہ
اس کے انداز میں شرارت تھ ریم کپ میں ڈال کر اس کی طرف تحیر سے دیکھا۔
"لوگوں کو اتنی فرصت نہیں

"سیف الرحمٰن نے لالہ رخ سے رابطہ کیا تھا حویلی میں؟"
"وہاٹ......؟" روشانہ کی اس بات پر اسے کرنٹ لگا تھا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ دوسرے پل غصے سے دہکنے لگیں۔
"اُس بدبخت کی ہمت کیسے ہوئی کہ اس نے مصطفیٰ کے گھر ٹیلی فون کیا۔" اس کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ کوئی ناشائستہ جملہ اس کے ہونٹوں پر پھڑپھڑا کر رہ گیا، اس نے لب باہم بھینچ لئے۔
"وہ غالباً لالہ رخ کو ڈرا دھمکا بھی رہا تھا۔ مصطفیٰ بھائی نے اتفاق سے اس کا ٹیلی فون خود سن لیا۔ اور لالی سے ایک اور فاش غلطی یہ ہو گئی کہ وہ اس کے ڈرانے دھمکانے پر حمزہ کو اس سے ملانے چلی گئی تھیں۔"
"ملانے؟ کہاں...... کہاں گئی تھی؟" اس کے اعصاب حیرت اور غصے سے کھنچے جا رہے تھے۔
"وہ مردان گیا تھا اور کسی نزدیکی پارک سے اس نے لالہ رخ کو فون کر کے بلوایا تھا۔"
طلال کو اپنا دماغ ایک پل کے لئے ماؤف ہوتا محسوس ہوا۔ حیرت اور دکھ کی شدت نے اس کی زبان سلب کر لی۔ فوری ردعمل کے طور پر وہ فقط صدمے کے احساس کے ساتھ روشانہ کو خالی خالی نظروں سے دیکھتا رہ گیا۔
روشانہ خود بھی آزردہ ہو رہی تھی۔ اسے یہ سب بتانا ناگزیر لگ رہا تھا۔ وہ خوفزدہ تھی کہ اگر لالہ رخ اسی طرح خاموش رہی تو سیف الرحمٰن کی ہمت بڑھ جائے گی اور مصطفیٰ خان کی غلط فہمیاں بڑھتی چلی جائیں گی۔"
بدگمانی اور غلط فہمیوں کے خاردار جنگل سے تو وہ خود بھی گزر کر آئی تھی۔ بخوبی آگاہ تھی کہ کس طرح اس میں لحہ لحہ سسک سسک کر گزرتا ہے۔ کتنے کانٹے روح میں اتر کر لہولہان کرتے رہتے ہیں۔
اسے لالہ رخ کی پھیکی، غمزدہ مسکراہٹ بہت تکلیف دیتی تھی۔ وہ اس کے لبوں پر سچی اور بھرپور مسکراہٹ دیکھنا چاہتی تھی۔ تمام غموں سے پاک، بارش کی شفاف بوندوں جیسی ہنسی۔
وہ آزردگی کے ساتھ آئس کریم باؤل میں چمچہ مارنے لگی پھر اسے ڈیش بورڈ پر رکھ دیا۔
"اسی دن سے ڈرتا تھا، اسی لئے اس بے وقوف لڑکی کو سمجھاتا آیا تھا کہ تانیہ سے رابطہ نہ رکھے۔ اس کو حویلی کا کنٹیکٹ نمبر کس نے دیا تھا؟" اس نے سیف الرحمٰن کو دل ہی دل میں ایک موٹی سی گالی دے کر اس سے پوچھا۔

''اس کا تو مجھے کچھ علم نہیں ہے۔ مجھے یہ سب لالی نے خود نہیں بتایا بلکہ یہ تو میں نے اتفاق سے سن لیا جب وہ اپنی ساس کو بتا رہی تھیں۔

''کیا...... مورے کو؟'' طلال نے اچنبھے سے اس کی طرف دیکھا۔ دوسرے پل ایک قدرے افسردہ سی سانس کھینچ کر سر سیٹ کی پشت سے لگا دیا اور ہارن پر انگوٹھا رکھ کر زور زور سے دبانے لگا۔

''تو مورے کے علم میں بھی یہ سب کچھ آ چکا ہے۔ لالی اتنی احمق ثابت ہو گی، مجھے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا۔'' وہ شدید ملال کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔

آئس کریم بار سے لڑکا ہارن کی آواز پر بھاگتا ہوا آیا تھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا کپ اسے تھما دیا اور جیب سے والٹ نکال کر پیسے نکالنے لگا۔ روشانہ نے بھی اپنا کپ اسے تھما دیا۔ دونوں کا دل ایک ہی افسردگی سے بجھ کر رہ گیا تھا۔

گاڑی آئس کریم بار کے پارکنگ لاٹ سے نکالتے ہوئے طلال نے کچھ سوچ کر اس کی طرف دیکھا۔

''تمہیں یہ ساری باتیں کب معلوم ہوئیں؟''

''مہ وش کی مہندی والے روز۔''

''کتنے افسوس کی بات ہے اور تم مجھے آج بتا رہی ہو۔'' اس کا انداز ملامت آمیز تھا مگر روشانہ کی اٹھنے والی شکوہ کناں نگاہوں نے اسے جلد ہی خفیف سا کر دیا۔ اسے خیال آ گیا کہ تب تک خود ان دونوں کے مابین بھی بدگمانی کا سفر جاری تھا۔

''آئی ایم سوری۔'' اس نے اس کے رخ پھیر لینے پر نرمی سے اس کا چہرہ اپنی طرف موڑا۔ ''میرا یہ شکوہ نہایت فضول ہے، بلکہ مجھے تو تمہارا ممنون ہونا چاہیے کہ تم نے مجھے ان باتوں سے آگاہ کیا۔ وہ بے وقوف کتنا بڑا نقصان اٹھا لیتی۔''

''خدا نہ کرے کہ ایسا کوئی نقصان انہیں ہو۔'' وہ ہل گئی۔ اس کا دل سوکھے پتے کی طرح لرز گیا۔ ''آپ مصطفیٰ کو سمجھا تو سکتے ہیں نا کہ وہ لالہ رخ کے ساتھ اس طرح بی ہیو نہ کریں اور انہیں صحیح صورت حال سے آگاہ کر دیں۔'' اس نے کہا تو طلال کے لبوں پر ایک پھیکی افسردہ سی مسکراہٹ پھیل کر بکھر گئی۔

''ایسے معاملوں میں تیسرا فریق کچھ نہیں کر سکتا۔ وہ اس بارہویں کھلاڑی کی طرح ہوتا ہے جو میدان میں ہونے والے تماشے کو مسلسل ایک اضطراب سے دیکھتا تو رہتا ہے مگر کچھ کر نہیں سکتا۔ بہت کچھ کرنے کی خواہش مگر کچھ نہ کر سکنے کی بے اختیاری کے ساتھ بیٹھا فقط تماشا

دیکھتا رہتا ہے۔''

''تو کیا آپ بھی تماشا دیکھتے رہیں گے؟'' اس نے بے قراری سے پوچھا۔ طلال نے کوئی جواب نہیں دیا اور گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی۔

☼☆☼

پتہ نہیں تھوڑی سی خوشیاں بہت سارے غموں کے ساتھ ہی کیوں ملتی ہیں۔ دکھ کا دریا، جولانی پر ہو تو سکھ کے پنچھی زیادہ دیر وہاں قیام نہیں کرتے، اُڑ جاتے ہیں اور کسی ٹھہرے ہوئے ساحل پر اُتر جاتے ہیں۔

وہ تھکن اتارنے کی غرض سے انہی کپڑوں سمیت بستر پر دراز تھی جب فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ یہ گھنٹی اس کے تھکے پژمردہ اعصاب کو عجیب تکلیف دہ لگنے لگی۔ پہلے تو اس نے سوچا دوسرے ایکسٹینشن پر کوئی اٹھا لے گا مگر شاید ولیمے سے واپسی پر سب کا ہی تھکن سے برا حال تھا۔ پڑتے ہی ہر کوئی سو گیا تھا۔ فقط وہی جاگ رہی تھی اور اپنے سوئے ہوئے بخت پر نوحہ کناں تھی۔

بادل ناخواستہ اس نے ریسیور اٹھا کر ہتھوڑے کی طرح لگنے والی اس گھنٹی کا گلا گھونٹا تھا۔ دوسری طرف تانیہ تھی۔ وہ اس کی آواز سن کر ہیلو کر کے یکدم چپ ہو گئی۔

''ہیلو، ہیلو......'' جبکہ تانیہ اس کی خاموشی پر اسے پکارنے لگی۔ پھر بولی۔ ''لالہ رخ! پلیز فون بند مت کرنا۔'' اس کا لہجہ لجاجت آمیز تھا۔

''مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی۔''

''دیکھو...... دیکھو پلیز، اس طرح مت کرو، صرف ایک بار میری بات سن لو۔''

''آخر تم دونوں بہن بھائی میرا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتے ہو؟ میری زندگی عذاب تو بنا ہی چکے ہو، اب کیا چاہتے ہو؟'' تانیہ کی آواز نے اس کی آنکھوں میں اپنی بنجر زندگی کا سارا غم دھوئیں کی طرح بھر کر رکھ دیا تھا۔

غصے اور نفرت سے اس کے دماغ کی رگیں چٹخنے لگیں۔ اسے تو اب یقین سا ہونے لگا تھا کہ دوسری بار بھی اس کا گھر تباہ کرنے والی تانیہ ہی تھی۔

''میں جانتی ہوں تم ہماری آواز تک سننا گوارا نہیں کرو گی، ہم سے تمہارا کوئی تعلق نہیں رہا ہے۔ اور جب تعلق تھا بھی تو فقط ہماری طرف سے تمہیں دُکھ اور اذیتیں ہی ملی تھیں۔'' تانیہ کے ہاتھ سے سیف الرحمٰن کی والدہ نے فون لے لیا تھا۔

''ہم اپنے کیے کی سزا بھگت رہے ہیں لالہ رخ! کیا تم ہمیں معاف کر سکتی ہو؟'' وہ مغموم

لہجے میں بولی۔ ''تانیہ کو معاف کر دو، اس کا گھر اُجڑ رہا ہے۔ وہ سیفی کے جذباتی رویوں کی بھینٹ چڑھ رہی ہے۔ اس کی بچی رُل جائے گی۔ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑ کر تم سے التجا کرتی ہوں، تم سیف الرحمٰن کو سمجھاؤ، اسے اس اقدام سے تم ہی باز رکھ سکتی ہو۔ اس نے صبوحی کو چھوڑ دیا تو میری دونوں بچیاں بے قصور ماری جائیں گی۔'' وہ گڑگڑانے لگیں۔ ''خدا کے لئے، میں تم سے بھیک مانگتی ہوں، صبوحی کا گھر بچا لو، تانیہ کا گھر بچا لو، اسے اپنی محبت کا واسطہ دے کر سمجھا لو، وہ ایسا کچھ نہ کرے۔'' ان کا زار زار رونا اور گڑگڑاتا ہوا لہجہ ایسا تھا گویا کوئی ڈوبنے والا ساحل پر کھڑے شخص سے اپنی زندگی کی بھیک مانگ رہا ہو، موت کے پنجے میں گرفتار ہونے والا، ذرا سی زندگی کا خواہاں ہو۔

لالہ رخ کے لئے ان کا یہ لہجہ بالکل نیا تھا۔ جس کے لہجے میں ہمیشہ سانپ کی پھنکاریں ہوا کرتی تھیں، جس کے انداز میں نخوت اور تنفر کی تیز دھار چھریوں جیسی کاٹ ہوا کرتی تھی، اس کا لہجہ اتنا پست، اتنا عاجزانہ بھی ہو سکتا تھا؟

''وہ ہماری کوئی بات سننے تک کو تیار نہیں ہے، اس نے صبوحی کو میکے بھیج دیا ہے، جواباً ہارون نے تانیہ کو گھر سے نکال دیا ہے۔ رحم کرو ہم پر، اسے سمجھاؤ کہ وہ صبوحی کو گھر میں بسا لے۔ میری بچیوں کو اُجڑنے سے بچا لے۔ میں برباد ہو جاؤں گی، کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گی۔''

لالہ رخ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اسے اپنے دماغ کی رگیں پھٹتی محسوس ہونے لگیں۔ شدتِ کرب سے اس نے لب دانتوں میں جکڑ لئے تھے۔

کس محبت کا واسطہ؟ اس محبت کو تو فنا ہوئے ایک عرصہ گزر گیا ہے۔ سوکھی اور بنجر زمین میں تکلیف دہ یادوں کے فقط کانٹے اُگے ہوئے ہیں، کوئی پھول نہیں۔ اس ریت میں فقط کھردری جھاڑیاں اُگ سکتی ہیں اور اُگی ہوئی ہیں۔

''کیا تم میری بات سن رہی ہو لالہ رخ؟'' ان کی رندھی ہوئی آواز کرب سے پھٹ رہی تھی مگر اس نے کوئی جواب دیئے بغیر ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

سیف الرحمٰن کو محبت کا واسطہ دے کر تانیہ کا گھر بچا لوں۔ صبوحی کی خوشیاں بچا لوں مگر کوئی میرے دُکھ کا تریاق بھی تو بنے، میرے گھر کا بچانے والا بھی تو ہو، میری خوشیاں لوٹانے والا بھی تو......

اس نے ایک اذیت کے عالم میں لب بھینچ لئے، اس کا سارا وجود یوں جلنے لگا جیسے سوکھی لکڑیوں کے ڈھیر میں تڑ تڑ آگ لگ گئی ہو۔

گھنٹی پھر بجنے لگی۔ اس نے سلگتی نظروں سے ریسیور کو گھورا اور جھٹکے سے اٹھا کر کان لگاتے ہوئے پھٹ پڑی۔

''آپ کو آج تانیہ کے اُجڑنے کا غم ستا رہا ہے مگر میرا گھر جو دوسری بار بھی آپ کا ۔ اُجاڑ رہا ہے اس کا غم نہیں، تانیہ اور صبوحی کے بچے رُل جائیں گے اور میرا بیٹا ایک بار پھر نا باپ کے ہو گیا ہے اس کی فکر نہیں۔ میں نے تانیہ کو کبھی بد دعائیں نہیں دی ہیں مگر اب دوں گی۔ اس لئے کہ اس نے یہ زہر میری زندگی میں گھولا ہے۔ میں سیف الرحمٰن کو بھی بد دعائیں دوں گی۔ اس نے میرا ہنستا بستا گھر اجاڑا ہے، میرے شوہر کو مجھ سے متنفر کیا ہے، میں آپ لوگوں کو کبھی معاف نہیں کروں گی، کبھی نہیں کروں گی۔''

دوسری طرف ریسیور میں گہری خاموشی چھا گئی تھی اور چند لمحے توقف کے بعد لائن ڈس کنکٹ ہو گئی تھی۔ اس نے بھی ریسیور پھینکا اور قالین پر بیٹھ کر گھٹنوں میں سر دے لیا۔

دل چاہ رہا تھا کائنات کی ہر چیز تہس نہس کر دے، اس طرح اجاڑ دے جس طرح اس کے دل کی بستی اُجڑی ہے۔

اس کا ضبط کسی بوسیدہ چادر کی طرح پھٹتا چلا گیا۔ ضبط کا وہ چولا جو اس نے مسلسل کئی دنوں سے پہن رکھا تھا، وہ ریزہ ریزہ ہونے لگا۔ مورے جو کب سے دروازے میں آ کر کھڑی تھیں، ایک تاسف کی زد میں آ کر رہ گئی تھیں۔

اُمید کھیل نہیں ہوتی، یہ دل کی رگوں کے ساتھ جڑی ہوتی ہے۔ امید کی لو جتنی تیز ہوتی ہے، یہ بجھتی ہے تو اتنا ہی خون جلا ڈالتی ہے، رگ رگ کو ڈھلے کپڑوں کی طرح نچوڑ ڈالتی ہے اور وہ جانتی تھیں، وہ بری طرح ٹوٹی ہے اور اب بجھتی آنکھیں سارا لاوا بہائے دے رہی تھیں۔

ایک موہوم سی آس تو اب تک اس کا دل بھی پکڑے ہوئے تھی کہ مصطفیٰ یونہی اچانک آ جائے گا، اس کا غصہ اتر گیا ہو گا۔ مگر جس طرح سحر ڈھل جاتی ہے یہ اُمید بھی اسی سحر کے ساتھ ڈھل گئی تھی اور تاریک رات کے سینے پر سر رکھے وہ بھی اپنی آخری دم توڑ جانے والی امید کا ہی دراصل ماتم کر رہی تھی۔

''کیوں دل جلاتی ہو اپنا؟'' وہ اس کے نزدیک آ کر بیٹھ گئیں اور اس کے جھکے ہوئے سر پر ہولے سے اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ ''جن دلوں میں محبت ہوتی ہے نا وہ دل بڑے حساس اور انا پرست ہوتے ہیں اور ایسے دل پر جب ضرب پڑتی ہے تو وہ نہ صرف خود ٹوٹ جاتے ہیں بلکہ اوروں کو بھی توڑ پھوڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ پگلی، کیوں تم نے ایسا کیا؟'' ان کا دل بھی اس کے غم کی آنچ سے پگھلنے لگا تھا۔

"مورے، وہ کیوں نہیں آئے؟ کیوں نہیں آئے وہ؟" انہیں دیکھ کر وہ بے اختیار ہوگئی
لگتا ان کی گود میں سر ڈال کر کھل کر رو پڑی۔ ایک متاسفانہ سانس مورے کے سینے کی کھنڈر یہ
بھی نکل گئی۔ ان کا ہاتھ اس کے بالوں میں الجھ گیا۔ وہ دھیرے دھیرے اسے تھپکنے لگیں۔
کیا تسلی و تشفی کے الفاظ ان کے ہونٹوں پر فقط پھڑپھڑا کر رہ گئے۔ جملوں کی بے مائیگی کا
احساس ہو جائے تو لفظ گرفت میں نہیں آپاتے۔

وہ سوچنے لگیں وہ کس طرح اور کیسے اس کے دُکھے ہوئے دل پر مرہم رکھیں؟ کہاں سے
وہ دوا لائیں جو اس کے درد کا مداوا بن سکے، جو رستے لہو کو روک سکے۔

"وہ پگلا بچپن سے ایسا ہی ہے، کبھی کسی بات پر نہیں روٹھتا، کوئی بے جا ضد نہیں کرتا۔ مگر
جو کبھی روٹھ گیا تو پھر اسے مناتے مناتے میں تھک جاتی تھی۔ اس کی ضدیں بڑی کڑی ہوتی
تھیں۔ خود کو بھی اس ضد کی آگ میں جلائے ڈالتا تھا۔ وہ خفا نہیں ہوتا تھا، بڑی سے بڑی
بات بھی سہہ لیا کرتا تھا مگر جب کبھی خفا ہو جاتا تو پھر یونہی خون کے آنسو رُلا دیتا تھا۔" وہ
ایک اضمحلال سے اسے بتا رہی تھیں۔

"کیا میں بھی خون کے آنسو رو رو کر مر جاؤں گی، تب وہ آئیں گے؟" وہ سر اٹھا کر دل
گرفتگی سے انہیں دیکھنے لگی۔

"خدا نہ کرے۔ ایسی بد فال منہ سے نہیں نکالتے۔" انہوں نے دہل کر جلدی سے اس
کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا اور اس کے آنسو پونچھتے ہوئے بولیں۔ "وہ ضرور آئے گا۔ اسے آنا
ہی پڑے گا۔"

"کب آئیں گے...... کون ان کے دل کو صاف کرے گا؟ یہ بدگمانی کا زہر کیسے نکلے
گا؟" وہ ان کا ہاتھ تھام کر سسک پڑی۔

"بے شک یہ بدگمانی سیاہ رات کی مانند ہوتی ہے، ہیبت ناک اور وحشت ناک۔ مگر
بہرحال اس کا سینہ سحر کی کرن پھاڑ دیتی ہے، اجالا مدھم بھی ہو تو گہری سے گہری تاریکی کو
کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔ تم دل کیوں چھوٹا کرتی ہو، وہ ضرور آئے گا۔ میرا دل گواہی دیتا ہے وہ
ضرور آئے گا۔" ان کا لہجہ تھپکتا ہوا تھا۔ وہ اس کے چہرے کی بھیگی لٹوں کو نرمی سے سہلانے
لگیں۔

اُداس موسم کے رت جگوں میں
ہر ایک لمحہ بکھر گیا ہے
پھر ایسے موسم میں کون آئے

کوئی تو جائے
ترے نگر کی مسافتوں کو سمیٹ لائے
تری گلی میں ہماری سوچیں بکھیر آئے
تجھے بتائے کہ کون کیسے
اچھالتا ہے وفا کے موتی تمہاری جانب
کوئی تو جائے میری زباں میں تجھے بلائے، تجھے منائے
تو اپنے دل کو بھی چین آئے

⁂

دوسرے دن حنا فون پر روشانہ سے کہہ رہی تھی۔

"کہو جی حضور! سفر کیسا کٹا؟ ہم نے تو بڑے حسین ہمسفر کے ساتھ روانہ کیا تھا۔"

روشانہ جھینپ کر ہنس پڑی۔ "بدتمیز لڑکی! تم آؤ پھر بتاتی ہوں۔"

"آہ، ہاں۔ دل تو چاہ رہا ہے ابھی اُڑ کر آ جاؤں اور تمہارا یہ چندے آفتاب چندے
ماہتاب چہرہ دیکھوں مگر آفاق سر پر ڈنڈا لئے کھڑے ہیں۔"

"ایسے ہی ڈنڈا لئے کھڑے ہیں، میرے داماد کو بدنام کر رہی ہو؟" وہ شرارت سے بولی
تو اس کے داماد کہنے پر حنا نے چھت پھاڑ قہقہہ لگایا۔

"آہستہ۔ لگتا تو نہیں ہے وہ سر پر کھڑے ہیں۔" وہ خود آہستہ آواز میں باتیں کر رہی
تھی۔ لونگ روم میں ہی وہ سب موجود تھے۔ طلال اخبار میں سر دیئے تھا جبکہ سعدیہ بھابی،
خرم اور جلال بھائی کے لئے میز پر ناشتہ لگا رہی تھیں۔

حنا زیادہ پٹری سے اترنے لگی تو اس نے فون کے قریب بیٹھی پلوشہ کو پکڑا دیا۔

لالہ رخ چائے کا مگ تھامے لونگ روم میں بیٹھیں رفیعہ بیگم اور مورے کو چائے دیتے
ہوئے خرم سے بولی۔

"حمزہ کو تم نے مجتبیٰ کے ساتھ کیوں بھیج دیا تھا، اب وہ اسے پریشان کرے گا۔"

"نہیں، مجتبیٰ کے ساتھ تو حمزہ نہیں گیا ہے، وہ تو میری بائیک لئے صبح آٹھ بجے کا ہی نکل
گیا ہے۔" خرم نے پراٹھے کا نوالہ توڑتے ہوئے جواب دیا۔

"آچ...... چھا، لو میں سمجھ رہی ہوں وہ حمزہ کے ساتھ گیا ہے۔ صغریٰ، دیکھو ذرا حمزہ کدھر
گیا ہے۔ باہر مالی بابا کے پاس چلا گیا ہوگا اور کپڑے اب مٹی والے کر کے آئے گا۔ یہ لڑکا
جدھر دروازہ کھلتا ہے، سیدھا باہر بھاگتا ہے۔" وہ چائے کا مگ لے کر مورے اور رفیعہ بیگم

کے نزدیک قالین پر بیٹھ گئی۔

"ان لڑکوں نے اس کی عادت بگاڑ دی ہے۔ جب دیکھو کوئی لڑکا اسے لئے باہر نکل جاتا ہے۔" رفیعہ بیگم ہنس دیں۔

"میں حمزہ کو اپنے ساتھ ہی لے کر جاؤں گی، اس کے بنا مجھے تو گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔" مورے نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو طلال نے بے ساختہ اخبار سے نظریں ہٹا کر لالہ رخ کی طرف دیکھا تھا۔ وہ سر جھکائے چائے سے اٹھنے والی بھاپ پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔

"آنٹی، اپنی بہو کو کیا ادھر ہی چھوڑ جائیں گی، فقط حمزہ ہی کو کیوں؟" اس نے اخبار رول کر کے تپائی پر رکھ کر مورے سے کہا۔ بظاہر اس کا انداز شگفتہ سا تھا مگر اس کی اٹھنے والی نظریں لالہ رخ کے چہرے کا بہت جانچنے والے انداز میں جائزہ لینے لگیں۔

روشانہ نے گھبرا کر طلال کو، پھر لالہ رخ کی طرف دیکھا تھا۔

"یہ کچھ دن اور رہنا چاہتی ہے۔" مورے جلدی سے بولیں۔

"کچھ دن تو رہ چکی ہے۔"

"تم مجھے کیوں گھر سے نکالنے کے درپے ہو؟ کیا بہت کھٹکنے لگی ہوں تمہیں؟" لالہ رخ نے چائے کی چسکیاں بھرتے ہوئے اسے گھور کر دیکھا۔

"اصولاً تو بیاہی بیٹیاں زیادہ عرصے میکے میں رہیں تو کھٹکتی ہی ہیں۔ کیوں امی؟" اس نے براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکا، پھر رفیعہ بیگم کی طرف دیکھا۔

"اے ہے لڑکے! خدا نہ کرے جو بیٹیاں کھٹکنے لگیں۔" رفیعہ بیگم اس کے مذاق پر اسے آنکھیں دکھانے لگیں۔ سمدھن کی موجودگی میں طلال کا یہ مذاق انہیں کچھ بھایا نہیں تھا۔

"تم فکر مت کرو، تمہاری بیوی کے اس گھر میں آنے سے پہلے میں چلی جاؤں گی۔" وہ جانے کیوں سنجیدہ ہو گئی اور اٹھنے لگی کہ طلال نے اس کی کلائی پکڑ لی اور زیر لب مسکراتے ہوئے بولا۔

"ناراض ہونے کی ضرورت نہیں ہے، میں مذاق کر رہا ہوں۔" وہ کوئی جواب دیتی، صغریٰ پریشان سی چلی آ رہی تھی۔

"باجی جی...... حمزہ تو کہیں نہیں ہے۔ میں نے سارا ہی گھر چھان لیا ہے۔ مالی بابا تو آج آیا ہی نہیں ہے۔"

"ہائے رب خیر۔ کیا بک رہی ہے؟ کہیں بھی نہیں ہے سے کیا مطلب؟ جا ذرا آنکھیں کھول کر دیکھ، جاذب یا عادل کوئی اوپر لے کر چلا گیا ہوگا۔" رفیعہ بیگم نے دہل کر اسے

ڈپٹ دیا۔

"اوپر بھی نہیں ہے جی، میں ابھی ادھر سے ہی تو ہو کر آ رہی ہوں۔" صغریٰ ان کے حواس بکھرائے جا رہی تھی۔

"میں دیکھتی ہوں۔" لالہ رخ نے چائے کا مگ قالین پر ہی رکھا اور لونگ روم سے باہر نکل گئی۔ اس کے پیچھے صغریٰ نکلی...... مورے اور رفیعہ بیگم سے بھی بیٹھا نہ گیا۔

"خدا خیر کرے۔ کھیلتے کھیلتے کہیں باہر نہ نکل گیا ہو۔"

"آپ لوگ پریشان نہ ہوں، یہیں کہیں ہوگا۔ میں دیکھتا ہوں۔" طلال انہیں تسلی دیتا ہوا باہر کی طرف دوڑ گیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے پورا گھر حواس باختہ ہو گیا تھا۔ جاذب اور عادل بھائی زینہ اترتے ہوئے لالہ رخ کو زار زار روتے دیکھ کر پریشان ہو گئے۔

"کیا ہوا؟" وہ اپنے کفلنک بند کرنا بھول گئے۔

"حمزہ کا کہیں بھی پتہ نہیں ہے بھائی جان!" سعدیہ بھابی نے لالہ رخ کو تھپکتے ہوئے ان کو جواب دیا۔

"وہاٹ......؟" اوپر کھڑا جاذب بھی تیزی سے بقیہ زینے پھلانگتا نیچے اترا تھا۔ اس کے پیچھے روبی بھابی تھیں، حواس باختہ سی۔

"لالی! کیا کہہ رہی ہو یہ؟ دیکھو یہیں کہیں ہوگا۔" جاذب نے خواتین کے ہراساں چہروں کی طرف دیکھا اور خرم کی طرف بڑھا جو مجتبیٰ کے موبائل پر اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے شاید ایک موہوم سی امید تھی کہ مجتبیٰ اسے اپنے ساتھ بائیک پر بٹھا کر لے گیا ہو۔ مگر ادھر سے مجتبیٰ نے نہ صرف نفی میں جواب دیا بلکہ خرم کے استفسار پر خود بھی پریشان ہو گیا۔

خرم موبائل آف کرتے ہوئے بے حد تشویش آمیز نظروں سے جاذب کو دیکھنے لگا۔

عادل اور طلال پورا محلہ چھان آئے تھے مگر حمزہ کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ ان دونوں کو متفکر سا واپس آتے دیکھ کر لالہ رخ کی اُمید بھری نظریں وحشت سے بھر گئیں۔ اس کا دل سینے میں بڑے زور سے پھیلا اور سکڑا تھا۔ اس نے اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ لیا مگر آنسوؤں سے بھری آنکھوں کو نہ روک پائی تھی۔ سعدیہ بھابی اور روبی اسے تھامنے کو یک بیک لپکیں مگر وہ ان دونوں کو دھکیل کر عالم وحشت میں طلال کی جانب بڑھی۔ دوسرے پل اس کا بازو پکڑ کر چیختے ہوئے

''میرے بچے کو سیف الرحمٰن لے گیا ہے طلال! وہی اسے مجھ سے چھین کر لے گیا ہے۔ اسی نے کڈنیپ کیا ہے اسے۔''

اس کی بات پر کمرے میں موجود ہر شخص کو حیرت کا شدید دھچکا لگا تھا۔

مورے نے اذیت کے عالم میں ایک پل کے لئے آنکھیں میچ لی تھیں اور نڈھال سی ہو کر نزدیکی کرسی پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئیں۔

جس خوف کی آہٹ میں لالہ رخ اب تک سانس لے رہی تھی وہ خوف حقیقت کا روپ دھار کر بالآخر اس کی دہلیز پر چلا آیا تھا۔

☆

''یہ کیا کہہ رہی ہو لالی؟'' طلال نے نرمی سے اس کے دونوں ہاتھوں سے اپنا گریبان چھڑایا اور اس کے ہاتھ تھام لئے۔

وہ ہذیانی انداز میں روئے جا رہی تھی۔

''تم کیسے یقین سے کہہ سکتی ہو کہ اسی نے کڈنیپ کیا ہے حمزہ کو؟'' جلال بھائی نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ ان کی رگوں میں خون تیزی سے دوڑنے لگا تھا۔ وہ بے یقینی سے لالہ رخ کو تکے جا رہے تھے۔ باقی سب ہنوز اسی طرح حیرت اور خوف کے مشترکہ احساس سے لب بستہ تھے جیسے کسی کے منہ سے کوئی آواز نکلی تو دل شیشے کی طرح چھن کر ٹوٹ جائیں گے۔

''اس نے مجھے حمزہ کو چھین لینے کی دھمکی دی تھی۔'' وہ بمشکل حلق سے آواز کھینچ لائی تھی اور دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر صوفے پر جا کر بیٹھ گئی اور بلک بلک کر روتے ہوئے بولی۔

''خدا کے لئے مجھ سے مزید کچھ مت پوچھیں۔''

جلال بھائی دم بخود اسے دیکھتے رہ گئے۔ کمرے میں ایک بار پھر وحشت ناک خاموشی چھا گئی۔ مگر خاموشی کا یہ بوجھل وقفہ مختصر رہا۔ طلال ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے ملامت آمیز نظروں سے لالہ رخ کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''ہاں جلال بھائی! لالی ٹھیک کہتی ہے۔''

مورے نے لالہ رخ کو تھپکتے ہوئے بے ساختہ طلال کی طرف دیکھا تھا جبکہ لالہ رخ نظریں اٹھانے کی ہمت نہ کر پا رہی تھی۔

''اس کمین آدمی سے ہر توقع کی جا سکتی ہے۔ اور ثانیہ سے اس کا ملنا ملانا، یہی دن دکھا سکتا تھا۔ ہم تو اس کے دشمن ہیں نا، ہمارا روکنا ٹوکنا، سمجھانا اسے ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ ہماری نصیحتیں اسے ہم سے متنفر کرتی ہیں۔ یہ بہت عقل مند ہو گئی ہے جلال بھائی! اسے اپنی عقل اور سمجھ پر بہت ناز تھا۔'' طلال کی آواز جوش و غضب سے بلند ہو گئی تھی۔ اس کے لہجے میں ملامت، تاسف، سبھی کچھ تھا۔

لالہ رخ کے آنسو اور تواتر سے بہنے لگے۔

''میں اس ذلیل آدمی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اب وہ میرے ہاتھوں بچ کر کیسے جاتا ہے، میں بھی دیکھتا ہوں۔'' وہ غصے سے پلٹا اور پیروں میں آئی تپائی کو لات مارتا ہوا باہر کی طرف نکل گیا۔

''جلال، جاذب اسے روکو، خدا کے لئے اسے پکڑو...... یہ کہیں سچ مچ اسے مار نہ ڈالے۔'' رفیعہ بیگم کا سکتہ ٹوٹا تھا۔ وہ طلال کے جنونی انداز کو دیکھ کر دہل کر رونے لگیں۔

جاذب اور خرم اسے پکڑنے کے لئے تیر کی طرح کمرے سے نکلے تھے۔

''ہوش میں آؤ طلال، یہ کیا پاگل پن ہے۔'' جاذب نے اسے پورٹیکو میں ہی جالیا۔

''اس سے میرے بہت حساب نکلتے ہیں جاذب! میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔'' وہ جاذب کی گرفت سے اپنا بازو جھٹک کر گاڑی کھولنے لگا۔

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے وہ قابل سزا ہے۔ مگر تم اپنے اعصاب کو پہلے کنٹرول میں رکھو۔ زیادہ غضب ناک ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر حمزہ کو اسی نے کڈنیپ کیا ہے تو اسے بازیاب کرنا کوئی مشکل نہیں ہوگا۔'' جاذب جلدی سے فرنٹ ڈور کھول کر سیٹ پر بیٹھ گیا اور اس کے ہاتھ سے چابی جھپٹ لی۔

''اس نے فقط حمزہ کو ہی اغوا نہیں کیا ہے، لالی کا گھر بھی اس نے اپنے طور پر برباد......'' وہ یکدم لب بھینچ کر رہ گیا اور اسٹیئرنگ پر زور زور سے مکے مارنے لگا۔

''کیا مطلب؟'' جاذب چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ لب بھینچے سر جھکائے بیٹھا رہا۔ ''تو کیا وہ لالی کو بلیک میل کر رہا ہے؟'' جاذب کا لہجہ اس اندیشے سے دھیما ہو گیا۔ اس کی نظریں طلال کے چہرے پر جم گئیں۔

''ہاں۔''

''وہاٹ؟ مگر...... مگر یہ بات تو طیفی پہلے سے ہی جانتا تھا کہ لالہ رخ کو ڈائیورس ہو چکی ہے اور ڈائیورس کی وجہ بھی وہ جانتا تھا۔ ساری باتیں اس کے علم میں تھیں۔ پھر وہ کیسے لالی کو بلیک میل کر سکتا ہے؟'' جاذب الجھ کر رہ گیا۔

''یہ سب لالہ رخ کی عقل مندی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ وہ اس شاطر کی دھمکیوں میں آ گئی۔ اینی وے، تم یہ چابی ادھر دو، اس کا دماغ تو اب میں ٹھکانے پر لگاؤں گا۔'' اس نے ہاتھ آگے کیا تو جاذب نے حیرت اور تشویش کے عالم میں چابی اس کی ہتھیلی پر رکھ دی اور سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

''اس نے ہم میں سے کسی پر بھی اعتماد نہیں کیا اور از خود ہر معاملے کو اپنے طور پر حل رنے کی کوشش کرنے لگی۔ حتیٰ کہ مصطفیٰ کو بھی اس نے بے خبر رکھا۔'' اس نے گاڑی ٹارٹ کر کے بے حد ریش انداز میں پورٹیکو سے باہر نکالتے ہوئے کہا۔

''جتنا سوچتا ہوں مجھے اس احمق عورت کا ہی قصور دکھائی دیتا ہے۔ مصطفیٰ کی جگہ کوئی بھی تا تو اس کا ردعمل یہی ہوتا جاذب! وہ کیونکر بدگمان نہ ہوتا جب اسے اعتماد میں لیا ہی نہ گیا ، اسے اعتبار کے قابل ہی نہ سمجھا گیا ہو۔ تم خود سوچو، ایک آدمی پہلے دن سے تنفر رویوں شکار رہا ہو تو اسے بدگمان ہونے میں کتنی دیر لگتی ہے، بس میں ایک چنگاری بھی بہت تی ہے۔''

جاذب اس نئی کہانی پر حیرت اور دکھ سے چپ بیٹھا رہ گیا تھا۔ پھر خاصی دیر بعد بے حد کر لہجے میں بولا۔ ''مگر ان سب باتوں کے بعد کیا ہوگا؟ کیا مصطفیٰ اس سے یونہی بدگمان ہے گا یا اس کا کوئی حل بھی ہے؟''

''اس بارے میں، میں کیا کہہ سکتا ہوں؟ نہ یقین سے کچھ کہا جا سکتا ہے۔ ان دونوں ے تعلقات کس نہج پر ہیں اس کی مجھے خود بھی ٹھیک سے خبر نہیں ہے۔ طیفی سے میرا کوئی رابطہ یں ہے اور لالہ رخ کچھ بتانے کو تیار نہیں ہے۔''

''وہ اس حد تک احمق ہوگی، مجھے اندازہ نہیں تھا۔'' جاذب متاسفانہ سانس بھر کر رہ گیا۔

''وہ اس سے بھی زیادہ احمق ہے۔ ابھی تمہیں اس کا اندازہ نہیں ہے۔'' وہ تلخی سے ہنس

اس نے گاڑی سیف الرحمٰن کے گھر کے آگے روک دی اور جھٹکے سے اپنی کار کا دروازہ ھول کر نیچے اترا تھا مگر اس سے پہلے جاذب تیر کی تیزی سے اتر کر اس کے سامنے آ گیا۔

''خود کو ٹھنڈا کرو طلال! اس طرح جذبات سے معاملہ سلجھنے کی بجائے مزید بگڑنے کا یشہ ہے۔ مجھے پہلے اندر کے حالات کا جائزہ لینے دو۔'' وہ متانت سے اسے سمجھانے لگا اور ن ڈور بجانے لگا۔

دروازہ ثانیہ نے کھولا تھا جسے دیکھ کر اسے اپنی رگوں میں آگ کی لپیٹیں اٹھتی محسوس ہونے ں۔ ثانیہ ان دونوں کو دیکھ کر حیرت سے منہ کھولے رہ گئی۔

''جی...... فف...... فرمائیے؟''

''اندر آنے دیجئے، پھر فرماتے بھی ہیں۔'' جاذب بظاہر دھیمے مگر سخت انداز میں بولا تو ہ نے میکانکی انداز میں دروازے کے ایک طرف ہو کر انہیں اندر آنے کا راستہ دے دیا۔

"سیف الرحمٰن کہاں ہے؟" اس نے اندر آ کر اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھا تو تانیہ لحظہ بھر کے لئے اپنا دل سینے میں ڈوبتا ہوا محسوس کرنے لگی۔

"وہ تو اس وقت گھر پر نہیں ہیں۔"

"اتنی صبح وہ گھر پر نہیں ہے؟ یہ کیسے ممکن ہے؟" طلال کو اس کے جواب پر یقین نہیں آیا۔ اس نے بمشکل خود پر قابو رکھا تھا۔ ورنہ تو دل چاہ رہا تھا اس گھر کی اینٹ سے اینٹ بجا دے۔

"جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسے بلاؤ، ہمیں اس سے کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں۔" جاذب کے ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بلا کی درشتی تھی۔

"مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے، آپ امی سے پوچھ لیجئے، وہ گھر پر نہیں ہیں۔ ہوتے تو آپ کی آواز سن کر خود ہی باہر آ جاتے۔" تانیہ سنبھل کر بولی۔

جاذب نے جائزہ لیتی نظروں سے اسے دیکھا، وہ جھوٹ نہیں بول رہی تھی، اس کے لہجے میں گھبراہٹ ضرور تھی مگر یہ گھبراہٹ کسی نادیدہ اندیشے، واہمے کے باعث تھی۔ وہ اپنی والدہ کی طرف دیکھنے لگی تھی جو ان کی آواز سن کر اپنے کمرے سے نکل کر اسی طرف چلی آ رہی تھی۔

"اس گھر سے ہمارے بڑے حساب نکلتے ہیں۔ مگر خواتین کی توہین کرنا، انہیں ڈرانا، دھمکانا ہمارا طریقہ نہیں ہے۔ غنڈہ گردی دکھا کر کوئی کام نکالنا مشکل نہیں ہے۔ مگر یہ ہم عزت دار لوگوں کی نہ عادت ہے نہ مزاج۔" طلال ضبط کئے کڑے تیوروں سے سیف الرحمٰن کی والدہ کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"مم...... میں سمجھی نہیں، کیا معاملہ ہے؟ آپ لوگ کیوں آئے ہیں یہاں؟ کیا چاہتے ہیں؟" وہ طلال اور جاذب کو باری باری حیرت اور کچھ خفت سے دیکھ رہی تھیں۔

"سیف الرحمٰن گھر سے صبح کتنے بجے نکلا ہے اور اس وقت وہ کہاں ہوگا؟" ان کی بات نظر انداز کرتے ہوئے جاذب نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں۔

"پتہ نہیں کہاں ہوگا۔"

"آپ اس کی ماں ہیں، کیا اس کے روز و شب کا علم آپ کو نہیں ہے، وہ کیا کرتا پھر رہا ہے، آپ بے خبر ہیں؟" جاذب بھی گویا پھٹ پڑا۔ اُسے احساس ہو گیا تھا کہ دونوں ماں بیٹیاں انجان بننے کی پوری کوشش کر رہی ہیں ورنہ یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اس کے گھناؤنے ارادوں سے بے خبر ہوں۔ آخر ان دونوں ماں بیٹی کا لالہ رخ کا گھر برباد کرنے میں ایک بڑا ہاتھ رہا تھا اور تانیہ کی نئے سرے سے آمد اور لالہ رخ سے میل جول بڑھانے کا کوئی نہ کوئی پس منظر تو یقیناً رہا ہوگا۔

"اس نے لالہ رخ کے بیٹے حمزہ کو کڈنیپ کیا ہے۔ کیا یہ بات آپ کے علم میں نہیں ہے؟" طلال نے براہِ راست ان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا تھا۔ وہ خوف سے زرد پڑ گئیں اور بدک کر پیچھے ہٹیں۔ ان کا منہ لحظہ بھر کھلا کا کھلا رہ گیا۔ دوسرے پل وہ ہذیانی ہو کر بولیں۔

"نہیں، خدا کی قسم میرے علم میں یہ بات نہیں ہے۔ وہ تو کل سے گھر آیا ہی نہیں ہے۔" ان کا بدن یکایک کانپنے لگا تھا۔ یقیناً یہ خبر ان کے اعصاب کے لئے بے حد بھاری ثابت ہوئی تھی۔ وہ نزدیکی کرسی پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئیں۔

"بس اسی بات کی کسر رہ گئی تھی۔ یہی خوف تو مجھے جکڑے ہوئے تھا، چین نہ لینے دے رہا تھا۔ دیکھا تانیہ! دیکھا تو نے، وہی ہوا نا جس کا مجھے دھڑکا لگا ہوا تھا۔ دیکھ کمینی، یہ سب تیرے ہی کارن ہوا ہے۔ اس بدبخت کو تو نے ہی یہ راستہ دکھایا ہے۔ آج اس نے میرے منہ پر یہ کالک مل دی۔ سن رہی ہے تو؟" وہ اچانک بھڑک اٹھیں اور تانیہ کو پیٹنے لگیں۔

"تو نے...... تو نے ہی دکھائی ہے اسے یہ راہ۔ میرے خدا، میں تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہ رہوں گی۔ یا اللہ، اس دن کو دیکھنے کو میں کیوں زندہ رہ گئی، مر کیوں نہ گئی؟"

"اماں، ہوش کرو۔ اس میں میرا کیا قصور ہے؟ میں نے کہا تھا کہ وہ حمزہ کو کڈنیپ کرے؟" تانیہ صدمے سے پہلے ہی نڈھال تھی توہین کے احساس سے تڑپ کر رہ گئی۔

زندگی تو پہلے ہی اجیرن ہو کر رہ گئی تھی، ہر روز ایک نیا تیر تقدیر کی کمان سے نکل کر اس کے سینے میں کھب جاتا تھا، اپنے کئے کی سزا جیسے وہ ہر لحظہ نئے انداز، نئی صورت میں کاٹے جا رہی تھی۔ لگتا تھا کانٹوں کی ایک فصل بوئی ہے جو اب اُگتی ہی چلی جا رہی ہے، کاٹے نہیں کٹ رہی ہے۔

"امی، سچ کہہ رہی ہیں۔ ہمیں اس بات کا علم نہیں ہے، وہ تو کل رات کے گھر سے نکلے ہیں، میں اپنی بچی کے سر کی قسم کھاتی ہوں، ہمیں خبر نہیں ہے۔" وہ زمین پر کھیلتی بچی کو اٹھا کر اس کے سر پر جلدی سے ہاتھ رکھ کر قسم کھانے لگی۔

جاذب ہتھیلیاں بھینچ کر رہ گیا۔

"میں تو خود رُل گئی ہوں۔ کل لالہ رخ کو فون کر کے میں نے اس بچی سے اپنے کئے کی معافیاں مانگی تھیں۔ بھلا میں اس بدبخت کے ایسے کاموں میں ساتھ دے سکتی ہوں؟ کسی ماں سے اس کا بچہ چھیننے کا گناہ کبیرہ میں نہیں کر سکتی۔ میں لاکھ بری سہی مگر کسی ماں کا کلیجہ نہیں نوچ سکتی۔ اس کی گود نہیں اجاڑ سکتی۔ پہلے ہی میں اپنے کئے کی سزا کاٹ رہی ہوں۔ مجھے بھی

خدا کو منہ دکھانا ہے۔ ایسے ظلم میں نہیں کر سکتی۔"

جاذب اور طلال کے لئے سیف الرحمٰن کی والدہ کا رونا کسی قسم کی تسکین کا باعث نہیں تھا۔ بلکہ یہ سوچ ان دونوں کو پریشان کر رہی تھی کہ اگر سیف الرحمٰن، حمزہ کو لے کر گھر نہیں آیا تو کہاں جا سکتا ہے۔

"اس کا کچھ اتا پتہ تو آپ کو ہو گا کہ وہ کہاں جا سکتا ہے، اس کے آفس کے علاوہ اس کا اور کوئی دوسرا ٹھکانہ ہے؟" جاذب متفکر ہو کر پوچھنے لگا۔ "کوئی جان پہچان، کوئی دوست احباب، جس سے وہ یہ سب شیئر کر سکتا ہو؟"

"ان کے زیادہ تو کوئی دوست وغیرہ نہیں ہیں۔ بس چند ایک ہیں، آپ ٹھہریں میں ان کے کمرے میں دیکھتی ہوں۔ ان کی ڈائری وغیرہ میں ان کے دوستوں کے ٹیلی فون نمبر، ایڈریس وغیرہ ہوں شاید۔" تانیہ اپنی بچی کو گود سے اتار کر پلٹ کر سیف الرحمٰن کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کا ذہن حقیقتاً بکھر کر رہ گیا تھا۔ اسے سیف الرحمٰن سے یہ انتہائی قدم اٹھانے کی توقع نہیں تھی۔ وہ ہر ممکن ان کی اس معاملے میں مدد کرنا چاہ رہی تھی۔ چند ایک دوستوں کے ٹیلی فون نمبرز اور ایڈریس کاغذ پر لکھ کر وہ جاذب کو دیتے ہوئے بولی۔

"آپ یہاں ٹرائی کرلیں۔ ویسے میرا نہیں خیال کہ وہ ان میں سے کسی پر اعتماد کرتا ہو۔" تانیہ آہستگی سے بولی۔ (بد اعتمادی کا شکار نہ ہوتا تو گھر کیوں توڑتا) طلال اس کی بات پر تمسخر سے سوچ کر رہ گیا۔

جاذب کچھ دیر پوچھ گچھ کرتا رہا، اس کے آنے کی ٹائمنگ، اس کی مصروفیات حتیٰ کہ اس کی گاڑی کا کلر وغیرہ معلوم کر رہا تھا۔ طلال خاموشی سے گھر سے باہر نکل گیا۔

دن بھر کی دوڑ دھوپ کے بعد بھی کچھ ہاتھ نہیں آیا تھا سوائے مایوسی، افسردگی اور ناکامی کے۔

✻☆✻

اُداسی
تم اسے کہنا
ہوا کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے
اور صدا ویران پھرتی ہے
تیرا بچھڑا ہوا
اُجڑے ہوئے شہروں میں اکثر بھاگتا پھرتا ہے

اکثر جاگتا پھرتا ہے
سو پایا نہیں ہے
اور اُداسی تم اسے کہنا
تمہی دُکھ میں نہیں ہو
ہم بھی اپنی راکھ
ہاتھوں میں لئے اور سسکیاں لیتی ہوئی
تنہائیوں کے بال کھولے بین کرتے ہیں
اُداسی! تم اسے کہنا
تمہی دُکھ میں نہیں تنہا
یہاں پر بھی ہوا کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے
خلا جو ذات کی ہر چار دیواری کے اندر ہے
کبھی بھی بھر نہ پائے گا
یہاں بھی
ہر صدا ویران پھرتی ہے

مصطفیٰ خان کے دماغ میں رات بھر لالہ رخ کی سسکیوں بھری آواز دھمک کی طرح گونجتی رہی۔ اسے لگ رہا تھا ہر طرف اس کی چیخیں، بلکتی سسکتی آوازیں امڈ رہی ہوں۔ "آپ کو آج تانیہ کے اُجڑنے کا غم ستا رہا ہے۔ مگر میرا گھر جو دوسری بار بھی آپ کا بیٹا اُجاڑ رہا ہے، اس کا غم نہیں۔ تانیہ اور صبوحی کے بچے رُل جائیں گے، یتیم ہو جائیں گے، اس کی فکر ہے اور میرا ایک بیٹا ایک بار پھر بن باپ کے ہو گیا ہے، اس کی خبر نہیں۔ میں نے تانیہ کو کبھی بددعائیں نہیں دی ہیں مگر اب دوں گی۔ اس لئے کہ اسی نے یہ زہر میری زندگی میں گھولا ہے۔ میں سیف الرحمٰن کو بھی بددعائیں دوں گی، اس نے میرا ہنستا بستا گھر اجاڑا ہے، میرے شوہر کو مجھ سے متنفر کیا ہے۔ میں آپ لوگوں کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔ سیف الرحمٰن کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔ اس نے میرے شوہر کو مجھ سے متنفر کیا ہے۔"

وہ ایک وحشت کے عالم میں بستر سے اتر گیا اور سلیپر پہن کر کمرے سے باہر آ گیا۔ لمبی سی راہداری اس کے دل کی طرح سنسان پڑی تھی۔ اس اجڑے مزار کی طرح جہاں برسوں سے کوئی آیا نہ گیا ہو۔

کل رات اس نے یونہی لالی کا نمبر ملا لیا تھا، یہ سوچ کر کہ مہ وش کا ولیمہ ہے، وہ سب

جاگ ہی رہے ہوں گے، وہ حمزہ سے بات کر لے گا۔ پتہ نہیں حمزہ ہی سے بات کرنے کی خواہش تھی یا دل کے کسی گوشے میں لالی کی آواز سننے کی موہوم سی خواہش، راکھ میں دبی چنگاری کی طرح ہولے ہولے سلگ رہی تھی۔

فون اسی نے ریسیو کیا تھا مگر سیف الرحمٰن کی ماں کے دھوکے میں وہ بھری بیٹھی تھی اور جو جملے اس کے منہ سے ادا ہو کر اس کی سماعت سے ٹکرائے تھے، وہ اسے ورطہ حیرت میں دھکیل گئے تھے، اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہے تھے۔ اس نے اس کی غلط فہمی دور نہیں کی اور خاموشی کے ساتھ ریسیور رکھ دیا تھا۔ اب نیند آنکھوں سے کسی شکاری کے جال سے اڑنے والے پرندے کی طرح اڑی ہوئی تھی، اعصاب چٹخنے لگے تھے۔

فجر کے بعد ہی اس کی آنکھ لگ گئی کہ فون کی گھنٹی سے کھل گئی۔ اس نے ریسیور اٹھانے سے پہلے وال کلاک پر نظر ڈالی جہاں صبح کے نو بج رہے تھے، جس کا مطلب تھا وہ ساڑھے تین گھنٹے کی نیند لے چکا تھا۔ تاہم آنکھیں بوجھ سے یوں بھاری ہو رہی تھیں جیسے ابھی ابھی آنکھ لگی ہو۔ اس نے موندی موندی آنکھوں کے ساتھ کروٹ لی اور ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف مجتبیٰ تھا جو اس کی آواز سنتے ہی حمزہ کے اغوا ہو جانے کی اندوہناک خبر اسے دینے لگا۔

''کیا بک رہے ہو؟'' اس اعصابی جھٹکے سے اس کی آنکھیں پوری طرح کھل گئیں۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''ہوش میں ہو، تم کیا کہہ رہے ہو؟ حمزہ اغوا ہو گیا ہے، کب؟ کیسے؟''

مجتبیٰ اسے مختصراً بتانے لگا۔

اس کے وجود پر گویا بم ہی بلاسٹ ہوا تھا۔ اس دھچکے نے اسے کچھ دیر کے لئے گم صم کر دیا۔

''لالی، میرا مطلب ہے لالہ رخ کہاں، کدھر ہے؟ بات کراؤ اس سے۔'' وہ خود کو سنبھال کر جلدی سے بولا۔ اس غیر متوقع صورت حال نے اس کے دماغ کو شل کر کے رکھ دیا تھا۔ اسے پہلا خیال لالہ رخ کا ہی آیا۔ اور یہی بات محبت کی دلیل تھی۔ مگر اس لمحے ایسی نازک حساس باتوں کی طرف کہاں ذہن سوچ سکتا تھا۔

''بھابی کی حالت تو بے حد خراب ہے۔ انہیں بڑی مشکل سے سب نے سنبھالا ہوا ہے۔ آپ ٹھہریں، میں دیکھتا ہوں اگر وہ بات کر سکیں تو۔''

''نہیں، رہنے دو۔'' وہ یکدم اپنے اعصاب سنبھال کر آہستگی سے بولا اور ڈھیلے ہاتھ سے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

کوئی غم، دُکھ انسان کی اپنی ہمت، حوصلے اور برداشت سے بڑھ کر نہیں ہوتا۔ مگر اس کا خیال تھا یہ غم اس نازک سی عورت کے لئے یقیناً بہت بھاری ہوگا۔ اس پل وہ یوں بکھر گئی ہو گی جیسے ریت آندھی کے زور سے دور تک بکھر جاتی ہے۔

کسی بھی بڑے صدمے کو سہنے کے لئے اولاً مضبوط قوتِ ارادی کی ضرورت ہوتی ہے، بصورت دیگر کسی ایسے سہارے کی جو اسے سمیٹ سکے، اس کے بکھرتے وجود کو اپنی مضبوط پناہوں میں لے کر غم کو آدھا کر سکے اور وہ اس بات سے اچھی طرح آگاہ تھا کہ لالہ رخ کے لئے اس سے زیادہ کوئی اور مضبوط پناہ گاہ نہیں ہو سکتی تھی۔ مگر وہ اسے مضبوط پناہ کیونکر دے سکتا تھا؟ پتہ نہیں وہ اس چھاؤں کی طالب تھی بھی یا نہیں۔

اس کا پھڑپھڑاتا دل اس سوچ سے نادم ہونے لگا۔ وہ بے دلی سے پیروں میں سلیپر ڈالتا واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

⁂☆⁂

''سکندر ولا'' کا ہر مکین اس واقعہ پر غمزدہ تھا۔ لالہ رخ کی حالت تو غیر ہو رہی تھی۔ رو رو کر آنکھیں سوج گئی تھیں مگر غم کا لاوا تھا کہ بہے جا رہا تھا اور سنگ ملامت الگ ندامت سے چور کر رہا تھا۔ سب کی ناراضگی بھی بجا تھی۔ وہ سب محبتوں کے مارے اسے یہ احساس دلا رہے تھے کہ وہ سب اس کے سچے خیر خواہ ہیں۔ کتنی محبت کرتے ہیں اس سے، اس کا غم، دُکھ ان سے الگ نہیں ہے۔ اور انہیں الگ رکھ کر لالی نے ان سب کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے، انہیں قلبی دُکھ پہنچایا ہے۔ مگر اس کی عزت نفس کا مسئلہ بھی اپنی جگہ تھا۔ وہ اپنا بھرم یوں بھرے پرے گھر میں کیسے کھول کر رکھ دیتی؟ کس منہ سے کہہ دیتی کہ وہ اپنی کوتاہیوں، خطاؤں، لغزشوں اور نادانیوں کا طوق شکست کی صورت میں گلے میں لٹکا کر چلی آئی ہے ہمیشہ کے لئے۔ ایک ہری بھری چھاؤں کو اپنی کم نہج اور کج ادائی سے ٹھکرا چکی ہے۔

یہ سب بتا کر کیا وہ رہی سہی آبرو بھی رول دیتی؟ مگر کوئی اس کا مسئلہ کیسے سمجھتا۔ عزت نفس اور انا کے مسئلے بڑے اُلجھے ہوئے، نازک اور پیچیدہ ہوتے ہیں۔ یہ ذات کے گرد مکڑی کے جالے کی طرح بُنے ہوتے ہیں۔ بظاہر دکھائی نہیں دیتے مگر بڑے مضبوط ہوتے ہیں۔ ان میں ذات مکھی کی طرح الجھ کر رہ جاتی ہے۔

درحقیقت اس واقعہ نے سب کو ہی اندر سے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ کون جانتا تھا کل تک یہ ہنستا بستا گھر آنِ واحد میں ماتم کدہ بن جائے گا۔ لمحے یوں لبوں سے ہنسی اور چہرے سے شگفتگی چھین کر لے جائیں گے۔ مہ وش کے سسرال والے بے حد مہذب اور سلجھے ہوئے تھے،

وہ ان حالات میں کسی بھی طرح کی رسم میں پڑنے کی بجائے ان کے اس غم میں برابر کے شریک تھے۔ اسد ولیمے کی رات ہی اسلام آباد چلے گئے تھے۔ حمزہ کی گمشدگی کی خبر انہیں سعدیہ بھابی نے فون پر دی تو وہ آنے کو کہنے لگے مگر رفیعہ بیگم نے انہیں روک دیا۔

"تمہارے آنے سے کون سا یہ پتھر سرک جائے گا۔ بس تم وہیں بیٹھ کر لالی کے حق میں دعا کرو۔ میں تو صبیحہ سے بھی کہہ رہی ہوں، یہ ناحق یہاں پریشان ہے اور تمہیں الگ وہاں پریشانی ہوگی۔ وہ چلی جائے مگر مانی تھی۔ پلوشہ اور روشی کو تو میں نے روک رکھا ہے۔ مگر بس حالات نے ہی یکدم پلٹا کھا لیا۔ خیر تم فکر نہ کرو، یہاں بہت ہیں جبکہ کرنا تو خدا کو ہی ہے۔"

وہ افسردہ سانس بھر کر بولیں، وہ سچ کہہ رہی تھیں۔ ایک بشر کی کیا بساط۔ وہ طاقت ور اگر کسی کمزور بشر کو بھی چاہے تو طاقتور بنا دے، طاقتور کو لمحوں میں کمزور۔ وہ مسبب الاسباب ہے۔ سبب بھی خود پیدا کر دیتا ہے۔

حمزہ کی گمشدگی کے باعث مورے نے بھی اپنا مردان جانے کا پروگرام ملتوی کر دیا تھا۔ وہ دوہرے غم سے گزر رہی تھیں۔ ایک حمزہ کی گمشدگی کا دھچکا لگا تھا جو ان کے اعصاب کو توڑ پھوڑ کر رکھ گیا تھا، دوسرا لالہ رخ اور مصطفیٰ کے درمیان رنجش اور تیزی سے بڑھتے ہوئے فاصلے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس ڈور کو کیسے اور کہاں سے سلجھائیں۔ کوئی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔ مصطفیٰ کی طرف سے کوئی پیش قدمی نہیں ہوئی تھی۔ وہ از حد ملول اور دل گرفتہ ہو رہی تھیں۔ ایک امید کے سہارے انہوں نے لالہ رخ کو بے خبر رکھ کر اسے فون کر کے حمزہ کے اغوا ہو جانے کی خبر دے دی تھی اور اب اس آس پر وقت گزار رہی تھیں کہ وہ ضرور آئے گا۔ حمزہ سے اس کا قلبی لگاؤ کوئی ڈھونگ یا ناٹک تو نہ تھا۔ وہ تو ان سب کو بے حد عزیز ہو گیا تھا، انہیں اپنے جسم کا حصہ ہی لگتا تھا۔ اس کے بنا رہنے کا تصور بھی اب محال تھا۔ وہ اس کی بازیابی کے لئے دعائیں مانگتی نہ تھکتی تھیں۔ یہ سوچ اس طرح ان کے دل میں گڑ جاتی کہ اگر حمزہ پر سیف الرحمٰن نے اپنا استحقاق جما لیا، وہ اسے لالہ رخ کو دینے پر کسی طور پر راضی نہ ہوا تو لالہ رخ تو جیتے جی مر جائے گی۔ اور خود مصطفیٰ خان غم سے اندر ہی اندر ڈھے جائے گا۔

ایک پھول جیسی خوشی ان کے بیٹے کی زندگی میں آئی تھی، جانے کس کی نظر لگ گئی۔

وہ اتنی آزردہ ہو رہی تھیں کہ لالہ رخ کو تسلی، دلاسہ دینے کے لئے ان کے پاس الفاظ بھی نہ رہے تھے بلکہ خود انہیں تسلی کی ضرورت تھی۔

مجتبیٰ اور خرم الگ دن بھر اپنی سی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ ادھر طلال کے سر پر تو

خون سوار تھا، اس نے ساری ممکنہ جگہوں پر سیف الرحمٰن کو تلاش کیا تھا مگر وہ اسے نہ ملا۔ جاذب سائے کی طرح اس کے ساتھ ساتھ تھا اس خوف سے کہ کہیں سیف الرحمٰن سے ٹاکرا ہو گیا تو کوئی خون خرابہ نہ ہو جائے۔

"ضروری تو نہیں کہ یہ اغوا سیف الرحمٰن نے ہی کیا ہو۔ یہ تو محض قیاس بھی ہو سکتا ہے۔" جاذب دوسرے نقطہ پر سوچ رہا تھا۔

"کسی اور کو ہم سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے بھلا؟" وہ کسی طور قائل نہیں ہو رہا تھا۔

"بچے فقط دشمنی میں ہی تو اغوا نہیں ہوتے۔ پیشہ ور بھی ہیں جو اغوا کرتے ہیں۔ بلکہ ان کے باقاعدہ منظم گروہ ہیں۔"

"خدا نہ کرے جو میرا بچہ ایسے کسی گروہ کے ہاتھ لگ گیا ہو۔" رفیعہ بیگم تڑپ کر رہ گئیں۔ ان کے تصور میں اغوا شدہ بچوں کی داستان پھرنے لگی۔

"میں ایک جنرل بات کر رہا ہوں۔ ہم فقط سیف الرحمٰن کے قیاس پر تو ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنے سے رہے۔" جاذب نے وضاحت کی۔

"ہاتھ پر ہاتھ دھر کر یہاں کون بیٹھا ہے؟ اے بیٹا لے کر سارے تو تھانے چھان آئے ہو تم لوگ۔ سب جگہ رپورٹ کروا لی ہے۔ اخبار میں دے دیا ہے۔ اب اور کیا، کیا جائے؟" آمنہ بیگم نے تسبیح کے دانے گرانا بند کر کے جاذب کو ٹوکا۔

"ایک کام کرو لالی تم۔" جاذب کسی خیال کے تحت اپنی جگہ سے اٹھا اور لالہ رخ کے نزدیک آ کر بیٹھ گیا جو پژمردہ سی قالین پر بڑی سی تپائی سے ٹیک لگائے ان سب کی باتیں سن رہی تھی۔

"تم خود سیف الرحمٰن سے اس کے موبائل پر کنٹیکٹ کیوں نہیں کرتی ہو؟ اس سے تم بات کرو۔ ہو سکتا ہے وہ تمہاری......"

"نہیں، قطعاً نہیں۔" طلال نے اس کی بات کاٹ دی۔ "وہ یہی تو چاہتا ہے کہ لالہ رخ اس سے کنٹیکٹ کرے اور وہ اسے بلیک میل کر سکے اور ناجائز باتیں منوانے کی کوشش کرے۔"

"میں اپنے بچے کے حصول کے لئے سب کچھ کر سکتی ہوں۔ جاذب ٹھیک کہتا ہے، مجھے اس سے رابطہ کرنا چاہئے۔ میں اس کی ہر بات مان لوں گی مگر وہ میرا بچہ مجھے واپس کر دے۔" لالہ رخ جذباتی ہو کر بولی۔

اس حالت میں اس کی سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں ختم ہو چکی تھیں۔ وہ ہر ممکن طریقے سے حمزہ کا حصول چاہتی تھی۔

"مثلاً کیا سب کچھ کرسکتی ہو تم؟" طلال نے ابرو اچکا کر اسے گھورا۔ "اس کی ڈیمانڈ پوری کرو گی، جو وہ چاہتا ہے وہ کرو گی؟ اس نے جس مقصد کے لئے حمزہ کو کڈنیپ کیا ہے وہ مقصد کیا ہے وہ تم اچھی طرح جانتی ہو بولو، کیا پوری کر سکو گی اس کی خواہش؟"

اس کی بات گو کہ تلخ تھی مگر سچ تھی۔ لالہ رخ کی ساری ہمت ایک بار پھر جھاگ کی طرح بیٹھتی چلی گئی۔ وہ لب دانتوں میں دبا کر اضطراری انداز میں سر جھکا گئی۔

"عقل کے ناخن لو لالی! پہلے ہی وہ اپنا تمام تر گھٹیا پن دکھا چکا ہے، اس سے کوئی اچھی امید نہیں رکھی جاسکتی۔" اس نے اسے دیکھا اور نرمی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"او کے۔ ڈونٹ وری۔ حوصلہ رکھو، سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اس کا لہجہ اب کے نرم اور تسلی آمیز تھا۔

شاید حوصلہ ہی وہ واحد چیز تھی جو ہر کوئی ایک دوسرے کو دیئے جا رہا تھا۔ بہرحال الفاظ کبھی کبھی بہت بڑا سہارا لگنے لگتے ہیں، بجھے دیے میں جیسے تھوڑا تھوڑا تیل ڈال کر بجھتی لو کو زندہ رکھنے کی تدبیر کی جائے۔

☆☆☆

"خدا سے ڈر سیفی، انتقام کی آگ نے تجھے اندھا کر دیا ہے۔ کیوں تو اپنی اور دوسروں کی زندگی کو جہنم بنانے پر تلا ہوا ہے؟" وہ ڈھیلے ڈھیلے قدموں سے جونہی گھر میں داخل ہوا، اماں نے اسے گھیر لیا۔ جو ذلت انہوں نے طلال اور جاذب کے سامنے اٹھائی تھی اس کا غبار اسے دیکھتے ہی نکلا۔

"بتا، کہاں چھپا رکھا ہے حمزہ کو تو نے۔ شرم نہ آئی تجھے ایسی اوچھی، کمینی اور گری ہوئی حرکت کرتے ہوئے؟ بتا کہاں ہے حمزہ؟" وہ اسے پکڑ کر جھنجوڑنے لگیں۔ "تم اتنی پستی میں اتر جاؤ گے، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔"

"کون حمزہ؟" وہ پہلے تو انجان بننے کی کوشش کرنے لگا مگر اماں کی آگ برساتی نگاہوں سے نظریں چرا کر آہستگی سے ان کے ہاتھوں سے اپنی شرٹ چھڑا لی۔

"اچھا، کون حمزہ! تو مجھ سے پوچھ رہا ہے کون حمزہ۔ ارے وہی حمزہ جسے تو تین سالوں سے بھلائے بیٹھا تھا، جس کی کبھی بھول کر بھی یاد نہ آئی تھی اور اب فقط انتقام کے جنون میں اسے اغوا کر لیا ہے۔ اگر تجھے اولاد سے سچی محبت ہوتی تو اس کا نان نفقہ دیتا نہ کہ اسے اغوا کر کے اس کی ماں کی بد دعائیں سمیٹتا پھرتا۔ خدا کا خوف کر سیف الرحمٰن، اس کے قہر و غضب سے ڈر۔ تیری ایک اور بچی بھی ہے، جسے تو صبوحی کی گود میں ڈال کر بھول بیٹھا ہے۔ وہ

پھول سی بچی، اس کی آہ کی لپیٹ میں آ گئی تو عمر بھی چین نہ پائے گا تو۔" اماں عالم اشتعال میں اسے دوہتڑ مارنے لگیں۔ اس کے کپڑے نوچنے لگیں۔

"میں تجھ سے کہہ رہی ہوں سیفی! مت خدا کے غضب کو آواز دے۔ کیوں اپنی دنیا اور آخرت کا دشمن ہوا ہے؟ پہلے ہی کم عذاب میں نہیں ہیں ہم۔"

یہ ساری کارروائی صحن ہی میں ہو رہی تھی۔ تانیہ گرل کا دروازہ کھول کر لپک کر آئی اور اماں کو پکڑنے لگی مگر وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر ایک بار پھر سیف الرحمٰن پر پل پڑیں جو چپ چاپ ان کی مار، دوہتڑ اور گالیاں کھائے جا رہا تھا جیسے نہ کچھ سن رہا ہو، نہ دیکھ رہا ہو۔ اس اچانک افتاد نے اس کے حواس چھین لئے تھے۔

"بول کہاں چھپا کر رکھا ہے حمزہ کو؟ بتا مجھے؟ طلال اور جاذب آئے تھے کل۔ انہیں شک ہی نہیں، یقین ہے کہ اسے تو نے ہی اٹھوایا ہے۔ اور کتنا ذلیل کرے گا ماں بہنوں کو۔ کتنی کالک ملے گا ان کے چہروں پر۔ بس کر سیفی! بس کر۔ مجھ بوڑھی پر اب رحم کر۔ معاف کر دے میری خطاؤں کو۔ اتنی سزا نہ دے کہ میں جیتے جی مر جاؤں۔" وہ تھک کر صحن کے فرش پر بیٹھ کر رونے لگیں۔ وہ چپ کی سلگتی نظروں سے انہیں دیکھنے لگا، پھر رخ موڑ گیا۔

"سیفی بھائی!" وہ اندر جانے لگا تو تانیہ نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ "ایسے نہ کریں سیفی بھائی! لالہ رخ کا کیا قصور ہے جو اسے یہ سزا مل رہی ہے؟ اس کا ایک گھر ہم ماں بیٹیوں نے برباد کر دیا، دوسرا آپ کر رہے ہیں۔ یہ کیسی محبت ہے جو بجائے محبوب کے دکھ سمیٹنے کے اسے اور صدمے اور تکلیف سے دوچار کر رہی ہے۔ نہیں، یہ محبت نہیں ہے، یہ نفرت اور خود غرضی ہے۔ اگر آپ کو اس سے محبت ہوتی تو آپ انتقامی کارروائی نہیں کرتے بلکہ اس کو خوش باش رہنے کی دعائیں دیتے، اس کے لئے آسانیاں پیدا کرتے، اس کے آنسوؤں کا مداوا کرتے۔ نہ کہ اس کے آنسوؤں میں اضافہ کریں۔" اس کی آواز رندھ گئی۔ پھر وہ خود بھی دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بلک بلک کر رونے لگی اور روتے ہوئے بولی۔

"آپ یہ نہ سمجھئے گا کہ مجھے اپنے اجڑنے کا خوف ہے، اس لئے میں لالہ رخ کا دفاع کر رہی ہوں۔ نہیں بلکہ مجھ سے لالہ رخ کا یہ غم نہیں دیکھا جاتا۔ کسی ماں کی گود اجڑ جائے، اس سے اس کی اولاد چھین لی جائے تو وہ زندہ درگور ہو جاتی ہے۔ یہ ایک ماں سے زیادہ کون جان سکتا ہے۔ میں اپنی بچی کو دیکھتی ہوں تو کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ اس سے بچھڑ جانے کا سوچ کر ہی دم نکلنے لگتا ہے۔ پھر لالہ رخ کیسے......؟"

"چپ ہو جاؤ، خدا کے لئے چپ ہو جاؤ۔ میرا دماغ پھٹ جائے گا۔" سیف الرحمٰن نے

پوری طاقت سے اس کے منہ پر طمانچہ مارا اور سلگتی نظروں سے دیکھتا ہوا گرل کا دروازہ زور سے بند کرتا ہوا اندر گیا تھا کہ آہنی فریم میں لگی مضبوط گرل کتنی ہی دیر تک فریم میں ہلتی رہی۔

''کاش یہ دن دیکھنے سے پہلے مجھے موت آ جاتی۔'' اماں اپنا کلیجہ مسوس رہی تھیں۔ ''اسے سمجھاؤ تانیہ! وہ یہ ظلم نہ کرے۔ پہلے ہی ہم اپنے گناہوں کی تاریکی میں ڈوب چکے ہیں۔ کوئی راستہ نہیں سجھائی دے رہا ہے، اب مزید کوئی بد دعائیں نہ لے، انتقام کوئی کھیل نہیں ہے، یہ جنون ہے جس کا انجام عمر بھر کی بے سکونی ہے، بے اطمینانی ہے۔''

سیف الرحمٰن کو اپنے دماغ کی رگیں چٹختی محسوس ہو رہی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا کنپٹیوں کے گرد رگوں کی بجائے آہنی تاروں کا جال ہو۔ اس نے سلگتے ہوئے کمرے کی ہر چیز اِدھر اُدھر پھینکنی شروع کر دی۔

کہتے ہیں انسان کی فطرت بھی عجیب ہے۔ اگر اس کے ساتھ کوئی نیکی کرے تو اس کے معاملے کے لئے سالہا سال بھی تیار نہیں ہوتا، لیکن اگر اس کے ساتھ برائی کی جائے تو جلد از جلد انتقام لینا چاہتا ہے۔ بدلے کے مکافات کا جذبہ اس کے دل میں بہت جلد پیدا ہوتا ہے اور بری طرح پیدا ہوتا ہے۔ انتقام کا جن اس کے حواس معطل کر دیتا ہے، اسے کچھ سنائی نہیں دیتا۔ بس اس کا میلان انتقام کی طرف اکساتا رہتا ہے، اس کے زخموں کو ہرا رکھتا ہے۔ چونکہ یہ ایسا زہریلا مادہ ہے جو اپنے اوپر اثر کرتا ہے اور حقیقت یہی ہے کہ انتقام لینے کے بعد روح کو قرار نہیں آتا۔ وہ مسرت نہیں ملتی جس کی اسے طلب ہوتی ہے۔ وہ انتقام نہ لے کر ایک اضطرابی اذیت میں مبتلا رہتا ہے اور انتقام لے کر پچھتاوے کی آگ اسے چین نہیں لینے دیتی۔ وہ مستقل ایک اذیت، بے سکونی قلب میں مبتلا رہتا ہے، اپنے ہاتھ سے اپنے لئے ایک مستقل بے عزتی، بے آرامی خریدتا ہے۔ اس کی موجودہ ساری خوبیاں اس خامی کے ہاتھوں برباد ہو جاتی ہیں۔ وہ مغلوب الغضب ہو کر انسانیت کی سطح سے گر جاتا ہے مگر اس کا احساس خود اسے نہیں ہو پاتا اور سیف الرحمٰن کے ساتھ بھی یہی کچھ ہو رہا تھا۔ وہ جذبہ انتقام سے مغلوب تھا مگر آسودگی، طمانیت دل کے کسی گوشے میں بھی نہیں تھی۔ بے قراری تھی جو تاریکی کی طرح بڑھتی ہی چلی جا رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اندر ہی اندر بے کلی، اضطراب اور وحشت کا ایک کانٹے دار جنگل اُگتا جا رہا ہو، جو رگ رگ سے الجھتا جا رہا ہو، اس سے پیچھا چھڑانے کی کوئی تدبیر اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ عقل اور اعصاب دونوں ہی بے دم ہو گئے تھے اور وہ کسی مجروح پرندے کی طرح فقط پھڑپھڑائے جا رہا تھا۔

اماں کے بین، تانیہ کی التجائیں اسے اپنے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی طرح اترتی

محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ جوتوں سمیت بیڈ پر دراز ہو گیا۔

''مجھے سچ سچ بتاؤ سیف! کیا تو نے حمزہ کو اٹھوایا ہے؟'' اماں کچھ دیر بعد نڈھال سی اس کے پاس چلی آئیں۔ اب وہ رو نہیں رہی تھیں تاہم چہرے پر رنج بکھرا ہوا تھا۔ اس نے ان کی طرف دیکھا اور ایک گہری سانس کھینچ کر اجاڑ اجاڑ نظروں سے چھت کو تکنے لگا، پھر آہستگی سے بولا۔

''ہاں۔''

''کیوں...... کیوں اس معصوم جان پر ظلم کر رہا ہے؟ وہ بہت چھوٹا ہے ابھی۔ اپنی ماں کے بغیر نہ رہ سکے گا۔''

اس نے اپنی لال سلگتی آنکھیں ان کے چہرے پر جما دیں جن میں ایک بے نام سی اداسی رقم تھی۔

''اماں! میں نے اسے اپنے سینے سے لگایا تو مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ میں نے خود پر کتنا ظلم کیا ہے، کتنا بڑا نقصان کر دیا ہے۔ ایک ناقابل تلافی نقصان۔ اور اس سوچ کے ساتھ مجھے اپنے آپ سے، خود سے وابستہ ہر رشتے سے نفرت سی ہونے لگی ہے، ہر رشتے کی محبت جھوٹی ہے، مفاد اور غرض پر مبنی ہوتی ہے۔ رشتوں کا تقدس، ان کی محبتیں، آسودگیاں سب بکواس باتیں ہیں۔ کاش...... کاش آپ اپنی غرض سے نکل کر ایک ماں بن کر سوچتیں، ماں بن کر میری رہنمائی کرتیں، ایک منتقم اور کینہ توز، متنفر عورت نہ بنتیں تو آج میں اپنے گھر میں یقیناً آسودگی سے سانس بھر رہا ہوتا۔ اپنی اولاد کو اپنے جیتے جی یتیم نہ کیا ہوتا، اپنے دل میں یوں آگ نہ بھرتا۔'' اس کے لہجے کا تناؤ ڈھیلا پڑ گیا تھا۔ آنکھوں اور لہجے میں اب افسردگی چیخ رہی تھی۔ ایک دبی دبی تھکن، ملال اور احساسِ محرومی کروٹ لے رہا تھا۔ ایسی بے بسی تھی جو دل کا خون کئے دے رہی تھی۔ اس کے لہجے میں جھلکتی یہ بے بسی اماں کا دل بھی خون کرنے لگی۔

''مجھے معاف کر دے سیفی!'' انہوں نے دل گرفتگی سے اس کے دونوں پیر پکڑ لئے۔ ''میں جانتی ہوں میں بڑی گناہ گار، بڑی خطا کار عورت ہوں۔ میں نے تیرے حق میں ماں بن کر نہیں، ایک ظالم، خود غرض، منتقم اور کینہ توز عورت بن کر فیصلہ کیا۔ میری آنکھوں کے آگے میرے نفس نے پٹی باندھ دی تھی۔ میں شیطان کے بہکاوے میں آ گئی تھی، میں نے تجھ پر ناجائز تسلط جمانا چاہا تھا۔ میں ایک سطحی اور پست عورت بن گئی تھی۔ اس لئے مجھے معاف کر لے، میرے بچے مجھے معاف کر دے۔''

"معافی......" وہ یکسر بے کیف انداز میں ہنس دیا۔ "یہ ساری باتیں اب بے معنی ہیں اماں۔ اب ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں رہا ہے۔ آپ کا معافیاں مانگنا، میرا ملال یہ سب وقت کی اڑتی دھول میں دھول کی مانند ہیں، ہاتھ آئے تو کیا، نہ آئے تو کیا۔" اس نے پیر سمیٹ لئے۔

"جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ ان باتوں کو عمر بھر سینے سے لگائے رکھنے سے زخم ہی ہرے رہتے ہیں، رنج ہی سوا ہوتا ہے۔ ان باتوں کو بھول جا سیفی اور زندگی کو نئے سرے سے شروع کر دے۔" وہ اس کے سرہانے بیٹھ کر اس کے بالوں کو دھیرے دھیرے سلجھانے لگیں۔

"کون سی زندگی، جو مر چکی ہے؟" اس نے زہر بجھے انداز میں کہا اور جیسے تھک کر آنکھیں زور سے میچ لیں۔

"صبوحی جو تیری زندگی ہے، نمرہ تیری بچی، تیری حیات ہے، ان دونوں کی طرف دیکھو تو تمہیں پھر سے جینے کی خواہش پیدا ہو جائے گی۔"

"میں حمزہ کو اب کبھی اسے نہیں دوں گا، اسے میں نشانی کی طرح عمر بھر اپنے پاس رکھوں گا۔" وہ ان کی بات سنی ان سنی کرتا ہوا بولا تو اماں دہل کر رہ گئیں۔

اس کا بے لچک لہجہ، ان کے سینے میں تیر کی طرح ترازو ہوگیا۔ اس پل اس کے چہرے پر بھی ایسا ہی پتھریلا پن تھا۔

"نہ...... نہیں سیف، ایسا نہ کرنا۔ وہ جیتے جی مر جائے گی۔ اس مظلوم کی بد دعائیں نہ لے، اس کی آہیں تجھے لے ڈوبیں گی، تو کہیں چین نہ پائے گا۔ میرے بچے، جو تیری زندگی سے نکل چکا ہے اسے خواب سمجھ کر بھول جا۔"

"کیسے بھول جاؤں اماں؟ کیسے بھول جاؤں؟" وہ بے بسی سے چیخ کر رہ گیا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "پچھتاوے چین نہیں لینے دیتے، آگ کی طرح تن من کو دہکائے دے رہے ہیں۔ بھول جاتا اگر اسے دوبارہ نہ دیکھا ہوتا، اس سے نہ ملا ہوتا۔ اب اس سے مل کر لگتا ہے سب کچھ آگ میں دھڑ دھڑ جل کر راکھ ہو رہا ہے اور سلگتا ہوا دل کیسے طمانیت پا سکتا ہے اماں! بولو کیسے کہاں سے ملے سکون؟" وہ یکدم دونوں ہاتھوں میں سر پکڑ کر بچوں کی طرح رو پڑا اور دروازے کے باہر کھڑی تانیہ احساسِ جرم سے چور چور ہونے لگی۔ اپنی غلطیوں اور گناہوں کا بوجھ روح پر بڑھتا ہی چلا گیا۔

ایک جذباتی قدم، نفس کی لمحہ بھر کی بے لگامی کتنے بڑے نقصانات جھولی میں ڈال جاتی ہے کہ ازالہ ممکن نہیں رہتا۔ تلافی کا کوئی امکان نہیں رہتا۔ گزرے وقت کا فقط ماتم رہ جاتا

ہے۔

اور وہ کس کس کا ماتم کرتی؟ کن کن کوتاہیوں کا ازالہ کرتی؟

آج پہلی بار اسے سیف الرحمٰن سے شدید قسم کی ہمدردی محسوس ہو رہی تھی اور اپنے آپ سے شدید نفرت ہو رہی تھی۔

اتنا کچھ گنوانے کے بعد ہاتھ بھی آیا تو کیا؟ فقط رائیگاں جانے کا دُکھ۔

ذلت

رُسوائی

ضمیر کی خلش، ملال اور بد دعائیں

"یہ سب یاد کرتے رہنے میں بھی تو سکون نہیں ہے۔ بھول جانے میں عافیت ہے۔ تمہارا سکون لالہ رخ کے سکون کو غارت کرنے میں پنہاں نہیں ہے، یوں تو تم اور بے سکون رہو گے۔ انتقام کا جذبہ سراسر بے اطمینانی اور قلبی اضطراب سے گندھا ہوتا ہے، اسے جتنا سر پر سوار کرو گے یہ اتنا ہی مضطرب رکھے گا، دیمک کی طرح اندر ہی اندر کھا جائے گا، ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔ تمہاری خوشی اسے خوش کر دینے میں ہے۔ اسے بس ایک اچھے دوست کی طرح یاد رکھو۔ اسے پانے کے جتن مت کرو۔ آنکھ کھل جائے تو خواب دوبارہ ہزار بار آنکھ بند کرنے سے بھی نہیں لوٹتا ہے۔ ہاں مگر دوسرا خواب دیکھا جا سکتا ہے۔ خوابوں کا سلسلہ ایک خواب کے ٹوٹ جانے سے ٹوٹ تو نہیں جاتا سیفی!" انہوں نے بچے کی طرح اسے خود سے لگا لیا اور اس کے ہمراہ خود بھی رونے لگیں۔

کچھ گہرے گھاؤ بھی بھر جاتے ہیں لیکن
ان راہوں میں کچھ زخم سمندر ہوتے ہیں

⁂

وہ ملتان پہنچا اور سیدھا طلال کے ہاسپٹل چلا آیا تھا اور طلال سے ساری صورتحال معلوم کی۔ طلال کے کہنے کے مطابق سیف الرحمٰن کے ایک دیرینہ دوست سے بالآخر اگلوا لیا گیا تھا۔ جس کا کہنا تھا کہ حمزہ کو سیف الرحمٰن نے ہفتہ کی صبح سکندر ہاؤس کے باہر سے اٹھایا ہے۔ وہ کئی دنوں سے اسی تاک میں تھا۔ مگر اس نے حمزہ کو کہاں رکھا ہے، یہ بتانے سے وہ معذور تھا۔ بقول اس کے وہ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ یہ بات وہ خود بھی نہیں جانتا کہ حمزہ کو اس نے کہاں رکھا ہوا ہے۔

"میری محبت تو چلو سنبھال نہ سکی، حیرت ہے سیف الرحمٰن کی نشانی کی بھی حفاظت نہ کر

سکی۔'' کرسی کی بیک سے سر ٹکا کر اس نے دیوار پر نظریں جما دیں۔

یہ ساری باتیں اس کے لئے بے شک بڑی تکلیف دہ تھیں مگر شکوہ بھی بڑا بے اختیارانہ اس کے لبوں پر پھیلا تھا۔

''تمہارے سارے شکوے بجا ہیں طلی! مگر اس وقت وہ جس ذہنی اذیت سے گزر رہی ہے، اس کا اندازہ تمہیں اسے دیکھ کر ضرور ہو جائے گا۔'' طلال نے اس کے شکوے کے جواب میں افسردگی سے کہا تو اس نے سر کو خفیف سی جنبش دے کر طلال کو دیکھا، پھر ایک گہری سانس کھینچ کر چائے کا مگ ایک طرف کر کے دونوں کہنیاں میز کی سطح پر جماتے ہوئے بولا۔

''کیا کسی کی ذہنی اذیت یا دلی کیفیت کا اندازہ اس کے چہرے کو دیکھ کر لگایا جا سکتا ہے؟''

''نہیں، مگر یہ تو تعلق پر انحصار کرتا ہے کہ قلبی تعلق کس نہج پر ہے۔'' وہ اسے بغور جائزہ لیتی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ مصطفیٰ خان اسے دیکھ کر رہ گیا اور ایک پل خاموشی کے بعد ہلکے سے ہنکارا بھر کر کرسی دھکیل کر اٹھتے ہوئے بولا۔

''تم ایسا کرو مجھے سیف الرحمٰن کا گھر دکھا دو۔ اور یہ معاملہ مجھے اپنے طور پر نمٹانے دو۔''

''اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، وہ گھر پر نہیں ہوتا۔ اس کی ماں کے کہنے کے مطابق وہ دو دن سے گھر آیا ہی نہیں ہے۔''

''ایک کوشش بہرحال کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔'' وہ کندھے اچکا کر اس کے آفس روم کا گلاس ڈور دھکیل کر باہر نکل گیا۔ طلال ایک خفیف سی افسردہ سانس کھینچ کر دروازے کو دیکھتا رہا۔

مصطفیٰ خان کے انداز میں اتری سرد مہری، لاتعلقی اور بے گانگی اس کو متفکر کر رہی تھی۔

میز سے گاڑی کی چابی اٹھا کر وہ خود بھی آفس سے باہر آ گیا۔

لفٹ کی بجائے وہ دونوں زینے کی طرف چلے آئے۔

''طلی! میرا خیال ہے تم پہلے میرے ساتھ گھر چلو۔ لالہ رخ تمہیں دیکھ کر یقیناً......''

طلال کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ مصطفیٰ خان کی استہزائیہ ہنسی ہلکے سے ابھری تھی۔

''مجھے دیکھ کر یقیناً وہ بہت خوش ہو گی اور اس کا آدھا غم فقط میری صورت دیکھ کر زائل ہو جائے گا، یہی نا؟'' اس نے ریلنگ پر ہاتھ ٹکا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی استہزائیہ رنگ ہلکورے لے رہا تھا۔

''اس میں کیا شک ہے؟'' طلال بے نام سی خفت محسوس کرنے لگا مگر اس خفت میں

افسردگی کا رنگ غالب رہا۔ وہ مصطفیٰ خان کو دیکھنے لگا۔

کیمل رنگ کے شلوار سوٹ میں وہ سرخ و سپید رنگت اور بھرپور مردانہ وجاہت رکھنے کے باوجود بے حد بجھا بجھا دکھائی دے رہا تھا۔ اس چراغ کی لو کی مانند جو کسی گمنام مزار پر تنہا، اکیلا سلگ رہا ہو۔

''یہ سب کتابی باتیں ہیں، کبھی میں بھی ایسی باتوں سے متاثر ہوا کرتا تھا مگر جب انسان تجربے سے گزرتا ہے تو تلخی حالات اسے بڑا حقیقت پسند بنا دیتی ہے۔'' وہ سر کو بے کیف انداز میں جھٹک کر بقیہ زینہ اترنے لگا۔

''حقیقت پسند ہونا اچھی بات ہے مگر رشتوں کی اہمیت سے انکار کرنا قطعاً احمقانہ سی بات ہے۔ انسان دوسرے انسان کے لئے ادنیٰ سا سہی مگر بہت تقویت آمیز سہارا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہمارے دین میں اقربا کے اتنے حقوق نہ ہوتے۔'' طلال اس کی بات رد کرتے ہوئے بولا اور اسے استہزائیہ انداز میں گھورنے پر افسوس سے سر ہلاتے ہوئے مزید بولا۔

''بے شک طلی! بہت سی باتیں کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں مگر یہ بھی لکھنے والے کے اپنے تجربے اور مشاہدے کا ہی نچوڑ ہوتی ہیں۔ انسان جو برتتا ہے، وہی لکھتا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ہماری زندگی کبھی کبھی افسانوی رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ ہم کوئی افسانوی سا کردار بن کر رہ جاتے ہیں۔ کسی کے لئے بے حد اہم بن جاتے ہیں۔''

''اس کا فیصلہ تم کیسے کر سکتے ہو؟'' اس کا انداز ہنوز استہزائیہ تھا۔ طلال ایک پل خاموش ہوا، پھر خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''چلو میں نہ سہی، اس کا فیصلہ تم خود کر لو۔ مگر اس کے لئے تمہیں گھر آنا ضروری ہے۔'' ل نے براہ راست مصطفیٰ خان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پورے اعتماد کے ساتھ کہا تھا کہ مصطفیٰ خان جانے کیوں نظریں چرا گیا۔

''فی الحال تم میرے ساتھ گھر چلو، مجھے تم بے حد تھکے ہوئے لگ رہے ہو۔'' وہ دونوں آفس کی پارکنگ لاٹ میں آ گئے۔ طلال نے اپنی گاڑی کا لاک کھول کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ اس نے مزید کوئی حجت نہ کی۔

مورے اسے دیکھ کر کسی بچے کی طرح خوش دکھائی دینے لگیں۔ ان کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔

''اتنی ضد اچھی نہیں ہوتی طلی! یوں نہیں ستایا کرتے۔'' وہ اسے سینے سے لگا کر آزردگی سے بولیں۔ وہ خاموش رہا اور کمال بھائی اور جاذب کے ساتھ لونگ روم میں ہی بیٹھ گیا۔

مصطفیٰ خان پر خواتین میں سب سے پہلی نگاہ روشانہ کی پڑی تھی۔ وہ حیرت اور خوشی کے مشترکہ احساس سے ایک دو پل تو گنگ رہ گئی اور پھر لالہ رخ کو اس کی آمد کی یہ خوشخبری سنانے ان کی طرف دوڑ گئی کہ سعدیہ بھابی کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے طلال سے بری طرح ٹکرائی۔

''یا وحشت۔ پیچھے کون دوڑا ہے؟'' اس نے جلدی سے اسے تھام لیا۔ حواس باختگی میں وہ دیوار سے ٹکرا جانے والے بازو کی چوٹ کو محسوس ہی نہ کرسکی اور ہانپتے ہوئے پُرمسرت لہجے میں بولی۔

''طلال! وہ طیبہ وہ طیفی، میرا مطلب ہے مصطفیٰ بھائی آئے ہیں۔ میں نے انہیں خود دیکھا ہے ابھی۔'' خوشی کے غلبے سے اس کی آواز بے ربط ہو رہی تھی۔

''اوہ، تو یہ بات ہے۔ میں تو ناحق خوش فہمی میں مبتلا ہو گیا کہ مجھے دیکھ کر تم خوشی سے حواس کھو رہی ہو۔'' اس نے مصنوعی ٹھنڈی قدرے متاسفانہ سانس بھری۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں طلال! میں نے خود ابھی طیفی بھائی کو لونگ روم میں دیکھا ہے مورے سے باتیں کرتے ہوئے۔''

طلال بے ساختہ مسکرا دیا۔ وہ اس کی وارفتہ نگاہوں کو محسوس ہی نہ کر پائی تھی۔ اس کی پھیلی پھیلی خوشنما آنکھوں میں خوشی کی انوکھی دمک تھی، بڑی پُرخلوص اور معصومانہ دمک۔

''اتنی توجہ سے کبھی مجھے دیکھ لیا کرو۔'' وہ آہستگی سے بولا۔

''اُفوہ، آپ مذاق سمجھ رہے ہیں میری بات کو، میں۔۔۔'' وہ یکدم لب دانتوں میں دبا گئی۔

وہ بڑی دل آویز نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ سینے پر بازو لپیٹے، تمام تر استحقاق کے ساتھ۔ وہ خجل ہو کر پلکوں کی باڑ جھکا گئی۔

''پاگل لڑکی! وہ ابھی میرے ساتھ ہی تو آیا ہے۔'' اس نے جھک کر اس کے خوش نما چہرے پر جھولتی بالوں کی لٹ کو ہلکے سے کھینچا۔

''آپ کے ساتھ؟''

''جی۔ وہ ہاسپٹل سے آیا تھا میرے پاس۔ اسے حمزہ کے کڈنیپ کی اطلاع غالباً مجتبیٰ نے دے دی تھی۔''

''تو یہ بات آپ مجھے پہلے ہی بتا دیتے۔'' وہ کھسیا کر پیچھے ہٹی۔

''کتنا پہلے؟''

''میرا خیال ہے میں لالی کو بتا دوں، انہیں خبر ہی نہیں ہے۔ وہ کتنا خوش ہوں گی یہ سن کر۔ ہے نا؟'' وہ اس کی نگاہوں سے ٹپٹا کر پلٹ کر لالہ رخ کے کمرے کی طرف بڑھنے لگی۔

''نہیں روشانہ، اسے بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ مصطفیٰ خود ہی اس سے مل لے گا۔'' وہ جلدی سے بولا۔ اس کے چہرے پر یک بیک سنجیدگی پھیل گئی تھی جس میں افسردگی کی رمق بہت واضح تھی۔

اسے مصطفیٰ خان کا سرد رویہ متفکر کیے ہوئے تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ لالہ رخ سے ملنا بھی چاہے گا یا نہیں یا فقط حمزہ کے اغوا ہو جانے کے غم میں شامل ہونے اور اسے بازیاب کرانے آیا ہے۔ وہ سارے فاصلے مٹانے بھی آیا ہے، لالہ رخ کو اپنے ساتھ لے جانے بھی آیا ہے یا نہیں؟ بڑی غیر یقینی سی صورت حال تھی جو اسے افسردہ کیے ہوئے تھی۔

''کیوں؟ کیوں نہ بتاؤں؟'' وہ پلٹ کر حیرت سے طلال کو دیکھنے لگی۔ ''تو کیا وہ لالی سے ملنے نہیں آئے؟ نہیں ملیں گے ان سے؟'' اس کے چہرے کے تاثرات اس کی مسرت کو کاٹنے لگے۔ اس کی آواز دکھ اور حیرت سے بجھتے دیے کی طرح دھیمی پڑ گئی۔

''اس بارے میں، میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

''کیا مطلب؟ آپ اسے......''

''روشانہ! بہت سی باتوں کا جواب وقت اور حالات کے پاس ہوتا ہے۔ انسان خود بھی نہیں جانتا کہ کل یا آنے والے اگلے لمحے میں اس کا فیصلہ کیا ہوگا، اس کا رویہ اور اس کی سوچ کیا ہوگی۔'' وہ رسانیت سے اس کی بات کاٹ گیا۔ وہ ایک افسردہ احساس سے کھڑی رہ گئی۔

''ساری خوشی ہی غارت کر دی آپ نے۔'' وہ اداسی سے ہنس دی۔

''خوشیاں ہمارے اختیار میں ہوتیں تو تقدیر کو اور تقدیر بنانے والے کو کون مانتا؟ ہمارے ارادے اور ہماری خواہشوں کی تشنہ کامی ہی اس کی موجودگی، اس کی طاقت وری کی دلیل ہے۔ او کے، حوصلہ رکھو، سب بہتر ہو جائے گا۔ شعاعِ امید جلتی رہے تو راستہ بالآخر سجھائی دے ہی جاتا ہے۔ بس یہ لو نہیں بجھنی چاہیے۔'' اس نے تھپکنے کے انداز میں اس کے کندھے کو نرمی سے چھوا۔

وہ گداز دل کے ہمراہ کھڑی رہی اور بھیگی پلکوں کو جھپکنے لگی۔

''پاگل لڑکی! تم حوصلہ ہار دو گی تو لالی کو حوصلہ کون دے گا؟ تم امید کا دامن چھوڑ دو گی تو دوسروں کو ساحل پر کیسے لاؤ گی؟''

''حوصلہ ہی شاید سب کے پاس باقی رہ گیا ہے۔ مگر امید کے سہارے کب تک جیا جائے؟ فقط لفظوں سے کون کب تک بہلے۔'' دفعتہً ایک تلخی اس کے اندر تک اتر گئی۔ روشانہ نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور دل آزاری سے بولی۔

''صحرا محض خوابوں سے سیراب نہیں ہو جایا کرتے۔ اور دل کے اندر جب صحرا اُگ آئے تو یہ نہ یادوں سے سیراب ہو سکتے ہیں نہ خوابوں سے آراستہ پیراستہ۔ اس کے لئے بارش کی ضرورت ہوتی ہے، ایسی بارش جو نہ صرف پیاس بجھا دے بلکہ سیرابی بھی بھر دے۔ ایک کمزور عورت کے لئے یہ آزمائش بہت زیادہ ہے طلال۔ بہت زیادہ۔'' اس کی آواز بھیگنے لگی۔ وہ رکی نہیں اور پلٹ کر وہاں سے چلی گئی۔

طلال متاسفانہ سانس بھر کر رہ گیا۔

کبھی کبھی انسان کی بے اختیاری اور بے بسی اسے اپنی ہی نظروں میں بری طرح گرا دیتی ہے اور انسان بے اختیار تڑپ کر تقدیر کو دوش دینے لگتا ہے۔ طلال کا بھی یہی دل چاہ رہا تھا، وہ لالہ رخ کی تقدیر کو خوب کوسے۔

معاً اس کی نظر مصطفیٰ خان پر پڑی۔ نظریں ملنے پر وہ جلدی سے بولا۔

''میں جاذب کے ساتھ سیف الرحمٰن کے گھر جا رہا ہوں، ایک آدھ گھنٹے میں واپس آتا ہوں۔ مورے کو بتا دینا۔'' اس کا لہجہ سپاٹ اور قدرے روکھا تھا۔

''طفی!'' وہ پلٹنے لگا تو طلال نے بڑے اضطراری انداز میں اسے پکارا۔ ''تم جانتے ہو کہ ہم سب یہاں کس ذہنی کرب سے گزر رہے ہیں، ابھی تم نے روشانہ کو دیکھا ہوگا وہ کس قدر ٹینس ہے۔ تم اور لالہ رخ جس اذیت سے گزر رہے ہو اسی نے مجھے بتایا ورنہ لالہ رخ تو شاید مجھے کبھی نہ بتاتی۔'' وہ جانے کس بات کی تمہید باندھ رہا تھا۔ (اپنی حماقتوں کی روداد کون خود سے سناتا ہے۔) وہ استہزائیہ انداز میں ہنس دیا اور ایک پل کی خاموشی کے بعد بولا۔

''مجھے اس بات کی بے حد خوشی ہے کہ تمہارے اور روشانہ کے مابین جو دیوار ہماری وجہ سے کھڑی ہوگئی تھی وہ گر چکی ہے اور تعلقات بحال ہو چکے ہیں مگر......'' ایک پُر ملال سی سانس بھرتے ہوئے اس نے لالہ رخ کے کمرے کے بند دروازے پر ایک نظر ڈالی۔ ''ہر دیوار مختلف انداز میں کھڑی ہوتی ہے طلال، اس کی بنیاد کے مختلف محرکات ہوتے ہیں۔ ضروری نہیں جو محرکات تمہارے تھے، وہی ہمارے ہوں۔ کچھ دیواریں فقط حالات کی پیدا کردہ ہوتی ہیں، محض بدگمانی سے تعمیر ہو جاتی ہیں۔ مگر کچھ انسان کی اپنی تعمیر کی ہوئی ہوتی ہیں۔ نفرت آمیز رویوں سے دانستہ۔ ایسی دیواریں بڑی مضبوط ہوتی ہیں۔'' اس کا لہجہ سنگینی

کی حد تک سنجیدہ تھا۔ اس کے چہرے پر بھی ایسی ہی سنجیدگی مستور تھی۔

''نہیں طفی! اگر ایسا ہوتا تو خدا تو یہ راستہ نہ رکھتا۔ معافی اور درگزر کی تلقین نہ کی گئی ہوتی۔ گناہ جتنا بھی بڑا ہو ندامت کے ایک اشک سے دُھل جاتا ہے، جس طرح گرد چاہے جتنی بھی گہری ہو، اپنا نقش نہیں چھوڑ سکتی، ایک شفاف بارش سے ساری اتر جاتی ہے۔'' طلال کا لہجہ مدافعانہ تھا جیسے پس پردہ لالہ رخ کا دفاع کر رہا ہو۔ اور حقیقت یہی تھی۔ وہ لالہ رخ کا دفاع ہی کر رہا تھا، اس کے حق میں دلائل نہیں دے رہا تھا بلکہ اس کی نادانی، کم فہمی کا اعتراف کر رہا تھا۔ لالی کو بے قصور نہیں گردان رہا تھا، اسے قصوروار خیال کر کے اس کے لئے معافی چاہ رہا تھا۔

مصطفیٰ خان کا دل ایک انجانے کرب سے گزرنے لگا۔ وہ جواباً چپ کی سلگتی دہکتی نظروں سے اسے دیکھتا ہوا پلٹ کر وہاں سے چلا گیا۔

☆☆☆

مصطفیٰ خان کی سکندر ولا ہاؤس میں پہنچنے کی اطلاع لالہ رخ کو سب سے پہلے صغریٰ نے بہم پہنچائی تھی۔ پھر اس کی تصدیق مورے سے بھی ہوگئی۔ مگر انہیں اس وقت شدید دھچکا لگا تھا جب طفی نے لالہ رخ سے ملنے کی کوشش کی نہ اس کے بارے میں کوئی استفسار کیا اور جاذب کے ساتھ اٹھ کر گھر سے نکل گیا تھا۔

وہ لالہ رخ کی نگاہوں میں خود کو سخت شرمندہ محسوس کرنے لگیں۔

''وہ آ تو گئے ہیں نا، یہی بہت ہے میرے لئے۔'' لالہ رخ ان کی افسردگی اور شرمندگی مٹانے کی غرض سے ان کا ہاتھ تھام کر دھیرے سے بولی۔ ایک پھیکی، بے رنگ سی مسکراہٹ اس کے لبوں کا احاطہ کر کے بکھر گئی۔

''مگر اسے تم سے ملنا......''

''میں جانتی ہوں وہ حمزہ کے لئے آئے ہیں۔'' وہ نرمی سے ان کی بات کاٹ گئی۔ ''یہی بہت ہے میرے لئے۔ مستقل اندھیرے میں رہنے والے کے لئے روشنی کا فقط احساس بھی بہت بڑا سہارا ہوتا ہے۔ میں نہ سہی، حمزہ ہی ان کی محبت، توجہ کا حق دار ٹھہرا۔ وہ میرا ہی بیٹا ہے نا، میں ان کے قدموں میں حمزہ کی ماں بن کر زندگی گزار لوں گی۔ وہ مجھے اتنی جگہ ہی دے دیں۔''

''لالی! کیوں کرتی ہو ایسی بات؟'' مورے کا دل سینے میں ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگا۔ انہوں نے فہمائشی انداز میں اس کا ہاتھ جکڑ کر اسے گھورا۔ ''خبردار جو کبھی اس طرح کی بات

کی۔ تم کوئی گری پڑی نہیں ہو۔ تمہاری جگہ اگر دل میں نہیں ہے تو قدموں میں بھی نہیں ہے، ہیں تم؟ خدا نے ہر عورت کو مرد کی پیشانی سے نہیں بنایا کہ وہ مرد پر حکومت کرے، نہ اس کے پاؤں سے پیدا کیا ہے کہ وہ اس کی غلامی کرے۔ بلکہ اس کو پسلیوں سے پیدا کیا ہے کہ وہ اس کے دل کے قریب رہے۔'' ان کے چہرے پر درشتگی اور تناؤ آ گیا تھا، وہ اس قول کا حوالہ دے کر اسے تسلی ہی نہیں دے رہی تھیں، اس کے مقام کا تعین بھی کر رہی تھیں۔ مگر لالہ رخ کے لئے یہ ساری باتیں بے معنی ہو کر رہ گئی تھیں۔

''وہ یقیناً بڑی خوش نصیب عورتیں ہوتی ہوں گی جو اپنے محرم کے دل پر حکمرانی کرتی ہوں گی، ان کے دل کے نزدیک رہتی ہیں، ان کی تمام تر محبت، توجہ کی حقدار ٹھہرتی ہیں۔''

''خوش نصیبی یا بد نصیبی کا فیصلہ وقت کرتا ہے لالی! تم، میں یا کوئی اور نہیں۔''

''وقت نے ہی تو فیصلہ کر دیا ہے۔'' وہ باتھ روم میں جا کر منہ پر پانی کے ٹھنڈے ٹھنڈے چھپیڑے مارنے لگی۔

کہاں اس کے آنے کا لمحہ لمحہ گن رہی تھی اور جو اس کے آنے کی خبر ہوئی تو کمرے تک سے باہر آنے کی ہمت سوکھی ریت میں قطرے کی طرح جذب ہو کر رہ گئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا قدم من من بھر کے ہو رہے ہوں، رگوں میں کوئی طوفان بپا ہو، اسے ایک نظر دیکھنے کا، اس کے سامنے سارے غم آنسوؤں کی صورت بہا دینے کا۔ مگر کوئی نادیدہ طاقت اسے آگے بڑھنے سے جکڑے ہوئے تھی۔ اس کی آواز لونگ روم سے آ رہی تھی، مخصوص دھیما دھیما پر تاثیر لہجہ۔ وہ کمرے کی کھڑکی سے لگی اسے یوں سن رہی تھی جیسے کوئی پیاس کا مارا ساعت کی دھرتی کو سیراب کر رہا ہو۔

وہ حمزہ کے لئے متفکر تھا اور اب کوئی لائحہ عمل اختیار کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لہجے سے اور چہرے سے حقیقی فکر مندی جھلک رہی تھی جو بہرحال لالہ رخ کے لئے بڑی تقویت کا باعث تھی۔

وہ یہاں آ گیا تھا، حمزہ کے توسط سے ہی سہی، حمزہ کی محبت میں ہی سہی۔ اسی سوچ سے وہ خود کو بہلا رہی تھی، سنبھلنا چاہ رہی تھی مگر ایک بے نام سی خفت اس کے پہلو میں چھری کی طرح زخم ڈال رہی تھی۔ اسے وہ اپنے تمام تر ظالمانہ الفاظ، بے رحمانہ جملے یاد آ رہے تھے جو اس نے مصطفیٰ خان کی بے لوث محبت کے جواب میں اس کے سینے میں ترازو کئے تھے۔

''حمزہ کو اگر آپ سیڑھی بنا رہے ہیں تو آپ کی یہ کوشش انتہائی گھٹیا ہے۔''

اور اس نے جواباً کتنی لجاجت سے کہا تھا۔

''میں نے حمزہ کو سیڑھی بنانے کی کوشش کبھی نہیں کی۔ میں تو اپنی محبت کی جنوں خیزی میں بہتا ہوا تم تک آیا ہوں اور مجھے اپنی محبت اور جذبوں کی صداقت پر اتنا اعتماد ہے کہ مجھے اتنے معصوم سہارے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے، کیا تم تک آنے کے لئے مجھے ایسا کوئی بھونڈا طریقہ یا راستہ تلاش کرنا پڑے گا؟''

اور آج وہ خود ایسا ہی بھونڈا طریقہ اپنا رہی تھی، اس معصوم جان کو سیڑھی سمجھ رہی تھی اور اس کے سہارے مصطفیٰ خان کے دل تک رسائی حاصل کرنے کے لاشعوری جتن کر رہی تھی۔

سب سے بڑی عدالت ضمیر کی ہوتی ہے، اس کے سامنے کھڑے ہو کر جرم کا اعتراف کرنا بڑا کٹھن اور اعصاب شکن لمحہ ہوتا ہے اور ایسے ہی لمحات سے وہ گزر رہی تھی۔

ایک اضمحلال روح پر چٹکیاں بھرنے لگا۔

وہ تھکے تھکے انداز میں کرسی پر بیٹھ گئی۔

وہ حمزہ کے لئے رو رو کر اتنا تھک چکی تھی کہ اب آنکھوں کے سوتے خشک ہو چلے تھے۔ اس پر روح کی تھکن نے رہی سہی ساری جسمانی توانائیاں بھی کھینچ لیں۔

✵☆✵

سحر بن کے آنکھیں کھلیں تو حقیقت کا پورا سبق داستاں ہو گیا
یہ کیا ہے، محبت میں اِک شخص کا اپنا سفر رائیگاں ہو گیا
بساطِ ہنر سے جنونِ طلب تک، میں ٹوٹا ہوں کیسے تمہیں کیا خبر
میں دل کی حدوں سے جو آگے گیا تو میرے ساتھ گم اِک جہاں ہو گیا

مصطفیٰ خان اس کے کمرے میں آیا تو وہ کرسی پر آنکھیں موندے نڈھال سی بیٹھی تھی۔

اس نے دروازے کو ہلکا سا بجا کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا اور چلتا ہوا اندر آ گیا اور اپنے پیچھے دروازہ آہستگی سے بند کر دیا۔ اسے دیکھ کر وہ سیدھی ہو بیٹھی۔ اس کا دل پہلو میں بے ترتیب ہونے لگا۔ تڑپ، جلن، بے قراری، کیا کچھ آنکھوں کی سطح پر نہ مچلا تھا۔

''کیسی ہو؟'' اس کا انداز اتنا سپاٹ تھا کہ یہ شوریدہ سر لہریں تھکی موج کی طرح اس کے دل کے ساحل پر ہی بکھر کر رہ گئیں۔

ایک پھیکی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی۔

''جس ماں کی گود اجڑ گئی ہو، اس کا حال کیسا ہو سکتا ہے؟'' وہ پلکیں جھکا گئی۔ وہ کہنا تو یہ چاہتی تھی جس عورت کا سب کچھ لٹ گیا ہو، جس کا ماضی آنسوؤں کی نذر، حال دل گرفتہ اور مستقبل بادِ صرصر کی طرح دکھائی دے رہا ہو وہ کیسی ہو سکتی ہے، اس کا کیا حال ہو سکتا ہے۔

مگر وہ یہ نہ کہہ سکی، شاید مورے کے الفاظ نے اس کے دل کو جکڑ لیا تھا۔ ''تم کوئی گری پڑی نہیں ہو، تمہاری جگہ اگر دل میں نہیں ہے تو قدموں میں بھی نہیں ہے۔''

''ایک چھوٹے سے بچے کی تم سے حفاظت نہیں ہو سکتی تھی تو پھر اسے ساتھ کیوں لے آئی تھیں؟ میں اس کا سگا نہ سہی، مگر اس کی حفاظت کر سکتا تھا۔'' وہ ملامت بھرے انداز میں کہہ رہا تھا۔

لالہ رخ نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا، نظریں ملیں تو مصطفیٰ خان کے دل پر بے نام سی آنچ پڑنے لگی۔ اس نے نظروں کا زاویہ بدل لیا اور کھڑکی کے شفاف کانچ سے باہر دیکھتے ہوئے بولا۔

''بات تو اعتبار کی ہے نا۔ اور تم نے کب مجھ پر اعتبار کیا تھا۔'' وہ شاید سنگ ملامت ہی برسانے آیا تھا۔ اسے تو ایسا ہی لگا۔

''سیف الرحمٰن نے تم سے رابطہ کیا ہے؟'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''نہیں۔''

''اس کا مطلب؟ تو اس کا حمزہ کو اغوا کرنے کا کیا مقصد ہے؟ کیا اس طرح ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے سے یا آنسو بہانے سے مسئلہ حل ہو جائے گا؟ وہ اگر خود سے رابطہ نہیں کر رہا ہے تو تم خود اس سے کنٹیکٹ کرو۔ آخر وہ چاہتا کیا ہے؟ کیا مقصد ہے اس کا اس حرکت سے؟''

''میں اس کا مقصد نہیں جانتی، نہ جاننا چاہتی ہوں۔ مجھے فقط حمزہ چاہئے۔'' وہ ہذیانی انداز میں چلائی اور کرسی سے اٹھ کر اس کی طرف بڑھی۔ ''اگر آپ کو اپنی طاقت اور محبت پر گھمنڈ ہے تو لا دیجئے میرا بچہ، چھین لیجئے اس سے میرا بیٹا۔'' اس کا ضبط بالکل اچانک ہی چٹخا تھا جیسے کانچ پر زوردار پتھر پڑا ہو۔ اِدھر سے اُدھر تک خراشیں ہی خراشیں پڑ گئی ہوں۔

کاش وہ خاموش ہی رہ جاتا۔ اس کے انتظار کا بھرم تو کچھ رہ جاتا۔ اس کی امید کا دامن یوں چھوٹ تو نہ جاتا۔ جیسے کوئی لہر ساحل پر ہی آ کر ڈبو گئی تھی۔

''باپ سے اس کا بچہ چھینا نہیں جا سکتا۔ ہاں، افہام و تفہیم سے ڈیل کی جا سکتی ہے۔'' وہ ٹھہری ٹھہری آواز میں کہتا اس کے ہاتھوں کی گرفت سے اپنا گریبان چھڑانے لگا۔ ''اور ہم بھی اس سے افہام و تفہیم سے بات کر لیتے ہیں۔ تم اس کے موبائل پر اس سے کنٹیکٹ کرو اور اسے کہو ہم اس سے ملنا چاہتے ہیں۔ وہ کیا چاہتا ہے، ہم پر صاف لفظوں میں واضح کر دے۔ کسی مناسب جگہ پر بیٹھ کر ہم اس سے ڈیل کر لیتے ہیں۔'' اس کا انداز اتنا سرد تھا کہ لالہ رخ

کو ایک پل کے لئے اپنے سینے میں کوئی چیز اٹکتی محسوس ہونے لگی۔ اسے اپنا دم گھٹتا محسوس ہونے لگا۔

اس کے گریبان سے ہاتھ ہٹا کر وہ آہستگی سے پیچھے ہٹتے ہوئے سراسیمگی سے بولی۔

''کس طرح کی ڈیل آپ اس سے کریں گے؟''

جواباً اس کی سرمئی آنکھوں کے کانچ پر بے نام سی اُداسی اتری تھی۔

''کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا ہی پڑتا ہے لالہ رخ! اور میرا نہیں خیال کہ حمزہ کی خاطر تم جو کھوؤ گی، وہ ایسا خاص کھونا ہو گا۔ بلکہ ہو سکتا ہے جسے میں ''کھونے'' سے تعبیر کر رہا ہوں، وہ کھونا نہیں پانا ہی ہو تمہارے لئے۔''

فون کی بیل ہو رہی تھی۔ مصطفیٰ خان اپنی بات ختم کر کے فون کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ اس نے لالہ رخ کے چہرے پر پھیلتے زرد سایوں کو دیکھا ہی نہیں، انجان بن گیا اور ریسیور اٹھا لیا۔

دوسری طرف اتفاق سے سیف الرحمٰن ہی تھا، اس نے اس کی آواز پہچانتے ہی ریسیور بڑی سرعت سے لالہ رخ کی طرف بڑھا دیا۔

''سیف الرحمٰن کا فون ہے، اس سے کہو وہ جو چاہتا ہے ہم ماننے کو تیار ہیں۔ وہ فوری طور پر تم سے ملے۔'' وہ ماؤتھ پیس پر ہتھیلی رکھ کر دبی زبان میں اس سے بولا۔

لالہ رخ نے اپنے بکھرتے حواس سنبھالتے ہوئے ریسیور پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔

✱☆✱

وہ مصطفیٰ خان کے ساتھ سیف الرحمٰن کی بتائی ہوئی جگہ آئی تھی۔ یہ ایک مقامی پارک تھا جہاں شام کے وقت لڑکوں کی اچھی خاصی تعداد فٹ بال میچ دیکھنے کو جمع ہو جاتی تھی۔ وہ دونوں داخلی دروازے سے قدرے فاصلے پر نسبتاً پُرسکون اور سنسان گوشے میں رکھے بینچ پر بیٹھے تھے۔ اس طرح کہ پارک میں ہر داخل ہونے والا ان کی نگاہ میں آ سکتا تھا۔

بیٹے سے ملنے، اسے وجود میں بھرنے کی تڑپ لالہ رخ کے چہرے سے چھلکی پڑ رہی تھی۔ سیف الرحمٰن کا انتظار اسے بڑا صبر آزما اور اعصاب شکن لگ رہا تھا۔ ایک ایک لمحہ گویا صدی بن کر گزر رہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا وقت پر لگا کر اڑنے لگے اور شام کے پانچ بج جائیں۔ مگر پانچ بجنے میں ابھی پورے پندرہ منٹ باقی تھے۔ وقت کو اتنا سسک سسک کر گزرتے اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا، جتنا آج گزر رہا تھا۔ اس کی بے قرار نظریں مصطفیٰ خان کی کلائی پر بندھی گھڑی پر جمی تھیں جس کی سوئیوں سے اس کا دل ہم آہنگ تھا۔

بڑے بے اختیارانہ انداز میں مصطفیٰ خان نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ سفید یخ بستہ ہاتھ اس کے دل کی حالت کا غماز تھا۔ وہ اسے ہلکے ہلکے تھپکنے لگا۔

''اگر وہ نہ آیا تو؟'' ایک ہی خدشہ کانٹے کی طرح اس کے دل کو چھید رہا تھا۔ اس کا تسلی آمیز لمس اسے پگھلانے لگا۔

اس سارے وقت میں یہ پہلا ٹھنڈا میٹھا تاثر تھا۔ آنسو اس کی آنکھوں کی سطح پر کرسٹل کے موتیوں کی طرح چمکنے لگے مگر وہ پلکوں کو جھپک کر انہیں پرے دھکیل گئی۔

''نہیں...... وہ ضرور آئے گا۔ اسے حمزہ سے یقیناً کوئی قلبی لگاؤ نہیں ہے۔ وہ اسے اپنے پاس رکھ کر کیا کرے گا؟ اسے تو بس اپنا مقصد پورا کرنا ہے۔'' اس نے آہستگی سے لئے ہوئے اس کا ہاتھ نرمی سے دبا کر چھوڑ دیا اور اسے یوں دیکھنے لگا جیسے کوئی اپنے ہاتھ سے اپنی بے حد قیمتی متاع کھونے جا رہا ہو اور اسی کو کھو دینے کے احساس سے چور ہو کر اسے تک رہا ہو۔ مگر یہ ہیجان لحظہ بھر کے لئے تھا، اس نے نظروں کا زاویہ بدل لیا۔ اس احساس کی لَو نیچے کر لی اور بے مہری سے رخ پھیر کر پارک کے انٹرنس کی جانب دیکھنے لگا۔

حقیقت یہ تھی کہ جتنی شدت سے لالہ رخ، سیف الرحمٰن کی منتظر تھی، اپنے بچے کو دیکھنے کا لمحہ لمحہ گن رہی تھی، وہ اتنا ہی ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اپنے دل میں بے عنوان سی وحشت بھرتی محسوس کر رہا تھا۔ اسے لمحے تیزی سے گزرتے لگ رہے تھے اور وہ بڑی بے بسی کے ساتھ لمحات کو یونہی اچھلتے بھاگتے دیکھ رہا تھا۔

سیف الرحمٰن کی گاڑی پارک کے دائیں طرف والے فٹ پاتھ پر آ کر رکی تو لالہ رخ بے تابانہ بینچ سے اٹھنے لگی مگر اس نے ہاتھ کے خفیف دباؤ سے اسے وہیں روک دیا۔ وہ مجروح پرندے کی طرح فقط پھڑپھڑا کر رہ گئی۔

سیف الرحمٰن گاڑی لاک کر کے اِدھر اُدھر نظریں دوڑانے لگا۔ اور جب ان دونوں پر اس کی نگاہ پڑی تو وہ بڑے بڑے ڈگ بھرتا اسی گوشے کی طرف چلا آیا۔

مصطفیٰ خان اس کے استقبال کے لئے لکڑی کے بینچ سے کھڑا ہو گیا۔ سیف الرحمٰن کے قدم اس سے چند قدم کے فاصلے پر ٹھٹک گئے۔ اس کی نظریں اس کے دلکش سراپے پر جم گئیں۔ وہ پہلی بار مصطفیٰ خان کو دیکھ رہا تھا۔

حسد، رقابت، نفرت کی ایک تیز لہر اس کے دل کے گوشے سے اٹھی اور اس کے چہرے کے زاویوں میں ایک کھنچاؤ کی صورت پھیل گئی۔ مصطفیٰ خان کی نظریں بھی جائزہ لینے والے انداز میں اس پر جمی تھیں۔ پستئی رنگ کے ٹراؤزر اور وہائٹ شرٹ میں وہ ایک معقول شکل و صورت کا آدمی تھا۔ اس کی پیشانی پر پڑے آڑے ترچھے بل اسے ایک خر دماغ، غصیلا اور قدرے احمق ظاہر کرتے تھے۔ اس کی آنکھوں کے گرد پھیلے حلقے اور چہرے پر بڑھی ہوئی شیو اس کے مسلسل ذہنی دباؤ کی غماز تھی۔ وہ خر دماغ، غصیلا اور منتقم مزاج آدمی نہ ہوتا تو یقیناً آج ایک کامیاب اور بھرپور زندگی گزار رہا ہوتا۔

وہ مصطفیٰ خان کو یکسر نظر انداز کر کے لالہ رخ کی طرف بڑھنا چاہ رہا تھا مگر وہ اس کی راہ میں کھڑا تھا۔ وہ جز بز ہو کر رہ گیا۔ وہ لالہ رخ پر کوئی استحقاق نہیں رکھتا تھا، اسے یوں کھڑے دیکھ کر یہ احساس اسے پست کرنے لگا۔

''حمزہ کہاں ہے؟ اسے ساتھ کیوں نہیں لائے ہو تم؟'' لالہ رخ حمزہ کو نہ پا کر پھٹ پڑی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ سیف الرحمٰن کا منہ نوچ لے، اسے پتھر اٹھا اٹھا کر مارنے لگے۔ اس نے تین دنوں سے اسے جس اذیت میں رکھا ہوا ہے اس سے کہیں زیادہ اذیت دے اسے۔

''وہ بہت آرام سے ہے، تمہیں اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس کا جواب

لالہ رخ کے لئے تھا مگر اس کی نظریں مصطفیٰ خان پر جمی تھیں، پھر نفرت سے رخ موڑتے ہوئے بولا۔ ''لالہ رخ! اس شخص سے کہو کہ یہ ہمارے درمیان سے ہٹ جائے، اس سے میرا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ جو باتیں ہوں گی، وہ تمہارے اور میرے درمیان ہوں گی۔ اس لئے کہ حمزہ ہم دونوں کا بیٹا ہے۔'' اس کا لہجہ زہر بجھا تھا، جیسے وہ اپنے اندر کے کسی ابال کو، اشتعال کو دبا رہا ہو۔

''میں یہاں تم سے کوئی بات کرنے نہیں آئی ہوں۔ مجھے فقط حمزہ چاہیے۔ اور میں اپنے بچے کو ہی لینے آئی ہوں۔'' وہ اپنی ڈھلکی چادر جسم کے گرد اچھی طرح لپیٹ کر مصطفیٰ خان کے پہلو میں آ کر کھڑی ہوگئی۔ وہ اسے اپنے طور پر جتا دینا چاہتی تھی کہ اس کا اب اس سے کوئی واسطہ، تعلق نہیں رہا ہے۔ وہ مصطفیٰ خان کی عزت ہے۔

''کہاں ہے میرا بچہ؟ کہاں رکھا ہے اسے تم نے؟ دیکھو سیف الرحمٰن، میرے ضبط کا امتحان نہ لو یہ تم سے نامانوس ہے، خوفزدہ ہے، اسے کیوں اذیت دے رہے ہو؟ اس نے کیا بگاڑا ہے تمہارا؟'' وہ بولتے بولتے یکدم رو پڑی۔ اتنے انتظار کے بعد بھی بیٹے کی جھلک تک نہ دکھائی دی تھی۔ اس کی ترستی آنکھیں اور سہار نہ سکیں۔

''کتنے ظالم ہو تم، ایک بچے کو انتقام کی بھینٹ چڑھا رہے ہو۔ اس سے اس کی ماں چھین کر تم اس کی سوائے نفرت کے کچھ بھی نہیں پا سکو گے۔ بولو، جواب دو، کہاں ہے میرا بچہ؟''

''میں نے کہا نا وہ بہت آرام سے ہے۔''

''جھوٹ بولتے ہو تم۔ وہ آرام سے نہیں ہو سکتا۔ وہ تم سے نفرت کرتا ہے۔'' وہ ہذیانی انداز میں اس کی طرف لپکی کہ مصطفیٰ خان نے جلدی سے اسے آگے بڑھنے سے روک دیا۔

''مصطفیٰ! یہ جھوٹ بولتا ہے۔ میرا بچہ اس سے مانوس نہیں ہے۔ وہ اس سے خوفزدہ ہے۔ اس کو دیکھ کر ایک بار پہلے بھی بیمار پڑ گیا تھا۔ بڑی مشکل سے سنبھالا تھا۔ اس نے میرے بچے کو اذیت میں رکھا ہوا ہے۔ یہ ظالم، بے رحم ہے۔''

''شٹ اپ۔ وہ میرا بیٹا ہے، میرا خون ہے۔ اسے ہمیشہ میرے پاس ہی رہنا ہے۔ اگر ابھی نامانوس ہے تو مانوس ہو جائے گا۔'' وہ بگڑ کر بولا۔ پھر قدرے استہزا آمیز مسکراہٹ کے ساتھ اس کی آنکھوں میں براہِ راست جھانکتے ہوئے بولا۔ ''آخر تم بھی تو مجھے چھوڑ کر اب خوش ہو۔ اس اجنبی سے مانوس ہو چکی ہو، وہ تو پھر بھی بچہ ہے اور.....'' اس کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ مصطفیٰ خان اس کا بازو پکڑ کر اسے ایک طرف کرتے ہوئے بولا۔

''میرا خیال ہے ان جلی کٹی باتوں میں وقت ضائع کرنے کی بجائے کسی معقول جگہ بیٹھ

کر، معقول انداز میں ہمیں باتیں کر لینی چاہئیں۔'' اس کا لہجہ دبنگ اور حکمیہ تھا۔ سیف الرحمٰن تلملا کر رہ گیا۔

''میں تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔ میری جو بات ہوگی لالہ رخ سے ہوگی۔ تمہارا حمزہ پر کوئی حق نہیں ہے، کوئی رشتہ نہیں ہے۔'' وہ حقیقتاً اس کے دبنگ لہجے سے مرعوب ہو گیا تھا مگر ظاہر نہ ہونے دیا۔

''اسے تم اپنی مجبوری سمجھ لو۔ اس لئے کہ تم اب لالہ رخ پر کسی طرح کا استحقاق نہیں رکھتے ہو، اس لئے جو باتیں ہوں گی تمہارے اور میرے درمیان ہی ہوں گی۔ قانوناً اور شرعاً تم یقیناً حمزہ کے باپ ہو مگر میں لالہ رخ کا شوہر بن کر اس وقت تمہارے سامنے کھڑا ہوں۔ اور جہاں تک حق کی بات ہے تو تم حقوق کی بات مت ہی کرو تو اچھا ہے۔ تم پر بہت سے حقوق واجب الادا ہیں۔ سو یہ باتیں رہنے ہی دو کہ کس پر کس کا حق ہے یا حق نہیں ہے۔'' وہ لکڑی کے بنے بنچوں کی طرف بڑھ گیا اور لامحالہ سیف الرحمٰن کو اس کی پیروی کرنا پڑی۔ جبکہ لالہ رخ مصطفیٰ خان کو شکایتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی وہ سیف الرحمٰن کا منہ بگاڑ دے، اس کا گریبان پکڑ کر اس کی پٹائی کر دے، اس سے حمزہ کا مطالبہ کرے مگر وہ افہام وتفہیم سے باتیں کرنے کا مشورہ دے رہا تھا۔

کوئی اس کے ممتا بھرے دل کو دیکھتا، اس کی تڑپ کو محسوس کرتا۔

ذہنی تھکن نے اسے بری طرح نڈھال کر دیا تھا۔

وہ لکڑی کے بنے بنچوں پر ایک دوسرے کے مقابل بیٹھ گئے۔

''میں یہاں تم سے کوئی قانونی یا شرعی زبان میں فصیح و بلیغ باتیں کرنے نہیں آیا۔ میں تو فقط حالات کا جائزہ لیتے ہوئے دو ٹوک باتیں کرنا چاہتا ہوں، جسے تم میرا فیصلہ بھی سمجھ لو۔ ہاں اب بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟ حمزہ کو اس طرح چھین لینے کا کیا مقصد ہے تمہارا؟'' مصطفیٰ خان نے نظریں سیف الرحمٰن کے چہرے پر گاڑ دیں۔ اس کے لہجے میں ایسی ہی سرد مہری تھی جیسی اس کے چہرے پر دکھائی دے رہی تھی۔

سیف الرحمٰن ایک پل کی خاموشی کے بعد ایک ہلکی سی سانس کھینچتے ہوئے بولا۔

''اگر تم ہم دونوں کے درمیان سے ہٹ جاؤ تو میں اپنا مقصد لالہ رخ پر خود ہی واضح کر دوں گا۔'' اس کے لب و لہجے میں ہنوز ایک ہلکی سی چبھن تھی۔ مصطفیٰ خان کے لبوں کی تراش میں ایک مسکراہٹ ابھر آئی تاہم اس کی سرمئی آنکھوں کی سطح پر اس مسکراہٹ کا شائبہ تک نہ تھا۔ وہ یونہی سرد سرد دکھائی دے رہی تھی۔

"تمہارا مقصد تمہارے اس جملے سے از خود واضح ہو ہی چکا ہے بلکہ مجھ پر بہت عرصہ ہوا واضح ہو چکا ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ایک اچٹتی نظر لالہ رخ پر ڈالی اور ایک پل توقف کرنے کے بعد بولا۔

"یوں بھی میرا تم دونوں کے درمیان رہنا اب بے کار ہے۔ میں خالص اور شفاف چیزیں پسند کرتا ہوں، خصوصاً محبت میں ناخالص احساس بڑا ہی تکلیف دہ ہوتا ہے۔ بات یہ ہے سیف الرحمٰن کہ بہت سے قدم انسان جذبات میں اٹھا لیتا ہے مگر جب جذبات کا طوفان تھمتا ہے تو سوچنے کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ اور تب بہت سے نقصانات اور زیاں کا احساس ستانے لگتا ہے، پچھتاوے بے چین کرنے لگتے ہیں اور یہ یقیناً بڑا اتفاق ہے کہ ہم تینوں ہی اپنے اپنے دائرہ میں پچھتا رہے ہیں، بے چین ہیں، مضطرب ہیں۔ بہت کچھ چاہنے کے باوجود کچھ نہ کر سکنے کی بے بسی میں مبتلا ہیں۔"

سیف الرحمٰن ذرا سا چونکا اور قدرے الجھ کر نئے سرے سے گویا مصطفیٰ خان کا سرتاپا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔

"عجیب بات ہے، تم بھی پچھتاوے کی بات کر رہے ہو، بے بسی اور بے اختیاری کی بات کر رہے ہو۔" وہ اس کی آنکھوں میں براہ راست جھانک رہا تھا جیسے اس کی بات کا یقین کرنا چاہ رہا ہو۔ مگر وہاں نہ درشتی تھی نہ طنز، نہ تحقیر آمیزی تھی۔ فقط ایک سرد سرد سی کیفیت تھی۔ اس نے جواباً ایک پُرملال سی سانس بھری اور سر جھٹکتے ہوئے بولا۔

"اگر میں درمیان سے ہٹ جاؤں تو تم حمزہ کو لالہ رخ کے سپرد کر دینے پر تیار ہو؟"

"میرا خیال ہے ایسا ممکن ہے۔" سیف الرحمٰن بلا تامل سر ہلانے لگا۔ اس کے چہرے پر یک بیک چمک لہرانے لگی تھی جیسے یہ بات اس کے لئے بڑی ہی خوشگوار ثابت ہوئی ہو۔

"یہ آپ لوگ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟" لالہ رخ یکدم وحشت زدہ ہو کر چیخ پڑی۔

مصطفیٰ خان کا یہ بے مہر اور سرد انداز پہلے ہی اس کے دل کو جکڑ رہا تھا، اس کا خون چوس رہا تھا، اس پر مستزاد اس کی باتیں زیادہ الجھائے دے رہی تھیں۔

"ہم یہاں جن باتوں کے لئے آئے ہیں، وہی باتیں کر رہے ہیں۔" وہ بظاہر دھیمے لہجے میں بولا مگر اس میں ملائمت نام کو نہ تھی۔ اس کے لبوں پر ایک خفیف سی مسکراہٹ پھیل کر معدوم ہو گئی تھی۔ "میں تمہیں فقط حمزہ ہی نہیں، تمہاری خوشیاں بھی لوٹانا چاہتا ہوں۔ وہ ساری خوشیاں، جن سے تم محروم کر دی گئی ہو۔ جو میری مٹھی میں نہیں تھیں، سیف الرحمٰن کی مٹھی میں ہی رہ گئی تھیں۔"

"کیا...... کیا مطلب؟" لالہ رخ کا اٹھا ہوا سر ایک پل کے لئے اسی زاویئے پر رہ گیا۔ وہ اُلجھی نظروں سے مصطفیٰ خان کو دیکھنے لگی جس کے چہرے پر اتنی سرخی تھی کہ لگ رہا تھا ابھی خون چھلک پڑے گا۔ یہ شاید کسی اندرونی خلفشار اور ضبط کی غماز تھی۔

"ویری سمپل۔ میں درمیان سے ہٹ جاتا ہوں۔" اس نے گویا اس کے اعصاب پر بغیر حیل و حجت دھماکہ کر دیا۔ "اور وہ ساری تلافی ممکن ہو جائے گی جو میری موجودگی میں ناممکن بنی رہے گی۔ تمہیں نہ صرف تمہارا بیٹا مل جائے گا بلکہ تم اور سیف الرحمٰن ایک بار پھر......"

"چپ ہو جاؤ...... خدا کے لئے چپ ہو جاؤ، آگے ایک لفظ بھی مت کہنا۔" وہ اس کی بات کا مفہوم جان کر تھرا اٹھی اور دُکھ، بے یقینی اور صدمے سے اسے دیکھتے ہوئے جھٹکے سے بینچ سے اٹھی مگر لڑکھڑا گئی اور جلدی سے بینچ کی کھردری سطح پر ہاتھ رکھ کر خود کو سنبھالنا چاہا۔ مگر لگ رہا تھا زمین آسمان سب آنکھوں کے آگے گھوم رہے ہوں۔

اس کے گمان میں بھی نہ تھا کہ مصطفیٰ خان کے منہ سے اگلے لمحے اس طرح کے جملے ادا ہوں گے جو اس کی روح کو آنِ واحد میں چھید کر کے رکھ دیں گے، کٹڑے کٹڑے اسے بھسم کر دیں گے، اس کے اعصاب کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیں گے۔

احساسِ ذلت سے کتنی دیر تک وہ کسی بھی ردعمل کے قابل نہ رہی۔ بس تحیر آمیز بے یقینی سے مصطفیٰ خان کو دیکھنے لگی۔ جسے اب تک زندگی سمجھ رہی تھی وہ موت کا پیغام بن کر چلا آیا تھا۔

"یہ الفاظ سیف الرحمٰن کے منہ سے سن کر مجھے دُکھ نہ ہوتا، مگر تمہارے منہ سے سن کر مجھے اپنی ان تمام بیتی گھڑیوں اور گزرے شب و روز پر تاسف ہونے لگا ہے جو تمہارے انتظار میں سلگ سلگ کر گزارے ہیں۔ تم...... مصطفیٰ خان! تم مجھے اس طرح ذلیل کرنے والے کون ہوتے ہو؟ مجھے اپنے فیصلوں کی تلوار سے قتل کرنے والے کون ہوتے ہو؟ بولو۔" شیشۂ دل پر اتنے زور سے پتھر لگا کہ کرچیاں اندر ہی اندر بکھر کر لہولہان کرنے لگیں۔

"میرے حق میں فیصلہ کرنے کا اختیار تمہیں کس نے دے دیا ہے، میری زندگی کو تماشا بنانا چاہ رہے ہو۔ میں تمہاری بیوی ہوں، عزت ہوں، کوئی مویشی ڈنگر نہیں ہوں کہ جہاں دل چاہو، جس گھاٹ چاہو مجھے لے جا کر باندھ دو، جس طرح چاہے ذبح کر دو۔ اپنی مرضی کے فیصلے مجھ پر تھوپنے والے کون ہوتے ہو تم، کون ہوتے ہو تم؟" وہ اس پل اس بات سے یکسر بے پرواہ ہو گئی تھی کہ وہ کھلے پارک میں کھڑی ہے۔ اسے لوگوں کی قطعی پرواہ رہی نہ مصطفیٰ خان کی۔ وہ صدمے سے پاگل ہو رہی تھی، اذیت سے مر رہی تھی۔

"تمہیں تو اپنے خاندانی وقار، آن بان پر بڑا ہی مان تھا، روایتوں کی پاسداری اور غیرت کے نام پر قتل کرنا تو تم خاندانی لوگوں کا شیوہ ہے۔ اب کہاں گیا وہ وقار، وہ آن بان۔ اپنے گھر کی عزت کو دوسروں کی جھولی میں ڈالتے ہوئے تمہاری غیرت پر کوئی حرف نہیں آیا مصطفیٰ خان! تمہارا وقار ایسی گری ہوئی باتوں سے مجروح نہیں ہوا، تمہاری خاندانی عظمت اور آن بان پر حرف نہیں آیا۔ اس سے تو بہتر ہوتا تم مجھے غیرت کے نام پر قتل ہی کر دیتے۔ گولی سے اڑا دیتے۔ اپنے ہاتھوں سے گلا گھونٹ دیتے۔ مگر ایسا ذلت آمیز سودا تو نہ کرتے، اپنے وقار کی دھجی دھجی نہ کرتے۔ یوں میری نظروں میں نہ گرتے۔"

یہ صورت حال ان دونوں کے لئے یقیناً سٹپٹا دینے والی تھی۔

اس کی آنکھوں سے آنسو چشمہ کی طرح ابل رہے تھے۔

"کاش...... کاش، تم یہاں نہ آتے۔ کچھ تو بھرم رہ جاتا، میں اپنی ہی نادانیوں، کوتاہیوں کی لگائی ہوئی آگ میں سلگتی رہتی۔ مگر میرا یقین، میری امید یوں ریزہ ریزہ تو نہ ہوئی ہوتی۔ تمہاری محبت کا کچھ تو بھرم رہ جاتا۔ میں خوش فہمیوں میں کچھ اور جی لیتی۔" وہ اسے گھائل نظروں سے دیکھ رہی تھی کہ مصطفیٰ خان کا چہرہ جل رہا تھا، اس کے لہجے کی دل گیری اور مجروح انداز اس کی روح پر کوڑے برسانے لگا۔

اس کا رواں رواں دکھ اور تاسف آمیز بے یقینی سے لرزتا ہوا مصطفیٰ خان پر مرکوز تھا اور اس کی آنکھوں کی دہکتی، سلگتی بے یقینی مصطفیٰ خان کی روح کو چیرے دے رہی تھی۔ وہ اس کی آنکھوں کی اس چھلکتی وحشت سے نگاہیں کترا گیا۔ اس کے گمان میں بھی نہ تھا کہ حالات یوں پلٹا کھا جائیں گے۔ اس کا ردعمل اس قدر ہذیانی اور ہیجانی ہوگا۔

"یاد رکھو! مجھے حمزہ کے بدلے ایسی ذلت ہرگز گوارا نہیں ہے۔ میں اپنے بچے کو اپنی عزت پر قربان کرتی ہوں۔ لے جاؤ سیف الرحمٰن! لے جاؤ میرے بچے کو تم۔ مگر خدا کے لئے تم دونوں مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، میری زندگی کو تماشہ نہ بناؤ۔ میں مر گئی ہوں آج تم دونوں کے لئے۔" اس نے ڈبڈبائی نظروں سے دونوں کو باری باری دیکھا اور ایک گھائل نظر مصطفیٰ خان پر ڈال کر پلٹ کر وہاں سے بھاگی۔

مصطفیٰ خان نے تڑپ کر اس کی طرف لپکنا چاہا مگر ایک احساسِ ندامت کسی بھنور کی طرح اس کے پیروں سے لپٹ کر رہ گیا۔ وہ بھاگتی ہوئی پارک سے نکل گئی تھی۔

شدید ترین احساسِ بے بسی سے وہ مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔

سیف الرحمٰن بھی اپنی جگہ بالکل گم صم سا رہ گیا تھا۔ شاید اس کے ذہن کے کسی گوشے

میں بھی یہ بات نہ تھی کہ مصطفیٰ خان یوں درمیان سے ہٹ جانے کو کہے گا۔ اور یہ کہ لالہ رخ کا ردعمل اس قدر شدید ہوگا۔ مصطفیٰ خان کے لئے اس کی آنکھوں میں جو یقین تھا، جو مان تھا، وہ جس بری طرح سے ٹوٹا تھا اس پر نہ صرف مصطفیٰ خان متاسف تھا بلکہ وہ خود بھی ایک عجیب سی افسردگی کی لپیٹ میں تھا۔ اسے لگا جیسے دو تین سال پہلے والے ناقابل تلافی حادثے سے گزر رہا ہو۔ اس نے بھی اس کا مان یقیناً اس بری طرح توڑا تھا۔

وہ سر جھکا کر بینچ پر بیٹھ گیا۔ لالہ رخ کی ڈبڈبائی آنکھیں، اس کے لہجے کی دل گیری، دل سوزی اس کے دل پر آنچ کی طرح پڑ رہی تھیں۔

اس کی سسکیاں اس کے دل کو یوں جکڑ رہی تھیں جیسے کسی خونی پرندے کے پنجے نرم نرم گوشت کو کھرچ رہے ہوں، نوچ رہے ہوں۔

اس کا سر گھومنے لگا، اعصاب میں بے نام سا کھنچاؤ ہونے لگا۔

مصطفیٰ خان جا چکا تھا مگر وہ اسی بینچ پر بیٹھا رہا۔

حالات کا جائزہ لیتے ہوئے نئے سرے سے سوچنے لگا۔

⁂

وہ سکون آور انجکشن کے زیر اثر سو رہی تھی۔ مورے دل گرفتہ، افسردہ سی اس کے بستر کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھی تھیں۔

طلال اس کی ڈرپ چیک کر کے پلٹا تو مورے کو دیکھ کر اس نے نرمی سے ان کے کندھے پر تسلی آمیز انداز میں ہاتھ رکھ دیا۔

"آپ بھی کچھ دیر آرام کر لیں، رات سے یونہی بیٹھی ہیں۔ یہ جاگے گی تو بالکل ٹھیک ہو گی، آپ فکرمند نہ ہوں۔"

کئی دنوں کے مسلسل ذہنی اور اعصابی دباؤ کے باعث اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا اور سب کا یہی خیال تھا کہ یہ ٹینشن حمزہ کے اغوا کی ہے۔ مگر مورے جانتی تھیں یہ نروس بریک ڈاؤن کیوں ہوا تھا۔

اور مصطفیٰ خان احساسِ ندامت سے چور پژمردہ، ملتان کی سڑکوں پر بھٹکتا پھر رہا تھا۔ اپنے اندر لگی آگ بجھانے کی کوشش کر رہا تھا مگر یہ آگ بجھنے والی کہاں تھی۔ یہ تو اس کی اپنی لگائی ہوئی آگ تھی جو اسے ہی نہیں، لالہ رخ کو بھی جلا گئی تھی، اس کی تمام امیدوں کو خاکستر کر گئی تھی۔

"جذبات جس عمر میں بھی ہوں، ان میں توازن نہ رہے تو یہ بڑی تباہی لاتے ہیں، ہر

شے کی زیادتی، بداعتدالی خراب ہے، توازن زندگی کا حسن ہے بلکہ روح ہے۔"

مورے کے الفاظ اس کے دماغ میں ٹھوکریں مار رہے تھے۔ اس نے سوچا حقیقتاً اس نے اپنی پوری عمر جذبات کی نذر کر دی تھی، جذبات میں کبھی توازن نہ رکھا، محبت بھی کی تو شدید اور بدگمان بھی ہوا تو اتنا کہ دیوار پر دیوار کھڑی کرتا چلا گیا۔ خود رو جھاڑیوں کو جنگل کی طرح اُگاتا چلا گیا۔

"تم کیا چاہتے ہو، اب وہ زندہ بھی نہ رہے؟ سانس بھی نہ لے اس زمین پر؟ اس نے تمہاری خاطر حمزہ کو قربان کر دیا۔ اب اور کتنی آزمائش منظور ہے تمہیں؟" مورے کے لہجے کی کاٹ اسے کاٹ کر رہ گئی۔

"خدا کے لئے مورے! مجھے یوں میری نظروں میں ذلیل نہ کریں، میرا مقصد اس کی آزمائش نہیں تھا، میں اسے خوشیاں دینا چاہتا تھا، اس کی بکھری ہوئی منتشر زندگی کو ساحل دینا چاہتا تھا مگر......" اس کا لہجہ پست اور مدافعانہ تھا۔

"وہ یہ نہیں چاہتی تھی جو تم سمجھتے رہے ہو۔" مورے کے انداز میں دل گرفتگی اترنے لگی۔ "کبھی اس کے دل میں اتر کر دیکھ لیا ہوتا طفیٰ! اس کے دل کا حال جاننے کی کوشش کی ہوتی کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ عورت بڑی کمزور اور نادان ہستی ہوتی ہے، اسے قدرت نے ہی کمزور بنایا ہے، اسی لئے اسے درگزر کرنے کی بارہا تاکید کی ہے مردوں کو۔ نادانی کی اتنی کڑی سزا نہیں ہوتی طفیٰ! اس کی پارسائی پر تم نے ایسا داغ لگایا ہے کہ وہ سات پانیوں سے بھی شاید ہی ڈھل پائے۔ رات بھر وہ میری گود میں سر ڈالے بلک بلک کر روتی رہی۔ کسی پل قرار نہیں آتا تھا۔ اور قرار آتا بھی کیسے؟ تم نے زخم ہی ایسا دیا ہے۔ کاش، تم یہاں نہ آتے، وہ تمہارے تصور سے بہلی رہتی، ایک امید پر زندہ تو رہتی۔ تم نے آ کر سب کچھ کرچی کرچی کر ڈالا طفیٰ! الفاظ کے تیر بڑے ظالم ہوتے ہیں طفیٰ! یہ رگ رگ کو کاٹ کر رکھ دیتے ہیں، ٹوٹے کانچ کی طرح اندر تک خراشیں ڈال دیتے ہیں۔ کیسے اس کا مداوا کرو گے؟ بولو، کس طرح ان خراشوں کو مندمل کرو گے؟"

وہ ندامت سے چور چور ہونے لگا۔ بے قراری سے بالوں میں ہاتھ پھیرتا سنسان سڑکوں پر دیوانوں کی طرح گھومنے لگا، کسی طرح تو احساسِ زیاں کم ہو۔ یہ بے قراری اضطراب تھے۔ مگر مورے کے الفاظ اس کے اضطراب اور ندامت کو اور مشتعل کر گئے تھے۔

"یہ تو اس کی عظمت اور بڑائی ہے کہ اس نے تمہارے اس گھٹیا روپ کا پردہ رکھ لیا ہے، کسی کو کچھ نہیں بتایا ورنہ تم اور میں اس وقت جو یہاں کھڑے دکھائی دے رہے ہیں، یہاں

کھڑے رہنے کے قابل بھی نہ رہتے، میرا سر جھکا دیا تم نے طفیٰ! میرا سارا مان توڑ دیا تم نے۔ میں تو بڑی خوش فہمی میں جی رہی تھی کہ جس عورت کو بھی بہو بنا کر لے جاؤں گی، وہ میرے بیٹے کے دل میں، اس کے گھر میں رانی بن کر راج کرے گی۔ مگر تم نے میری ساری خوش فہمیوں کا تنکا تنکا بکھیر دیا، مجھے عرش سے فرش پر لا پٹخا۔ میں اپنی ہی نظروں میں گر کر رہ گئی ہوں۔"

"مجھے معاف کر دیں مورے......" وہ ان کے قدموں میں بیٹھ گیا تھا۔ اسے کچھ سجھائی نہ دے رہا تھا، کوئی راہ دکھائی نہ دے رہی تھی۔

"میں اس کے سارے آنسوؤں کا ازالہ کر دوں گا، آپ کی تمام امیدوں کو پورا کر دوں گا، آپ فقط ایک بار اس سے مجھے معافی دلا دیں، میں اپنے سارے الفاظ واپس لیتا ہوں۔"

"جانتے ہو "معافی" لفظ بول دینا کتنا آسان ہوتا ہے۔ ایک پتھر اٹھا کر کسی کو مار دینا، زخمی کر دینا اور پھر کہہ دینا میں اپنا پتھر واپس لیتا ہوں، مجھے معاف کر دو۔" مورے کے لہجے میں کروٹ کروٹ دل گرفتگی تھی، تلخی تھی، غصہ اور بے بسی تھی۔

مصطفیٰ خان کو لگا اس کی زندگی میں شاید اس سے زیادہ ذلت آمیز اور بدترین لمحات نہیں آئے تھے جب وہ اس طرح، اس کی اور اپنی ماں کی نظروں میں ریزہ ریزہ ہوا ہو۔ اپنے آپ سے کراہیت ہونے لگی اسے۔ ندامت پور پور کو کاٹ رہی تھی۔

جذبات میں آ کر اس نے اپنے اور لالہ رخ کے سارے ہی زخم ادھیڑ کر رکھ دیئے تھے اور مورے ٹھیک کہتی ہیں، الفاظ کے تیر ظالم ہوتے ہیں، یہ رگ رگ کو کاٹ کر رکھ جاتے ہیں۔

دل پشیمانی کی انتہا کو چھو رہا تھا۔

سکوت اور اعصاب شکن خاموشی سے وہ فرش کو گھورتا رہا، پھر اٹھ کر باہر نکل گیا تھا۔

☀☆☀

کوئی کیفیت دائمی نہیں ہوتی، جب دنیا ہی دائمی نہیں ہے، ہر شے کو فنا ہونا ہے تو جذبے، احساسات، کیفیات دائمی کیسے ہو سکتی ہیں؟ اگر یوں ہونے لگتا تو دنیا کی ہر شے پر ایک جمود طاری دکھائی دیتا۔ یہ رنگا رنگی، شور و غل، رونا ہنسنا اور یہ رنگینیاں سب کیفیت کے تغیر کے باعث ہی ہیں۔

اس کا خیال تھا اب اس کی ساری عمر اسی طرح گزر جائے گی۔ اس نے سب کی تسلیوں، تشفیوں سے منہ موڑ لیا تھا، چپ اوڑھ لی تھی۔ ایسی دہکتی چپ جو صبر اور استقامت کی نہیں ہوتی، اذیت ناک، تکلیف دہ اور کرب آمیز ہوتی ہے۔ مگر جلال بھائی اس کی اس کیفیت کو

ڈپریشن کی وقتی کیفیت کہہ رہے تھے اور اس کے سر پر دست شفقت رکھے اس روز بڑے پیار سے سمجھا رہے تھے، اس کی تسلی تشفی کا معاملہ کر رہے تھے۔ چونکہ ابھی اتنا ہی ان کے اختیار میں تھا تاہم وہ مایوس نہیں تھے مگر اسے دل گرفتگی، آزردگی کی اس کیفیت سے نکالنا چاہ رہے تھے۔ مگر انہیں کیا پتہ الفاظ زہر بھی ہوتے ہیں اور تریاق بھی۔ مگر جو زہر اس کی رگ رگ میں مصطفیٰ خان نے اتارا تھا، اس کا تریاق اس طرح کہاں ممکن تھا۔

''کبھی کبھی میں سوچتا ہوں ہم زندگی کو بالکل سادہ سے انداز میں کیوں نہیں لیتے۔ جو لیتے ہیں وہ میری نظر میں بہت سمجھ دار، مطمئن اور قانع قسم کے لوگ ہوتے ہی یعنی جس طرح تقدیر نے رکھا، رہ گئے۔ اور کتنی کم عقلی کی بات ہے کہ ہمارے اس طرح لینے یا نہ لینے سے زندگی کو کوئی فرق نہیں پڑتا، مسائل ہنوز رہیں گے۔ دُکھ، غم، خوشیاں اپنے وقتوں پر آئیں گی اور چلی جائیں گی، انہیں محسوس کرو یا نہ کرو، ان کا چکر جاری رہتا ہے۔

اب اگر ایک شخص برسات کو ناپسند کرتا ہو تو بارش تو اس کی ناپسندیدگی کا خیال نہیں کرے گی کہ برسنا رک جائے اور اگر ایک شخص بے چینی سے بارش کا منتظر ہے تو بارش اس کے لئے بے وقت برسنے نہیں لگے گی۔ وہ تو موسموں کے تغیر پر انحصار کرتی ہے۔ ہمارے چاہنے نہ چاہنے، پسند ناپسند پر نہیں۔ تو سب مسائل، پریشانیاں ہمیں زیادہ پریشان کرنے نہیں آتیں۔ درحقیقت یہ ہمیں بہادر بنانے، ہمارے صبر و استقلال کو اور مضبوط کرنے آتی ہیں۔''

مصطفیٰ خان کی نگاہیں اس پر جمی تھیں جبکہ وہ گلاس وال سے لگی باہر کے مناظر پر خالی نگاہیں جمائے کھڑی جلال بھائی کی باتیں سن رہی تھی۔ اور سن بھی رہی تھی یا نہیں...... یونہی بے ارادہ رخ موڑا تو نظریں اس سے جا ملیں۔ اس تصادم پر جانے کیوں وہ نگاہوں کا زاویہ بدل گیا۔

''آپ ٹھیک کہتے ہیں جلال بھائی! خوشیاں، مسائل، پریشانیاں اپنے وقت پر آئیں گی اور چلی جائیں گی، ان کا چکر جاری و ساری رہتا ہے۔ بس بات تو ساری محسوس کرنے کی ہے اور مجھ جیسے لوگوں کے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ وہ شدت سے محسوس کرتے ہیں اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی مسائل اور پریشانیوں میں الجھا کر رکھ دیتے ہیں۔ سارا مسئلہ ہی جذبات اور احساسات کا ہوتا ہے۔ اگر جذبات پر آدمی کو اختیار مل جائے تو آدھے مسائل ہی حل نہ ہو جائیں۔'' وہ ہلکے سے ہنسی مگر اس کی ہنسی روح سے خالی تھی، بے جان، بے رونق۔ پھر دھیرے سے سانس کھینچتے ہوئے بولی۔

''آپ لوگ فکر مند نہ ہوں۔ میں جذباتیت سے نکل آئی ہوں اور اب زندگی کو مختلف

انداز سے برتنا سیکھ لیا ہے۔ میں حمزہ کے بغیر جی لوں گی، بہرحال جینے کی کوشش کروں گی۔ کچھ پانے کے لئے بہت کچھ کھونا ہی پڑتا ہے۔'' وہ یہ کہہ کر گلاس وال کھول کر کھلے صحن میں نکل گئی۔

سب کے دل اداس تھے۔ مگر اتنا بھی بہت تھا کہ وہ بستر سے اٹھ چکی تھی اور خود کو سنبھال رہی تھی، حالات کو فیس کرنے کا حوصلہ سمیٹ رہی تھی مگر کون جانتا تھا کہ وہ سنبھلی نہیں تھی۔ اس کا دل دنیا سے اچاٹ ہو گیا تھا، وہ اندر سے مر رہی تھی۔ جذباتیت کی دنیا سے نکل نہیں گئی تھی بلکہ جذباتیت اس کے اندر مر گئی تھی اور جذباتیت کا مر جانا کوئی قابل تحسین بات بہرحال نہیں ہوتی بلکہ قابل تشویش ہوتی ہے۔ یہ بات مصطفیٰ خان اچھی طرح جانتا تھا، اس کے الفاظ اس کے اندر بہت بڑی دراڑیں ڈال گئے تھے اور کسی کے لگائے ہوئے زخموں، خراشوں کو کوئی اور کیسے بھر سکتا ہے۔

مصطفیٰ خان مضطربانہ انداز میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے پیچھے چلا آیا۔

''میں تمہیں اب کچھ بھی کھونے نہیں دوں گا لالی!'' وہ کہنا تو بہت کچھ چاہتا تھا مگر فقط اتنا ہی کہہ سکا۔ اس کے الفاظ یکدم بے دم سے ہو کر رہ گئے۔ وہ بوگن ویلیا کی باڑھ کو نوچتے ہوئے بے اختیار اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ پھر یکسر بے کیفیت انداز میں ہنس دی۔

''کھونے اور پانے کا اختیار آدمی کے اپنے ہاتھ میں کب ہوتا ہے۔ اور المیہ یہ ہے کہ ہم اپنی اپنی ظاہری اناؤں کی خاطر حقیقی انا کا قتل کر دیتے ہیں۔ بہت سی باتیں وقت پر نہیں کہہ پاتے اور صحرا جیسی خاموشی اوڑھ کر اپنے آپ کو اندر ہی اندر مار ڈالتے ہیں۔ بارش اپنے وقت پر برستی ہے، یہ ہماری خواہش پر بار بار نہیں برستی۔ تقدیر ایک موقع ہر ایک کو ضرور دیتی ہے۔ اور وہ کم عقل، نادان وہ موقع کھو دے تو پھر صحرا اس کا مقدر بن جاتا ہے۔''

خنکی کے باعث اس نے اسکائی رنگ کی شنیل کی چادر اوڑھ رکھی تھی جو ڈھلک کر اس کے کندھے پر پھسل رہی تھی۔ آزردگی، اضمحلال اور تھکن نے اس کے سارے سراپے کی روشنیاں کھینچ لی تھیں، آنکھوں کے گرد گہری سرخی اس کے ذہنی اور جسمانی آزار کی غماز تھی۔ وہ اس دیے کی طرح لگ رہی تھی جسے ناموافق ہوا کے تھپیڑے نے بجھا کر رکھ دیا ہو۔

''میں کچھ نہیں جانتا، بس میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا۔ اب میں تمہیں کسی قیمت پر کھونا نہیں چاہتا لالی! چاہے مجھے اس کے لئے اپنی تمام ظاہری اور حقیقی اناؤں کو کچلنا پڑے۔'' اس نے جھٹکے سے اس کا رخ اپنی طرف کر لیا۔ اس کے بازو اسے گھیرے میں لینے کو مچل رہے تھے مگر وہ آہستگی سے دور ہٹ گئی۔

"تم بھول رہے ہو کہ تم مجھے سیف الرحمٰن کے حوالے کر رہے تھے۔ تم از خود مجھے کھو رہے تھے اور......"

"وہ میرا جذباتی پن تھا، میری نادانی تھی۔"

"کتنی آسانی سے تم اسے اپنی نادانی، اپنا جذباتی پن کہہ کر بری الذمہ ہو رہے ہو۔" وہ گھائل نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ "نہیں مصطفیٰ خان! تم مجھے آزما رہے تھے، تمہارے لاشعور میں شک کا ناگ پھن پھیلائے بیٹھا تھا۔ تم بدگمانی کی انتہا پر تھے اور اب جبکہ تمہارا شک زائل ہو رہا ہے تو تم مجھے بہلانے چلے آئے ہو۔ اتنے کٹھن انتظار کے بعد تم نے مجھے دیا بھی تو کیا تمغہ دینا چاہا۔ میری ساری ہستی کو آگ کی نذر کر کے رکھ دیا، مجھے شعلوں میں دھکیل دیا، مجھے حقیر کر کے رکھ دیا۔" وہ شکوہ نہیں کرنا چاہ رہی تھی مگر بے ارادہ کرتی چلی گئی۔

اس نے سوچ لیا تھا اب وہ نہیں روئے گی، بہت سخت گیر ہو جائے گی۔ چپ اوڑھ لے گی، بے حسی کی زندگی گزار لے گی اور چپ چاپ مورے کے ہمراہ مردان چلی جائے گی۔ بہت سے لوگ ہیں جو اپنی ذات اور انا کو قربان کر کے بھی تو زندگی گزار رہے ہیں، وہ بھی گزار لے گی۔ مگر وہ بے ارادہ شکوہ کر بیٹھی۔ اس کے سامنے آ جانے سے، مخاطب کر لینے سے سارے زخم ہرے ہونے لگے تھے۔ ہر زخم کا ٹانکا ٹوٹتا گیا تھا۔ تاہم آنسوؤں کو اس نے اپنے اندر ہی خشک کر لیا تھا، وہ اب اس کے سامنے ایک آنسو بھی نہیں بہانا چاہتی تھی۔

"عورت کا کوئی مقام نہیں ہوتا۔ وہ ہمیشہ بے مقام رہتی ہے۔ اس کے مقام کا تعین کرنے والے پاگل، نادان ہوتے ہیں۔ یہ تو آنکھ سے نکلے آنسو کی طرح بے ٹھکانہ ہوتی ہے، کوئی دامن سمیٹنے کو آگے آئے تو آئے ورنہ کہاں گرتا ہے، کہاں جذب ہو کر گم ہوتا ہے، کچھ خبر نہیں۔" وہ دیوار سے لگ کر بوگن ویلیا کے پھولوں کو تکتے ہوئے ایک آزردگی سے بولی۔

"مگر کچھ آنسو جس طرح بہت انمول ہوتے ہیں اور جنہیں فرشتوں کی انگلیاں چن لیتی ہیں، اسی طرح کچھ عورتیں بہت انمول ہوتی ہیں، انہیں کھو کر پچھتاوے روگ لگا دیتے ہیں اور میں سیف الرحمٰن کی طرح تمہیں کھونا اور عمر بھر پچھتانا نہیں چاہتا۔ ادھر دیکھو میری طرف۔" اس نے اسے کندھوں سے تھام کر اس کا رخ اپنی طرف کرنا چاہا۔

"آنکھیں دل سے مشروط ہوتی ہیں لالہ رخ! ان سے زیادہ سچ اور کہیں نہیں لکھا ہوتا۔ یہ دل کی کھڑکیاں ہیں، ان میں جھانک کر دیکھو، سچ کیا ہے، جھوٹ کیا ہے، صاف لکھا دکھائی دے گا تمہیں۔" وہ اپنی آنکھیں اس کے چہرے پر جماتے ہوئے لجاجت سے کہہ رہا تھا، التجا کر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اس لمحے اس کے ساتھ کی فطری خواہش مچل رہی تھی۔ اس

محبت کی طلب ہونے لگی تھی جس کے کندھے پر سر رکھ کر وہ اپنی تمام تھکن، الجھاؤ، وحشت، اضطراب اتار سکے اور محبت کے خوش نما ہاتھوں میں اپنا آپ سونپ کر زندگی کو فطری انداز میں گزار سکے۔

وہ چاہنے کے باوجود نظریں نہ چرا سکی۔ اس کی آنکھوں کے طلسم نے اسے جکڑ لیا۔

کئی لمحے دبے پاؤں گزر گئے، بنا کوئی آہٹ کیے، کوئی شور کیے۔

اچانک اس خاموشی میں روشانہ کی شدت آمیز چیخ سنائی دی۔

"لالی...... لالہ رخ! طلال! حمزہ آ گیا۔ وہ اسے لے آیا ہے۔" اس نے ٹیرس کی ریلنگ سے سیف الرحمٰن کی گاڑی سے حمزہ کو اترتے دیکھ لیا تھا اور بدحواس سی سیڑھیاں پھلانگتی چیختی نیچے اتری تھی۔

وہ دونوں بیک وقت چونکے تھے۔

دوسرے پل لالہ رخ بے تابانہ دروازے کی جانب بھاگی تھی۔ حمزہ گیٹ سے اندر داخل ہو رہا تھا۔

روشانہ کے اس مسرت آمیز شور نے سب کو ہی متوجہ کر دیا تھا۔ جالی کا دروازہ دھکیل کر سب سے پہلے طلال باہر نکلا تھا، اس کے پیچھے خرم اور سعدیہ بھابی۔

لالہ رخ کے سینے سے لگے حمزہ کو دیکھ کر ایک بے طرح خوشی سب کے چہروں کو چھو گئی تھی۔ مصطفیٰ خان سرعت سے گیٹ کی طرف بڑھا اور باہر جھانکا۔ سیف الرحمٰن اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا دکھائی دیا۔ اس نے مصطفیٰ خان کو گیٹ سے جھانکتے دیکھا اور گاڑی اسٹارٹ کر کے رش انداز میں بھگا لے گیا۔

وہ ایک تشکر آمیز احساس کے ہمراہ اس کی گاڑی کو نظروں سے اوجھل ہوتے دیکھتا رہا۔

✳☆✳

حمزہ کو لالہ رخ کے سپرد کر دینے کا فیصلہ گو کہ سیف الرحمٰن کا ایک جذباتی فیصلہ تھا مگر وہ قطعی بے چین اور مضطرب نہیں تھا، کوئی پچھتاوا نہیں ہوا تھا۔ ہاں بس ایک بے نام سی خاموشی اس کے اندر تک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ آتے ہی جوتوں سمیت بیڈ پر دراز ہو گیا اور خالی خالی نظروں سے چھت کو تکنے لگا۔ پارک سے اٹھتے ہوئے اس کا دل یکسر جذبہ نفرت اور جذبہ انتقام کے حصار سے نکل کر ایک حساس انسان کی طرح نرم و گداز ہو گیا تھا۔

عجیب بات تھی پارک میں آنے سے پہلے تک وہ اپنے دل میں مصطفیٰ خان کے لئے بے انتہا نفرت محسوس کر رہا تھا، اسے قتل کر دینے، اسے راستے سے ہٹانے کے ہزار ہا منصوبے

سوچتا آیا تھا، اس کا خیال، اس کا تصور حتیٰ کہ اس کے نام کے ساتھ اسے اپنے پہلو میں گرم گرم سلاخیں گھستی محسوس ہوتی رہی تھیں۔ وہ نفرت اور غصے کی انتہا پر تھا اور جنونی انداز میں سوچتا آیا تھا کہ کس طرح وہ ان دونوں کی زندگی درہم برہم کر سکتا ہے اور ایسے الفاظ استعمال کرے جس سے اس کی نفرت ظاہر ہو جائے اور لالہ رخ، مصطفیٰ خان کی زندگی سے ہر صورت میں نکل جائے۔ مگر مصطفیٰ خان کو روبرو دیکھ کر اس کے اندر سر پٹختی تند و تیز لہریں یکدم ماند پڑ گئیں۔ وہ جھاگ کی طرح بیٹھتا چلا گیا۔ وہ اس سے مرعوب ہو گیا تھا یا اس کا ٹھنڈا پُرسکون لہجہ، اس کی آنکھوں میں چھائی بے نام سی افسردگی، اس کے اندر اٹدتے نفرت کے اس طوفان کو کاٹ کر رکھ گئی تھی۔ اس کی سرمئی آنکھوں میں اسے لالہ رخ کے لئے بے حد عقیدت اور محبت جھلکتی دکھائی دی تھی۔ اس کے باطن کی پاکیزگی اس کے چہرے پر ایک وقار پیدا کر کے مقابل کو مرعوب کر رہی تھی اور وہ نہ صرف مرعوب تھا بلکہ بے عنوان سی ندامت میں گھر کر رہ گیا تھا۔

یقیناً وہ لالہ رخ کا سچا اور بے غرض چاہنے والا تھا اور جو محبت کرتے ہیں، جن کی محبت بے غرض اور بے لوث ہوتی ہے، وہ اپنے محبوب کو ہر ممکن خوشی دینا چاہتے ہیں، اس کی راہوں کو آسان بنانے کے جتن کرتے ہیں، اس کے لبوں پر ہنسی اور مسکراہٹ کے پھول کھلانے کے لئے خود کانٹوں سے الجھ جاتے ہیں مگر انہیں آنچ نہیں آنے دیتے۔ یہی سچی اور بے غرض محبت کا ثبوت ہوتا ہے اور یہ ثبوت مصطفیٰ خان نے دے دیا تھا۔ وہ بلاشبہ عظیم تھا۔ اس کے سامنے سیف الرحمٰن کو اپنا آپ بے حد حقیر اور پست دکھائی دینے لگا تھا۔ وہ حمزہ کا سگا باپ نہیں تھا مگر باپ سے بڑھ کر تھا۔ اس لئے کہ اس کے سینے میں محبت کرنے والا پُرخلوص دل تھا۔ جبکہ وہ ایک منتقم مزاج، مفاد پرست اور خود غرض آدمی تھا جس کے سر پر اپنی جھوٹی انانیت، اپنی مردانگی کا زعم اور اپنے محدود اختیارات کا بھوت سوار رہتا تھا۔ وہ ان مردوں میں سے تھا جو عورت کو محض تن آسودگی کے لئے لے آتے ہیں، اس کی روح کو محسوس نہیں کرتے، اپنی جسمانی خواہشات کی بھینٹ چڑھاتے ہوئے عورت کے حساس دل، اس کی ترجیحات کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ شادی کو محض جذباتی تسکین کا سامان سمجھتے ہیں، اختیارات کی جنگ خیال کرتے ہوئے زور و جبر اور استہزاء کا مظاہرہ کرنے لگتے ہیں، جبکہ یہ بندھن جسموں سے نہیں، دلوں سے مربوط ہوتا ہے۔ یہ ہوس کی بنیاد پر نہیں، محبت کی بنیاد پر قائم ہونے والا رشتہ ہے جس میں فریقین ایک دوسرے کی خامیوں کو درگزر کر کے زندگی کی خوشیوں کے لئے در کھولتے ہیں۔ ایک مکان کو گھر بنانے اور گھر کو آسودگی سے آراستہ کرنے

کے لئے جبر و استبداد، انانیت اور اختیارات کی نہیں، باہمی اعتماد کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ اعتماد اپنی اپنی بشری کمزوریوں کو نگاہ میں رکھ کر ایک دوسرے کی غلطیوں اور خامیوں کو نظر انداز کرنے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

مگر یہ ساری باتیں سیف الرحمٰن کو تب سمجھ میں نہ آ سکی تھیں اور یقیناً وقت بہت بڑا استاد ہے۔ وہ نالائق شاگردوں کو ٹھوکروں کے زور پر رکھ کر عقل کی راہ پر ڈال دیتا ہے۔ اور آج سیف الرحمٰن بھی ان ٹھوکروں کے بعد فلسفہ حیات کو نئے رخ سے پڑھ رہا تھا۔

وہ بیڈ سے اتر کر جوتوں سے پیر آزاد کر کے باتھ روم میں جا گھسا۔ منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مار کر وہ باہر آ گیا۔

اماں اپنے کمرے میں تھیں، تانیہ باورچی خانے کی ترتیب درست کر رہی تھی۔ گھر کی فضا میں حسب معمول اداسی رچی ہوئی تھی۔

''ایک کپ چائے کا مل جائے گا؟'' اس نے باورچی خانے میں جھانکا۔ تانیہ نے کیبنٹ بند کرتے ہوئے چونک کر اس کی طرف دیکھا، اس کا چونکنا غلط نہیں تھا۔ اس کا لہجہ خلاف معمول نرم اور سادہ سا تھا۔ ''میں امی کے کمرے میں ہوں، وہیں لے آنا۔'' وہ اسی انداز میں کہتا ہوا پلٹ کر چلا گیا۔

اماں کے کمرے کی فضا میں بھی ایک اداسی گھلی ہوئی تھی۔ وہ ان کے بیڈ کی پائنتی کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور ان کے ٹھنڈے پیروں پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

''میں نے ہارون سے بات کر لی ہے امی! وہ کل تانیہ کو آ کر لے جائے گا۔''

اماں نے آنکھوں سے بازو ہٹائے اور اس کی طرف حیرت سے دیکھا۔

''ہارون..... مان گیا، کیسے مان گیا؟'' وہ یکدم جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

''جب صبوحی اس گھر میں آ جائے گی تو پھر تانیہ کو یہاں رکھنے کا کیا جواز رہ جائے گا۔'' وہ مدھم لہجے میں بولا۔ اب کے اماں حیرت اور بے یقینی سے دم بخود رہ گئیں۔

''میں حمزہ کو اس کی ماں کو دے آیا ہوں امی!'' اس نے یہ کہتے ہوئے ان کی طرف دیکھا جن کی آنکھوں میں حیرت کا گویا ایک سمندر موجزن تھا۔ دوسرے پل یہ حیرت خوشگوار مسرت میں بدل گئی۔

''تو...... تو سچ کہہ رہا ہے سیفی؟''

''ہاں، بالکل سچ۔ آپ ٹھیک کہتی ہیں امی! آنکھ کھلے تو کھو جانے والے خواب کا پیچھا نہیں کرتے، کھو جانے والا خواب لوٹا نہیں کرتا، چاہے کتنی دیر آنکھیں بند رکھیں۔ مگر ایک

خواب کے ٹوٹ جانے، کھو جانے سے خوابوں کا سلسلہ تو نہیں ٹوٹ جاتا۔'' اس کی آنکھوں میں دُھند کا ہلکا سا غلبہ چھا گیا مگر دوسرے پل وہ ایک سانس کھینچ کر ہلکے سے مسکرا دیا۔

وہ اس حقیقت کو دل سے قبول کر چکا تھا کہ لالہ رخ اس کی زندگی سے مکمل طور پر نکل چکی ہے۔ نفرت اور محبت میں بہت کم فاصلہ ہوتا ہے دونوں کے بیچ، نہ دکھائی دینے والا خط تنسیخ ہوتا ہے، ایک غلط فیصلہ اس خط کو کاٹ دیتا ہے۔ نفرت کے دریا کا بند ٹوٹ جائے تو محبت کا ساحل ڈوب جاتا ہے۔ تا عمر ڈھونڈتے رہو تب بھی وہ ساحل نہیں ملتا۔ جبکہ اس کا ساحل اب صبوحی تھی، جلد یا بدیر اسے اسی ساحل پر پناہ لینی تھی۔ اور سچ تو یہ تھا کہ وہ حالات کی موجوں کی اس پیہم یلغار سے ٹکرا ٹکرا کر تھک چکا تھا، اندر سے پُرسکون ساحل کی فطری تمنائیں کروٹ لینے لگی تھیں۔ اماں کی خوشی قابل دید تھی۔

''میں...... میں آج ہی صبوحی کو لینے جاؤں گی۔'' ان کی آواز خوشی سے کانپ رہی تھی۔

''آج ہی نہیں بلکہ اسی وقت۔'' وہ بستر سے اترنے لگیں۔

''نہیں امی! آپ نہیں جائیں گی، میں خود جاؤں گا۔'' وہ مدھم مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''میں...... میں ابھی ثانیہ کو بتاتی ہوں۔ وہ پاگل تو خوشی سے مر جائے گی۔'' اماں لپکتے جھپکتے دل کو سنبھالتی بستر سے اتریں اور ثانیہ کو یہ خوش خبری سنانے دوڑ گئیں۔

٭٭٭

نہ کوئی موسم ہمارے مابین بشارتوں کا
نہ کوئی اظہار ذہن و دل کی تہوں میں رہتی رفاقتوں
کی کہانیوں کا
نہ کوئی احساس قربتوں کا
نہ ایک بارش میں بھیگتے ہم کہیں سے گزرے
نہ جسم و جاں کی مہک نے قدموں کو ڈگمگایا
نہ کوئی بھونچال خواہشوں کے بدن میں آیا
نہ ہم نے اک دوسرے کی آنکھوں میں خواب دیکھے
نہ ہاتھ تھامے ہوئے وفا کے سفر پہ نکلے
نہ یاد رکھا
نہ راہ بھولے
نہ ہم نے اک دوسرے کی عمروں کو ایک سطح پر لا کر

مثال حرف غلط مٹایا
نہ دل میں ایسے کسی بھی احساس کو جگایا
مگر یہ ظالم ہوا نے کیسی فضا بنا دی
کہ اب یہی راستہ ہے
اور اب اسی پہ چلنے سے پاؤں چھلنی بھی ہو رہے ہیں
تو ہونٹ سی لیں
جو خواب دیکھے نہیں تھے ہم نے
انہی کے ہونے کا زہر پی لیں!

وہ صبوحی کے گھر میں کھڑا تھا۔ وہ زندگی کی طرف لوٹ آیا تھا۔ اس لئے کہ اسے زندگی کی طرف لوٹنا ہی تھا۔ تقدیر کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں، نہ جھکنے والے انسان کو توڑ دیتے ہیں، خدائی کا دعویٰ کرنے والا فرعون بھی تقدیر کے آگے بے بس ہو کر آج عبرت کی تصویر بنا ہوا ہے۔ سچ ہی کہتے ہیں، انسان کی بساط ہی کیا ہے؟ ایک حباب جو پھوٹ گیا، ایک پرندہ جو اُڑ گیا، سانس کا ایک سلسلہ جو ٹوٹ گیا۔

٭٭٭

سکندر ولا میں خوب رونق لگی ہوئی تھی۔ رات کے کھانے پر رفیعہ بیگم کی ہدایت پر خوب اہتمام کیا جا رہا تھا۔

''ہم لالی کو یونہی آپ کے ساتھ نہیں بھیج دیں گے۔'' روبی اور حنا، مصطفیٰ خان کو چھیڑ رہی تھیں۔

''تو کیسے بھیجیں گی؟'' اس کے لبوں کی تراش میں مسکراہٹ تھی مگر اس کی آنکھیں بجھی بجھی سی تھیں۔ گئے لمحوں کا ملال اب بھی آنکھوں کے پار بھرا ہوا تھا۔ وہ ان جذباتی لمحات پر جتنا ماتم کرتا، افسوس کرتا، نادم ہوتا، کم تھا۔ اس کی نظریں گاہے بگاہے لالہ رخ پر اٹھ جاتیں جو مورے اور رفیعہ بیگم کے درمیان حمزہ کو گود میں لئے بیٹھی تھی اور بے حد مطمئن دکھائی دے رہی تھی اور حمزہ کو بار بار یوں چوم رہی تھی، جیسے اس کی موجودگی کا یقین کرنا چاہتی ہو۔

''بھئی جس طرح لڑکیاں والدین کے گھر سے رخصت ہوتی ہیں، ویسے ہی لالی بھی رخصت ہو گی۔'' روبی کھنک کے ساتھ بولی۔

''لڑکیاں کس طرح رخصت ہوتی ہیں، یہ مجھ سے پوچھئے طفی بھائی!'' خرم سوفٹ ڈرنک کے ٹن ٹیبل پر رکھتے ہوئے مصطفیٰ خان کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔ ''یعنی نئے سرے سے خرید

ہی سمجھ لیں۔'' خرم نے یہ کہتے ہوئے ٹھنڈی سانس کھینچ کر نہایت افسوس سے مصطفیٰ خان کو دیکھا، پھر جیسے رازدارانہ انداز میں اس کی طرف جھکتے ہوئے بولا۔

''ان کی باتوں میں مت آئیے گا، یہ آپ کی جیب پر نئے سرے سے ڈاکہ ڈالنے کی فکر میں ہیں۔ میری مانئے تو لالی کو چھپا کر لے کر نکل بھاگئے، فائدے میں رہیں گے۔''

''ایسے ہی نکل بھاگیں گے۔ یہ مصطفیٰ بھائی ہیں، خرم نہیں ہیں۔ تمہارا بس چلتا تو تم تو ایک آنہ خرچ کئے بغیر ہی پلوشہ کو لے کر نکل جاتے۔'' حسنہ نے اسے گھورا۔

''ارے ہمارا بس چلتا تو ہم کیا کچھ نہ کرتے۔'' حسنہ کی بات پر خرم کے لبوں سے ایک طویل ٹھنڈی سانس نکل گئی۔ پھر وہ ایک آہِ پُرسوز بھرتے ہوئے پلوشہ پر ایک اچٹتی نظر پھینکتے ہوئے بولا۔

''یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

بس آپ لوگ نہ ہی چھیڑیں میرے زخموں کو تو اچھا ہے۔ ناحق دل خون ہوتا ہے، جگر چھلنی ہوتا ہے۔''

''چہ چہ۔

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شب غم بری بلا ہے
مجھے کیا برا تھا مرنا، اگر ایک بار ہوتا''

جاذب نے اسے مزید چڑایا۔

وہ گھور کر جاذب کو دیکھنے لگا۔

''یہ جلنا کڑھنا بند کر دو اور صبر سے بیٹھ کر میٹھے ثمر کا انتظار کرو۔ طلال کو نہیں دیکھتے، کیسا صابر شاکر بچہ ہے۔'' حسنہ نے اسے ایک ہاتھ جڑ دیا۔ ''یوں بھی تم سے پہلے اسی کا نمبر آتا ہے۔''

''کس نے کہہ دیا کہ بچہ صبر سے بیٹھا ہے، ذرا تصویریں ڈھل کر آ لینے دیجئے، سب پتہ چل جائے گا اس صابر شاکر بچے کا۔'' خرم کی اس بات پر بے ساختہ قہقہہ پڑا تھا۔

طلال بے ساختہ جھینپ کر رہ گیا اور اپنی جھینپ مٹانے کو خرم کو فہمائشی نظروں سے گھورنے لگا۔

''دراصل تم اپنی محرومی کا بدلہ بیچارے طلال سے لے رہے ہو۔'' مصطفیٰ خان نے لب کشائی کی۔

''دھواں بہرحال کہیں تو نکلنا ہی تھا۔'' جاذب نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

روشانہ کا چہرہ مارے خفت کے لال ہو رہا تھا۔ وہ محجوب سی وہاں سے اٹھ کر لالہ رخ کے پاس جا بیٹھی تھی۔

''تصویریں ہی بنوائی ہیں نا۔ اور روشانہ کون سی نامحرم ہے اس کی۔'' حسنہ نے طلال کا دفاع کیا۔

''میں تو تصویروں سے بھی محروم ہوں۔'' خرم جلدی سے بولا اور ساتھ ہی قہقہہ لگایا۔

''اب کیا، کیا جائے کہ تمہیں تصویروں کے بھی قابل نہیں سمجھا جا رہا ہے۔ یہ تو اپنی اپنی قسمت کی بات ہے۔''

''یہ کیا فضول باتیں کر رہے ہو تم لوگ؟ ذرا ارد گرد بھی دیکھ لیا کرو۔'' سعدیہ بھابی نے آ کر خرم اور جاذب کو ٹوکا۔ آمنہ بیگم اور صبیحہ کی موجودگی میں انہیں خرم کا یہ مذاق کسی طور نہیں بھا سکتا تھا۔

❋☆❋

رات کا کھانا بے حد خوشگوار ماحول میں کھایا گیا۔ کھانے کے بعد چائے کا دور چلا، تب مصطفیٰ خان نے مورے اور لالہ رخ کو بیک وقت مخاطب کیا تھا۔

''ساری پیکنگ کر لیجئے گا۔ کل صبح سویرے ہی ہمیں مردان کے لئے نکل جانا ہے، وہاں پہلے ہی بہت سا کام رکا ہوا ہے۔ اگر اب مزید دن رہنے کا آپ کا کوئی پروگرام ہو تو اسے ختم سمجھیے۔'' اس کا لب ولہجہ گو کہ شائستہ تھا مگر اس کی شائستگی میں تحکم تھا۔

لالہ رخ نے چائے کا مگ لبوں سے لگاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا مگر وہ حمزہ کو اٹھائے باہر نکل گیا۔

خاصی رات کو وہ لوٹا تو حمزہ اس کے کندھے پر سو رہا تھا۔ لالہ رخ لابی میں ٹہلتی ہوئی اس کا شدت سے انتظار کر رہی تھی۔ اس نے لابی سے گزرتے ہوئے ایک اچٹتی نظر اس پر ڈالی اور حمزہ کو اٹھائے اٹھائے بیڈ روم کی طرف بڑھ گیا۔ وہ اسی اضطراری انداز میں اس کے پیچھے چلی آئی۔

وہ حمزہ کو اس کے بیڈ پر سلا کر اس پر نرم لحاف ڈال کر پلٹا، وہ دروازے پر گومگو کی سی کیفیت میں کھڑی تھی۔

''تم بھی سو جاؤ، صبح ہمیں جلدی نکلنا ہے۔'' وہ یہ کہتا ہوا اس کے نزدیک سے گزر کر کمرے سے نکلنے لگا مگر پھر کچھ سوچ کر رکا اور اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"کچھ کہنا چاہتی ہو؟"

"ہاں۔نن......نہیں۔" وہ اس کی طرف دیکھنے لگی مگر زیادہ دیر نہ دیکھ سکی، پلکیں انجانے بوجھ سے جھک گئیں۔

"نیند نہیں آرہی ہے کیا؟"

اس نے سرنفی میں ہلا دیا۔

"نیند تو مجھے بھی نہیں آرہی ہے۔ بلکہ ایک عرصہ ہوا نیند آنکھوں سے روٹھی ہوئی ہے۔" وہ اس کی طرف دیکھنے لگی تو وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔ "ہاں، مگر تم یقین کہاں کرو گی۔ ہے نا؟"

وہ چپ رہی۔ تب ہی اس نے نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور چلنے لگا۔ وہ بادل نخواستہ اس کے ہمراہ چلی آئی۔

باغیچے کا یہ گوشہ چاندنی کی مدھم روشنی سے مہکا ہوا تھا، ہوا میں خنکی کا احساس غالب تھا، پھول پودے دن بھر اٹھکیلیاں کرنے کے باوجود اس وقت بھی کھلکھلاتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

وہ گلاب کی کیاری کے پاس چلے آئے۔ یہاں سے چاند بہت صاف دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ہارسنگھار کے تنے سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

مصطفیٰ خان کے لب میکانکی انداز میں بھنچ گئے مگر دوسرے پل وہ ایک گہری سانس لے کر اور خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھنے لگا۔

لالہ رخ کو اپنی پیشانی پر تپش کا احساس ہونے لگا، اس کی پلکیں لرز کر جھک گئیں۔

"جو دل میں رہتے ہیں نا ان کی محبت دوریوں سے ختم ہونے کی بجائے اور شدت اختیار کر لیتی ہے۔ فاصلے قرب کے شعلوں کو بجھانے کی بجائے اس کی لَو کو اور بڑھا دینے کا سبب ہوتے ہیں۔ یہی تو فرق ہے ہوس اور محبت میں کہ محبت دُوری، فاصلوں اور فرقت سے کسی پیاسے کی پیاس کی طرح بڑھتی چلی جاتی ہے۔ ہوس لمحوں کا کھیل ہے، عارضی، بے نام، بے عنوان سے لمحوں کا کھیل۔ مگر محبت زندگی ہے، روشنی ہے جو عمر بھر ساتھ رہ کر راستہ سجھاتی رہتی ہے۔ یہ رہنمائی کرتی ہے، یہ تنہائی میں بھی آدمی کو تنہا نہیں ہونے دیتی۔ جانتی ہو جب میں پہلی بار تم سے دور ہوا تھا تب مجھے احساس ہوا کہ میں تو طلال کی اس موہنی سی بہن کے عشق میں گرفتار ہو چکا ہوں۔ طلال کے کمرے کی دیواریں سیاہی سے گندی کر کے میں تمہیں لاشعوری طور پر اپنی موجودگی کا احساس دلانا چاہتا تھا، مجھے معلوم تھا تمہیں صفائی ستھرائی کا کتنا کریز ہے، دیواریں گندی کرنے سے تم چڑتی ہو اور تم مجھے میرے پیچھے خوب کوسو گی، برا بھلا

کہو گی، مگر کسی طرح میرا ذکر کرتی تو رہو گی۔ میری غیر موجودگی میں بھی کسی احساس سے مجھے یاد تو کرو گی۔ پھر درمیان میں ماہ وسال اس طرح دیوار بن کر کھڑے ہو گئے کہ میں تم تک آنے کے باوجود نہ آسکا۔ مگر تقدیر کو ہمارا ملاپ منظور تھا، یا جذبوں کی صداقت پر تقدیر کو رحم آ گیا تھا۔ میں لوٹ کر آیا تو تم سیف الرحمٰن کی بے وفائی کا غم سہار رہی تھیں۔ اس وقت یقین کرو مجھے تم اور شدت سے اپنے دل میں اترتی محسوس ہونے لگی تھیں۔ بس نہیں چل رہا تھا تمہاری یہ غمزدہ دل گرفتہ مسکراہٹ نوچ کر اس کی جگہ ایک حسین شگفتہ مسکراہٹ سجا دوں، تمہارے تمام دُکھوں کو چن کر تمہیں سکھ سے مالا مال کر دوں، تم قلبی طور پر افسردہ تھیں مگر ظاہر نہیں کرتی تھیں، تمہاری یہی خوبی مجھے بڑی اچھی لگتی تھی۔ اپنے غموں پر پردہ رکھ کر تم سب کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں میں بھرپور انداز میں شامل ہوتی تھیں، تم سب کو خوش، مطمئن دیکھنا چاہتی تھیں اور اپنی ذات کا ہر رنگ اپنے دل میں کسی قیمتی متاع کی طرح سمیٹ کر، چھپا کر رکھنا چاہتی تھیں۔ اور جب یہی قیمتی متاع میں نے چھیننی چاہی، تمہارے اندر نقب لگانی چاہی تو تم بپھر اٹھیں۔ تم نفرت نہیں کرتی تھیں بلکہ تم نفرت کر ہی نہیں سکتیں۔ اس لئے کہ تمہیں نفرت کرنا آتی ہی نہیں ہے۔ بس تم ظاہری طور پر نفرت کا دکھاوا کر رہی تھیں، تم دراصل میری محبت سے گھبرا اٹھی تھیں، تم جو عرصے سے اس غم کو اپنی حیات بنا کر رکھے ہوئے تھیں، اس میں خلل پڑا تھا۔ تمہیں کوئی تمہاری ذات سے چھین رہا تھا اور تم برداشت نہ کر سکیں، تم اپنے غموں اور تنہائی کے خول میں سمٹ کر اس غمزدہ دنیا میں رہنا چاہتی تھیں، اس میں میرا وجود ہلچل مچا گیا تھا اور یہ ہلچل تمہیں ناگوار گزری تھی۔ جس کا برملا تم اظہار کرنے لگیں اور میں پیچھے ہٹنے کی بجائے اور آگے بڑھتا گیا، جو تمہاری شکست کا سبب بن رہا تھا، تمہارے اندر توڑ پھوڑ ہونے لگی، شکست کا احساس تم پر وحشت بن کر چھانے لگا اور تم مکمل طور پر منتشر ہو گئیں۔ میں تمہیں نئے سرے سے جوڑ لیتا، مگر اس وقت اچانک سیف الرحمٰن درمیان میں جانے کہاں سے آ گیا اور تمہاری حماقت اور میری جذباتیت نے مل کر ہماری زندگی کو ایک شدید نقصان پہنچایا۔ ناقابل تلافی لمحات ہماری جھولی میں ڈال گیا۔"

وہ بولتے بولتے گہرے ملال میں گھر کر کچھ دیر کے لئے چپ سا ہو گیا۔

لالہ رخ کی افسردہ آنکھوں میں بھی گزری شبوں کا کرب نمایاں ہونے لگا۔

اس کی باتیں حرف بہ حرف سچ تھیں۔ اسے حیرت کے ساتھ خوشی ہو رہی تھی کہ اس نے اسے کتنی گہرائی سے سمجھا تھا، گویا اس کی ایک ایک سوچ کو پڑھتا رہا تھا، اور وہ کم فہم، نادان اسے فاصلوں پر سمجھتی رہی۔

اسے اپنے رویوں پر ملال ہونے لگا۔ اگر وہ اس سے بدگمان ہوا تھا تو اس کا سبب اس کی جذباتیت سے زیادہ اس کی اپنی حماقت رہی تھی، اپنی کم فہمی اور نادانی رہی تھی۔

اس کی آنکھیں یکایک ملال سے بھیگنے لگیں۔

وقت بہت بڑا فیصلہ گو ہے، یہ کبھی کبھی از خود وہ فیصلہ بے حد عمدگی سے کر جاتا ہے جو انسانی ذہن و دل باوجود اتفاق کے نہیں کر پاتے۔

اُجاڑ لمحوں کی داستانیں جو تم کہو تو سنائیں تم کو
بہت سا ہم جاگتے رہے ہیں چلو ذرا اب جگائیں تم کو
تمہی ہو جو روشنی سی بن بن کے میری آنکھوں میں آ بسے ہو
جب اپنی آنکھیں ہی کہہ دیا ہے تو پھر بھلا کیوں رُلائیں تم کو

''نہیں لالی! ان آنکھوں میں آنسو نہیں، میں اب مسکراہٹ دیکھنا چاہتا ہوں۔'' اس نے لالہ رخ کی بھیگی آنکھوں سے نکلنے والے آنسوؤں کو تمام تر اپنائیت اور محبت سے چن لیا۔

لالہ رخ اسے دیکھے گئی۔ ایک عقیدت اور جذبۂ تشکر سے۔ پھر گلاب کے پودوں سے ایک مہکتی کلی توڑ کر اس کے کالر میں لگا دی۔

بہت معصوم اور پاکیزہ سا اظہارِ محبت تھا۔ مصطفیٰ خان نے اپنے کالر میں اٹکی ہوئی کلی کو ایک نظر دیکھا اور اس کی طرف بے پناہ محبت سے دیکھنے لگا۔ اس پل اسے اس کا چہرہ بھی گلاب کی سی کلی کی مانند دکھائی دے رہا تھا، سرخ سرخ، شرمایا ہوا۔

وہ ماضی کی وہی شگفتہ لالہ رخ دکھائی دے رہی تھی جس نے پہلی بار اس کے دل کے تار پر مضراب مارا تھا۔ اور آج اس کی محبت جڑوں کی طرح اس کے اندر دور دور تک پھیل کر تناور درخت بن گئی تھی۔ وہ اس کے لئے ایک ایسی ٹھنڈی چھاؤں تھی جس میں اب وہ آرام کرنا چاہتا تھا، اپنی ساری تھکن اتار کر پُرسکون ہونا چاہتا تھا......!

(ختم شد)